ی

یگیہ - ویدپرست کرم - اگنی رہوترا یا اگنی رہوتا ÷

یگیارتھ - یگیہ کے مطلب سے ÷

یم - روک - یوگ کی خاص روکیں یا ضبط نفس کے ذریعہ جو اہنسا ستیہ استیہ - برہمچریہ اور اپریگرہ ہیں ÷

یوگ - کیفیات نفس کو روک کر ذات اصلی کے منکشف کرنے کا شاستر ÷

یوگی - یوگ شاستر کے ماننے والا - یوگ کرنے والا ÷

یوگ یگیہ - یوگ کا یگ - یعنی بجائے آگ میں گھی پھونکنے کے یوگ کرنا ÷

اوم شانتیہ شانتیہ شانتیہ

واد - مذہب فلسفہ - نظام فلسفہ - مسئلہ ٭
وادی - واد یا خاص مسئلے یا مذہب والا ٭
واسنا - لطیف خواہش جو وقت پر اسباب پاکر ظاہر ہوتی ہے ٭
واک - قوتِ گویائی ٭
وایو - ہوا ٭
ورن - ذات جیسے چار ورن برہمن کشتری - ویش - شودر ٭
وستو - چیز - شے ٭
وشِشٹ ادویت - رامانج کا مسئلہ وحدت وجود منعف ٭
وشنو - ایشور کا نام - جگت کی پالن کرنے والا ٭
وشو - ستھول شریر کا ابھمانی چیتن - جیو ٭
وشوروپ درشن - ایشور کو کل ہما روپ دیکھنا ٭
وکشپت - مضطرب ٭
وکشیپ - اضطراب - بیقراری ٭
وِوَرت - ادھشٹھان کا اور روپ سے نظر آنا - جیسے رسی سانپ یا برہم جگت روپ نظر آتا ہے ٭
وویک - تمیز ہست و نیست کی تمیز ٭

ویاکھیا - بیان - تشریح - تفسیر - لکچر ٭
ویان - پران کی وہ قسم جو تمام جسم میں ساری اور جسم کو سہارے ہوئے ہے ٭
ویریہ - طاقت - بل ٭
ویش - تیسرا آشرم یا ذات جس کا کام کھیتی اور بیوپار ہے ٭
ویشیشک شاستر - وہ مذہب فلسفہ جو مادہ - روح - خدا تینوں چیزوں کا ماننے والا ہے اور چھ جواہر سے تمام خلقت بناتا ہے ٭
وید - ہندوؤں کی چار مقدس کتابیں رک - یجر - سام - اتھرو ٭
ویدانت - وید کا اخیر حصہ جس میں گیان ہے - اپنشد - فلسفہ وحدت وجود ٭
ویدانتی - ویدانت کا ماننے والا ٭

ہ

ہردے - دل - قلب ٭
ہرنیہ گربھ - سوکشم سرشٹی کا ابھمانی چیتن - انتریامی - سوتر آتما ٭
ہون - وید منتر پڑھکر گھیہ اگنی میں آہتی دینا ٭
ہوی - وہ شے جو آگ میں ہون کیجائے یا پھونکی جائے ٭

مہتت - سانکھیہ کی دوسری پرکرتی
بدّھی ✣
مہیشور - سب سے بڑا ایشور -
رب الارباب ✣
میگھ - ابر ✣
میمانسا - بچار ✣

ن

ناتھ - مالک ✣
نارائن - ایشور - خدا ✣
ناڑی - رگ - عصبہ ✣
ناستک - ویدوں کا نہ ماننے والا -
خدا کا نہ ماننے والا ✣
ناش - فنا - معلول کا علّت میں
مختفی ہو جانا ✣
ناشوان - فنا ہو جانے یا مٹ جانے
والی چیز ✣
نت نیم - سندھیا - روزمرہ کے کرنے
کی چیز ✣
نج - اپنا ✣
ندِدھیاسن - استغراق ✣
ندی - دریا ✣
نردوند - رنج و راحت میں یکساں ✣
نرُدھ - رُکا ہوا ✣
نرلیپ - بے تعلق ✣

نرگن - بے صفات ذات واجب الوجود ✣
نروان - موکش - مکتی - نجات ✣
نروچن - توضیح - بیان ✣
نرودھ - روکنے کی حالت ✣
نشچے - تحقیق ہو جانے کی حالت ✣
نشچے آتمک بدّھی - تحقیق کرنیوالی
عقل یا بدّھی ✣
نشکام کرم - اعمال بے خواہش ثمرہ ✣
نمتّ کارن - علّت آلی ✣
نمسکار - جھکنا - تعظیم کرنا ✣
نوراترے - درگا پوجا کے نودن ✣
نوین - نیا ✣
نیایے - وہ شاستر جو تین وجود
یعنی مادّہ روح اور خدا کو مانتا ہے
اور خلقت اشیاء میں عدم سے
ہست ہونے کا قائل ہے ✣
نیاییک - نیایے شاستر کا ماننے والا ✣
نیتی - تمدّن و اخلاق ✣
نیتی نیتی - برہم یہ بھی نہیں ہے -
وہ بھی نہیں ہے - بلاصفت - بیان
کی حد سے باہر ✣
نیم - قاعدہ ✣

و

واچک گیانی - کہنے کا یا جھوٹا گیانی ✣

منتھیا - جھوٹا ٭
مڑیاوا پرشوتم - وہ اوتار جو آئین و قوانین مقرر کرتا ہے - جیسے شری رام چندر ٭
مکت - رہائی یا نجات پایا ہوا - ناجی ٭
مکتی - رہائی یا نجات - موکش ٭
مگن - ڈوبا ہوا - سرمست - نہایت خوش ٭
ممکشو - طالب نجات - موکش چاہنے والا ٭
ممکشوتا - طلب نجات - موکش کی چاہ ٭
مل - میل - غلاظت ٭
ملین - میلا - غلیظ ٭
من - نفس - قلب - مائنڈ ٭
منتر - وید یا گیتا کا شلوک یا شلوک کا حصہ ٭
منڈلی - گروہ ٭
منڈن - کسی بات کا ثابت یا قائم کرنا ٭
منگلاچرن - خوشی منانا ٭
منن - غور و فکر - سوچ بچار ٭
منی - مون یا خاموشی اختیار کرنے والا عارف - باگیانی ٭
منوراج - تصور - وہمی باتیں ٭
منومے کوش - آتما کا وہ غلاف جو من کا ہے ٭

مورت - یا مورتی - صورت - شکل بت ٭
مورتی مان - مورت والا ٭
مورکھ - بے وقوف - نادان ٭
موڑھ - بے ہوش - بے وقوف نادان نیند وغیرہ کی کیفیت ٭
موکش - رہائی یا نجات - مکتی ٭
موکش دایک - موکش دینے والا ٭
مول پرکرتی - سانکھیہ کی پہلی پرکرتی اوکت یا پردھان ٭
موہ - غفلت - پندار ٭
مہا - بڑا - عظیم ٭
مہابھوت - پانچ عناصر لطیف یعنی خاک آب آتش باد اور آکاش ٭
مہا پرلے - وہ قیامت جس میں کل کائنات بیج روپ رہجاتی ہے کھنڈ پرلے یعنی خاص کرون یا نظاموں کی پرلے سے مختلف ٭
مہاتل - ہماری زمین سے نیچے کا پانچواں طبقہ
مہاتما - بڑا یا نہایت اچھا آدمی ٭
مہان - بڑا ٭
مہاواکیہ - اپنشد کے وہ فقرے جو کلام عظیم جانتے ہیں - مثلاً تت توام اسی ٭
مہایوگیشور ہری - بڑے یوگیوں کے سردار - شری کرشن ٭

گنا تیت - تینوں گنوں سے یعنے
ستوگن رجوگن تم سے گزرا ہوا - جیون
مکت ٭

گندھ - بو ٭

گورو - اُستاد - مرشد ٭

گولک - کُرہ - گنبد ٭

گھٹ - دل - قلب ٭

گھران - قوت شامہ - سونگھنے کی
قوت ٭

گھوش - منادی ٭

گیاتا - عالم - جاننے والا ٭

گیان - علم - کانشس نس ٭

گیانی - عالم - اہل حال - مکت
پورش ٭

گیتا - راگ - شری مد بھگوت گیتا پر
اطلاق ہے ٭

گییہ - جاننے کے لائق چیز - برہم پر
اطلاق ہوتا ہے ٭

ل

لابھ - فائدہ ٭

لکشمی - دولت - بھگوان وشنو کی استری ٭

لوبھ - لالچ - طمع - ہوس ٭

لوک - دنیا - عالم اسفل یا اعلےٰ یا ہماری
زمین ٭

لوکانتر - اور لوک یا دنیائیں ٭

لوک سنگرہ - آدمیوں کو جمع رکھنا -
فیض رسانئ خلائق - نظام
عالم ٭

لولین - سرمست - کسی خیال میں مگن ٭

لے - فنا ٭

لے چنتن - پرتی لوم پرنیام سے
معلول کو علت میں فنا کرکے سوچنا
کہ معلول کوئی چیز نہیں ہے علت ہی سب
کچھ ہے - اس طرح ایک ذات احد پر پہنچنا ٭

لیش - حصہ - بقیہ ٭

لیکھ - تحریر ٭

لیلا - کھیل - تماشہ ٭

م

ماتر - صرف ٭

مارگ - طریق - راستہ - مت - ملت ٭

مانش - منش یا انسان سے متعلق ٭

مایا - برہم کی وہ سکتی یا قوت جو
پیدائش عالم کے وقت ظہور میں آتی
ہے اور نرگنا کہلاتی ہے ٭

مایاواد - مایا کا مسئلہ ٭

مایاوی - مایا سے متعلق - وہمی محض
دکھاوا ہی دکھاوا ٭

مت - مذہب - ملت ٭

کامی - خواہشمند - شہوت پرست - اہل ہوس ✤
کتھا - حکایت - گفتگو ✤
کرت ہانی اکرت ابھیاگم - کئے ہوئے کام کا ثمرہ - ملنا اور نہ کئے ہوئے کا ملنا ✤
کرم - ترتیب ✤
کرم - کام - فعل - عمل -
کرم بھوگ - ثمرۂ اعمال ✤
کرم سادھیہ - وہ شے جو اعمال سے سرانجام ہو سکے ✤
کرم کانڈ - وید کا وہ حصّہ جو اعمال سے متعلق ہے ✤
کرم کانڈی - اعمال کرنے والا - اعمال کے ماننے والا ✤
کرم مارگ - طریق اعمال جس میں آدمی اعمال کو وسیلۂ نجات سمجھتا ہے ✤
کرم موکش - نجات تدریجی ✤
کرن - ذریعہ - وسیلہ - آل ✤
کرونا - رقت - دیا ✤
کشٹت برتی - ایسی کیفیات جن سے نفس چنچل رہتا ہے - مثلاً بھوک پیاس غصّہ وغیرہ ✤
کشتری - بہادر - دلیر - ہندوؤں کی ایک ذات ✤
کشوبھ - اضطراب - بے قراری ✤
کشیتر - کھیت - معلوم جسم وجسمانیات ✤
کشیترگیہ - کھیت یا جسم کا جاننے والا گیان سروپ آتما ✤
کلپ - وہ کروڑوں برس کا عرصہ جس میں دنیا قائم رہتی ہے ✤
کلپت - کلپنا کیا گیا - مانا گیا ✤
کلپنا - ماننا - تصوّر کرنا ✤
کلیان - بھلائی - موکش ✤
کوش - غلاف - خزانہ ✤
کھیاتی - برتیتی - معلوم ہونا - بھرم یا مغالطے کی تشریح کا مسئلہ ✤
کھنڈت - کھنڈن یا تکذیب کیا گیا ✤
کھنڈن - تکذیب - غلط ثابت کرنا ✤

گ

گتی - رفتار - مآل - انجام ✤
گدگد بچن - روتے ہوئے یا فرطِ جوش سے بےتاب آدمی کی آواز یا بات ✤
گرنتھ - کتاب ✤
گرہست - گھر بار میں رہنے کی حالت - پہلا آشرم ✤
گرہستی - گرہست والا ✤
گن - وصف - صفت - خاصّہ ✤

سہن شیل۔ تکالیف سہنے کے مزاج والا ✣
سیوا۔ خدمت۔ پوجا ✣

ش

شاشتر۔ درشن۔ مذہب فلسفہ ✣
شاشترکار۔ شاشتر بنانے والا ✣
شاکھا۔ شاخ۔ وید پڑھانے والوں کے مختلف گھرانے ✣
شانت۔ شانتی والا تسکین و سکون قلب والا ✣
شانتی۔ تسکین۔ سکون قلب ✣
شبد۔ آواز ✣
شبد پرمان۔ وہ طرز دلیل جس میں کتاب یا اقوال بزرگاں سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے ✣
شبھ۔ مبارک ✣
شت رُوپا۔ سوشکلوں والی۔ منو کی بیوی ✣
شُدھ۔ پاک ✣
شُرتی۔ وید۔ وید کا فقرہ۔ اپنشد۔ کا فقرہ ✣
شردّھا۔ اعتقاد۔ عقیدہ ✣
شرن۔ پناہ ✣
شروتر۔ کان۔ قوت سامعہ ✣
شرون۔ سنّا۔ شاستر پڑھنا یا سنّا۔ درجۂ قال ✣
شری۔ لکشمی۔ دولت و ثروت ✣
شریر۔ جسم ✣
شکتی۔ طاقت۔ قدرت ✣
شم۔ من کا شانت ہونا۔ تسکین۔ سکون قلب ✣
شمشان۔ مرگھٹ۔ وہ جگہ جہاں مُردے جلائے جائیں ✣
شوَچ۔ صفائی ✣
شونیّہ۔ نیستی۔ عدم۔ وہ مذہب فلسفہ جو یہ مانتا ہے کہ کائنات کچھ نہیں ہے نائی ہلزم ✣
شونیّہ وادی۔ شونیّہ کا ماننے والا۔ نائی ہلسٹ ✣
شیل۔ مزاج۔ سبھاو ✣
شَیل۔ پہاڑ ✣

ک

کارن۔ سبب۔ علّت ✣
کارن شریر۔ وہ جسم جو اور اجسام کا باعث ہے۔ سُشپتی۔ اگیان ✣
کاریہ۔ کام ✣
کام۔ خواہش۔ شہوت۔ ہوس ✣
کام دھینو۔ منہ مانگی مرادیں دینے والی دیوتا روپ گائے ✣

کامی ۔ خواہشمند ۔ شہوت پرست ۔ اہل ہوس ٭

کتھا ۔ حکایت ۔ گفتگو ٭

کرت ہانی اکرت ابھیاگم ۔ کئے ہوئے کام کا ثمرہ نہ ملنا اور نہ کئے ہوئے کا ملنا ٭

کرم ۔ ترتیب ٭

کرم ۔ کام ۔ فعل ۔ عمل ٭

کرم بھوگ ۔ ثمرۂ اعمال ٭

کرم سادھیہ ۔ وہ شے جو اعمال سے سرانجام ہو سکے ٭

کرم کانڈ ۔ وید کا وہ حصّہ جو اعمال سے متعلق ہے ٭

کرم کانڈی ۔ اعمال کرنے والا ۔ اعمال کے ماننے والا ٭

کرم مارگ ۔ طریق اعمال جس میں آدمی اعمال کو وسیلۂ نجات سمجھتا ہے ٭

کرم موکش ۔ نجات تدریجی ٭

کرن ۔ ذریعہ ۔ وسیلہ ۔ آلہ ٭

کرونا ۔ رقّت ۔ دیا ٭

کشدھت برتی ۔ ایسی کیفیات جن سے نفس چنچل رہتا ہے ۔ مثلاً بھوک پیاس غصّہ وغیرہ ٭

کشتری ۔ بہادر ۔ دلیر ۔ ہندوؤں کی ایک ذات ٭

کشوبھ ۔ اضطراب ۔ بے قراری ٭

کشیتر ۔ کھیت ۔ معلوم جسم و جسمانیات ٭

کشیترگیہ ۔ کھیت یا جسم کا جاننے والا گیان سروپ آتما ٭

کلپ ۔ وہ کروڑوں برس کا عرصہ جس میں دنیا قائم رہتی ہے ٭

کلپت ۔ کلپنا کیا گیا ۔ مانا گیا ٭

کلپنا ۔ ماننا ۔ تصوّر کرنا ٭

کلیان ۔ بھلائی ۔ موکش ٭

کوش ۔ غلاف ۔ خزانہ ٭

کھیاتی ۔ برتینتی معلوم ہونا ۔ بھرم یا مغالطے کی تشریح کا مسئلہ ٭

کھنڈت ۔ کھنڈن یا تکذیب کیا گیا ٭

کھنڈن ۔ تکذیب ۔ غلط ثابت کرنا ٭

گ

گتی ۔ رفتار ۔ مآل ۔ انجام ٭

گدگد بچن ۔ روتے ہوئے یا فرطِ جوش سے بے تاب آدمی کی آواز یا بات ٭

گرنتھ ۔ کتاب ٭

گرہست ۔ گھر بار میں رہنے کی حالت ۔ پہلا آشرم ٭

گرہستی ۔ گرہست والا ٭

گن ۔ وصف ۔ حسن ۔ خاصہ ٭

سہن شیل۔ تکلیف سہنے کے مزاج والا ۔
سیوا۔ خدمت۔ پوجا ۔

ش

شاستر۔ درشن۔ مذہب فلسفہ ۔
شاستر کار۔ شاستر بنانے والا ۔
شاکھا۔ شاخ۔ وید پڑھانے والوں کے مختلف گھرانے ۔
شانت۔ شانتی والا تسکین و سکون قلب والا ۔
شانتی۔ تسکین۔ سکون قلب ۔
شبد۔ آواز ۔
شبد پرمان۔ وہ طرز دلیل جس میں کتاب یا اقوال بزرگاں سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے ۔
شبھ۔ مبارک ۔
شت رُوپا۔ سو شکلوں والی۔ منو کی بیوی ۔
شُدّھ۔ پاک ۔
شُرتی۔ وید۔ وید کا فقرہ۔ اپنشد کا فقرہ ۔
شردّھا۔ اعتقاد۔ عقیدہ ۔
شرن۔ پناہ ۔
شروتر۔ کان۔ قوت سامعہ ۔
شرون۔ سنّا۔ شاستر پڑھنا یا سنّا۔ درجۂ قال ۔
شری۔ لکشمی۔ دولت و ثروت ۔
شریر۔ جسم ۔
شکتی۔ طاقت۔ قدرت ۔
شم۔ من کا شانت ہونا۔ تسکین۔ سکون قلب ۔
شمشان۔ مرگھٹ۔ وہ جگہ جہاں مُردے جلائے جائیں ۔
شوچ۔ صفائی ۔
شونّیہ۔ نیستی۔ عدم۔ وہ مذہب فلسفہ جو یہ مانتا ہے کہ کائنات کچھ نہیں ہے نائی ہلزم ۔
شونّیہ وادی۔ شونّیہ کا ماننے والا۔ نائی ہلسٹ ۔
شیل۔ مزاج۔ سبھاؤ ۔
شیل۔ پہاڑ ۔

ک

کارن۔ سبب۔ علّت ۔
کارن شریر۔ وہ جسم جو اور اجسام کا باعث ہے۔ سُشپتی۔ اگیان ۔
کاریہ۔ کام ۔
کام۔ خواہش۔ شہوت۔ ہوس ۔
کام دھینو۔ منہ مانگی مرادیں دینے والی دیوتا روپ گائے ۔

سم - یکساں +
سمادھان - یکسوئی +
سمادھی - وہ حالت نفس جس میں عالم و علم و معلوم تینوں ایک ہو جاتے ہیں +
سمان - یکساں - ایک طرح کا پران جو کھانا پچاتا ہے +
سمبتسر - سال +
سمبندھ - رشتہ - تعلق +
سمرتی - حافظہ +
سمشٹی - کل +
سمے - وقت +
سنت - انسان کامل - اچھا یا سیدھا آدمی +
سنتوش - قناعت - صبر +
سنچت - جمع کیا ہوا - وہ اعمال جو جنم جنماتر سے جمع ہیں +
سندھی - دو کلپوں یا دو جگوں کے بیچ کا وقفہ +
سندھیا - ہندوؤں کا نت نیم +
سنسار - عالم گوشتنی - دنیاے گزران +
سنساری - سنسار میں رہنے والا جیو +
سنسکار - بقیہ کیفیات نفس جو حافظہ میں جمع رہتا ہے +

سنکلپ - خیال - تخیل - تعقل +
سنگھار - ناش +
سنیم - دھارنا - دھیان - سمادھی تینوں کا ملا کر نام +
سوادھیاے - پڑھنا - خاص کر وید کا +
سوامی - مالک - خاوند - گورو - فقیر کا لقب +
سوپن - عالم خواب +
سوچھ - صاف و پاک +
سوگت بھید - اپنے جسم میں تفرقہ مثلاً انسان کے اعضا یا درخت کی ٹہنیاں +
سورگ - بہشت - جنت +
سوتر آتما - سوکشم سرشٹی کا ابھانی چیتن جو سب میں اس طرح پرویا ہوا ہے جیسے سوت میں مالا کے دانے - انترجامی - ہرنیہ گربھ +
سوربیر - بہادر - غازی +
سورما - بہادر - غازی +
سوکشم - لطیف +
سوم راجہ - بیدہ کا شمان جیو +
سویمبر - جلسۂ شادی جس میں کنیا بر کو خود پسند کرتی ہے +
سہایک - مددگار +
سہکاری - ساتھ کام کرنے والا - مددگار +

سامانّیہ گیان - علم مجموعی جس میں
خصوصیت نہ ہو ÷
سامّیہ اوستھا - حالت ہموار جس
میں پرکرتی کے تینوں گنوں میں سے
کسی کو غلبہ نہ ہو ÷
سانکھیہ - ہندوؤں کے چھ درشنوں
میں سے وہ درشن جو پرکرتی اور پرش
دونوں کو قائم بالذّات مانتا ہے اور پرنیام
وادی ہے ÷
ساہ جی - ساہوکار ÷
سبھاؤ - خود ہونے والا - فطرت -
ماہیت - نیچر - عادت ÷
سپرش - لمس یا چھونا ÷
سپھل - پھل والی چیز - با نتیجہ ÷
ست - حق - فے الواقع - سچ ÷
ست پرش - ذات حقیقی - اچھا
یا سچا آدمی ÷
ست سنگ - صحبت نیک ÷
ستّا - ہستی ÷
ستتی - تعریف ÷
ستو - پرکرتی کا وہ گن جس کا خاصہ علم
و سرور ہے اور جس کے اندر یہ من بدھی وغیرہ
ظہور میں آتی ہیں اسکو ستوگن کہتے ہیں ÷
ستھاپن - قائم کرنا ÷
ستھان - مقام - مکان ÷

سنتھت - قایم - ٹھیرا ہوا ÷
ستھر - بے حرکت - قائم ÷
ستھول - کثیف ÷
ستّیہ - سچ ÷
ستّیہ سنکلپ - خیال کا سچا یعنی
جو خیال کرے وہی ظہور میں آئے - ایشور ÷
سجاتیہ بھید - ایک ذات والی
چیزوں کا باہمی فرق - مثلاً آدمی
آدمی کا گاے گاے کا ÷
سچدانند - ست - چت آنند روپ ہم ÷
سدّھ - سدّھی والا آدمی - بنا ہوا کام
سدّھی - سادھن کا پھل - اعلےٰ قوت یا شکتی
سرجنہارا - پیدا کرنے والا ÷
سروپ یا ہیت شئے - حقیقت شئے - ذات ÷
سروپ آنند - ذات اصلی کا سرور ÷
سروشکتیمان - سب قوتوں والا - قدیر ÷
سکھ - راحت - آرام ÷
سکھی - سکھ والا ÷
سگن - گن یا اوصاف والا ÷
سگندھ - خوشبو ÷
سروگیتہ - عالم کل ÷
سروتریاپک - یا سروویاپی - محیط کل -
سارے کل ÷
سشپتی - گاڑھی نیند - غفلت کی
نیند ÷

دیہہ ۔ جسم +

دیہانم وادی ۔ وہ شخص جو جسم کو آتما مانتا ہے ۔ دہریہ +

دیہانت ۔ جسم کا خاتمہ ہو جانا ۔ مرجانا +



راج ۔ بادشاہت ۔ سلطنت +

راجدھانی ۔ دارالخلافہ +

رتن ۔ جواہر +

رٹنا ۔ برابر کہے جانا +

رج ۔ پرکرتی کا وہ گن جس کے باعث سے حرکت ہوتی ہے اور غضب ظہور میں آتی ہیں ۔ اسی کو رجوگن کہتے ہیں +

رِچا ۔ رِگ وید کا منتر +

رچنا ۔ ترتیب ۔ نظام +

رُچی ۔ خواہش +

رُودر ۔ رلانے والے دیوتا ۔ سانکھیہ کی آٹھ پرکرتیاں +

رس ۔ مایع ۔ لذت ۔ مذاق +

رمتے رام ۔ پھرنے والا آدمی جو ایک جگہ قیام نہ رکھے +

رُوپ ۔ صورت +

رُوپی ۔ صورت والا +

س

سادھ سنت ۔ سادھن والے آدمی ارباب ریاضت وکشف +

سادھک ۔ سادھن کرنے والا آدمی ۔ کام بنانے والی چیز +

سادھن ۔ کسی کا ذریعہ ۔ کسی درجے پر پہنچانے والے اسباب +

سادھن چتشٹھے ۔ ویدانت کی چار سادھن یعنی وویک ۔ ویراگ ۔ شمادی کھٹ سمپتی اور مموکشتا +

سادھو ۔ نیک آدمی ۔ گیروے کپڑے پہننے والا ۔ فقیر +

سادھو سنگ ۔ صحبت نیکاں +

سار ۔ خلاصہ ۔ حقیقت +

ساشٹانگ ڈنڈوت ۔ آٹھ اعضا یعنی پیشانی ۔ ناک ۔ دو نوشانے ۔ دونو ہاتھ اور دو نو گھٹنے زمین پر ٹکا کر یعنی لیٹ کر آداب بجا لانا +

ساکشات ۔ نظر کے سامنے ۔ بالکل عیاں ظاہر +

ساکشات کار ۔ انوبھو یا محسوس کرنا +

ساکشی ۔ گواہ جس کو متخاصمین کے جھگڑوں سے سروکار نہیں ہے ۔ اسواسطے شُدّھ چیتن یا آتما کا نام ہے جو سدا اسنگ اور نرلیپ ہے +

دِبّیہ چکشو - باطنی آنکھ - گیان کی آنکھ +

دِربّیہ یگیہ - خیرات کا کام +

دِرڑھ - مضبوط +

دِرِشٹ - دیکھا گیا - اناتما - ستھول سوکشم جگت +

دِرِشٹانت - تشبیہ - تمثیل - تمثیلیہ بات +

دِرِشٹی - نظر +

دِرِشٹی سرِشٹی - وہ مت جس میں خواب کی طرح نظر کے ساتھ جگت کا ہونا مانا جاتا ہے اور جب تک نظر نہ ہو - نہیں مانا جاتا +

درشن - دیکھنا - نطق یا علم - مذہب فلسفہ +

دِرِشیہ - وہ سب کچھ جو نظر آتا ہے - اناتما - ستھول سوکشم سرشٹی +

دَشا - حالت +

دِشا - طرف +

دکشناین - چھ ماہ کا وہ عرصہ جب آفتاب جنوب کی طرف ہوتا ہے +

دُکھ - تکلیف +

دم - یا دمن ضبط - روکنا - خاصکر اندریوں کا +

دوش - نقص +

دوش درشٹی - اس نگاہ سے کسی شے کو دیکھنا کہ اس میں عیب ہے +

دوَند - جوڑیاں مثلاً گرمی سردی رنج راحت وغیرہ +

دوَیت - دوئی +

دوئیت واد - دوئی کا مسئلہ مثلاً جڑ اور چیتن کا وجود علیحدہ ماننا +

دھارا - رَو +

دھارنا - ایک شے پر اس طرح توجہ دینا کہ اور طرف نہ جانے پائے +

دھرم - فرض مذہبی - کیفیت - نفس +

دھرماتما - نیک آدمی +

دھن - دولت +

دُھند - غبار +

دھنّیہ بھاگ - زہے نصیب +

دھیان - توجہ کو متواتر و متوالی کسی ایک ایک چیز پر اس طرح جاری رکھنا جس طرح تیل کی دھار برابر ایک رس جاری رہتی ہے +

دیش - مکان - مقام - ملک +

دیشانتر - اور ممالک +

دیو - پرکاشمان - نوری - آتما کا نام - دیوتا +

دیواچن - سورگ لوک - بودھ مت یا تھیوصوفی میں +

دیوتا - نوری مخلوق جو اونچے لوکوں میں رہتی ہے - نہایت نیک آدمی +

دیولوک - دیوتاؤں کے رہنے کی دنیائیں +

دیوی - دیو سے متعلق +

دیویان - مرنے کے بعد کا وہ رستہ جس میں بازگشت نہیں ہے +

جتن - کوشش +

جتنی - کوشش کرنے والا - ضابط نفس +

جٹا دھاری - بڑے بڑے بال والا فقیر +

ججمان - اصل میں ججمان یعنی یگیہ کرنے والا - پروہتوں کے ماننے والے لوگ +

جڑ - بے وقوف - بے حرکت یا بیجان مادہ +

جگ - خاص عرصہ جیسے ست جگ - تریتا - دواپر - کلجگ +

جگت - بدلنے والی چیز - دنیا +

جگیاسو - طالب حق - سالک +

جل - پانی +

جنم - پیدائش +

جنمانتر - اور اگلے پچھلے بہت سے جنم +

جوت - جوتی - زبان شعلہ - نور نطق علم یا کانشس نس +

جوگی - یا یوگی - ریاضت کرنے والا +

جیکار - جے جے کے نعرے +

جیو - انڈیویجوئل جیتن +

جیو آبھاس - جیو کے عکس یعنی نقلی جیو - جیسے خواب کی صورتیں +

جیو بھاو - جیو ہونے کی حالت +

جیون - جینا - گزارہ +

جیون مکت - جینے جی موکش یا نجات پایا ہوا +

جیون مکتی - یا موکش جیتے جی نجات +

چ

چارواک - دہریہ - مادہ پرست - مٹیریلسٹ +

چانڈال - نہایت نیچ +

چت - نور علم یا کانشس نس - انتہ کرن کے لحاظ سے غور کرنے والی قوت +

چراچر - متحرک و ساکن +

چرن - قدم +

چڑھاوا - نذرانہ +

چکشو - آنکھ - قوت باصرہ +

چلایمان - حرکت کرنے والا +

چنچل - مضطرب - بے قرار +

چندرلوک - عالم عقلے جس میں سورگ نرک سب شامل ہیں اور جہاں سے بازگشت ہے +

چولا - کپڑا - مجازاً جسم انسانی +

چھنک گیان - بودھ مت میں علم یا کانشس نس جو دمبدم بدلتا رہتا ہے +

چیتن - علم یا کانشس نس والا +

چیشٹھا - حرکت +

د

دان - خیرات +

دایک - دینے والا +

پنچی کرت بھوت - پانچ پانچ حصے کئے ہوئے عناصر +
پورب جنم - پہلا جنم +
پورب میمانسا - جیمنی کا ویدک کرم کانڈ کے فلسفے کا شاستر +
پوجیہ پاد - پاؤں پوجنے لائق +
پوران - ہندوؤں کی پرانی مشہور اٹھارہ کتابیں - جن میں تاریخ - اخلاق - فلسفہ مذہب وغیرہ کا بیان ہے +
پورانک - پورانوں سے متعلق +
پورش - چیتن - جیو +
پوشن - پرورش +
پورنماشی - چاند کی چودھویں تاریخ +
پرنام - ارتقا - ایولیوشن +
پرنیام وادی - مسئلہ ارتقا کا ماننے والا +

ت

تارنا - اتار دینا - پار کر دینا +
تپ - صعوبت اٹھانا +
تپو نگیہ - تپ کا بذات خود ایک نگیہ جاننا +
تت توام اسی - تو وہ ہے - یعنی لے جیو تو برہم ہے +
تتکشا - سہار گت - تحمل +
تتو - حقیقت - دنیا میں جوہر جس میں عرض لاحق ہوتا ہے +

تچھ - ہیچ - ذلیل +
تر پٹی - تفریق سگونہ یعنی علم و عالم و معلوم +
ترگنا تمک - تین گن یعنی ستو - رج - تم والی - بالعموم مایا پر اطلاق ہے +
ترگناتیت - تینوں گنوں سے گزرا ہوا سکت - ناجی +
تریہ - چوتھا - جاگرت - سوپن - سشپتی سے اوپر کی حالت - برہم +
تلاتل - ہماری زمین سے نیچے درجے کا چھٹا لوک +
تم - اندھیرا - مایا کا وہ گن جو موہ آتمک ہے اور جس سے جڑ پدارتھوں کی رچنا ہوتی ہے اسی کو تموگن کہتے ہیں +
تنو ماترا - سانکھیہ میں وہ پانچ لطیف عناصر جن کا اظہار حالت معمولی میں آواز - مس - صورت - ذائقہ اور بو کی صورت میں ہوتا ہے +
تواک - جلد بدن - قوت لامسہ +
تیج - روشنی جلال +
تیجس - سوپن اوستھا کا ابھمانی جیو +

ج

جاگرت - جاگنے کی حالت - بیداری +
جپ - لفظ یا منتر کا بار بار رٹنا - ورد - وظیفہ +

پراگیہ ۔ سُشپتی کا ابھمانی جیو +
پران ۔ قوت ۔ اِنرجی ۔ سانس ۔ سانس اندر لے جانا +
پرانایام ۔ ضبط انفاس +
پران مے کوش ۔ آتما کا دوسرا غلاف جو پران کا ہے +
پراوپکار ۔ اوروں کا بھلا کرنا ۔ فیض رسانی +
پرایشچت ۔ کفّارہ +
پربرتی ۔ مصروفیت +
پربرتی مارگ ۔ مصروفیت یعنی دنیا میں رہکر کاروبار کرنا ۔ برخلاف نورتی +
پرتھوی ۔ زمین +
پرتی بمب ۔ عکس +
پرتی لوم پرنیام ۔ علت میں معلول کا الٹا اندتقا یا اِخفا +
پرتیتی ۔ ظاہر ہونا ۔ محسوس یا معلوم ہونا +
پرتیاہار ۔ اندریہ کو بدل کر من کی صورت میں لا ڈالنا +
پرتیک اُپاسنا ۔ اپنے سے علاوہ کسی چیز کی اُپاسنا +
پرتیکش ۔ علم بذریعہ حواس +
پرجاپتی ۔ پرجا یعنی مخلوق کا بنانے والا +
پردھان ۔ سانکھیہ کی اوّل یعنی مول پرکرتی اصلِ مادہ ۔ غلبہ پایا ہُوا ۔ وزیر اعظم +

پرستھان ترییہ ۔ ویدانت کی تین بنیادی کتابیں یعنی اپنشد ۔ برہم سوتر اور گیتا +
پرساد ۔ خوشی ۔ صفائیے قلب +
پرسنّ ۔ خوش ۔ صفائے قلب والا +
پرسنگ ۔ تعلق ۔ واسطہ ۔ ضمن +
پرکاش ۔ نور ۔ چاندنا +
پرکرتی ۔ پیدا کرنے والی چیز ۔ طبیعت فطرت +
پرکرن ۔ فصل ۔ باب +
پرلوک ۔ عالم عقبےٰ +
پرلے ۔ قیامت +
پرم گتی ۔ درجہ انتہائی ۔ موکش +
پرم تتو ۔ برہم ۔ ذات حقیقی ۔ حقیقت +
پرما ۔ علم تحقیقی +
پرمان ۔ آلہ علم تحقیقی +
پرماتا ۔ عالم علم تحقیقی +
پریرنا ۔ تحریک +
پریم ۔ محبّت +
پریم جل ۔ محبّت کے آنسو +
پریوگ ۔ لگانا ۔ عائد کرنا +
پنتھ ۔ رستہ ۔ ملّت +
پنتھائی ۔ راہگیر ۔ ملّت والے +
پنچ اگنی بِدیا ۔ اپنشدوں کی وہ بِدیا جس میں انسان کی اس دنیا میں پیدائش کو پانچ اگنیوں میں آہُتی دینے سے تعبیر کی گئی ہے +

بھرم - وہم و پندار - مغالطہ +
بھگت - عاشق الٰہی +
بھگتی - عشق الٰہی +
بھگشن کرنا - کھانا +
بھگوان - بھگون - بھگوت تینوں
تعظیمیہ کلمے ہیں - آپ - مہاراج +
بھنڈار - خزانہ +
بھنگ - شکستگی - ٹوٹ جانا +
بھو - کرۂ ارضی +
بھوت - عناصر - کوئی چیز - پریت -
گزرا ہوا +
بھوور - سوکشم لوک - عالم ارواح -
آسٹرل پلین +
بھوجن - کھانا +
بھوگ - لذّت +
بھوگتا - لذّت لینے والا +
بھید - فرق +
بھیدوادی - فرق بتانے والا -
وحدت وجود کو نہ ماننے والا +
بھینٹ - نذر - دیوی کی ستتی کا گیت +
بیج روپ - بیج یا تخم کی شکل میں +
بیر - سورما - بہادر +
بیوہار - معمولی کاروبار +
بیوہارک - معمولی کاروبار سے
متعلق +

پ

پاتال - ہماری زمین سے نیچے درجے
کا - ساتواں لوک +
پاٹھ - سبق +
پاٹھ شالا - مدرسہ +
پاو - پاؤں - قوت قیام +
پالن - پرورش +
پان کرنا - کھانا - پینا +
پارمارتھک - واقعی - حقیقی +
پِتّری لوک - عالم ارواح - آسٹرل اور
منٹل پلین +
پِتّری یان - پتری لوک کا راستہ
جس سے بازگشت ہوتی ہے +
پتنی - بیوی - جورو +
پتی - مالک - خاوند +
پد - قدم +
پدارتھ - چیز - شے +
پدوی - درجہ +
پراپت - حصول +
پراپت پراپتی - تحصیل حاصل +
پراتی بھاسک معلوم ہونیوالی - بود نمود کی
پراچین - قدم +
پراربدھ - وہ اعمال سابقہ جن کی وجہ سے
موجودہ جنم ہوا ہے - قسمت +

بچار - غور و فکر ۔
بچن - کلام - سخن - بات ۔
بدّھ - بندھا ہوا - وابستہ ۔
بُدّھ - جاننے والا - گیانی - چیتن ۔
بُدّھی - سانکھیہ کی دوسری پرکرتی - یعنی مہت - نشچے یا تحقیق کرنے والی قوت - عقل ۔
بدھی - طریقہ - کسی کام کرنے کے لئے وید کا امر ۔
بدّیا - علم ۔
بدّیارتھی - طالب علم ۔
بدیہہ موکش - بغیر جسم کے موکش یا نجات مرکز نجات ۔
براٹ - ستھول برہمانڈ کا اجتماعی چیتن ۔
برت نیم - عہد - نیت - برہمت جماعی ۔
برتی - کیفیت نفس ۔
بردان - منہ مانگی مراد ۔
برودھ - تخالف ۔
برودھی - مخالفت کرنے والا ۔
برہسپتی - علم کا دیوتا ۔
برہم - واجب الوجود - جس میں یہ بے بود نمود کی کائنات جلوہ گر ہے ۔
برہما - خلقت کرنے والا دیوتا ۔
برہم چریہ - مجرّد رہنا ۔
برہم سنستھی - برہم میں قیام ۔
برہم سوتر - ویاس رشی کرت اترمیمانسا یا ویدانت شاستر کے سوتروں کی کتاب ۔
برہم نشٹ - برہم میں عقیدہ راسخ رکھنے والا ۔
بسیا - رہنے والا ۔
بشے - مدرکات - اشیاے محسوسہ ۔
بشیش - خاص - مخصوص ۔
بگیان - علم - کانشس نس - بُدّھی ۔
بگیان دھارا - بودھ مت میں علم کی دھار یا رَو ۔
بگیان مے کوش - آتما کا جو تھا غلاف جو بُدّھی کا ہے ۔
بگیان واد - اسٹڈیلزم - وہ مذہب فلسفہ جس میں اشیاے کائنات کو بیرونی نہیں بلکہ اندرونی مانا جاتا ہے ۔
بگیان وادی - بگیان واد کا ماننے والا ۔
بمب - عکس ڈالنے والی چیز ۔
بانچنا - پڑھنا ۔
بندھ - بند - وابستگی ۔
بھاسیہ - روشن شدہ ۔
بھاشا - زبان ۔
بھاشیہ - تفسیر ۔
بھاگ - حصّہ ۔
بھان - پرتیتی - معلوم یا محسوس ہونا ۔
بھاو - ہونا - ہستی - دل کی کیفیت ۔
بھاونا - دھیان - احساس کیفیت نفس ۔
بھجن - مقدّس راگ - عبادت ۔

انڈ - انڈا - گولک - کُرہ ÷
انرتھ - نقصان یا مصیبت کی بات ÷
انروچنیہ - جسکا نروچن یا بیان نہ ہوسکے ÷
انّ مئے کوش - آتما کا پہلا غلاف جو غذا سے بنا ہے - جسم انسانی ÷
اننّت - بے حد ÷
انوبھو - احساس یا ادراک ÷
انوبھو سدّھ - وہ شئے جو احساس میں آچکی ہے - اظہر من الشمس ÷
انولوم پرینام - علت سے معلول کا ارتقا ÷
انومان - دلیل استخراجی ÷
انیتھا کھیاتی - شے کا اور طرح معلوم ہونا ÷
اوتار - ایشور کا کوئی صورت اختیار کرنا ÷
اوچھنّ - محدود ÷
اوچھید - محدودیّت ÷
اوچھید واد - ویدانت کا وہ مت جو جگت رچنا میں برہم میں محدودیت کلپنا کرتا ہے ÷
اودھوت - تارک الدنیا فقیر - اہل حال ÷
اوستھا - حالت ÷
اوّیکت - مادّے کی حالت غیر مشہود - پردھان - مول پرکرتی ÷
اہم - میں ÷
اہم برہم - میں برہم ہوں ÷
اہنسا - کسی کو آزار نہ پہنچانا ÷
اہنگرہ اپاسنا - وہ اپاسنا جس میں ہر شئے کو اپنی ذات دیکھا جاتا ہے ÷
ایکاگر - یکسو ÷
ایکاگرتا - یکسوئی ÷
ایکانت - تنہائی ÷
ایکانت سیون - عزلت - گزینی ÷
ایشور - خدا - سمشٹی سوکشم سرشٹی کا ابھمانی چیتن ÷
ایشور پرندھان - رضا و تسلیم ÷
ایکتا - یکتائی ÷
ایکو برہم دوتیو ناستی - ایک برہم ہے دوسرا کوئی نہیں ہے ÷

ب

بادھ - ناش - فنا ÷
باس - رہنا ÷
باسی - رہنے والا ÷
بان پرستھ - تیسرا آشرم جس میں گرہستی گھر چھوڑ کر جنگل میں باس کرتا ہے ÷
بانی - آواز - زبان ÷
بِبھوتی - قدرت - قدرت پروردگار ÷
بپریت - مخالف ÷
بتل - ہماری زمین سے نیچے درجہ کا پانچواں لوک ÷
بجاتیہ بھید - ایک قسم کی چیزوں کا دوسری قسم کی چیزوں سے فرق مثلاً گائے کا گھوڑے سے ÷

ادھشٹھان - محل +
ادّھیاتم - متعلق بہ آتما - اندرونی +
ادّھیاروپ - بھرم یا پندار کا قائم کرنا +
ادّھیاس - بھرم - وہم - پندار +
ادّھیائے - فصل یا باب +
ادھی بھوت - مادّی +
ادھیکاری - ادھکار والا - صاحب لیاقت - مستحق +
اُدَے - طلوع ہونا +
آرتھ - معنی - زر - مال و اسباب +
ارتھاپتی - وہ طرز دلیل جس میں قرینے سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے +
اسار - جس میں سار یا حقیقت نہ ہو - بے حقیقت +
اَست - بے بود - جھوٹا +
اَست کھیاتی - کائنات کو نیست ماننے والا مت +
اشتیہ - چوری نہ کرنا +
اسنگ - بے تعلق محض +
اِشٹ - مطبوع شئے - دلپسند چیز +
اشٹانگ - آٹھ حصّے والا - اسکا اطلاق یوگ پر ہوتا ہے - جسکے آٹھ حصّے ہیں +
اِشٹ دیو - وہ دیوتا جس کی لگن آدمی کو ہو +
اشٹمی - آٹھیں - آٹھویں تاریخ +

اکارتھ - بے فائدہ +
اکارن - بے سبب +
اکرتا - جو فعل کا فاعل نہیں ہے +
اکرم - فعل نہ کرنے کی حالت - آتما جس میں کرم نہیں ہے +
اِکھیاتی - علم کا نہ ہونا ماننے والا مت +
اگنی - آگ - آتش +
اگیان - جہل - بے علمی +
الپ شکتی - تھوڑی طاقت یا تھوڑی طاقت والا +
الپگید - تھوڑے علم والا +
الپگیتا - تھوڑا علم +
اَمرت - آب حیات +
اموَرت - بے صورت +
انادی - بے ابتدا +
ان اُپ لبدھی - ابھاو - وہ طرز دلیل جسمیں شئے کے موجود نہ ہونے سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے
اناتما - جو آتما نہیں ہے - یعنی معلوم یا مادّہ
انِت - جس کو دوام نہ ہو +
انتریامی - اندر سے یمن کرنے والا یا رکنے والا - ہرتیہ گربھ یا سوترآتما +
انتھ کرن - حسِ باطنی جس میں من چت بدھی اہنکار شامل ہیں +
اندریہ - قوت عمل یا قوتِ حس +
اندریہ جنیہ - اندریہ سے پیدا شدہ +

ڈالی جائے +

اِبّدیا ۔ جہل ۔ بے علمی ۔ جیو کی اُپادھی مایا +

ابّدیو بہت جیتن ۔ ابدیا کے ساتھ جیتن ۔ جیو +

ابھاو ۔ نہ ہونا ۔ نیستی ۔ عدم +

ابھمان ۔ پندار +

ابھمانی ۔ اہلِ پندار ۔ ابھمان والا +

ابھید ۔ بھید یا فرق نہ ہونا +

ابھیاس ۔ مشق +

اُپادان کارن ۔ علت مادّی +

اُپادھی ۔ ساتھ کی چیز ۔ لازمہ +

اُپدیش ۔ نصیحت ۔ وعظ +

اپدیشٹا ۔ نصیحت کرنے والا ۔ واعظ +

اُپاشنا ۔ دھیان خاصکر کسی ایک چیز کا +

اُپاسک ۔ دھیان کرنے والا +

اُپاشیہ ۔ وہ شئے جس پر دھیان کیا جائے +

اپان ۔ پران کی قسم ۔ سانس اندر لے جانے کی طاقت +

اُپ رتی ۔ سیری از لذائذ +

اپرما ۔ علم غیر محقق +

اپریگرہ ۔ سامان جمع نہ کرنا ۔ بے سامانی +

اُپستھ ۔ کام اندریہ +

اپسرا ۔ ایک قسم کے دیوتاؤں کی استریاں نہایت حسین +

اُپمان ۔ وہ طرز دلیل جس میں تشبیہ سے کام لیا جاتا ہے +

اپنچی کرت بھوت ۔ وہ لطیف عناصر جن کے پانچ پانچ حصے نہیں کیے گئے +

اپنشد ۔ وید کا آخری حصہ یا ویدانت جس میں علم معرفت کا بیان ہے +

اَپواد ۔ بھرم یا پندار کا رفع کرنا +

اُپہت ۔ اُپادھی والا +

اتل ۔ ہماری زمین سے نیچے درجے کا تیسرا لوک +

اُتّم ۔ اعلےٰ درجے کا +

اُتپتی ۔ پیدائش +

اُتپتی پرکرن ۔ پیدائش عالم کے بیان کا باب یا فصل +

اچیت ۔ جڑ ۔ جو چیتن نہ ہو +

اُداسین ۔ بے غرض ۔ رنج و غم میں یکساں +

اُداسینتا ۔ اُداسین پن +

اُدان ۔ پران کی ایک قسم ۔ اوپر اٹھانے والی طاقت +

اَدّویت ۔ بے دیگرے ۔ واحد +

اَدّویت واد ۔ مسئلہ وحدت وجود +

ادّویت وادی ۔ وحدت وجود کا ماننے والا ۔ موحد +

اُدّھار ۔ اوپر لانا ۔ بہتری ۔ برتری +

اِدھشٹھاتا ۔ صاحب محل +

فرہنگ الفاظ

الف

آبھاس - عکس یا پرچھائیں +

آبھاس واد - ویدانت کا وہ مت جو مایا میں برہم کا عکس پڑنا مانتا ہے +

آبھاس وادی - آبھاس واد کا ماننے والا +

آتما - روح - وہ ذات نوری جو سب میں ہے +

آتما نند - سرور روحانی +

آتم بدّیا - علم الروح یا علم معرفت +

آتم پد - درجۂ روحانی +

آتم درشی - آتما کا دیکھنے والا - گیانی - اہلِ حق +

آتم کھیاتی - اشیاے بیرونی کا من کے اندر ماننے والا مت +

آچاریہ - گورو - اُستاد +

آچھادن - ڈھکنا +

آد - شروع +

آدرش - معراج - ائیڈیل +

آدی - اوّلیہ - وغیرہ +

آدھار - ظرف - محل +

آدھین - تابع +

آرت - دکھی - تکلیف مند +

آرنبھ واد - وہ مذہب فلسفہ جس میں خلف اشیا مانی جاتی ہے یعنی شے - ستھی اور شروع ہوکر یعنی ترتیب اجزا سے پیدا ہو گئی +

آستک - ویدوں کا ماننے والا - خدا کا ماننے والا +

آسن - طرز نشست +

آشرت - سہارا لئے ہوئے - تابع +

آکاش - عنصر اوّل جس کا خاصہ صدا یا آواز ہے +

آگمی - آنے والا - مستقبل +

آگیا - حکم +

آگیا پالن - حکم ماننا +

آلے بگیان - وہ گیان یا کانشس نس جو ناریست رہتا ہے - بودھ مت کا جزو +

آنند - سرور - خوشی +

آنند بُھک - آنند کا بھوگنے والا - سُشُپتی کا ابھمانی پراگیہ +

آنند کند - خوشی کی بیخ و بنیاد +

آنندمے کوش - آتما کا پانچواں غلاف جس میں سُشُپتی کا آنند محسوس ہوتا ہے +

آواگون - آنا جانا - بار بار جنم لینا - تناسخ +

آورن - حجاب +

آہاری - کھانے والا +

آہُتی - یگیہ اگنی میں جو گھی یا اوشدھی ایک بار

کسی شے کی ہستی نہیں جس سے باہر	ہر اک نور جس نور سے ہے منوّر
جو ہے مثل آنند کا ہے سمندر	وہی آتما سچّدانند میں ہوں

جسے مہر موجود مانا ہے سب نے	جسے اپنا مقصود مانا ہے سب نے
جسے غیر محدود مانا ہے سب نے	وہی آتما سچّدانند میں ہوں

سادھوؤں نے گاؤں کا رخ کیا۔ اور فقیر مہر نے قدم تصور اپنے گھر کی طرف اٹھایا۔ لیکن جب تک گیان آتشک کے رسیلے سُر کان میں پڑتے رہے اور جب تک سادھوؤں کے گیروے بستر چشم تصوّر کو نظر آتے رہے قدم اُٹھائے نہیں اُٹھا۔ جب آواز آنے سے اور سادھو دکھائی دینے سے رہ گئے اس وقت مڑ کر گھر کا رُخ کیا۔ چشم تصوّر نے جو نظارہ دلفزا دیکھا تھا اور گوش تصوّر میں جن گیان کتھاؤں کا امرت رس پڑا تھا وہ آج پورے ایک سال بعد تک اسی طرح آنند دے رہا ہے۔ مہاتما سادھوؤ! آپ کے دیالو چہرے مجھے نظر آ رہے ہیں اور آپ کی امرت بانی کا رس میرے کانوں میں پڑ رہا ہے۔ سال بھر ہوا کہ میں نے آپ کی کتھائیں لکھنی شروع کی تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ میں گرہستی آدمی ہوں اور کیا سرکاری اور کیا اپنے کاروبار بار بار ایسے حارج ہوتے رہے کہ بعض مرتبے مہینوں اس طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔ لیکن آپ کی دی ہوئی توفیق میرے ساتھ تھی۔ جب فرصت ہوتی تھی۔ لکھنے بیٹھ جاتا تھا۔ اور جتنا ہو سکتا تھا لکھ لیتا تھا۔ آج کا دِن بڑا مبارک ہے کہ یہ کتاب ختم ہوتی ہے۔ لیکن سال بھر سے مجھے آپ کی سنگت کا فیض حاصل تھا۔ آج یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محسنوں سے جدا ہو گیا اور ان کی فیض صحبت سے جو آنند روز حاصل ہوا کرتا تھا۔ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن میں خود غرض نہیں ہوں۔ جو آنند خود لیا ہے۔ چاہتا ہوں سب لیں +

اوم شانتیہ۔ شانتیہ۔ شانتیہ

ٹوڈی کے میٹھے سروں میں گانا شروع کیا۔ اول توان کی رسیلی آوازیں پھر کرشمانا سماں اور اسپر مضامین کی نوعیت اور جدت سچ کہتا ہوں۔ میرے گوش نعتور نے کبھی یہ لطف نہیں اٹھایا تھا۔

گیان آتشک باتمن عرفان

بنے دھیان میں جسکے دھیانی ہیں مجنوں	ہوئے گیان پر جسکے گیانی ہیں مفتوں
پڑھا جس کا جوگی جتی نے ہے افسوں	وہی آتما سچدا نند میں ہوں
کرم جس کے ملنے کو کرتا ہے کرمی	دھرم جسکے پانے کو کرتا ہے دھرمی
مرم جانتا ہے فقط جس کا مرمی	وہی آتما سچدا نند میں ہوں
جسے یگیہ اور دان سے ڈھونڈھتے ہیں	جسے تپ اور گیان سے ڈھونڈھتے ہیں
جسے دھارنا دھیان سے ڈھونڈھتے ہیں	وہی آتما سچدا نند میں ہوں
نہ آغاز جس کا نہ انجام جس کا	جہاں دیکھئے جلوۂ عام جس کا
ہر اک شکل جس کی ہر اک نام جسکا	وہی آتما سچدا نند میں ہوں
جسے سن کے انسان کہتا نہیں ہے	جسے دیکھ کر ہوش رہتا نہیں ہے
جسے پا کے دکھ کوئی سہتا نہیں ہے	وہی آتما سچدا نند میں ہوں
زمان و مکاں میں ہوا جو نمایاں	علل میں ہوا بن کے علت جو پنہاں
غرض جس سے ممکن ہے نیرنگ امکاں	وہی آتما سچدا نند میں ہوں۔

حقیقت میں قدرت میں چاروں طرف وہ جوش شگفتگی تھا۔ کہ تمام سادھوؤں کے دل غنچہ وار شگفتہ ہوگئے اور نتیا نند نے بے اختیار سوامی برہمانند سے کہا۔ مہاراج۔ آشیرباد دیجئے کہ جو شخص ہماری کتھاؤں کو پڑھے یا سنے اس کا چت پرسن ہوجائے اور وہ ادھکاری ہوکر گیان کا رسیا ہوجائے۔ یہ سن کر پریم آنند ہنسے اور کہنے لگے۔ نتیا نند تم کیسے بھولے اور سیدھے آدمی ہو۔ یہ کتھائیں یا تو ہم سادھوؤں نے سنی ہیں یا اس کبدھ بوڑھے پہاڑی نے۔ انہیں کوئی اور کیونکر سن یا پڑھ سکتا ہے اور گیانی ہوسکتا ہے۔ میں گوش تصور سے یہ کلام سن رہا تھا اور چشم تصور سے پریم آنند کا مسکراتا ہؤا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ سوامی برہمانند میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔ پریم آنند منشی سورج نراین مہر سے تم واقف ہو۔ اگر وہ یہ کتھائیں لکھیں تو سب پڑھ اور سن سکینگے۔ کہو تو انہیں تحریک کروں۔ اس پر پریم آنند نے ناک بھوں سکیڑی اور کہا۔ مہاراج حضرت مہر کو ایک تو اپنی واقفیت فلسفہ پر بڑا ناز ہے اور دوسرے اپنی اردو زبان پر۔ اُن سے یہ کتھائیں لکھوائیں تو انہیں سمجھیگا کون۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ ان سے پہلے ہی کہہ دینگے کہ نہ تو زیادہ فلسفہ چھانٹیں نہ عربی فارسی الفاظ کی بھرمار سے سخن سنجی اور عبارت آرائی کا فکر کریں۔ سیدھے سادے الفاظ اور زبان میں مطلب ادا کردیں تاکہ پڑھنے والوں کی سمجھ میں سب باتیں آئیں اور ان کتھاؤں سے سب یکساں فائدہ اُٹھائیں۔ یہ کہکر اور میری طرف دیکھ کر سوامی برہمانند پھر مسکرائے۔

اس پر نتیا نند اور پریم آنند اور کئی اور سادھو ہمزبان ہوکر بولے۔ مہاراج تو پھر آشیرباد دیجئے کہ ہماری کتھائیں جو سنے یا پڑھے وہ گیان کا رسیا ہوجائے۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ سادھو میری آشیرباد ہے۔ تم سب بھی آشیرباد دو اور چلو۔ تمام سادھوؤں نے آشیرباد دی اور بوڑھے پہاڑی اور اس کے لڑکے کے پیچھے ان کے گاؤں کی طرف چلے۔ وقت ایسا دلکشا اور سادھوؤں کا دل ایسا خوش تھا کہ نیتا نند ستیا نند نے

ڈھلانوں پر سے شور و غل مچاتے نیچے اُتر رہے تھے۔ اور ان کی آواز بھی نہایت سریلی معلوم ہوتی تھی۔ دھوپ کھل رہی تھی۔ اور اُس نے ہر ایک چیز پر چاندی منڈھ دی تھی۔ غرض سبزے کی بہار۔ آب رواں کا لطف اور طیور کے چہچہے وہ مزا دیتے تھے کہ دیدہ نہ شنید ۔

اشعار

عالم میں عام ہے کرم کردگار آج — صوفی سے کہہ کہ وجد کرے بار بار آج
چہرہ ہر ایک چیز کا بشگفتہ ہو گیا — رخ کائنات کا ہے بہت آبدار آج
دیکھو جدھر اُدھر نظر آتی ہے تازگی — ہر چیز رنگ خاص سے ہے رنگدار آج
خوش ہے کہ سبز خلعت دیبا عطا ہوا — جھومے نہ کس طرح شجر باردار آج
مخمل کا فرش صحن چمن میں بچھا دیا — رنگ اور ہی گیاہ کا ہے خوشگوار آج
پتوں میں آگئی ہے نزاکت حریر کی — اور کونپلیں ہیں تازہ دم و تازہ کار آج
گلشن میں روئے گل پہ کچھ ایسا چڑھا ہے رنگ — حیران دیکھ دیکھ کے ہیں گلعذار آج
ان پر بھی فیض صحبت گل نے اثر کیا — پہلا سا دلخراش نہیں رنگ خار آج
طائر ترانہ سنج سر شاخسار ہیں — اور جھومتی ہے ان سے پڑی شاخسار آج
ہیں چہچہے کچھ اور ہی اور زمزمے کچھ اور — نغمے ہیں عندلیب کے مستانہ وار آج
جھوکے چمن میں آتے ہیں باغِ بہشت کے — فیض بہار سے ہے ہوا مشکبار آج
گلشن پہ اور باغ پہ موقوف کچھ نہیں — ہر دشت پر بہار ہے ہر کوہسار آج
سبزی کا رنگ آب رواں کی صدائے خوش — ہر جا و ہر مقام میں ہے روبکار آج
نالے بہے ہیں روکش دریائے بیکراں — دریا ہے بحر بے خطر و بے کنار آج
قدرت میں چار سمت سے ہے جوش شگفتگی — دل ہیں کہ کھل رہے ہیں بڑے غنچہ وار آج

اے مہر چھوڑ وہم خودی اور خدا سے مل
موسم بہار کا ہے رہو دل فگار آج

کلام مہر
جلد ثانی

میں شور وغل کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ جس وقت دیا کھیا ختم ہو گئی۔ تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور باپ کے قدم چھو کر اندر آیا۔ سب سادھوؤں کو نمسکار کیا اور کہا۔ مہاراج دن چڑھ آیا۔ رات کو باپ کے گھر نہ پہنچنے سے ہمیں پہلے تو تشویش ہوئی۔ لیکن یہ سمجھکر کہ وہ کوشیا دن کی کان میں گیا ہونگے۔ فکر رفع ہو گیا۔ علے الصباح میں گھر سے چلا تھا۔ آٹھ گھنٹے سے زیادہ ہؤا کہ یہاں آ پہنچا۔ لیکن آپ کی دیا کھیا میں خلل ڈالنا مناسب نہ سمجھ کر کھڑا ہؤا سنا کیا۔ آپ ہمارے گاؤں میں چلیے اور چل کر ہمارے گھر کو پوتر کیجیے ❊

سادھوؤں کو اس نوجوان کی باتیں بالکل ایسی معلوم ہوئیں جیسے وہ خواب دیکھ رہے ہیں اور اُن سے خواب میں کوئی باتیں کر رہا ہے۔ وہ گیان کتھاؤں میں اس طرح مشغول و مصروف رہے تھے کہ نہ تو بارش باراں کا غل ان کے کانوں میں پہنچا نہ یہ معلوم ہؤا کہ رات ہو چکی اور دن چڑھ آیا۔ آخر سوامی برہمانند نے کہا۔ اچھا سادھوؤ اٹھو اور باہر چلو۔ باہر آ کر جو نظارۂ دلفریب ان کی نظر سے گزرا وہ محسوس کرنے ہی سے متعلق تھا۔ بیان نہیں ہو سکتا ❊

آسمان کا نہ بلا رنگ نہایت ابر کی نیرنگی اور تاریکی اس وقت نہیں تھی۔ ہی شوخ نظر آتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا جس طرح مطلع پر دھل دھلا کر غضب کا نکھار آگیا ہے۔ کہیں کہیں سفید اور کبود سے بادل کے ٹکڑے بے شک تھے۔ لیکن یہ اس رونق کو دوبالا کرتے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشبودار ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی اور اس سے دل و دماغ معطر ہؤا جاتا تھا۔ درخت رات کی بارش میں نہا کر نہایت ہی خوبصورت نکل آئے تھے اور ان کے پتوں کی سبزی آنکھوں میں کھبی جاتی تھی۔ سبزے میں مخمل سبز کا رنگ تھا۔ اور اس میں بلا کی آب و تاب تھی۔ طائران خوش گلو سر شاخسار نوا سنج تھے اور ان کے پیارے سُر کانوں میں آتے تھے تو امرت رس پڑتا تھا۔ جا بجا زور و شور سے پہاڑی نالے

خاتمۂ کتاب

ناظرین سے سادھوؤں کی آخری ملاقات

لطف محفل تھا مہر یاروں کے ساتھ
ان کے ہمراہ یوں گئی زینت بزم

گرمی صحبت کی دوستداروں کے ساتھ
جوں زینت چرخ صبح تاروں کے ساتھ

سوامی برہمانند کی تقریر ختم ہوتے ہی کسی نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا سادھو سنگ کا رنگ ایسا جما ہوا تھا اور سب مہاتما ہمہ تن گوش بنے ہوئے وپاکھیا کو اس طرح سُن رہے تھے کہ دروازہ کھٹ کھٹانے کی آواز سے ہر ایک ہی تو چونکا۔ گیان دھیان کی کتھاؤں میں وقت نہایت خوش گزرا تھا کسی کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں۔ کس وقت سے بیٹھے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ بس یہی محسوس ہوتا تھا کہ آنند کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور مچھلیوں کی طرح بے روک ٹوک آزادی سے ہم اس میں تیرتے پھرتے ہیں۔ ایک خیال ہر ایک کی طبیعت پر حاوی تھا اور ایک دھیان میں سب مستغرق تھے۔ وہ یہ تھا کہ بحر سرور سرور موجزن ہے اور اس کا وار ہے نہ پار ÷

دنیا ہے کہاں اور اس کے اوہام کہاں
وہ فکر کہاں گئے وہ آلام کہاں
جس بحر سرور میں ہوں غرق اسکا مہر
آغاز کہاں ہے اور انجام کہاں

سادھو اس نخل سرور صدا سے چونکے۔ لیکن بوڑھے پہاڑی کے کان آشنا معلوم ہوتے تھے۔ وہ اُٹھا اور اُس نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ دستک اس کے نوجوان لڑکے نے دی تھی جو گاؤں سے اُسے گھر لے جانے کے واسطے آیا تھا۔ یہ کچھ عرصے سے منتظر کھڑا تھا۔ لیکن سوامی برہمانند کی وپاکھیا میں وہ رس تھا کہ چپکا کھڑا ہوا سنا کیا۔ بیچ

نہ آنا تمہیں ہے کہیں اور نہ جانا | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تمہارا ہے جو کام وہ ہے شریعت | تمہاری ہے جو راہ وہ ہے طریقت
تمہیں معرفت ہو تمہیں ہو حقیقت | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تمہیں کون سے نور کی آرزو ہے | سرور ایسا کیا ہے جو یوں جستجو ہے
وہ نور اور سرور آپ اے شخص تو ہے | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

عبث بندھ کے رنج سے ہو حزیں تم | عبث موکش کے غم میں اندوہگیں تم
سدا مکت ہو بدّھ ہرگز نہیں تم | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تعیّن کے بے سود پابند تم ہو | تقیّد میں بے فائدہ بند تم ہو
خود اے دوستو ستچدانند تم ہو | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تم اے دھیان کی راہ میں بڑھنے والو | تم اے گیان کے بام پر چڑھنے والو
ابھے پد کو پہنچو میرے پڑھنے والو | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تمہیں بھول کر بھی کسی کا نہ ڈر ہو | ابھے تم ہو بے خوف اور بے خطر ہو
اچل ہو اٹل ہو اجر ہو امر ہو | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

تمہارا اگر مدعا شانتی ہے | سنو مہر دنیا یہی مانتی ہے
کی بس شانت وہ ہے جو ویدانتی ہے | منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

کلام مہر جلد ثانی

یہ اشعار سوامی برہمانند نے بڑے جوش و خروش اور زور و شور کے ساتھ پڑھے۔ اور جس وقت وہ پڑھ کر خاموش ہوئے سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے +

ویدانت کی منادی

جنہیں کچھ خبر میرے برتانت کی ہے — انہیں فکر کبھی کچھ نہ دہانت کی ہے
عرض میں نے فکران کی سب نہ نناکی ہے — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

کسی نے عبث ڈر کے کبھی کچھ لیا ہے — تمہیں ڈر ہے کس کا تمہیں خوف کیا ہے
جگت متھیا ہے جگت متھیا ہے — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

بکھیڑوں سے دنیا کے کیوں تم حزیں ہو — بکھیڑوں میں تم پھنسنے والے نہیں ہو
جہاں خواب ہے اور تم خواب میں ہو — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

ٹر برہما کی بیدی کی تم چاہ کرنا — کہ برہما بھی متھیا ہے مت ہا سے ڈرنا
بس ایک سبتہ تم ہو دم اپنا ہی بھرنا — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

نہ کچھ دھرم میں ہے نہ کچھ دھیان میں ہے — نہ کچھ کرم میں ہے نہ کچھ گیان میں ہے
یہ سب محض مایا کے امکان میں ہے — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

وہ تم ہو جو مایا سے کوئی بری ہے — سوا اس کے سر پر جو یہ سردری ہے
یہی بہتری ہے یہی برتری ہے — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

وہ تم ہو جو چھوٹا ہے مایا سے کوئی — عبث فکر میں عمر کیوں تم نے کھوئی
یہ ہے سر مخفی کرو راز جوئی — منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے

کرم میں نہ تم دل کو ہرگز لگانا — بہشت بریں کا ہے جھوٹا فسانہ

ہے جس میں جگت اور اس کے دکھ کے انوبھو یا احساس کی بجائے
اپنے سروپ کا انوبھو ہوتا ہے۔ جو بے نظیر اور بے مثال آنند ہے۔
مکت پرش کے واسطے مایا کا تماشا ہو چکا۔ وہ اپنی ذات میں قائم ہے۔
اس کے واسطے پھر جنم لینا کیسا۔ جڑ پتھر بننا کیسا۔ اور برہم میں مل کر
ہستی کھونا کیسا۔ جیو اور برہم کوئی دو چیزیں تو نہیں۔ جیو ہی برہم روپ
ہے۔ ان میں جزو اور کل کا علاقہ نہیں ہے۔ کہ ایک دوسرے میں مل کر
اپنی ہستی کھو بیٹھے۔ نیز جیو گیان سروپ ہے۔ کوئی جڑ چیز تو نہیں جس میں
وشے کے سمبندھ سے گیان کا گُن پیدا ہوتا ہے اور اب نہیں رہا۔ اس
کا انوبھو یا احساس کہاں جا سکتا ہے۔ سنسار دشا میں محدودیت اور
دکھ کا انوبھو تھا۔ اب یہ انوبھو ہے کہ میں غیر محدود ہوں۔ ست ہوں۔
چت ہوں اور آنند ہوں۔ اسی حالت کو محسوس کر کے اپنشد کا رشی
بولتا ہے "میں ہی نیچے ہوں میں ہی اوپر ہوں۔ میں ہی پیچھے ہوں۔
میں ہی آگے ہوں۔ میں ہی دائیں ہوں میں ہی بائیں ہوں" یہ غیر مشروط
اور غیر محدود ذات محیط و بسیط کا انوبھو یا احساس ہے۔ جس کا نام موکش
ہے۔ یہ ویدانت کی معراج ہے۔ اور اس کو ویدانت آدمی کا اصلی سروپ
بتاتا ہے۔ اس سروپ انوبھو میں نہ کرم یوگ اور بھگتی کی مناسبت ہے
نہ اپاسناؤں کی۔ یہ سب نیچے درجے کی چیزیں ہیں۔ گیان ہی آدمی کو
اس انتہائی درجے پر پہنچاتا ہے۔ اور وہ گیان جو ویدانت دیتا ہے۔
اسی واسطے ویدانت ڈنکے کی چوٹ کہتا ہے "تت توام اسی" یعنی اے جیو
وہ سچا آنند غیر محدود برہم تو ہی ہے۔ سادھو میں ویدانت کی منادی
سناتا ہوں۔ ہاں کوئی سننے سمجھنے والا ہے۔ اگر گوش شنوا ہے۔ تو سنو
اور اگر دل دانا ہے۔ تو سمجھو۔ یہ وہ منادی ہے جو ہندوستان میں ابدالاباد
سے گونجتی ہے۔ یہ وہ منادی ہے جو اپنی مقدس سرزمین سے شروع ہو کر اور
ممالک میں پہنچی ہے۔ اور جس نے جہان کے مذاہب اور نظامہائے فلسفہ پر اپنا
اثر ڈالا ہے اور ڈال رہی ہے +

رہتا ہے اور دنیا اس کے واسطے تکلیف دہ نہیں رہتی۔ اس کو جیون موکش یا جیتے جی موکش کہتے ہیں ؎

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ سروپ کا گیان ہوتے ہی آدمی کا شریر کیوں نہیں چھوٹ جاتا۔ جسم اور جسمانیات تمام اگیان کا کاریہ ہے۔ جیون مکت گیانی کو اس سے کیا تعلق ہے۔ وہ تو سروپ آنند کی سمادھی سے بیدار ہونا ہی نہیں چاہئے۔ یہ اعتراض حق بجانب ہے۔ لیکن سمادھی سے اُٹھان نہ ہونا اسی حالت میں ممکن ہے جب شریر نہ رہے۔ یہ بدیہہ موکش یعنی بغیر جسم کی موکش کہلاتی ہے اور جیون مکت کو بعد مرگ حاصل ہوتی ہے۔ جیون موکش کی حالت میں چونکہ سمادھی سے اُٹھان بدیہی طور سے نظر آتا ہے اس واسطے قدرتاً نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ اودیا یا اگیان باقی رہتا ہے۔ اس کو اودیا لیش یعنی جہل کا کچھ بقیہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ اُٹھان جیون مکت کے بندھ کا باعث نہیں ہوتا۔ وہ اپنے سروپ کو سمجھا ہوا ہے۔ اور اس اٹھان کی حالت سے دکھی نہیں ہوتا بلکہ تماشا سا سمجھتا ہے ہوا کرے۔ اس کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ شریر کا بھوگ جب تک ہے برابر رہیگا۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ کماندار نے جب کمان سے تیر چھوڑ دیا تو اس کو روک نہیں سکتا۔ تیر نشانے کی طرف جائیگا اور ضرور جائیگا۔ اسی طرح جن اعمال سے جسم کا آغاز ہوا ہے وہ پھل دیکر ہی ختم ہونگے۔ ان کے خاتمے پر جسم کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو جیون مکت کو بدیہہ مکت کہتے ہیں۔ وہ سروپ آنند کی اس سمادھی میں مگن ہوتا ہے۔ جس سے پھر اٹھان نہیں ہے ؎

موکش کی نسبت سخت مغالطے ہو رہے ہیں بعض سمجھے ہوئے ہیں کہ موکش آٹھ دس ہزار برس کے لئے ہوتی ہے اور آدمی پھر جنم لینے کے واسطے مجبور ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ موکش کی حالت میں جیو جڑ پتھر بن جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جیو برہم میں اس طرح مل جاتا ہے جس طرح قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے اور اپنی ہستی کھو بیٹھتا ہے۔ یہ سب نغویات ہے۔ موکش اس حالت کا نام

سچا ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ سادھن بھی رسمی عالم خواب میں داخل ہیں۔ جس طرح خواب میں کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو اُس وہمیہ بیماری کے واسطے وہمیہ ہی حکیم کے پاس جاتا ہے اور وہ وہمیہ ہی علاج کر کے وہمیہ شفا پاکر اپنے ذہن میں شانتی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح بندھ چونکہ وہمیہ ہے اس کے واسطے وہمیہ گورو وہمیہ اپدیش اور وہمیہ سادھن سب کی ضرورت ہے۔ ہاں جو شخص سیدھے گیان کے راستے پر چل سکتے ہیں۔ اُن کے واسطے یہ سادھن ایسی اہمیّت نہیں رکھتے۔ جیسے عوام النّاس کے واسطے ضروری ہیں ✤

موکش

جو لوگ خاص ابھیاسوں اور اُپاسناؤں میں مزاولت بہم پہنچاتے ہیں۔ ان کی قوائے نفس ترقّی کر جاتی ہیں۔ اور وہ اس لائق ہو جاتے ہیں کہ اعلےٰ طبقوں یا دیوتاؤں کے لوگوں میں ادھکار پاکر کرم کرنے لگیں۔ یہاں اور مدارج ترقّی پر چڑھتے ہیں اور بندریج ترقیٔ روحانی کرتے ہوئے صفائے قلب حاصل کرتے ہیں۔ اسے کرم موکش یا نجات تدریجی کہتے ہیں۔ یہ لوگ موکش پد کو پہنچینگے لیکن انہیں کلپ کے اخیر تک رہنا اور اونچے لوگوں میں کام کرنا پڑتا ہے ✤

گیانی جیتے جی موکش حاصل کرتا ہے۔ یعنی وہ اپنے سروپ کو پہچان لیتا ہے۔ کہ میں شُدھ گیان سروپ آتما ہوں۔ نہ مجھے کبھی بندھ تھا۔ نہ اب ہے اور نہ آیندہ ہوگا۔ جگت میرا سپنا ہے۔ یہ تماشا میری آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ پڑا ہوا کرے۔ میرا اس میں کیا بگاڑ یا سنوار ہے۔ وہ دنیا میں رہتا ہوا دنیا سے الگ رہتا ہے اور سروپ آنند میں مگن رہتا ہے۔ جس آنند کی نہ مثال ہے نہ نظیر ہے۔ اسی حالت نفس کا نام موکش ہے۔ اور موکش کوئی عجیب و غریب چیز نہیں ہے جو خلا میں ملے یا آسمان پر حاصل ہو۔ اگیانی بندھ کے دکھ سے پریشان رہتا ہے۔ اس کے واسطے دنیا قید خانہ ہے۔ گیانی اپنی ذات کے سرور میں مست

ہے اور آدمی اپنی ذات میں اس کا احساس یا انوبھو کرنے لگتا ہے۔ ہربرٹ سپنسر اور اگنوسٹک فلسفیوں نے جو ایک وجود بسیط و محیط کے ماننے والے ہیں۔ لیکن کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں ہو سکتا بڑا دھوکا کھایا ہے۔ یہ شخص وحدت وجود پر تو پہنچے۔ لیکن دروازہ کھٹ کھٹا کر رہ گئے۔ اندر داخل نہیں ہوئے۔ حقیقت میں ہم ذات غیر محدود کو جو بسیط اور محیط کل ہے۔ اس طرح نہیں جان سکتے جیسے میز۔ کرسی اور کتاب کو جانتے ہیں کہ یہ ہمارے علم کا معلوم ہے اور ہم عالم ہیں۔ اس صورت میں غیر محدود بے شک محدود ہو جائیگا جو بعید از قیاس ہے۔ لیکن ہم یہ احساس یا انوبھو کر سکتے ہیں کہ وہ ذات غیر محدود ہم ہی ہیں۔ یہاں عالم علم اور معلوم تین چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ تینوں مل کر ایک ہو گئی ہیں۔ اور غیر محدود کی غیر محدودیت جوں کی توں قائم ہے +

وہمیہ بندھ اور اس کا وہمیہ علاج

موکش کے جو سادھن اوپر بیان ہوئے سب مایا کے کارخانے ہیں۔ چونکہ واقعی وجود صرف ایک گیان سروپ آتما کا ہے۔ اس واسطے باقی تمام چیزیں مایادی یعنی وہمیہ ہیں اور انہیں میں گورو شاستر اور تمام سادھن داخل ہیں۔ سنت کبیر کہتے ہیں +

یہ گھٹ دھند اندھیارا رے سنتو

اس گھٹ اندر باغ بغیچے	اسی میں سرجن ہارا رے سنتو
اس گھٹ اندر چاند اور سورج	اسی میں نو لکھ تارا رے سنتو
کہے کبیر سنو بھئی سادھو	اسی میں گورو ہمارا رے سنتو

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام سادھن متھیا ہیں تو سیدھے گیان کے رستے ہی پر کیوں نہ چلیں وہمیہ سادھنوں میں کیوں محنت کی اور دقت اٹھائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں بات یہی ہے۔ سیدھے گیان کے رستے پر ہی چلنا چاہیئے اور یہی کافی ہے۔ لیکن جنم جنم کے ابھیاس سے سو میں سے ننانوے آدمیوں کے دل میں جگت کا سپنا

سے زیادہ آسانی ہے۔ کیونکہ اُس میں دھیان جمانے کے واسطے کوئی صورت نہیں ہوتی۔ اپنشدوں میں زیادہ تر اپاسنا پران اور اگنی وغیرہ کی ہے۔ پران نرگن یعنی امورت ہے اور اگنی مورتی مان ہے ؞

۳۔ لے چنتن بھی بہت اچھا ابھیاس یا مشق ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ جس کرم یا ترتیب سے جگت کی رچنا مانی گئی ہے۔ اس کی اُلٹی ترتیب لیتے ہیں اور کثرت کو وحدت پر لے جاتے ہیں۔ مثلاً ستھول برہمانڈ پینچی کرت بھوتوں کا کاریہ یا معلول ہے۔ چونکہ معلول علت ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اس لئے ستھول برہمانڈ کیا ہے پینچی کرت بھوت ہے اور کچھ نہیں۔ پنچی کرت بھوت بجائے خود اپنچی کرت بھوت ہیں۔ ان میں پرتھوی چونکہ جل کا کاریہ ہے اسواسطے جل ہی ہے۔ جل اگنی ہے۔ اگنی وایو ہے۔ وایو آکاش ہے۔ انتہ کرن۔ پران۔ گیان اندریہ اور کرم اندریہ سب مہابھوت روپ ہیں اور کچھ نہیں۔ مہابھوت سب آکاش ہیں اور کچھ نہیں۔ آکاش مایا یا وہم ہے اور وہم گیان روپ ہے۔ اس طرح جو کچھ ہے سب ہم ہے۔ اور وہ میں ہوں ؞

۴۔ کوش چنتن اس سے بھی آسان اور عام فہم ابھیاس ہے۔ اس میں بچار کا طریقہ یہ ہے کہ میں یہ ان مے کوش یعنی جسم خاکی نہیں ہوں۔ جسم خاکی تو یہ مر گیا۔ لوگ اس کو ارتھی پر رکھ کر لے جاتے ہیں اور شمشان میں جلاتے ہیں۔ میں پاس کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ پس میں اس جسم سے علیحدہ چیز ہوں۔ اسی طرح میں پران مے کوش نہیں ہوں کیونکہ اس کا ناش بھی اسی طرح دیکھ رہا ہوں۔ میں منو مے کوش بھی نہیں ہوں سوپن میں روز اپنا منو مے شریر دیکھتا ہوں۔ ستھول اور پران کی طرح میں اس کا بھی ناش دیکھ سکتا ہوں۔ یہی خیال بگیان مے کوش اور آنند مے کوش کی نسبت بھی کرنا چاہئے۔ سب کوش گر کر شدھ گیان سروپ میں دیکھنے والا باقی رہ جاتا ہوں اور کچھ نہیں رہتا ؞

ان دھیان کے طریقوں یا اپاسناؤں سے وحدت وجود ذہن میں بیٹھ جاتی

۱- سب سے بہتر اور برتر اہنگرہ اپاسنا ہے۔ اس میں اپاسک اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ کھاتے پیتے یہ دھیان کرتا ہے کہ جو کچھ ہے سب میں ہوں۔ آدمی اور جانور ہو کر میں سب بھوگ بھوگتا ہوں۔ درخت اور جمادات ہو کر میں زمین کی زینت ہوں۔ آکاش میرا ہی پھیلاؤ ہے۔ چاند سورج اور ستارے سب کچھ میں ہی ہوں۔ غرض جو کچھ ہے سب میرا ہے۔ سب میں ہوں۔ مجھ سے علیحدہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ اپاسنا کٹھن چیز ہے۔ اس کی ذرا آسان صورت یہ ہے۔ کہ جو کچھ مجھے نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنا جسم بھی سب خواب ہے اور اس خواب کا دیکھنے والا میں ہوں۔ مناظر خواب میں سب تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور مجھ خواب دیکھنے والے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ سدا ایک رس رہتا ہوں +

۲- دوسری پرتیک اُپاسنا ہے۔ اس میں "میں" کی بجائے یہ دھیان کیا جاتا ہے۔ کہ جو کچھ ہے ایشور ہے۔ انسان۔ حیوان۔ نباتات جمادات بحر۔ زمین۔ پہاڑ۔ خلا۔ فلک غرض ہر ایک چیز میں خدا ہے اور خدا کا جلوہ ہی نہیں۔ بلکہ ہر ایک چیز خود خدا اور ایشور ہے۔ یہ بھگتوں اور عاشقوں کی نظر ہے۔ یہی صوفیوں کا ہمہ اوست کا طریقہ ہے۔ مطلب دونو طریقوں یعنی اہنگرہ اور پرتیک اپاسنا کا ایک ہے۔ دونو میں کثرت اڑ جاتی ہے اور وحدت باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن پرتیک اپاسنا اہنگرہ سے آسان بھی ہے اور دلچسپ بھی +

یہ سردم کھلو دم برہم (تحقیق یہ سب برہم ہی ہے) یہ ہمہ اوست کی اپاسنا دو طرح ہوتی ہے۔ ایک نرگن بھاو سے جس میں کوئی صورت نظر کے سامنے نہیں رکھی جاتی۔ دوسری سگن بھاو کی اپاسنا سے جس میں خاص صورت نظر کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ خاص صورت کے اپاسک ایسے لوگ ہوتے ہیں جیسے تلسی داس جی جڑ چیتن سب کو رام روپ سے دیکھتے ہیں۔ یا جیسے بعض بھگت سب چیزوں کو کرشن روپ سے دیکھتے ہیں۔ یا جیسے صوفی سب کو مرشد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس میں نرگن اُپاسنا

پڑے ہیں۔ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ سُنی سنائی باتیں ہیں کہ اُن پر مٹے ہوئے ہیں۔ نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی ہے۔ نہ کبھی کسی فلسفیانہ مسئلے پر بیٹھکر غور کیا ہے۔ مجھ سے اکثر آدمی مسائل ویدانت پر بحث کرنے آتے ہیں۔ لیکن جہاں اُن سے پوچھا کہ تم ویدانت پر بحث کیا چاہتے ہو تو اول یہ تو بتاؤ کہ اس شاستر میں کون سی کتابیں تم نے پڑھی ہیں۔ فوراً جواب ملتا ہے کہ کتاب تو کوئی بھی نہیں پڑھی۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایسے جاہل لوگ کیا بحث مباحثہ کر سکتے ہیں۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ یورپ اور امریکہ کا فلسفہ اور ادب تو ہمارے ہاں کے شاستر کے رنگ سے رنگین ہوتا جاتا ہے اور ہمارے اہل ملک ہیں کہ میراث آبائی کو اپنی جہالت سے اپنے ہاتھوں سے کھوئے دیتے ہیں۔ سادھو۔ ہمت اور کوشش کر کے ہمیں اپنے ملک کی زبان یعنی سنسکرت اور ہندی پڑھنی چاہیئے اور اپنے گھر کا شاستر دیکھنا چاہیئے جو شانتی کا بھنڈار ہے۔ اور جس سے بڑھ کر شانتی اور کہیں نہیں مل سکتی ہے ۔

ویدانت اور اُپاسنا

شاستر پڑھنے اور اس کے مطالب پر بحث کرنے سے وحدت وجود کا مسئلہ آدمی کے ذہن میں بیٹھنے لگتا ہے۔ یہاں تک عقل کا کام ہے اور یہ شرون یعنی علم الیقین کا درجہ کہلاتا ہے۔ ابھی منن اور ندھیاسن یعنی حق الیقین اور عین الیقین کے مدارج اور باقی ہیں یہ بار بار ان مطالب پر غور و خوض کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آچاریوں نے کچھ ابھیاس یا مشقیں بھی ایسی رکھی ہیں۔ جن کے وسیلے سے آدمی کو سروپ انوبھو یا احساس ذات میں بہت کچھ امداد ملتی ہے۔ یہ لوگ ابھیاس نہیں ہے۔ بلکہ وحدت وجود کو ہی ذہن میں قرار اور قیام دینے کی ترکیبیں ہیں۔ انہیں اپاسنائیں کہتے ہیں۔ اُپاسنا کے معنی قربت کے ہیں۔ چونکہ ان طریقوں سے آدمی کو ذات واجب الوجود سے قربت حاصل ہوتی ہے۔ اس واسطے ان کا نام اپاسنا کہا جاتا ہے۔ میں کچھ اُپاسنائیں تمہیں بتاتا ہوں۔ جن کا ذکر ویدانت کی کتابوں میں اکثر آتا ہے ۔

ویدانت کی نسبت غلط فہمی

اوپر کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ بے سوچے سمجھے اعتراض کردیا کرتے ہیں کہ ویدانت آدمی کو بیکار و معطل بنا دیتا ہے۔ اخلاق بگاڑ دیتا ہے۔ اور اس میں خودی اور غرور پیدا کرتا ہے۔ وہ کیسی غلطی پر ہیں۔ اور مت متانتر نیک اعمال کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن کیوں۔ نیک اعمال سے خدا خوش ہوتا ہے اور بد اعمال سے ناراض۔ پس خوف خدا سے اعمال کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ یا نیک اعمال کے واسطے بہشت کا لالچ ہے۔ اور دوزخ کا خوف۔ یا نیک اعمال میں سوسائٹی کی خوشی ہے اور بد اعمال میں سوسائٹی کی ناراضگی کا ڈر۔ ویدانت اس بیم ورجا۔ اس لالچ اور ڈر۔ اس خوشی اور ناراضگی سب کو ہیچ اور پوچ بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ رغبت و نفرت دونوں سے اونچے چڑھ کر فرض کو فرض سمجھ کر ادا کرو جس میں نہ کسی صلے کی خواہش ہو نہ کسی سزا کا خوف ہو۔ غور کیا جائے تو کیسی اعلےٰ اخلاقی معراج ہے۔ اوروں کا اخلاق یہاں آکر ختم ہو جاتا ہے کہ ہر ایک انسان کو اپنا ہمسایہ سمجھو۔ ویدانت کہتا ہے انسان کو ہی نہیں بلکہ حیوانات۔ نباتات اور جمادات کو اپنی ذات یعنی آتما سمجھو۔ اس میں خودی اور غرور کیسا۔ ویدانت کی تعلیم شروع سے آخر تک خودی کی دور کرنے والی ہے۔ کیونکہ یہاں میں اور تو دو چیزیں جو مول سے نہیں ہیں۔ ابھیاسی اور بھگتوں کو انا نیت سے کسی درجے میں رہائی نہیں ہے۔ جس کا بدیہی نتیجہ تودی۔ خاص سدّھیاں۔ اعلےٰ ادھکار یا انتہائی درجہ کرم موکش یعنی نجات ندریجی ہے۔ ویدانت انانیت اور اہنکار کا بیج ہی اڑاتا ہے۔ اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مجھ میں خودی کا دخل ہی نہیں رہے ؎

اسی طرح جس اعتراض کو لو معلوم ہوگا کہ معترض کی جہالت پر مبنی ہے۔ لوگوں نے اپنے گھر کا اُتم شاستر پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ کوئی اس سبھا میں ٹکریں مارتا پھرتا ہے کوئی اس سماج میں سرگرداں ہے۔ ایک اس پنتھ میں جاتا ہے۔ دوسرا اس بننے کا حامی ہے۔ ہاں جو خزانے اپنے گھر میں بھرے

کرم کیا چیز ہے اور کیونکر کرنا چاہئیے۔ کرم کے ساتھ اس کا پھل وابستہ ہے جو آدمی کو پھنسانے والی چیز ہے۔ ویدانت کہتا ہے تم کرم دل کھول کر کرو۔ لیکن فرض کو فرض سمجھ کر۔ رغبت و نفرت اور پھل کی خواہش کو اس میں دخل نہ ہو۔ جو کرم کرو ایشور ارپن یعنی للہ کرو۔ اسے نشکام کرم کہتے ہیں اور اس سے کدورتِ نفس دور ہوتی ہے +

اسی طرح دھیان جمانے کے طریق یعنی یوگ اور ریاضت سے بھی ویدانت کو پرخاش نہیں ہے۔ بلکہ ان ریاضتوں کی خاص غرض جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ویدانت میں سمجھی گئی ہے اور کہیں نہیں سمجھی گئی۔ ویدانت کہتا ہے کہ دھیان جمانے کے واسطے جو طریق تم اختیار کرو اچھا ہے۔ لیکن ایک طرف تو سِدّھیوں پر توجہ نہ جائے۔ دوسری طرف انانیت یا اہنکار سے پرہیز رہے۔ دھیان اور دھیہ دونو ایک ہو جائیں۔ اس مشق سے اضطرابِ قلب دور ہوتا ہے +

یہی حال بھکتی کا ہے۔ ویدانت میں بھکتی کا بڑا درجہ ہے۔ اور یہ معمولی بھکتی نہیں ہے بلکہ اس میں بھگت کو جڑ چیتن دونو کو ایشور روپ دیکھنا ہوتا ہے اور اپنی خودی خدا میں زائل کرنی ہوتی ہیں +

گیان یعنی اپنے سروپ کا جاننا ویدانت کا خاص سادھن ہے۔ اس کی ابتدا سادھن چتشٹھے سے ہوتی ہے۔ جن کی ماہیت اور ضرورت پر میں شرح و بسط کے ساتھ بحث کر چکا ہوں۔ سادھن چتشٹھے میں کچھ مشق بہم پہنچا کر آدمی اس لائق ہو جاتا ہے۔ کہ وہ گورو مکھ سے شاستر پڑھ سکے۔ پہلے تینوں سادھن یعنی کرم۔ یوگ اور بھکتی گیان کے معاون اور مددگار ہیں۔ ان سے صفائے قلب حاصل ہوتی ہے اور صفائے قلب سے گیان کی باتیں سمجھنے کی قابلیت بہم پہنچتی ہے۔ موکش کا راستہ صرف گیان ہی ہے کیونکہ رسّی میں سانپ نظر آنے سے جو خوف پیدا ہوتا ہے وہ رسّی کے علم ہی سے رفع ہو سکتا ہے اور کوئی طریق نہیں ہے۔ اسی طرح سنسار بھی اسی وقت رفع ہوتا ہے۔ جب آدمی کو اپنے سروپ کا گیان ہو جاتا ہے +

رضائے الٰہی مانتا ہے۔ اسی طرح ویدانت میں جگت انادی اور آتما کی اِچھّا یا رضا ہے۔ مادّہ پرست کا انادی جگت دلیل کے سامنے نہیں ٹھیر سکتا۔ اسی طرح اگر جیو اور ایشور علٰحدہ علٰحدہ ہستی رکھتے ہیں تو ایشور پہ سخت اعتراض ہوتا ہے کہ اس نے جیووں کو کیوں مصیبت میں پھنسا رکھا ہے لیکن ویدانت پر یہ اعتراض عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں جیو اور برہم کوئی علٰحدہ علٰحدہ وجود نہیں ہیں۔ بلکہ جیو ہی برہم ہے۔ جگت ہی آتما ہے۔ اپنے خیال میں ہر قسم کا تماشہ دیکھنے کا آتما کو اختیار ہے جو مادّہ پرستی اور خدا پرستی کی صورت میں ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہے۔

موکش کا خیال

آتما جگت کا تماشہ دیکھتا ہے۔ لیکن اس تماشے کو دوام اور قیام نہیں ہے۔ جس منظر میں سکھ نظر آتا ہے وہ بدلتا ہے ٹھہرتا نہیں۔ اس سے بیراگ پیدا ہوتا ہے۔ کہ جگت کی سب چیزیں گزشتنی وگزاشتنی ہیں۔ پائدہ خوشی اور لایزال سرور کی تلاش کرنی چاہیئے یہی موکش کی اِچھّا کہلاتی ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان کو غنیمت شمار کرنا چاہیئے۔ اور دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ گویا یہ روحانی ترقی کی ابتدا ہے۔ جو ایک روز نجات کے بام بلند پر پہنچائیگی۔ اور انسان کو بتائیگی کہ تیرا اصلی سروپ کیا ہے۔

موکش کے سادھن

خیال نجات طبیعت میں پیدا ہوتا ہے تو اختلاف طبائع سے بعض آدمی نیک اعمال میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ بعض یوگ ریاضتوں میں بعض بھکتی یا عشق الٰہی میں اور بعض گیان کا رستہ لیتے ہیں۔ ویدانت کو کسی راستے سے پرخاش نہیں ہے۔ اس اعلےٰ فلسفے میں طبائع انسان کے اختلاف کا خیال رکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جس درجے کا آدمی ہے۔ اُسی درجے کا سادھن اُس کے واسطے سب سے بہتر چیز ہے۔

ویدانت کرم یعنی اعمال کا برودھی یا مخالف نہیں ہے۔ بلکہ بتاتا ہے

اُدے ہونا ذرا بھی دقت طلب بات نہیں ہے۔ خوشی کا مقام ہے کہ مغربی فلسفی اور طبیعی اب اس بات کو سمجھنے لگے ہیں۔ کہ ہمیں جو علم ہوتا ہے وہ باہر کی چیزوں کا نہیں ہے۔ بلکہ صرف اپنی کیفیات نفس کا ہے۔ جو باہر کی تحریکات سے نفس یعنی من میں اُٹھتی ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ بھی کھل جائیگا کہ باہر کی تحریکات کچھ چیز نہیں ہے جو کچھ ہے سب من کا کھیل ہے ✦

ویدانت میں واقعی وجود صرف گیان سروپ آتما کا ہے۔ اس کی پار مارتھک ستّا یعنی ہستئ واقعی کہلاتی ہے۔ باقی کل جگت کی بود محض نمودی ہے۔ یعنی صور خواب کی طرح صورتیں نظر بے شک آتی ہیں لیکن واقع میں کچھ نہیں ہیں پر اتی بھاسک ستّا یعنی ہستئ نمودی کہلاتی ہے۔ پس ستّا یعنی ہستی دو طرح کی ہے ایک واقعی اور دوسری نمودی۔ بعض ویدانتی مصنّف تیسری ستّا یعنی بیوہارک بھی مانتے ہیں۔ ان کے خیال میں پار مارتھک ستّا آتما کی ہے۔ بیوہارک ستّا جاگرت میں جگت کی ہے اور پراتی بھاسک ستّا خواب کی صورتوں یا رسّی میں سانپ وغیرہ کی ہے۔ ان تین ستاؤں سے جگیاسو کا سمجھانا ہی مقصود ہے اور کچھ نہیں اصل میں دو ہی ستا یعنی پار مارتھک اور پراتی بھاسک ہی ہیں۔ اور پراتی بھاسک ستّا میں علم تحقیقی و غیر تحقیقی یعنی مغالطہ اسی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح خواب میں گو تمام ستّا پراتی بھاسک ہے لیکن ندرت کے ذریعے سے علم تحقیقی مانا ہوا ہے اور نقص کے باعث مغالطہ۔ پرماگیان۔ اپرماگیان اور پرمانوں کی نسبت میں پہلے بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے ✦

جگت آتما کی لیلا یا تماشہ ہے

کارن۔ سوکشم اور ستھول سرشٹی سب گیان سروپ آتما کی لیلا ہے۔ مایا برہم کے ایک دیش میں ہے۔ تماشہ دوست آتما طرح طرح کی صورتوں میں اپنا تماشہ دیکھتا ہے۔ اگر کہو اس دُکھ روپ جگت میں کیا رکھا ہے جو آتما نے رچ کر اپنی جان کو مصیبت لگالی ہے۔ تو اس کا جواب وہی ہے جو میں پہلے دے چکا ہوں۔ یعنی جس طرح مادّہ پرست جگت کو انادی بتاتا ہے اور خدا پرست

ہیں اور ہیئت مجموعی ایشور کے۔ کارن شریر آنند مے کوش کہلاتا ہے۔ جو جزءً جیو کا کوش ہے اور کلاً ایشور کا۔ کارن۔ سوکشم اور ستھول کو ایک اور پہلو نظر سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ کارن سشپتی اوستھا ہے۔ سوکشم سوپن اوستھا ہے اور ستھول جاگرت اوستھا ہے۔ یہاں بھی ویشٹی کا ابھمانی جیو ہے اور سمشٹی کا ایشور۔ غرض جو رچنا برہمانڈ کی ہے وہی انسان کی ہے۔ انسان بجائے خود ایک عالم ہے اور اس میں عالم کی ہر ایک شے موجود ہے ✣

اس سمشٹی ویشٹی اور جگت کی رچنا کی ترتیب کی غرض خاص یہ ہے۔ کہ آدمی کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرے۔ یہی غرض ویدانت کے مختلف وادوں یعنی دِرِشٹی سرِشٹی واد۔ پرنی نام واد۔ آبھاس واد وغیرہ کی ہے۔ جنم جنمانتر سے دوئی کا خیال ذہن میں بیٹھا ہوا ہے۔ پس سب سے مقدم کثرت کو لیتا ہے اور جس طرح جگیاسو سمجھ سکے اسی کثرت میں سے اس کو وحدت پر پہنچا دیتا ہے۔ پہلے جگت بنا کر کھڑا کیا جاتا ہے اس کو ادھیا روپ کہتے ہیں۔ بعد میں اس کو آتشبازی کے ہاتھی کی طرح اڑا دیا جاتا ہے۔ یہ اپ واد ہے۔ جگیاسو سے کہا جاتا ہے کہ یہ سب محض واہمہ یا خواب کا سا نقشہ ہے۔ تو شُدھ گیان سروپ آتما ہے۔ سمشٹی اور ویشٹی دونو کلپت یعنی وہمیہ چیزیں ہیں۔ ان کا خیال طبیعت سے نکال دے جو باقی رہتا ہے۔ یعنی شدھ گیان وہ تیرا اصلی سروپ ہے۔ یہی کلام عظیم تت توام اسی (وہ تو ہے) کے معنی ہیں ✣

اشیاے خارجی کا علم

جس طرح ویدانت کو جگت رچنا میں کسی طرح کی دِقّت کا سامنا نہیں ہے۔ اسی طرح اشیاے خارجی کے علم میں بھی کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آتی۔ عالم اور معلوم دونو کو سچّا اور قائم بالذات مانا جائے۔ تو ان میں بعد المشرقین ہوگا اور باہمی علاقہ یعنی علم کسی طرح قائم نہیں ہوسکیگا۔ فرنگستانی فلسفے کو ٹکریں مارتے ہزاروں برس ہوگئے۔ لیکن یہ عقدۂ لاینحل حل ہوتے میں نہیں آتا۔ ویدانت میں چونکہ معلوم وہمیہ ہے۔ اس کا گیان کے سمندر میں

حالتیں یکساں متھیا یا اترد جیہ ہیں۔ کیونکہ رسّی میں نہ سانپ پہلے کبھی تھا۔ اب ہے۔ اور نہ آیندہ ہوگا۔ مگر تماشہ ہے کہ پرتیکش نظر آرہا ہے۔ یہی حال شدھ گیان سروپ آتما میں جگت کے کارن سوکشم اور ستھول روپ سے نظر آنے کا ہے۔ ستھول سوکشم سے کوئی مختلف چیز نہیں ہے۔ جس میں اعتراض کی گنجائش ہو کہ سوکشم چیز ستھول کیونکر ہوگئی۔ بلکہ ستھول کو یوں سمجھو کہ سوکشم ہی جگت ہے جو خواب کے نقشے کی طرح ہے جنم جنمانتروں کے ادھیاس یا وہم سے اسی طرح صاف۔ روشن اور پرتیکش نظر آرہا ہے جس طرح رسّی سانپ نظر آتی ہے۔ حالانکہ سانپ فقط من کا کھیل ہے۔ کوئی ستھول چیز نہیں ہے۔ یہی تمام ویدانت شاستر کا سدھانت ہے۔ موجودہ جگت اس سے پہلے جگت کے سنسکاروں کا کاریہ یا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے سے پہلے جگت کا۔ اسی طرح ایک لامتناہی سلسلہ پیدا ہوتا ہے جس کی آدیا ابتدا نہیں ہے۔ کیونکہ جگت کا کارن یعنی مایا خود انادی چیز ہے۔

سمشٹی و بیشٹی یا جزو اور کُل

جو رچنا اوپر بیان ہوئی وہ کل جگت کی تھی۔ اس کو برہمانڈ یعنی عالم اکبر کہتے ہیں۔ یہی رچنا انسان کی ہے جس کو انڈ یا عالم اصغر کہتے ہیں۔ دونو صورتوں میں وہی کارن شریر ہے۔ سمشٹی یعنی کل کا ابھمانی ایشور کہلاتا ہے اور ویشٹی یعنی جزو کا ابھمانی جیو جس کا اس حالت میں پراگیہ نام ہے۔ کل عالم سوکشم حالت میں سوکشم سرشٹی کہا جاتا ہے اور اس کے ابھمانی کا نام ہرینہ گربھ انسر یامی یا سوتر آتما ہے۔ جیو کا نام سوکشم شریر کے لحاظ سے تیجس ہے۔ ستھول برہمانڈ کا ابھمانی براٹ کہلاتا ہے اور ستھول انڈ یعنی جسم انسانی کا وشو۔ یہ شریر کیا ہیں۔ شدھ گیان سروپ آتما پر خول یا غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ انہیں سنسکرت میں کوش کہتے ہیں۔ ستھول شریر کا نام ان سے کوش ہے جو آدمی کا جسم کثیف ہے۔ اگر تمام ستھول شریر لئے جائیں تو وہ مل کر ایشور کا ستھول کوش بنینگے۔ سوکشم شریر میں پران مے کوش۔ منومے کوش اور بگیان مے کوش تینوں شامل ہیں۔ جو بہیئت انفرادی جیو کے کوش

ستوگنی حصے سے پانچ گیان اندریاں یعنی قوائے سامعہ۔ لامسہ۔ باصرہ۔ ذائقہ وشامہ پیدا ہوتی ہیں اور رجوگنی حصے سے پانچ کرم اندریاں یعنی قوت گویائی۔ قوت گرفت۔ قوت قیام۔ قوت توالد و تناسل اور قوت استخراج۔ مخلوط ستوگنی حصوں سے انتہ کرن یعنی حس باطنی پیدا ہوتی ہے جس کی کیفیات مختلف کاموں کی وجہ سے چہار گونہ ہیں یعنی من یا سنکلپ بکلپ کی طاقت۔ چت یا غور کرنے کی طاقت۔ اہنکار یا خیال انانیت۔ اور بدّھی یا تمیز یعنی تحقیق و تصدیق کی طاقت۔ مخلوط رجوگنی حصوں سے پران پیدا ہوتا ہے جو کیفیات مختلفہ کے لحاظ سے پنج گونہ ہے یعنی پران۔ اپان۔ اُدان سمان اور ویان۔ پران کی رفتار باہر کی طرف ہے۔ اپان کی اندر کی طرف۔ اُدان کی اوپر کی طرف۔ سمان کی سب طرف اور ویان روکنے والی قوت ہے۔ یہ تمام سرشٹی سوکشم کہلاتی ہے۔ اور اس کی مثال عالم خواب ہے۔ جس کا انو بھو ہم کو روز ہوتا ہے اور جس میں بھوت۔ اندریہ۔ انتہ کرن اور پران سب سوکشم یعنی لطیف ہیں +

لطیف عناصر خمسہ کے مخلوط حصہ نموگنی سے پنچی کرت آکاش۔ ہوا۔ آتش۔ آب اور خاک ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جن میں نصف حصہ اپنا ہوتا ہے اور آٹھواں حصہ باقی چار عناصر کا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک عنصر میں باقی عناصر کے خواص بھی پائے جاتے ہیں۔ اس حالت کا نام ستھول یا کثیف ہے ان پنچی کرت بھوتوں سے ستھول جگت کی رچنا ہوتی ہے۔ جس کا احساس ہر شخص کو ہے اور زیادہ بیان کی حاجت نہیں +

ان کارن۔ سوکشم۔ اور ستھول حالتوں میں صرف درجے کا فرق ہے اور کوئی فرق نہیں ہے۔ وُہی رسّی میں سانپ نظر آنے کی مثال سمجھ لو۔ سانپ سنسکار وپ یعنی بیج کی صورت میں ہمارے من میں موجود ہے۔ یہ کارن کی حالت ہے۔ رسّی کی تحریک سے اس کے سنسکار اُدے ہوتے ہیں اور من میں سانپ کی صورت بنتی ہے۔ یہ سوکشم کی حالت ہے۔ من اس سانپ کو باہر نکال کر پھینکتا ہے اور پرتیکش سامنے دیکھتا ہے یہ ستھول ہے۔ تینوں

کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس خواہش سے گورو سے گیان کا اپدیش لیا جاتا ہے اور گیان آنکھیں کھول دیتا ہے کہ جیو اصل میں کیا ہے اور آپ کو مانتے ہوئے کیا ہے ۞

جگت رچنا یا پیدائش عالم

ویدانت شاستر کو جگت رچنا میں کسی دِقّت کا سامنا نہیں ہے۔ کیونکہ نرگنا تمک مایا موجود ہے اور اس میں جگت کے رچنے کی سب طرح کی قابلیت ہے۔ یہ نیایکوں کی پرکرتی یا پرمانووں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جن کی ترتیب سے اشیاء کے عدم سے وجود آنے میں اعتراض پیدا ہوں۔ یا اجزائے لایتجزٰے سے متحوی چیزیں بنی مشکل ہوں۔ نہ یہ سانکھیہ کی واقعی وجود رکھنے والی لیکن جڑ پردھان ہے۔ جس کی ارتقا یا پرنیام سے خود بخود حالت بدلنے یا منتظم نظام عالم قائم کرنے پر اعتراضوں کی بھرمار ہو۔ بلکہ چیتن کا وہم محض ہے جو اس کے سنکلپ سے ہر طرح تبدیل ہیئت کر کے ہر ایک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اور اس میں ذرا بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے ۞

پرلے کی حالت میں جگت واستاروپ یعنی بیج کی صورت میں اسی طرح رہتا ہے۔ جس طرح گاڑھی نیند میں سوئے ہوئے آدمی کے من میں اُس کے خیالات کی دنیا رہتی ہے۔ یہ پرکرتی یا مایا کی سامیہ اوستھا یعنی حالت ہموار ہے جس میں تینوں گن ستو رج اور تم ہموار اور یکساں حالت میں ہیں۔ اور ایک پر دوسرے کو مطلق غلبہ نہیں ہے۔ اسی کو کارن اوستھا کہتے ہیں کیونکہ سوکشم اور ستھول یعنی عالم لطیف وکثیف کا یہی کارن یا علت ہے۔ سرشٹی کے وقت جیووں کے اعمال ایشور کو پریرنا یا تحریک کرتے ہیں کہ وہ جگت رچے۔ ایشور یوگ ندرا سے بیدار ہوتا ہے۔ تو اُسے محیط کل برہم مایا کے سمبندھ سے سوکشم آکاش کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وہ اپنے سنکلپ سے آکاش کو ہوا۔ ہوا کو آتش۔ آتش کو آب اور آب کو خاک کی صورت میں تبدیل کرتا ہے۔ یہ پنچ مہا بھوت ہیں۔ ان کے علیحدہ علیحدہ

ہیں۔ ان کا کھنڈن وہی ہے جو میں نیاسے اور ویدانتک مت کے کھنڈن
کے زمرے میں پہلے کر چکا ہوں ❖

ابدّیہ بہت چیتن یا جیو

شُدھ گیان روپ برہم میں یہ وہم ہوتا کہ میں سروشکتیمان ہوں ایشور بھاد
کہلاتا ہے اور یہ وہم ہونا کہ میں الپ شکتی یعنی تھوڑی قدرت والا ہوں جیو بھاد
ہے۔ ایشور نے اپنی اپادھی شُدھ ستوگن مانی ہے۔ اس لئے اپنا سروپ اس
سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ جیو نے اپنی اُپادھی ملن ستومانی ہے۔ جس میں
رجوگن اور تموگن کا بھی میل ہے۔ اس وجہ سے معمولی حالت میں اسے اپنے
سروپ کا گیان نہیں۔ مایا اور ابدیا دونوں ایک ہیں۔ صرف ایشور اور جیو کا
فرق ہے۔ ایشور کی اپادھی مایا کہلاتی ہے۔ جیو کی اپادھی ابدیا کہلاتی ہے
ایشور کے درجے پر پہنچنے والی آتمائیں پہلے جیو بھاو میں ہی تھیں۔ لیکن
اپنے منتقل دھیان اور دھارنا سے ایشور پدوی کو پہنچی ہیں۔ اسی طرح اور
جیو بھی جو محض اپنے سنکلپ سے جیو بھاو میں ہیں۔ خاص طریقوں سے
اپاسنا کرنے سے بڑے سے بڑے درجے کو پہنچ سکتے ہیں۔ کرم موکش
یعنی نجات تدریجی حاصل کر سکتے ہیں۔ یا گیان حاصل کر کے جیون موکش
اور بدیہہ موکش حاصل کر سکتے ہیں ❖

اس جنم کا جیو بھاو اس سے پہلے جنم کے کرموں کا پھل ہے۔ اس سے
پہلے جنم کا جیو بھاو اس سے پہلے جنموں کے کرموں کا پھل ہے۔ اس طرح
ایک لامتناہی سلسلہ چلتا ہے۔ جس کی ابتدا کہیں نہیں ہے اور نہ ہو سکتی
ہے۔ کیونکہ جیسا میں اوپر کہہ آیا ہوں۔ مایا انادی ہے۔ اسی طرح مایا اور
برہم کا سمبندھ انادی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیو بھاو بھی
انادی ہے۔ تماشہ دوست آتما طرح طرح کے ناموں اور صورتوں میں تماشہ
دیکھتا ہے اور جب تک کہ اس تماشے پر نظر ہے جیو بھاو میں رہتا ہے۔
جب سیر ہو جاتا ہے۔ اپنے سروپ کی طرف توجّہ کرتا ہے اور مکت ہے۔
توجہ دلانے والی چیز بیراگ ہے۔ ہر ایک چیز کو متبدل دیکھ کر لاپرواہی سکھ

دائیں بائیں سوکشم آکاش پھیلا ہوا ہے۔ اسی سوکشم آکاش میں کائنات کا بیج ہے اور یہ ایشور کا سوکشم شریر ہے۔ سوکشم سے ستھول سرشٹی رچتا ہے اور یہ اس کا ستھول شریر ہے۔ یہ رچنا محض وہمیہ ہے یعنی ایشور کا سنکلپ ہے اسواسطے ایشور جگت کا نمت کارن یعنی علت فاعلی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اُپادان کارن یعنی علت مادّی بھی ہے۔ جس طرح خواب میں کائنات خواب کی علت فاعلی و مادّی دونو ہے۔ پہلے جنم میں یہ مہان آتما صفائے قلب میں بہت کوشش کر چکا ہے۔ اسواسطے ایشور پدوی میں اس سے اپنا سروپ چھپا ہوا نہیں ہوتا بلکہ یہ جیون مکت ہوتا ہے۔ جس کو کلپ کے اخیر تک کام کرنا پڑتا ہے اسی واسطے ویدانت میں ایشور کا نج شریر مایا کے شدھ ستوگن کا مانا گیا ہے۔ جس میں حجاب یا اچھّادن نہیں ہوا کرتا ٭

شُدھ برہم صفات سے معرّا ہے۔ مایو بہت ایشور چونکہ اپنے سنکلپ سے جگت کو رچتا ہے اس واسطے گنوں کا بھنڈار یعنی خزانہ عامرہ ہے اس کو شُدھ یعنی خالص کے مقابلے میں سبل یعنی رنگین کہتے ہیں۔ یہ سرو شکتیمان ہے۔ سروگیہ ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ سمیع و بصیر ہے اور جو جو صفتیں خیال میں آسکتی ہیں۔ سب اس سے منسوب کی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ کائنات کے خواب کا یہ خواب بین ہے اور اپنے سنکلپ میں ہر طرح خود مختار ہے۔ اس ایشور پر مہاراج رامانج۔ بلبھ اور مادھو پہنچے ہیں۔ یہی بہت سے نئے پرانے مذاہب مختلفہ کا ایشور ہے جو صفات بے شمار کا خزانہ ہے اور جو محض اپنے حکم سے کائنات کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ عدم کے معنی صرف ایشور کے سنکلپ کے ہو سکتے ہیں اور کچھ نہیں۔ لیکن ان مذاہب میں غلطی یہ ہو رہی ہے کہ یہ کائنات کو سچّا مان رہے ہیں۔ اگر ایشور کا صرف سنکلپ یا وہم مانیں تو زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور یہ خلاصہ ویدانتی ہیں۔ اگرچہ اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ شبل برہم یا ایشور پر ٹھہر جانا اصلی ویدانت سے دو قدم نیچا ہے۔ مایا اور شُدھ گیان سروپ برہم کے دو درجے اور باقی ہیں۔ جو مت ایشور جیو اور پرکرتی تینوں کا وجود واقعی مانتے ہیں۔ وہ نیائے شاستر کے ڈلہ رہا اور خوشہ چین

مایو پہست چیتن یا ایشور

جس گیان سروپ ذات احد کو ہمیں فلسفہ اور منطق نے روشناس کرایا ہے اور جس کو ہم نے سچدانند کہا ہے اصطلاح میں اس کا نام شدھ برہم ہے کیونکہ شدھ گیان سروپ ہے اور ہر ایک قسم کی تقسیم اور تعریفات سے مبرا ہے۔ اس میں سے جگت کی رچنا کی سوائے اس کی اور کوئی سبیل نہیں ہے کہ سروپ انوبھو کی بجائے اسے اور احساس ہو جس کو ادھیاس یا وہم یا مایا یا جو کچھ کہہ لو۔ یہ وہم دو طرح کا ہو سکتا ہے۔ یہ اپنے کو سرو شکتیمان یعنی قادر مطلق سمجھے یا الپ شکتیمان یعنی تھوڑی قدرت والا سمجھے۔ پہلی صورت میں اس کو ایشور کہینگے اور دوسری میں جیو۔ ایشور کیا چیز ہے؟ شدھ گیان اس وہم کے ساتھ کہ میں سرو شکتیمان ہوں سنسکرت میں اس کا نام مایو پہت چیتن یعنی مایا کی اُپادھی والا چیتن ہے۔ اُپادھی کے معنی ساتھی یا ہمراہی کے ہیں +

برہمانڈ اننت ہے۔ اس میں لاتعداد نظام شمسی ہیں۔ جن میں گولکیں یا کُرے ہیں۔ یہ سب دنیائیں ہیں اور ان میں مخلوق رہتی ہے ہر نظام شمسی کا ایک ایشور ہوتا ہے جو کلپ کے اخیر تک رہتا ہے۔ کل برہمانڈ کا ایک مہیشور ہوتا ہے جو مہاکلپ کے اخیر تک رہتا ہے۔ کسی نظام میں پرلے ہوتی ہے کسی میں سرشٹی اور یہی تار لگا رہتا ہے۔ اپنے نظام شمسی کو لو اور فرض کرو کہ پرلے کی حالت ہے۔ یہ بعینہٖ وہ حالت ہے جو ہم روزگاڑھی نیند یعنی سشپتی میں محسوس کرتے ہیں۔ اس میں جس مہان آتما کو ابھمان ہوتا ہے کہ میں سکھ سے سو رہا ہوں وہ ایشور کہلاتا ہے۔ اور یہ حالت اس کا کارن شریر ہے۔ ایشور کے درجے کو پہنچنے والی وہ مہان آتمائیں ہیں جنہوں نے زندگی کے عالم میں یہ درڑھ دھارنا کی ہے۔ کہ ہم سرو شکتیمان ایشور ہیں اور اپنے سنکلپ کے زور سے اس مہان پدوی کو پہنچے ہیں۔ جب اس یوگ ندرا سے ایشور کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو سرو ویاپک برہم کو وہ اس درشٹی سے دیکھتا ہے کہ اوپر نیچے۔ اِدھر اُدھر

ملا کے ہیں یہاں نیرنگ جن سے عقل ہو دنگ
پڑا ہے پردہ دورنگی کا کیا بڑا بھاری

ہر ایک رنگ میں اے ہمنشیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

جہاں ہے مہر وہیں قہر کا بھی کھٹکا ہے
جہاں ہے لطف وہیں جور کا بھی خطرہ ہے
جو چھپی خیال محبت میں دشمنی دیکھی
نہاں نکوئی کے گل میں بدی کا کانٹا ہے
لگی ہے ساتھ ہی اخلاق کے بد اخلاقی
جہاں ثواب ہے واں معصیت کا سودا ہے
جہاں ہیں زور کے دعوے وہیں ہے کمزوری
جہاں ہے علم وہیں جہل ساتھ دیکھا ہے
امید خلد سے وابستہ خوف دوزخ ہے
جہاں ریا ہے وہاں ساتھ زہد و تقویٰ ہے
جہاں کہ دعوے قربت ہے ہے وہیں دوری
جہاں ہے وصل وہیں ہجر کا بھی خدشہ ہے
خدا کے ساتھ خودی کا خیال ہے بستہ
خودی کے ساتھ لگا دغدغہ دوئی کا ہے
دوئی وہ چیز ہے تبدیلیاں اسی میں ہیں
دوئی وہ چیز ہے پرہیز اس سے زیبا ہے

یہیں ہے مجھ سے جو پوچھو کہیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

میں جانتا ہوں کہ نیرنگ عالم امکاں
تمام خواب کے نقشے ہیں ظاہر و پنہاں
وہ خواب ہیں کہ تماشا یہ جسکے سامنے ہے
نہیں بجز مرے عالم میں اسکا نام و نشاں
صور جو خواب کی ہیں خواب ہیں کے جلوے ہیں
سوائے اسکے نہیں خواب میں کسی کا گماں
وہ آپ خواب میں ہیں شہر صحرا اور کہسار
وہ آپ خواب میں ہے علت زمان و مکاں
فلک ہے آپ میں آپ اور خلا ہے آپ
وہی ہے کل میں عیاں وہی جزو میں پنہاں
دوئی کہاں ہے اسی کا ہے وہم سارا خواب
تبدلات ہیں جتنے وہ وہمیہ ہیں یہاں
صور جو خواب کی بدلیں تو خواب ہیں ان سے
کبھی بدل نہیں جاتا سمجھ یہ راز نہاں
سمجھ یہ راز نہاں مہر اور میری طرح
تیری زبان بھی ہو آج یوں گہر افشاں

بسان عالم رویا یہیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

از کلام مہر جلد ثانی

گھنے تھے بن جہاں واں آج شہر بستے ہیں
جہاں محل تھے سنگھال آج واں فنا ہیں ہیں

جو بحر تھے وہ بنے کوہ آسماں فرسا
جو کوہسار تھے وہ بحرِ بیکراں ہیں ہیں

اجڑ کے باغ بنے دشت ہائے وحشت خیز
جو دشت کل تھے وہ اب صحن گلستاں ہیں ہیں

بنا ہے میکدہ مسجد اور اس کا بتخانہ
نظارے ایسے کسی کے کہاں گماں میں ہیں

بدلتے رہتے ہیں نقشے جہان کے ایسے
طلسم جیسے کہ مرقوم داستاں میں ہیں

غرض بیان یہ باہر ہیں کس طرح لکھوں
زمین میں جو تبدل ہیں یا زماں میں ہیں

زمیں پہ دیکھی ہے زیر زمیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

عروج دیکھا ہے جس نے زوال دیکھا ہے
زوال ہی نہیں دیکھا کمال دیکھا ہے

جنہیں یہ دیکھا کہ اونچا بہت ہے سر ان کا
سر ان کا ٹھوکروں میں پائمال دیکھا ہے

جنہیں کہ ناز بہت تھا فراخ حالی پر
انہیں کا تنگ بہت میں نے حال دیکھا ہے

جنہیں کہ دولت و حشمت کے تھے بڑے دعوے
فقیر کی طرح کرتے سوال دیکھا ہے

جنہیں کہ ناز تھے عزت پہ اور منصب پر
ذلیل و خوار گدا کی مثال دیکھا ہے

کبھی ہیں شاہ گدا اور گدا کبھی ہیں شاہ
یہی حساب بہت ماہ و سال دیکھا ہے

بنے شریف رذیل اور بنے رذیل شریف
شرافت آہ تیرا یہ مآل دیکھا ہے

جہاں کے نقشے ہیں سب نقشِ آب کی مانند
یہ کھیل ہوا یہاں مایا کا جال دیکھا ہے

یہ مایا جال ہے یہاں دلنشیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

ابھی ہے خواب یہاں اور ابھی ہے بیداری
ابھی ہے خواب کی پھر ایک دم نہیں باری

کسی کو بادۂ غفلت سے بیہوشی دیکھی
کسی کو ناز یہ مجھ میں بہت ہے ہشیاری

کوئی جو کرتا ہے عقل و تمیز کی باتیں
تو کوئی عقل و خرد سے ہے مطلقاً عاری

کسی کی طبع میں ہے مشتعل غضب کی آگ
کسی کے دل میں ہے سرچشمۂ کرم جاری

کسی کو وقتِ اشکال میں پھنسا دیکھا
کسی کا دیکھا وتیرہ ہے سہل انگاری

کسی کو ہے یہ خوشی شاد ہنستا ہے
کسی کو ہے یہ الم جان سے ہے بیزاری

کسی کو عزت و حرمت کی کچھ نہیں پروا
کوئی یہ سمجھا ہے سب کچھ ہے خوشتن داری

غرض زمانے میں نیرنگیاں ازل سے ہیں
نہ کم ہوا ہے یہ نیرنگ اور نہ کم ہو گا

یہاں بہ منصبِ جانِ حزیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

وہ دن بھی بیت گئے سب ماں کے پیٹ کے اندر
گزر گئے جو کچھ ایام شیر خواری کے
بڑے ہوئے کچھ اور تو تعلیم پائی مدرسے میں
ترقیاں ہیں پڑھنے کو بھیجے کالج میں
جوانی آئی امنگوں کے دن بھی ساتھ آئے
بڑھی جو عمر جوانی سے پختہ کار ہوئے
ہوئے ضعیف پیام آیا مرگِ مبرم کا
بدلتے سین ہیں یوں زندگی کے ناٹک میں

وہ دن بھی آیا کہ اندر سے آ گئے باہر
تو گھٹنیوں لگے چلنے مگر گرے اکثر
وہاں سے جب ملی چھٹی تو آئے خوش خوش گھر
اور امتحانوں میں پورے اتر گئے یکسر
گزرنے وقت لگا ایک ایک کا خوشتر
وبال جان رہا گھر دکان یا دفتر
یہ کالبد ہوا آتش میں جل کے خاکستر
میں دیکھ دیکھ کے حیران ہوں سوچتا ہوں مگر

برائے دیدۂ نظارہ بیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

ہنڈولا وقت ہے اور رات دن کا چکر ہے
اسی میں آ گئے نیرنگ موسموں کے سب
کبھی خزاں کی ہے آمد کبھی بہار کی ہے
ابھی تھی زور کی گرمی ابھی وہ ابر آیا
گیا وہ موسم برسات آ گئی سردی
گئی خزاں تو جڑائی ہوئی بہار کی پھر
پھر اس کے بعد ہے برسات یہ وہی جاڑا
کہیں قیام نہیں ہے کہیں قرار نہیں

ہر ایک دیکھ کے حیران اور ششدر ہے
کہ گرم و سرد زمانہ انہیں کے اندر ہے
گئی وہ آئی یہ کیا سلسلہ مقرر ہے
سماں بدل گیا رت کیسی خوب خوشتر ہے
خزاں کا پھر وہی آنے کا آیا لشکر ہے
بہار ہو چکی گرمی کا زور یکسر ہے
بلا کا سلسلہ ہے یہ غضب کا چکر ہے
بس ایک دور مسلسل رواں برابر ہے

بدلنا وقت ہے سحر آفریں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

زماں کے ساتھ ہی تبدیلیاں مکاں میں ہیں
جو کل تھے شہر بنے ہیں وہ آج ویرانے

بدلتے روز مناظر نئے جہاں میں ہیں
جو تھے خرابے وہ آباد و عزت و شان میں ہیں

وہ گنا تت یا جیون مکت کہلاتا ہے"

ویدانت انجام میں آدمی کو اس درجے پر پہنچا دیتا ہے۔ کہ عالم امکان اُسے تماشہ نظر آتا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے کہ جتنی تبدیلی ہے سب اس تماشے میں ہے۔ مجھ تماشہ دیکھنے والے میں نہیں۔ شاعر کہتا ہے :-

مجھ میں تبدیلی نہیں ہے

جہاں کی نت نئی صورت بدلتی رہتی ہے
ہر ایک چیز کی حالت بدلتی رہتی ہے

کبھی فراخ رہی ہے یہاں کبھی تنگی
مگر زمانے کی ساخت بدلتی رہتی ہے

نصیب دیکھا ملتا جہاں کہیں دیکھا
سنا تو یہ سنا قسمت بدلتی رہتی ہے

کبھی قیام نہیں ایک حال پر ممکن
ہر ایک شخص کی عادت بدلتی رہتی ہے

بدلتی رہتی ہیں گر عادتیں تو رونا کیا
یہ وہ جگہ ہے طبیعت بدلتی رہتی ہے

کسی کا قول نہیں اعتبار کے لائق
کہ قول و فعل میں نیت بدلتی رہتی ہے

چمن میں دہر کے نیرنگیاں بلا کی ہیں
ہر ایک پھول کی رنگت بدلتی رہتی ہے

قرار نام کو دیکھا یہاں نہ صورت کو
کہ ساتھ نام کے صورت بدلتی رہتی ہے

غرض نگاہ جہاں کی وہیں ہے تبدیلی
بس ایک میں ہوں کہ مجھ میں نہیں ہے تبدیلی

جہاں ہے آج خوشی کل وہیں الم ہو گا
جہاں سرور تھا کل آج رنج و غم ہو گا

نہ دنیا لطف و محبت پہ بھول کر تم دل
یہ پردہ وہ ہے کہ اس میں چھپا ستم ہو گا

جو آج درد سے آنسو بہاتے ہیں تم پر
انہیں کے دل میں کل رحم اور کرم ہو گا

جنہیں کہ ناز ہے جینے کا ان کو مرنا ہے
جنہیں ہے زور یہ فخر ان میں کل نہ دم ہو گا

بنے ہوئے کبھی بگڑیں گے یوں سنور نہ سکیں
بگڑ گئے ہیں جو اُن کا رواں قلم ہو گا

جنہیں کہ دعوےٰ عزت ہے خوار ہوں گے وہ
ذلیل و خوار کا اونچا کبھی علم ہو گا

بلند ہوں گے کبھی آج جو ہیں پستی میں
جو سربلند بہت ہیں سر اُن کا خم ہو گا

قدرت میں جو قوتیں کام کرتی ہیں وہ بدلتی رہتی ہیں۔ سنتھول اور سوکشم صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ پس یہ سب مایا ہیں۔ ایک مہاتما سے کسی نے پوچھا کہ مہاراج مایا کا کیا سروپ ہے؟ کہنے لگے اندھے یہ اتنی موٹی مایا تیری آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔ تیرا جسم۔ مکان۔ درخت۔ پہاڑ۔ جنگل سب مایا ہیں کیا تماشہ ہے۔ کہ تجھے مایا دکھائی نہیں دیتی مجھ سے سوال کرتا ہے کہ مایا کا کیا سروپ ہے؟ جا آنکھوں کا علاج کرا۔ غرض تبدیل ہونے والی چیزیں سب مایا ہیں۔ جس گُن یا صفت کی وجہ سے مایا کیفیات نفس کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اسے اصطلاح میں "ستوگن" کہتے ہیں۔ جس سے کام کرنے والی شکتی یا قوت بنتی ہے وہ "رجوگن" کہلاتا ہے۔ اور جس سے سنتھول سوکشم صورتیں اختیار کرتی ہے یا موہ اور نیند کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے وہ "تموگن" ہے ؞

کائنات میں جہاں جہاں جو جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ یوں سمجھو کہ مایا کا ایک گُن دوسرے میں برت رہا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ آتما اس تماشے کا دیکھنے والا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی کبھی ممکن نہیں ہے۔ جس گیانی کی یہ درشٹی ہوتی ہے۔ اس کو نرگنا تیت یعنی تینوں گنوں سے گزرا ہوا کہتے ہیں اسی کا دوسرا نام جیون مکت بھی ہے۔ شری کرشن بھگوان نے گیتا میں اس کی تعریف یوں کی ہے ؞

"جو شخص موجودہ کیفیات نفس۔ اعمال اور حالت غفلت سے نفرت نہیں کرتا اور گزشتہ کی خواہش نہیں کرتا۔ جو بے تعلق بیٹھا رہتا ہے۔ گنوں سے چلایمان نہیں ہوتا۔ اور یہ سمجھ کر کہ گن کام کر رہے ہیں۔ قائم رہتا ہے حرکت نہیں کرتا۔ جس کو سکھ دکھ مساوی ہیں جو اپنی ذات میں قیام رکھتا ہے۔ جس کی نظر میں پتھر لوہا اور سونا ایک ہے جو مستقل مزاج ہے۔ جو پریت و بیگانہ دونوں کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ جس کو تعریف و مذمت یکساں ہے۔ عزت۔ بے عزتی یکساں ہے۔ دوست و دشمن یکساں ہیں۔ اور جو کسی کام کو پھل کی غرض سے شروع نہیں کرتا

مبنی ہے۔ اصلی وجنت نہیں رکھتی۔ مایا واد ویدانت کے ساتھ ہے ۔ جب سے ویدانت ہے اور جب تک ویدانت رہیگا۔ مایا واد بھی رہیگا۔ کیونکہ کائنات کے معمے کا حل سوچنے والی طبیعتوں کو کہیں ملتا ہے۔ تو اسی مایا واد ہیں ہے۔ باقی واد یواد یعنی بحث مباحثہ بچوں کے کھیل ہیں جو اپنی من سمجھوتی کر کے خوش پڑے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن عقل اور دلیل کے آگے نہیں ٹھیر سکتے +

مایا کو نہ ست کہہ سکتے ہیں نہ است۔ اگر ست ہو تو اس کا بادھ یعنی ناش نہیں ہو سکتا لیکن گیان سے تمام اگیان ہم روز ناش ہوتے دیکھتے ہیں۔ اس واسطے یہ ست نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ ست وہ چیز کہلاتی ہے جو تینوں زمانوں یعنی ماضی حال اور استقبال میں اپنی ہستی قائم رکھے۔ لیکن اگیان یا مایا تینوں زمانوں میں اپنی ہستی قائم نہیں رکھ سکتی۔ اس واسطے یہ ست نہیں کہی جا سکتی۔ اسی طرح یہ است بھی نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ نیستِ محض ہو تو گدھے کے سینگ کی طرح اس کی پرتیتی ہی نہ ہونی چاہئیے۔ لیکن پرتیتی ہوتی ہے۔ اس واسطے اس کو انروچنیہ کہتے ہیں یعنی ایسی چیز جس کا نروچن یا بیان نہیں ہو سکتا۔ محض بود نمودی ہے اور کچھ نہیں ہے۔ رسی میں سانپ نظر آتا ہے۔ لیکن رسی میں نہ پہلے کبھی سانپ تھا نہ اب ہے۔ نہ آیندہ ہو گا۔ سانپ کی بود محض نمودی ہے۔ جس کی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح گیان سروپ آتما میں جگت کی پرتیتی ہے۔ جو اس میں نہ پہلے کبھی تھا۔ نہ اب ہے اور نہ آیندہ ہو گا۔ جس طرح رسی کے گیان سے سانپ کی پرتیتی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح آتما کے گیان سے جگت کی پرتیتی نہیں رہتی۔ اسے مایا کا بادھ یا ناش کہتے ہیں۔ پس مایا گو انادی چیز ہے لیکن انادی سانت ہے یعنی اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے +

آتما گیان سروپ ہونے کی وجہ سے سدا ایک رس ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جہاں جہاں تبدیلی ہے سب مایا ہے۔ تبدیلی ہمیں تین وستوؤں میں ملا کرتی ہے۔ من کی برتیاں یعنی کیفیات نفس بدلتی رہتی ہیں۔

بھاسیہ ہے۔ یعنی ساکشی یا شدھ گیان سے ابدیا جانی جاتی ہے "۔کچھ بھی نہیں جانا" کس لئے؟ شدھ گیان سروپ آتما یا ساکشی نے۔کیونکہ گاڑھی نیند کی حالت میں نہ اندریاں۔ کام کرتی ہیں اور نہ من اور بدھی ایک ساکشی ہی جاگتی جوت ہے۔ ساکشی ہی سے سِدّھ ہوتا ہے کہ ابدّیا کوئی چیز ہے۔ پرتیکش اور اور پرمان ابدیا کے بادھک یعنی نافی ہیں۔ جہاں جہاں علم تحقیقی کی روشنی پڑتی ہے۔ ابدّیا دور ہوتی جاتی ہے۔ پس جو شخص ابدّیا میں پرمان مانگتا ہے۔ اور پرمان سے ابدیا کی تحقیقات کرنی چاہتا ہے وہ اس احمق کی مانند ہے جو چراغ ہاتھ میں لیکر اندھیرے کو ڈھونڈھتا پھرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں جہاں چراغ کی روشنی پڑتی جائیگی وہاں سے اندھیرا کافور ہوتا جائیگا +

مایا انادی ہے۔ کیونکہ ایشور جیو وغیرہ مایا کے کارن یا علت نہیں ہو سکتے۔ اسلئے مایا سے پیدا ہوئے ہیں اور مایا کے کاریہ یعنی معلول ہیں۔ شُدھ برہم گیان سروپ اور نرلیپ اور اسنگ ہونے کی وجہ سے کاریہ کارن دونو بھاووں یعنی حالتوں سے علیحدہ ہے۔ اس وجہ سے مایا کو چاروناچار انادی ماننا پڑتا ہے۔ یہ مایا کا مسئلہ ایک منطقی مجبوری اور عقلی لاچاری ہے۔ جس سے گریز نہیں ہو سکتی۔ شُدھ گیان سروپ برہم سے جگت کی پیدائش بلا وہم ساتھ لگے ناممکن محض ہے اور اسی وہم کا نام مایا ہے۔ شُرتی اور دلائل فلسفی ہم کو وحدت وجود پر پہنچاتی ہیں۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ وہ وجود محض گیان سروپ ہے۔ اس گیان میں جو جگت اُدے ہوگا۔ وہ خواب کے نقشے یا مداری کے کھیل سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے مایا وادی کہا جاتا ہے۔ جو لوگ پراچین اور نوین ویدانت کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور مایا واد کو من گھڑت مسئلہ بتاتے ہیں انہیں نہ وید کا مطلب سمجھنے کی تمیز ہے۔ نہ دقیق مسائل فلسفہ پر غور کرنے کی لیاقت ہے۔ ویدانت ازل سے ایک چلا آیا ہے اور ابد تک ایک چلا جائیگا۔ اس میں پراچین اور نوین کی تفریق کہنے والے کی حماقت پر

تم نے سمجھ لیا اس چیت کو ہست کہتے ہیں۔ کیونکہ چیت کی ہستی تم اقعی ہے باقی سب بود نمودی ہونے کی وجہ سے متھیا ہے۔ اس طرح چیت اور ست دو تو ایک ہی بات ہیں اور ست چیت ہے وہی انند سروپ ہے۔ کیونکہ بودی نمودی میں دکھ ہے۔ اس کے لحاظ سے آتما سکھ روپ ہے۔

شرح گیان کا بابا

شدھ گیان سروپ برہم ہیں جو جگت اُدے ہوگا ظاہر ہے کہ وہ اس گیان کے سمندر میں محض وہمیہ ہوگا۔ کیونکہ گیان میں تفریق اور تقسیم کا امکان نہیں۔ گیان میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں۔ گیان میں کمی اور تبدیل ہیئت کر کے کچھ کا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہاں ہو سکتا ہے تو گیان میں وہم ہو سکتا ہے۔ کہ سروپ انو بھو یعنی احساس ذات کی بجائے اور تماشوں اور نظاروں کا انو بھو ہونے لگے جیسے خواب میں ہمیں وہمیہ ہوتا ہے۔ یہ ادھیاس یعنی وہم کہلاتا ہے۔ اور اسی وہم کا نام مایا ہے۔ مایا اور کچھ چیز نہیں ہے۔ نہ یہ وہم یا مایا برہم سے کوئی علیحدہ وجود رکھتی ہے۔ آدمی وہی آدمی بیداری میں ہے اور وہی عالم خواب میں۔ دونو صورتوں میں اس کی وحدت ذات میں فرق نہیں آتا۔ پس مایا برہم کی ایک شکتی ہے جو جگت کی رچنا کے وقت ظہور میں آتی ہے۔ اس کو دو پہلو نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ناظر کے سروپ کو چھپاتی ہے اور دوسرے طرح طرح کی صورتیں نظر کے سامنے لاتی ہے۔ انہیں کو مایا کی آورن اور وکشیپ شکتیاں کہتے ہیں۔ آورن کے معنی حجاب و وکشیپ کے اضطراب کے ہیں +

مایا کا دوسرا نام اودیا یا اگیان ہے۔ یہ اگیان گیان کے نہ ہونے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ بھاؤ روپ ہے یعنی اور چیزوں کی طرح ایک چیز ہے۔ اسکا انو بھو سب نے کیا ہے۔ گاڑھی نیند سے سو کر اٹھتے ہیں۔ تو سب کہتے ہیں کیا سکھ سے سوئے ہیں کہ کچھ بھی نہیں جانا۔ یہ "کچھ بھی نہیں جانا" ہی اگیان۔ اودیا۔ یا مایا کا سروپ ہے۔ اس اندھیرے میں سے ہر ایک شئے بود نمودی لے کر نکلتی ہے اور جیتن آتما کو تماشے دکھاتی ہے۔ اودیا۔ اکنتی

جائیگی۔ ہٹ جائیگی تو تاریکی میں جاکر مخفی ہو جائیگی۔ چیزیں آئیں اور گئیں۔ چراغ کی روشنی بدستور قائم ہے۔ اسی طرح برہم گیان سروپ اور سدا ایک رس ہے۔ اس گیان کے سورج کی روشنی میں جو جو چیز آتی ہے۔ اس کو پرکاشتا ہے۔ جب وہ اس روشنی سے ہٹ جاتی ہیں۔ اگیان یعنی تاریکی میں لے ہو جاتی ہیں +

رامانج اور بلبھ آچاریہ نے بڑا دھوکا کھایا ہے۔ جس انتہائی ذات احد پر وہ پہنچتے ہیں۔ اس میں صفات یا کسی طرح کی تفریق کا دخل ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ گیان اس کی ذات ہے صفت نہیں۔ بھلا شُدھ گیان میں کیا وصف یا گُن ہو سکتے ہیں۔ وہ تمام صفات سے معرا ہے اور نیتی نیتی سے ہی پکارے جانے کے لائق ہے۔ اس طرح اس میں تین بھید بجاتیہ۔ سجاتیہ اور سوگت کا بھی دخل نہیں اور انہیں تینوں قسموں میں تمام بھید یعنی تقسیم و تفریق داخل ہے۔ بجاتیہ بھید دو مختلف انواع کی چیزوں میں ہوا کرتا ہے۔ جیسے گائے اور گھوڑے میں فرق ہے۔ سجاتیہ بھید ایک ہی نوع کی مختلف چیزوں میں ہوتا ہے جیسے ایک گائے کا دوسری گائے سے فرق ہوتا۔ سوگت بھید ایک ہی چیز کے حصص مختلفہ کا فرق ہے مثلاً درخت میں جڑ۔ تنے۔ شاخ۔ پتے۔ پھول اور پھل کا۔ برہم چونکہ محض گیان سروپ ہونے کی وجہ سے ایک رس ہے۔ اس میں کسی قسم کی تفریق یا تقسیم نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر طرح کے فرق سے معرا ہے۔ برہم میں گن اس وقت تسلیم کئے جائیں جب برہم کے علاوہ کوئی اور وجود بھی مانا جائے۔ اور برہم میں تفریق اس وقت مانی جائے۔ جب شُدھ گیان میں تقسیم و تفریق کا امکان بھی ہو۔ ویدانت میں جو برہم کو سچدانند کہا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ برہم ایک چیز ہے اور ست۔ چت اور آنند اس کے تین اوصاف جداگانہ ہیں۔ بلکہ ان تینوں الفاظ سے ایک ذات پاک کا ہی بتانا مقصود ہے۔ صرف پہلوئے نظر میں فرق ہے۔ چت یعنی برہم کا گیان سروپ ہونا

مہاراج یہ غیر محدود کس میں قایم ہے ؟

اپنی عظمت میں یا کہ عظمت میں بھی نہیں۔ کیونکہ وساہن عظمت کے معنی ہیں گائے اور گھوڑا۔ ہاتھی اور سونا۔ نوکر اور بیوی۔ زمین اور مکان۔ میں ایسا نہیں کہتا ہرگز نہیں کہتا۔ قیام کسی چیز کا کسی اور چیز میں ہؤا کرتا ہے +

وہی نیچے ہے وہی اوپر ہے۔ وہی پیچھے ہے وہی آگے ہے۔ وہی دائیں ہے وہی بائیں ہے۔ وہی یہ سب کچھ ہے۔ اب انانیت کا اظہار ہے۔ میں ہی نیچے ہوں میں ہی اوپر ہوں۔ میں ہی پیچھے ہوں۔ میں ہی آگے ہوں۔ میں ہی دائیں ہوں۔ میں ہی بائیں ہوں۔ میں ہی یہ سب کچھ ہوں۔ اب آتما کا اظہار ہے۔ آتما ہی نیچے ہے آتما ہی اوپر ہے۔ آتما ہی پیچھے ہے آتما ہی آگے ہے۔ آتما ہی دائیں ہے آتما ہی بائیں ہے۔ آتما ہی یہ سب کچھ ہے"+

غرض جس ذات احد پہ ہم پہنچے ہیں وہ سروپ سے چیتن ہے۔ گیان یعنی علم یا کانشس نس اس کا گن یا وصف نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ جیو یا ایشور میں گیان کو بطور گن کے مانتے ہیں وہ گیان کی ماہیت ہی نہیں سمجھے ہیں۔ اگر گیان صرف گن ہے تو ایشور اور جیو کو جڑ ماننا پڑیگا۔ کیونکہ گیان اُن سے علیحدہ چیز ٹھہریگی۔ جو ان کی ذات کا حصّہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک عارضی وصف ہے۔ گیان کوئی پیدا ہونے والی اور ناش ہونے والی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ماہیت ذاتی سے غیر متبدل اور غیر فانی ہے۔ تم کہوگے ابھی ہمیں اس چیز کا گیان ہوتا ہے ابھی اُس کا گیان میں تبدیلی اور گیان کا ناش دمبدم تجربے میں آتا رہتا ہے۔ میرے بھولے دوست! یہاں گیان میں تبدیلی یا ناش نہیں ہے بلکہ گیان کے سمندر میں جو صورتیں اُدے ہوتی یا ابھرتی ہیں تبدیلی اور ناش ان کا ہوتا ہے۔ گیان تو سدا ایک رس ہے۔ گیان کو یوں سمجھو کہ روشن چراغ ہے۔ جو جو چیز اس کی روشنی میں آتی جائیگی۔ منور ہوتی

والی چیزیں رہجائینگی۔ یہ بعینہٖ خواب کے نقشے کی مثال ہے کہ خواب بین کا گیان کائنات خواب بین سردویا پک یعنی محیط کل ہے اور اس میں اشیا کی صورتیں آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ یہ کھلا ویدانت ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مادّہ پرست دلیل کی روشنی میں سیدھے اختیار ویدانت کی طرف کھچا چلا آتا ہے +

سچّدانند برہم

اوپر کی طرز استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل عقلی اور فلسفی بحثیں ہمیں وحدت وجود کے مسئلے پر پہنچاتی ہیں۔ جو جڑ پرکرتی یعنی مادّہ پرست کا مادّہ نہیں ہے۔ بلکہ چیتن ہے۔ شدھ گیان سروپ ہے۔ ایسا گیان علم یا کانشنس نس ہے۔ جس میں شئے۔ آوبجکٹ یا معلوم کچھ نہیں ہے۔ گیان کا لاانتہا سمندر ہے جس کا وار ہے نہ پار۔ بالکل یکساں اور ہموار۔ جس میں کسی بھید یا فرق کا احتمال نہیں ہے۔ اسی کو ویدانت برہم کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ جس کے معنی ہیں بسیط یا محیط کل۔ اسی کو آتما یا ذات اصلی کہا جاتا ہے۔ یہی ہر ایک شئے کی اصل اصول ہے۔ یہی ہے جو کچھ ہے۔ اس کے سوا کوئی چیز کچھ نہیں ہے۔ یہی سب میں ہے اور سب ہے۔ اسی ایک وجود کی شرتی تعلیم دیتی ہے اور اسی پر استدلال عقلی سے آدمی پہنچتا ہے۔ اس ذات بسیط و محیط کا انوبھو یا احساس کرکے اُپنشد کا رشی بولتا ہے +

"جو غیر محدود ہے وہ سکھ ہے۔ محدود میں سکھ نہیں ہوتا۔ غیر محدود ہی سکھ ہے۔ اسی غیر محدود کو جاننا چاہیئے +

مہاراج۔ میں غیر محدود کو جاننا چاہتا ہوں +

جہاں نہ کچھ دکھائی دیتا ہے نہ اور کچھ سنائی دیتا ہے نہ اور کچھ جانا جاتا ہے۔ وہ غیر محدود ہے۔ جہاں اور کچھ دکھائی دیتا ہے اور کچھ سنائی دیتا ہے اور کچھ جانا جاتا ہے وہ محدود ہے۔ تحقیقاً جو غیر محدود ہے وہ غیر فانی ہے۔ جو محدود ہے وہ فانی ہے +

گیان اپنی ماہیت ذاتی سے پیدا ہونے والی اور فنا ہونے والی چیز نہیں ہے۔ اس لئے ارواح کو جڑ مانکر گیان کا عارضی گُن اُن میں عارض نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت میں گیان سروپ ارواح تبدیلی سے عاری ماننی پڑینگی اور تمام تبدیلی جڑ پرکرتی یعنی مادّے میں تسلیم کرنی پڑیگی۔ جس میں ایک حالت سے دوسری حالت بدلنے اور منتظم نظام عالم قائم کرنے کی قدرت بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ پرکرتی جڑ یعنی اندھی ہے اور اپنے تمام کاموں میں چیتن کی محتاج ہے۔ چیتن چونکہ گیان سروپ ہیں۔ اس واسطے وہ محض اکرتا ہیں۔ وہ گیان کرسکینگے یا ارادہ کرسکینگے لیکن چونکہ پرکرتی وجود واقعی رکھتی ہے اور اپنی ہستی میں وہم کی طرح ان کی تابع نہیں ہے۔ اس واسطے ان کے ارادے سے متاثر نہیں ہو سکتی۔ ارواح کے بے شمار ماننے میں بھی سخت دقّت ہے کیونکہ سب شُدھ گیان سروپ ہیں۔ اور ان میں ایک دوسرے سے ممیز کرنے والی کوئی شئے نہیں ہے۔ غرض دو وجودوں کا مسئلہ بھی دلیل اور عقل کی روشنی میں نہیں ٹھیر سکتا +

اب رہ گیا ایک وجود۔ اس میں یہ دیکھنا ہے کہ وہ مادّہ پرست کا مادّہ ہے یا ویدانت کا چیتن ہے۔ اگر محض مادّہ ہے۔ تو اس میں نہ تو خود بخود حالت سکون سے حالت حرکت میں آنے کی قابلیت ہے۔ نہ منتظم نظام عالم قائم کرنے کا سامان ہے۔ ماسوا اس کے اس صورت میں گیان۔ علم یا کانشنس نس مادّے کی ارتقائی صورت ماننی پڑیگی۔ چونکہ معلول علت ہی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ اس واسطے یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ انسان میں جو گیان ہے وہ پہلے اُن چیزوں میں موجود تھا۔ جن کو کھا کھا کر انسان کا جسم بنا ہے گویا تمام مادّہ چیتن تھا۔ وگرنہ انسان میں گیان کہاں سے آیا۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہوگا کہ گیان سب چیزوں میں یکساں و یا یک ماننا پڑیگا۔ چونکہ گیان گیان میں کچھ فرق نہیں ہے اور باقی تمام صورتیں اس گیان میں آنے جانے

اِن مسائل مختلفہ میں کون سا قرین قیاس ہے اور دلیل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ میں یہ بحث مفصل تو اپنی تیسری ودیا کھیا میں کر آیا ہوں۔ یہاں مختصراً طرز استدلال دکھا دیتا ہوں +

اوّل تین وجودوں کے مسئلے کو لو۔ ایشور اور ارواح اور مادّہ تینوں اپنی ہستی میں ایک دوسرے کے تابع نہیں۔ اس وجہ سے ایکدوسرے سے محض بے تعلق ہیں۔ ان تینوں کو ملا کر کام لینے والی ایک چوتھی شخصیّت درکار ہے۔ کیونکہ روزمرّہ کا تجربہ شاہد ہے کہ جہاں جہاں کئی کئی شخصیتیں مل کر کام کرتی ہیں۔ ان کو کام میں لگانے والا اور کام لینے والا ان سے علٰحدہ ہوتا ہے۔ ویدانت میں ایشور۔ جیو اور مادّہ تینوں متحد ہیں اور چوتھا برہم ست ہے۔ اس واسطے یہاں یہ مسئلہ بنہ جاتا ہے۔ لیکن جہاں ایشور جیو اور مادّہ تینوں واقعی وجود رکھتے ہیں۔ وہاں جگت کی رچنا بھی ناممکن ہے اور اشیاے خارجی کا علم بھی ناممکن ہے۔ یہ کہدینے سے کام نہیں چلتا کہ تینوں کا سمبندھ انادی ہے۔ کیونکہ جب پرلے ہو کر جگت کی رچنا ہو گی۔ اسی وقت دِقّت کا سامنا ہو گا۔ پھر یہ باتیں بھی غور طلب ہیں کہ ایشور گیان سروپ ہے یا جڑ ہے اور اس میں گیان کا گُن اس طرح عارض ہے جیسے کپڑے میں رنگ ہوتا ہے یا گھڑے میں پانی بھرا ہوتا ہے۔ ایشور سروویاپی ہے۔ تو ہستی محض اسی کی قائم رہیگی۔ باقی سب کی اڑجائیگی۔ کیونکہ ہر جگہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حصّے میں ایشور کی موجودگی ماننی پڑیگی اس صورت میں وہ چیز خاک نہیں رہیگی۔ بلکہ ایشور روپ ہوجائیگی۔ اس کے برعکس ایشور کو محدود مانا گیا تو اور محدود چیزوں کی طرح ایشور ناشوان یا فانی ثابت ہو گا۔ غرض تین وجودوں کا مسئلہ عقل اور دلیل کی روشنی میں نہیں ٹھیر سکتا +

اب دو وجودوں کا مسئلہ لیجئے جس میں مادّہ اور ارواح قائم بالذات مانے جاتے ہیں۔ ارواح کو ضروری ہے کہ گیان سروپ مانا جائے۔ چونکہ

اس کا جواب میں اوپر دے آیا ہوں یعنی مسئلہ وحدت وجود نہایت دقیق مسئلہ ہے۔ اس کی توضیح میں کوئی کہیں ٹھیر گیا ہے کوئی کہیں ٹھیر گیا ہے۔ پھر تصفیہ کیونکر کیا جائے کہ کس کی توضیح و تشریح درست ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقل سے کام لو۔ لیکن ہماری عقل اتنی کہاں۔ ہم تو ناقص العقل ہیں۔ اگر اپنی عقل پر بھروسا نہیں۔ تم سے زیادہ عقلمند آدمی پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کی کتابیں پڑھو۔ کتابوں کا مقابلہ کرو۔ اور دیکھو کون سی بات تمہاری عقل تسلیم کرتی ہے اس بات کے کہنے سے میرا یہ مطلب ہے کہ گو اُپنشد۔ برہم سوتر۔ اور گیتا کو ویدانت سر اور آنکھوں پر رکھ کر ان کی سند مانتا ہے۔ لیکن محض لکیر کا فقیر نہیں ہے اس شاستر میں دلیل کی پوری پوری گنجائش ہے۔ جو بات کہی جاتی ہے۔ اس کی سند ہی پیش نہیں کی جاتی۔ بلکہ عقلی اور فلسفی دلائل سے اس سند کو پایۂ ثبوت کو پہنچایا جاتا ہے۔ یہاں جی کھول کر بحث کرو۔ کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہے۔ بلکہ کیا مصنّف۔ کیا مؤلف اور کیا شارح خود وہ اعتراض اٹھاتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ ویدانت دلیل کا شاستر ہے۔ اس میں کوئی بات بے دلیل نہیں مانی جاتی +

مسئلہ وحدت وجود

دلیل کا سب سے مقدّم کام اثبات مسئلہ وحدت وجود ہے۔ شرتی یعنی اپنشدوں میں ایسے فقرات بہت آتے ہیں جو وحدت وجود کی تعلیم دیتے ہیں۔ کیا وحدت وجود کا مسئلہ محض سند پر ہی مبنی ہے یا دلیل کو بھی سہار سکتا ہے۔ آؤ دیکھنا شروع کریں۔ وجود کی تعداد مختلف مذاہب فلسفہ مختلف مانتے ہیں۔ مادّہ پرست صرف ایک وجود یعنی مادّے کا قائل ہے۔ سانکھیہ مادّے اور ارواح دو کا وجود تسلیم کرتا ہے۔ نیایک مادّے۔ روح اور خدا تین وجودوں کا ماننے والا ہے ویدانت میں وجود ایک مانا گیا ہے۔ لیکن وہ نوری ہے۔ جڑ مادّہ نہیں ہے

کہ آغاز عالم سے پہلے صرف ایک ذات خدا موجود تھی اور فنائے عالم کے بعد پھر وہی ایک ذات پاک باقی رہیگی۔ یہ کائنات یعنی جیو اور جڑ ایشور نے اپنے حکم سے پیدا کی ہے لیکن یہ مذاہب جیو اور جڑ کو ویدانت کی طرح وہمیہ نہیں مانتے۔ بلکہ دونو کو سچا یعنی ہست خیال کرتے ہیں۔ گو ان کا وجود محض حکم الٰہی سے عدم سے ظہور میں آیا ہے۔ اور خدا جب چاہے انہیں پھر عدم کرسکتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہ بھی ایک قسم کا ویدانت ہی ہے لیکن صورت بہت کچھ بدلی ہوئی ہے۔

ویدانت اور سندرو بیل

اوپر کے بیان میں میں نے مختلف آچاریوں اور بانیان مذاہب کے مسائل بیان کر دئے ہیں۔ کسی کے کھنڈن یا منڈن کی کوشش نہیں کی ہے۔ اگر آخر الذکر چار مذاہب اور ان کے مسئلہ خلقت سے قطع نظر کریں۔ تو اوپر کے چار مذاہب باقی رہتے ہیں۔ جو پرستھان ترے یعنی اُپنشد۔ برہم سوتر اور گیتا پر مبنی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب سب انہیں کتابوں کو اپنا ماخذ بتاتے ہیں۔ تو ان میں یہ بعد المشرقین اور یہ زمین و آسمان کا فرق کیوں ہے۔ شنکر اور رامانج دونو کے مت بڑے پرانے مت ہیں۔ ناممکن ہے کہ جس تکمیل کے ساتھ اُنہوں نے اپنے مسائل فلسفہ کی توضیح اپنی کتابوں میں کی ہے۔ وہ ایک آدمی کا کام ہو۔ قیاس چاہتا ہے کہ صدیوں پہلے سے لوگوں کے عقائد ایسے ہی چلے آتے ہونگے اور تصنیف و تالیف کا انبار کا انبار موجود ہوگا۔ جس سے فائدہ اُٹھا کر کیا شنکر آچاریہ اور کیا رامانج آچاریہ نے اپنے مکمل نظامہائے فلسفہ مرتب کئے ہیں۔ یہ دونو آچاریہ نئے متوں کے بانی نہیں ہیں۔ بلکہ پرانی متوں کے شارح اور مؤلف ہیں۔ پس پرستھان ترے کی شرحوں کا فرق بھی قدیم ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حیرت کا مقام یہ ہے۔ کہ جب کتابیں ایک ہیں۔ پھر اُن کے معنی فہمی میں یہ اختلاف کس وجہ سے پایا جاتا ہے۔

بلکہ کہتے ہیں کہ جب وجود ایک ہے۔ تو وہی سب کچھ ہو گیا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب سب کچھ برہم ہی ہے تو ہر ایک چیز سے ہر ایک کام سرانجام کیوں نہیں ہوتا۔ مثلاً کپڑا گھڑے کا کام کیوں نہیں دیتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظہور کا فرق ہے۔ کپڑا اکڑے کے روپ سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ گھڑے کا روپ اس میں مضمر ہے ظاہر نہیں۔ واقع میں سب برہم روپ ہیں گیانی کی نظر میں ہر ایک چیز برہم روپ ہے۔ اگیانی کی آنکھ پر چونکہ اگیان کا رنگین چشمہ چڑھا ہوا ہے وہ وحدت کو کثرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جیو برہم کا انش یعنی حصہ ہے جب وقت آگ سے چنگاری کی طرح برہم سے جیو علیحدہ ہوتا ہے۔ تو اس کی حالت شدہ ہے۔ اس پر ایشور اِچھا سے انتہ کرن وغیرہ کا غلاف چڑھا جاتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت کا نام سنساری ہے۔ ست سنگ اور ایشور کرپا سے جب وہ گیان حاصل کرتا ہے تو مکت ہو جاتا ہے اور پھر شدھ کا شدھ ہے +

مادھواچاریہ ایشور کو جیو اور جڑ دونو کا آدھار یعنی سہارا ضرور مانتے ہیں لیکن ان کے مت میں ایشور۔ جیو اور پرکرتی تینوں ایک نہیں ہیں۔ ایشور اور جیو میں بھید ہے۔ ایشور اور جڑ میں بھید ہے۔ جیو جیو میں بھید ہے۔ جیو جڑ میں بھید ہے۔ اور جڑ جڑ میں بھید ہے۔ یہ بھید ازل سے ہے اور ابد تک قائم رہیگا۔ ایشور یعنی بھگوان وشنو بھکتی سے خوش ہو کر جیو کو اپنی دیا سے موکش کا پد بخشتے ہیں اور جیو آنند کو پراپت ہوتا ہے۔ یہ دویت واد ہے اور اس کو ادویت واد یعنی ویدانت سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ویدانت کی کتابوں میں ویدانت کے ضمن میں مادھواچاریہ کا بھی ذکر ضرور آتا ہے۔ اس واسطے میں نے بھی یہاں ان کا ذکر کر دیا ہے +

ایک اور قسم کے ویدانتی بھی ذکر کے قابل ہیں یعنی موسائی ۔ عیسائی ۔ مسلمان اور برہمو سماجی وغیرہ۔ ان مذاہب میں یہ مانا گیا ہے۔

مت - بلّبھ ست اور مادھوست - ان میں سے پہلے تین ادویت وادی یعنی وحدت وجود کے ماننے والے ہیں اور چوتھا ایک طرح کا دویت وادی ہے ؛

شنکر آچاریہ کا مت شدھ شنشٹ ادویت یعنی وحدت وجود غیر متصف کہلاتا ہے - یہ کہتے ہیں - کہ وجود صرف ایک ذات احد کا ہے - جو صفات سے مبرّا ہے - اور محض گیان سروپ ہے - پیدائش عالم کے وقت اس سے ایک قوت ظہور میں آتی ہے جسے مایا یا وہم کہتے ہیں - تمام کائنات اس وہم کی پیداگری ہے - نہ ایشور کچھ چیز ہے - نہ جیو کچھ چیز ہے - نہ مادہ کچھ چیز ہے - گیان سروپ آتما میں وہمیہ ایشور جیو اور پرکرتی کا اس طرح بیوہار ہے - جس طرح نظر خواب میں میں خواب کا نقشہ جلوہ گر ہوتا ہے - جب تک گیان سروپ آتما اپنے وہم سے آپ کو بندھ میں گرفتار سمجھے ہوئے ہے بدّھ ہے - جب گیان ہونے پر آپ کو مکت سمجھتا ہے مکت ہے ؛

اس کے برعکس رامانج کا مت وشنشٹ ادویت کہلاتا ہے یعنی وحدت وجود متصف - وہ بھی ایک ہی مانتے ہیں - لیکن اس کو صفات سے مبّرا اور گیان سروپ نہیں مانتے - بلکہ تمام صفات کا بھنڈار سمجھتے ہیں - جن میں سے ایک سروگیتا یعنی کل کا گیان بھی ہے - اس وجود کو نارائن یا ایشور کے نام سے پکارتے ہیں - جیو اور جڑ جگت اس میں وہمیہ نہیں ہیں - بلکہ دونو جنہیں یہ چت اور اچت کہتے ہیں - ایشور کے شریر کی طرح ہیں - جو پرلے کی حالت میں ایسے سوکشم ہوتے ہیں کہ ظہور پذیر نہیں معلوم ہوتے اور ظہور کے وقت ظاہر ہو جاتے ہیں - ایشور دونو میں اسی طرح دیاپک ہے - جس طرح جان جسم میں ہوتی ہے جیو ایشور کی بھگتی کر کے اس کی دیا سے موکش کو حاصل کرتا ہے - اور اس میں ایشور کی سی صفات آجاتی ہیں - لیکن وہ ایشور نہیں ہو جاتا نہ کائنات کو رچ سکتا ہے - جیو بھاو میں ہی رہتا ہے - بلّبھ آچاریہ کا مت شدھ ادویت کہلاتا ہے یعنی خالص وحدت وجود - یہ شنکر آچاریہ کی طرح برہم سے جگت کی رچنا میں مایا یا وہم کا واسطہ بیچ میں نہیں مانتے

یعنی پرمانو یا ایٹمز کی خاص ترتیب سے چیزوں کا پیدا ہونا۔ یعنی عدم سے وجود میں آنا مانتے ہیں ۔ سانکھیہ اور یوگ پرنیام وادی ہیں ۔ یعنی کہتے ہیں کہ مادہ ارتقا سے تبدیل ہیئت کرکے نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ ان میں سے سانکھیہ ایشور کو نہیں مانتا اور یوگ ایشور کو مانتا ہے۔ دونوں میں پرش یا جیو لا انتہا تسلیم کئے گئے ہیں۔ پورب میمانسا ویدک کرم کا فلسفہ ہے۔ بتاتا ہے کہ کرم کیا چیز ہے۔ کیونکر کرنا چاہئے کیا اس کا پھل ہوتا ہے۔ اور کس طرح اس پھل کو حاصل کر سکتے ہیں۔ سانکھیہ اور یوگ کی طرح اس فلسفے میں بھی مادہ اور اننت جیو دونوں سچے اور قائم بالذات مانے گئے ہیں۔ ان پانچوں شاستروں کے برعکس ویدانت شاستر ویدک گیان کا فلسفہ ہے۔ جس کو برہم بدیا یا آتم بدیا کہتے ہیں۔ ویدانت وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے اور موکش کا راستہ اپنے سروپ کے گیان کو بتاتا ہے ۔

ویدانت کی قسمیں

ویدانت وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن مسئلہ وحدت وجود کا سمجھنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ یہ انتہائے فلسفہ ہے اور مشکل سے ذہن میں بیٹھتا ہے۔ اس اشکال کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بیسیوں مت متانتر کھڑے ہو گئے ہیں جو اگرچہ وحدت وجود پر مبنی ہیں ۔ لیکن اس معراج پر نہیں پہنچتے۔ جس کی تعلیم پرستھان ترے میں ہے۔ کبیر پنتھی۔ دادو پنتھی نانک پنتھی وغیرہ وغیرہ سینکڑوں پنتھ ہیں۔ جن کے بانیوں نے ویدانت کو آسان اور عام فہم بنا کر پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کچھ باتیں انہوں نے چھوڑ دیں کچھ ان کے معتقدین نے مشکل سمجھ کر چھوڑ دیں اور کچھ اپنی طرف سے بڑھا دیں۔ غرض قلیل عرصے میں تعلیم کچھ کی کچھ ہو گئی۔ میں نے زمانہ حال کی مثالیں اس واسطے دی ہیں کہ اختلافات آسانی سے سمجھ میں آ جائیں۔ پرانے مذاہب فلسفہ ویدانت چار مشہور چلے آتے ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ شنکر مت۔ رامانج

متاثر ہوئے ہیں۔ جن میں قابل ذکر شوپن ہار اور ڈیوسن ہیں جو دنیا میں مستند حکیم شمار ہوتے ہیں۔ انگلستان میں میکس میولر۔ اڈون آرنلڈ۔ کول بُرک اور لاتعداد شخص ہیں۔ امریکہ میں امرسن اسی رنگ سے رنگا ہوا ہے۔ پھر دنیا بھر کے تھیوسوفسٹ ہیں جو ہمارے ویدانت کے دلربا اور خوشہ چین ہیں۔ سوامی وویکانند۔ سوامی رام تیرتھ۔ سوامی رام چکر وغیرہ نے جو دورے فرنگستان میں کئے اور ویدانت کے اعلےٰ فلسفے پر لیکچر دئے اور کتابیں لکھیں۔ اُن کا اثر یہ ہوا۔ کہ بہت سے آدمی ان کے معتقد ہو گئے۔ انجمنیں قائم ہوئیں۔ رسالے جاری ہوئے اور کتابیں لکھی جانے لگیں۔ جن سے اور ہزاروں آدمی فیض اُٹھاتے ہیں۔ اور ویدانت کے راہ پر آتے جاتے ہیں +

مہاتما شوبرت لال اڈیٹر سادھو لاہور گو ہندوستان سے باہر نہیں گئے اور باوجودیکہ اردو میں لکھتے ہیں۔ لیکن شاستر کے حق میں مسیحائی کا کام کر رہے ہیں۔ آپ کی تحریر نہایت ہی نتیجہ خیز۔ دلچسپ اور دلنشین ہے۔ اردو کتابوں نے ہزاروں شخصوں کے خیالات اور راستوں سے ہٹا کر ویدانت کی طرف رجوع کر دئے ہیں۔ یہ کتابیں ہندی میں ترجمہ ہوتی جاتی ہیں اور وہ دن بھی آئیگا کہ ہندوستان کی ہر ایک زبان اردو اور انگریزی میں ترجمہ ہو ہو کر گھر گھر پھیلینگی۔ اردو میں ویدانت کی کتابوں کی ضرورت عرصے سے محسوس ہو رہی ہے اس زبان میں فحش اور بیہودہ کتابیں تو بہت ہیں اور پڑھنے لائق لٹریچر تھوڑا ہے۔ شکر کا مقام ہے کہ اب مہیّا ہوتا جاتا ہے +

ویدانت کا اور شاستروں سے فرق

ہندوؤں کے شاستر یا درشنوں کے نام مَیں اوپر بتا آیا ہوں۔ ان میں سے نیائے اور ویششک تین انتہائی وجودوں یعنی ایشور جیو اور مادّے کے ماننے والے ہیں۔ جو اپنی ہستی میں ایک دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کے ہاں ایشور صانع ہے خالق نہیں یہ آرنبھ وادی ہیں

جو شخص شرح و بسط سے اس دلچسپ اور نتیجہ خیز مضمون کا مطالعہ کیا چاہتے ہیں۔ وہ میڈم بلیواٹسکی اور مسز اینی بیسنٹ کی تصنیفات بغور پڑہیں ٭

ویدانت کا موجودہ اثر

ویدانت کا اثر ہندوستان کے مذاہب۔ نظامہائے فلسفہ۔ شاعری۔ ادب۔ اخلاق معیشت اور گفتگو وغیرہ وغیرہ میں عالمگیر ہے۔ کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے اثر سے بچ رہی ہو۔ بے شمار مذاہب اور مت متاننتر اس ملک میں رائج ہیں۔ ان میں سے بہتیرے ویدانت کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ بہتیرے ایسے ہیں کہ کچھ مسائل لے لئے ہیں۔ کچھ چھوڑ دئے ہیں۔ بہتیرے ایسے ہیں۔ کہ گو اپنے عقائد کچھ ہی ہوں لیکن اصطلاحات ویدانت کی استعمال کرتے ہیں اور وقت پڑے پر گیانی ویدانتیوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ سنسکرت اور سنسکرت سے مستخرج زبانوں مثلاً ہندی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ پنجابی وغیرہ وغیرہ میں کیا شاعری اور موسیقی میں اور کیا ادب و اخلاق میں بات بات میں ویدانت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے گھروں میں بات بات پر ویدانت کے اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ غرض زمانہ حال کا ہندو دھرم سر سے پا تک ویدانت کے رنگ سے رنگین ہے۔ چھاپے کے جاری ہونے سے ویدانت کی پرانی کتابیں بستوں میں سے نکل کر باہر آئیں۔ اوّل سنسکرت میں چھپیں۔ پھر انگریزی۔ ہندی۔ اردو وغیرہ وغیرہ میں ترجمے چھپنے شروع ہوئے۔ آج ہزاروں کتابیں ملتی ہیں۔ جن میں پرانی مستند کتابیں بھی شامل ہیں۔ اور نئی تصنیفات بھی جو مشکلات کے آسان کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں ٭

اب ہندوستان سے باہر چلئے اور دیکھئے کہ ویدانت کی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ ہو کر دنیا میں پھیلنے کا کیا اثر ہوا ہے۔ جرمنی میں جو فلسفے کے حق میں مردم خیز خطہ ہے۔ بہت سے فلسفی اس اثر سے

ویدانت کی قدامت

ویدانت اتنا ہی پُرانا شاستر ہے جتنے تو وید ہیں۔ جو شخص اپنشدوں کو وید کا حصہ مانتے ہیں انہیں تو اس کی قدامت میں انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں جو اصحاب آجکل اُپنشدوں کو وید کا حصہ نہیں تسلیم کرتے۔ انہیں بھی ماننا پڑتا ہے کہ ایشوپنشد رگ وید کا جو دنیا کی سب سے قدیم کتاب ہے آخری ادھیا ہے۔ خود وید کی رچاؤں میں بیج روپ سے اُپنشدوں کی تعلیم موجود ہے۔ مثلاً پرش سوکت بعینہٖ اُپنشد کی ادھیا سے معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان سے باہر جائیں تو ادویتات نظر آتا ہے۔ اپنشدوں کی یہ تعلیم کہ "ایکو برہم دوتیو ناستی" یعنی ایک برہم ہست ہے۔ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ یہ پارسیوں میں ملتی ہے۔ قدیم مصریوں میں ملتی ہے۔ قدیم یونانیوں میں ملتی ہے۔ اسرا۔ فنشیا۔ کارتھیجیا۔ اطالیہ۔ قدیم چین اور موسائی عیسائی مذہبوں کی اصل اصول بھی یہی ہے۔ مسلمانی ممالک میں صوفیوں کی یہی تعلیم ہے۔ غرض معلوم ہوتا ہے کہ وحدت وجود ایک عالمگیر مذہب ہے جو قدیم الایام سے سوچنے سمجھنے والی طبیعتوں کا مسلک رہا ہے۔ مذہب کی ہمیشہ دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک بیرونی جو عوام النّاس کے واسطے ہوتی ہے۔ اور جس میں اعمال و رسوم پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور دوسری اندرونی جس میں مذہب کا باریک فلسفہ اور ماہیّت اشیا سے بحث ہوتی ہے۔ یہ خواص سے مخصوص ہے۔ مسئلہ وحدت وجود مذہب کی اندرونی صورت ہے جو دنیا کے بڑے بڑے مذاہب اور فلسفوں میں کہیں ظاہر اور کہیں مخفی ملتی ہے۔ اختلاف زمان و مکان کے ساتھ اس کے فروعات میں بہت کچھ اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ لیکن اصولیہ باتیں آسانی سے پہچانی جاتی ہیں کہ سب جگہ ایک ہیں۔ اس مضمون پر ارباب تھیوصوفی کی تحقیقات قابل داد ہے۔ انہوں نے ہر ایک مذہب کی پُرانی کتابوں سے اس بات کو پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہے

ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہر ایک بانیٔ سیکٹروں کیا ہزاروں کتابیں ملتی ہیں
وجہ یہ ہے کہ یہ شاستر ہزاروں برس سے سوچنے والی طبیعتوں کی ابتدا دلدادہ
بنا تا رہا ہے۔ ایسا ہر دل عزیز فلسفہ دنیا کے پردے پر اور کوئی نہیں ہے +

پرستھان ترے کی عظمت

اپنشد۔ برہم سوتر اور گیتا قدیم الایام سے ہندوستان میں مستند
کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ آج کل ان پر سب سے قدیم شرحیں جو دستیاب
ہوتی ہیں وہ شنکر آچاریہ کی ہیں۔ شنکر آچاریہ کے زمانے کا پتہ لگانا مشکل
ہے۔ اور محققوں کی رایوں میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں
کہ وہ مسیح سے سو برس پہلے ہو گزرے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ساتویں
مسیحی صدی میں تھے۔ اِن سے بعد کی شرحیں رامانج کی ہیں جو دسویں
مسیحی صدی میں ہوئے ہیں۔ مدھواچاریہ اور بلبھ آچاریہ ان سے بھی
بعد کے شارح ہیں۔ ہمارے زمانے میں ایک طرف تو برہمو سماج والوں
نے ان کتابوں پر اپنے عقائد کے مطابق ٹیکے لکھے ہیں اور دوسری طرف
آریہ سماج والوں نے۔ ہر ایک معانی و مطالب کو اپنی طرف کھینچتا
ہے۔ لیکن اس کھینچ تان سے ایک بات کی توضیح بخوبی ہوتی
ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کتابوں کی عظمت طبایع میں جاگزیں ہے اور
ہر ایک نئی پرانی مت والا چاہتا ہے کہ اپنی مت کی توضیح ایسی قدیم کتب
سے کرے جو قدیم الایام سے مستند شمار ہوتی چلی آتی ہیں۔ رامانج اپنے
بھاشیہ میں برہم سوتروں کے کئی قدیم شارحوں کے حوالے دیتے ہیں۔
جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شنکر آچاریہ اور رامانج کے زمانوں سے پہلے
بھی ان کتابوں کی وہی عظمت تھی۔ جو آج تک چلی آتی ہے۔ شنکر آچاریہ
اور رامانج نے مطالب کو مانجھ مانجھ کر اپنی شرحوں میں آئینے کی طرح صاف
کرکے دکھایا ہے۔ لیکن یہ فلسفہ ویدانت کے بانی نہیں ہیں۔ کیا فلسفہ
ویدانت اور کیا پرستھان ترے بہت پرانی اور مستند چیزیں ہیں۔ جو
ہندوؤں کی میراث آبائی ہیں +

پڑھی جاتی ہے ۔

ویدانت کا لٹریچر

ویدانت شاستر کا بیان صرف انہیں تین کتابوں میں نہیں ہے بلکہ کیا سنسکرت کیا اور زبانوں میں بے شمار کتابیں اس فلسفے پر لکھی گئی ہیں ۔ سری شنکر آچاریہ کے نام سے پر سِتھان ترے کے بھاشیہ یا شرحیں مشہور ہیں جو نہایت ہی لیاقت کی کتابیں ہیں ۔ کچھ چھوٹی بڑی نظمیں بھی ان کے نام سے مشہور ہیں لیکن تحقیقاً نہیں کہا جا سکتا کہ انہیں کی ہیں یا اوروں کی ۔ شنکر آچاریہ کے شاگردوں میں سے ایک تو آنند گری مشہور ہیں جنہوں نے شنکر بھاشیوں پر لیاقت کی شرحیں لکھی ہیں اور ایک سریشور آچاریہ ہیں ۔ جنہوں نے برہدارنیک اور اور اپنشدوں پر نظم میں ضخیم کتابیں لکھی ہیں ۔ شنکر آنند اور ودیارنیہ سوامی جو آنند مٹھ میں شنکر آچاریہ کی گدی پر چار پانچ سو برس بعد بیٹھے ہیں ۔ ان تھک لکھنے والے تھے ۔ اور ان کی متعدد نظم و نثر کی کتابیں آجتک مروّج ہیں ۔ اٹھارہ سِدّھیاں مشہور ہیں ۔ مثلاً سوراج سدّھی اور دویت سِدّھی وغیرہ جو دقیق فلسفیانہ بحثوں سے بھری پڑی ہیں ۔ ان کے علاوہ کھنڈن میں بہت سی کتابیں ہیں اور مبتدیوں کے واسطے علیحدہ کتابیں ہیں ۔ جن میں سے بعض نظم میں ہیں بعض نثر میں ۔ بعض میں صرف اصول بیان ہوئے ہیں ۔ بعض میں فلسفیانہ بحثیں ہیں ۔ یوگ واششٹ اور ویدانت سِدّھانت مکتاولی ورشٹی سرشٹی اور ایک بیسوواد میں لاجواب کتابیں ہیں ۔ یہ سنسکرت کی کتابیں تھیں ۔ ہندی میں تلسی داس کی بچار ساگر اور برتی بھاکر ہر دل عزیز کتابیں ہیں ۔ سوامی چدگھنا نند کی آتم پران ستیوانوسندھان اور گیتا بڑی لیاقت کی تصنیفات ہیں اور سندر داس کی نظمیں مشہور ہیں ۔ انگریزی میں سوامی وویکانند کی تصنیفات اپنے طرز میں لاجواب ہیں اور روزمرّہ نئی نئی کتابیں نکلتی چلی آتی ہیں ۔ میں نے ہر ایک زبان میں چند کتابوں کے نام دیدیئے

سوتر اور گیتا ہیں۔ اپنشدوں کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے اس
کی وجہ یہ ہے کہ رشیوں کے گھرانے ہزار مشہور ہیں۔ ہر ایک گھرانے میں
ویدوں کی تعلیم ہوتی تھی۔ وید تو سب جگہ وہی چاروں تھے۔ لیکن اختلاف
مکان و زمان و حالات سے ان میں چھوٹی موٹی تبدیلیاں یا کمی بیشی ہو گئی
تھی۔ انہیں کا نام شاکھا ہے۔ ویدوں کی طرح ہر ایک گھرانے میں
براہمن اور اپنشد کی بھی تعلیم تھی اور ان میں بھی باوجودیکہ باتیں سب
جگہ وہی ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے اختلافات دخل پا گئے تھے۔ یہ ہزار
اُپنشد آجکل نہیں ملتے۔ ڈھائی سو یا ڈھائی سو سے زیادہ دستیاب
ہوتے ہیں۔ جن میں سے بہت سے خاص پنتھ یا پنتھائیوں سے متعلق
ہیں۔ ایک سو آٹھ زیادہ مشہور ہیں اور ان میں سے دس یعنی ایش۔
کین۔ منڈک۔ مانڈوک۔ ایترے۔ تتریے۔ پرشن۔ کٹھ۔ چھاوندگیہ
اور بربدارنیک سب سے زیادہ مشہور اور قدیمی شمار ہوتے ہیں۔ انہیں
پر بھگوت پوجیہ پاد سری شنکر آچاریہ کے ٹیکے یا شرحیں ہیں۔ کوشیتکی
اور شویت آشوتر اپنشد پر جو بھی شرحیں ہیں۔ وہ شنکر آچاریہ ہی کی
بتائی جاتی ہیں۔ لیکن جو شخص شنکر آچاریہ کے پُر مغز کلام اور شیریں
زبان سے واقف ہیں وہ ایک نظر میں پہچان سکتے ہیں کہ یہ ٹیکے اس
ٹکسال کے نہیں ہیں۔ شنکر آچاریہ کے ٹیکے صرف دس اپنشدوں ہی
پر ہیں۔ اور زیادہ تر انہیں دس اپنشدوں کی میمانسا یا بچار پورب میمانسا یا
برہم سوتروں میں ہے۔ جو چھوٹے چھوٹے فقرات کا مجموعہ ہے اور
کرشن دوئی پاین رشی کی طرف جن کا دوسرا نام ویاس ہے۔ منسوب
ہیں۔ ان میں ویدانت کے مسائل پر فلسفیانہ بحث ہے۔ اور منوں کا
کھنڈن ہے۔ اور اپنشدوں کے معانی اور مضامین کی تشریح ہے۔ یہ
ویدانت کی دوسری بنیادی کتاب ہے۔ تیسری شریمد بھگوت گیتا ہے
جس میں اپنشدوں کا عطر کھینچ کر سری کرشن بھگوان نے کوروکشیتر کے
میدان میں ارجن کو تعلیم دی ہے۔ یہ ایسی ہر دل عزیز کتاب ہے کہ گھر گھر

حاصل نہیں کرسکتے۔ کرم کے پھل کو ناشوان سمجھکر وہ ایسی چیز کی تلاش کرتے ہیں۔ جس کا ناش نہیں ہے۔ یہ آتما کا گیان ہے۔ جو ویدوں کے آخری یعنی تیسرے حصّے میں ہے۔ اسے اپنشد کہتے ہیں۔ یہی ویدانت یعنی وید کا اخیر حصہ ہے ؞

ویدانت کے اصطلاحی معنی

اصطلاح میں ویدانت وہ شاستر ہے جو برہم بدّیا یا آتم بدّیا یا گیان کی تعلیم دیتا ہے۔ ہندوؤں کے شاستر دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں۔ جو وید کی سند مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو نہیں مانتے۔ آخرالذکر میں چارواک یعنی مادّہ پرست۔ جین اور بودھوں کے شاستر ہیں جنہیں ناستک شاستر کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہندو فلسفے میں ناستک کا اطلاق صرف وید کے نہ ماننے والوں پر ہے۔ خدا کے نہ ماننے والوں پر نہیں ہے۔ جس طرح مسلمان یا عیسائی خدا کو مانتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو دہریہ یا ناستک کہتے ہیں۔ اس طرح تو ایک بھی ہندو شاستر خدا کو نہیں مانتا ہے۔ ہاں آستک یعنی وید کے ماننے والے چھ شاستر ہیں۔ نیاے جس کا بانی گوتم ہے۔ ویشیشک جس کو کناد نے رچا ہے۔ سانکھیہ جو کپل سے منسوب ہے۔ یوگ جو پاتنجلی کا ہے۔ پورب میمانسا جو جیمنی کا بتایا ہؤا ہے۔ اور اُتر میمانسا یا ویدانت شاستر جو ویاس جی کا ہے اُتّر میمانسا یا برہم سوتر ایک کتاب کا نام ہے۔ جس میں ویدانت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ خود ویدانت ایک نظام فلسفہ ہے۔ جس کی توضیح بے شمار کتابوں میں ہوئی ہے۔ یہ فلسفہ برہم بدّیا یا آتم بدّیا یا گیان کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ وجود دو تین نہیں ہیں۔ بلکہ صرف ایک ہے۔ یہی وحدت وجود کا مسئلہ ہے۔ پس اصطلاح میں ویدانت وہ شاستر ہے جو مسئلۂ وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے ؞

ویدانت کے پرستھان ترے

ویدانت کے پرستھان ترے یعنی تین بنیادی کتابیں اپنشد۔ برہم

سوامی برہمانند کی ساتویں ویاکھیا

فلسفۂ ویدانت کا مجملاً بیان

ویدانت ہے ہر فلسفوں کا سرتاج | ہمسر اسکا نہ کوئی کل تھا نہ ہے آج
کر دیتا ہے آدمی کو مستغنی | ایسا کہ رہے نہ وہ کسی کا محتاج

راہ وحدانیت دکھا دیتا ہے | گمراہ کو راہ سے لگا دیتا ہے
پڑھتا ہے تو پھر لو بھی ویدانت ہی پڑھ | انسان کو یہ خدا بنا دیتا ہے

ویدانت کے لغوی معنے

سادھو ! لفظ ویدانت دو الفاظ سے مرکّب ہے۔ وید اور انت اس کے معنی وید کا انت یا خاتمہ ہے۔ ہم ہندوؤں میں وید کے تین حصے مانے جاتے ہیں ایک ان میں منتر بھاگ یعنی منتروں کا حصّہ ہے۔ رگ۔ یجر۔ سام اور اتھروید چاروں وید منتروں کے مجموعے ہیں۔ جن میں دیوتاؤں کی ستتی ہے اور اُن سے دعائیں مانگی ہیں۔ انہیں منتروں میں کہیں کہیں نرگن اپاسنا بھی آجاتی ہے لیکن کم۔ زیادہ تر حمد و ثنا اور دعائیں ہیں۔ جن کو خاص قرات سے خاص خاص موقعوں پر خاص خاص یگیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ غرض ان منتروں کا پریوگ یا استعمال یگیہ کے کرم میں ہے اور ان یگیوں کا مفصل و مشرح طریق برہمنوں میں درج ہے۔ جو وید کا دوسرا حصّہ سمجھے جاتے ہیں۔ کرم کے ساتھ پھل کا تعلق ہے۔ اس واسطے یہ دونو حصے دنیا داروں کے متعلق ہیں۔ بھگوان کرشن نے جو گیتا میں کہا ہے کہ اے ارجن وید تینوں گنوں یعنی ستو رج اور تم کے بتلے ہیں اور تو ان تینوں گنوں کی حد سے باہر آ۔ وہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ سوچنے والے آدمی محض کرم سے اطمینان قلب

سچدانند سروپ آپ ہے، تو رکھ دل شاد
سچدانند ہے تو تجھکو نہیں بند و نجات

چھوڑ یہ واہمۂ لغو کہ ہیں ہوں انساں
سچدانند ہے تو تجھ کو نہیں سود و زیاں

اہل باطن کبھی صورت پہ نہیں جاتے ہیں
صورتیں خواب کے نقشے ہیں تمام اور کماں
تیری ہستی سے ہیں اشیا کے نمودی سب ہست
بند سمجھا ہے جسے تو نے وہ ہے تیرا وہم
مان میرا کہا اس وہم کے پتلے سے نہ ڈر

کیونکہ صورت نہیں ماہیت اشیائے جہاں
اپنی ہستی تو نہیں ہے کہیں نام و نشاں
تو نہ ہو تو نہ ہو ہستی کا کسی کی امکاں
تجھ کو باہر سے نہیں پہنچا ہے ہرگز نقصاں
کوئی بچہ نہیں تو جس کو کہیں ہم ناداں

وہمیہ ہے فقط اس بند کی مانند نجات
لیک یہ فرق ہے جس شخص کو ہے بند کا وہم
اسکے برعکس سمجھتا ہے جو میں ناجی ہوں
وہ حقیقت میں ہوا کرتا ہے ناجی اے دوست
مت ہی جیسی تیری بائیگا تو ویسی ہی گت

بہلوے وہم سے یکبھی نفی ہیں دو یکساں
وہ رہا کرتا ہے فکروں میں سدا سرگرداں
بند میرے لئے پہلے تھا نہ اب ہے زنداں
اسکو پہنچا نہیں سکتا کبھی یہ بند زیاں
انہیں اسرار میں الفاظ ہیں حکمت کے نہاں

تجھ کو لازم ہے کہ فکر و الم و بند کی جا
ذات میری ہے فقط نور و سرور و ہستی
خواب میں ہیں ہیچ عالم ہے فقط میرا خواب

یہ عقیدہ رکھے دل میں کہ ہوں ناجی انساں
دُکھ کا اور درد کا مجھ میں نہیں ہرگز امکاں
خواب سے دیکھنے والے کو نہیں سود و زیاں

پھر تجھکو نہ کبھی بند ہوا اور نہ ہے اب
خوش ہو ویدانت نے کر دی تری مشکل آساں

کلام مہر جلد ثانی

نظم ختم کر کے سوامی برہمانند نے کہا مہاتماؤ۔ ایک ودیا کھیا میں تمام فلسفۂ ویدانت پر نظر ڈالنی مشکل کام ہے۔ اس واسطے جو کچھ میں کہونگا وہ موٹی موٹی باتیں ہی ہونگی۔ ہاں پہلی ودیا کھیاؤں میں جن باتوں کا ذکر کر آیا ہوں وہ بھی دھیان میں رکھو تو ویدانت کی بڑی بڑی باتیں سب تمہارے خیال میں آ جائینگی +

بند و نجات

ایک تو معرفتِ حق کا ہے دل سے خواہاں
آ سُناؤں تجھے اسرارِ خفیۂ عرفاں

ایک ہستی ہے خلا اور ملا میں ساری
ایک ہستی ہے بسیط اور محیطِ دو جہاں

وہ ہے ذاتِ صمدی اسمیں نہیں دخلِ صفات
عقل کی حد سے پرے دور تر از وہم و گماں

ستچدانند بتاتے تو ہیں یوں اسکا سروپ
پر یہ الفاظ صفاتی نہ سمجھیو ناداں

ست ہے جو چیز وہی چت ہے وہی ہے آنند
تین اوصاف جدا گانہ سے مطلب نہیں یاں

ایک ہستی ہے غرض حاویٔ کُل عالم میں
جا گزیں اسمیں علل در زماں اور مکاں

ماسوا نام ہے جس شے کا فقط وہم ہے وہ
جس طرح خواب کے تفنن کا طلسمی ساماں

خواب میں گو نظر آتے ہیں بہت رنگ صور
خواب بیں کی ہی تجلّی ہے فقط نور افشاں

بحر میں لجّہ و گرداب حباب و امواج
ایک پانی کے ہیں نیرنگ عیاں تا بہ نیاں

جیسے سونے کے ہوں کہنے کو ہزاروں زیور
ایک سونا ہے مگر سب میں برابر تاباں

جیسے لوہے کے ہوں کہنے کو ہزاروں اوزار
ایک لوہا ہے مگر سب میں ہی جلوہ کناں

جیسے مٹّی کے ہوں کہنے کو ہزاروں برتن
ایک مٹّی ہے مگر سب میں نمایاں یکساں

ذاتِ حق بھی ہے اسی طرح احد اور اسمیں
نظر آتا ہے یہ نیرنگ طلسم امکاں

حق ہے موجود نہیں اس سے جدا کوئی وجود
حق ہے موجود ادھر اور اُدھر یاں اور واں

کون ہے حق سے جدا کون ہے یاں حق کے سوا
کُل ہے حق جزو ہے حق حق ہے نہاں حق ہے عیاں

دور کر دل سے خیال غلط بند و نجات
ان خیالات پریشاں میں ہے کیوں سرگرداں

بند ہی جب نہیں کچھ چیز تو کیا شے ہے نجات
ذاتِ احد میں دوعملی کا نہیں نام و نشاں

ذہن میں اپنے سمجھتا ہے جسے تو دنیا
ستچدانند وہی برہم ہے سُن اے ناداں

بھی اپنی زندگی ایسی ہی بنا ۔

منشی جی کی وفات سے مجھے سخت صدمہ پہنچا اور ایسا تیز بیراگ طبیعت میں پیدا ہوا کہ میں نے اپنے والد سے سنیاسی بن جانے کی اجازت مانگی۔ میرا بیوی بچہ کوئی نہ تھا۔ والد نے پہلے تو مجھے سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ میرا ارادہ مستقل ہے تو اجازت دے دی۔ اُس وقت میری تئیس سال کی عمر تھی۔ آج اس بات کو تئیس سال سے زیادہ ہونے کو آئے۔ لیکن دنیا سے جو تیز بیراگ اس وقت ہوا تھا۔ وہ پختہ قائم ہے۔ مجھے یہ دنیا خواب نظر آتی ہے اور میں اپنے آپ کو ساکشی روپ سے اسکا دیکھنے والا جانتا ہوں۔ یہی خیال میرے دل میں اس وقت تھا۔ جب میں نے دنیا چھوڑی ہے اور یہی اب ہے۔ اس خیال سے میری زندگی خوش خوش گزری ہے اور کسی قسم کا فکر طبیعت پر حاوی ہونے نہیں پایا ہے۔ سادھوا سی خیال کو تم بھی دل میں جگہ دو اور تم جیون موکش پد کو پہنچو گے۔ اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ کچھ کر کے تمہیں کچھ اور بن جانا نہیں ہے۔ موکش تمہارا نج سروپ ہے۔ باہر سے کوئی چیز لانی نہیں ہے۔ باہر کوئی چیز ڈھونڈھنے جانا نہیں ہے۔ تم سروپ سے سدا مکت ہو۔ بندھ اور موکش کا خیال ہی دل سے نکال دو اور اپنے سروپ آنند میں مگن ہو جاؤ۔ یہی گیان ہے۔ یہی معرفت ہے ۔

یہ کہکر سوامی برہمانند خاموش ہوئے تو کئی سادھو یکزبان ہو کر بولے۔ مہاراج ساتویں دیاکھیا بھی فرمایئے۔ سوامی برہمانند نے کہا سادھو قاعدے کے مطابق میری دیاکھیا موکش کے مضموں پر ہونی چاہیئے تھی۔ سو وہ کہانی کے پیرائے میں سب آگیا ہے۔ اب جو کچھ تم کہو وہ میں کہدوں۔ ایک مہاتما بولے مہاراج فلسفۂ ویدانت کو مجملاً یکجا بیان کر دیں تو بڑی کرپا ہو گی۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ اچھا تمہاری اچھا۔ سنو۔ لیکن پہلے میں بندھ و نجات کے مضمون پر ایک نظم سناتا ہوں +

ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
فکر تم مول نہ لینا کہ یہ لینا کیا ہے	غم میں تم جان نہ دینا کہ یہ دینا کیا ہے
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
تم کو کرنا نہیں کچھ تم نہ کرم میں پھنسنا	اور دھرم چیز ہے کیا تم نہ دھرم میں پھنسنا
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
لوگ کہتے ہیں جسے وہ ہے فقط مایا جال	بھول کر بھی نہ لگانا کبھی تم جان کو وبال
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
ابھیاسوں پہ نہ جاؤ کہ یہ سب مایا ہے	یہ وہ دھوکا ہے کہ ہنوں نے یہاں کھایا ہے
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
شاستر کے نہ جھمیلے میں کبھی تم پھنسنا	میری مانو تو یہ دلدل ہے نہ اس میں دھنسنا
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
بندھ کے رنج سے اے دوستو تم کیوں ہو حزیں	بندھ دھوکا ہے فقط اور کوئی چیز نہیں
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
بندھ کی طرح سے ہے موکش کا غم بھی جھوٹا	تم سدا مکت ہو ہے رنج والم بھی جھوٹا
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو
مہر بیدار سے گو آج وہ رے تم ہی ہو	بند اور موکش سے دونوں سے پرے تم ہی ہو
ستچدانند ہو تم آپ سدا شاد رہو (کلام مہر جلد ثانی)

اس گفتگو کے کچھ عرصے بعد منشی صاحب کی طبیعت ناساز ہوئی مجھ سے کہنے لگے کہ ہماری وفات قریب ہے۔ شاید انہیں اپنے مرنے کے وقت سے آگہی تھی۔ لیکن طبیعت پر کسی قسم کا میل نہ تھا۔ مرنے سے پانچ لمحے پہلے اسی شگفتگی اور خندہ پیشانی کی باتیں کرتے اور اپدیش دیتے رہے۔ آخر تین دفعہ پونتر ادم کا اچارن کیا اور شریر چھوڑ دیا۔ لب پر وہی تبسم تھا اور چہرے سے وہی جلال اور برہم تیج برستی تھی۔ مجھے رہ رہ کر خیال آیا کہ زندگی اسے کہتے ہیں۔ یہ مہاتما جب تک جئے رہے جیون مکت رہے۔ اب مر گئے ہیں تو دیدیہ مکت ہیں۔ برہمانند تو

جو قائم اور دائم چیز ہے۔ بس تم اپنی ذات کو اس طرح سے دیکھو۔ کہ ساکشی روپ گیان سروپ اسنگ۔ نرلیپ آتما ہو۔ تمہیں بندھ کبھی ہوا نہ اب ہے اس مایا روپ جگت کا تماشہ تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ ہوا کرے۔ اس میں تمہارا کیا بگاڑ ہے۔ موج سراب ریگ کو تر نہیں کیا کرتی۔ رسّی کا سانپ کاٹتا نہیں۔ خواب کے رنج و راحت سے خواب بیں کا کچھ بگڑتا یا سنورتا نہیں۔ بندھ اور موکش دونوں من کے کھیل ہیں۔ ایک شخص نے یہ مان رکھا ہے کہ میں بدّھ ہوں۔ گنہگار ہوں اور مجھ میں نہ علم ہے نہ طاقت ہے۔ ان خیالات سے اس کی زندگی دکھ میں گزرتی ہے اور وہ شب و روز اس فکر میں سرگرداں رہتا ہے کہ کچھ کر کے میں کچھ اور بن جاؤں دوسرے نے یہ مان رکھا ہے کہ میں مکت ہوں۔ نہ بندھ مجھے پہلے تھا۔ نہ اب ہے نہ آیندہ ہوگا۔ مجھے کچھ کرنا کرانا نہیں ہے۔ میں آنند میں مگن ہوں۔ یہ حقیقت میں آنند میں مگن رہتا ہے اور خوش خوش زندگی گزارتا ہے۔ بس جب تم بخوبی سمجھتے ہو کہ تمہارا سروپ گیان ہے تو تم گیان سروپ آتما ہیں جگت کا بھان محض خواب کا نقشہ ہے۔ اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں ہو سکتی۔ بر ہمانند تم جگت کو اس نظر سے دیکھو کہ خواب ہے۔ یہ خواب کی دھارنا یا مشق نہ کسی قسم کی پابندی چاہتی ہے نہ اس میں کچھ تکلیف ہے۔ کھاتے پیتے۔ بیٹھتے اٹھتے۔ چلتے پھرتے اپنے آپ کو ساکشی روپ کر کے دیکھو اور کائنات کو اپنا خواب سمجھو۔ اسی سہل علاج سے تم جیون موکش کو پہنچ جاؤ گے۔ میں ویدانتی ہوں اور تمہیں ویدانتی کی ہی آشیرباد دیتا ہوں ؎

ویدانتی کی اشیرباد

سندر سا بھی کوئی چیز ہے آزاد رہو خوش رہو خوش رہو ہاں خوش ہو آباد رہو

ہے اور من وبانی سے سروکار نہیں رکھتا وہ سات ادکو پہنچتا ہے۔
یہ براہمی سحتی یعنی قیام لابرال کہلاتا ہے۔ اس کو پاکر آدمی کو موہ
نہیں ہوتا۔ اور اس میں مرتے وقت بھی قیام ہو جائے تو برہم
نروان یعنی مدہیہ موکس کو پہنچتا ہے +

دیکھو برہمانند! مہایوگیشور ہری شری کرشن بھگوان نے جیون موکش کا
کیسا سہل طریق بتایا ہے۔ سنساری برتنوں کے واسطے اندریاں اور اندریوں
کے بشئے بندھن کا باعث ہیں۔ بھگوان کی تعلیم ہے کہ اندریوں کو بس
میں کرو اور بشیوں میں نہ پھنسو۔ اسی سہل علاج سے تم جیون موکش
کے پد کو پہنچ جاؤ گے۔ بشیوں میں پھنسنے سے جو مسلسل خرابیاں پیدا
ہوتیں وہ دو شلوکوں میں اس خوبی سے بیان کی ہیں کہ آب زر سے لکھ لینے
کے قابل ہیں۔ جو آدمی بشیوں کی طرف مائل رہتا ہے ظاہر ہے کہ اسے
بشیوں سے لگاؤ پیدا ہو گا۔ اور یہ لگاؤ ترقی کر کے خواہش کی صورت
اختیار کر یگا۔ ہر ایک خواہش کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ اس سے
طبیعت میں غصہ پیدا ہو گا۔ جہاں غصہ طبیعت پر حاوی ہوا اور آدمی
موہ یعنی بھول میں پھنسا۔ اس حالت میں یہ دھیان نہیں رہتا کہ
میں گیان سروپ آتما ہوں اور مجھے بشیوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں
ہے۔ یہی حافظے کا بگاڑ ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدھی سنتھر
نہیں ہوتی ہے اور آدمی کا ناش ہو جاتا ہے یعنی وہ جیسا سنساری
تھا ویسا ہی بنا رہتا ہے +

پس اندریوں کو بشیوں سے روکنا چاہیئے۔ اس روکنے سے جیون
موکش کا پد ملیگا۔ روکنے کا طریق کیا۔ یہی کہ میں گیان سروپ آتما ہوں
اور میری نظر کے سامنے جگت کا تماشا اسی طرح ہو رہا ہے۔ جس طرح
نظرِ خواب بین کے سامنے نقشہ خواب کا۔ خواب کی محض نمودی چیزوں
میں کیا دلبستگی رکھنی اور کیا خواہش پیدا کرنی۔ ابھی آنکھوں کے
سامنے ہیں ابھی نہیں۔ خواہش اور دلبستگی محض آتما میں ہونی چاہیئے۔

اور خواہش سے غصّہ پیدا ہوتا ہے۔ غصّے سے بھول اور بھول سے حافظے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ حافظے کے بگاڑ سے عقل کا ناس ہو جاتا ہے اور عقل کے ناس سے آدمی کا ناس ہو جاتا ہے۔ (اب اسباب کا جواب دیتے ہیں کہ جیون مکت پرس چلے یعنی برتاؤ کیونکر کرے) +

من کو قابو میں رکھنے والا آدمی رغبت و نفرت سے چھوٹی ہوئی اور اپنے بس میں آئی ہوئی اندریوں سے بشیوں کا احساس کرتا ہوا پرساد یعنی صفائے قلب کی حالت کو پہنچتا ہے۔ پرساد کی حالت میں تمام دُکھ جاتے رہتے ہیں۔ اور پرسن حت کی عقل جلد قائم ہو جاتی ہے۔ ایک طرف نہ لگنے والے کی نہ تو عقل قائم ہوتی ہے۔ نہ دھیان جمتا ہے۔ ڈگ مگ دھیان والے کو شانتی کہاں اور اشانت کو سُکھ کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ بشیوں کی طرف جانے والی اندریوں کے پیچھے جب من چلتا ہے تو وہ عقل کو بھی اسی طرح کھینچ لے جاتا ہے جس طرح ہوا سمندر میں کشتی کو لے جاتی ہے۔ پس جس کی اندریاں بشیوں سے تمام و کمال رُکی ہوئی ہیں۔ اس کی عقل قائم ہے۔ جو سب آدمیوں کی رات ہے۔ اس میں گیانی جاگتا ہے۔ اور جس میں سب آدمی جاگتے ہیں وہ دیکھنے والے منی کی رات ہے (یعنی سنساری اور مکت پرشوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سنساری دنیا میں پھنسا رہتا ہے یہ گویا اس کا کام کرنے کا دن ہے۔ جیون مکت پرس سوتے ہیں یعنی انہیں دنیا سے تعلق نہیں ہوتا) جس طرح خوب بھرے ہوئے اچل سمندر میں ندیاں داخل ہو ہو کر غائب ہو جاتی ہیں اور مطلق جوش پیدا نہیں کرتیں۔ اسی طرح جس آدمی میں تمام خواہشیں داخل ہو کر جوش پیدا نہ کریں وہ شانتی پاتا ہے نہ کہ خواہشیں کرنے والا آدمی۔ جو شخص تمام خواہشوں کو چھوڑ کر بے خواہش پھرتا

ہیں اچل کر قائم ہوگی۔ اس وقت تو یوگ کو پہنچیگا۔ اس پر ارجن پوچھتا ہے کہ مہاراج سمادھی میں قائم انسان کے کیا اوصاف ہیں اور قائم العقل آدمی کا کیا برتاؤ ہوتا ہے یعنی وہ کیونکر بات چیت کرتا ہے کیونکر بیٹھتا ہے کیونکر چلتا ہے۔ یہاں قائم العقل سے مراد جیون مکت پرش ہے۔ مہاراج اس کے اوصاف بھی بیان کرتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں۔ کہ جیون مکتی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ شلوک یہ ہیں +

"اے ارجن جس وقت آدمی من کی تمام خواہشیں ترک کر دیتا ہے۔ اور آتما سے آتما میں خوش ہوتا ہے اس وقت اس کو قائم العقل کہتے ہیں۔ جو عقل شخص دکھوں سے نہیں گھبراتا اور سکھوں کی خواہش نہیں رکھتا اور جس کی طبیعت سے خواہش۔ خوف اور غضب فرو ہو گیا ہے وہ قائم العقل کہلاتا ہے۔ جس کا دل کہیں بھی متعلق نہیں ہوتا اور جو نیک و بد پاکر نہ رغبت کرتا ہے نہ نفرت کرتا ہے۔ اس کی عقل قائم کہی جاتی ہے۔ جب آدمی اندریوں کو بشیوں سے اس طرح سکوڑ لیتا ہے۔ جس طرح کچھوا اپنے اعضا کو سکوڑ لیتا ہے۔ اس وقت اس کی عقل قائم ہے۔ بشئے نہ بھوگنے والے شخصوں یعنی بیماروں وغیرہ سے بشئے ہٹ تو جاتے ہیں۔ لیکن ان کا مزا نہیں جاتا۔ قائم العقل کا مزا بھی پرم برہم کو دیکھ کر جاتا رہتا ہے۔ (یہاں تک اس بات کا جواب ہوا کہ جیون مکت پرش کے اوصاف کیا ہیں۔ اب اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ وہ بیٹھے کیونکر) +

جتن کرنے والے گیانی کی بھی سرکش اندریاں من کو زبردستی کھینچکر لے جاتی ہیں۔ اس کو چاہیئے کہ ان سب کو روک کر اور میرے دھیان میں لگ کر بیٹھے۔ جس کی اندریاں بس میں ہیں اس کی عقل قائم ہے۔ بشیوں کی طرف دھیان کرنے والے آدمی کو بشیوں میں لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ لگاؤ سے خواہش پیدا ہوتی ہے۔

سچدانند ہے۔ دیکھو۔ تمہارے من میں خیالات کے سلسلے کے سلسلے اُٹھتے رہا کرتے ہیں۔ یہی من کا پھیلاؤ بندھ ہے۔ اس پھیلاؤ کو سمیٹ کر ایک نقطے پر لے آوٗ۔ یہی موکش کہلاتی ہے سُشپتی میں تم دیکھتے ہو بالکل یکسوئی ہوتی ہے۔ کوئی صورت من میں نہیں ہوتی۔ یہی جاگرت میں بہم پہنچاؤ اور وہ موکش کی حالت ہے سُشپتی میں چونکہ اگیان کا پردہ حائل ہے۔ اس وجہ سے آتما تے اپنے آپ کو آنند بھگ یعنی آنند کا بھوگتا مانا ہے۔ آنند روپ نہیں مانا۔ جاگرت میں یہ پردہ حائل نہیں ہے۔ اس واسطے جاگرت میں سُشپتی یعنی انتہائی یکسوئی موکش ہے۔ موکش اپنا سروپ ہے۔ نہ باہر سے لائی ہے نہ کہیں باہر جاکر پائی ہے۔ وسشٹ جی کا ایک شلوک ہے کہ جس کا ترجمہ اردو میں یوں ہوگا :۔

کہتے ہیں جسے موکش خلا میں وہ نہیں — نے بر سر چرخ ہے نہ بر روئے زمیں
قلب صافی کا دوسرا نام ہے موکش — جب گیان کے نور سے ہو وہ نور آگیں

جس نے جیتے جی یہ درجہ بہم پہنچا لیا کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا میں نہیں پھنستا بلکہ اپنے آپکو شدھ گیان سروپ۔ ساکشی روپ۔ نرلیپ اور اسنگ دیکھتا ہے وہ جیون مکت ہے۔ یہی شخص جب شریر چھوڑتا ہے یعنی مرجاتا ہے تو بدیہہ موکش کو پہنچتا ہے۔ بدیہہ موکش کے معنی بغیر جسم کو موکش کے ہیں +

میں نے پوچھا۔ جیون موکش کے درجے پر کیونکر پہنچتے ہیں ؟ جیون مکت پرش کون ہوتے ہیں اور مجھے کیا کرنا چاہیئے کہ جیون مکت ہو جاؤں ؟ کہنے لگے تعجب ہے کہ تم پنڈت ہو۔ پڑھے لکھے آدمی ہو۔ اور ایسی انجانوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ یہی سوال گیتا کے دوسرے ادھیا۔ میں ارجن سری کرشن بھگوان سے کرتا ہے اور انہیں سب باتوں کا بھگوان بڑی خوبی سے جواب دیتے ہیں۔ بھگوان نے ارجن سے کہا تھا کہ اے ارجن شبد بچار سے تیری گھبرائی ہوئی عقل جب سمادھی

اپنا قرض نہیں سمجھتے تھے۔ روپے پیسے سے۔ ہاتھ پاؤں سے۔ سمجھانے بجھانے سے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان کی طبیعت میں خودی نہیں ہے اور یہ تمام دنیا کو اپنا آتما سمجھتے ہیں۔ دشمنی و بغض و کینہ کی بو نے ان میں پونمک نہیں پائی۔ آدمی تو آدمی گائے۔ بیل۔ کتا۔ بلی۔ کبوتر۔ چڑیا وغیرہ ان کی طرف کھنچتے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ کھانا کھانے بیٹھے ہیں اور چڑیاں نڈر ہوکر تھال میں سے چونچ بھر بھر کر چیزیں اُٹھائے جا رہی ہیں اور آپ مسکرا رہے ہیں۔ چھوٹے بچے ان کے پاس جاکر ایسے خوش ہوتے تھے۔ کہ گھنٹوں دیوانخانے سے باہر نہیں آتے تھے +

مَیں تقریباً دس سال ان کی سیوا میں رہا۔ جس طرح کے لطیفے اوپر بیان ہوئے۔ اسی طرح کے سینکڑوں اَور سنا سکتا ہوں۔ لیکن خوف طوالت سے خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ صرف دو باتیں اَور کہا چاہتا ہوں۔ ایک دن گرہست اور سنیاس کے بارے میں میری ان سے گفتگو ہوئی۔ کہنے لگے۔ سنیاسی کی زندگی گرہستی سے زیادہ آسانی کی ہے کیونکہ سنیاس میں دنیاوی تکلفات آدمی کی جان کے ساتھ نہیں ہوتے۔ مردی یہ ہے کہ گرہست میں رہتا ہؤا آدمی جیون موکش کی زندگی بسر کرے۔ تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ تم گیان سروپ آتما ہو۔ اور جگت متھیا ہے۔ پھر جگت سے ڈر کر کھاگتا کیا۔ دیکھو یہ قالین کا شیر ہے۔ کسی کو کاٹتا نہیں۔ پھاڑتا نہیں۔ اب کوئی شخص ڈر کر اس سے پرے کو بیٹھے کہ گو قالین کا شیر ہے مگر کیا خبر ہے کہ کبھی سچا بن کر پھاڑ کھائے تو وہ غلطی کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ بس گرہست میں رہو سب کچھ کرو۔ اور دنیا میں نہ پھنسو۔ تم تو سروپ سے سدا مکت ہو +

مَیں نے پوچھا مہاراج موکش کا کیا سروپ ہے؟ کہنے لگے۔ بھائی برہم حرکت میں ہے تو جگت ہے اور ساکن ہے تو شدھ روپ نرجگت

سب دولت گئی۔ لیکن برہمانند وہ گئی تو کہاں گئی۔ سب چیزیں اسی آکاش میں رہتی ہیں۔ باہر کہیں نہیں جا سکتیں۔ یوں کہو پہلے تمہارا یہ اکھمان تھا۔ کہ گٹھڑی ہماری ہے۔ اب کسی اور کا ہو گیا ہو گا کہ اس کی ہے۔ اس میں فکر کی کیا بات ہے۔ ہم یہاں گنگا کے اشنان کو آئے ہیں نہ کہ گٹھڑی کا رونا رونے کو۔ چلو نہائیں۔ خیر ہم گنگا کنارے آئے۔ شام ہونے میں کچھ دیر تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ اشنان کر کے طبیعت بڑی خوش ہوئی۔ منشی جی گیان چرچا کرنے لگے اور اس میں وہ آنند آیا کہ رات ہو گئی اور ہم دونو کنارے پر ریت میں بیٹھے رہے۔ آخر میں نے کہا کہ میرے کرتے کی جیب میں ٹکٹ کے بچے ہوئے کچھ پیسے پڑے ہیں۔ حکم ہو تو کچھ کھانا لاؤں۔ کہنے لگے ہم نے تو صبح بھی کچھ نہیں کھایا۔ نہ اب کھائینگے برتی ہیں۔ تمہاری اچھا ہو لا کر کھا لو۔ میں نے کہا جب آپ نہیں کھاتے تو میں بھی نہ کھاؤنگا۔ وہیں بیٹھے ہوئے ہم پھر باتیں کرنے لگے۔ تھوڑے عرصے بعد منشی صاحب ریت میں آرام سے لیٹ رہے۔ اور مزے سے سو گئے۔ مجھے تعجب آیا کہ ان کی تمام عمر امیری میں گزری ہے۔ مخمل کے گدّوں پر سونے اور بیٹھنے والے ہیں۔ مگر آج کس مزے سے ریت میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ دن رات کے بھوکے ہیں۔ صبح بازار میں میرے ایک دوست مل گئے۔ وہ اپنی فرودگاہ پر لے گئے۔ وہیں ہم نے کھانا کھایا اور وہیں سے کرایہ لے کر شام کو گھر آئے۔

منشی صاحب میں ایک اور وصف تھا جو میں نہایت غور سے دیکھا کرتا تھا۔ یہ بچوں میں بچے تھے۔ جوانوں میں جوان اور بوڑھوں میں بوڑھے۔ ہر ایک شخص ان سے مل کر یکساں خوش ہوتا تھا۔ اور ہر ایک کو یہ خیال تھا۔ کہ جیسی محبت انہیں میرے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں۔ ان کی محبت کا دائرہ ایسا وسیع تھا۔ کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ ہر شخص کے تہ دل سے دوست تھے۔ اور ہر ایک کو فائدہ پہنچاتا

آرام سے گزار دی اور اب دس بجنے والے ہیں۔ مزے سے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ جسمانی تکلیفات پر غالب آ گئے ہیں؟ منشی صاحب ہنسنے اور کہنے لگے۔ بھائی تکلیف اور آرام دونو شر برہمن کا دھرم ہیں۔ وہ تو اسے کی تقریب ہیں دعوت نہیں یاد ہو گی۔ اس وقت خوشی کا تماشہ تھا۔ اس کو میں دیکھتا رہا۔ پھر لڑکے کی بیماری میں تکلیف اور رنج کا نظارہ دیکھتا رہا۔ آج اپنے جسم کا تماشہ دیکھ رہا ہوں۔ یہاں نت نئے تماشے ہیں۔ سب دیکھتا ہوں اور دیکھ دیکھ کر ہنسا کرتا ہوں۔ میں اور ڈاکٹر دونو حیران رہ گئے +

چوٹ ایسی سخت لگی تھی کہ پندرہ روز تک سوجن نہیں اتری۔ آخر جب چلنے پھرنے لگے تو ایک روز ذکر ہؤا کہ گنگا جی کا میلا فلاں روز ہے۔ میں نے کہا۔ منشی صاحب آپ بھی کبھی میلے میں تشریف لے گئے۔ کہنے لگے ہاں برسوں ہوئے ایک دفعہ گیا تھا۔ میں نے کہا چلئے دیکھ آئیں۔ کہنے لگے تمہاری اِچھا۔ لیکن ایک دو روز سے زیادہ نہ ٹھیرنا اور زیادہ جھمیلا ساتھ نہ لے جانا۔ میں نے کہا تو ملازم کو ساتھ نہ لے چلوں۔ لیے کیا کرو گے۔ گرمی کے دن ہیں۔ ایک مختصر سی کپڑوں کی گٹھڑی باندھ لو اور چلو اشنان کر آئیں۔ ان باتوں کے تیسرے روز ایک مختصر سی گٹھڑی جس میں ہم دونو کی دھوتیاں کچھ کپڑے۔ دو پلنگ کی دریاں اور ایک لوٹا تھا۔ لیکر ہم سٹیشن پر آئے اور ٹکٹ لے کر بیٹھ گئے۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ ہردوار پر جا کر اُترے تو گٹھڑی کا پتہ نہ لگا کہ کون اُٹھا لے گیا۔ میں نے غلطی یہ کی تھی کہ روپے جو ساتھ لایا تھا۔ وہ بھی کپڑوں کے ساتھ اسی میں باندھ دئے تھے۔ اب حیران اور پریشان کہ کروں تو کیا کروں۔ منشی جی نے اتر کر مجھے بلایا کہ چلتے کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا چلوں کوئی گٹھڑی لے گیا۔ میلے میں گزارہ کس طرح ہو گا۔ اور گھر واپس کس طرح چلینگے ؞

یہ سن کر آپ ہنسے اور بولے او ہو گٹھڑی جاتی رہی اور اس کے ساتھ

ہوتا رہا۔ لیکن ذرا بھی افاقے کی صورت نظر نہ آئی۔ لڑکا اور ہم سب گھبرانے لگے۔ لیکن منشی صاحب سب کو تسکین اور دلاسا دیتے رہتے کہ بیماری اور تندرستی شریر کا دھرم ہے۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ آخر ایک روز کئی ڈاکٹروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ تپ دق نہیں ہے۔ نسخہ بدلا گیا اور روز بروز افاقہ ہوتا چلا گیا۔ جس طرح منشی صاحب سخت بیماری کے دنوں میں مطمئن نظر آتے تھے۔ اسی طرح اب بھی مطمئن نظر آتے تھے۔ اور اپنی حوصلہ افزا باتوں سے مریض اور ہم سب کا دل بڑھاتے رہتے تھے۔

اس واقعے کے دو تین مہینے بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز جو میں صبح پہنچا تو حسب معمول مسکرا رہے تھے۔ اور دالان میں چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ مجھ سے کچھ نکات برہم سوتروں میں سے دریافت کرنے تھے۔ کوئی گھنٹہ بھر کے قریب نہایت فصاحت و بلاغت سے اُن باریک مسائل کی تشریح کرتے رہے۔ اتنے میں ملازم نے آکر کہا۔ ڈاکٹر صاحب آ گئے ہیں۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے۔ ہنس کر کہنے لگے۔ ہاں خیریت ہے۔ یہ نوکر پرانا ہے بہتیرا منع کرتا رہا۔ مگر ڈاکٹر کو بلا ہی لایا۔ خیر ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور انہوں نے حال پوچھا۔ تو نوکر نے کہا۔ کہ منشی صاحب کل رات کو زینے پر سے گر گئے۔ پاؤں سوج گیا ہے۔ اور چلا نہیں جاتا۔ ڈاکٹر نے دیکھا تو حقیقت میں پاؤں سوج کر کپّا ہو گیا تھا۔ پوچھا آپ چل پھر سکتے ہیں۔ کہا نہیں۔ ٹیسیں اُٹھتی ہیں۔ کہا ہاں اب تو بہت اُٹھتی ہیں۔ لیکن گھنٹہ بھر سے بیٹھا برہم آنند سے باتیں کرتا رہا تھا۔ کسی قسم کی تکلیف معلوم نہیں ہوتی تھی۔ میری طرح ڈاکٹر بھی شردھا والا آدمی تھا۔ اور منشی صاحب کے پاس اکثر گیان چرچا کے واسطے آیا کرتا تھا۔ کہنے لگا۔ منشی صاحب تعجب کی بات ہے آپ کے سخت چوٹ لگی ہے اور کوئی آدمی ہوتا تو درد سے بیتاب ہو کر چیخیں مارتا اور سارا گھر سر پہ اُٹھا لیتا۔ آپ نے رات بھی

سے حاصل کیئے۔ کچھ نتیجہ خیز واقعات سناتا ہوں :۔
منشی صاحب کا ایک لڑکا تھا۔ جو انہیں کی طرح ایک جلیل القدر سرکاری عہدے پر ممتاز تھا۔ اور ایک لڑکی تھی۔ جس کی شادی ایک امیر کبیر آدمی کے لڑکے سے ہوئی تھی۔ اس لڑکی کے ہاں ایک لڑکا تولد ہوا۔ جب باہر سے باپ کے ہاں آئی تو اہل محلہ و رشتہ دار وغیرہ مبارکباد دینے آئے باتوں باتوں میں ذکر ہوا کہ بڑی خوشی کی بات ہے آپ کو پُر تکلف دعوت دینی چاہیئے۔ آپ نے بخوشی منظور کر لیا۔ جب وہ چلے گئے تو مجھ سے حسب دستور گیان دھیان کی باتیں کرتے رہے گویا خوشی اور مبارکبادی اور دعوت وغیرہ کا خیال تک بھی دل میں نہیں ہے۔ چلتے ہوئے میں نے کہا۔ دعوت کے سرانجام میں جناب کو تکلیف ہوگی۔ مجھے حکم دیں تو سب انتظام کر دوں۔ مسکرا کر بولے۔ بھئی خوب یاد دلائی۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ بے شک تم ہی انتظام کرو گے۔ اپنے والد سے بھی رائے لے لینا۔ پانچ چھ روز میں۔ میرے والد اور کئی دوست انتظام میں مصروف رہے۔ آخر نہایت نفیس دعوت ہوئی۔ جس میں ڈھائی تین سو آدمی مدعو کیئے گئے تھے۔ لیکن ان ایام میں میں برابر دیکھتا رہا۔ کہ منشی صاحب کی روزانہ زندگی اسی شانتی کے ساتھ بسر ہوتی رہی۔ نہ انہیں کسی انتظام کا فکر تھا۔ نہ کسی باعث سے گھبراہٹ تھی۔ نہ کچھ خوشی کی امنگ طبیعت پر حاوی تھی۔ وہی ایک رس شانتی سے بیٹھے رہتے تھے یا اپنا معمولی کاروبار کرتے رہتے تھے ؛

اس دعوت کے کوئی چھ ماہ بعد ان کا لڑکا باہر سے آیا۔ بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔ بخار اور کھانسی کی سخت شکایت تھی اور اور معلوم ہوتا تھا کہ شاید مہینوں کا مریض ہے۔ سب بیٹھنے والے گھبرائے کہ لڑکے کو شاید تپ دق ہے۔ لیکن منشی صاحب نہیں گھبرائے۔ بیمار کو ڈاکٹر کو دکھایا گیا اور اس نے نسخہ لکھا۔ دس بارہ روز علاج

دلبستگی کے لائق نہیں۔ لیکن جب یہ مرحلہ طے ہو جاتا ہے۔ تو حکمت ہی آدمی کو برہم روپ نظر آتا ہے اور اُس میں ایسی فراخ دلی اور وسعت محبّت پیدا ہو جاتی ہے کہ پہلے جن چیزوں کو محض ہیچ سمجھتا تھا۔ اب اُنہیں کو برہم روپ سے دیکھتا ہے۔ پس کوئی جھگڑے اور لڑائی کی بات نہیں ہے۔ جس درجہ کا آدمی ہے۔ وہ اُسی درجے پر بولیگا۔ اُسے بولنے دو کیونکہ وہ ترقّی کی راہ میں گام زن ہے۔ روکا تو اس کی ترقی رُک جائیگی ×

یہاں سے اُٹھ کر میں گھر آیا تو طبیعت نہایت خوش تھی۔ مجھے معلوم و محسوس ہوتا تھا کہ کسی اعلےٰ اور متبرک شخص کے فیض صحبت سے مستفیض ہو کر آیا ہوں اور پہلے کی نسبت میں خود اعلےٰ اور برتر آدمی ہوں۔ میں نے یہ موقعے غنیمت جانے اور عہد کر کے روز منشی صاحب کے پاس جانے لگا۔ جتنا میں ان کی حرکات و سکنات۔ رویّہ اور برتاو۔ اقوال اور خیال سے زیادہ واقف ہوتا گیا۔ اتنا ہی مجھ پر کھلتا گیا۔ کہ جیون مکتی میں مستغرق ہیں۔ اور دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے آزاد ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا فقط تماشا ہی تھی۔ یہ اس کے بکھیڑوں میں کبھی پھنستے نہیں تھے۔ رنج اور خوشی دونو کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نہ رنج سے رنجیدہ ہوتے تھے نہ سرور سے مسرور۔ غصّہ۔ حسد۔ رشک اور اور اسی قسم کے جذبات جو معمولی طبائع کے واسطے اکثر تکلیف دہ ثابت ہوا کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہیں پھٹکتے تھے۔ ان کے نورانی چہرے کی شگفتگی اور تبسم میں میں نے کبھی فرق آتے نہیں دیکھا جب دیکھئے مسکراتے نظر آتے تھے۔ اور بشرے سے شانتی برسا کرتی تھی۔ ان کے لئے زندگی آنند کا سمندر معلوم ہوتی تھی۔ جس میں نہ کبھی طوفان آتا تھا۔ نہ آندھی آتی تھی۔ ہمیشہ ایک شانت رس بہتی تھی۔ میں برسوں ان کے پاس جاتا رہا اور کچھ نہ پوچھو کہ کیا کیا خصوصیتیں میں نے ان کی زندگی میں دیکھیں اور کس کس بات کے اپدیش ان

گھبرانے کیوں ہو۔ رفتہ رفتہ سب کچھ ہو جائیگا۔ تم علم الیقین یا شردون کے درجے میں ہو۔ باقی دو درجے یعنی منن اور ندھدھیاسن یعنی حق الیقین اور عین الیقین بھی طے ہو جائینگے۔ وسشٹ جی مہاراج کہتے ہیں۔ کہ آتما سے آتما اور جتنے روپ ہیں جس روپ کا بیچار کرتے ہوئے مدقا آتما میں آتما کا نور خود بخود جھلکنے لگتا ہے۔ شاستر کا بیچار کرتے رہو۔ چلتے ہوئے ساری اشانتی دور ہو کر شانتی پد کو پہنچ جاؤ گے۔ گھبراؤ نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ گیتا کا وہ شلوک نہیں یاد ہوگا۔ جہاں مہاراج کہتے ہیں کہ گیان مارگ میں جو کام آدمی نے شروع کیا ہے۔ تو اس کا ناش ہوتا ہے نہ وہ مخالف پڑا کرتا ہے بلکہ یہ دھرم تو ایسا ہے کہ اس کا تھوڑا سا حصہ بھی آدمی کو سب سے بڑے خوف یعنی خوف مرگ سے چھڑا دیتا ہے ٭

سادھوا ان کے منہ سے یہ میٹھے بچن یوں نکلے جس طرح بادل سے پھوار برستی ہے۔ اور سب کے دلوں میں شانتی پہنچاتی ہے۔ دو تین آدمی اور بھی اثنائے کلام میں آ گئے تھے۔ ہمیں سب کو وہ آنند آیا۔ جیسے کسی اپنشد کے رشی سے بیٹھے باتیں سن رہے ہیں۔ ایک شخص نے جو میری تقریریں اکثر سن چکا تھا کہا۔ مہاراج یہی باتیں جو آپ نے اس طرح شانتی وایک کہیں اگر برہمانند کہتا تو بار دلائل عقلی اور فلسفی بحثوں کے سننے والوں کا دماغ چاٹ جاتا۔ منشی صاحب نے ہنسکر کہا۔ بھائی ویدانت میں ابتدائی مرحلوں میں دلیل بے شک چلتی ہے۔ کیونکہ آدمی خود بھی دلیل ہی سے کسی نتیجے پر پہنچتا ہے اور اسی دلیل سے اوروں کو بھی اسی نتیجے پر پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن جتنا کشف حقیقت ہوتا جاتا ہے۔ دلیلوں سے طبیعت ہٹتی جاتی ہے اور آخر میں دلیل کا کام نہیں رہتا۔ اسی طرح ویدانت بیراگ سے شروع ہوتا ہے۔ ہر ایک چیز کو دوش درشٹی سے دیکھا جاتا ہے اور سب کو تچھ یعنی بالکل ہیچ خیال کیا جاتا ہے جو ہرگز ہرگز

کلامی اور آہستگی کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ ان کی باتیں حرف نقش نشین کی طرح خاطر میں بیٹھتی تھیں۔ اور نفس مطلب سننے والے کے ذہن میں اس طرح آجاتا تھا۔ کہ تسکین قلب پاکر وہ تہ دل سے شکر یہ ادا کرتا تھا۔ یہ لوگ چلے گئے تو کچھ اہل محلہ آئے جو محلّے کے مندر میں گیتا کی کتھا بٹھایا چاہتے تھے۔ اور وہ بہت دیر باتیں کرتے رہے۔ غرض آج کچھ گیان چرچا تو نہیں ہوا۔ لیکن معمولی باتوں میں کہیں کہیں کچھ گیان بھی آیا اور اُسی سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے۔ اس میں کچھ اور ہی رس ہوتا ہے۔ تنہائی میں آکر ان سے گیان کی باتیں کرینگے۔ تو تمام عقدے حل ہوجائینگے۔ چنانچہ کچھ رات گئے جب ہم رخصت ہوئے تو میں نے اجازت مانگی کہ وقت فرصت مجھے اپنی سیوا میں حاضر ہونے کی آگیا دیجئے۔ اس پر منشی صاحب مسکرا کر بولے۔ بھائی اجازت کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ تمہارا گھر ہے۔ جب چاہو آجاؤ۔ مجھے نہ کچھ کام ہے نہ دھندا ہے۔ بیٹھے گیان کی باتیں کیا کرینگے ✢

دوسرے روز میں صبح ہی اشنان کرکے اور گیتا کی پوتھی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ منشی صاحب دالان میں اکیلے آنکھ بند کئے بیٹھے تھے میرے پاؤں کی آہٹ سے چونکے اور مجھے دیکھ کر خوش ہوئے۔ پوچھنے لگے کیا کتاب ہے؟ میں نے کہا مہاراج گیتا ہے۔ اس پر ذکر چھڑا کہ تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟ میں نے متعدد کتابوں کے نام بتائے۔ بڑے غور سے سنتے اور مسکراتے رہے۔ آخر پوچھنے لگے۔ اس تمام شاستر کو پڑھ کر تم کس آخری نتیجے پر پہنچے۔ میں نے کہا کہ وجود حقیقت میں ایک ذات احد کا ہے اور وہ گیان سروپ ہے۔ کہنے لگے کچھ شک و شبہ تو نہیں۔ میں نے کہا شک و شبہ تو نہیں۔ لیکن مہاراج جس آنند کا ویدانت کی کتابوں میں ذکر ہوتا ہے وہ مجھے نصیب نہیں ہے یہ کہہ کر میں نے وہی گیتا کے شلوک سنائے جن کا ترجمہ اوپر دے چکا ہوں۔ بولے

لیکن اپنی وضع خاص بھی رکھتا تھا۔ اور دیکھنے والے کو خوبصورت نظر آتا تھا +

منشی صاحب شاہ چبوترے پر کرسی پر بیٹھے تھے۔ گرد و پیش کرسی مونڈھے اور تخت بچھے ہوئے تھے۔ آج کل گرمی کا موسم تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ شام کے وقت ملنے والے آیا کرتے ہیں۔ ہمیں آتا دیکھ کر منشی صاحب نے سروقد تعظیم دی۔ میرے والد نے دوڑ کر انہیں بٹھایا۔ کہ آپ ہمیں کیوں گنہگار کرتے ہیں۔ تشریف رکھئے اور ہمیں اپنے قدموں میں بیٹھنے کی اجازت دیجئے۔ مَیں نے دیکھا کہ منشی صاحب کا سن و سال تقریباً ساٹھ سال کا ہے۔ سر کے بال اور ڈاڑھی مونچھ سب سفید ہیں۔ لیکن اب تک قویٰ سے جستی چالاکی کے آثار نمایاں ہیں۔ رنگ گورا ہے اور چہرے سے وہ نور اور جلال برستا ہے کہ نگاہ ادب کے ساتھ ہی کرتے بن آتی ہے۔ لب پر تبسم ہے۔ جس سے روئے روشن گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ نظر آتا ہے +

ہمارے بیٹھتے ہی انہوں نے خیریتِ مزاج پوچھی اور میری طرف نگاہ کر کے کہا۔ لالہ یہ بم آسد ہی آپکا بڑا لڑکا ہے۔ جس نے بہت شوق کے ساتھ ویدانت تحصیل کیا ہے۔ میرے والد نے مسکرا کر جوابدیا۔ مہاراج تحصیل تو کیا کیا ہے۔ ہاں اب آپ کے پاس آکر بیٹھا کریگا۔ تو کچھ حاصل کریگا۔ اس پر منشی صاحب نے مسکرا کر کہا۔ واہ۔ میں کوئی پنڈت نہیں۔ شاستری نہیں۔ کچھ کتابیں بے شک پڑھی ہیں۔ ہاں۔ ان صاحبزادے کے علم کی تعریف میں نے اور احباب سے بھی سُنی ہے۔ یہاں آیا کرینگے تو میرے کانوں میں بھی گیان امرت پڑا کریگا۔ یہ باتیں انہوں نے نہایت ہی میٹھی آواز سے آہستہ آہستہ اس طرح کیں کہ میرا دل بے اختیار ان کی طرف کھنچا۔ اتنے میں کچھ اور احباب آگئے جو اُن کے رشتہ دار تھے اور ان سے خانگی معاملات میں مشورہ کرنے آئے تھے۔ میں سنتا رہا اور وہ اُن سے بھی اُسی شیریں

کوئی چیز نہیں شمار کرتا۔ اور جس میں قائم ہو کر بڑے سے بڑے دکھ سے بھی چلایمان نہیں ہوتا۔ اس دکھ کے الحاق کو دور کرنے والی چیز کا نام یوگ ہے۔ ایسا ہی یوگ راسخ الاعتقادی اور قائم مزاجی کے ساتھ کرنا چاہیئے"

معراج یہ ہونی چاہیئے کہ تم اس سرور لایزالی کو پہنچو۔ لیکن برہمانند تم ہو اور غرور علم کا سودا۔ دن رات کتابوں کے پڑھنے میں مصروف رہتے ہو۔ اور اس پڑھنے سے تمہارا مدعا یہ ہے کہ تم عالموں میں شمار ہو۔ بحث ومباحثے میں لوگوں پر غالب آؤ۔ اور سب تمہاری تعریف کریں۔ یہ شاستر ایسا گڑھا ہے کہ اس میں گر کر آدمی سے باہر نہیں نکلا جاتا۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ تم سمجھدار آدمی ہو کر دیدہ و دانستہ اس میں گرتے ہو!

ان خیالات سے دل پر چوٹ لگی اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ سروپ آنند کو پہنچنے کی سب سے آسان سبیل کیا ہے +

انہیں ایّام کا ذکر سنیئے کہ ہمارے محلّے میں منشی گیان چند باہر سے تشریف لائے۔ یہ بھی کایستھ ماتھر تھے اور برسوں صوبجات پنجاب میں سات سو روپیہ ماہوار پر جج رہے تھے۔ اب ان کی پنشن ہو گئی تھی۔ میرے والد کی ان سے پرانی ملاقات تھی۔ ایک روز کہنے لگے برہمانند تجھے ویدانت کا شوق ہے آ تجھے گیان چند کے پاس لے چلوں۔ غور سے دیکھنا کہ یہ شخص عملی ویدانتی اور جیون مکت ہیں۔ چنانچہ شام سے کچھ پہلے میں اور میرے والد دونوں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مکان میرا دیکھا بھالا تھا۔ لیکن جب سے منشی صاحب یہاں آ کر رہے تھے۔ اس کی رونق دوبالا ہو گئی تھی۔ صحن فراخ اور سنگین تھا۔ اس میں کیاریاں تھیں اور ان میں پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ روشوں پر خوبصورت گملے رکھے ہوئے تھے۔ دہلی کے سب مکانوں میں شمال رویہ فراخ دالان اور ان کے پہلوؤں میں کوٹھے ہوتے ہیں۔ اس مکان کی طرز بھی اور مکانوں سے ملتی جلتی تھی۔

بڑے بھاری پنڈت تھے۔ بچپن ہی میں ان سے سنسکرت پڑھتا رہا اور جب کچھ استعداد ہو گئی تو انہوں نے مجھے شاستر کا شوق دلانا شروع کیا۔ اس طرح بچپن سے مجھے گیان کی تعلیم ہوئی ہے۔ کچھ عمر پا کر میں نے مدرسے میں انگریزی تحصیل کی یہی وجہ ہے کہ میرے ویاکھیاؤں میں کہیں کہیں انگریزی الفاظ کا استعمال ہے۔ لیکن سنسکرت کا شوق شروع سے تھا۔ وہ میں مدرسے اور کالج میں بھی تحصیل کرتا اور گھر پر پنڈتوں سے بھی پڑھتا رہا۔ اس طرح کتابی علم میں مجھے بہت اچھی دستگاہ ہو گئی مجھ سے بحث و مباحثہ کرتے ہوئے اچھے سے اچھے پنڈت گھبرایا کرتے تھے +

کچھ عرصے تو میں غرور علم میں سرمست رہا۔ لیکن میری تحصیل علم جاری تھی۔ اور ویدانت کی کتابیں برابر پڑھتا رہتا تھا۔ ان میں جیون مکتی کا بار بار ذکر آتا ہے اور سمادھی کے آنند کا تذکرہ ہر ایک کتاب میں ہوتا ہے۔ میں پڑھتا تھا تو رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ کہ برہمانند تم نے ابھی محض کتابیں ہی پڑھی ہیں۔ سروپ آنند کا مزا نہیں لیا۔ کیا ہوا جو بحثوں میں تم نے مخالفوں کو دبا لیا۔ کوشش یہ کرنی چاہئیے کہ شری کرشن بھگوان جس آنند کا ذکر گیتا کے چھٹے ادھیائے میں کرتے ہیں۔ وہ تمہیں حاصل ہو۔ شلوکوں کا ترجمہ یہ ہے +

دو من رکے ہوئے اور آتما کے یوگ میں لگے ہوئے یوگی کا چت اس چراغ کی مانند ہے جو ایسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں ہوا نہیں ہے اور اس وجہ سے اس کی لو بالکل نہیں ہلتی جلتی۔ جہاں رکا ہوا چت یوگ کے کرنے کی وجہ سے شانت ہو جاتا ہے اور جہاں یوگی آتما سے دیکھتا ہوا آتما میں مگن ہو جاتا ہے۔ جہاں وہ سرور انتہائی جو اندریوں سے پرے ہے اور جس کا مزہ بدھی ہی لے سکتی ہے محسوس کرتا ہے اور جہاں اسکو اس طرح قیام نصیب ہوتا ہے کہ وہ پھر حقیقت سے ٹالا نہیں ٹلتا۔ جس سکھ کو پا کر وہ اس سے بڑھ کر اور

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ ایسی حالت ممکن بھی ہے یا نہیں ہے۔ آدمی دنیا میں رہتا ہؤا کیونکر دنیا سے الگ رہ سکتا ہے۔ بھوک پیاس۔ بیماری تندرستی۔ سُکھ دُکھ جان کے ساتھ ہیں۔ کیا جیون مکت پرش اِن سب سے بری ہو جاتا ہے۔ تم نے سچ کہا بیشک۔ بھوک پیاس۔ بیماری تندرستی وغیرہ جیون مکت کے ساتھ بھی ہیں۔ لیکن عوام النّاس اور جیون مکت میں یہ بڑا بھاری فرق ہے کہ یہ لوگ سب باتوں کو سچّا سمجھ کر سکھ سے سکھی اور دُکھ سے دکھی ہو جاتے ہیں۔ جیون مکت کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ اس کی نظر میں سکھ اور دکھ دونو تماشے ہیں جن کا دیکھنے والا وہ خود ہے۔ اس کے واسطے سکھ دکھ رغبت و نفرت کا باعث نہیں ہوتے اور نہ ان سے اس کے سکونِ قلب۔ طمانیتِ دل اور من کی شانتی میں فرق پڑتا ہے۔ عوام النّاس اشانت رہتے ہیں وہ شانت رہتا ہے۔ عوام النّاس طمانیت اور تسکین سے دور رہتے ہیں وہ ہر وقت مطمئن اور مسکّن رہتا ہے۔ عوام النّاس کو بندھ اور موکش کا خیال ستاتا رہتا ہے اور وہ چاہا کرتے ہیں کہ ہم کچھ کر کے کچھ اَور بن جائیں۔ جیون مکت کے دل میں یہ خیال اٹھنے ہی نہیں پاتا کہ مجھے کچھ کر کے کچھ اَور بن جانا ہے۔ وہ سروپ آنند میں مگن رہتا ہے اور کرنے کرانے کے دائرے سے نکل جاتا ہے۔

ایسی بہت سی متبرک زندگیاں پُرانی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اور میں چاہوں تو بیسیوں سُنا سکتا ہوں۔ لیکن شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ میں ایک جیون مکت پرش کی سیوا میں برسوں رہا ہوں۔ انہیں کی زندگی کی تصویر تمہیں دکھاتا ہوں۔ کیونکہ یہ میری آنکھوں دیکھی ہے۔ سُنی سنائی یا پڑھی پڑھائی نہیں ہے۔ جو بابا تم آج مجھے پہنے دیکھتے ہو۔ وہ میں نے جنم سے نہیں پہنا ہے۔ میں دہلی کا کایستھ ماتھر ہوں۔ اور ایک متموّل اور شریف گھرانے میں پیدا ہؤا تھا۔ جس میں علم و فضل کا چرچا پشتہا پشت سے چلا آتا تھا۔ میرے دادا سنسکرت کے

کرنے کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ یہی کہ رسّی کی ماہیت پہچانی جائے اور بخوبی سمجھ لیا جائے۔ کہ رسّی میں سانپ نہ پہلے کبھی تھا نہ آیندہ کبھی ہو سکتا ہے اور نہ اس وقت ہے۔ اسی طرح شُدھ گیان سروپ آتما میں جگت اور اس کے دکھوں کا بھان یعنی معلوم ہونا سمجھنا چاہیئے۔ رسّی کے سانپ کی طرح نہ آتما میں جگت پہلے کبھی تھا۔ نہ آیندہ کبھی ہوگا اور نہ اس وقت ہے۔ گیان سروپ آتما سوبھاو سے شُدھ بُدھ اور مکت ہے۔ اسے نہ بندھ ہوا ہے نہ ہوگا۔ صرف بھول نے کام خراب کر رکھا ہے۔ اس بھول کو دل سے نکال دو۔ میرا تیرا اپنا سب چھوڑ دو۔ واہمۂ کثرت محض واہمہ ہی ہے اور کچھ نہیں وہم سے کیا ڈرنا

وہم کا پتلا بنانا اور ڈرنا اُس سے خود

واہ وا اطفال کو بھی مات تم نے کردیا

شاستر کا یہ کام ہے کہ اس وہم سے پڑھنے والے کو آگاہ کردے۔ جہاں اُس کے ذہن میں بیٹھ گیا کہ جگت متھیا ہے اور میں گیان سروپ آتما اس تماشے کو اسی طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح ناظرِ خواب خواب کے تماشے دیکھتا ہے۔ پھر دنیا میں بندھ یعنی پھنسانے پھانسنے کی طاقت نہیں رہتی۔ بھلا جن نظاروں کو آدمی نے سمجھ لیا ہے کہ محض بود نمود ہی رکھتے ہیں واقع میں کچھ نہیں ہیں۔ ان میں دیدہ و دانستہ کون پھنستا ہے اور دُکھ یا سکھ اُٹھاتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے دنیا تماشہ ہی ہو جاتی ہے۔ وہ پرم شانتی سے زندگی گزارتا ہے۔ نہ جھوٹے دکھوں سے دکھی ہوتا ہے۔ نہ جھوٹے سکھوں سے سکھ مانتا ہے۔ بلکہ دنیا میں رہتا ہوا بھی دنیا سے الگ رہتا ہے۔ اسی حالت کا نام جیون موکش ہے۔ اسے جیتے جی موکش سمجھو یا یوں سمجھو کہ جیون یہ جگت ہے۔ اس میں رہتا ہوا بھی وہ مکت ہے۔ یہ حالت کسی اور طریق سے بہم نہیں پہنچ سکتی اس کا طریقہ گیان ہے اور صرف وہ گیان ہے۔ جس کی تعلیم ویدانت دیتا ہے +

چالیسویں سادھو کی کہانی

جیون موکش اور بدیہہ موکش

ویدانت جو پڑھتے ہیں وہ دلشاد رہیں | بے فکر رہیں خوش رہیں آباد رہیں
ہو گیان کی برکت سے انہیں توفیق | رہتے ہوئے بھی جہان میں آزاد رہیں

اے مہرؔ زمانے کا ہوں میں خیر سگال | سب قال کو چھوڑیں اور وارد ہو حال
جیون مکتی نصیب ہو جیتے جی | اور مر کے بدیہہ موکش کا اوج کمال

سادھو! بودھ آنند کی کہانی سے اس امر کی بخوبی توضیح ہوتی ہے کہ تپ۔ یوگ۔ اپاسنا وغیرہ ساکشات موکش کی دینے والی چیزیں نہیں بلکہ ان کا انتہائی کمال کرم موکش ہے۔ اس کی وجہ میں اپنی چھٹی ویاکھیا میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں۔ موکش کوئی کرم سادھیہ چیز نہیں ہے۔ یعنی ایسی چیز جسے کچھ کر کے حاصل کیا جائے۔ عمل کا نتیجہ ہمیشہ برائے چندے یعنی فنا پذیر ہوا کرتا ہے۔ پس اگر موکش بھی کسی کرم کا نتیجہ مانا جائے تو کرم کے اور نتیجوں کی طرح برائے چندے ہی ہو گی دوام کے واسطے نہ ہو گی۔ جو موکش کچھ عرصے کے واسطے ہے۔ وہ موکش ہی کہلانے کی مستحق نہیں۔ ایسی عارضی چیزوں میں دانا لوگ دلبستگی نہیں کیا کرتے۔ کرم۔ یوگ۔ بھکتی۔ اپاسنا اور پڑھنا پڑھانا موکش کے سہایک بے شک ہیں۔ لیکن موکش وایک نہیں۔ ان سے قلب میں صفائی آ جاتی ہے اور آدمی گیان کا ادھکاری بن جاتا ہے۔ لیکن موکش کا گھر ابھی دور ہے۔

ذرا غور کرو تو تم پر منکشف ہو جائیگا۔ کہ جہاں رسی میں سانپ نظر آ رہا ہے اور آدمی اُسے دیکھ کر ڈر رہا ہے۔ وہاں اس ڈر کے رفع

پر چڑھتے ہوئے موکش کو پہنچتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی موکش کو کرم موکش یعنی نجات تدریجی کہتے ہیں۔ تپ۔ یوگ۔ اپاسنا وغیرہ کا انتہائی کمال یہ کرم موکش ہے بشرطیکہ آدمی اس کمال پر پہنچنے کے لائق ہو۔ وگرنہ رستے ہی میں سے بازگشت ہو جاتی ہے کرم موکش ایک قدرتی امر ہے۔ جہاں انانیت یا اہنکار کو قائم رکھ کر کسی قسم کی اپاسنا بار یافت کی جائیگی۔ وہاں موکش کے لئے اسطے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے +

یہ خیالات میرے دل میں تھے اور یہ تماشا میری نظر کے سامنے تھا۔ کہ آنکھ کھل گئی۔ مجھے رہ رہ کر خیال آیا کہ ویدانت شاستر موکش کی رمز کو کیسا اچھا سمجھا ہے اور کیسے اچھی طرح سمجھاتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ شاستر جیتے جی موکش یا جیون موکش اور مر کر موکش یعنی بدیہہ موکش کا طریق بتاتا ہے۔ لیکن مہاراج ان مضامین پر جیسا اچھا آپ کہہ سکینگے میں کب کہہ سکتا ہوں۔ آپ جیون موکش کی مورتی ہیں۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ دیکھو بھائی چھ ویاکھیائیں میں کر چکا۔ جیون موکش اور بدیہہ موکش پر کوئی اور مہاتما کہانی سنائے۔ سب سادھو ایک زبان ہو کر بولے۔ مہاراج ہم سب اپنی اپنی کہانیاں سنا چکے ہیں۔ اب آپ کا نمبر ہے۔ کہانی بھی کہئے اور اس کے بعد حسب معمول ویاکھیا بھی کیجئیگا۔ یہ سن کر سوامی برہمانند مسکرائے اور بولے۔ کیا خوب چُپڑی اور دو دو۔ اس پر سوامی پریانند نے مسکرا کر کہا۔ مہاراج۔ شملہ بمقدار علم ہوا کرتا ہے۔ سادھوؤں کو معلوم ہے کہ کسی امیر آدمی کے ہاں کوئی مہمان آئے تو اُسے اطمینان ہوتا ہے کہ اچھے سے اچھا کھانا جو میں چاہونگا سب یہاں مل جائیگا۔ آپ دو چپڑی روٹیوں ہی میں کیوں دریغ کرنے لگے۔ سوامی برہمانند ہنسے اور کہنے لگے بھائی فقیر ہوں مجھے تو دو چپڑی کیا سوکھی روٹیاں بھی دربھ میں اس ایک مہاتما بولے مہاراج آپ فقیر ہیں تو روٹیوں کے لحاظ سے۔ ہم تو آپ سے گیان کے طلبگار ہیں۔ روٹیاں نہیں مانگتے۔ جو آپ بھلے کریں۔ گیان کے تو آپ امیر کیا شاہنشاہ ہیں۔ برہمانند مسکرائے اور کہنے لگے اچھا سادھوؤ لو۔ جتنا گیان تمہارا جی چاہے +

ترقی کی معراج یہ ہے کہ یہ سورج لوک کو پہنچتے ہیں جو ہرنیہ گربھ لوک ہے۔ اس سے چندر لوک کو پہنچنے یہ وہ چندر لوک نہیں ہے۔ جس کو اوپر سؤرگ کہہ آیا ہوں۔ بلکہ سورج لوک میں کارن روپ سے جو سوکشم سنثھول جگت کا بیج رہتا ہے اُسے چندر لوک سمجھنا چاہئے۔ گویا ایشور کا کارن شریر ہے۔ اس بھاو سے بھی انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ اور بدُیت یعنی بجلی کے پرکاش مان لوک میں پہنچتے ہیں۔ یہ ایشور بھاو کا سمشٹی روپ آبھاس ہے۔ یہاں انہیں کوئی مُکت پرش ملتا ہے۔ جو انسان نہیں ہے اور وہ انہیں برہم کو پہنچا دیتا ہے۔ اس کے صرف یہ معنی ہیں کہ یہاں بھی گورو اور چیلے کا سلسلہ ہماری دنیا کی طرح جاری ہے۔ اس درجے پر کوئی مہاتما پہنچکر انکشاف حقیقت کر دیتا ہے۔ اور جیو سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ہم ہی برہم ہیں۔ جو پہنچیگا وہ بن یہ سمجھ لیا تو گویا موکش پد کو پہنچ گئے۔

اوپر بتایا جا چکا ہے کہ یہ سمبتسر یعنی سنّاسی کو پراپت ہو سکتے ہیں۔ سمبتسر کے معنے اُپنشدوں میں کلپ کے ہیں۔ اس سے بدیہی نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے۔ کہ اس قسم کے ابھیاسی لوگ کلپ کے انجام تک رہتے ہیں۔ اونچے لوکوں میں انہیں ادھکار یعنی مدارج مل جاتے ہیں اور یہ اعلےٰ طبقوں پر کام کرتے رہتے ہیں۔ انہیں معمولی آدمیوں کی طرح آواگون نہیں ہوتی۔ لیکن بوقت ضرورت دنیا کی رہبری کے واسطے اوتار دھارن کرتے ہیں اور نوع انسان کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے یہاں آتے ہیں۔ سِدّھ۔ سنت۔ اوتار اور ادرھان آتمائیں جن کا ظہور وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔ انہیں پوتر آتماؤں میں سے ہیں۔ بعض ان میں سے جیون مکت ہوتے ہیں بعض کے کچھ مراحل باقی ہوتے ہیں۔ ہاں ان سب کی موکش کلپ سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ہرنیہ گربھ کے ساتھ کلپ کے اخیر میں ہوتی ہے چونکہ یہ بتدریج موکش حاصل کرتے ہیں یعنی ایک درجے سے دوسرے

یہ وہ لو آواگون کے چکر کے راستے تھے۔ جن میں کام یعنی خواہشات ہیں تو لیکن جیو جاتے ہیں اور پھر دنیا میں واپس چلے آتے ہیں۔ اور برابر یہی تار لگا رہتا ہے ✤

بائع آتا ہے مشتری آتا ہے	لے جاتا ہے اور جنس عمل لاتا ہے
گزری ہے مہر یہ جہان گزراں	تار آنے جانے کا یاں چلا جاتا ہے

جس طرح کہ بعد خواب بیداری ہے	بیداری سے پھر خواب کی تیاری ہے
اے مہر اسی طرح سے تا حد نجات	آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے

یہ نظارہ بھی میری نظر کے سامنے سے ہٹا اور میں نے ایک اور تماشا دیکھا۔ وہ یہ تھا کہ نا ‌... ہنیہ اگیتہ بدیا کے جاننے والے تھے۔ یا جو بنوں اور گھروں میں رہ سکتا ہو ا۔ آپ "یا شردھا سے خاص خاص قسم کے ابھیاسوں یا ریاضتوں میں لگے ہوئے تھے۔ یا اُپاسیہ اور اُپاسک بھاوؤں سے خاص خاص اپاسنائیں کر رہے تھے۔ جب وہ یہ شریر چھوڑتے تھے۔ تو کامی پرشوں کی طرح تاریکی یعنی مادی لوگوں کی طرف مائل نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ روشنی۔ دن وغیرہ کی طرف چلتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر اوقات مختلفہ کے لئے غفلت طاری نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ یہ برابر بیدار رہتے تھے۔ کامی پرشوں کو سمبتسر یعنی سال نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ورے سے ہی واپس پھر آتے تھے ان کے برعکس یہ سمبتسر یعنی سال کو پہنچتے تھے۔ جس سے مراد کلپ ہے۔ یعنی جب سے ہماری دنیا شروع ہوئی اور جب تک ختم ہو گی اس کو کلپ کہتے ہیں۔ ایک کلپ کا دور کروڑوں کیا اربوں برس کا ہوتا ہے ان لوگوں کو واپس تو نہیں آنا پڑتا۔ ہاں کلپ کے انجام تک اونچے ہی لوکوں میں رہتے ہیں۔ اور دیوتاؤں کے اعلےٰ سے اعلےٰ طبقوں میں بتدریج ترقی کرتے چلے جاتے ہیں ✤

لوگوں کی ہی طرف مائل ہوتے ہیں اور مادّہ ظاہر ہے کہ تاریک ہے۔ جہاں یہ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ پتّری لوک یا آسٹرل پلین ہے۔ وہاں سے آکاش میں جاتے ہیں یعنی مر جاتے ہیں اور مر کر چندر لوک میں چلتے ہیں جو منکا طبقہ اور سورگ ہے۔ یہاں دیوتاؤں کا اناج بنتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ سورگ میں دیوتا انہیں اس طرح چر جاتے ہیں جیسے گائے بھینسیں گھاس چر جاتی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو وہ جو دھرم کے کام کرتے رہتے ہیں مر مٹے۔ کیا اچھا اجر ملا کہ سورگ پہنچے۔ تو دیوتا انہیں چر گئے۔ معنے صرف یہ ہیں کہ سورگ میں جیو بھی دیوتاؤں کے کھیل اور بہار کا سامان بنتے ہیں۔ یعنی دیوتا ان سے کھیلتے ہیں یا یوں کہو کہ جیو خود دیوتا روپ بن جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ سورگ من کا طبقہ ہے۔ یہاں جو پہنچیگا وہ دیو بھاو کو پراپت ہوگا ؞

اناج کے ایک اور معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آہتی چونکہ اناج کی دی جاتی ہے اور سورگ کو اگنی مان کر دیوتا ان جیووں کی آہتی دیتے ہیں۔ اس واسطے یہ اناج ہیں۔ جب سورگ کا بھوگ ختم ہو جاتا ہے تو جیو وہاں سے نکالا جاکر آکاش میں آتا ہے۔ یہ شردھا کی پہلی آہتی ہے۔ کیونکہ من کے طبقے پر جیو شردھا یعنی من کی صورت میں ہے ؞

آکاش سے ظاہر ہے کہ جیو ہوا میں آئیگا۔ بھاپ اور بادل میں جائیگا۔ اور بارش کے ساتھ زمین پر گر کر اناج کی صورت میں پیدا ہوگا۔ جیسے کھا کر مرد کا ویریہ یا نطفہ بنیگا۔ چونکہ بچّے کی پیدائش ویریہ سے ہے اور ویریہ اناج سے بنا ہے اس وجہ سے جیو کا اناج میں ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ زمین کے اوپر اُسے لانے کے لئے۔ بارش۔ بادل۔ ہوا آکاش وغیرہ کی مدد بھی اظہر من الشمس ہے۔ چونکہ سارا تماشہ میری نظر کے سامنے سے گذرا تھا میں نے پانچوں اگنیوں میں سوم راجہ یعنی پرکاشمان جیو کی آہتی پڑتی اپنی آنکھ سے دیکھیں۔ اور بخوبی سمجھا کہ ان کے کیا معنی اور مطلب ہیں ؞

جو بیج کر بوئے گئے پھل لائینگے — سچ کہتا ہوں بیکار نہیں ہو (۱) ...
دنیا کے خیالات ہیں جن کے دل میں — دنیا ہی میں بار بار وہ آئینگے

کچھ دیر میں یہ نظارہ بدلا - اور میں نے دیکھا کہ شہروں - قصبوں اور دیہاتوں میں لوگ آباد ہیں - بعض ان میں سے خاص خاص اغراض اور مقاصد کو نظر میں رکھ کر یگیہ کر رہے ہیں اور ہون کا دھواں اٹھ اٹھ کر آسمان کو جا رہا ہے - بعض خیر و خیرات کے کاموں میں مصروف ہیں - جن کا مدعا یہ ہے کہ ہمیں جنّت یا سورگ ملے یا ان سے دنیا میں ہمارا نام ہو - ان میں سے بعض عبادت گاہیں بنواتے تھے - بعض سرائے کنوئیں - تالاب - ہسپتال یا مدرسے وغیرہ تعمیر کراتے تھے - بعض کو دیکھا کہ کھڑے لکچر دے رہے ہیں اور دھواں دھار تقریریں کر رہے ہیں - ان میں بہت سے ریفارمر شامل تھے - جو تمدّنی اصلاحیں چاہتے تھے - بعض سائنس داں - مورّخ - فلسفی - ارباب علم - اصحاب اخلاق اہل مذاق وغیرہ تھے - جو نئے نئے مسئلہ مسائل کی تعلیم دے رہے تھے - بعض نے مذہب کی آڑ میں نئی نئی متیں قائم کی تھیں - اور انہیں پھیلا رہے تھے - بہت سے مصنّف تھے - جو بیٹھے ہوئے برابر لکھے جاتے تھے - اور اپنے خیالات تحریر کے ذریعے سے پھیلا رہے تھے - غرض کس کس قسم کے آدمیوں کا ذکر کروں - ہزاروں ہی قسموں کے تھے اور سب اپنی اپنی دُھن میں لگے ہوئے تھے ؛

یہاں بھی میں نے آواگون کا چکّر دیکھا - لیکن یہ چکّر پہلے چکّر سے مختلف تھا - پہلے قسم کے لوگ بار بار پیدا ہوتے اور مرتے تھے اور انہیں اوپر کے لوک مطلق نصیب نہیں ہوتے تھے - یہاں میں نے دیکھا کہ جب لوگ مرتے ہیں تو فوراً پیدا نہیں ہو جاتے بلکہ اونچے لوکوں میں جاتے ہیں - مرنے کے بعد کچھ عرصہ عالم غفلت طاری رہتا ہے - اسے شُرتی نے دھوآں اور رات وغیرہ کہا ہے - نیز چونکہ ان جیووں کے خیالات دنیا ہی میں پھنسے رہتے ہیں - اسواسطے یہ مادّی

کہ تاریکی اور روشنی وغیرہ کے ابھمانی دیوتا جیودوں کو لے جاتے ہیں۔ ان کی شرح سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تاریکی اور روشنی وغیرہ لوک ہیں۔ جن میں جیو جاتے ہیں۔ لیکن شاعرانہ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ ان خیالات میں مَیں غلطاں پیچاں تھا۔ لیکن عقدہ حل نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح پہلے بھی کئی بار سوچ چکا تھا۔ آج سوچتے سوچتے مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہو گئی جس کو نہ خواب کہہ سکتے ہیں اور نہ بیداری۔ وجہ یہ کہ میں سوتا نہ تھا اس واسطے خواب کیونکر دیکھتا۔ نیز آنکھیں بند تھیں۔ باہر کی چیزیں مجھ کو نظر نہیں آتی تھیں۔ اس واسطے اس عالم کو بیداری کیونکر کہوں۔ ہاں جو نظارۂ حیرت فزا میری نظر سے گزرا وہ اس متبرک منڈلی کو سناتا ہوں ؀

کیا دیکھتا ہوں کہ کائنات کا نظارہ میری نگاہ کے سامنے ہے۔ جتنے روشن ستارے ہیں وہ سب سورج ہیں اور ہر ایک کے گرد بہت سے سیارے حرکت کرتے ہیں۔ ان سیاروں میں لا انتہا خلقت ہے۔ جمادات نباتات۔ حیوانات۔ حیوانات کی قسمیں بے شمار اور بے تعداد ہیں۔ انہیں میں انسان بھی داخل ہے۔ مَیں نے اپنے کرۂ ارض کو دیکھا کہ کھچا کھچ آدمیوں سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں۔ جنہوں نے نہ کچھ عقلی ترقّی کی ہے نہ اخلاقی ترقّی کی ہے نہ روحانی ترقّی کی ہے۔ جیسے جانور پیدا ہوئے تھے ویسے ہی جیتے رہتے ہیں۔ اور ویسے ہی جانور مر جاتے ہیں۔ ان کے کرم ایسے طاقتور نہیں کہ اونچے لوکوں میں باس نصیب ہو۔ چنانچہ پیدا ہوتے ہیں۔ مدت العمر جیتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ مر کر پھر جنم لیتے ہیں۔ پھر زندگی گزارتے ہیں اور پھر مرتے ہیں۔ غرض یہ سلسلہ جاری ہے اور اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ شرتی بھگوتی کا کیا ارتھ ہے۔ انہیں لوگوں کو نیچے کی جونوں کے جانوروں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ یہ بار بار پیدا ہوتے اور مرتے ہیں ؀

ہے جو انسان نہیں ہے اور وہ انہیں برہم کو پہنچا دیتا ہے یہ دیویاں یعنی دیوتاؤں کا رستہ ہے +

جو لوگ آبادیوں میں یگیہ کرتے ہیں اور دان دیتے ہیں وہ دھوئیں کی طرف جاتے ہیں دھوئیں سے رات کو۔ رات سے اندھیرے پندرھواڑے کو۔ اندھیرے پندرھواڑے سے چھ دکشاین مہینوں کو۔ یہ سال کو نہیں پہنچتے۔ مہینوں سے پتری لوک کو۔ پتری لوک سے آکاش کو۔ آکاش سے چاند کو۔ یہ سوم راجا ہے۔ دیوتاؤں کا اناج ہے دیوتا اسے کھاتے ہیں۔ گرنے کے وقت تک یہاں رہتے ہیں پھر اسی راہ سے واپس آتے ہیں۔ پہلے آکاش کو۔ آکاش سے وایو بن کر دھواں بنتے ہیں۔ دھواں بن کر بھاپ بنتے ہیں۔ بھاپ بنکر بادل بنتے ہیں۔ بادل ہو کر برستے ہیں۔ اور وہاں۔ جو۔ اوشدھی بنسپتی۔ تل۔ اڑد ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں سے نکلنا مشکل ہے۔ جو جو اناج کھاتا ہے اور ویریہ بناتا ہے۔ وہ اسی شکل کا ہو جاتا ہے +

جن کا چال چلن یہاں اچھا رہا ہے وہ جلد تر اچھا جنم پاتے ہیں۔ مثلاً برہمن۔ کشتری یا ویش کا جنم۔ لیکن جن کا چال چلن خراب رہا ہے۔ وہ نیچ جون میں پڑتے ہیں۔ مثلاً کتے۔ سؤر یا چانڈال کی جون میں۔ جو ان دونوں راستوں میں سے کسی پر بھی نہیں چلتے۔ وہ چھوٹی جونوں میں باربار جنم لیتے اور مرتے ہیں۔ یہ تیسرا مقام ہے۔ اس وجہ سے وہ لوک یعنی عالم عقبےٰ بھرنے نہیں پاتا "+

یہ مقام میں نے بار بار پڑھا تھا اور آج پھر میرے مطالعے میں تھا نہ پہلے اس کے معنے کا مجھ پر انکشاف ہوا تھا نہ آج ہؤا۔ میں حیران تھا کہ یہ پنچ اگنی ودیا کیا ہے یہ دیویاں اور پتریان کیا ہیں؟ اور ان پر جو منزلیں قائم کی گئی ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ شری شنکر آچاریہ جنہوں نے اپنشدوں پر شرح لکھی ہے کہتے ہیں۔ کہ دھوئیں روشنی وغیرہ سے یہاں مراد ہے

اس آہتی سے سوم راجہ پیدا ہوتا ہے +

اے گوتم! بادل اگنی ہے۔ ہوا اس کا ایندھن ہے۔ بھاپ دھواں ہے۔ بجلی شعلہ ہے۔ بجر انگارا ہے۔ کڑک چنگاریاں ہیں۔ اس اگنی میں دیوتا سوم راجہ کی آہتی دیتے ہیں۔ اس آہتی سے بارش ہوتی ہے +

اے گوتم! پرتھوی اگنی ہے۔ سال اس کا ایندھن ہے۔ آکاش دھواں ہے رات شعلہ ہے۔ دشائیں انگارے ہیں۔ دشاؤں کے کونے چنگاریاں ہیں۔ اس اگنی میں دیوتا بارش کی آہتی دیتے ہیں۔ اس آہتی سے اناج پیدا ہوتا ہے +

اے گوتم! مرد اگنی ہے۔ بانی اس کا ایندھن ہے۔ پران دھواں ہے۔ زبان شعلہ ہے۔ آنکھیں انگارے ہیں۔ کان چنگاریاں ہیں۔ اس اگنی میں دیوتا اناج کی آہتی دیتے ہیں۔ اس آہتی سے ویریہ پیدا ہوتا ہے +[1]

اے گوتم! استری اگنی ہے . . . . اس اگنی میں دیوتا ویریہ کی آہتی دیتے ہیں۔ اس آہتی سے گربھ پیدا ہوتا ہے +

اس طرح پانچویں آہتی میں جل پرش کہلانے لگتا ہے۔ بچّہ حمل میں جھلّی سے لپٹا ہوا بیش وکم نو یا دس ماہ پیٹ کے اندر رہکر پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہو کر جب تک زندگی ہے جیتا رہتا ہے۔ جب مرجاتا ہے تو وید کے حکم کے مطابق اس کو اگنی ہی میں جلانے کے واسطے لے جاتے ہیں۔ جہاں سے وہ آیا تھا اور پیدا ہوا تھا +

جو لوگ اس پنچ اگنی ودیا کو جانتے ہیں اور جو بنوں میں شردھا اور تپ کی اپاسنا کرتے ہیں وہ شعلے کی طرف جاتے ہیں شعلے سے دن کو۔ دن سے اُجیلے پندرھواڑے کو۔ اجیلے پندرھواڑے سے چھ اُترائن مہینوں کو۔ مہینوں سے سال کو۔ سال سے سورج کو۔ سورج سے چاند کو۔ چاند سے بجلی کو۔ وہاں ایک پرش ملا

اس نے کہا۔ ہاں مہاراج۔ پھر پوچھا کیا تو جانتا ہے مرکر آدمی یہاں سے کہاں جاتا ہے؟ نہیں مہاراج۔ بھلا یہ جانتا ہے کہ وہ کس طرح واپس پھرتا ہے؟ نہیں مہاراج۔ کیا یہ جانتا ہے کہ دیویان اور پتری یان یعنی دیوتاؤں اور پتروں کے راستے کہاں الگ الگ ہوتے ہیں؟ نہیں مہاراج۔ کیا یہ جانتا ہے کہ وہ لوک یعنی عالم عقبےٰ بھر کیوں نہیں جاتا؟ نہیں مہاراج۔ کیا یہ جانتا ہے کہ پانچویں آہتی میں جل پرش کیونکر کہلانے لگے ہیں؟ نہیں مہاراج۔ پھر تو نے کس طرح کہ دیا کہ ایدیش پا چکا ہوں؟ جو شخص ان باتوں کو نہیں جانتا وہ کیونکر کہہ سکتا ہے کہ میں ایدیش پا چکا ہوں۔ شویت کیتو دل میں غمزدہ ہو کر اپنے باپ گوتم کے پاس آیا اور بولا۔ مہاراج پورا ایدیش دئے بغیر آپ نے مجھ سے کیسے کہہ دیا کہ تو ایدیش پا چکا ہے؟ پانچ سوال مجھ سے کہلانے والے کشتری نے کئے جن کا جواب میں نہیں دے سکا۔ گوتم نے کہا جو سوال تو نے مجھے سنائے ان میں سے ایک کا بھی جواب مجھے خود نہیں آتا۔ اگر آتا ہوتا تو تجھے کیوں نہ بتاتا؟

گوتم راجہ کے پاس گیا اور اسے آیا ہوا دیکھ کر راجہ نے تکریم کی۔ صبح گوتم راجہ کی سبھا میں حاضر ہوا۔ راجہ نے کہا۔ بھگوان گوتم انسانی دولت و ثروت کے متعلق کچھ بر مانگو۔ گوتم نے کہا راجہ دولت آپ کو ہی مبارک رہے۔ مجھے تو وہی بات بتاؤ جو میرے لڑکے سے پوچھی تھی۔ یہ سن کر راجہ گھبرایا۔ لیکن گوتم کو کچھ عرصے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا۔ ایک روز کہا۔ گوتم جو بات تم نے مجھ سے پوچھی ہے۔ تم سے پہلی وہ ودیا برہمنوں کو نصیب نہیں ہوئی۔ اسی وجہ سے تمام عالم میں یہ کستریوں کا حصہ تھی۔ تو سنو میں کہتا ہوں :-

اے گوتم! وہ لوک یعنی عالم عقبےٰ اگنی ہے۔ سورج اس کا ایندھن ہے۔ کرنیں دھواں ہیں۔ دن شعلہ ہے۔ چاند انگارا ہے۔ ستارے چنگاریاں ہیں۔ اس اگنی میں دیوتا شردھا کی آہتی دیتے ہیں اور

ساتھ پڑھنے والے کو اوپر چڑھانا چاہتے ہیں۔ لیکن ویدانت کی اصلی کتابیں اُپنشد ہی ہیں۔ یہ ازل سے چلی آئی ہیں اور ابد تک چلی جائینگی ان میں جو رس اور آنند ہے وہ اَور کتابوں میں کب مل سکتا ہے۔ لاانتہا پرشوں کو اُنھوں نے تار دیا اور لاانتہا کو اَور تارینگی۔ مجھے تہ دل سے اس بات کا یقین تھا اور یہ عقیدہ راسخ دل میں بیٹھا ہوُا تھا۔ کہ اُپنشد پڑھتے پڑھتے میں ایک روز نہ ایک روز موکش پد کو پہنچ جاؤنگا۔ چنانچہ بلاناغہ صبح اُٹھ کر اور نہا دھو کر ان کا پاٹھ کیا کرتا تھا۔ اور جو مطالب ان میں آتے ہیں ان میں غور و فکر سے کام لیا کرتا تھا +

پاٹھ کرتے کرتے مجھے تمام اُپنشد زبانی یاد ہو گئے تھے اور ان کے معانی اور مطالب میری زبان پر چڑھ گئے تھے۔ لیکن یہ کتابیں ایسی معنی خیز ہیں کہ جب پڑھئے نئی ہیں اور تازہ خیالات طبیعت میں اُٹھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ رشیوں اور مہاتماؤں کے انوبھو ہیں۔ انہیں کے مدارج اعلےٰ پر آدمی پہنچ جائے۔ تو ان کا نفس مطلب من وعن سمجھ میں آئے جب تک وہ اِن اعلےٰ مدارج پر نہیں پہنچتا کیونکر ممکن ہے۔ کہ اُسے نئے نئے مطالب کا روزمرّہ انکشاف نہ ہو۔ میرا بھی یعینہٖ یہی حال تھا۔ بعض مطالب ایسے باریک اور دقیق تھے کہ میری سمجھ میں نہیں بیٹھے تھے۔ اور میں اُن پر بار بار غور کیا کرتا تھا۔ انہیں میں یہ کرم موکش کا مسئلہ تھا۔ جس کا ذکر چھاندوگیہ برہدارنیک۔ ییرشن اور اَور اپنشدوں میں بھی آتا ہے +

ایک روز کا اتفاق سنئے کہ میں حسب معمول اپنشد کے پاٹھ میں مصروف تھا۔ اور چھاندوگیہ اپنشد کا وہ حصہ بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ جہاں پنچ اگنی بدیا کا بیان ہے۔ چونکہ یہ مضمون نتیجہ خیز ہے آپ کو ترجمہ سناتا ہوں +

"ارُن رشی کا لوتا سوین کمو پانچالوں کی سبھا میں آیا۔ یہاں پر واہن جیولی نے اس سے پوچھا۔ لڑکے کیا تو اپنے باپ سے اُپدیس پا چکا ہے۔

میں لمحہ مگن ہوتی ہے۔ اور آدمی یا تو جیتے جی موکش پد کو پہنچ جاتا ہے یا مر کر۔ یہی جیون موکش اور بدیہہ موکش کہلاتی ہیں۔ جن پر آپ سے بہتر کوئی شخص کہانی نہیں کہہ سکیگا۔ اس وجہ سے میں جیون موکش اور بدیہہ موکش کو آپ کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اور بیچ کے مرحلوں پر آپ کچھ کہنا چاہتا ہوں ÷

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندھ اور موکش کے درمیان کیا ایسے مرحلے بھی ہیں جن میں سے ہر ایک شخص کو گزرنا پڑتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک مرحلے تو ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک شخص ان میں سے ضرور ہی گزرے۔ بعض سیدھے موکش پد کو پہنچ جاتے ہیں۔ بعض ان مرحلوں میں سے گزرتے ہیں۔ دارومدار اس طریق پر ہے جو آدمی نے موکش حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ اگر وہ گیان کے اُس راستے پر چلا ہے جس کی تعلیم ویدانت دیتا ہے یعنی وجود صرف ایک گیان سروپ آتما کا ہے اور باقی سب متھیا ہے تو سیدھا موکش پد کو پہنچیگا اگر اُس نے کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہے۔ تو اُسے دیر لگیگی ضرور لگیگی اور اوپر کے لوکوں میں اس وقت تک ٹھیرنا پڑیگا جب تک وہ پورا پورا گیان کا ادھکاری ہوکر موکش پد کے لائق نہ ہوجائے۔ اِسے کرم موکش یعنی نجات تدریجی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے انسان درجہ بدرجہ یعنی وقتاً گزرنے پر موکش حاصل کرتا ہے۔ اِسی کرم موکش پر میں آپ کو ایک آپ بیتا واقعہ سناتا ہوں۔ جسے کہانی تو نہیں کہہ سکتے۔ لیکن ایک دیدیا رویائے صادقہ ہے۔ جو مجھ پر طاری ہوئی تھی ÷

میں اُن شخصوں میں سے ہوں جو بلاناغہ نیم کرکے اپنشدوں کا پاٹھ کیا کرتے ہیں۔ مہاراج کچھ نہ پوچھئے کہ اس پاٹھ میں کیا آنند ہے۔ ویدانت کے ہزاروں گرنتھ ہیں اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہے۔ کسی میں مسلسل ومدلل طور پر فلسفہ بیان کیا ہؤا ہے۔ کسی میں شاعری کا رس ہے۔ کسی میں انوبھوی پرش اپنا انوبھو بیان کرتے ہیں اور اپنے

یوں تو وہ کون سی جا ہے کہ نہیں گھر میرا
دل ہو من کو مگر تم میرا امن سمجھو
میں دل پاک میں رہتا ہوں کہو دل کو پاک
یہ وہ گھر ہے کہ اسے امن کا مسکن سمجھو
میں ہوں اشراقیوں میں کشفِ حقیقت اے مہر
مجھ کو مشائیوں میں طاقتِ رفتن سمجھو

کلام مہر جلد ثانی

اُنتالیسویں سادھو کی کہانی

کرم موکش یعنی نجات تدریجی

جو کام کہ ارباب ہمم کرتے ہیں
سعئے بازو سے بیش و کم کرتے ہیں
اے مہر مقولہ ہے یہی ہمت کا
جو ہو سکتا ہے ہم سے ہم کرتے ہیں

گر شوق ہے یہ کہ روئے دلبر دیکھو
دیکھو اے دوستو مقرر دیکھو
ہاں شرط ہے یہ نہ جیتے جی گر دیکھو
ہمت متقاضی رہے مر کر دیکھو

ایک سادھو جن کا نام بودھ آنند تھا کہنے لگے۔ مہاراج! پرم ہنس نے سچ کہا کہ موکش ہمارا نج سروپ ہے۔ نہ کہیں باہر سے ڈھونڈھ کر لانی ہے۔ نہ کرم یا سعی و کوشش کر کے پیدا کرنی ہے۔ ہاں ہم اپنا سروپ بھولے ہوئے ہیں۔ اُسے یاد کرنے کے واسطے جتن کرنا ضروری ہے۔ اس وجہ سے اگرچہ موکش سدا پراپت ہے مگر اُس کی پراپتی کے واسطے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ یہ کس کس طرح کی ہونی چاہیئے اس کی توضیح آپ اپنی ودیا کھیا میں کر چکے ہیں یعنی کرم۔ یوگ۔ بھگتی اور گیان سب موکش کی تدابیر ہیں اور اپنے اپنے درجے پر ہر ایک خاص طور پر مفید ہے۔ ان سے آدمی کا انتھ کرن شُدھ یا پاک ہو جاتا ہے۔ اور وہ گیان کا ادھکاری بن جاتا ہے ایک وقت آتا ہے۔ کہ گیان کی تجلّی قلب

مجھ میں طاقت ہے

مجھ میں ہمت ہے مجھے ضعف کا دشمن سمجھو | مجھ میں طاقت ہے مجھے زور کا مخزن سمجھو
باغ جنت کو مری مہر کا گلشن جانو | نار دوزخ کو مرے قہر کا گلخن سمجھو
مجھ میں سیارہ و ثوابت ہیں لٹکتے رہتے | دانہائے گُردی کا مجھے خرمن سمجھو
جس سے نکلے ہیں عقول اور جواہر سارے | مجھ کو اے جوہریو تم وہی معدن سمجھو
جس میں گلہائے حدوث اور قدم کھلتے ہیں | میں وہی باغ ہوں مجھ کو وہی گلشن سمجھو

مجھ میں رہتے ہیں نواسنج طیور قدسی | مجھ کو ان طائروں کی شاخ نشیمن سمجھو
ابر رحمت نہیں رحمت کی جھڑی میری ہے | برق روشن نہیں تم مجھ کو ہی روشن سمجھو
میرے نیرنگ کی ہے چال خزاں و بہار | میرا اس ابلقِ ایام کو توسن سمجھو
میری قدرت کا کرشمہ ہے فضائے گلشن | مجھے لالہ مجھے نسریں مجھے سوسن سمجھو
میں ہی ہر رنگ میں رنگا اور ہر اک شکل میں شکل | جان سمجھو مجھے اے بے خبرو تن سمجھو

ساحت صحن ملا کو میرا جامہ جانو | وسعت پہن خلا کو میرا دامن سمجھو
عرش سر پاؤں زمین گوش جہت سانس ہوا | مہ و خورشید کو آنکھیں مری روشن سمجھو
اک کرشمہ میری حکمت کا ہے ہر علم کا راز | ایک شمہ میری صنعت کا ہر اک فن سمجھو
عالموں کا مجھے بے شک دل دانا جانو | واعظوں کا مجھے بے شک لب گفتن سمجھو

اسم اعظم میں ہوں میں لفظ کی صورت میں نہاں | سر اکبر میں مجھے معنے روشن سمجھو
ملتیں میری ہیں اور سب ہیں مذاہب میرے | جو لڑے مرتے ہیں باہم انہیں کودن سمجھو
ہے حرم بھی میرا گھر دیر بھی ہے میرا مکاں | کیوں جھگڑتے ہو تم اے شیخ برہمن سمجھو

مجھ سے تم ملنے کو جو راہ چلو میری ہے | ہاں کوئی تم کو جو روکے اسے رہزن سمجھو

ہو گیا۔ لالہ جی نے آخر روتے روتے کہا کہ گھر سے نائی آیا ہے اور یہ منحوس خبر لایا ہے کہ میری بیوی رانڈ ہو گئی ہے اس کو روتا ہوں۔ لوگوں نے کہا لالہ جب تم جیتے جاگتے بیٹھے ہو تو تمہاری بیوی کیونکر رانڈ ہو سکتی ہے۔ لالہ نے سر پر ایک دو ہتڑ مار کر کہا۔ گھر کا پنتیتیبی معتبر نائی ہے میں اس کی بات مانوں یا تمہاری۔ بعینہٖ یہ حال تمہارا ہے چودھری معتبر اور دانا آدمی ہے تم اُس کی مانو گے یا میری ۔

چودھری اس بات پر ایک دم سے خفا ہو کر بولا۔ تو مجھ سے بھی زیادہ عقلمند ہے۔ آ میرے سامنے گنیوں۔ یہ کہکر اس نے پھر گنا۔ ایک دو تین وغیرہ اور نو پر پہنچکر اسی طرح پھر اپنے سر پر دو ہتڑ مارا۔ لیکن ادھر تو اس نے دو ہتڑ مارا اُدھر ظریف نے ایک دو ہتڑ اُس کے سر پر رسید کیا کہ دسواں تو ہے۔ دو ہتڑ کھا کر چودھری اور اس کے ہمراہی بجائے اس کے کہ ظریف سے لڑیں بھڑیں اُلٹے اس کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ کہ تم نے کرپا کر کے ہمارا بڑا فکر دور کیا۔ ہم سب ڈرے اور مرے جاتے تھے کہ ہم میں سے ایک آدمی ڈوب کر مر گیا ۔

اسی طرح اور بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں اور اُن سے اس بات کی توضیح کی جا سکتی ہے کہ تحصیل حاصل لایعنی چیز نہیں ہے۔ بھول کے باعث سے جیو اپنے نکت سروپ کو بھولا ہوا ہے۔ اس واسطے گورو کی بھی ضرورت ہے۔ شاستر کی بھی ضرورت ہے۔ بچار اور کوشش کی بھی ضرورت ہے۔ موکش حقیقت میں پراپت کی پراپتی ہے۔ لیکن بھول نے کام خراب کر رکھا ہے۔ اس بھول کو دور کرنا ہے اور موکش جو سدا پراپت وستو ہے۔ اس کو پراپت کرنا ہے۔ جیو محدود نہیں ہے۔ غیر محدود ہے بھی سب ہے۔ اسی میں سب کچھ ہے۔ یہی سب کچھ ہے۔ اسے یاد دلاؤ کہ تو کیا ہے اور یہ کہنے لگے گا ۔

دوپٹہ کس کس کر کمروں سے باندھ لیا کمر کمر پانی تھا۔ تھوڑی دیر میں آسانی سے دریا پار ہو گئے۔ چودھری نے پار پہنچ کر کہا۔ اب تم سب بیٹھ جاؤ۔ آؤ گن لیں کہ کوئی آدمی ڈوبا تو نہیں۔ اس پر پھر سب نے چودھری کی عقل پر آفرین کی اور بیٹھ گئے۔ چودھری نے کھڑے ہو کر گننا شروع کیا۔ ایک دو تین چار پانچ چھ سات آٹھ نو۔ نو تک گن چکا تو اپنے کو گننا بھول گیا اور بولا۔ ہیں دسواں آدمی کہاں گیا۔ ہائے ڈوب گیا۔ اب میں گاؤں میں جا کر کیا منہ دکھاؤنگا۔ یہ کہکر چودھری نے اپنے سر پر دو ہتڑ مارا۔ اور لگا زار و قطار رونے۔ اس کو روتا دیکھ کر باقی آدمی بھی رونے پیٹنے لگے +

ایک ظریف بھی کھڑے ہوئے یہ تماشہ دیکھتے تھے۔ انہوں نے پوچھا ارے تم کیوں روتے ہو۔ سب ایک زبان بولے ہم میں سے ایک آدمی ڈوب گیا۔ دس تھے نو رہ گئے۔ ابھی چودھری نے گنا ہے اور ہم میں یہ سب سے زیادہ عقلمند ہے۔ ظریف نے قہقہہ لگایا اور کہا تمہاری تو وہی مثل ہے۔ کہ ایک لالہ گوڑ گانوے میں نوکر تھے اور ان کی بیوی دہلی میں رہتی تھی۔ ایک روز نائن جو گھر میں آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ بیوی نتھ اتارے بیٹھی ہے۔ شاید منہ دھونا چاہتی تھی۔ لیکن نتھ اتارنا بیوگی کی علامت ہے۔ وہ اُلٹے پاؤں گھر دوڑی آئی اور اپنے خاوند سے کہنے لگی۔ گلابو کے چاچا تجھے خبر بھی ہے۔ فلانے لالہ جو گوڑ گانوے میں نوکر ہیں ان کی بہو رانڈ ہو گئی۔ جا اسی وقت گوڑ گانوے دوڑ جا۔ نائی نے کُرتا پہنا اور لکڑی لے اُسی وقت گوڑ گانوے روانہ ہو گیا۔ بیں بائیس میل چیز ہی کیا ہوتے ہیں شام سے پہلے جا پہنچا۔ لالہ جی دفتر سے آکر بیٹھے ہی تھے۔ کہ نائی نے ان کے سامنے پہنچکر اپنے سر پر ایک دو ہتڑ مارا کہ لالہ یہاں کیا بیٹھے ہو۔ دہلی میں تمہاری بیوی رانڈ ہو گئی۔ یہ سنتے ہی لالہ جی نے اپنا سر پیٹنا اور رونا شروع کیا کہ ہائے میری بیوی رانڈ ہو گئی۔ ہائے میری بیوی رانڈ ہو گئی۔ محلے والے جمع ہو گئے کہ کیا غضب

کبھی آ گئے۔ کبھی پکارتے ہیں کبھی آواز دیتے ہیں۔ بڑا فکر دامنگیر ہوا کہ بیوی سچ کہتی تھی۔ آخر بچہ کھو گیا۔ چلو تھانے میں رپورٹ کرو۔ پاس ہی تھانہ تھا وہاں سے تھانہ دار نے ایک ڈھنڈورچی ساتھ کر دیا اور وہ ان کے ساتھ ڈھنڈورا پیٹتا چلا کہ اس شخص کا بچہ اس عمر اور اس رنگ و قد کا کھو گیا ہے۔ جو شخص پتا لگا دیگا اس کو انعام دیا جائیگا۔ گھنٹے بھر کے قریب بازار میں پھرتے پھراتے اپنے فرودگاہ کے قریب سے گزرتے تھے کہ خیال آیا۔ آؤ گھر پر بھی دیکھتے چلو۔ کہیں یہیں واپس نہ آگیا ہو۔ مکان میں گھسے تو چونکہ دروازہ نیچا تھا کندھے پر سوتے ہوئے بچے کا سر اس سے بجا اور وہ چیخ مار کر رویا۔ اس کا رونا تھا کہ میاں اقیونی کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ آپ نے ڈھنڈورچی کو ایک روپیہ انعام دیا اور اپنی عقل پر آفریں کی۔ کہ میں کیا ہی عقلمند آدمی ہوں۔ پہلے ہی ایسے انتظام کر لیا تھا کہ بچہ کھویا نہ جائے۔ بیوی کو بھی اپنی دانائی کی کہانی سناؤنگا۔ اس کہانی میں بھی تحصیل حاصل کی توضیح ہے۔ بچہ میاں اقیونی کے پاس موجود تھا۔ لیکن بھول سے وہ ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور سخت پریشان تھے۔ آخر تلاش کام آہی گئی +

۳۔ ایک اور کہانی اس سے بھی عجیب سناتا ہوں جو ویدانت کی تقریباً ہر ایک کتاب میں دی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک گاؤں سے دس آدمی کسی کام کے واسطے دوسرے گاؤں میں چلے۔ ان میں گاؤں کا چودھری بھی تھا۔ جن کا سب ادب کرتے تھے اور جسے سب نہایت دانا اور عقیل سمجھتے تھے۔ راستے میں ایک چوڑا نالا پڑتا تھا۔ جس میں کمر کمر پانی رہتا تھا۔ اس کے کنارے پہنچے تو چودھری نے کہا۔ بھائیو۔ پانی میں سے گزرنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دسوں میں سے کوئی ڈوب جائے۔ اور گاؤں میں مجھے منہ دکھانے کو جگہ نہ رہے۔ اس واسطے میں سر سے دوپٹہ اُتارتا ہوں سب کمر سے باندھ لو زنجیر میں جکڑ گئے تو کسی کے ڈوبنے کا احتمال ہی نہیں رہیگا۔ سب نے چودھری کی عقل پر آفریں کی اور

ہے۔ آتما گیان سروپ ہونے کی وجہ سے سدا مکت بے شک ہے لیکن سب بھولے ہوئے ہیں کہ ہم سروپ سے ہی مکت ہیں۔ اس واسطے ڈھونڈ ھتے پھرتے ہیں۔ یہ ڈھونڈھنا لاحاصل نہیں ہے۔ کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی تجربے سے ہمیں یاد آجائیگا کہ او ہو ہم تو سدا مکت ہیں۔ اس وقت یہ تلاش اور یہ سعی و کوشش ختم ہو جائیگی۔ لیکن جتنی کوشش بھول کی حالت میں ہے وہ سعی لاحاصل نہیں ہے ٭

۲۔ ایک اور کہانی بھی سننے کے لائق ہے۔ ایک مثل مشہور ہے۔ بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈورا۔ مجھے معلوم نہیں کہ اور مقاموں میں اس کی بابت کیا کہانی مشہور ہے۔ لیکن دہلی میں اس طرح سنتے چلے آتے ہیں۔ کہ ایک افیونی اپنے دوستوں کے ساتھ پھول والوں کی سیر میں گئے تھے۔ جس کا کچھ حال آپ کو شیام بہاری سنا چکے ہیں۔ یہ اپنے چھوٹے لڑکے کو بھی جس کی عمر تین چار سال کی ہو گی ساتھ لیتے گئے تھے۔ بیوی نے چلتے ہوئے سمجھا بجھا دیا تھا کہ بچے سے ہوشیار رہنا۔ تم ہو افیونی جنونی آدمی۔ کہیں ایسا نہ ہو بچہ کھو جائے اور میلے میں پریشان پھرتے رہو۔ خیر فرودگاہ پر پہنچکر انہوں نے بچے کے کپڑے بدلے۔ اپنے کپڑے بدلے اور افیم کا نشا چڑھا کہ حقہ گڑگڑانے لگے خیال آیا کہ پیچھے کے وقت بھیڑ بہت ہو گی۔ کہیں ایسا نہ ہو بچہ حقیقت میں گم ہو جائے۔ چلو اس وقت اچھیڑ میں بازار کی سیر کرا لاؤں۔ چنانچہ آپ اٹھے اور بچے کی انگلی پکڑ کر ہولے ہولے چلے۔ آگے کچھ خلقت کا ہجوم سا تھا۔ آپ نے ڈر کر بچے کو کندھے پر بٹھا لیا۔ کہ میرا سر پکڑے بیٹھا رہیگا۔ تو ہرگز گم نہیں ہو گا۔ بچہ گاڑی کے ہچکولوں سے راہ میں تھک گیا تھا۔ کندھے پر بیٹھا بیٹھا تھوڑی دیر میں سر پر منہ رکھ کر سو گیا۔ میاں افیونی اپنے ترنگ میں ہولے ہولے چلتے ہوئے جب نصف بازار تک پہنچے تو وہاں بھیڑ زیادہ تھی۔ آپ نے ہاتھ پکڑ کر بچے کو اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ لیکن بچہ انگلی پکڑے ساتھ نہ تھا۔ کبھی پیچھے دیکھتے ہیں

روپے کا مال ہوگا۔ ایک روز کا اتفاق ہے کہ نہانے سے پہلے ٹوپی اُتار کر کرسی پر رکھی اور حسب عادت گلے میں ہاتھ ڈالا کہ خلال کو ڈبی میں رکھ دوں۔ لیکن گلے میں خلال نہ تھا۔ خیال ہوا کہ شاید رات کو سوتے میں ڈوری ٹوٹ گئی۔ خلال بستر پر گر پڑا ہوگا۔ جب جا کر دیکھے وہاں نہ تھا۔ اتنے میں میرا پرانا ملازم مسٹر گنگا رام جو بیس برس سال سے ساتھ تھا اور ایک نہایت ہی وفادار نوکر تھا۔ بنئوں کے اچھی کٹی برابت کرتا آیا اور پوچھنے لگا۔ لالہ جی کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ میں نے کہا خلال نہیں ملتا۔ اس نے فوراً ٹوپی کی طرف نگاہ کی جو کرسی پر رکھی تھی۔ بعد میں مکان نشست میں آیا۔ ہم دونوں بہت دیر تک ہر ایک جگہ جہاں گرنے کا احتمال تھا ڈھونڈتے رہے لیکن خلال نہ ملا پر نہ ملا۔

میرا سب سے چھوٹا لڑکا راج نرائن جو گھر کا گلدستہ ہے اور ہر وقت آپ ہنستا اور سب کو ہنساتا رہتا ہے کھیلتا کھیلتا آنکلا۔ مسٹر نے اس سے پوچھا۔ کہ خلال تو نے تو اٹھا کر کہیں نہیں رکھا۔ بچے نے میری طرف نگاہ غور سے دیکھا اور ہنس کر کہا۔ خلال بتادوں تو کیا دو گے۔ میں سمجھا کہ شاید اس نے اٹھا کر کہیں رکھ دیا ہے۔ چنانچہ کہا۔ بھئی دو پیسے دے دینگے۔ کہنے لگا واہ سونے کا خلال اور اسکے واسطے دو پیسے۔ چاندی تو انعام میں دو۔ میں نے کہا چاندی کیسی کہنے لگا دوانی تو دو۔ میں نے منظور کر لیا۔ وہ ایک موڑھا اُٹھا کر لایا۔ اس پر کھڑے ہو کر اس نے میرے گلے میں ہاتھ ڈالا۔ اور خلال جو قمیض کے نیچے ہو گیا تھا نکال کر کہا۔ لاؤ میری دوانی۔ میں اور مسٹر دونوں ہنستے ہنستے لوٹ گئے۔ جس خلال کے واسطے ہم نے گھنٹہ بھر سے تمام گھر کو چھان مارا تھا۔ وہ گلے میں ہی موجود تھا۔ میں نے بچے کو پیار کر کے دوانی دی اور نہانے بیٹھا تو رہ رہ کر خیال آیا۔ کہ اس خلال کے گم ہونے اور پھر پا جانے سے ویدانت کا کیا ہی اہم مسئلہ حل ہوا

سے ویدانت کے سر پر یہ تہمت رکھتا ہے۔ کہ جب موکش میں تمام سعی فضول شے ہے۔ تو وید۔ شاستر اور گورو وغیرہ سب بے فائدہ محض ہیں اور آدمی کو کچھ کرنا کرانا نہیں ہے۔ پس جو حال ناستکوں کا ہے وہی ویدانتیوں کا ہے۔ اِس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ موکش بے شک تحصیل حاصل ہے یعنی گو جیو سبھاؤ سے مکت ہے تو بھی اُسے موکش میں سعی کرنی پڑتی ہے۔ تحصیل حاصل کے معنی محاورے میں فضول شے کے پڑے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہ فضول شے نہیں ہے بلکہ کام کی چیز ہے اور اس کا تجربہ ہر شخص کو روزمرہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی کی توضیح میں مَیں آپ کو کچھ چھوٹی چھوٹی کہانیاں سناتا ہوں ÷

ا۔ ایک روز ایک مکان میں ہم پانچ سات دوست بیٹھے شاستر کے دقیق مسائل پر بحث کر رہے تھے۔ اور سوالوں کے ضمن میں موکش کا سوال بھی اُٹھا اور یہ بحث درمیان میں آئی کہ موکش پراپت کی پراپتی ہے۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ جو چیز پہلے ہی حاصل ہے اس میں کوشش و سعی لاحاصل ہے۔ پس ویدانت شاستر کی موکش کے بارے میں تمام کوشش بے سود ہے اور یہ ایسا شاستر ہے کہ اپنے منہ سے اپنا کھنڈن آپ کرتا ہے۔ ایک طرف آتما کو گیان سروپ اور سدا مکت مانتا ہے۔ دوسری طرف موکش کی تجاویز بتاتا ہے۔ یہ تناقض رفع ہو تو کیونکر ہو۔ اس مجمع احباب میں حضرت مہر بھی تشریف فرما تھے۔ اعتراض کو سُن کر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسے۔ ہم نے پوچھا کہ اس طرح ہنسنے کا کیا باعث ہے۔ بولے یہی اعتراض میری طبیعت میں بھی اُٹھا تھا۔ لیکن اس خوبی سے رفع ہو گیا۔ کہ سُن کر تم بھی ہنسو گے +

میری برسوں سے عادت ہے۔ کہ سونے کا ایک خلال سیاہ ڈوری میں بندھا ہوا گلے میں پڑا رہتا ہے۔ جس وقت اشنان کیا کرتا ہوں اس کو اتار کر ٹوپی میں رکھ دیا کرتا ہوں اور اشنان کے بعد پھر گلے میں ڈال لیا کرتا ہوں۔ یہ کوئی بیش بہا جڑاؤ زیور نہیں ہے۔ ہاں پندرہ سولہ

جلدی اور گھبراہٹ کو پاس نہیں پھٹکنے دینا چاہیئے۔ وقت پر کپھل ملیگا اور ضرور ملیگا +

باب ہفتم ۔ موکش یا نجات

اڑتیسویں سادھو کی کہانی

موکش اور پراپت پراپتی یعنی تحصیل حاصل

تو وہ ہے کہ محض نور ہے ذات تری
و وہ ہے محیط کل ہیں برکات تری
کانوں میں ہر اک طرف سے آتی ہے صدا
کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات تری

گہوارۂ بندار میں کیوں جھولا ہے
غفلت پہ تعجب ہے کہ یوں بھولا ہے
نوری ہو کر بنا ہے خاکی تو مہر
کیا بھولا ہے کیا بھولا ہے کیا بھولا ہے

ایک مہاتما جن کا نام پرم ہنس تھا۔ بولے۔ مہاراج! جب شاستر۔ مہاتماؤں کا انوبھو اور دلائل فلسفہ تینوں ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہیں کہ وجود صرف ایک ذات احد کا ہے جو گیان سروپ ہے۔ تو اس کا قدرتاً نتیجہ یہ ہے۔ کہ بندھ تمام وہمیہ ہے۔ آتما سدا شُدّھ اور مکت ہے۔ اس صورت میں موکش فقط پراپت پراپتی یعنی تحصیل حاصل رہ گئی ہے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ موکش ہر وقت حاصل ہے اور اس کی تحصیل سعئے لاحاصل ہے۔ جس کوشش کا نتیجہ کچھ نہیں ہوتا اس میں ارباب عقل و کیاست کبھی ہمّت صرف نہیں کیا کرتے۔ معترض اپنے ذہن میں اس اعتراض کو بڑا بھاری مانتا ہے اور اس

اودرن یعنی حجاب۔ یہ گیان کے انتہائی درجے پر چڑھ کر رفع ہوتا ہے +
چونکہ گیان پر ہی یہاں اب تک بحث ہوئی ہے اور آیندہ بھی ہوگی اس واسطے از سر نو تمام مسائل کو اٹھا کر اُن کی توضیح وتشریح ضروری نہیں ہے۔ اتنا خیال رہے کہ تمام پڑھنا پڑھانا اور بحث مباحثہ ایک غرض خاص رکھتا ہے۔ یعنی اس کے ذریعے سے آدمی گیان کے درجے پر چڑھ جائے۔ جہاں پڑھنے اور بحث کرنے کا نتیجہ سوائے اظہار لیاقت کے اور کچھ نہیں وہ گیان کچھ پھل نہیں دیا کرتا۔ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اور تعصّب کو خاطر سے نکال کر شاستر کی تحصیل کرنی چاہیئے۔ اور مدعا یہ پیش نظر ہونا چاہیئے کہ جس طرح چاول کی خواہش والا دھان کوٹ کر بھوسا باہر نکال کر پھینک دیا کرتا ہے۔ اسی طرح شاستر کا نفس مطلب اخذ کر کے اور اس کو اپنی ذات میں محسوس کر کے ہم کتابوں کو طاق پر رکھ دینگے۔ جو شخص کتابوں ہی میں عمریں ضائع کر دیتے ہیں اور شاستر کے گڑھے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ان کے پلّے کیا خاک پڑتا ہے +

اس طرح کرم۔ یوگ۔ بھگتی اور گیان آدمی کے وہمیہ بندھ دور کرنے میں اسی طرح کارآمد ہیں۔ جس طرح راجہ جیپال کے محض وہمیہ زخم کی تکلیف رفع کرنے میں وہمیہ جرّاح اور اس کے وہمیہ علاج کی ضرورت تھی۔ چاروں کا مقصد ایک ہے۔ یعنی انسان کو خودی کے تنگ دائرے سے نکالنا۔ اس کے من کو شدّھ یعنی سروپ انوبھو کے لائق بنانا۔ اور آخر میں یہ ذہن نشین کر دینا کہ وہ سچّدانند برہم سروپ ہے۔ یعنی سدا مکت ہے۔ اب چونکہ بندھ کا مضمون ختم ہو گیا ہے۔ اور اس بندھ کے دور کرنے کے ذرایعے بھی بتائے جا چکے ہیں۔ کوئی مہاتما موکش پر کہانی شروع کرو۔ لیکن بیشتر اس کے کہ میں اپنا بیان ختم کروں اتنا کہنا اور چاہتا ہوں کہ کرم۔ یوگ۔ بھگتی یا گیان جو راستہ آدمی نے اختیار کیا ہے۔ صبر اور استقلال سے اس پر چلا چلے۔

میرے تو آپ ہی ایک سوامی ہیں اور آپ کیسے ہیں کہ بچاروں کے رفیق اور گھٹ گھٹ میں رہنے والے ہیں۔ دھرم اور منی کا اس شخص کو ابد بنی ہونا چاہئے۔ جیسے شہرت ۔ دولت اور انجام نیک پیارا ہے۔ کہا اے کرپا کے سمندر جس شخص کو من ۔ کرم اور بچن سے آپ کے قدموں میں محبت ہے ۔ وہ آپ کے چھوڑ دینے کے لائق ہے۔ مہاراج رام چندر جی نے اپنے سگ بھائی کے میٹھے اور اچھے بچن سن کر اور انہیں محبت کے باعث خوف زدہ سمجھکر گلے سے لگا لیا اور کہنے لگے ۔

یہ بھگتی کا اعلےٰ ائڈیل ہے جس میں سب رشتے توڑ کر اور ہر ایک چیز سے منہ موڑ کر ایک ایشور سے رشتہ جوڑا جاتا ہے۔ اور اس طرح آدمی خودی اور خود غرضی کے بند سے نکل کر واصل بخدا ہوتا ہے۔ یہی ویدانتی کا ائڈیل ہے اور یہی صوفی کی معراج ہے ٭

۴ - گیان

جو تینوں سادھن اوپر بیان ہوئے وہ ویدانت میں بالواسطہ کارآمد ہیں۔ گیان بذات خاص یعنی بلاواسطہ ویدانت کا سہکاری یعنی معاون و مددگار ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ابتدائی مرحلوں میں آدمی شاستر پڑھے اور بحث مباحثے کے ذریعے اور وسیلے سے اس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ کہ وجود صرف ایک ہے اور کثرت کی نیرنگی اسی ایک وجود میں اس طرح جلوہ گر ہے۔ جس طرح خواب بیں کی نظر کے سامنے خواب کا نقشہ ہوتا ہے۔ اور انتہائی مرحلوں میں اس وحدت وجود کو اپنی ذات میں انوبھو یا محسوس کرے ۔ کتابوں اور بحث و مباحثے کا فائدہ صرف اتنا ہے جتنا کرم ۔ یوگ اور بھگتی کا۔ یہ چاروں زینے ہیں وہ بام نہیں جس پر چڑھنا ہے ۔ من میں تین طرح کے نقص ہوتے ہیں۔ اول مل یعنی کدورت جو نشکام کرم سے رفع ہوتی ہے۔ دوسرے وکشیپ یعنی انتشار جو اپاسنا سے دور ہوتا ہے اور اس اپاسنا میں ہی یوگ ۔ بھگتی اور شاستر بچار کے مختلف مرحلے داخل ہیں۔ تیسرے

س سے بڑھ کر بھگتی کا آئیڈیل یعنی آدرش یا معراج کہیں نہیں دیکھا۔

کہتے ہیں ÷

اُتر نہ آوت پریم بش گہے چرن اکلاے
ناتھ سوامی تم داس ہیں تجھو تو کہا بساے

دینھی موہے سِکھ نیک گُسائیں
نرور دھیر دھرم دُھر دھاری
میں سِشو پربھو سینہ پرتی پالا
گورو پِتو مات نہ جانوں کاہو
جہاں لگ جگت سینہ سگائی
مورے سب ہی ایک تم سوامی
دھرم نیتی اُپدیشئے تاہی
من کرم بچن چرن رتی ہوئی

لگت اگم اپنی کدرائیں
نگم نیتی کے نتے ادھکاری
مندر میرو کی لئن مرالا
کہوں سوبھاو ناتھ پتیا ہو
پریتی پرتیت نگم نج گائی
دین بندھو پربھو انتریامی
کیرتی بھوتی سوگتی پریہ جاہی
کرپا سندھو پری ہرئے کی ہوئی

کرونا بندھو سو بندھو کے سُن مردو بچن بنیت
سمجھائے اُرلائے پربھو جان سنیہ سبھیت

ترجمہ۔ لکشمن جی کو محبت کے باعث جواب نہیں بن آتا۔ قدم پکڑے
بیتاب ہیں اور کہتے ہیں کہ ہے ناتھ۔ آپ سوامی ہیں اور میں داس ہوں۔
مجھے چھوڑتے ہو تو میری کیا پیش رفت جا سکتی ہے۔ مہاراج۔ مجھے
آپ نے بہت اچھا اُپدیش دیا ہے۔ لیکن اپنی کم حوصلگی سے ناقابل
عملدرآمد معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص نیتی اور دھرم پر چلنے والے ہیں۔
وہی دید کی نیتی یعنی مواعظ حسنہ کے مستحق ہیں۔ میں بچہ ہوں اور
آپ کی محبت میں پرورش پائی ہے۔ بھلا کہیں ہنسوں سے مندراچل
اور میرو جیسے پہاڑ اُٹھائے جا سکتے ہیں۔ ہے ناتھ۔ میں اپنے من
کی بات آپ سے کہتا ہوں۔ آپ اس کا اعتبار کریں۔ کہ میں گورو۔
ماں۔ باپ کسی کو نہیں جانتا۔ جہاں تک دنیا میں محبت اور یگانگت
کا رشتہ ہے۔ اور جتنا اظہار الفت وید میں بیان ہوا ہے۔ سب طرح

کے سمبندھ سے چونکہ جگت اپنے سے علیحدہ چیز مانی ہوئی ہے اسواسطے اہنکرہ اپاسنا یعنی ہر ایک چیز میں ہی ہوں سخت دِقت طلب اپاسنا ہے۔ ہاں سب کچھ ایشور ہے آسانی سے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شری بھگوان نے گیتا کے بارھویں ادھیائے میں کہا ہے کہ اویکت یعنی ذات غیر مشہود کی اپاسنا جس میں سب جگہ یکساں نظر سے کام لینا پڑتا ہے۔ انسان کے واسطے کٹھن چیز ہے۔ ہاں جو لوگ میری شرن آتے ہیں ان کو میں سنسار ساگر سے نہایت آسانی سے تار دیتا ہوں +

دونو طرح کی اپاسناؤں کا فائدہ ایک ہے۔ یعنی آدمی خودی کے بندھ سے نکلے اور ذات احد پر پہنچ جائے۔ بھگتی کا آدرش یا معراج وہ ہونی چاہیئے جو تلسی داس مہاراج نے اپنی بے بہا کتاب رامائن میں اپنی نظر کے سامنے رکھی ہے یعنی جڑ چیتن سب جگت کو اس درشٹی سے دیکھ کر نمسکار کرتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہے وہ رام روپ ہے۔ سادھو یہ کتاب بھگتی رس کا سمندر ہے۔ اور اس میں جگہ جگہ ایسے مقامات آتے ہیں کہ پڑھ پڑھ کر دل لوٹ جاتا ہے۔ میں ویدانتی ہوں اور وحدت وجود کا ماننے والا ہوں۔ لیکن میرا یہ حال ہے کہ اس کتاب کے جہاں دو صفحے پڑھے اور آنکھوں سے پریم جل اُمڈا۔ مجھے اسے پڑھ کر بالکل یہ محسوس ہوا کرتا ہے کہ میں اپنے سے اعلےٰ چیز ہوں اور جس دنیا میں اس وقت بیٹھا ہوں۔ وہ دنیا بہت اعلےٰ اور افضل ہے۔ رامائن میں یوں تو جس شخص کا ذکر آیا ہے وہ بھگتی میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن سری لکشمن جتی بھگتی کی جیتی جاگتی مورت ہیں۔ جہاں باتیں کرتے ہیں۔ ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ جس وقت رام چندر جی مہاراج بن باس کو چلنے لگے ہیں تو لکشمن جی کو یہ اپدیش کیا تھا کہ میں ماتا پتا کی آگیا پالن کے واسطے بن میں جاتا ہوں۔ تم اودھ میں ٹھیرو اور وید کی نیتی یعنی اصول تمدن کے مطابق سلطنت کے کاروبار سنبھالو۔ اس پر لکشمن کی جو حالت اور بچن تلسی داس جی لکھتے ہیں۔ وہ شاعری میں ترقی کا کمال ہے۔ میں تم

آ دجاتی ہے اسی طرح جہاں دکھاوے یا چڑھاوے کی بھگتی ہے - وہاں سود و بہبود کی صورت نظر نہیں آتی - ہندوستان میں بھگتی کے مسئلے کی کی جس طرح توضیح اور اس پر عملدرآمد ہوا ہے دنیا کے کسی ملک میں نہیں ہؤا - یہاں ایسے ایسے بھگت جن ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں - کہ ان کی زندگی دنیا کے واسطے نمونہ ہے - بھگتی پر نہایت ہی اعلےٰ درجہ کا لٹریچر ملتا ہے - اور جگہ جگہ یہ مندر کیا کھڑے ہیں - ایشور کی بھگتی کی مختلف صورتوں کے گھر ہیں - لیکن اس میں کسی طرح کا شک بھی نہیں ہے - کہ جہاں ایک طرف بھگتی اس اعلےٰ صورت میں ملتی ہے - اسی طرح دوسری طرف اس نے وہ کریہ صورت اختیار کی ہے کہ دیکھ دیکھ کر نفرت پیدا ہوتی ہے - اور کیا یہ پجاری جو بھگتی کے اپدیشک اور کیا مندر جو بھگتی کے گھر ہونے چاہئیں - دونوا یسے گرے ہوئے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا +

بھگتی کا چڑھاوے یا دکھاوے سے مطلق تعلق نہیں ہے بھگتی صدق نیت اور خلوص طبیعت کے ساتھ ہوتی ہے - اور اس میں بھگت تن من دھن سے ایشور کا آدھین ہو جاتا ہے - خودی اور خود غرضی کے تنگ دائرے سے نکلتا ہے اور خدا کو ہر جگہ اور ہر صورت میں حاضر و ناظر سمجھ کر اپنی خودی کو اس میں محو کر دیتا ہے - یہی بھگتی کا فائدہ ہے اور یہی بھگتی کا مطلب ہے - لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ ویدانت جیو اور برہم کی ایکتا کی تعلیم دیتا ہے - اس میں بھگتی کا کیا دخل - میں کہتا ہوں کہ اصلی بھگتی اگر ڈھونڈھو تو صرف ویدانتیوں میں ملیگی - باقی کہلانے کی بھگتی اور دکھاوے کا ڈھکوسلا ہے - ویدانت وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے - واہمۂ کثرت میں وحدت پر پہنچنے کے دو ہی طریق ہو سکتے ہیں - ایک یہ کہ آدمی جڑ چیتن سب جگت کو اپنی ذات کی نگاہ سے دیکھے یہ اہنگرہ اپاسنا کہلاتی ہے - دوسرے سب کو ایشور روپ سے دیکھے یہ پرتیک اپاسنا کہلاتی ہے - جنم جنمانتر کے مایا

اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کرم اس وقت بندھن کا باعث ہوتا ہے جب اس میں ناموری و شہرت۔ خودی اور خود غرضی اور پھل یا نتیجے کی خواہش دخل پاتی ہے۔ اسی طرح خودی اور خود غرضی سے یوگ کے ابھیاسوں کا مطلب اور فائدہ سب خاک میں مل جاتا ہے۔ اور وہ بجائے اس کے کہ آدمی کو کسی درجے پر پہنچائیں اُلٹے بندھن کا باعث ہو جاتے ہیں ؞

یوگ کو گیان میں کار آمد بنانے کے واسطے ایک اور بات بھی نہایت ضروری ہے۔ کچھ عرصے کی مزاولت سے ابھیاسی کا دھیان جمنے لگتا ہے۔ لیکن صرف یہی کافی نہیں ہے کہ صبح شام دس یا پانچ منٹ کے واسطے جوگی جی کوٹھڑی میں جا بیٹھے اور جس طرح افیونی افیون کا انٹا چڑھا کر کچھ عرصے کے لئے نشے کی خاص کیفیت بہم پہنچا لیتا ہے۔ اسی طرح اُنھوں نے کہلانے والی سمادھی کا آنند لے لیا اور بعد میں وہی معمولی آدمی بن گئے۔ بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ سوتے جاگتے چلتے پھرتے۔ کھاتے پیتے آدمی کھلی سمادھی سے بہرہ ور رہے۔ یعنی کائنات اس کو خواب نظر آئے اور اپنی ذات کو درشٹا روپ سے دیکھے۔ میری نظر میں اس وقت ابھیاسوں کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جن کا حال بالکل افیون کے انٹا چڑھانے والوں کا سا تھا۔ اُنہیں اس قسم کے ابھیاس سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا اور آخر کھلی سمادھی بہم پہنچانے کی غرض سے اُنھوں نے یوگ واشسٹ کو پڑھنا شروع کیا۔ جس کی تعلیم ہی یہ ہے۔ کہ تم درشٹا ہو اور جو جگت تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہ اسی طرح درشیہ یعنی منظر دیدنی ہے۔ جس طرح خواب کا نقشہ نگاہِ بینا کے سامنے ہوتا ہے ؞

۳۔ بھگتی یا عشق الٰہی

جس طرح غرض کے درمیان میں آنے سے کرم بندھن کا باعث ہوتا ہے اور جس طرح سدّھیوں کے فراق میں یوگ کی اصلی غرض مفقود

صرف اتنا یاد رکھنا چاہئے۔ کہ پہلے وہ سادھن یعنی یم اور نیم اخلاقی تادیب ہیں داخل ہیں۔ جن کی بڑی بھاری ضرورت ہے۔ آسن اور پرانایا کا جسم اور نفس دونوں کے انضباط سے تعلق ہے۔ پرتیاہار جس میں اندریوں کو شئے سے روک کر من کی صورت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اصلی یوگ کا پہلا قدم ہے۔ اور سنیم یعنی دھارنا۔ دھیان اور سمادھی تینوں چت کے روکنے کے یعنی یوگ کے خاص سادھن ہیں۔ غرض یوگ میں جو ریاضتیں یا ابھیاس کئے جاتے ہیں۔ سب کی علّت غائی یہ ہے۔ کہ برتیان جن کا پھیلاؤ چاروں طرف رہتا ہے اور اس پھیلاؤ سے دُکھ پیدا ہوتا ہے سمٹ کر ایک مرکز پر قائم ہو جائیں۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کثرت رفع ہو کر وحدت کا نور جلوہ افگن ہو۔ کثرت میں تکلیف ہے وحدت نور اور سرور ہے۔ پس یوگ کا گیان سے برودھ یعنی مخالف نہیں ہے۔ بلکہ یوگ سے سمجھ کر کام لیا جائے تو گیان مارگ میں نہایت مفید ثابت ہوتا ہے ✣

اس بات کو بھی ہمیشہ خیال میں رکھنا چاہئے۔ ابھیاسی یوگ شروع کرتا ہے تو خاص مزاولتوں سے خاص قوے ترقی پا کر خاص شکتیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جنہیں سدھیان کہتے ہیں۔ یہ سدھیان ترقی کی راہ میں سخت رکاوٹیں ہیں لہذا ان سے بچنا چاہئے۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ اپنی ذات میں اوروں سے زیادہ شکتی محسوس کرتا ہے تو اوّل تو اس کو غرور پیدا ہوتا ہے دوسرے اس شکتی کی مدد سے جو تماشے وہ اوروں سے زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ اُن پر توجہ کرنے لگتا ہے اور ایسا محو ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے اس کی ترقی رُک جاتی ہے۔ انہیں تماشوں اور انہیں سدّھیوں کا باعث ہے کہ گیان کی بجائے آدمی لوگ کے زیادہ شائق پائے جاتے ہیں۔ بے شمار پنتھ پنتھائی ملتے ہیں جو خاص خاص قسم کی ریاضتیں کرتے ہیں اور ان سے خاص سدّھیاں حاصل کر کے اپنے ذہن میں سمجھ لیتے ہیں کہ ہمیں اب کچھ کرنا نہیں رہا

کے ساتھ عمر بسر ہوتی ہے۔ کیسی طبیعت میں صفائی آتی جاتی ہے۔ اور کیسی آسانی سے تم گیان کے زینے پر چڑھتے جاتے ہو ✦

۲۔ یوگ

اب یوگ کو لو اور دیکھو کہ گیان سے یوگ کو کیا علاقہ ہے۔ یوگ کی تعریف اور غرض بھگوان پتنجلی نے اپنے لاجواب درشن کے پہلے دو سوتروں میں دی ہے۔ یوگ کیفیات نفس یعنی چت کے برتیوں کے روکنے کا نام ہے اور اس روکنے سے ناظر کا قیام اپنی ماہیت ذاتی میں ہوتا ہے یعنی وہ سروپ آنند میں مگن ہو جاتا ہے۔ یہ یوگ کا آدرش یعنی معراج ہے۔ باقی جو اشٹانگ یعنی آٹھ حصے بتائے گئے ہیں وہ اس غرض کی تکمیل کے ذریعے اور وسیلے ہیں ✦

میرے دوستو! دنیا میں جو دکھ یا تکلیف نظر آتی ہے نگاہ غائر سے اس کے باعث کو ڈھونڈھنا شروع کرو تو یہی معلوم ہوگا۔ کہ ہمارے من کی برتیوں کا پھیلاؤ تمام تکالیف کی جڑ ہے۔ من ہے کہ چنچل بندر کی طرح ابھی یہاں دوڑتا پھرتا ہے ابھی وہاں۔ ایک حالت پر کبھی قیام نہیں کرتا۔ سیٹھ لکھپت رائے کی کہانی میں اس بات کی بخوبی توضیح ہو چکی ہے۔ کہ انسان جتنے تعلقات بڑھاتا جاتا ہے اتنی ہی وابستگئے دنیا کی زنجیر میں کڑیاں بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اس پھیلاؤ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی تکالیف بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ خودی اور خود غرضی کا پھیلاؤ ہے۔ محبت اور فیض رسانی کا پھیلاؤ نہیں ہے۔ پس اگر ان تکالیف سے رہائی درکار ہے تو اس پھیلاؤ کو روکنا لازم ہے اور اس طرح کہ من چاروں طرف دوڑنے کی بجائے ایک مرکز پر قائم رہے۔ اس کا طریقہ وہی ہے۔ جو بھگوان پتنجلی اپنے سوتروں میں بیان کرتے ہیں۔ یعنی وہ اشٹانگ یوگ کا ابھیاس کرے ✦

یوگ کے آٹھوں انگوں کی توضیح ایک مہاتما پہلے ہی ایک کہانی میں کر چکے ہیں۔ اس واسطے میں اس مضمون کو دوبارہ نہیں اٹھانا چاہتا۔

خودی نقاب کا پردہ ہے بہر عارض یار ۔۔۔ اسے ہٹاؤ تو ہوتا ہے اب تمہیں دیدار
خودی حجاب ہے دلدار اس سے ہے محجوب ۔۔۔ خودی کی آڑ میں پردہ نشین ہے محبوب
خودی ہے عالم امکان کی ہستی اور سیر ۔۔۔ خودی رقیب ہے لے بوالہوس خودی ہے غیر
خودی سے بام طریقت نظر نہیں آتا ۔۔۔ خودی سے نور حقیقت نظر نہیں آتا
خودی تناسخ و آواگون کا چکر ہے ۔۔۔ خودی ہے موت نہیں موت چیز دیگر ہے
خودی کے بند سے نکلو تو زندگانی ہے ۔۔۔ خودی گئی تو سمجھ لو کہ شادمانی ہے
جو زندگی تمہیں درکار ہے خودی چھوڑو ۔۔۔ یہ چھوڑنے ہی کے لائق ہے اور بری چھوڑو

اس واسطے کرم کرو مگر نتیجے کی خواہش سے نہیں۔ بلکہ کام کو کام اور فرض کو فرض سمجھ کر انجام دو۔ نہ دل میں رغبت کو دخل ہو نہ نفرت کو۔ کرم کرو مگر پھل کا خیال طبیعت میں راہ نہ پائے۔ اس طرح کرم بندھن کا باعث نہ ہوگا۔ بلکہ جس طرح قوائے قدرت کے کام ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمہارے ہونگے۔

جس طرح خودی اور پھل کی خواہش سے انسان کا دل سکڑتا ہے اسی طرح خودی اور پھل کی خواہش کو چھوڑ کر جو کرم اوروں کی فیض رسانی اور فائدے کے واسطے کیا جاتا ہے اس سے دل میں وسعت آتی ہے۔ انسان غرض کے تنگ دائرے سے نکل کر پھیلتا ہے اور جسم خاکی کے حدود دائرے سے محدود نہ ہو کر دور دور محیط ہو جاتا ہے۔ یہ وسعت پایہ وسیع خیالی گیان کے طریق کے واسطے اس کو تیار کرتی ہے۔ وہ محدود نہیں رہتا بلکہ غیر محدود بننے کی کوشش کرتا ہے جو آتما کا خاصہ ہے۔ پس تمہارا جو کام ہو اس میں یہی نہیں کہ اپنی غرض نہ ہو۔ بلکہ سب کا فائدہ اور فیض رسانی مدنظر ہو۔ بھگوان نے گیتا میں کہا ہے کہ اس دنیا میں کرم اگر یگیہ یعنی پراوپکار کے لئے نہیں ہے تو وہ بندھ کا باعث ہے۔ پس پراوپکار کے واسطے کرم کرنا سیکھو جس میں اپنے فائدے اور غرض کو دخل نہ ہو۔ ایسا کرم تمہیں گیان کی راہ میں چلائیگا۔ یہ نشکام کرم گیان کا پہلا قدم ہے۔

جس طرح درخت۔ دریا۔ ہوا۔ سورج اور چاند وغیرہ محض فیض رسانی کے لئے خلائق میں سرگرم رہتے ہیں۔ تم بھی اسی طرح کرم کرو اور دیکھو کیسی خوشی

زبان یا من سے جو کرم کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ یہی پانچ اس کے باعث ہؤا کرتے ہیں۔ لیکن کیسا اندھیر ہے کہ انہیں تو کوئی باعث سمجھتا نہیں۔ جو کہتا ہے یہی کہتا ہے کہ میں کرتا ہوں مَیں کرتا۔ حالانکہ "میں" جس کا اصلی اطلاق آتما پر ہے کبھی کرتا ہو نہیں سکتا۔ پس کام نہ کرنے والا آتما محض وہم سے کام کے بندھ میں پھنسا ہؤا ہے۔ اس وہم کو چھوڑنا چاہیئے۔ مگر کس طرح اپنی ماہیت ذاتی سمجھ کر کہ ہم کبھی کرتا ہو نہیں سکتے۔ اور کرم بندھن میں پھنس ہی نہیں سکتے۔ کرم پرکرتی کے گنوں میں ہوتا ہے آتما کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ اسی واسطے گیانی کبھی کرم بندھن میں نہیں پھنستا۔ وہ ہرایک کام کرتا ہوا بھی اپنے آپ کو اکرتا دیکھتا ہے ؎

یہ تجویز گیانی کے واسطے آسان ہے۔ لیکن سب کے واسطے آسان نہیں ہے۔ سب کے واسطے مہاراج اور آسان طریقہ بتاتے ہیں۔ کرم بندھن کا باعث اس واسطے ہے۔ کہ اس میں خودی اور انانیت کا دخل ہے۔ میں نے یہ کرم کیا ہے۔ اس سے میری یہ غرض ہے اور اس کا مجھے یہ پھل ملنا چاہیئے۔ یہ پھل کی خواہش ہی بندھ پیدا کرتی ہے۔ اس میں انسان سکڑ کر ایک تنگ دائرے میں محدود ہوتا ہے۔ اور جتنا یہ دائرہ زیادہ تنگ ہوتا جاتا ہے یعنی جتنا خودی کا خیال زیادہ طاقتور ہو کر پھل کی خواہش زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اتنا ہی وہ بندھ کی زنجیر کو اور بھی سخت بناتا جاتا ہے۔ خودی بُری چیز ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے ؎

اشعار

خودی ہے موت خودی زحمت اور کلفت ہے
خودی ہی باعث اندوہ و رنج و زحمت ہے

خودی کی سل پہ گرے اور چور چور ہوئے
خودی میں آ کے پھنسے اور خدا سے دور ہوئے

خودی کا نام ہے شیطان کال اور مایا
خودی کو کہتے ہیں جنجال جال اور چھایا

خودی میں واہمۂ نفس کی ہے رعنائی
خودی دوئی کا ہے گھر بیخودی ہے یکتائی

خودی رہی تو خدا سے جدا شمار ہوئے
خودی گئی تو خدائی سے ہمکنار ہوئے

پس کرم ایک ناشوان چیز ہے۔ موکش کرم سے پیدا ہو گی۔ تو اس کو بھی ناشوان ہی ماننا پڑیگا۔ جیسے کرم کا بڑا بھاری حامی یعنی میمانسک مانتا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی زمانۂ حال میں بہتیرے لوگ ماننے لگے ہیں۔ جنہیں نہ شاستر کی واقفیت ہے نہ دلیل عقلی کے سامنے ٹھیر سکتے ہیں۔ موکش اگر ناشواں چیز ہے یعنی برس دو برس یا پانچ دس ہزار برس تک رہتی ہے۔ تو داناؤں کی خواہش کرنے کے لائق شئے نہیں۔ کیونکہ اننت کال میں دس ہزار برس آدمی کی عمر کے لمحہ بھر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ ایسی موکش کو لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موکش کو ناشواں چیز ماننے والے مہاتما سورگ میں دس پانچ ہزار برس رہنے کو حالت نجات سمجھے ہوئے ہیں اور بس۔ اس عقل پر آفریں ہے غرض کرم کو جس پہلوے نظر سے دیکھئے بندھن کا باعث اور موکش میں خلل انداز معلوم ہوتا ہے۔ پھر تماشہ یہ ہے۔ کہ کرم انسان کی جان کے ساتھ لگا ہؤا ہے۔ لمحہ بھر بھی انسان بغیر کرم کے نہیں رہ سکتا۔ گیانی ہو یا دھیانی ہو۔ جوگی ہو یا جتی ہو۔ سنیاسی ہو یا گرہستی ہو۔ وہ کون شخص ہے جو کرم کے دائرے سے باہر نکل سکتا ہے۔ حوائج ضروری سب کے ساتھ ہیں۔ بھوک پیاس سب کو لگتی ہے۔ بیماری تندرستی سے کون خالی ہے۔ اس طرح جب کرم کا جال چاروں طرف بچھا ہؤا ہے۔ تو کیونکر کسی کو اس سے مخلصی ممکن ہے۔ پھر کیا سبیل کی جائے۔ کہ کرم بندھن کا باعث نہ بنے بلکہ موکش کے طریق میں کارآمد ثابت ہو*

یہ سبیل شری کرشن بھگوان گیتا میں بتاتے ہیں۔ کرم بندھن کا باعث اس وجہ سے ہے کہ گیان سروپ آتما اکرتا ہو کر بھی اپنے آپ کو کرتا مانتا ہے۔ جہاں جہاں آدمی میں کرم دیکھا جاتا ہے وہاں پانچ چیزیں ضرور ملتی ہیں یعنی ادھشٹھان یا جسم کرتا یا اہنکار۔ کرن یا اندریہ وغیرہ طرح طرح کی چیشٹھا یا حرکت اور دیو یعنی قوائے قدرت کا مددگار ہونا۔ جسم

ہیں سہایک ہیں۔ اسواسطے ویدانت کسی کو نظرانداز نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک سے مدد لے کر اپنے معراج کو پہنچا چاہتا ہے +

یہ ظاہر ہے کہ چاروں طریق محض وہمیہ ہیں۔ کیونکہ وجود صرف ایک ذات احد کا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے سب مایا میں داخل ہے۔ لیکن جس طرح راجہ جیپال کو خواب میں وہمیہ زخم کی تکلیف ہوئی۔ اور وہ وہمیہ جرّاح کے وہمیہ روپیہ دینے اور وہمیہ علاج کرنے سے رفع ہوئی۔ اسی طرح وہمیہ بندھ کے خیال دور کرنے کے واسطے وہمیہ کرم کرنے پڑتے ہیں۔ وہمیہ ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ وہمیہ بھگتی لازم ہے۔ اور وہمیہ شاستر کا بچار مناسب ہے۔ چاروں طریقوں کو میں لیتا جاتا ہوں اور دیکھتا جاتا ہوں کہ ایک ایک کس طرح اصلی گیان میں سہائک ہے اور ایک ایک کا کیا کیا فائدہ ہے +

ا۔ کرم یعنی اعمال

کرم یا اعمال کو بندھ کا باعث خیال کیا جاتا ہے۔ یہ حق بجانب ہے، کیونکہ اعمال کے ساتھ اُن کے نتائج وابستہ ہیں۔ اگر اعمال اچھّے ہیں ان کا اچھّا نتیجہ ملتا ہے اگر بُرے ہیں بُرا۔ غرض کرم ایک زنجیر ہے۔ بعض کے واسطے سونے کی بعض کے واسطے لوہے کی۔ یہی تناسخ کا باعث ہے اور یہی دنیا میں دلبستگی کا۔ اسواسطے کرم بادی النظر میں گیان کا برودھی یا متضاد ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی کرم موکش میں کارآمد نہیں ہوسکتا۔ کرم کے جو نتائج ہیں۔ انہیں بقاے دوام کا امکان نہیں۔ جیسے اس دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک عمل کا نتیجہ براے چندے ہی ہوتا ہے ہمیشہ قایم و ثابت نہیں رہتا۔ اسی طرح قیاس چاہتا ہے۔ کہ پرلوک میں بھی کرم کا پھل خاتمہ پذیر ہوتا ہے اور آدمی اونچے لوگوں سے دھکّے دیکر نکال دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سُرتی بھگوتی کہتی ہے۔ "جیسے یہاں کرم سے جمع کیا ہوا لوک چھین یعنی ناش ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ لوک یعنی پرلوک بھی چھین ہو جاتا ہے"

جس میں پنتھ پنتھائی داخل ہیں۔ تیسرا راستہ عشق یا بھگتی کا ہے
جس میں انسان اپنے تمام کاروبار رضائے الٰہی پر چھوڑتا ہے۔ خدا
کے عشق کا دم بھرتا ہے اور اس کے دل میں دریائے محبت جوش مارتا
ہے۔ بھگتی کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ لیکن ان سب کی اصل اصول
محبت ہے۔ چوتھا راستہ گیان کا ہے۔ جس میں فیلنگ یعنی احساس
عشق کو اتنی اہمیت نہیں دی جاتی جتنی تعقل کو۔ اس میں آدمی عقل سے
کام لیکر سوچتا ہے کہ میں کیا ہوں۔ یہ کائنات کیا ہے۔ اور اگر خدا
کوئی ہے۔ تو اس کا مجھ سے کیا تعلق ہے۔ آیا وہ مجھ سے علیحدہ وجود
رکھتا ہے۔ یا کائنات اور میں خود اسی ذات احد میں داخل ہیں۔
اس راستے کا ابتدائی مرحلہ شاستر کی تحصیل اور دلائل وعقلی بحثیں
ہیں۔ اور انتہا وہ انوبھو یا احساس ہے۔ کہ جن نتائج پر فلسفہ آدمی
کو پہنچاتا ہے۔ اُن کا وہ اپنی ذات میں انوبھو یا احساس کرے۔
میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ ویدانت کو کسی مذہب سے پرخاش نہیں
ہے۔ سوال یہ ہے کہ وجہ کیا؟۔ کیوں نہیں ہے؟ جواب صاف ظاہر
ہے۔ ویدانت وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے۔ پس اس مذہب میں
موکش کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ آدمی اپنے سروپ کو سمجھے کہ میں کیا
ہوں۔ اور صرف سمجھے ہی نہیں بلکہ انوبھو یا احساس کرے کہ ایک ذات
احد جو نوری ہے محیط کائنات ہے۔ وہی میں ہوں۔ یہ آدرش یا
معراج ہے جس پر پہنچنا ہے۔ پس موکش کا راستہ تو ایک ہی ہے۔
یعنی گیان۔ اسی واسطے وید نقارہ پیٹتا ہے "کہ اسی آتما کو جان کر آدمی
موت سے پار ہوتا ہے۔ موکش کا اور کوئی رستہ نہیں ہے"۔ لیکن گیان
یعنی ایک ذات محیط وبسیط کا احساس آسان کام نہیں ہے۔ اس درجے
پر پہنچنا کارے دارد۔ پس جو جو اسباب آدمی کو اس درجے پر پہنچانے
میں سہایک یا کارآمد ہوں۔ اُن سے ویدانت کو کیونکر پرخاش ہو سکتی
ہے۔ کرم۔ یوگ۔ بھگتی۔ اور کتابی علم۔ چاروں ایسی چیزیں ہیں۔ کہ گیان

دراحت - غم اور خوشی - گرمی اور سردی وغیرہ وغیرہ جہاں تک پھیلتی ہے سب مایا ہے - اور اسی میں بندھ اور موکش کا جوڑا بھی داخل ہے +
ہاں اتنا فرق ہے کہ بندھ کی حالت میں جیوا پنے آپ کو دکھی مانتا ہے - اور موکش کی حالت میں سکھی - سکھ کو سب چاہتے ہیں اور دُکھ سے سب بھاگتے ہیں - بس بندھ سے کیونکر رہائی ہو اور موکش کی کس طرح تحصیل ہو - ایسے دو سوال ہیں کہ ہر ایک طبیعت میں اُٹھتے ہیں -
ہندوؤں کے چھؤں شاستروں میں سے ہر ایک میں پہلے یہی سوال اُٹھایا جاتا ہے - کہ دُنیا دُکھ کا گھر ہے - اس دُکھ سے کس طرح نجات حاصل ہو سکتی ہے - اور آنند کیونکر پراپت ہؤا کرتا ہے - ہر ایک شاستر کار اپنی اپنی رائے کے مطابق اس کا جواب دیتا ہے - ویدانت شاستر کو کسی طریق سے برودھ یعنی تضاد و تخالف نہیں ہے یہ اعلےٰ شاستر انسان کی طبیعت کے رموز کو جانتا ہے اور ان میں گھس کر ہر ایک آدمی کو اُس کی پسند - اس کی اقتضائے طبیعت - اور اس کی استعداد و لیاقت کے مطابق راہ نجات بتاتا ہے - ہندو مذہب میں یہ بڑی بھاری فضیلت ہے - کہ اس میں مختلف طبائع اور مختلف لیاقت کے آدمیوں کو ایک لکڑی نہیں ہانکا جاتا - بلکہ آدمی کی قابلیّت دیکھ کر اس کو روحانی ترقّی کا راستہ بنایا جاتا ہے - یہ راستے متعدّد ہیں - لیکن نگاہ غائر سے ان کی فلسفیانہ تحلیل کی جائے تو سب چار عنوانوں کے اندر آجاتے ہیں +
ان میں سے پہلا راستہ کرم یعنی اعمال کا ہے - اس کے یہ معنی ہیں - کہ طالب نجات کو نیک اعمال کرنے چاہئیں - انہیں سے وہ مدارج اعلےٰ پر پہنچیگا - بہتیرے مذاہب اعمال پر ہی ختم ہو جاتے ہیں اور آگے قدم نہیں بڑھاتے - لیکن طبائع انسانی ایسی بھی واقع ہوئی ہیں - جن کی نظر میں اعمال انتہائی چیزیں نہیں ہیں - وہ خاص خاص ابھیاسوں سے تزکیۂ نفس کر ترقی دے کر اعلےٰ مدارج پر پہنچنا چاہتے ہیں - یہ یوگ یا ریاضت کا راستہ ہے - اور اس کی لا انتہا قسمیں ہیں

سوامی برہمانند کی چھٹی وِدیا کھیا

وہمیہ بندھ اور اس کے وہمیہ علاج پر فلسفیانہ نظر

اعمال ریاضت اور عشق و عرفاں چاروں راہیں ہیں حق رسی کے آساں
چل پھر جو توفیق ہے چلنے کی تجھے رستہ بھولے۔ نہیں ذرا بھی امکان

سادھو ۔ کتب مقدس کی تعلیم ۔ مہاتماؤں کا انوبھو یا احساس ۔ اور فلسفی دلائل تینوں ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہیں ۔ کہ واقعی وجود صرف ایک ذات احد کا ہے ۔ جس کی ماہیت گیان یا نور یا علم ہے ۔ اس سے بدیہی یہ نتیجہ مستخرج ہوتا ہے ۔ کہ کائنات بیرونی اور اندرونی دونوں وہمیہ ہیں ۔ جو جگت ہمیں باہر نظر آتا ہے اور جو خیالات کی دنیا ہمارے دل کے اندر ہے ۔ دونوں گیان سروپ آتما میں اسی طرح جلوہ افگن ہیں جس طرح خواب بین کی نظر کے سامنے خواب کا نقشہ ہو ۔ بعینہٖ یہی حال بندھ اور موکش کا ہے ۔ ایک شخص یہ مانے ہوئے ہے کہ میں بند دنیا میں گرفتار ہوں ۔ سخت لاچار ہوں ۔ نہ مجھ میں قوت ہے نہ مجھ میں علم ہے ۔ مجھے کوشش کر کے کسی درجے پر پہنچنا چاہئے ۔ اس سے وہ بے چین اور تکلیف میں رہتا ہے ۔ دوسرا یہ مانے ہوئے ہے ۔ کہ میں مکت ہوں ۔ مجھے کچھ کرنا نہیں ہے ۔ میں آزاد ہوں اور آنند کے سمندر میں مگن ہوں ۔ دونوں کی اپنے اپنے من کی کلپنا ہے ۔ لیکن ایک رنج والم میں مبتلا ہے اور دوسرا خوش اور آزاد ہے ۔ ذات حقیقی بندھ اور موکش دونوں خیالات سے پرے ہے ۔ کیونکہ بندھ اور موکش دونوں محض خیالات ہی ہیں اور کچھ زیادہ نہیں ہے ۔ بندھ کے ساتھ موکش کا خیال وابستہ ہے اور موکش کے ساتھ بندھ کا خیال بندھا ہوا ہے ۔ یہ دو ضد یعنی متضاد جوڑوں کی کائنات مثلاً رنج

اتفاق سے بازار میں وہی دھرماتما گزرتے تھے۔ راجہ نے نہایت عاجزی سے اپنا حال زار پھر ان کو سنایا۔ انہوں نے رحم کھایا۔ اپنے گھر لے گئے اور دو روٹیاں اور کچھ دال دی۔ راجہ دروازے میں بیٹھ کر کھانے لگا۔ بھوک میں وہ خشک روٹیاں اور دال ایسی لذیذ معلوم ہوتی تھیں۔ کہ دنیا کی کوئی نعمت ان کی ہمسری نہیں کر سکتی تھی۔ پیٹ بھرا تو راجہ انہیں دھرماتما کی اجازت سے ان کے مکان کے باہر ایک تخت پر لیٹ رہا۔ اور غافل ہو کر سو رہا۔ خدا معلوم کتنی دیر سوتا رہا۔ لیکن جب آنکھ کھلی۔ تو اپنے تئیں اس گاؤں میں نہ پایا۔ بلکہ اپنے محلوں میں بستر راحت پر دراز دیکھا +

اس حیرت ناک خواب کو راجہ عرصہ دراز تک سوچتا رہا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ بھرم کی حالت میں جو وہمیہ تکلیف ہے اس کا علاج بھی وہمیہ ہی ہوتا ہے۔ مجھے تمام تکلیف جو محسوس ہوئی وہ وہمیہ تھی۔ میں وہمیہ جراح کے پاس وہمیہ علاج کے واسطے گیا۔ اس نے وہمیہ دوائی لگائی اور اس کے اثر سے وہ وہمیہ تکلیف دور ہو کر وہمیہ آرام مجھے محسوس ہونے لگا۔ یعینہ اسی طرح گیان سروپ آتما میں بندھ کا وہم ہے۔ وہمیہ گورو وہمیہ اپدیش سے اس کو دور کرنے کی سبیل بتاتا ہے مثلاً کرم۔ بھگتی۔ یوگ یا گیان اور اس وہمیہ تدبیر سے بندھ کا وہم دور ہو کر آدمی شانتی کو پہنچتا ہے۔ مہاراج کرم۔ یوگ۔ بھگتی۔ گیان یعنی شاستر کا بچار اور گورو سب وہمیہ ہیں۔ کیونکہ وجود یعنی ہستی فقط ایک گیان سروپ آتما کی ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ صور خواب کی مانند وہم کی صورت ہے ہاں جیسا میں پہلے کہہ آیا ہوں۔ ایک وہم دکھ دینے والا ہے۔ ایک سکھ دینے والا۔ پس آدمی کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ دکھ کے دور کرنے کے واسطے سکھ کی تلاش کرے +

سادھو کہانی ختم کر کے خاموش ہوا تو سوامی پر ہمانند نے کہا۔ مہاتما وہ اب اسی وہمیہ بندھ اور اس کے وہمیہ علاج پر مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو +

ہائے کرتا رہا۔ آخر جراح اُٹھ کر باہر آیا اور راجہ کے زخم کو دیکھا۔ سوجن بہت زیادہ ہو گئی تھی اور گھاؤ میں پیپ پڑ گئی تھی۔ جراح نے کہا پہلے اسے نیم کے پانی سے دھونا چاہیئے۔ بعد میں مرہم لگاؤنگا۔ راجہ نے کہا۔ پنجاب میں نیم کہاں ملتا ہے جس طرح ہو سکے زخم دھو کر مرہم لگائیے۔ میں درد سے مرا جاتا ہوں۔ جراح نے کہا۔ بھائی زخم نیم کے پتیوں کو پانی میں جوش دیکر دھویا جائیگا۔ جا بازار سے دو چار پیسے بھیک مانگ کر لا۔ عطار کے ہاں سے نیم کے پتے خرید اور پھر میرے پاس آ۔ یہ کہکر جراح اپنے مکان میں چلا گیا ✦

راجہ عطار کی دکان پوچھتا اور درد سے ہائے ہائے کرتا ہؤا چلا۔ عطار نے جراح کی طرح بڑے رکھائی سے صاف جواب دے دیا کہ نیم کے پتے پنجاب میں قیمتی ہوتے ہیں۔ میں تجھے مفت نہیں دونگا۔ بھیک مانگ کر پیسے لا اور خرید کر لیجا۔ اس گفت و شنید میں راجہ کی یہ حالت ہوئی کہ اپنے حال زار پر زار و قطار رونے لگا۔ ایک دھرماتما اس طرف سے گزرتے تھے۔ انہیں رحم آیا اور عطار کو دوانی دیکر نیم کے پتے دلوائے۔ ساتھ ہی کہا کہ جراح بڑا لالچی ہے۔ کچھ لئے بغیر ہرگز علاج نہیں کریگا۔ لے یہ روپیہ اسکو دیدے اور علاج کرا۔ راجہ روپیہ اور نیم کے پتے لے کر جراح کے پاس آیا۔ اوّل تو اس نے اُسے بے رخی سے دیکھا۔ لیکن جب راجہ نے روپیہ دکھایا تو ملازم سے کہا۔ کہ نیم کا پانی تیار کرو۔ پانی تیار ہو گیا۔ تو زخم کو دھو کر اس پر مرہم لگایا اور راجہ کی جان میں جان آئی ✦

تکلیف سے ذرا رہائی ہوئی تو اور مصیبت کا سامنا ہؤا یعنی بھوک کی سخت اذیت محسوس ہونے لگی جواب تک درد کے باعث سے معلوم نہ ہوتی تھی۔ راجہ نے اُسی جراح سے کہا۔ کہ جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے۔ مجھے کچھ کھانا بھی دو۔ میں بھوک سے مرا جاتا ہوں۔ جراح نے کھانے کی بجائے اس کو گالیاں دیں اور ملازم سے کہا کہ اس کنگال کو باہر نکال دو

راجہ کے بازو میں سخت تکلیف تھی۔ مگر جانتا تھا کہ چاند غروب ہو گیا تو جنگل میں سے نکلنا امر محال ہوگا۔ قدم اٹھائے چلے چلو۔ تین گھنٹے کے بعد حقیقت میں چاند غروب ہو گیا۔ لیکن راجہ اب جنگل سے نکل آیا تھا اور ایک چوڑی پگ ڈنڈی پر قدم اٹھائے جا رہا تھا۔ جانوروں سے بھی جان کا خوف تھا۔ اور دشمنوں کے تعاقب کا بھی اندیشہ تھا۔ لیکن جان پیاری تھی۔ کبھی دوڑتا تھا۔ کبھی تیز قدم اٹھا کر چلتا تھا۔ کہیں ٹھیرتا نہیں تھا۔ اسی طرح صبح تک برابر چلتا رہا۔ صبح صادق کی روشنی میں کچھ فاصلے پر آبادی کا نشان نظر آیا۔ راجہ نے اُس طرف کا عزم کیا۔ گاؤں میں پہنچتے پہنچتے صبح ہو گئی اور ہر ایک شئے صاف طور سے نظر آنے لگی ۔

راجہ گاؤں میں پہنچا تو بازو سوج آیا تھا۔ اور اس میں سخت ٹیسیں اُٹھتی تھیں۔ چونکہ درد سے بیتاب تھا۔ اس لئے جو پہلا آدمی ملا۔ اس سے یہی سوال کیا کہ اس گاؤں میں کوئی جرّاح بھی ہے۔ اُس شخص نے راجہ کی ہیئت کذائی دیکھی کہ ایک میلی پھٹی ہوئی دھوتی پہنے ہے۔ بازو سوج رہا ہے۔ درد سے بیتاب ہے۔ رحم کھا کر بتایا کہ وہ سامنے جرّاح کا مکان ہے۔ راجہ وہاں پہنچا تو دیکھا کہ جرّاح نشست میں بیٹھا ہے۔ اور مریضوں کی مرہم پٹّی کر رہا ہے۔ راجہ کو دیکھ کر جرّاح نے ناک بھوں سکوڑی اور خفگی کے لہجے میں بولا۔ او کنگال کہاں گھسا چلا آتا ہے۔ باہر بیٹھ۔ راجہ نے کہا ٹھاکر میں درد سے مرا جاتا ہوں۔ نہایت تھکا ہوا اور بھوکا ہوں۔ تمہارا نام سن کر آگیا ہوں۔ میرے حال زار پر سب سے پہلے توجہ کرو۔ جرّاح بکمال نہ ہی خفا ہو کر بولا۔ کون سی تھیلیاں کندھے پر رکھ کر میرے لئے لایا ہے جو تیرے حال پر سب سے مقدم توجّہ کروں۔ جا باہر بیٹھ۔ فرصت ملی تو تجھے دیکھوں گا۔ راجہ کی آنکھوں میں اپنے حال زار پر آنسو بھر آئے۔ خیر دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ گھنٹہ بھر میں جرّاح اور لوگوں کی مرہم پٹّی سے فارغ ہوا۔ اتنے عرصے میں راجہ بیٹھا ہوا ہائے

کو یہاں ٹھیرنا چاہتے۔ باقی جو جلدی کرو۔ سب نے کہا گوکل تم ہی یہاں ٹھیرو۔ ہم پانچ گھنٹے میں آتے۔ اب شام ہوتی چلی تھی۔ ہمراہی چلے گئے تو گوکل نے راجہ سے کہا۔ راجہ میں نے تیرا نمک کھایا ہے۔ اور تو نے جو اس وقت مجھے یاد دلایا۔ وہی نمک اطاعت و وفاداری کی صورت میں خون میں جوش کر آیا۔ میں تجھے کھولے دیتا ہوں۔ جانب جنوب چلا جا۔ اُدھر سے ہی نرسنگھے کی آواز سی آتی تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو دھوکا دیکر شمال کی طرف بھیجا ہے۔ میں بھی تجھے تھوڑے فاصلے پر آملونگا۔ یہ دیکھنے ٹھیرتا ہوں کہ تجھے اور مجھے یہاں نہ پاکر میرے ساتھی کس کس طرف ڈھونڈھنے جاتے ہیں۔ خبردار خبردار کہیں ٹھیرنا نہیں۔ یہ لوگ تیرے خون کے پیاسے ہیں۔ گوکل یہ باتیں کرتا جاتا تھا۔ اور راجہ کی رسّی کھولتا جاتا تھا۔ رسّی کھل گئی تو راجہ جنوب کا رخ کرکے بے تحاشا بھاگا+

اب اندھیرا سا ہونے لگا تھا۔ راجہ اپنے گمان میں جھونپڑے سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر آپہنچا تھا۔ کہ اُس نے بھیڑیے کی آواز سنی۔ ایک پھٹی پرانی دھوتی کی سوائے کپڑا پاس نہ تھا اور ہتھیار وغیرہ کا تو کیا ذکر ہے۔ ایک درخت کے نیچے ایک موٹی سی شاخ ٹوٹی پڑی تھی راجہ نے وہ اُٹھالی۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے بھیڑیا اسی کا رُخ کئے دوڑا چلا آتا ہے۔ راجہ نے پھرا کر وہی شاخ اس کے سر پر ماری۔ بھیڑیے کے زور سے لگی تو۔ لیکن اس نے دانتوں سے راجہ کا بازو زخمی کیا کیا بھنبھوڑ کھایا۔ مگر شاخ کی چوٹ کاری لگی تھی۔ دم کے دم میں مرکر گر گیا۔ اِدھر راجہ کے بازو سے خون جاری ہوا۔ تین دانت سخت لگے تھے۔ راجہ نے جوں توں دھوتی کی دھجّی پھاڑ کر زخم پر باندھی۔ گو تکلیف سخت تھی۔ لیکن وہ ٹھیرا نہیں۔ اسی طرح جنوب کا رخ کئے چلا گیا۔ اب گھنا بن ختم ہو گیا تھا۔ اور چلنے کے واسطے کافی رستہ ملتا تھا۔ چاندنی کھل رہی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ چاند شاید دو تین گھنٹے میں غروب ہو جائیگا+

گزر تھا۔ تھوڑی دور چلکر ذرا کھلی جگہ ملی۔ یہاں ایک جھونپڑا نظر آیا جس کی دیواریں مٹی اور درختوں کی شاخوں کی بنی ہوئی تھیں اور چھت پر بھی شاخیں پٹی ہوئی تھیں۔ فراخ جگہ روشنی میں راجہ نے ان لوگوں کو پہچانا ان میں سے ایک راجہ کا ملازم تھا جو رشوت ستانی کے جُرم میں شہر بدر کیا گیا تھا۔ اور باقی لٹیرے تھے جنہیں راجہ نے خود دیس نکالا دیا تھا۔ راجہ کو اب معلوم ہوا کہ قزاقوں کے ہاتھ میں گرفتار ہے اور قزاق بھی وہ جو اُس کے دشمن جانی ہیں +

یہ لوگ اس کو جھونپڑے میں لے گئے۔ اور فوراً لباس شاہی اتروا کر ایک میلی سی دھوتی بندھوادی۔ راجہ نے اپنے رشوت ستاں ملازم کو دیکھ کر کہا۔ کیوں رے گوکل نمکحرام۔ تو نے برسوں میرا نمک کھایا۔ اور آج میرے خون کا پیاسا ہے۔ گوکل اور سب قزاق یہ سن کر قہقہہ مار کر ہنسے۔ کہ تو اپنے نمک خواروں سے اچھا سلوک کیا کرتا ہے۔ آج جی کھول کر تیرے قدیمی نمکخوار تجھ سے عوض لینگے۔ اتنے میں جس شخص نے گھوڑا سنبھالا تھا وہ اور راستے سے آپہنچا۔ قزاقوں نے پوچھا کہ راجہ کے کسی ملازم سے تو مٹھ بھیڑ نہیں ہوئی۔ اس نے کہا مٹھ بھیڑ تو نہیں ہوئی۔ لیکن شمال کی جانب دور سے نرسنگھے کی آواز سی سنائی دیتی تھی۔ یہ سن کر گوکل ایک بلند درخت پر چڑھا اور شمال کی طرف کان لگا کر سُننے لگا۔ نیچے اترا تو بولا۔ یارو آواز مجھے بھی آئی۔ ابھی دور ہے۔ لیکن ادھر کو اُس کا رُخ ہے۔ کیوں بھائی گویالا۔ گھوڑے کے نشانہائے قدم سے تو لوگ یہاں نہیں چلے آئینگے۔ اس نے کہا گھوڑے کو لایا تو جھاڑیوں میں سے ہوں۔ لیکن کہیں کہیں زمین بھی آتی تھی۔ کیا عجب ہے۔ جو نشان باقی رہ گئے ہوں۔ گوگل نے کہا یہ تو کچھ بات نہیں ہوئی۔ آؤ راجہ کو باندھ دیں اور نشان قدم کے مٹانے کا فکر کریں +

اس وقت یہاں سات آدمی موجود تھے۔ سب نے ہاتھ لگا کر جلدی جلدی راجہ کو ایک تناور درخت سے باندھ دیا۔ گوگل نے کہا ایک آدمی

ساتھ ہو لیا۔ اور امرا اراکین سلطنت بھی ساتھ ہوئے۔ اور یہ شوقین شکاری کوئی تین بجے شہر سے نکل کر جنگل میں داخل ہوئے۔ حقیقت میں موسم نہایت ہی دلفزا تھا۔ ابر کی بہار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا۔ درختوں کی سبزی اور طیور کے ترانے دل کو باغ باغ کئے دیتے تھے۔ راجہ وزیر سے ہنسنے لگا کہ یہ دہان جی محلوں میں بیٹھے رہتے تو یہ لطف کس طرح نصیب ہوتا ÷

سب آہستہ آہستہ گھوڑوں پر سوار چلے جاتے تھے۔ کہ سامنے سے ایک ہرن نظر آیا۔ راجہ نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور اراکین سلطنت بھی ہمرکاب گھوڑے دوڑائے چلے۔ لیکن راجہ کا گھوڑا صبا رفتار تھا تھوڑے عرصے میں سب پیچھے رہ گئے اور راجہ یکہ و تنہا ہرن کے پیچھے رہ گیا۔ تیر چھوڑتا چلا آتا تھا کہ ایک تیر ہرن کے لگا اور وہ اچھل کر گرا۔ راجہ نے پاس پہنچکر اپنا نرسنگھا بجایا۔ لیکن ایک دفعہ بجایا۔ دوسری دفعہ بجایا۔ تیسری دفعہ بجایا۔ جواب میں صدائے برنخاست اب شام کے کوئی چھ بجے ہو نگے۔ راجہ کو سخت پشیمانی ہوئی کہ تجربہ کار وزیر حقیقت میں سچ کہتا تھا۔ لیکن ابھی روشنی تھی۔ گھوڑے کے قدموں کا نشان لیتا ہوا واپس پھرا۔ اور کئی جگہ نرسنگھا پھر بجایا۔ لیکن اس کے جواب میں ملازمین میں سے کسی کے نرسنگھے کی آواز نہیں سُنی ÷

اس طرح راجہ نے کچھ راستہ طے کیا تھا۔ کہ ایک جگہ جھاڑیوں میں اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی چھپٹا ہوا بھاگا جاتا ہے۔ راجہ نے اُسے آواز دی لیکن وہ اسی طرح چھپٹا ہوا چلا گیا۔ تھوڑی دور چلکر ایک گھنی جگہ سے کئی قدآور جوان نکلے اور اُنہوں نے نہایت پھرتی سے گھوڑے کی لگام اور راجہ کے بازو پکڑ لئے۔ راجہ کو سوائے اس کے چارہ نظر نہ آیا کہ اُتر کر اُن کے ساتھ ہو لے۔ گھوڑا ایک شخص نے سنبھالا اور کئی آدمی کشاں کشاں راجہ کو ایک طرف لے چلے۔ یہاں بن نہایت ہی گھنا تھا۔ اور اگر یہ آدمی ساتھ نہ ہوتے تو راجہ کے لئے محض ناقابل

گیان سروپ آتما ہیں بندھ وہمی ہونے کے سوا اور کچھ چیز نہیں ہے۔ اس وہمی بندھ کو دور کرنا ہے۔ تو علاج بھی وہمی ہی کرنا چاہئے۔ ایک وہم کی جگہ دوسرا بیٹھ جائیگا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ پہلا وہم جو تکلیف دہ ہے وہ نکل جائیگا۔ اور دوسرا وہم جو آرام اور خوشی دینے والا ہے اس کی جگہ قائم ہو جائیگا۔

راجہ کو سادھو کی تقریر بہت پسند آئی۔ رات کو سویا تو اُس نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا جو میں آپ کو سناتا ہوں۔ کیا دیکھتا ہے کہ برسات کا موسم ہے۔ ہوا خوشگوار چل رہی ہے۔ درختوں نے نئے کپڑے پہنے ہیں۔ طائرانِ نواسنج سرشاخسار زمزمہ پرداز ہیں اور ان کی سریلی صدائیں سن کر دلوں میں امنگیں اٹھتی ہیں۔ ابر چھایا ہوا ہے اور کبھی کبھی ننھی ننھی پھوار پڑتی ہے۔ غرض عروسِ قدرت بہاروں پر ہے شاعر کہتا ہے:۔

اشعار

موسم ہے برشگال کا لے مہر کیا ہے ست
بادل ہوا پہ دوڑتے ہیں مست و بے قرار

آتی ہے بار بار گھٹا جھوم جھوم کر
ابر سیاہ ہوتا ہے جھک جھک کے قطرہ بار

باراں جھڑی ہے رحمت باری کی اے عزیز
بشگفتہ اس سے ہوتے ہیں میدان و کوہسار

قدرت میں جبکہ چار طرف ہو شگفتگی
انسان کا دل بھی کیوں نہ شگفتہ ہو غنچہ وار

کوئی دو بجے دن کے وقت یہ سماں پیش نظر تھا۔ راجہ سے گھر پر نہ بیٹھا گیا۔ فوراً میر شکار کو حکم پہنچا کہ ہم جنگل کی سیر کو جائینگے۔ وزیر نے منع بھی کیا کہ حضور شکار کے پیچھے چلے گئے تو رات ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جنگل میں راہ گم ہو گئی تو خطر کا مقام ہے۔ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ کچھ قزاقوں نے وہاں ڈیرا کیا ہوا ہے۔ ہر چند پولیس ان کے پکڑنے میں سرگرم ہے۔ لیکن ابھی تک ہتّے نہیں چڑھے راجہ کے دل میں امنگیں جوش مار رہی تھی۔ تجربہ کار وزیر کی بات نہیں سُنی۔ کہا تو یہی کہا۔ تمہیں جان پیاری ہے تو ہمراہ نہ چلو۔ وزیر کی کیا تاب تھی۔ چپکے سے

کو کتھا سنایا کرتا۔ یہی انتظام راج دھانی کے اور مندروں میں تھا۔ کیونکہ
مندر جیسے مقدس مکان کا فائدہ بھی یہی ہے۔ کہ شام کو اہل محلہ گھڑی
دو گھڑی آ بیٹھے اور گیان دھیان کی باتیں سن گئے۔ یا متبرک بھجنوں کا
رس کانوں میں ڈال کر رے گئے۔ مندر میں اگر روز کتھا یا بھجن نہیں ہوتا
تو اس کو مندر نہیں کہنا چاہئے۔ مفت خور پجاریوں کے رہنے کا مکان ہے
یا چرسی بھنگڑوں کے مل بیٹھنے کا مقام۔ آج کل بھی ہمارے شہروں کے
اہل محلہ ملکر کوشش کریں۔ تو ہر ایک مندر میں یہ معقول انتظام ہو سکتا ہے
کہ تھوڑے سے صرف سے جس کے بوجھ سے کوئی بھی نہیں دب سکتا۔
شریمد بھگوت گیتا۔ رامائن۔ اُپنشد وغیرہ وغیرہ کے معنی خیز مضامین ہر شخص
آسانی کے ساتھ سُن لے۔ اور اپنے دھرم سے واقفیت حاصل کر کے
دنیا اور عاقبت سدھارے +

راجہ کو چونکہ گیان کا شوق تھا۔ اسواسطے انہیں کتھاؤں کے ذریعے
سے اُس نے تمام ہندو شاستر سنا تھا۔ اور اس کا لطف لیا تھا۔ ویدانت
کے مسائل نتیجہ خیز پر گیانی سادھوؤں اور اہل علم سے بحث کی تھی۔
انہیں مسائل میں سے ایک بندھ اور موکش کا مسئلہ تھا۔ جس پر بار بار
بحث ہو چکی تھی۔ ہر ایک شخص نے راجہ کو یہی سمجھایا تھا۔ کہ بندھ محض
وہمی چیز ہے۔ ورنہ آدمی سبھاؤ سے مکت ہے۔ راجہ نے اس مسئلے
پر خود بھی غور و خوض کیا تھا۔ اور جتنا زیادہ غور و خوض کرتا جاتا تھا۔
اس کی صداقت اس کے ذہن نشین ہوتی جاتی تھی +

ایک دن کا ذکر سنئے۔ ایک نہایت ہی لائق سادھو دربار میں آئے۔
راجہ نے جو اُن سے بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ بڑے بھاری پنڈت
ہیں۔ چنانچہ شام کے وقت کتابی کتھا کی بجائے اُن سے واکھیا کی
استدعا کی گئی۔ اور بندھ اور موکش کا مضمون لیا گیا۔ سادھو نے بڑی
فصاحت و بلاغت سے دو گھنٹے تقریر کی اور اس کی تقریر کا نفس مطلب
یہی ثابت ہوا کہ بندھ محض وہمی چیز ہے۔ آتما گیان سروپ ہے۔

سہل تجویز اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جس وہم میں وہ گرفتار ہے اُسے چھوڑ دے اور اپنے اصلی سروپ کو سمجھکر آنند کے سمندر میں مگن ہو جائے۔ لیکن ایسا سہل علاج نہایت مشکل سمجھا جا رہا ہے اور لوگ ہیں کہ کہیں سے کہیں ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ غرض جیسے آدمی بندہ سمجھ رہا ہے۔ وہ بندہ صرف اس کا وہم ہے۔ شنکر آنند نے اپنی کہانی میں اس مسئلے کی توضیح جاگرت یعنی بیداری کے ایک واقعے سے کی ہے میں خواب کی مثال سے کرتا ہوں +

پُرانے زمانے میں پنجاب دیش میں ایک راجہ ہو گزرا ہے جس کا نام جیپال تھا۔ یہ ایک زبردست راجہ تھا۔ اور اس کا راج ایک وسیع خطۂ ملک پر تھا۔ راجہ انتظامی امور کو بھی بخوبی سمجھتا تھا۔ اور تادیبی اصول سے بھی بخوبی واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا ملک دشمنوں کے شور و شر سے محفوظ تھا۔ اور رعایا خوشحالی اور فارغبالی سے بسر کرتی تھی۔ وزیر اور عہدہ دار لائق آدمی تھے اور ان کے کاموں کی نگرانی راجہ بذات خاص کرتا تھا۔ اس لئے انتظام ملک درست تھا۔ تجارت کو فروغ تھا۔ زراعت خوب ہوتی تھی۔ محصلات ایسے کافی و وافی تھے۔ کہ انتظام سلطنت کا کل خرچ نکال کر رقوم کثیر ہر سال بچتی تھیں۔ جن سے دھرماتما راجہ نے ہسپتال کھولی تھیں۔ مدرسے جاری کئے تھے۔ مندر اور سرائیں بنوائی تھیں۔ اس کے عہد میں اہل علم و فضل کی بڑی قدر تھی۔ چنانچہ دور دور سے ارباب کمال آ آکر اس کے دربار میں جمع ہوتے تھے اور اپنے کمالات کے جوہر سے ترقی ملک کا باعث بنتے تھے +

جو ارباب کمال دربار میں جمع تھے۔ ان میں سے بعض شاستر دان پنڈت تھے۔ اور بعض سادھو سنت تھے۔ جو گیان کے اعلےٰ مدارج پر چڑھ چکے تھے۔ راجہ کا معمول تھا۔ کہ صبح شام گیان چرچا کیا کرتا تھا۔ کوئی لائق پنڈت یا سادھو شاستر کا کوئی گرنتھ لے بیٹھتا اور اہل دربار کو

لیکن جب دیکھا کہ میرا ارادہ مستقل ہے تو مجھے ساتھ لے لیا۔ جمنا جی پر پہنچکر ہم نے اشنان کئے۔ وہیں انہوں نے مجھے سنیاس منتر دیا اور ہم دونوں اسی طرح کوپین باندھے پل پر سے اتر کر غازی آباد کی سڑک پر ہو لئے۔ دوروز میں گڑھ مکتیشر پہنچے۔ یہاں سے میں نے اپنے گھر خط بھیجا کہ میں سنیاس دھارن کر چکا ہوں۔ کوئی میرے واسطے تلاش و تجسس کی تگ و دو نہ کرے۔ برسوں میں مہاراج کے ساتھ دیش دیش بھٹکتا رہا۔ انہوں نے مجھے ویدانت کے سچے گیان کا اپدیش دیا اور میں کرتا رتھ ہو گیا ؛

سینتیسویں سادھو کی کہانی

وہمیہ گرفتاری کا وہمیہ علاج

گر جو کسی کو ہو نعیبوں کی مار | یعنی ہو جائے خواب میں وہ بیمار
آتا ہے طبیب وہمیہ بہر علاج | اور کرتا ہے وہمیہ ہے اس کا تیمار

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج۔ شنکر آنند نے سچ کہا ہے۔ کہ آدمی اپنے ہاتھوں بندھا ہوا ہے۔ فطرت سے ہر فرد بشر سدا مکت ہے۔ کیونکہ جیو سچدانند برہم سروپ ہے۔ لیکن مایا کے سمبندھ سے یعنی اپنے وہم سے اپنے آپ کو بے بس۔ بے کس۔ گنہگار۔ ہیچ اور ناکارہ سمجھتا ہے۔ یہ زنجیر اس کے پاؤں میں باہر سے نہیں ڈالی گئی۔ اس نے خود آپ ڈالی ہے اور مزا یہ کہ آپ دکھ سہتا ہے۔ علاج خود اس کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اپنی ماہیت ذاتی کو اس طرح بھولا ہوا ہے۔ کہ وہ علاج نہیں کرتا پر نہیں کرتا۔ اگر کوئی بتلائے تو اس کو الٹا دیوانہ سمجھتا ہے اور اپنے بھول اور وہم دپندار کو سچ جانتا ہے۔ علاج نہایت ہی آسان ہے اور ہر شخص کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس سے زیادہ

جو دُوں پر دو سوٹے رسید کئے اور وہ چیختا ہوا دروازے سے نکل کر بھاگا۔ سوامی جی ہنستے ہوئے واپس آئے اور چارپائی پر بیٹھ کر کہنے لگے دیکھا شنکر آنند تو نے کوئی اس لکھ پتی احمق سیٹھ سے پوچھے۔ کہ تو نے اتنے عذاب اپنی جان کے ساتھ کیوں لگا رکھے ہیں اور شب و روز کیوں رنج و غم میں ہائے وائے کیا کرتا ہے اور پھر اُن سے چھوٹنے کی تجویزیں بتاؤ تو کہتا ہے ہیں ہیں مہاراج میں تو سب طرح اپاہج ہوں۔

آج اس بیہودہ سیٹھ کے دکھڑے رونے ہی میں تمام وقت صرف ہو چکا تھا۔ چنانچہ کوئی ویاکھیا نہیں ہوئی اور ہم دس پانچ آدمی جو وہاں بیٹھے تھے اُٹھ کر گھر چلے آئے۔ میرے دل پر اس واقعے کا گہرا اثر ہوا۔ میں رات بھر سویا نہیں بلکہ سوچتا رہا۔ کہ تعلقات دنیا کے تفکرات دور کرنے کی جو دو تجاویز سوامی جی نے بتائی ہیں وہی ہو سکتی ہیں۔ تیسری اور کوئی نہیں ہے۔ یا تو آدمی دنیا میں رہتا ہوا بھی یہاں کی چیزوں میں دلبستگی نہ کرے یا اگر اپنے میں یہ ہمت نہیں پاتا تو سنیاس دھارن کرلے۔ مہاراج میں تن تنہا آدمی تھا۔ جورو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا۔ ہاں میرے بھائی اور ان کے قبائل سب ساتھ رہتے تھے۔ دل نے کہا۔ تیرے تعلقات دنیا میں خدا کے فضل سے کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو تھوڑے بہت ہیں انہیں بھی چھوڑ اور سوامی جی کی طرح آئندہ عمر خوش خوش گزار۔ یہ سوچتے سوچتے صبح کے کوئی چار بج گئے اور گجر کی آواز میرے کان میں آئی ٭

مجھے معلوم تھا کہ سوامی جی تاروں کی چھاؤں باہر جایا کرتے ہیں۔ میں اٹھا۔ ایک لٹھے کی دھوتی پھاڑ کر میں نے کوپین بنائی اور ننگ منگ سوامی جی کے مکان کے دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا تھوڑی دیر میں وہ برآمد ہوئے۔ چاندنی کھل رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور پوچھنے لگے۔ آج یہ کیا ہیئت کذائی بنائی ہے۔ میں نے ان کے قدم لئے اور کہا مہاراج اپدیش اپنے لکھپت رلے کو کیا تھا۔ اور اس کا فائدہ میں اُٹھاتا ہوں۔ اوّل تو سوامی جی نے مجھے سمجھایا۔

عمل کرو تو تمہیں دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا کی تکلیف نہ ہو۔

است مصر کنول اسے باغ میں سیوتر ... ہوتے نہیں پانی سے مگر پتّے تر

دنیا میں ہے تو تو بھی اس طرح سے رہ ... زنگ وابستگی نہ آنے دل پر

یہ بات سن کر لالہ لکھپت رائے کہنے لگے۔ مہاراج آپ بھی یہی کہتے ہیں اور شاستروں کی کتابوں میں بھی یوں ہی لکھا ہے۔ لیکن دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے تعلقات بھلا کیونکر چھوٹ سکتے ہیں۔ ان میں دلبستگی ہوگی پر ہوگی۔ اور اس دلبستگی سے فکر کیونکر پیدا نہیں ہوگا۔ مجھے تو فکر دفع کرنے کا کوئی اور راستہ بتایئے۔ سوامی جی نے کہا۔ اچھا تعلقات دنیا تجھے رنج دیتے ہیں اور تو ان کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تو دنیا چھوڑ کر میری طرح سنیاسی بن جا۔ سنیاسی کو نہ گھر کا فکر ستاتا ہے نہ باہر کا۔ نہ کپڑے کا نہ روٹی کا نہ مکان کا۔ خدا کا ملک کھلا پڑا ہے جہاں چاہے سو رہے۔ کوئی پڑا چیتھڑا اٹھا لیا اور ستر پوشی کر لی۔ دو روٹیاں کھانی دن رات میں کافی ہیں۔ چل میرے ساتھ رشی کیش میں کٹی بنا کر رہنے لگ۔ کوئی فکر پاس نہیں پھٹکیگا۔ بول ہے صلاح؟ لا رے شنکرانند۔ اسکے واسطے ایک کوپین۔ میں اسے ابھی سنیاس کا منتر دے کر سنیاسی بنا دوں ۔

یہ سنکر لالہ لکھپت رائے کے ہوش اُڑ گئے کہنے لگے۔ ہیں ہیں۔ مہاراج۔ بھلا مجھ سے سنیاس کب نبھایا گیا۔ اتنا سننا تھا کہ سوامی جی نے مجھ سے کہا۔ یہ بدبخت آدمی نہ یوں مانتا ہے نہ وُوں مانتا ہے دکھڑے روئے جاتا ہے۔ اور اس سے کہتا ہوں کہ تمام جھگڑے اپنے جان کو خود تو نے لگائے ہیں اور آسانی سے انہیں چھوڑ سکتا ہے۔ تو یہ کہتا ہے ہیں ہیں۔ مہاراج مجھ سے نہ یہ ہو سکتا ہے نہ وہ ہو سکتا ہے لاؤ میرا سونٹا۔ اسے اس شانتی کے گھر سے تو نکالو۔ یہ کہکر سوامی جی اُٹھے اور میری نصیحت میں چونکہ مذاق تھا میں نے فوراً اُٹھ کر کوٹھری میں سے اُن کا موٹا سونٹا نکالا۔ لالہ لکھپت رائے فوراً اُٹھ کر جوتا پہننے لگے۔ اتنے میں سوامی جی سونٹا لیکر اُنکے پیچھے ہوئے۔ آگے آگے موٹا سیٹھ لمبا اور توند پیٹا بھاگا جاتا ہے اور پیچھے پیچھے سوامی جی سونٹا لئے چلے آتے ہیں۔ دروازے کے پاس پہنچکر سوامی جی نے اُسکے موٹے موٹے

چھٹکارے کی مجھے کوئی سبیل بتایئے۔ کیا کہوں جان سے تنگ آگیا ہوں۔
سوامی جی نے کہا۔ دیکھو لکھپت۔ میں کیسا خوش رہتا ہوں۔ کبھی رنج و غم اور فکر و الم پاس پھٹکنے نہیں پاتا۔ لالہ جی بولے مہاراج آپ گیانی ہیں۔ آپ کے پاس فکر کیوں پھٹکنے لگا۔ فکر تو ہم گرہستیوں کا ہی حصّہ ہے۔ جن کی جان کے ساتھ ایک نہیں ہزار عذاب لگے ہوئے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ بھائی۔ گرہستیوں کی جان کے ساتھ عذاب لگائے کس نے ہیں؟ آپ ہی فکر کے اسباب پیدا کرتے ہیں اور آپ ہی فکرمند ہو کر رویا کرتے ہیں۔ کوئی پوچھے۔ جا بیجا اتنے تعلقات کیوں پیدا کر رکھے ہیں۔ تعلقات جتنے کم ہوں اتنا ہی فکر بھی کم ہوا کرتا ہے۔ پس اگر خوشی درکار ہے تو اتنے ہی تعلقات اپنے ساتھ رکھو۔ جنہیں آرام سے نباہ سکتے ہو۔ میری بھینس بیمار ہے۔ گھوڑی کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ کمیٹی کی ممبری چلی۔ کہیں کہیں کے رشتہ دار ناراض ہیں۔ اور سارے زمانے کے عذاب۔ میں پوچھتا ہوں۔ ان سب زنجیروں میں تمہیں جکڑ کس نے رکھا ہے۔ اپنے ہاتھوں آپ گرفتار ہو۔ اور پھر تماشہ یہ کہ بیزار ہو۔ انہیں چھوڑتے کیوں نہیں؟
لالہ لکھپت رائے نے کہا۔ مہاراج۔ گرہست میں رہ کر کونسا تعلق چھوڑ دیا جائے۔ سب تعلقات پیدا کرنے پڑتے ہیں اور جس طرح ہو ان کو نباہنا پڑتا ہے۔ سوامی جی بولے۔ اچھا جب تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ یہ تعلقات ضروری ہیں۔ تو پھر ان کے دکھڑے رونے سے کیا فائدہ۔ اچھے بُرے سب تعلقات جن سے پالا پڑے خوشی کیساتھ نباہنے چاہئیں۔ دیکھ لکھپت۔ یہ جگت سپنا ہے اور تو اس کا دیکھنے والا ہے۔ ؎ دیکھنے والے کو منظر سے زیان و سود کیا
بس یوں ہی سمجھ۔ کہ دنیا کا جتنا کاروبار ہے۔ سب خواب کی طرح جھوٹا ہے۔ اس سے تجھے شانتی نصیب ہو گی۔ جھوٹے کاربیوہار میں کس کو دلبستگی ہوتی ہے۔ تمام تکلیفیں اس باعث سے تکلیف دہ ہیں۔ کہ تم ان کو سچا جانکر ان میں سچّے دل سے پھنسے ہوئے ہو۔ میری نصیحت پر

جیلیت کے مطابق تم نے کچھ بھی نہیں دیا۔ ایک روز کہا سنی ہوتے ہوتے نوبت کار دور پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ لیکن میں نے دانائی سے کام لیا اور اُٹھ کر چلا آیا۔ منجھلا بیٹا ایک روز بگھی میں سے گر پڑا۔ ڈھائی ہزار روپے کی گھوڑی تھی اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور لڑکے کے بازو میں ضرب آئی۔ پندرہ روز تک دونوں وقت ڈاکٹر گھر پہ آتا رہا۔ ادھر بیوی کی ضعیفی ہے۔ وہ آئے دن بیمار رہتی ہے اور اس کا مزاج بہت چڑچڑا ہو گیا ہے۔ میں میونسپل کمشنر ہوں۔ چونکہ ان ایام میں جلسوں میں شریک نہیں ہو سکا ایک روز صاحب پریزیڈنٹ ناراض ہونے لگے۔ کہ تم سا ہوکار لوگ کمیٹی کی پروا نہیں کرتے۔ بہتر ہے کہ جلسوں میں نہیں آتے تو استعفا دیدو۔ مجھے خوف ہوا کہ میری ممبری چلی۔ بہت کچھ خوشامد درآمد کر کے صاحب کو راضی کیا۔ ایک مکان بنوا رہا ہوں۔ جو ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔ چھوٹے لڑکے کے لئے کانپور میں ایک کوٹھی کھلوانے کا فکر ہے۔ دیکھئے وہ اچھا ہو جائے تو ساجھی کے پاس اس کو روانہ کروں۔ دو بھینسیں دودھ کے لئے پال رکھی تھیں۔ ایک دن وہ دونوں کمبختیں ایسی ٹکر ملا لڑیں۔ کہ ایک کا مغز کھل گیا۔ اور وہ پندرہ روز سے مویشیوں کے ہسپتال میں ہے۔ آپ بھی بڈھا ہو گیا ہوں نہ وہ پہلے کے تولے رہے نہ وہ ہاضمہ ہے نہ وہ صحت ہے۔ دس پندرہ روز میں کچھ نہ کچھ شکایت ہو ہی جاتی ہے غرض مہاراج اپنی مصیبت کی کہانی کہاں تک سناؤں بیٹھا نصیبوں کو رویا کرتا ہوں۔

سوامی جی نے اس مصیبت بھری کہانی پر ہمدردی ظاہر کی اور مسکرا کر کہا۔ لالہ لکھپت رائے حقیقت میں پچھلے تین مہینوں میں تمہیں سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا ہے۔ لیکن بڑے مرد ہو۔ جو سب کو جھیل گئے اور تمہارے تن و توش میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ یہ سن کر لالہ لکھپت رگنے پھر ایک لمبا ٹھنڈا سانس بھرا اور ان کی توند پھر بھونپنی شروع ہوئی۔ جس سے مجھے وہ پہلا اندیشہ پھر پیدا ہوا۔ آخر لالہ جی نے مہاراج سے پوچھا۔ کہ سوامی جی آپ گیانی آدمی ہیں۔ ان مصیبتوں سے

زیادہ لمبا سانس بھرا میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ شخص الفریہ خواہ مخواہ مرد آدمی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی توند بھٹ جائے۔ اور صبح ہم سب کو عدالت میں گواہی کے لئے حاضر ہونا پڑے۔ چنانچہ میں نے کہا۔ لالہ ٹھنڈے سانس مت بھرو۔ مہاراج جو کچھ پوچھتے ہیں اس کا جواب دو۔

لالہ لکھپت رائے بڑی مغموم اور مری ہوئی آواز سے بولے۔ مہاراج۔ کیا کہوں۔ جو مصیبتیں مجھے سہنی پڑی ہیں۔ میرا ہی دل جانتا ہے۔ میں نے کہا۔ لالہ جی۔ تم ہمارے شہر کی ناک ہو۔ ساہوکارے میں تمہارا نام ہے۔ تم سے امیر کبیر آدمی اس طرح شکائتیں کریں۔ تو ہم غریبوں کا تو کیا ٹھکانا ہے۔ لالہ لکھپت رائے نے کہا۔ بھائی۔ مصیبت نہ امیر کو دیکھتی ہے نہ غریب کو۔ اس کی نظر میں دونوں یکساں ہیں۔ سوامی جی نے ہمدردی ظاہر کر کے کہا۔ تم نے سچ کہا۔ لیکن بیان تو کرو۔ کیا مصیبت روبکار ہوئی۔ جس سے تم ایسے مغموم و محزون ہو۔ لالہ لکھپت رائے نے کہا۔ مہاراج۔ ایک مصیبت کی کہانی سناؤں۔ دوسری کی سناؤں کیا کیا سناؤں۔ گرہستی کی جان کو روز عذاب تازہ ہے اور تکلیف بے اندازہ۔

سُنئے مہاراج۔ آج تین مہینے ہوئے۔ میرے آگرے کی کوٹھی کا گماشتہ دس ہزار روپے لیکر بھاگ گیا۔ آگرے جاکر پولیس میں اطلاع کی۔ دو ہزار روپے اور خرچ ہو چکے۔ اب تک کچھ پتا نہیں چلا۔ پندرہ روز آگرے میں ٹکریں مارتا رہا۔ جوں توں وہاں کا انتظام کیا ہی تھا کہ گھر سے بڑا بیٹا پہنچا۔ اس کی بیٹی کی شادی دو سال ہوئے ہزاروں روپے خرچ کر کے میرٹھ میں کی تھی۔ سمدھی ایسے نالائق نکلے کہ مار پیٹ کر لڑکی کو ہمارے گھر دہلی چھوڑ گئے۔ میں اور لڑکا دونوں میرٹھ گئے۔ پگڑیاں سمدھیوں کے پاؤں میں رکھیں۔ روپیہ نذرانہ دیا۔ الٹی معافیاں مانگیں اور لڑکی کو وہاں پہنچا آئے۔ چھوٹی لڑکی کے لڑکے کا بیاہ تھا۔ اُس میں بھات دیا۔ سینکڑوں روپے خرچ ہو گئے۔ لیکن نہ لڑکی نے کچھ داد دی۔ نہ اس کی سسرال والوں نے۔ سب یہی روتے رہے کہ اپنی

تھے کہ ہماری طرح یہ بھی بچے ہی ہیں۔ جب شاستر کی ویاکھیا کرتے تھے۔ تو آنند کا سمندر بہا دیتے تھے۔ جن مضامین پر آدمی پانچ منٹ تقریر نہیں کر سکتا۔ پہر پہر بھر اس فصاحت اور روانی سے توضیح و تشریح کرتے تھے۔ جیسے بے رکاوٹ دریا بہا چلا جاتا ہے۔ مَیں نے ایسا بولنے والا نہیں دیکھا۔ وہ مجلسیں میری نظر میں پھرتی ہیں۔ چاندنی کھلی ہوئی ہے۔ آپ چبوترے پر پلنگ پر لیٹے ہیں۔ دس پندرہ آدمی نیچے فرش پر بیٹھے ہیں۔ گیان کا اُپدیش ہو رہا ہے اور امرت کا وہ سمندر بہا چلا جا رہا ہے۔ جس کا وار ہے نہ پار ہے۔ جو شاستر کا واقف ہے وہ بھی مزا لے رہا ہے۔ اور جو ناواقف ہے وہ بھی مزا لے رہا ہے ÷

انہیں ست سنگوں میں سے ایک کا ذکر آپ کو سناتا ہوں۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ شام کو ست سنگی جمع ہوا کرتے تھے اور وہ باکھیاؤں کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔ انہیں میں سے ایک لالہ لکھپت رائے تھے۔ یہ کئی لاکھ روپے کی اسامی تھے۔ اور شہر میں ان کی دھاک تھی۔ کوئی پچپن برس کا سن و سال تھا۔ رنگ سانولا۔ تن و توش والے آدمی اور چھاتی سے پون گز آگے توند نکلی ہوئی۔ سوامی جی جب شہر میں تشریف لاتے تھے تو یہ بھی روزمرہ ست سنگ میں آیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ دو تین ماہ تک غیر حاضر رہے۔ آخر جب آئے تو شام کا وقت تھا اور ابھی ویاکھیا شروع نہیں ہوئی تھی۔ ہم سب نے پوچھا۔ کہو لالہ لکھپت رائے۔ اتنے دنوں کہاں رہے۔ تم تو روز کے آنے والوں میں ہو ÷

یہ سنکر لالہ لکھپت رائے نے ایک ایسا ٹھنڈا سانس بھرا کہ پہلے ان کی توند چھاتی سے پون گز باہر معلوم ہوتی تھی۔ اب پورے گز بھر باہر معلوم ہونے لگی۔ نیز اس زور سے سانس بھرا کہ سوامی جی کی توجہ بھی خواہ مخواہ اس طرف مبذول ہوئی۔ اور پوچھنے لگے۔ لکھپت خیریت تو ہے۔ اتنے عرصے سے کہاں تھے۔ اور آتے ہی ایسے ٹھنڈے سانس کیوں بھرنے لگے۔ سوامی جی کے التفات کرنے پر لالہ لکھپت رائے نے پہلے سے بھی

تھے۔ کیونکہ رات کے وقت سب کو فرصت ہُوا کرتی ہے۔
سوامی جی ہمارے شہر یعنی دہلی میں برسات کے موسم میں آیا کرتے تھے باقی تمام سال باہر رہا کرتے تھے۔ نہ اُن کے آنے کا وقت معیّن تھا۔ نہ جانے کا۔ جا ہے جس روز اطلاع مل جاتی تھی کہ سوامی جی آگئے ہیں۔ اور چاہے جس روز فرودگاہ پر پہنچکر معلوم ہوتا تھا کہ مہاراج چلے گئے۔ دِگمبر یعنی برہنہ رہتے تھے۔ صرف ایک کوپین بندھی رہتی تھی۔ وہی پہنے آتے تھے اور وہی پہنے چلے جاتے تھے۔ اس مکان میں بیٹھنے والوں میں سے کئی آدمی لکھپتی تھے۔ لیکن روپے اور مال و اسباب سے سوامی جی کو کچھ سروکار نہ تھا۔ پوشاک کا حال میں سنا چکا ہوں۔ کھانے کا یہ عالم تھا کہ زمانے بھر کی نعمتیں بیٹھنے والے لاتے تھے اور وہ سب کچھ کھاتے تھے۔ ایک روز کا ذکر سُنئے کہ طبیعت ذرا ناساز تھی۔ ایک چیلے نے کہا۔ اگر حکم ہو تو پتلی کھچڑی بناؤں۔ آپ نے کہا اچھا تمہاری راجہا۔ اس نے کھچڑی بنائی۔ نمک مصالح وغیرہ جس برتن میں کھا تھا اسی میں رکھا رہا۔ کھچڑی میں ڈالنا بھول گیا۔ مہاراج نے یہ بے سواد کھچڑی روز کے کھانے کی طرح پیٹ بھر کر کھائی۔ کھا چکے تو ہم پانچ چار آدمیوں نے بھی جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ پرساد کے طور پر تھوڑی تھوڑی لی۔ منہ پر نہیں رکھی جاتی تھی۔ جس شخص نے بنائی تھی وہ شرم کے مارے آدھا ہونے لگا۔ اور ہاتھ باندھ کر معافی کا خواستگار ہوا۔ سوامی جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ کہ بیٹا تو شرمندہ نہ ہو۔ ہمیں خبر بھی نہیں کہ ہم نے کیا کھایا ہے۔ اگر تیری بنائی ہوئی کھچڑی ہمیں بدذائقہ معلوم ہوتی تو نمک مصالح خود مانگ لیتے۔
غرض ان کی زندگی نردوند گزرتی تھی۔ نہ کسی چیز کی خواہش تھی نہ کسی چیز سے نفرت تھی۔ بچے۔ جوان۔ بوڑھے سب سے یکساں محبت سے ملتے تھے۔ اور ہر ایک کو گمان تھا کہ جیسے مجھ پر مہربان ہیں اور کسی پر نہیں۔ بچوں کے ساتھ بیٹھے کھیلا کرتے تھے اور بچے یہ سمجھنے

کنج تنہائی نہ کہئے اس کو وہ گلزار ہے
یاں سے آکر پھر نکلنا خاطروں کو بار ہے

کرتا رہتا ہوں بہت بیں سیر اس گلزار کی
دھیان میں ہیں ہیرے اسکے لطف وہ اسکے مزے
کار روزانہ کو رکھنا طاق پر اور بیٹھنا
بیٹھنا اور روکنا دل کو خیالِ غیر سے
ہائے کس کس طرح آتی ہیں نظر کے سامنے
بے ہیولے صورتیں کرتا ہے کیا کیا تغیار
عالم اسباب میں جو رنج کی ہیں صورتیں

بیں نئے کھائی ہے ہوا یاں کو جے دلدار کی
تازگی روح کی تسکین وہ جانِ زار کی
بند کرکے آنکھ اپنے دیدۂ بیدار کی
دیکھنا پھر ہوشیاری کو دلِ ہشیار کی
جاتیں بدلی ہوئی اس عالم پندار کی
مختلف الوان کی اور مختلف کردار کی
یاں نہیں وہ صورتیں آلام کی افکار کی

یہ مقام عافیت ہے آئے کب آلام یاں
رحمت حق پرتو افگن ہے صبح و شام یاں

کلام مہر جلد اول

اُس مکان کی آب وہوا ہی کچھ اور چیز تھی اور اُس کا لطف وہی شخص بتا سکتے ہیں۔ جنہوں نے اُس کے مزے لئے ہیں۔ شمال و پیدالان اور دو دالان سنگین تھے۔ اور ان کے پہلو میں کوٹھے تھے۔ دالانوں کے سامنے ایک سنگین چبوترہ تھا۔ اور اس سے اتر کر فراخ صحن تھا۔ جس کے کناروں پر خوبصورت محراب وار تنگ تنگ دالان اور سینے ہوئے تھے۔ کیا صحن میں اور کیا چبوترے پر رنگین گملے رکھے ہوئے تھے اور ان میں خوشبودار پھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ جن سے مکان پڑا مہکا کرتا تھا۔ یہ ایک رئیس اعظم کا مکان تھا۔ اور اس نے سوامی جی کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ جب وہ دہلی آتے تھے۔ اسی میں فروکش ہوتے تھے۔ جن ایام کا یہ ذکر ہے میں اُن دنوں گرہست کی حالت میں تھا۔ لیکن سوامی جی کا فیض صحبت مغتنم شمار کرکے اکثر ست سنگ سے فائدہ اٹھانے جایا کرتا تھا۔ رات کے وقت بیٹھنے والے جمع ہوا کرتے

ہے اور آپ اُن کے سبب سے کاہشیں سہتا ہے۔ اس سے کہو کہ خواہشاں چھوڑ کر آزاد ہو جائے اور علائق کے بند سخت کو توڑ دے۔ تمام رنج والم اور کاوش و کاہش خود بخود فرو ہو جائیگی۔ تو لاچاری اور مجبوری ظاہر کرتا ہے۔ غرض ہر روز اذیت تازہ اور تکلیف بے اندازہ برداشت کرتا ہے چیختا چلاتا ہے۔ روتا ہے۔ لیکن جو قید اپنے ہاتھوں اپنی جان کو لگائی ہے۔ اُس سے آزاد نہیں ہوتا۔ میں اسی اصول کی توضیح میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں۔ جو غور سے سننے کے لائق ہے ✣

میرے گورو جیون مکت پرش تھے اور جیون مکتوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ یعنی باوجودیکہ دنیا میں رہتے ہے۔ لیکن رہتے ہوئے بھی مکت یعنی آزاد تھے۔ سن و سال بڑا تھا۔ مگر چہرہ جب دیکھئے گلاب کی طرح شگفتہ نظر آتا تھا۔ ہر وقت مسکراتے نظر آتے تھے۔ جس سے بات کرتے تھے۔ ہنس کر بولتے تھے۔ میں نے کبھی انہیں مغموم و فکرمند یا غم و غصے کی حالت میں نہیں دیکھا۔ اُن کے پاس بیٹھنے سے طبیعت میں شانتی اور سکون آتا تھا۔ اور غنچۂ خاطرِ افسردہ کھلتا تھا۔ طبیعت پر کیسا ہی ہجوم الم کیوں نہ ہوتا۔ ان کے فیض صحبت سے وہ تسکین و طمانیتِ قلب سے بدل جاتا تھا۔ یہاں کی سوسائٹی یا ست سنگ کیا تھا۔ کنج تنہائی کا لطف دیتا تھا۔ جس کی تعریف میں شاعر کہتا ہے ✣

اشعار

یاں نسیم راحتِ آرام ہے ہر دم رواں — اور شگفتہ ہیں غنچے خاطروں کے ہر زماں
صبر و تسکیں کی ہوائیں ہر طرف ہیں عطر بیز — اور سکونِ قلب کے الوان ہیں آرام جاں
تازگی دل میں ہے ہر دم تازگی خاطر میں ہے — ہیں سرور و سور کی نہریں ہر طرف یہاں رواں
اس طرح ہے جوش زن جوشِ طرب اے دوستدار — ہر طرف ہیں دور تک آثار سیرابی عیاں
کھل رہے ہیں جا بجا ہر سو کھلے خوش رنگ و شاق — اُن کے نظارے سے پاتا ہے طراوت مغز جاں
موج زن ہے بیچ میں جمعیتِ خاطر کا حوض — اور کٹورا سا چھلکتا ہے میانِ گلستاں
میٹھے میٹھے کان میں آتے ہیں سُر تسلیم کے — بلبلیں نغماتِ خوش الحان باغ میں تسبیح خواں

باب ششم - بندھ یا گرفتاری

چھتیسویں سادھو کی کہانی

آدمی اپنے ہاتھوں بندھا ہوا ہے

اے مہر زبس مائل پندار ہے تو
وابستہ رنج و غم و افکار ہے تو
دنیا سے نہیں نہ یکر رہائی ممکن
اپنے ہاتھوں یہاں گرفتار ہے تو

ایک مہاتما جن کا نام شنکر آنند تھا کہنے لگے - مہاراج - جیووں کے بندھن کا باعث بھرم ہنڈولے ہیں آپ اپنی زبان مبارک سے خود فرما چکے ہیں - اُس کی توضیح کی کچھ ضرورت نہیں ہے - آپ نے کہا ہے :-

وہ پندار کے ہے ستونوں پہ قائم
سہالے اُسے یہ ہی رہتے ہیں دائم
بندھی اُس میں ہیں چوکیاں خواہشوں کی
مجسم ہیں وہ صورتیں کاہشوں کی
بد و نیک اعمال کی رسیاں ہیں
بندھی چوکیاں اُن سے یاں اور واں ہیں
زن و مرد سب اُنکو پکڑے ہوئے ہیں
خود اپنے ہی ہاتھوں سے جکڑے ہوئے ہیں

جیو کا بندھن اس کا پندار ہے - جس کے معنی صاف الفاظ میں خواہش کے ہیں - خواہش کی لطیف صورت واسنا کہلاتی ہے - جس طرح برتن میں لہسن رکھا ہوا ہوتا ہے اور اس کو بار بار دھونے سے بھی بُو نہیں جاتی - کیونکہ لہسن کے لطیف ذرے برتن کے مسامات میں بس جاتے ہیں - اسی طرح خواہش طبائع میں بسی ہوئی واسنا کہلاتی ہے - یہی واسنا بندھ کا باعث ہے - اس پر تماشہ یہ ہے - کہ خواہشات میں انسان کو مجبوری نہیں ہے - بلکہ وہ مختار محض ہے - آپ خواہشیں کرتا

دورنگی غضب کی نظر آرہی ہے
گھٹا ہے کہ تیرنگ کی چھا رہی ہے

ابھی دن تھا اور مہر روشن درخشاں
ابھی شب ہے اور اُسمیں مہتاب تاباں

خزاں ہو چکی تو ہے فصل بہاری
بہار اب نہیں تو خزاں کی ہے باری

وہ گرمی گئی اور وہ برسات آئی
وہ برسات بھاگی وہ چڑھ آئی سردی

وہ سردی بھی بھاگی وہ گرمی پھر آئی
وہ برسات کی پھر ہوئی ہے چڑھائی

غرض وقت میں ہے ہنڈولے کا چکر
اور اُس کی روانی جھکولے کا چکر

چڑھی پینگ پھر یہ نظارہ بھی بدلا
اور اک بحر لا انتہا میں نے دیکھا

کثافت بھی ہے اور لطافت بھی اسمیں
غلاظت بھی ہے اور نفاست بھی اسمیں

اسی بین میں ہے اسی میں زماں ہے
اسی میں مکیں ہے اسی میں مکاں ہے

اسی میں ہے ناسوت و ملکوت اسی میں
اسی میں ہے جبروت و لاہوت اسی میں

جہنم کا آتشکدہ بھی وہیں ہے
وہیں باغ رضوان و خلد بریں ہے

وہیں دھیانمیں اپنے بیٹھے ہیں دھیانی
وہیں گیان میں مست ہیں اپنے گیانی

غرض یہ ہنڈولا طلسمات کا ہے
کہ جو دیکھئے اس میں سب ایکجا ہے

ہنڈولا ہے جادو ہنڈولا ہے افسوں
ہنڈولے نے سب کو بنایا ہے مجنوں

غضب کا یہاں جال پھیلا ہوا ہے
کہ دیکھو جسے وہ ہی شیدا ہوا ہے

یہ مایا کا ہے جال سب ہیں اسی میں
سبب کچھ نہیں بے سبب ہیں اسمیں

جھکولوں سے ہیں گرچہ تکلیف سہتے
مگر جھولنے کو ہیں یاں بیٹھے رہتے

بتا اے مہر تم اس میں کھانا جھکولا
یہ مانا عجائب بہت ہے ہنڈولا

عجائب تر اس سے ہو تم آپ بھائی
خبر گر حقیقت کی کچھ تم نے پائی

حقیقت یہی اے مہر دنیا میں ہے سنے
سمجھ گر سمجھ تجھ کو اس بات کی ہے

کلام مہر جلد ثانی

چڑھی پینگ پھر میں نے دیکھا تماشا
نہ دیکھا جو اِن میری آنکھوں نے حاشا

منی جھولتے ہیں رشی جھولتے ہیں۔
ولی جھولتے ہیں نبی جھولتے ہیں

فرشتے جھکولے پڑے لے رہے ہیں
مزے دیوتا بھی کھڑے لے رہے ہیں

نہ چکر میں ہیں محض جن اور انسان
ہنڈولے ہیں غلطان ہیں شیطان و رحمان

یہ برہا ہے بیٹھا یہ وشنو ہے بیٹھا
یہ شو ہے جو جگ کا ہے سنگھار کرتا

غرض اک تماشہ عجب ہو رہا ہے
سمجھ میں نہ آیا کہ اسرار کیا ہے

ہنڈولے کا چکر برابر ہے جاری
وہ چکر کہ حیران ہے مخلوق ساری

چڑھی پینگ پھر اب جو نیچی نظر کی
تو آنکھوں نے میری عجب سیر دیکھی

جو تھا بیج پہلے وہ اسدم شجر ہے
شجر میں ہے برگ اور گل اور ثمر ہے

ہوئے ہیں شجر میں وہی بیج پیدا
شجر جن سے پھر ہونگے جا کر ہویدا

بنا اور اک میں نے دیکھا اچنبا
کہ پیپل کا تھا بیج رائی سے چھوٹا

مگر اسمیں مضمر وہ سارا شجر ہے
تنا اور شاخ اور برگ و ثمر ہے

شجر بیج سے بیج ہے پھر شجر سے
یہ چکر تو دیکھو ذرا تم نظر سے

درختوں میں صورت ہنڈولے کی دیکھو
قیاس اُس کو انسان و حیواں پہ کر لو

چڑھی پینگ پھر اور دیکھا نظارہ
کہ جو دیکھتا ہے جہاں آشکارا

سمندر ہے موجیں پڑا لے رہا ہے
مگر واں بھی خورشید کا پرتوا ہے

حرارت پہنچتی ہے بادل ہیں بنتے
وہ جوں سائبان آسمان پر ہیں تنتے

برستا ہے جب موسلا دھار پانی
تو آتی ہے دریا میں اُس سے روانی

پہاڑوں سے آتا ہے وہ پھر زمین پر
ندی نالے دیتے ہیں باج اُس کو آ کر

وہ بہتا ہوا ہے سوئے بحر جاتا
وہاں جا کے ہے بھینٹ اپنی چڑھاتا

نگاہ تعجب سے یہ میں نے دیکھا
ہنڈولے کا آب رواں میں ہے لیکھا

چڑھی پینگ پھر میں نے دیکھا وہ منظر
کہ حیران میں رہ گیا اور ششدر

لطیف و کثیف اس کی پینگیں نرالی | نئی ہیں سدا گرچہ ہیں دیکھی بھالی

چڑھی پینگ اور میں نے کھایا جھکولا | طلسمات آیا نظر وہ ہنڈولا
وہ پندارہ سگے ہے ستونوں پہ قائم | سہارے اُسی کے یہ ہی رہتے ہیں دائم
بندھی اُس میں ہیں چوکیاں خوب اچھی کی | مجسم ہیں وہ صورتیں کامنیوں کی
بدو نیک اعمال کی رسیاں ہیں | بندھی چوکیاں اُن کے پایاں اور رواں ہیں
زن و مرد سب اُن کو پکڑے ہوئے ہیں | خود اپنے ہی ہاتھوں سے جکڑے ہوئے ہیں
وہ ہیں لوبھ اور موہ کے ہاتھ دونوں | کر رہتے ہیں انسان کے ساتھ دونوں
ہنڈولے میں کھانے پڑے ہیں جھکولے | نہ سر سے ہی کھیلے نہ منہ سے ہی بولے

چڑھی پینگ پھر اور کیا دیکھتا ہوں | ہنڈولا ہے جادو ہنڈولا ہے افسوں
بہت اسمیں بیٹھے ہوئے مرد و زن ہیں | جھکولوں سے حرکت میں سب کے بدن ہیں
کوئی ہاتھ میں کچھ کتابیں لئے تھا | کوئی درس اور وعظ سا کر رہا تھا
کسی کو لیاقت کے دعوے بڑے تھے | کوئی فخر ذاتی سے چپکے کھڑے تھے
گرہستی پریشان بیٹھے ہوئے تھے | فقیر اُسمیں حیران بیٹھے ہوئے تھے
بہت اُن میں جاہل بہت اُن میں عالم | مگر عقل دیکھی کسی کی نہ سالم
پڑے کھا رہے ہیں برابر جھکولے | عجب شئے ہے تو واہ وا رے ہنڈولے

چڑھی پینگ اب جو ہنڈولے کو دیکھا | نظر آیا اس کا عجائب سا لیکھا
کوئی جوگی بن کر سمایا ہے اس میں | کوئی بھوگی بن کر سمایا ہے اسمیں
کسی کے لئے دھیان کا ہے ہنڈولا | کسی کے لئے گیان کا ہے ہنڈولا
جھکولے کتب کے کوئی کھا رہا ہے | کوئی بحث تلت سے گھبرا رہا ہے
کہیں خامہ فرسائیوں کا ہے چکر | کہیں پنتھ پنتھائیوں کا ہے چکر
یہاں بیٹھے دیکھے شریعت کے شیدا | یہاں بیٹھے دیکھے طریقت کے شیدا
جھکولے مگر کھا رہا ہے زمانہ ۔ | کسی نے نہ بھید اس ہنڈولے کا جانا

اور خود مختار ہے - ہاں خدا اگر اپنے بندوں سے کوئی علیحدہ چیز ہے تو اُس کو بندوں کی جان کے ساتھ کسی قسم کا عذاب لگانا سخت بے رحمی ناانصافی اور ظلم ہے - برعکس اس کے خواب بیں کو اختیار ہے - کہ اپنے عالم خواب میں چاہے جیسا تماشہ رچ کر اُس کی کیفیت دیکھے سکھ ہو - دکھ ہو - رنج ہو - راحت ہو - کچھ ہو اس سے کیا غرض ہے عالم خواب محض خواب بیں کی ذات ہے اور کچھ نہیں ؂

اس واسطے تمام چیزیں مایا یا اِیدیا کے پرنیام یعنی ارتقائی صورتیں ہیں - یا یوں سمجھو کہ چیتن کے ورت ہیں یعنی تمام صورتوں میں چیتن طرح طرح کے روپ سے اُسی طرح نظر آتا ہے جس طرح خواب میں خواب کے طرح طرح کے روپ ہیں - ہاں تمام صورتوں کی جلوہ گری مایا کی جلوہ گری ہے - یہ مہیشوری مایا وہ چیز ہے - کہ اس کی نیرنگیاں بیان سے باہر ہیں - اُس نے تمام جگت کو موہ رکھا ہے معمولی آدمیوں کا تو کیا کہنا ہے - بڑے بڑے گیانی دھیانی پنڈت رشی منی - دیوتا اور اوتار سب اُس کے آدھین ہیں - بھرم ہنڈولا وہ ہنڈولا ہے جس میں سب جھولتے دیکھے جاتے ہیں - شاعر نے اس مضمون کو باندھا ہے - اور وہ میں تمہیں سناتا ہوں ؂

بھرم ہنڈولا یا گہوارۂ پندار

ہنڈولا عجب ایک ہے اس جہاں میں
نہ پوچھو کہ کیا ہے ہنڈولے کا لیکھا
وہ پھیلا ہوا ہے زمین و زماں میں
محیطِ دو عالم اسے میں نے دیکھا

کبھی ہر وہ نیچے کبھی ہے وہ اوپر
کبھی آسماں پر چڑھی پینگ اُس کی
نہیں تھمنے پاتا بندھا ہے وہ چکر
کبھی جاکے تحت الثریٰ میں ہے اُتری

نہیں ایک حالت پہ قائم ہنڈولا
جھکولے عجب طرح کے لے رہا ہے
نئی پینگ اسکی بنیا ہے جھکولا
نظر کو جمائے کوئی تاب کیا ہے

کو جیو تو مانے ہوئے ہے۔ وہمیہ سہی مگر بندھ تو ہے۔ سب کو پرم آنند کا بھان ہونا چاہئے۔ جو برہم کا سروپ بتایا جاتا ہے۔ لیکن بھان کس چیز کا ہوتا ہے۔ دکھ روپ جگت کا۔ بھلا کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے محض اس واسطے کہ ابدیا کا دوش ساتھ لگا ہوا ہے۔ جس طرح اندھیرے کے دوش سے رسّی سانپ نظر آتی ہے۔ اسی طرح ابدیا کے دوش سے برہم جگت سروپ دکھائی دیتا ہے۔ اب تو کہے گا کہ برہم جو گیان سروپ ہے اُس نے اپنے وہم میں دکھ روپ جگت کیوں رچا سکھ روپ کیوں نہ رچا۔ گیان سروپ برہم تو بالکل آزاد اور خود مختار ہے میرے دوست سچ ہے۔ اسی طرح خواب میں بھی تو گیان سروپ آتما ہونے کی وجہ سے آزاد و خود مختار ہے۔ وہ اپنے لئے دکھ روپ خواب کیوں رچتا ہے۔ سکھ روپ ہی کیوں نہیں رچتا۔ اگر کہو اس جنم کے یا جنمانتر کے کرموں کے پھل کی وجہ سے خواب میں دکھ سکھ بھوگتا ہے۔ تو یہی مثال بیداری میں عاید کیوں نہیں کرتے۔ اس جنم کا وہمیہ بھوگ پہلے جنم کا پھل ہے۔ اس کا اس سے پہلے جنم کا وغیرہ وغیرہ لیکن اس سلسلے کا کہیں خاتمہ بھی ہے۔ اور جگت کسی خاص وقت میں شروع بھی ہوا یا نہیں۔ ہرگز نہیں جگت انادی ہے۔ اس کا آدی یعنی آغاز کیسا۔ اور ہو تو ویدانت کو اس سے بحث کیا پڑی ہے۔ ابدیا یا مایا چیتن کے ایک دیش یعنی جزو ضعیف میں ہے۔ گیان کے سمندر آتما میں جلوۂ کائنات کی موج اُٹھ آئی ہے۔ لیکن اُٹھ آئی ہے تو اُٹھ آیا کرے۔ اس سے بگاڑ ہی کیا ہے۔

ہاں اتنی بات خیال میں رکھنی چاہیئے۔ کہ مادہ پرست اور خدا پرست کے پاس پیدایش کائنات کا کوئی مدّعا یا غرض نہیں ہے۔ ویدانت جگت کی غرض یہ بتاتا ہے۔ کہ آتما کی لیلا ہے۔ تماشا دوست آتما اپنی ذات میں نیرنگیوں کے تماشے دیکھتا ہے۔

آتما اپنی ذات میں ہر طرح کے تماشے دیکھنے کے واسطے مطلق آزاد

کائنات گیان سروپ آتما کا وہم ہے۔ تو اُس نے اپنے جان کو یہ عذاب کیوں لگا رکھا ہے۔ اپنے آنند میں ہی مگن کیوں نہ رہا۔ یہ سکھ دکھ کی نیرنگیاں کیوں رچی ہیں۔ اور اس عالم صغیر و کبیر سے اس کا مطلب کیا ہے۔ ویدانت اس سوال کو اٹھاتا ہوا جھجکتا نہیں ہے اٹھاتا بھی ہے۔ اور اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ لیکن پہلے پوچھنے والے سے پوچھنا ہے۔ کہ بھائی تو مادہ پرست ہے یا خدا پرست۔ اگر آجکل کے سائنس دانوں کی طرح مادہ پرست ہے تو بتا کہ مادّے کو دنیا کے رچنے سے کیا غرض پڑی ہے۔ اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں نہیں ہے کہ کائنات ازل سے یونہی چلی آئی ہے اور یونہی چلی جائیگی۔ گویا جو سوال اُٹھایا گیا تھا۔ اس کا جواب کچھ بھی نہیں بن آیا۔ صرف جگت کو انادی بتا دیا۔ اب خدا پرست سے یہی سوال پوچھو کہ کیوں بھائی جب خدا کو قادر مطلق۔ محبت مطلق۔ رحیم۔ کریم وغیرہ وغیرہ مانتے ہو تو دنیا میں یہ دُکھ اور بدی کیوں نظر آتی ہے۔ قادر مطلق یعنی سرو شکتیمان ایشور اس کا انسداد کیوں نہیں کرتا۔ خدا پرست کے پاس اس کا جواب کچھ نہیں ہے۔ دو دو ہزار برس سے خدا پرست فرنگستانی اس بدی کے مسئلے میں ٹکریں مار رہے ہیں۔ لیکن حل ہونے کی بابت پوچھئے تو ہنوز روز اول ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ خدا کی حکمت انسان کی سمجھ سے باہر ہے۔ کوئی کہتا ہے جگت انادی ہے معنے صرف یہی ہیں کہ یہ سوال ہم سے حل نہیں ہوتا ❖

پھر ویدانت ہی کے سر پر اس کا بوجھ کیوں رکھا جائے۔ لیکن ویدانت دلیل کا شاستر ہے۔ کسی سوال سے گھبراتا نہیں ہے۔ بلکہ خود اٹھا کر اُس کا جواب دیتا ہے۔ اوّل تو یہ سوال ہی محض لغو ہے تو پوچھتا ہے۔ سرویاپک یعنی غیر محدود برہم جیو کیونکر ہو گیا۔ میرے بھولے دوست کہیں غیر محدود شے بھی محدود ہو سکتی ہے۔ تیرے سوال میں ہی لفظی تناقض ہے۔ ہہ ہو اپچھ نہیں گیا۔ تو کہیگا برہم نے اپنے

ہے۔ساکشی ابدیا کا برودھی نہیں الٹا سادہک ہے *

خیر یہ ایک جملۂ معترضہ تھا۔ برتی یشئے کی صورت اختیار کر لیتی ہے
تو گویا یشئے مصفا انتہ کرن ہوگیا۔ اس میں چیتن کا ابھاس پڑتا ہے۔
اور یشئے چیتن کا پرماتا چیتن سے ابھید ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جس
طرح یشئے چیتن میں کلپت ہے۔ اسی طرح اُس کا گیان ہوجاتا ہے۔
بھرم میں چونکہ یشئے اور برتی کا پورا سمبندھ نہیں ہے۔ اس وجہ سے
ادھر یشئے کی ابدیا ایک صورت خاص اختیار کر لیتی ہے۔ اُدھر انتہ کرن
کی ابدیا وہی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور بھرم کا یشئے پرتیکش نظر
آتا ہے *

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کیا حقیقت میں ایک گیان سروپ
آتما میں گیانوں کی یہ نیرنگی ہے کہ ایک تحقیقی ہے اور دوسرا وہم۔ اس کا
جواب صاف ہے۔ کہ وجود صرف ایک گیان سروپ آتما کا ہے۔ اور اس
نے اپنے وہم میں جو جو شئے جس طرح مانی ہے۔ اسی طرح شاستر توضیح
کرتا ہے۔ وہی خواب کی مثال پھر لو۔ اور دیکھو کہ کائنات خواب میں
خواب بیں کے سوائے اور کوئی وجود نہیں ہے۔ لیکن وہی یہ مانے ہوئے
ہے کہ اندریوں سے مجھے گیان ہوتا ہے۔ روشنی میں ہوتا ہے۔ اندھیرے
میں نہیں ہوتا۔ یہ علم تحقیقی ہے۔ اور یہ مغالطہ اور دھوکا ہے۔ وغیرہ
وغیرہ۔ حالانکہ خواب کی دنیا میں سوائے نظر بینا کے اور کچھ نہیں ہے
بعینہ یہی حال عالم بیداری کا ہے۔ یہاں بھی نظر بینا صرف ایک ہے
لیکن جس جس طرح اُس نے جس جس بات کو مان رکھا ہے اُسی طرح وہ
بات ہوتی ہے۔ دوسری طرح نہیں۔ درشٹا یا بینا صرف ایک ذات احد
ہے جو گیان سروپ ہے۔ وہ اپنی ذات میں پہلے مایا کی کلپنا کرتا ہے
اور اس مایا سے کائنات کے تمام نیرنگوں کی۔ وجود واقعی صرف اس کا ہے
باقی ہر ایک چیز وہمیہ ہے *

یہاں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جس صورت میں تمام

یعنی نہ پہلے کبھی سانپ بنی - نہ اب ہے - نہ آئندہ ہوگی - مگر تماشہ ہے۔
کہ سانپ پرتیکش نظر آرہا ہے - اس کو ست یعنی ہست نہیں کہہ سکتے
کیونکہ ہست وہ چیز کہلاتی ہے - جو تینوں زمانوں ماضی و حال و استقبال
میں ہست رہے - اور یہ رسّی کا سانپ وہ چیز ہے کہ گیان سے اس
کا بادھ ہوجاتا ہے - نہ پہلے تھا اور نہ آئندہ رہیگا - صرف زمانہ
حال میں بود نمودی رکھتا ہے - اس واسطے اس کو ہست کہنا درست
نہیں - اسی طرح است یعنی نیست مطلق بھی نہیں کہہ سکتے - کیونکہ
اگر نیست ہے تو گدھے کے سنگ یا بانجھ کی اولاد کی طرح کبھی نظر
آنا ہی نہیں چاہئے - اس وجہ سے یہ ست اور است یعنی ہست و
نیست دونوں سے علیحدہ چیز ہے - اس کو انرو چینہ کہتے ہی بن آتی
ہے - یعنی ایسی چیز جس کا نروچن یعنی بیان نہیں ہوسکتا ٭

اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ پرماگیان یعنی علم تحقیقی کیا ہے - اور
بھرم گیان یعنی وہم و پندار کیا ہے - پرماگیان میں اندریہ کا برتی سے
پوری طرح الحاق ہوکر برتی بشئے کی صورت اختیار کرتی ہے - برتی
کا مطلب بشئے کے آورن یعنی حجاب کے دور کرنے کا ہے - جیسے
اندھیرے میں کوئی چیز گھڑے میں ڈھکی رکھی ہے - گھڑے کو توڑ دیا
جائے تو ایک پردہ اس چیز پر سے اُتر گیا - یہی کام برتی کرتی ہے
لیکن اس حجاب کے دور ہونے سے چیز نظر نہیں آئے گی - کیونکہ
اندھیرا بدستور باقی ہے - اسی طرح برتی اگرچہ مصفا ہے لیکن جڑ ہے
اس اندھیرے یا جڑتا کے دور کرنے کے واسطے چیتن کے عکس
کی ضرورت ہے - جو چیتن کے آدھین ہے - پس معلوم علم اور عالم
یعنی بشئے - برتی اور پرماتا یعنی آبھاس سمیت انتہ کرن تینوں ساکشی
بھاسیہ یعنی ساکشی یا شدھ گیان سروپ آتما کے نور سے منور ہوتے
ہیں - جاگرت اور سوپن دونوں میں یہی حال ہے - سشپتی میں صرف
کارن شریر یعنی واسنا روپ اودیا رہتی ہے - وہ بھی ساکشی بھاسیہ

اس واسطے دونوں ابدیاؤں میں تحریک پیدا ہوگی ۔ جسے سنسکرت میں کشوبھ کہتے ہیں - اور مشابہت کے سنسکار اُدے ہونے سے جو شکلیں پیدا ہونگی - وہ بھرم کے بشئے سے ملتی جلتی ہونگی - اسی وجہ سے انتہکرن چیتن کے اشرت ابدیا کے حصہ ستوگنی میں کشوبھ ہوکر من میں سانپ کی صورت پیدا ہو جائیگی اور بشئے چیتن کے آشرت ابدیا کے حصہ تموگنی میں کشوبھ پیدا ہوکر سانپ کی صورت باہر بنکر کھڑی ہو جائیگی - اور بشئے چیتن کے سامنے پرتیکش نظر آئیگا - حافظے کا کرشمہ نہ ہوگا - اور جب تک اصل رسی کے گیان سے اس کا بادھ یعنی ناش نہ ہوگا - برابر پرتیکش نظر آتا رہیگا - رسّی کے گیان ہوتے پر ادھر تو باہر کا سانپ جاتا رہیگا - ادھر گیان چونکہ بشئے کے آدھین ہے - من کے سانپ کا بادھ ہو جائیگا - اسی طرح بھرم کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں - اور اسیطرح اُن کا گیان سے بادھ ہوتا ہے ؛

اسی بات کو شاستر کی اصطلاحات نکال کر سیدھے سادے الفاظ میں بیان کریں - تو صورت یہ ہوگی - رسّی میں جو سانپ نظر آتا ہے - وہ محض حافظے کا کرشمہ نہیں ہے - کیونکہ پرتیکش سامنے نظر آتا ہے - حافظے کی دھندلی تصویر نہیں ہے - حافظہ کا کام وہاں ختم ہو جاتا ہے - جہاں رسّی سے ملتی ہوئی چیز یعنی سانپ کے سنسکار من میں اُدے ہو جاتے ہیں - اب من کام شروع کرتا ہے یعنی سانپ کی صورت گھڑتا ہے - اور اُسے نکال کر اسی طرح باہر پھینکتا ہے - جس طرح خواب کی صورتوں کو - یہی وجہ ہے کہ سانپ اُسی طرح صاف اور پرتیکش نظر آتا ہے - جس طرح خواب کی صورت صاف اور پرتیکش نظر آتی ہے - ایک اور تماشہ بھی قابل غور ہے - سانپ رسّی کو تو چھپاتا جاتا ہے - اور دمبدم اپنے حصّے یکے بعد دیگرے دکھاتا جاتا ہے - یہی آورن اور وکشیپ مایا کی دو شکتیاں ہیں - جو سروپ کو چھپاتی ہیں - اور نئی نئی صورتیں پیدا کرتی جاتی ہیں ؛

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وہمی سانپ کی صورت کیا ہے -

ہر شخص اپنے تجربے سے آزما سکتا ہے۔ دوسرے ایک ہی لمحے میں دو گیانوں کا من میں پیدا ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک پرتیکش ہے اور دوسرا اسمرتی یا حافظہ۔ دونوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ اوقات کا ہونا از بس ضروری ہے۔ تیسرے رسی سانپ یا چاندی اگر محض حافظے کی کیفیات ہیں۔ تو بس کیفیات حافظے ہی کی طرح محسوس ہونی چاہئیں۔ لیکن بھرم کے محل میں سانپ یا چاندی پرتیکش سامنے نظر آتی ہیں۔ اور آدمی ڈر کر بھاگتا ہے یا لینے کو دوڑتا ہے۔ حافظے کی کیفیات کا یہ نقشہ کسی صورت میں ممکن نہیں ہے +

غرض دلیل کی روشنی میں چاروں کھیاتیاں جو اوپر بیان ہوئیں نہیں ٹھہر سکیں۔ اس وجہ سے ہم کو توضیح کا کوئی اور طریق تلاش کرنا چاہئے۔ کہ رسی اور سیپی میں جو سانپ یا چاندی نظر آتی ہے اس کی اصلی وجہ کیا ہے۔ ویدانت شاستر میں یہ مسئلہ بڑی وقعت رکھتا ہے۔ کیونکہ رسی میں سانپ نظر آنے کا معمہ ہم نے حل کر لیا۔ تو کائنات کا معمہ حل کر لیا۔ سچدانند برہم میں جگت کی پرتیتی بالکل اسی طرح ہے جس طرح رسی میں سانپ نظر آتا ہے۔ پس غور سے سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ویدانت اس مسئلے کی توضیح کس طرح کرتا ہے +

۵۔ انر وچنیہ کھیاتی

ویدانت کا مت ہے کہ بھرم کے محل میں جہاں رسی اور سیپی میں سانپ اور چاندی نظر آتی ہے۔ وہاں گیان کا عمل اس طریق سے ہوتا ہے۔ انتہ کرن کی برتی اندریہ کے دروازے سے نکل کر شئے یعنی رسی یا سیپی تک جاتی ہے۔ لیکن اندھیرے وغیرہ کے دوش سے اُن پر محیط ہو کر اُن کی صورت اختیار نہیں کر سکتی۔ اس وجہ سے بار بار سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ کیا شئے ہے۔ یہ کیا شئے ہے۔ یاد رہے۔ کہ شئے چیتن جس کے آشرت ابدیا اور پرماتما یعنی انتہ کرن چیتن کے آشرت ابدیا۔ دونوں اس وقت ملحق ہیں۔ اگرچہ یہ الحاق پورا پورا نہیں ہے

جنیہ ہی ہونا چاہیئے۔ اگر کہو کہ حقیقت میں بھرم بھی اندریہ جنیہ گیان ہی ہے۔ کیونکہ لشئے اور اندریہ کے سمبندھ سے کچھ خواص تو بلا واسطہ اندریہ جنیہ ہیں۔ اور کچھ پہلے سنسکاروں کی وجہ سے بالواسطہ اندریہ جنیہ ہیں۔ تو اول تو یہ اعتراض ہے کہ یہ دُہرا گیان انوبھو سِدّھ نہیں۔ سانپ اور چاندی ایک ہی گیان ہیں۔ پرتیکش نظر آتے ہیں دوسرے بگیان اندریہ جنیہ ہے۔ تو انیتھا کھیاتی یعنی اور طرح سے پرتیتی یا احساس کا امکان ہی نہیں ہے۔ چیز جیسی ہے۔ ویسی ہی نظر آنی چاہیئے۔ بھلا کیونکر ممکن ہے کہ گیہ چیز یعنی شئے معلوم تو رسی اور سیپی ہے اور گیان ہوتا ہے۔ سانپ اور چاندی کا اس لحاظ سے انیتھا کھیاتی میں بھرم کی توضیح محض لغو ہے ÷

۴۔ اکھیاتی

یہ پورب میمانسا اور سانکھیہ کا مت ہے۔ اکھیاتی وادی کہتا ہے۔ کہ بھرم کے محل میں برتّی کا اندریہ کے ذریعے سے رسّی یا سیپی سے الحاق ہوکر دونوں کا سامانیہ گیان یعنی علم عامّہ ہوتا ہے۔ لیکن اندھیرے وغیرہ کے دوش سے لشیش گیان یعنی علم خاصہ یعنی مخصوص خواص کا علم نہیں ہوتا۔ ہاں مشابہ سنسکار جو حافظے میں جمع ہیں وہ اُدے ہوتے ہیں۔ پس اس علم میں کہ "یہ سانپ یا چاندی ہے" دو علم ہیں۔ "یہ" رسّی اور سیپی کا سامانیہ گیان ہے اور "سانپ یا چاندی ہے"۔ حافظے کا کرشمہ ہے۔ مگر یہ دونوں گیان یعنی "یہ" اور "سانپ یا چاندی" تحقیقی ہیں۔ کیونکہ ایک پرتیکش ہے اور دوسرا حافظہ یا سمرتی ہے۔ لیکن معلوم میں اندھیرے وغیرہ کے نقص اور عالم میں خوف یا لالچ وغیرہ کے نقص سے یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ دو گیان ہیں۔ اس تمیز نہ ہونے کا نام ہی "اکھیاتی" یا پرتیتی یعنی احساس نہ ہونا ہے۔ سانکھیہ کے اور مسائل کی طرح اکھیاتی وادبھی مدلل اور مسلسل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دلیل کو یہ بھی نہیں سہار سکتا۔ دو گیانوں کا ماننا انوبھو یا احساس کے خلاف ہے۔ اس بات کو

حصّہ درست ہے۔ بھرم صرف اس بات میں ہے۔ کہ وہ باہر نظر آتے ہیں۔ اس سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ سانپ اور چاندی من کے اندر ہیں تو محسوس بھی اسی طرح ہوتے چاہئیں۔ کہ من کے اندر ہیں جیسے حافظے کی کیفیات محسوس ہوتی ہیں۔ باہر کیوں محسوس ہوتے ہیں پھر چھنک بگیان واد کے مسئلے کے مطابق ان کا احساس بھی لمحہ بھر سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ یہ دو سخت اعتراض ہیں جن کا جواب بگیان واد میں نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ سانپ اور چاندی حافظے کی کیفیات نہیں ہیں۔ بلکہ مشابہت رسن و صدف کے باعث من خود اُن کی کلپنا کرتا ہے۔ اور باہر پھینک کر اُنہیں اپنے سے باہر دیکھتا ہے۔ تو یہ بگیان واد کو چھوڑ کر ویدانت کے انروچنیہ کھیاتی کو اختیار کر لیتا ہے ؛

۴- انیتھا کھیاتی

یہ نیائے اور ویشیشک شاستروں کا مت ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ چیز کچھ ہے۔ اور انیتھا یعنی اور طرح نظر آتی ہے۔ نیائے مت میں علم اشیائے خارجی کا طریق مندرجہ ذیل مانا گیا ہے شئے کا اول اندریہ کے ساتھ سمبندھ یعنی الحاق ہوتا ہے۔ اندریہ کا من سے۔ اور من کا آتما سے۔ اس درجے پر پہنچکر گیان ہو جاتا ہے۔ گویا تمام گیان اندریہ جنیہ ہے۔ یعنی اندریہ سے پیدا شدہ ہے۔ بھرم کے محل میں دوش یعنی اندھیرے وغیرہ کے نقص سے شئے کا اندریہ سے پورا پورا الحاق نہیں ہوتا۔ لیکن جتنا الحاق ہوتا ہے۔ اُس سے کچھ کچھ خواص شئے کے محسوس ہوتے ہیں۔ اور اُن سے من میں مشابہ سنسکار اُدے ہوتے ہیں۔ مثلاً رسی اور سیپی کی صورت میں درازی یا سانپ کی صورت ہونا یا سفیدی اور چاندی کی چمک وغیرہ اس وجہ سے سانپ اور چاندی نظر آنے لگتی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس وقت تمام گیان اندریہ جنیہ ہے۔ تو بھرم گیان بھی اندریہ

ہے۔ کہ جو کائنات ہمیں محسوس ہوتی ہے۔ کیا مادّہ اور کیا روح۔ سب ایک بود نمودی ہے۔ جب تک ہم جیتے رہتے ہیں۔ یہ بود نمودی اپنا جلوہ دکھاتی رہتی ہے۔ جب موت آگئی کچھ باقی نہیں رہتا۔ نہ مادّہ کا وجود واقعی ہے نہ رُوح کا۔ دونوں اسست یعنی مطلق نیست ہیں۔ اسی کو شونیہ کہتے ہیں۔ پس جس طرح اصلی رسّی اور سیپی است ہیں۔ اُسی طرح اُن میں سانپ اور چاندی کی پرتیتی یعنی احساس ہونا کبھی اسست ہے۔ اُس کو اسست کھیاتی یعنی اسست یا نیستی کا احساس کہتے ہیں۔ یہ مذہب محض لغو ہے۔ اس کے تو صرف یہ معنی ہیں۔ جیسے کوئی شخص کہے۔ میرے منہ میں زبان ہی نہیں ہے۔ گویا اپنے منہ سے ہی اپنا کھنڈن کرنا۔ زبان نہیں تو بولتا کہاں سے ہے۔ اسی طرح اگر کائنات اسست یا نیست مطلق ہے۔ تو پرتیتی اور احساس کیسا۔ گدھے کے سینگ یا بانجھ کی اولاد کی طرح پرتیتی بالکل ہونی ہی نہیں چاہیئے۔ پس اسست کھیاتی داناؤں کے ماننے لائق نہیں ہے۔

۲۔ آتم کھیاتی

یہ بگیان وادی یاسن سینشنلسٹ وائڈیلسٹ کا مذہب ہے۔ بگیان وادی کہتا ہے۔ کہ جو کائنات ہمیں محسوس ہوتی ہے وہ ہمارے ہی من کے اندر ہے۔ اور ہمارے ہی من کی برتی روپ یعنی کیفیات نفس کا مجموعہ ہے۔ ہم سے باہر نہیں ہے۔ دمبدم کیفیات نفس بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن دریا کی دھار کی طرح ایک بگیان دھارا نظر آتی ہے۔ پس رسّی اور سیپی میں سانپ اور چاندی کی پرتیتی یعنی بھرم اس بات میں ہے۔ کہ سانپ اور چاندی برتی روپ سے ہمارے من کے اندر ہے اور محسوس ہم اُس کو باہر کرتے ہیں میں بگیان وادی کا کھنڈن اپنی تیسری ودیا کھیا میں شرح و بسط سے کر چکا ہوں۔ یہاں صرف اُس کے بھرم کی توضیح کر دیتا ہوں۔ بگیان وادی کہتا ہے۔ کہ سانپ اور چاندی من کے اندر ہیں۔ اس وجہ سے گیان کا یہ

...ا ہے۔ لیکن یہاں بھی علم اشیا میں خاص اسباب کی محتاجی
مانی ہوئی ہے +

علم تحقیقی کی ماہیت آپ کو سوامی رامانند نے بتائی ہے۔ انتھ کرن کی برتی اندریہ کے دروازے سے نکل کر لشے تک جاتی ہے۔ اور اُس پر محیط ہو کر اُس کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اس طرح پرماتا چیتن اور لشے چیتن میں ابھید ہوتا ہے۔ اور انتھ کرن میں جو مصفا چیز ہے۔ اور اُس وقت لشے کی صورت ہے چیتن کا عکس پڑتا ہے اس طرح چیز جانی جاتی ہے کہ کیا ہے۔ اسی کو پرتیکش گیان کہتے ہیں اور یہ علم تحقیقی ہے۔ جہاں اندریہ اور لشے کا پوری طرح سمبندھ یعنی الحاق نہیں ہے۔ وہاں علم تحقیقی کا امکان بھی نہیں ہے۔ پس اگر کسی دوش یعنی نقص مثلاً اندھیرے وغیرہ کے باعث انتھ کرن کی برتی لشے پر محیط ہو کر اُس کی صورت پورے طور پر اختیار نہیں کر سکتی وہاں علم ناقص رہیگا۔ اُسی کو بھرم کہتے ہیں۔ چونکہ ہست طرح ایک گیان سروپ آتما ہے۔ اور وہ جگت کی صورت نظر آرہا ہے۔ اس واسطے یہ اُسی طرح کا بھرم ہے۔ جس طرح اندھیرے میں رسی سانپ کی صورت نظر آتی ہے۔ یا سیپی چاندی کی صورت دکھائی دیتی ہے یہاں رسی اور سیپی اصلی چیزیں ہیں۔ جنہیں ادھشٹھان کہتے ہیں اور سانپ اور چاندی بھرم روپ ہیں۔ آؤ دیکھنا شروع کریں۔ کہ مختلف مذاہب فلسفہ اس بھرم کی توضیح کیونکر کرتے ہیں۔ نظر آنے یا محسوس ہونے کو اصطلاح میں "کھیاتی" کہتے ہیں۔ پس رسی اور سیپی کا سانپ اور چاندی نظر آنا کھیاتی کہا جائیگا۔ ایک ایک مذہب فلسفہ کو لیتے جاؤ۔ اور دیکھتے جاؤ۔ کہ اُس کی توضیح درست ہے یا ناقص +

۱۔ اسَت کھیاتی

یہ شونیہ وادی یا ناٸی ہیلسٹ کا مذہب ہے۔ شونیہ وادی کہتا

سوامی برہمانند کی پانچویں لیلا

ادھیاس کے مسئلے پر فلسفیانہ نظم

کس کی اے مہر تجھ کو مہجوری ہے — کس کو تجھ سے حجاب مستوری ہے
کر دور خودی دل سے کہ تو نوری ہے — جب تک کہ ہے پندار تجھے دوری ہے

آمنت غیر کا نہ یوں بار اٹھا — خودسی کر احسان نہ زنہار اٹھا
آنکھوں سے ذرا پردۂ پندار اٹھا — جب اٹھ گیا یہ تو لطف دیدار اٹھا

سادھو! اشیائے خارجی کا علم کیونکر ہوتا ہے؟ علم تحقیقی کیا ہے؟ اور وہم و پندار کیا ہے؟ یہ تینوں سوال نہایت اہم سوال ہیں — سوامی رامانند نے اپنی کہانی میں تینوں سوالوں کو اٹھایا ہے اور اُن کے اہمیت ذہن نشین کرا کے اُن پر نتیجہ خیز بحث کی ہے دلائل فلسفی ہم کو اس نتیجے پر پہنچاتی ہیں۔ کہ وجود صرف ایک ذات احد کا ہے جو گیان سروپ ہے۔ اس گیان کے سمندر میں جگت اُدے ہوتا ہے۔ لہذا اس جگت کی ہستی چیتن آتما کی ہستی کی اسی طرح تابع ہے۔ جس طرح کائنات خواب بیں کی ہستی کے تابع ہے۔ جن اشیا کو ہم خارجی سمجھے ہوئے ہیں۔ حقیقت میں وہ خارجی نہیں بلکہ داخلی ہیں۔ ہم نے اُن کو اسی طرح خارجی مانا ہوا ہے۔ جس طرح خواب بیں کائنات خواب کو خارجی مانتا ہے۔ حالانکہ تمام کائنات خواب اُسی کے من کا کھیل ہے۔ لیکن خواب میں بھی خواب بیں اشیا کے علم حاصل کرنے کے واسطے اپنے ہی وہم سے اپنے آپ کو خاص اسباب مثلاً اندریہ اور من کا محتاج مانتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال عالم بیداری کا ہے۔ گو عالم بیداری کی کائنات بھی چشم بینا کی نظر کا

وہ نت نئے نیرنگ دکھاتی ہے ہر اک کو ۔۔۔ خود ناچتی ہے اور نچاتی ہے ہر اک کو
جب دیکھئے اُس حور کے انداز نئے ہیں ۔۔۔ ہر ایک نرالی ہے ادا ناز نئے ہیں
عورت وہ نرالی ہے ادا اُسکی نرالی ۔۔۔ نیرنگ میں ہے طبع رسا اسکی نرالی

افلاک پہ وہ کوندے کی صورت ہے چمکتی ۔۔۔ اور ارض میں الماس کی رنگت ہے دمکتی
گلزار میں رنگ گل رعنا ہے اُسی کا ۔۔۔ کہسار میں جلوہ ہے تماشہ ہے اسی کا
دیتی ہے وہ موسم کے تغیر میں دکھائی ۔۔۔ اور آب و ہوا اسکی ہے سب جلوہ نمائی
دن اسکے ہیں سال اُسکے ہیں اور ماہ ہیں اسکے ۔۔۔ دیکھا ہے گدا اسکے ہیں اور شاہ ہیں اسکے
دھوکے ہیں غضب اسکے وہ عیار غضب ہے ۔۔۔ افسوں ہیں غضب اور وہ فسوں ساز غضب ہے

عالم میں ہر اک محو ہے یہ عشوہ گری ہے ۔۔۔ عورت نہ کہو اسکو وہ جادو کی پری ہے
ہیں رنگ نئے روز وہ صورت ہی بدلتی ۔۔۔ نٹنی کی طرح اُسکی بھی رنگت ہے بدلتی
دیکھو تو کوئی کیا ہے ہویدا اثر اسکا ۔۔۔ ہر ایک زمانے میں ہے شیدا بشر اُسکا
جسنے اُسے دیکھا وہی اپنے تئیں بھولا ۔۔۔ بھولا کبھی یوں گہوارۂ پندار میں جھولا
حیوان بھی محو ہے ہیں اور انسان بھی محو ہے ۔۔۔ محو ہے ہیں ملائک بھی پری جان بھی محو ہے
محو ہے گئے جوگی جتی محو ہے گئے دھیانی ۔۔۔ محو ہے گئے جو جو تھے نہایت بھی گیانی
محو ہے گئے برہما جو سرشٹی کے ہیں سرتاج ۔۔۔ محو ہے گئے شو محو ہے گئے وشنو مہاراج

گیانی ہی بچا اس سے نہ وہ دام میں آیا ۔۔۔ رحمت تجھے ویدانت سبق خوب پڑھایا
تو کہتا ہے مایا کی ہے سب بود نمودی ۔۔۔ اور برہم کی ہستی ہے حقیقی وجودی
مایا کے تماشے ہیں فقط خواب کے نقشے ۔۔۔ سوتے میں خیال دل بیتاب کے نقشے
نظارہ کیا کرتا ہوں اسے جہر میں ہنستا ۔۔۔ اس لئے دنمودی میں کبھی میں نہیں پھنستا
میں دیکھنے والا ہوں مجھے اس سے خطر کیا ۔۔۔ جس چیز کی ہستی ہی نہیں اس سے ضرر کیا

سادھو نے کہانی ختم کی تو سوامی برہمانند نے کہا مہاتما ؤ اب مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو ؛

خون اب دھار باندھ کر نکلا۔ اُس شخص کا رنگ زرد ہوتا جاتا ہے۔ کمزوری بڑھتی جاتی ہے۔ نبض مدّھم پڑتی جاتی ہے۔ بیہوشی طاری ہوتی جاتی ہے۔ یہ اب مرا۔ اب مرا۔ لو وہ جان نکلی۔ اور حقیقت میں وہ شخص کرسی پر بیٹھا بیٹھا ایک گھنٹہ بھر میں مر گیا یہاں موت کا باعث بھرم تھا اور کچھ نہیں ۰

مہاراج اس بھرم کے کرشمے عجیب و غریب ہیں۔ ایسی ایسی فرمایئے۔ تو بیسوں سچی کہانیاں سنا سکتا ہوں۔ لیکن ماہیت سمجھنے کے لئے یہی پانچ سچے واقعات کافی ہیں۔ اس بھرم میں سنسار موہا ہوا ہے۔ وسشٹ جی مہاراج تعجب کے ساتھ کہتے ہیں۔ کیسے حیرت کا مقام ہے کہ ستّچدانند برہم جو حقیقی اور وجودی چیز ہے لوگ اُسے تو بھول گئے ہیں۔ اور مایا جس کی ہستی ہی نہیں ہے وہ آنکھوں کے سامنے ناچتی اور کودتی پھرتی ہے ۰ شاعر نے مایا کو ایک نٹنی عورت سے تشبیہ دے کر ایک نظم لکھی ہے۔ جو میں آپ کو سنایا چاہتا ہوں ۰

ایک عجیب عورت

سن مہر کتھا میری زبانی ہے نرالی
وہ صُلب پدر میں نہ کبھی جا کے سمائی
پیدا نہ ہوئی لیک ہے پیدا ہوئی ہے وہ
وہ نیست ہے اپنی نہیں رکھتی کوئی ہستی
حیرت ہے کہ وہ حور نہ زندہ ہے نہ مردہ

عورت ہے اک اور اسکی کہانی ہے نرالی
اور طرفہ سنو رحم میں مادر کے نہ آئی
یوں محو تماشہ ہے کہ شیدا ہوئی ہے وہ
ہست اور کی ہستی ہے پر کرتی ہی ہستی
نہ شگفتہ نہ دل اُس کا طبیعت نہ فسردہ

اسکے نہیں دو ہاتھ مگر کرتی ہی سب کام
آنکھ اسکی نہیں لیک یہ بد اسکی ہے ساری

اسکے نہیں دو پاؤں مگر چلتی ہے خوش گام
کان اسکے نہیں لیک شنید اسکی ہے ساری

۵ - اس سے بھی عجیب ایک اور صحیح واقعہ ہے جو چند سال ہوئے - انگلستان کے ڈاکٹری سالانہ پرچہ میں زیر ایڈیٹری پروفیسر ٹنڈل چھپا تھا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہم کیسی طاقت دار چیز ہے - فرنگستانی ڈاکٹروں کا قاعدہ ہے - کہ نئے نئے تجربات کرتے رہتے ہیں - جانوروں پر کیا اور آدمیوں پر کیا - ان میں سے بعض تجربات ایسے بھی ہوتے ہیں - جن میں اُس شخص کی جان کا خطرہ ہوتا ہے - جس پر کئے جاتے ہیں - ایسے تجربات بالعموم اُن لوگوں پر کئے جاتے ہیں - جن کو پھانسی کا حکم ہو چکا ہوتا ہے - ایک قاتل کو اسی طرح پھانسی کا حکم ہو چکا تھا - گورنمنٹ کی منظوری سے چند جرمن ڈاکٹروں نے اُس پر ایک تجربہ کرنا چاہا - ملزم سے کہہ دیا گیا کہ تجھے پھانسی تو ہونی ہی ہے - ہم تجھے اس طرح مار دینگے کہ ذرا بھی تکلیف محسوس نہیں ہو گی یعنی تیرے دونوں بازوؤں کی فصد کھول دینگے - آہستہ آہستہ خون نکلنا شروع ہو گا - اور تو باتیں کرتا کرتا مر جائیگا - ملزم جان سے تو ہاتھ دھو ہی چکا تھا - اُس نے سمجھا - پرمیشور ملے - فوراً منظور کر لیا وقت مقررہ پر اُسکی آنکھیں بند کر کے ایک کرسی پر بیٹھا کر باندھ دیا - دو تو طرف چینی کے برتن رکھ دئے - اور اُس کے بازو برہنہ کر کے دونوں طرف جلد میں سوئیاں چبھو دیں - چبھونے کی دیر تھی - کہ ان چینی کے برتنوں میں پہلے قطرہ قطرہ اور پھر ہلکی دھار سے پانی پڑنا شروع ہوا - جو دو فواروں میں سے نکلتا تھا - کہ ملزم کے ادھر ادھر رکھے گئے - اور اُسے اُن کی مطلق خبر نہ تھی وہ پانی کے گرنے کی آواز کو یہی سمجھا کہ میرے جسم سے خون جاری ہے - حالانکہ اُس کی جلد میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں - اور خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکلا تھا - دو ڈاکٹر ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہولے ہولے آپس میں سرگوشی کرتے جاتے تھے - کہ دیکھو

بیٹی کے ساتھ میرے دوست رام چند کے ہمسایے میں رہتے تھے
دیوالی کے ایام تھے۔ اس تہوار پر لڑکیاں گیرو بھگو کر دیوار
پر نقش و نگار کھینچا کرتی ہیں۔ چنانچہ گلابو نے بھی ایک لوٹے
میں گیرو بھگویا تھا۔ اور آپ ہمسایے میں کھیلنے چلی گئی تھی۔
لالہ سیتارام جو چار بجے دفتر سے واپس آئے تو رفع حاجت کے
لئے وہی گیرو والا لوٹا لے کر پاخانے چلے گئے۔ آب دست لیتے
تو پانی پر نظر پڑی۔ دیکھتے ہی دل دہل گیا۔ کہ کتنا خون خارج
ہو گیا ہے۔ باہر نکلے تو ہاتھ پاؤں دھونے مشکل ہو گئے۔ بیوی
نے پوچھا۔ کیا ہوا۔ سیتارام نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا گلابو
کی ماں کیا بتاؤں۔ کتنا خون گیا ہے۔ کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ مجھے چکر
آتا ہے اور بڑی کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ بیوی نے سہارا دیکر
چارپائی پر لٹایا۔ اور حقیقت میں تھوڑی ہی دیر میں سیتارام کا
رنگ زرد ہو گیا اور وہ بہت ہی کمزور معلوم ہونے لگے۔ بیوی
غریب ہمارے مکان میں آئی۔ میں دوڑا ہوا گیا۔ تو سیتارام کو
سخت مضمحل پایا۔ بید کو بلا کر لایا۔ اُس نے نسخہ لکھا۔ اور سیتارام
کی حالت دمبدم زیادہ ابتر ہونے لگی۔ شکایت یہ تھی کہ سر میں برابر
چکر چلے آتے ہیں اور جی بیٹھا جاتا ہے۔ ہم سب کو فکر ہوا کہ یکایک
اُن کی حالت کیا سے کیا ہو گئی۔ کہ اتنے میں گلابو کیوں نہ آجائے
گیرو کے لوٹے کو اُسنے موری کے قریب رکھا دیکھا۔ تو غل مچایا
کہ میرا گیرو سب کس نے پھینک دیا۔ اب لالہ سیتارام کے ہوش
ٹھکانے آئے۔ کہ او ہو میں جسے خون سمجھا تھا وہ حقیقت میں گیرو
کے رنگ کا پانی تھا۔ وہ مسکرا کر اُٹھے اور فوراً ہی اُن کے سر کے
چکر اور جی کا بیٹھا جاتا بند ہو گیا۔ چہرے پر رونق اور روحانیت
آ گئی۔ اور وہ زردئے رُخ فوراً رفع ہو گئی۔ یہی بھول یا دھوکا
بھرم کہلاتا ہے ؎

اور شوقین لوگ کئی کئی اکٹھے ہو کر جلسے بھی یہاں کیا کرتے ہیں۔
وجہ یہ ہے کہ مقام دلفزا ہے۔ اور متعدد پختہ مکان بنے ہوئے ہیں
ایک روز کا ذکر ہے کہ گرمی کا موسم تھا۔ ہم کئی دوست اکٹھے ہو کر
کوئی تین بجے پاپیادہ گھر سے روانہ ہوئے۔ ہنستے اور باتیں کرتے
ہوئے شہر سے باہر آئے۔ اور کھلی سڑک پر قدم اُٹھائے چلے
جاتے تھے۔ کہ سب سے آگے جو دو ہمراہی جا رہے تھے۔ اُن میں
سے ایک چیخ مار کر اُلٹے پاؤں بھاگا۔ ہم تین چار آدمی پیچھے چلے
آتے تھے۔ پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ اُس نے بڑی گھبراہٹ کے
لہجے میں کہا۔ میں کچھ دیر سے سامنے اُس لمبے تڑنگے اور جسیم آدمی
کو دیکھ رہا ہوں۔ مہاراج ہم نے بھی اندھیرے میں سامنے کیا
دیکھا۔ کہ سڑک کے کنارے ایک بڑا قد آور اور جسیم شخص کھڑا
ہے۔ سب کا دل دہل گیا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دیو ہے
یا بھوت ہے۔ جتنا ہم سب زیادہ دیکھتے گئے۔ اتنا ہی اُس کا
سر۔ ناک۔ چھاتی وغیرہ سب صاف نظر آتی گئی۔ کچھ دیر کے
بعد ہم میں سے ایک شخص نے جو اوروں سے زیادہ دل چلا اور
تن و توش کا آدمی تھا۔ کہا۔ ڈرے کیوں جاتے ہو۔ میرے
ساتھ آؤ۔ ہم سات آدمی ہیں۔ کیا ایک کا مقابلہ نہیں کر
سکتے۔ یہ کہکر وہ مردانہ وار آگے بڑھا۔ ہم بھی ڈرتے ڈرتے
پیچھے چلے۔ وہ جاتے ہی اُس تناور اور جسیم آدمی سے لپٹ گیا
اور قہقہہ مار کر ہنسا۔ معلوم ہوا کہ جسے ہم آدمی یا دیو اور بھوت
سمجھ رہے تھے۔ وہ حقیقت میں ایک پُرانے درخت کا ٹھنٹھ
تھا اور کچھ نہیں۔ یہ بھرم ہے۔

۴۔ ایک اور عجیب کہانی سُنئے۔ جو میرے ایک دوست نے اپنی چشم دید
مجھے سنائی تھی۔ اُن کی لالہ سیتارام سے ملاقات تھی۔ اور یہ
ایک چالیس برس کے ادھیڑ آدمی تھے۔ اور اپنی بیوی اور گلابو

سانپ ذرا سے نکلے اور ہم بھاگیں - اوپر چراغ یا شمع [illegible]
سانپ نہیں ہے - رسّی ہے - [illegible] سے [illegible]
خریدا تھا - لکڑی والا اپنی موٹی موٹی [illegible] کی [illegible]
تھا - کیونکہ وہ ناکارہ ہو چکی تھی [illegible]
ڈرے تھے - یہ بھرم ہے ۔

۲ - ویسا بھرم ہر شخص کے تجربے میں آیا ہوگا - اس کے [illegible] آدمی جاتا ہے مشرق کی جانب اور اُسے خیال یہ ہے کہ میں مغرب کی طرف چل رہا ہوں - [illegible] وغیرہ اکثر تعجب سے معلوم ہوتے ہیں - اور سمجھ میں نہیں آتا کہ [illegible] - اب جب غلطی معلوم ہو جاتی ہے - تو آدمی کو اپنی بھول اور [illegible] پر تعجب آیا کرتا ہے - اس کی توضیح میں ابھی [illegible] بیان کرتا ہوں - ایک روز میں سیر کرکے شہر [illegible] کے دروازے سے گھر واپس آتا تھا - [illegible] سے دریبے کو جایا کرتا تھا - مگر اس دن کسی دھیان میں چلا آتا تھا - قاضی کے حوض سے بجائے اس کے کہ چاوڑی بازار میں جاؤں سیتارام کے بازار کی طرف ہو لیا - اور بہت دور نکل آیا - اس خیال کی طرف سے ذرا طبیعت ہٹی - تو حیران تھا کہ چاوڑی بازار کی ہیئت آج کچھ بدلی ہوئی نظر آتی ہے - نہ وہ مکان ہیں نہ وہ دکانیں ہیں - کچھ دور چلا تو حیرت اور بڑھتی چلی گئی - آخر ایک دوست ملے جو اس بازار میں رہتے تھے - اس وقت سمجھ میں آیا - کہ میں کہاں ہوں - یہ بھول کی حالت بھرم ہے ۔

۳ - ایک اور آپ بیتا ہی واقعہ گوش گزار کرتا ہوں - دہلی سے نو دس میل جنوب کی جانب کالکا جی کا مندر ہے - جہاں سال میں کئی میلے بڑی رونق کے ہوا کرتے ہیں - بہت لوگ بغیر میلے کے بھی اشٹمی یا اتوار کے روز یا بادہ درشنوں کو جایا کرتے ہیں -

پینتیسویں سادھو کی کہانی

بھرم یعنی وہم کی ماہیت

اے مہربانو مجھ کو سودا کیا ہے — کھلتا نہیں راز کچھ معما کیا ہے
دنیا نہیں لیکن نظر آتی ہے مجھے — حیران ہوں میں کہ یہ تماشا کیا ہے

شوانند نے کہا مہاراج - بھرم یعنی وہم کی ماہیت اُسی طرح آسانی سی بیان کی جا سکتی ہے اور سمجھ میں آسکتی ہے - جس طرح سمادھان کے مضمون پر ایک مہاتما آپ کو چھوٹی چھوٹی کہانیاں یا لطیفے سنا چکے ہیں - میں بھی ایک طول طویل کہانی کہنے کی بجائے چند چھوٹے چھوٹے لطیفے آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں - اُن سے بھرم کی توضیح بخوبی ہو جائیگی +

ا - ویدانت کی کتابوں میں رسی اور سانپ کی مثال اکثر دی جاتی ہے اس کے متعلق میں آپ بیتا ایک واقعہ سناتا ہوں - ایک روز رات کے وقت میں ایک دوست کے گھر سے واپس آتا تھا - ہمارے محلے میں لال ٹین تو روشن تھی - مگر اُس کی روشنی دھیمی تھی - اور تھوڑے فاصلے پر تو اندھیرے میں چیز مشکل ہی سے نظر آتی تھی - اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے قریب کیا دیکھتا ہوں - کہ ایک لمبا اور موٹا سانپ پڑا ہُوا ہے - میں چیخ مار کر پیچھے بھاگا - میرے ہمسائے لالہ بیتا لال نشست میں بیٹھے تھے - وُہ اُٹھ کر آئے - اور میں نے اُنہیں وہ سانپ دکھایا - وہ بھی پیچھے ہٹے - اُن کا لڑکا اتنے میں گھر سے چراغ لایا - ہم دونوں کو بعینہٖ یہ معلوم ہوتا تھا - کہ سانپ پڑا ہے - یہ اُس کا منہ ہے - یہ پشت ہے - یہ دُم ہے - دونوں خائف تھے اور تیار کھڑے تھے - کہ

یا پانی کی لکیر معلوم ہوتی ہے - یہ اپرما گیان یا بھرم کہلاتا ہے +

چونکہ گیان کی دو صورتیں ہیں ایک تحقیقی اور دوسرا بھرم - اس واسطے نیا ے اور ویشیشک متوں میں گیان دہرا مانا ہوا ہے - یعنی اول تو اندریہ اور شئے کے سمبندھ سے گیان ہوتا ہے - اور دوسرے اس گیان کا گیان یعنی تحقیق ہوتی ہے - آخر الذکر میں عالم کی کوشش ایک مرتبہ ہو سو مرتبہ ہو یا کئی بار ہو - ہاں جب تک تحقیق نہ ہو جائے - وہ گیان پرما یا تحقیقی نہیں کہلائیگا - یہ طریق فضول ہے - یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گیان کی پرامانیہ یعنی سچائی سوتڑ یعنی اپنی ذات پر منحصر ہے - یا پرتہ یعنی کسی اور شئے پر - اگر اور شئے پر ہے تو اس کی پرامانیہ کے لئے کوئی تیسری شئے ماننی پڑے گی - اور اس کے لئے چوتھی - اس طرح ایک سلسلۂ لامتناہی پیدا ہوگا - جو کہیں ختم نہ ہو سکیگا - اس واسطے گیان کی پرامانیہ کے واسطے گیان کے باہر جانا فضول ہے - گیان میں سوتہ پرامانیہ ہے - اسی طرح گیان سویم پرکاش یعنی بذات خاص نوری ہے نور کسی سے مستعار نہیں لیتا - تحقیقی گیان اور وہم میں فرق اس کا صرف اتنا ہی ہے - کہ اوّل میں اندریہ اور شئے کا پورا الحاق ہے اور دوسرے میں وہ پورا الحاق نہیں ہے +

اس پر ایک اور مہاتما نے جن کا نام شوانند تھا - کہا - رامانند - بھرم کے مضمون پر کہانی میں کہونگا - رامانند نے کہا - فرمایئے - مہاراج میں اپنی کہانی ختم کر چکا ہوں +

میں جو کلپنا بشے چیتن نے کر رکھی تھی۔ پرماتا یعنی عالم چیتن کے ساتھ ابھید ہونے سے عالم میں وہی کلپنا ہو گئی۔ اس طرح یہ چیز کا جوں کا توں گیان ہو گیا اور کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ اُس کو پرتیکش گیان کہتے ہیں۔ انومان ایمان۔ شابد۔ ارتھاپتی اور ان اُپ لبدھی ہر قسم کے پرمان کا اسی پرتیکش گیان پر دار ومدار ہے۔ یہ چھ چونکہ گیان کے ذریعے ہیں۔ اس واسطے ان کا نام پرمان یا آلات علم تحقیقی ہے۔ اور اُن کے ذریعے سے جو گیان ہوتا ہے وہ پرما یا علم تحقیقی کہلاتا ہے۔ انومان میں دلیل چلتی ہے۔ ایمان میں تشبیہ شابد میں سند اقوال بزرگان۔ ارتھاپتی میں قرینہ اور ان اُپ لبدھی میں ابھاؤ یعنی شے کے موجود نہ ہونے کا علم یہ پرمان تم کو معلوم ہیں زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے کہا۔ ہاں مہاراج میں پرمانوں کو سمجھتا ہوں۔ لیکن ویدانت میں برتی کا باہر جا کر بشے کی صورت قبول کرنا مانا گیا ہے۔ اگر تحریک باہر سے مانی جائے۔ اور اس تحریک کی بابت یہ بھی مانا جائے۔ کہ اندر آ کر انتہ کرن کا لباس پہنتی ہے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ پنڈت جی نے کہا ہمیں اس میں کیا ضد ہے بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ ویدانت میں اندر اور باہر کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ اتنا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ گیان کے سامنے جو چیز بیش ہوتی ہے۔ وہ انتہ کرن کا لباس پہنکر ہوتی ہے۔ ورنہ اس چیز کا علم ممکن نہیں ہو سکتا۔

یہاں سے اُٹھ کر ہم گھر چلے تو پنڈت جی نے کہا۔ کہ پرما گیان یعنی علم تحقیقی میں یہ ضروری امر ہے کہ برتی اور بشے میں پورا پورا الحاق یعنی سمبندھ ہو۔ اگر برتی اور بشے میں کسی نقص کے باعث پوری طرح الحاق نہیں ہو گا تو علم تحقیقی نہ ہو گا۔ بلکہ ناقص ہو گا۔ اُس کو بھرم یا وہم کہتے ہیں۔ مثلاً اندھیرے میں رسّی پڑی ہے۔ اندھیرے کے نقص کے باعث برتی رسّی کے ساتھ پورے طور سے ملحق نہیں ہونے پاتی۔ اس واسطے رسّی کا گیان نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے مشابہ چیز مثلاً سانپ

ترگناتمک ہے۔ تموگن کے لحاظ سے یہ مادّی چیزوں کی صورت اختیار کرتی ہے۔ رجوگن کے لحاظ سے کام کرنے والی شکتیوں کی اور ستوگن کے لحاظ سے قوائے نفسانی یعنی من۔ چت۔ اہنکار۔ اور بُدّھی کی۔ تینوں قسموں کی چیزیں یعنی ستھول شکتی اور انتھ کرن۔ چونکہ بدلتی رہتی ہیں۔ اس واسطے سب مایا میں داخل ہیں۔ ستوگن چونکہ سوچھ یعنی مصفّا ہے۔ اس واسطے اس میں چیتن کا عکس پڑتا ہے۔ انتھ کرن یعنی آلۂ اندرونی جس میں من۔ چت۔ اہنکار اور بدّھی شامل ہیں۔ ستوگن کا بنا ہُوا ہے۔ اور یہی حال پانچوں گیان اندریوں کا ہے یہ گیان اندریاں کیا ہیں۔ یوں سمجھو کہ انتھ کرن ہی مقامی حیثیت کے لحاظ سے گیان اندری کہلاتا ہے۔ اشیائے خارجی کا علم ہم کو انتھ کرن کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اور اُس کا طریق وہی ہے۔ جو اس دلفزا مقام پر ہمیں پرتکیش نظر آرہا ہے۔

اس پانی سے بھرے ہوئے حوض کو انتھ کرن سمجھو۔ یہ سوراخ جس میں سے پانی نکل کر باہر آتا ہے۔ اندریہ گولک ہے۔ یہ نالی جس میں پانی بہتا جاتا ہے۔ اور اُس کی لمبی دھار رہتی ہے۔ انتھ کرن کی برتّی ہے۔ اور یہ دیکھو کھیت میں جاکر جو پانی پھیلتا ہے اور کھیت کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہ شئے کا برتّی روپ ہوتا ہے۔ پس گیان کا طریقہ یہ ہے۔ کہ انتھ کرن اندریہ کے ذریعے سے باہر جاتا ہے۔ اس کو برتّی کہتے ہیں۔ اور وہ برتی چیز کا احاطہ کرکے اُس کی صورت اختیار کرتی ہے۔ گویا وہ چیز اب چیز نہیں رہی۔ بلکہ انتھ کرن روپ ہوگئی۔ چونکہ انتھ کرن مصفا شئے ہے۔ اس میں چیتن کا عکس پڑے گا۔ عکس کے ساتھ چیتن خود موجود ہے یا عالم کا بھی اور معلوم کا بھی ان دونوں یعنی عالم کے چیتن اور شئے معلوم کے چیتن میں ابھید ہوگا۔ کیونکہ چیتن چیتن میں بھید اور فرق ممکن نہیں ہے۔ اس ابھید کا ہی نام اُس چیز کا گیان ہے۔ کیونکہ شئے

ظاہر ہی ہے کہ چونکہ ویدانت میں ہستی صرف ایک گیان سروپ آتما کی ہے۔ اس واسطے کائنات محض وہمیہ ہے۔ وہمیہ شکلیں گیان کے سمندر ہیں اُوے ہوں۔ تو اُن کے علم کے واسطے نہ کسی ترتیب منطقی کی ضرورت ہے۔ نہ کسی طریق فلسفی کی۔ مثلاً خواب میں جو شکلیں رات کو دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے گیان حاصل کرنے میں کیا بحث اور کیا مباحثہ۔ سوپن کا جگت ہم سے باہر نہیں ہے۔ ہمارے اندر ہے۔ یہی حال جاگرت کا ہے۔ خواب چھوٹا خواب ہے۔ جاگرت وہ خواب ہے جو ہماری مدت العمر تک جاری رہتا ہے۔ نہ چھوٹے خواب میں کوئی شئے بیرونی ہے۔ نہ بڑے خواب میں کوئی شئے بیرونی ہے۔ جس کے علم کے واسطے ہم عجیب و غریب مسئلے مسائل گھڑتے پھریں ؛

میں نے کہا بے شک۔ سچی بات ہے۔ لیکن آبھاس واد ہی اشیائے خارجی کے علم کا طریقہ بتاتا ہے۔ جو کل آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ پنڈت جی نے کہا۔ اس کا مطلب صرف طالب علموں کو سمجھانے کا ہے۔ وگرنہ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ویدانت میں اشیائے خارجی الفاظ مہمل ہیں۔ جن کے معنی کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں نے کہا۔ حقیقت میں آپ نے بجا فرمایا۔ لیکن کلیت یعنی وہمی چیزوں میں بعض داخلی مانی پڑتی ہیں۔ بعض خارجی۔ خواب کی حالت میں گو تمام چیزیں داخلی ہیں لیکن خواب میں بعض کو داخلی مانتا ہے۔ بعض کو خارجی۔ اس واسطے خارجی اشیا کے علم کا طریق بتانا بھی شاستر کا فرض اہم ہے۔ پنڈت جی نے کہا۔ اسی واسطے ہر ایک واد میں اشیائے خارجی کے علم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ جس میں سب سے بہتر آبھاس واد کا طریقہ ہے۔ جو تم نے کل پڑھا تھا۔ لو کل کا سبق سناؤ۔ دیکھیں یاد ہے کہ نہیں۔ میں نے کہا کرپا کر کے آپ ہی بیان فرمائیے۔ مجھے ویدانت میں ابھی اتنی مہارت نہیں ہے۔ کہ ہر ایک مطلب کو صاف صاف بیان کرتا چلا جاؤں ؛

پنڈت جی نے کہا۔ اس میں کیا مشکل ہے۔ دیکھو بھائی۔ مایا

کنکر پھینکے۔ پانی اس کنکر کی تحریک سے متاثر و متحرک ہوتا ہے۔ اور اس میں یکے بعد دیگرے موجیں اُٹھتی ہیں۔ جو پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ یہی حال من کا ہے۔ تحریک باہر سے پڑی آیا کرے۔ لیکن اس تحریک سے من حرکت میں آتا ہے۔ اور ہمیں جس شئے کا علم ہوتا ہے۔ وہ ہمارے من کی بدلی ہوئی صورت یا برتی ہے۔ یہ بات ایسی اظہر من الشمس ہے کہ فلسفی ہی نہیں۔ آج کل کے سائینس دان بھی اسے تسلیم کرنے لگے ہیں +

پنڈت جی نے کہا بڑی خوشی کی بات ہے۔ یوں سمجھو کہ لوگ راہ پر آتے جاتے ہیں۔ شاید وہ زمانہ دور نہیں ہے۔ کہ ویدانت فلسفہ کا اثر دور دور پہنچے۔ اور دنیا کے تمام نظامہائے فلسفہ اسی اثر سے متاثر اور اسی رنگ سے رنگین ہو جائیں۔ ہاں وہی بات پھر اُٹھاؤ کہ اعصاب کی تھرتھراہٹ۔ دماغ کی تھرتھراہٹ۔ یا من کی تھرتھراہٹ سے جو محض مادّے کی کثیف یا لطیف صورتیں ہیں۔ گیان کیونکر پیدا ہو جاتا ہے۔ جو مادّے سے بالکل مختلف چیز ہے +

یہ باتیں کرتے کرتے ہم ایک کھیت کے پاس سے گزرے۔ یہاں سڑک پر سایہ دار سرسبز درخت تھے۔ کوئیں پر رہٹ چل رہا تھا۔ روں روں کی آواز آ رہی تھی۔ درختوں پر پرندے زمزمہ سنج تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پنڈت جی نے کہا۔ آہا کیا دلکش مقام ہے۔ آؤ بیٹھیں اور منہ ہاتھ دھوئیں۔ رہٹ کے لوٹوں میں سے پانی گر گر ایک حوض میں جمع ہوتا تھا۔ وہاں سے ایک نالی میں جاتا تھا۔ اور آگے کھیت میں جا کر پھیل جاتا تھا۔ خیر ہم بیٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر وہی ذکر پھر درمیان میں آیا۔ پنڈت جی نے کہا۔ امانند اشیائے خارجی کے علم کی توضیح اور کسی فلسفے میں اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ نہیں ہے۔ جس طرح ویدانت شاستر میں ہے۔ اور خاص کر اس شاستر کے اس واد میں جس کو آبھاس واد کہتے ہیں۔ یہ تو

یوانا کہ مادہ لطیف ہے۔ پس جو اعتراض اوپر کیا گیا تھا وہی یہاں بھی عاید ہے۔ یعنی تھرتھراہٹ مادے ہیں ہو۔ تو اس سے گیان کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔ گیان تو چیز ہی دوسری ہے۔ جسے مادے سے کچھ علاقہ ہی نہیں ہو

میں نے کہا آپ نے بجا فرمایا۔ لیکن کیا مغربی فلسفے اور کیا تھیوصوفی دونوں سے ایک بات کی توضیح بخوبی ہوتی ہے۔ جو ہمارے کام کی ہے۔ یہ دونوں نظام اس بات کو تو حل نہیں کرتے کہ مادے کی تھرتھراہٹ سے گیان کیونکر ہؤا۔ لیکن ان سے اتنا مترشح ہوتا ہے کہ جس چیز کا ہمیں گیان ہوتا ہے۔ وہ اندر کی تھرتھراہٹ ہے۔ باہر کی چیز نہیں ہے۔ مثلاً دیکھنے کا عمل لیجئے۔ اشعۂ روشنی ہر ایک چیز سے نکلتی رہتی ہیں۔ یہ آنکھ سے ٹکراتی ہیں۔ تو رٹینا پر تصویر بنتی ہے۔ ہمیں علم اس تصویر کا ہوتا ہے نہ کہ شئے خارجی کا۔ یہی وجہ ہے کہ بچہ جسے فاصلے کا تجربہ ابھی نہیں ہے۔ آنکھ میں چاند کی تصویر دیکھ کر اس کو قریب سمجھتا ہے۔ اور لپکنے کو ہاتھ دوڑاتا ہے۔ اسی طرح کان سے جو علم حاصل ہوتا ہے۔ وہ ان اثرات کا ہے جو ہوا کی موجوں سے پردہ گوش کے اعصاب پر پڑتے ہیں۔ ناک سے جو علم ہوتا ہے وہ ان اثرات کا ہے جو بو کے نہایت ہی لطیف ایٹم یا پرمانو ناک کے اعصاب پر کرتے ہیں۔ مادہ پرست فلسفی یہیں ٹھیر جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں مادے کی اور بھی زیادہ لطیف حالتیں یعنی کام۔ من بدھی وغیرہ ہیں۔ ان میں بھی تحریک کا پہنچنا اور اثر پیدا کرنا ماننا پڑتا ہے۔ مانا کہ تحریک باہر سے ہوئی لیکن ہمیں جس چیز کا علم ہوتا ہے۔ وہ وہ شئے ہے۔ جو ہمارے من کا لباس پہنکر گیان کے سامنے پیش ہوتی ہے۔ اس لئے جس کائنات کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ وہ ہمارے باہر نہیں۔ اندر ہے۔ تحریک باہر سے اسی طرح آتی ہے جس طرح کوئی پانی سے بھرے ہوئے تالاب میں

گرمی محسوس ہوتی ہے۔ یہ دماغ میں علم لے جانے والے اعصاب کا حال ہے۔ ایک اور طرح کے اعصاب بھی دماغ سے ملحق ہیں۔ جنہیں حکم لانے والے اعصاب کہتے ہیں۔ گرمی محسوس ہونے پر اُن میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ یعنی یہ دماغ سے حکم لاتے ہیں کہ یہ چیز مضر جسم ہے۔ انگلی ہٹا لو۔ چنانچہ ہم فوراً انگلی ہٹا لیتے ہیں ۔

پنڈت جی نے کہا۔ ان مادہ پرستوں سے کوئی یہ پوچھے۔ کہ اعصاب اور دماغ دونوں مادی چیزیں ہیں۔ اور اُن میں جو تھرتھراہٹ پیدا ہوئی ہے وہ بھی مادی ہی ہے۔ گیان۔ علم یا کانشس نس تو مادے سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ سوال یہ ہے۔ کہ آدمی کو مادے میں تھرتھراہٹ پیدا ہونے سے گیان کیونکر پیدا ہو گیا۔ میں نے کہا مہاراج یہی سوال ہے جو ہزاروں برس سے حل ہونے میں نہیں ہوتا۔ کوئی کہتا ہے کہ ہم خلق ہی ایسے ہوئے ہیں۔ یعنی ہماری طبیعت ہی خداوند کریم نے ایسی بنائی ہے۔ کہ جہاں یہ تھرتھراہٹ ہوئی۔ اور ہمیں اشیائے خارجی کا علم ہو گیا۔ کوئی کہتا ہے کہ علم کے ہر عمل میں خدا کا قدم درمیان میں آتا ہے۔ کیونکہ علم اور معلوم میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان کا ہر ایک علاقہ یعنی علم کا ہر ایک عمل معجزے سے کم نہیں محض حکم الٰہی سے ہوتا ہے۔ انہیں باتوں پر اور مسائل کو قیاس کر لیجئے۔ سب کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ مغربی فلسفہ اشیائے خارجی کے علم کی توضیح ہنوز نہیں کر سکا ہے ۔

ارباب تھیوصوفی ان حکما سے کچھ قدم بڑھے ہوئے ہیں۔ یہاں تک وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اشیائے خارجی کی تحریک سے تھرتھراہٹ اول اعصاب میں پیدا ہوتی۔ اور اعصاب سے دماغ میں پہنچتی ہے۔ لیکن یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ دماغ سے آسٹرل میٹر یعنی کام کے شریر میں اور اُس سے من کے لطیف مادے میں پہنچتی ہے۔

پنڈت جی نے کہا۔ یہ کام اور من بھی تو دونوں مادی ہی چیزیں ہیں

چا اور غور کیا کہ کیا ہی مکمّل نظام فلسفہ پرانے ہندوؤں نے پایا ٭

ایک روز پنڈت اور میں دونوں شہر کے باہر گشت کر رہے پہلے روز میں نے بچار ساگر میں یہ مضمون پڑھا تھا۔ کہ جن اشیا کو ہم اپنے ذہن میں خارجی سمجھتے ہیں۔ ان کا علم ہمیں کیونکر ہوتا ہے آج بھی ہم یہی تذکرہ کرتے جاتے تھے۔ اثنائے تذکرہ میں پنڈت نے پوچھا کہ راما نند تم نے مغربی فلسفہ بخوبی تحصیل کیا ہے۔ یہ لوگ اشیاے خارجی کے علم کی توضیح کیونکر کرتے ہیں۔ میں نے کہا مہاراج مختلف نظامہاے فلسفہ میں مختلف طرح سے توضیح کی گئی ہے۔ لیکن حق یوں ہے۔ کہ فرنگستانی فلسفہ ابھی تک اس مسئلے میں ٹکّریں ہی مارتا رہا ہے۔ حل نہیں کر سکا۔ پنڈت جی نے کہا۔ کچھ ہمیں بھی تو سناؤ۔ دیکھیں تو کیا کہتے ہیں۔ سب سے نئی اور سب سے مکمّل تحقیق کیا ہے ٭

میں نے کہا سنیئے مہاراج۔ علم کا آلہ دماغ ہے۔ داناؤں نے تجربے سے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ دماغ میں ہی علم کے تمام مرکز ہیں مثلاً دماغ پر چوٹ لگی ہے۔ تو دیکھا گیا ہے کہ آدمی کا حال ایسا ہو گیا کہ وہ بو کو محسوس نہیں کر سکتا۔ یا کھٹا میٹھا کڑوا ذائقہ نہیں لے سکتا اس کے یہ معنی ہیں کہ دماغ میں جو بو یا ذائقہ کے مرکز تھے وہ بگڑ گئے جس مادّے کا دماغ بنا ہوا ہے۔ اسی مادّے کے اعصاب یا باریک باریک ناڑیاں ہیں جو تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اشیاے خارجی کا علم ہمیں اس طرح ہوتا ہے۔ کہ شے خارجی اول اعصاب پر اثر کرتی ہے وہ اثر دماغ میں پہنچتا ہے اور ہم چیز کو محسوس کر لیتے ہیں مثلاً چراغ کی لَو کے پاس انگلی لے جائیے۔ حرارت سے انگلی کے باریک اعصاب جو جلد کے اندر ہیں متاثر ہوتے ہیں۔ یعنی اُن میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اعصاب دماغ سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے سے تھرتھراہٹ دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور ہم کو

وقت ذلّت اٹھانی پڑے ۔

ہمارے کالج میں جو پنڈت سنسکرت پڑھاتے تھے ۔ وہ ہندو فلسفے کے بھی عالم تھے اور تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے ۔ ان سے کئی بار میری بحثیں بھی ہو چکی تھیں ۔ اور ان بحثوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا ۔ کہ یہ آدمی پڑھا لکھا ہے ۔ اور مضامین فلسفہ بخوبی سمجھتا ہے ۔ چنانچہ اس پنڈت سے میں نے ذکر کیا ۔ اُس نے خوشی سے مجھے پڑھانا منظور کر لیا ۔ لیکن یہ کہا کہ آپ فلسفی ہیں اپنشدوں کی بجائے بہتر ہو کہ پہلے کوئی کھنڈ گرنتھ یعنی ایسی کتاب پڑھیں ۔ جس میں مضامین فلسفہ پر مدلل بحث ہو ۔ چونکہ رائے معقول تھی ۔ میں نے منظور کر لیا اور ہندی میں کچھ دسترس بہم پہنچا کر بچار ساگر شروع کی ۔ چھ مہینے تک خود بھی انگریزی میں ہندو فلسفے کی کتابیں دیکھتا رہا تھا ۔ اس واسطے کچھ اصطلاحیں زبان پر چڑھ گئی تھیں اور طرز استدلال بھی تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آنے لگا تھا ۔ ہاں طبیعت میں اعتراض بہت اُٹھتے تھے ۔ اور چونکہ کتاب کوئی جیتا جاگتا اُستاد نہیں ہے کہ پڑھنے والے کی طبیعت میں جو اعتراض اٹھیں ساتھ کے ساتھ رفع ہوتے جائیں ۔ اس واسطے طبیعت پریشان ہوتی تھی پنڈت سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہُوا ۔ کہ جو اعتراضات میں نے کئے اُس نے اُن کا جواب دیا ۔ چونکہ مجھے علم تحصیل کرنا تھا اور بحثیں محض ہٹ دھرمی اور ہار جیت کے لحاظ سے نہ تھیں ۔ اس واسطے قلیل ترعرصے میں خاصی ترقی کر گیا ۔ اور بچار ساگر کی تعلیم میری سمجھ میں بیٹھنے لگی ۔

روز مرّہ گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنے سے پنڈت کے ساتھ دوستی سی ہو گئی تھی ۔ ہم دونوں اکثر صبح کے وقت سیر کو ساتھ جایا کرتے تھے ۔ اور بچار ساگر کے مضامین پر راستے میں بحث کیا کرتے تھے ۔ اس طرح میں وحدت وجود کے مسئلے پر پہنچا ۔ مایا کی ماہیّت اور اس کے مسئلے کی ضرورت میں نے سمجھی ۔ پیدائیش عالم کے مراحل مختلفہ کو بیٹھ بیٹھ کر

سوچا اور غور کیا کہ کیا ہی مکمّل نظام فلسفہ پرانے ہندوؤں نے رچا ہے ؛

ایک روز پنڈت اور میں دونوں شہر کے باہر گشت کر رہے تھے۔ پہلے روز میں نے بچار ساگر میں یہ مضمون پڑھا تھا۔ کہ جن اشیا کو ہم اپنے ذہن میں خارجی سمجھتے ہیں۔ ان کا علم ہمیں کیونکہ ہوتا ہے آج بھی ہم یہی تذکرہ کرتے جاتے تھے۔ اثنائے تذکرہ میں پنڈت نے پوچھا کہ رامانند تم نے مغربی فلسفہ بخوبی تحصیل کیا ہے۔ یہ لوگ اشیائے خارجی کے علم کی توضیح کیونکر کرتے ہیں۔ میں نے کہا مہاراج مختلف نظامہائے فلسفہ میں مختلف طرح سے توضیح کی گئی ہے۔ لیکن حق یوں ہے۔ کہ فرنگستانی فلسفہ ابھی تک اس مسئلے میں ٹکّریں ہی مارتا رہا ہے۔ حل نہیں کر سکا۔ پنڈت جی نے کہا۔ کچھ ہمیں بھی تو سناؤ۔ دیکھیں تو کیا کہتے ہیں۔ سب سے نئی اور سب سے مکمّل تحقیق کیا ہے ؛

میں نے کہا سنیئے مہاراج۔ علم کا آلہ دماغ ہے۔ داناؤں نے تجربے سے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ دماغ میں ہی علم کے تمام مرکز ہیں مثلاً دماغ پر چوٹ لگی ہے۔ تو دیکھا گیا ہے کہ آدمی کا حال ایسا ہو گیا کہ وہ بو کو محسوس نہیں کر سکتا۔ یا کھٹا میٹھا کڑوا ذائقہ نہیں سکتا اس کے یہ معنی ہیں کہ دماغ میں جو بو یا ذائقہ کے مرکز تھے وہ بگڑ گئے جس مادّے کا دماغ بنا ہوا ہے۔ اُسی مادّے کے اعصاب یا باریک باریک ناڑیاں ہیں جو تمام جسم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اشیائے خارجی کا علم ہمیں اس طرح ہوتا ہے۔ کہ شئے خارجی اول اعصاب پر اثر کرتی ہے وہ اثر دماغ میں پہنچتا ہے اور ہم چیز کو محسوس کر لیتے ہیں مثلاً چراغ کی لَو کے پاس اُنگلی لے جائیے۔ حرارت سے اُنگلی کے باریک اعصاب جو جلد کے اندر ہیں متاثر ہوتے ہیں۔ یعنی اُن میں تھرتھراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ یہ اعصاب دماغ سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے سے تھرتھراہٹ دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور ہم کو

وقت ذلت اٹھانی پڑے۔

ہمارے کالج میں جو پنڈت سنسکرت پڑھاتے تھے۔ وہ ہندو فلسفے کے بھی عالم تھے اور تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ ان سے کئی بار میری بحثیں بھی ہو چکی تھیں۔ اور ان بحثوں سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا۔ کہ یہ آدمی پڑھا لکھا ہے۔ اور مضامین فلسفہ بخوبی سمجھتا ہے۔ چنانچہ اس پنڈت سے میں نے ذکر کیا۔ اس نے خوشی سے مجھے پڑھانا منظور کر لیا۔ لیکن یہ کہا کہ آپ فلسفی ہیں اپنشدوں کی بجائے بہتر ہو کہ پہلے کوئی کھنڈ گرنتھ یعنی ایسی کتاب پڑھیں۔ جس میں مضامین فلسفہ پر مدلل بحث ہو۔ چونکہ رائے معقول تھی۔ میں نے منظور کر لیا اور ہندی میں کچھ دسترس بہم پہنچا کر بچار ساگر شروع کی۔ چھ مہینے تک خود بھی انگریزی میں ہندو فلسفے کی کتابیں دیکھتا رہا تھا۔ اس واسطے کچھ اصطلاحیں زبان پر چڑھ گئی تھیں اور طرز استدلال بھی تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آنے لگا تھا۔ ہاں طبیعت میں اعتراض بہت اُٹھتے تھے۔ اور چونکہ کتاب کوئی جیتا جاگتا اُستاد نہیں ہے کہ پڑھنے والے کی طبیعت میں جو اعتراض اٹھیں ساتھ کے ساتھ رفع ہوتے جائیں۔ اس واسطے طبیعت پریشان ہوتی تھی پنڈت سے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جو اعتراضات میں نے کئے اُس نے اُن کا جواب دیا۔ چونکہ مجھے علم تحصیل کرنا تھا اور بحثیں محض ہٹ دھرمی اور ہار جیت کے لحاظ سے نہ تھیں۔ اس واسطے قلیل عرصے میں خاصی ترقی کر گیا۔ اور بچار ساگر کی تعلیم میری سمجھ میں بیٹھنے لگی۔

روزمرہ گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنے سے پنڈت کے ساتھ دوستی سی ہو گئی تھی۔ ہم دونوں اکثر صبح کے وقت سیر کو ساتھ جایا کرتے تھے۔ اور بچار ساگر کے مضامین پر راستے میں بحث کیا کرتے تھے۔ اس طرح میں وحدت وجود کے مسئلے پر پہنچا۔ مایا کی ماہیت اور اس کے مسئلے کی ضرورت میں نے سمجھی۔ پیدائش عالم کے مراحل مختلفہ کو بیٹھ بیٹھ کر

باب پنجم اُڈھیاس یا پنڈار

چونتیسویں سادھو کی کہانی

پرما یعنی علم تحقیقی کی ماہیت

اے مہربے ماہیت عالم نوری — معلوم کو قدرتاً ہے اُس سے دوری
حیران ہوں علم کس طرح ہوتا ہے — کیونکر اُٹھتا ہے پردۂ مستوری

ایک مہاتما جن کا نام رامانند تھا کہنے لگے۔ مہاراج۔ ویدانت میں ہستی صرف ایک ذات احد کی تسلیم کی گئی ہے۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہے۔ کہ باقی تمام کائنات وہمیہ ماننی پڑتی ہے۔ عالم گیان سروپ ہے۔ اور معلوم کی ہستی محض وہمیہ ہے۔ اس وجہ سے اس شاستر میں عالم و معلوم کا تعلق بالکل سیدھا سادہ اور دقّت و مشکل سے خالی ہے۔ جو ملتیں اور مذاہب فلسفہ کائنات کو قائم بالذات اور سچّا مانتے ہیں۔ انہیں عالم و معلوم کے تعلقات کی گُتھی سلجھی یا گرہ کے سلجھانے میں سخت دقّت روبکار ہوتی ہے۔ عالم کی ماہیت علم یا گیان ہے اور معلوم جڑ ہے ان دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ زمین و آسمان کا فرق ہے پھر اشیائے خارجی کا جو علم ہمیں ہوتا ہے وہ کیونکر ہوتا ہے۔ دو دو ڈھائی ڈھائی ہزار برس سے حکمائے فرنگ ٹکریں مار رہے ہیں۔ لیکن یہ عقدہ حل نہیں ہوتا۔ کہ اشیائے خارجی علم انسان میں کیونکر آتی ہیں ویدانت میں یہ دقّت نہایت ہی آسانی سے رفع ہو گئی ہے۔ یہاں معلوم قائم بالذات یعنی سچّا نہیں ہے۔ محض وہمیہ ہے۔ اس وجہ سے گیان کے سمندر آتما میں صُور مختلفہ کا اُٹھتے رہنا ذرا بھی تعجب خیز

جلوے تیری قدرت کے مجھے کیا نظر آئے — بحر و بر و کہسار میں میں نے تجھے دیکھا
نیرنگئے قدرت میں ہے کیا ہی تزک و شان — گویا بھرے دربار میں میں نے تجھے دیکھا
کہتا ہے تجھے کون کہ تو پردہ نشیں ہے — ہر کوچہ و بازار میں میں نے تجھے دیکھا
گلشن بھی تیرا گھر ہے بیاباں بھی ترا گھر — کیا پھول میں کیا خار میں میں نے تجھے دیکھا
در پردہ ہے مظہر میں تری جلوہ فروشی — اس پردۂ اسرار میں میں نے تجھے دیکھا
ہر ساز کے پردے میں صدا تیری سنی ہے — ہر شکل کے اظہار میں میں نے تجھے دیکھا
منقار عنادل میں ترا سوز بھرا ہے — اور پھول کے رخسار میں میں نے تجھے دیکھا
معشوق کے ہیں ناز و ادا میں ترے انداز — عاشق کے دل زار میں میں نے تجھے دیکھا
یہ بھی ہے تو وہ بھی ہے تو گر چشم ہو بینا — کفار میں دیندار میں میں نے تجھے دیکھا
زاہد کے دل پاک میں تو جلوہ نما ہے — بد مستئ میخوار میں میں نے تجھے دیکھا
تو رند قدح کش کی ہے صورت میں نمایاں — اور صوفئ سرشار میں میں نے تجھے دیکھا
صحت ترا جلوہ ہے شفا ہے ترا جلوہ — بیماری و آزار میں میں نے تجھے دیکھا
تو امن و امان میں ہی نہ مجھ کو نظر آیا — چلتی ہوئی تلوار میں میں نے تجھے دیکھا
جلوے ہیں جمالی و جلالی ترے دونوں — ہاں نور میں اور نار میں میں نے تجھے دیکھا
پندار میں دیکھا تو مجھے تو نظر آیا — اور جلوۂ انوار میں میں نے تجھے دیکھا

تو لطف سخن ہو کے سخن میں ہوا پنہاں
یوں مہر کے اشعار میں میں نے تجھے دیکھا

کلام مہر جلد ثانی

نظم ختم کر کے سوامی برہمانند نے کہا۔ سادھو۔ سرشٹی یعنی پیدائش عالم کا مضمون ختم ہو گیا ہے۔ اب ادھیاس یعنی مسئلہ وہم و پندار پر کہانیاں شروع کرو۔

اس خوبی سے بنا کر کھڑی کی ہے کہ بے نظیر و بے مثال ہے ٭

اگر مختلف متوں اور مذاہب فلسفہ پر نظر ڈالی جائے تو کائنات کی رچنا کے تین طریق ملتے ہیں۔ جو تھے کا امکان نہیں ہے ان کے نام بالترتیب آرنبھ واد۔ پرنیام واد۔ اور وورت واد ہیں۔ آرنبھ واد میں اشیا کا پیدا ہونا مانا جاتا ہے۔ اس کی ایک صورت تو وہ ہے جو خدا پرست مذاہب مانتے ہیں۔ یعنی خدا عدم سے چیزوں کو پیدا یا ہست کرتا ہے یہ مسئلہ صرف انہیں لوگوں کے ماننے لائق ہے۔ جو اس مقولے کے قائل ہیں۔ ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔ دلیل اور عقل پر چلنے والے آدمی عدم سے ہستی کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ نیا ئیک جس طرح پرمانوؤں سے چیزوں کا پیدا ہونا مانتا ہے اور سانکھیہ اور آج کل کے پرنیام وادی یعنی ایولیوشنسٹ جس طرح مسئلہ ارتقا سے کائنات کی رچنا بناتے ہیں۔ ان کا کھنڈن میں اپنی پہلی دیا کھیا میں شرح و بسط سے کر آیا ہوں۔ وورت واد ویدانت کا ہے۔ وورت کے لغوی معنی بدلنے کے ہیں۔ اصطلاح میں ادھشٹھان یعنی محل علم کا اشکال مختلفہ میں نظر آنا وورت کہلاتا ہے۔ جیسے ایک خواب میں عالم خواب میں اشکال جداگانہ میں نظر آتا ہے۔ یہاں خواب بین ادھشٹھان ہے اور خواب کی تمام صورتیں اس کا وورت ہیں۔ یعنی ان سب صورتوں میں وہی نظر آتا ہے۔ کیونکہ خواب میں سوائے خواب بین کے اور دوسرا وجود نہیں ہے۔ فلسفہ ہمیں اسی ذات واحد پر پہنچاتا ہے۔ اور ویدانتی اور صوفی یہی راگ گاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ویدانتی اُس کو اپنی ذات کر کے محسوس کرتا ہے۔ صوفی اُسے شاہد اصلی سمجھ کر اپنے سے الگ دیکھتا ہے۔ اور ہمہ اوست کی ترانہ سنجی کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے:۔

اشعار

یارب گل و گلزار میں میں نے تجھے دیکھا	اور وادئے پرخار میں میں نے تجھے دیکھا

ہیں لاتا ہے۔ کیونکہ یہ آکاش اسی ایشور کا وہم ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اُس کو وہ جس طرح چاہے بدل سکتا ہے۔ وایو سے اگنی۔ اگنی سے جل اور جل سے پرتھوی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان سے پران کرم اندریاں۔ گیان اندریان اور انتہ کرن بنتے ہیں۔ پھر پنچی کرن بھوتوں سے ستھول برہمانڈ اور لوگ لوکانتر رچے جاتے ہیں جیسا تمہیں شوگری سنا چکے ہیں۔ یہاں تمام باتوں کا اعادہ پھر کرنا ضروری نہیں۔ ہاں یہ ظاہر ہے۔ کہ مایا کے معلولات یعنی کارج جتنے زیادہ صاف ہونگے اتنا ہی صاف ان میں چیتن کا عکس پڑیگا۔ اس وجہ سے گیان اندریان اور انتہ کرن میں چونکہ ستو پردھان ہے۔ اس واسطے ان میں چیتن کا عکس صاف پڑتا ہے اور وہ گیان یعنی علم الاشیا میں کام آتے ہیں ستھول پدارتھوں میں چونکہ تم پردھان ہے۔ اس باعث سے چیتن کا عکس صاف نہیں پڑتا۔ اس وجہ سے ان کی گیان اور آتما سے مناسبت نہیں ؂

اس طرح آبھاس واد کو اختیار کرکے ہم ایک گیان سروپ آتما سے تمام جگت کا آسانی سے پیدا ہونا سمجھ سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی آسانی سے سمجھا سکتے ہیں۔ جیسا میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ ویدانت میں کائنات محض آتشبازی کا ہاتھی ہے۔ اگر اس کے دو توکان سیدھے بنے تو واہ واہ ہے اور ایک ٹیڑھا ہو گیا تو واہ واہ ہے۔ کیونکہ انجام میں اُس کو اڑا دینا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے۔ تو آبھاس واد میں جو کائنات بنا کر کھڑی کی جاتی ہے۔ وہ نہایت ہی مکمل اور شاندار ہے دنیا کا کوئی مذہب یا نظام فلسفہ کائنات کی رچنا میں اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ تمام حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ قرین قیاس نظام سانکھیہ فلسفے کا ہے۔ اسی واسطے اس کو فلسفوں کا سرتاج کہتے ہیں۔ ویدانت میں آبھاس واد نے سانکھیہ فلسفے میں جو خامیاں تھیں۔ اُن کو پورا کر دیا ہے۔ اور کائنات کی عالی شان عمارت اس

نام ہے کہ مایا میں چیتن کا آبھاس یا عکس پڑتا ہے۔ اور اس سے وہ اس طرح کام کرنے کے لائق ہو جاتی ہے۔ جس طرح لوہا آگ میں لال ہو کر آگ کا تمام کام انجام دے سکتا ہے۔ حالانکہ لوہا معمولی طور پر آگ نہیں ہے۔ آبھاس کے فرق اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئیں۔ آکاش کو لو۔ جو ایک شدّھ اور سرو ویاپک چیز ہے۔ اُسے شدھ برہم سمجھو۔ دیکھو اسی اکاش میں جب ابر محیط ہوتا ہے۔ تو لازم ہے۔ کہ آکاش کا عکس اس میں پڑے کیونکہ ابر پانی کا بنا ہوا ہے۔ اور اُسمیں عکس پڑنا لازمی چیز ہے گو آنکھ کو نظر آئے یا نہ آئے۔ یہاں شدھ آکاش برہم ہے۔ ابر مایا کی مثال ہے۔ اور اُس میں آکاش کا عکس آبھاس کہلاتا ہے۔ تینوں مل کر ایشور کے نام سے پکارے جاتے ہیں جیو کو۔ یوں سمجھو۔ کہ پانی سے بھرا گھڑا ہے۔ اس میں بھی ایشور کی طرح تین چیزیں ہیں۔ گھٹ آکاش یعنی گھڑے سے محدود آکاش اور جل آکاش جس میں آکاش کا عکس پڑتا ہے۔ اور خود عکس لیں الشیۂ اور جیو دونوں کی صورت میں ہم تین تین چیزیں دیکھتے ہیں۔ شدھ برہم جو مہا آکاش اور گھٹ آکاش کی جگہ ہے۔ مایا جو میگھ آکاش اور جل آکاش کی جگہ ہے اور آکاش کا عکس جو آبھاس ہے۔ اگر پچھلی دو اوپادھیوں کو نکال دیا جائے تو دونوں شدھ روپ سے برہم سروپ ہیں۔

ایشور کی اُپادھی شدھ ستو پر دہان مایا ہے۔ اس وجہ سے اس میں سروپ کا آورن نہیں اور وہ سروگیہ اور سرو شکتیمان ہے۔ جیو کی اُپادھی ملن ستو والی مایا ہے۔ جس کو اصطلاح میں اودیا کہتے ہیں۔ اس واسطے وہ الپگیہ اور الپ شکتی ہے۔ پرلے کے بعد جیوون کے کرموں کی تحریک سے ایشور میں سرشٹی رچنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ جب یوگ ندرا سے یعنی سپشتی کی حالت سے اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو وہ اوپر نیچے۔ گرد و پیش دائیں بائیں سوکشم آکاش پھیلا ہوا دیکھتا ہے۔ اُس کو وہ اپنی تحریک سے بدل کر وایو کی صورت

جس سے وہ تبدیل ہیئت کر کے طرح طرح کی صورتیں اختیار کرے اس کا کھنڈن ہیں سانکھیہ کے مسئلہ ارتقا میں شرح و بسط سے کر چکا ہوں۔ یہاں اُس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح چیتن یعنی شدھ برہم میں بھی جو صرف گیان سروپ ہے جگت کے رچنے کے قابلیت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گیان سروپ ہونے کی وجہ سے نرلیپ اسنگ۔ اور اکرتا ہے۔ لیکن اسی شدھ گیان سروپ برہم سے کائنات کا استخراج ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس کے سوائے اور کوئی ہستی نہیں ہے۔ لہذا مایا یا وہم و پندار کا مسئلہ ایک منطقی ضرورت ہے۔ چیتن اپنے سروپ کو اپنے ہی وہم کے باعث بھولتا ہے۔ اور اپنی ذات یکتا کو بوقلمونئے کائنات میں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح خواب بین اپنی ذات احد میں کثرت کا جلوہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اسی وہم کا نام مایا ہے۔ جو اگیان یعنی گیان کا نہ ہونا یا محض منفی شے نہیں۔ بلکہ بھاو روپ ماننی پڑتی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ اگیان کے بھاو روپ ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا۔ سب کے انوبھو سدھ ہے یعنی تجربے میں روزمرّہ آتا ہے۔ خواب غفلت سے اُٹھ کر آدمی کہتا ہے۔ میں ایسے سُکھ سے سویا کہ کچھ بھی نہیں جانا" یہ کچھ بھی نہیں جانا" ہی اگیان کا سروپ ہے۔ جو تمام جگت کا کارن یعنی علت اولےٰ ہے۔ یہی جڑ مادہ ہے۔ آتما خود گیان سروپ ہے۔ اسطرح چیتن اور جڑ دو چیزیں قائم ہوگئیں۔ لیکن دونوں میں سے ایک میں بھی جگت کی رچنا کی قابلیت نہیں ہے۔ اس واسطے لازمی اور لابدی طور پر یہ بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ چیتن کے تعلق سے جڑ مایا میں جو چیتن کا وہم ہے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ایک طرف تو چیتن کا اصلی سروپ چھپاتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف نئی نئی صورتیں اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ اُنہیں کا نام مایا کی آورن اور وکشیپ شکتی ہے۔

میں نے چیتن کے تعلق سے مایا میں حرکت کا پیدا ہونا کہا ہے یہ تعلق کیا ہے۔ آبھاس وادی کہتا ہے۔ کہ یہ تعلق صرف اس بات کا

۳۔ پرتی بمب واد

یہ مسئلہ انعکاس کی ایک خاص صورت ہے۔ پرتی بمب عکس کو کہتے ہیں اور بمب شئے منعکس کو۔ پرتی بمب وادی کا مقولہ ہے۔ کہ مایا میں چیتن کا عکس پڑتا ہے۔ اور اس سے ایشور جیو اور جگت سب بنتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان میں آگے کرونگا۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے۔ کہ آبھاس وادی کی طرح پرتی بمب وادی عکس کو کوئی علیحدہ چیز نہیں مانتا۔ بلکہ اس کا قول ہے کہ جس کو عوام النّاس عکس سمجھتے ہیں۔ وہ حقیقت میں عکس نہیں ہے۔ بلکہ سطح مصفّا سے نظر جب ٹکراتی ہے تو آئینہ میں چہرہ دیکھنے والا عکس آئینہ کو نہیں دیکھتا۔ اُس کی نظر منعطف ہو کر اصلی چہرہ ہی نظر آتا ہے۔ جسے بمب کہتے ہیں اور جس کا پرتی بمب یا عکس مغالطے سے آئینے میں نظر آتا ہے ۔۔

۴۔ آبھاس واد

یہ خاص مسئلہ انعکاس ہے۔ آبھاس عکس کو کہتے ہیں۔ آبھاس واد ویدانت میں بہت مروّج ہے اور اسی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بہت آسان اور عام فہم ہے۔ بھگوت پوجیہ پاد سری شنکر اچاریہ نے جن سے بڑھ کر آج تک کسی نے ویدانت شاستر کی توضیح و تشریح نہیں کی ہے اور ساین اچاریہ جو سنّیاسی ہو کر ودیارنیہ سوامی کے نام سے مشہور ہوئے اور جنہوں نے تمام ویدوں اور برہمن و اپنشدوں پر شرحیں لکھنے کے علاوہ ویدانت میں بڑی لیاقت کے متعدد گرنتھ رچے ہیں۔ دونوں اسی وادیا مسئلے کو اور مسائل پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ اکثر ویدانت کی پستکوں میں زیادہ تر یہی مسئلہ لیا گیا ہے۔ اور ایشور۔ جیو اور جگت کی اسی کے لحاظ سے توضیح کی گئی ہے۔ آؤ دیکھنا شروع کریں۔ کہ آبھاس وادی کی رُو سے جگت کی رچنا کیونکر ہوتی ہے اور یہ مسئلہ ایشور اور جیو کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

یاد رہے کہ بذات خود مایا میں کائنات رچنے کی قابلیت نہیں ہے۔ کیونکہ مایا جڑ پدارتھ ہے اور جڑ میں خود بخود حرکت پیدا نہیں ہو سکتی

یعنی یہ آدمی ہے - یہ جانور ہے - یہ درخت ہے - یہ پہاڑ یا زمین ہے گویا ہر ایک مایا وی صورت سے چیتن محدود ہو رہا ہے - اصطلاح میں اسی بات کو یوں کہتے ہیں - منشیہ اوپّھن چیتن - پشو اوچّھن چیتن وغیرہ وغیرہ - اس مسئلے میں انتھ کرن اوپّھن چیتن جیو ٹھیریگا - اور انتھ کرن سے ان اوچّھین یعنی غیر محدود ایشور - اور جو جو اشیاے کائنات ہیں - وہ اپنی اپنی صورتوں سے اوچّھن یعنی محدود چیتن ہونگی - یہ ظاہر ہی ہے کہ اوچّھید یعنی محدودیت واقعی نہیں ہے - بلکہ کلپت یا وہمی ہے - جب تک جیو اس محدودیت کے وہم میں ہے وہ بدّھ آتما ہے - جہاں اُس نے یہ محدودیت کی زنجیر اپنے گلے سے اُتاری وہ غیر محدود ہے - شدھ گیان سروپ آتما ہے۔

غرض اوچّھید وادی اوچّھید یعنی وہمی محدودیت کو بناے تفہیم ٹھیراکر کائنات کو اس سے مستخرج کرتا ہے - اسکی کائنات بیشک منطقیانہ ہے - لیکن طالب علم کو اُس میں کچھ ایسی دقتیں پیش آتی ہیں - کہ اس سے بہتر مسئلہ پیدائش عالم تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کرنی پڑتی ہے - مثلاً محدودیت کو تسلیم کر لیا جائے - تو انتھ کرن جس کے ذریعے سے گیان ہوتا ہے - اور پنچ بھوت جن کے ذریعے سے گیان کا احتمال نہیں - دونوں ایک حالت میں آپڑتے ہیں - کیونکہ دونوں صورتوں میں وہی مایا اور وہی اُس سے محدود چیتن ہے - کیا وجہ ہے کہ ایک ایسا کثیف اور جڑ روپ ہے - اور دوسرا ایسا لطیف اور گیان کا مددگار ہے - اگر کہا جائے کہ مانا اسی طرح ہے تو وہ اوچّھیدوادجاتا رہا اور درشٹی سرشٹی شروع ہوگئی - اسی طرح اگر جیو انتھ کرن اوچّھن ہے اور ایشور انتھ کرن سے اوچّھن نہیں ہے - تو بھید وادیوں کی مت کی طرح خدا کائنات سے علحدہ چیز ٹھہریگا - جو قابل تسلیم نہیں - اسواسطے کوئی اور قرین قیاس مسئلہ تلاش کرنا چاہیئے - جو دل کو پکڑے اور جسے عقل تسلیم کرے ۔

مجھی کو کہتے ہیں اکسیر کیمیا گر سب تلاش کس کی ہو میں خود ہوں منزل مقصود	کوئی نہ مار سکا جس کو میں وہ پارا ہوں رچا ہوں وید کی قرآن کا سیپارہ ہوں
سخن میں رہتا ہوں مغز سخن کی طرح سے مہر میں گوش سامع دانا کا گوشوارہ ہوں	

کلام مہر جلد ثانی

یہ ایک جیوواد یا درشٹی سرشٹی واد کہلاتا ہے وسشٹ جی مہاراج نے اپنی کتاب یوگ واسشٹ میں اسی اہم مسئلے کی تعلیم دی ہے۔ ویدانت مکتاولی کار کا بھی یہی مت ہے۔ اور یہ چھوٹی سی معنی خیز کتاب ہر ایک شائق فلسفہ ویدانت کے پڑھنے لائق ہے۔ تمام ویدانت شاستر کا یہی مطلب ہے۔ کوئی مسئلہ اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ جس حالت میں وجود صرف ایک ہے۔ اور وہ گیان سروپ ہے تو اُس میں کائنات کی جلوہ نمائی نقشۂ خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتی۔ لیکن اس مسئلے کا ذہن میں بٹھانا مشکل ہے۔ اعلےٰ درجے پر پہنچکر آدمی اس پر بے شک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن مبتدی کو اس میں سخت دقت کا سامنا ہے۔ نہ وہ ایک جیو کو سمجھ سکتا ہے۔ نہ درشٹی سرشٹی کو۔ اس باعث سے اُس کے واسطے کائنات کا مسئلہ زیادہ آسان اور عام فہم ہونا چاہیئے +

۲۔ اوچھید واد

یہ مسئلہ ان طبائع کے واسطے نہایت مناسب ہے جن کا میلان منطقی ہے۔ اوچھید محدودیت کو کہتے ہیں اور اوچھن کے معنی ہیں محدود۔ ویدانت جس وحدت وجود کی تعلیم دیتا ہے وہ گیان سروپ اور غیر محدود ہے۔ اُسی غیر محدود گیان میں مایا کے تعلق سے کائنات کی اس طرح جلوہ گری ہے۔ جس طرح خواب میں کسی ہستی میں خواب کی صورتوں کی۔ خواب کی صورتیں کیا ہیں۔ غیر محدود گیان سروپ خواب میں اپنے وہم کے تعلق سے ہر ایک صورت میں محدود ہے۔

یہ محو تماشا ہے اور اپنی ذات کو جیو یعنی کم طاقت و کم علم سمجھ رہا ہے۔ بدّھ یعنی حالت بند میں ہے۔ جب اس وہم کو دور کر دیتا ہے۔ اس کے واسطے کائنات کوئی شئے نہیں رہتی۔ اور یہ شدّھ گیان سروپ آتما ہے۔ پس بندھ محض فرضی ہے۔ اپنے آپ کو بے بس اور بیکس مانتے ہوئے بھی یہ جیو سرو شکتیمان ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی حالت کو محسوس کر کے شاعر کہتا ہے ؛

اشعار

جلا دوں تنج کے خرمن کو وہ شرارہ ہوں
نہ جسکی نتھاہ ملے بحر بے کنار ہوں وہ
ہیں خود زمین و زماں ہیں ہیں آپ کون و مکاں
ہیں استخوان میری کوہ رو مٹے اشجار
جنہیں سمجھتے ہو تم آندھیاں ہیں میرے سانس
ہیں بہن بحر ہیں طوفان اور تموّج ہوں
نہیں بہشت مری صورت جمالی ہے
مرے قرار کی حالت کا نام ہے پرلے
جگر ہو چاک فلک کا زمین کو جنبش ہو
یہ کائنات کا تختہ نہیں ہے کچھ بھی چیز
ولی ہوں مرشد کامل ہوں اور نبی ہوں میں
مرا ہی حسن ہوا منعکس حسینوں میں
بھرا ہوا ہے رگ و پے میں میرے نغمہ دوست
غذا لیے روح ہو تمیں اور لطف، موسیقی
مجھی سے نثر ہے ناثر کی نظم ناظم کی
ہنود سے کہو آئیں میرے پاس نہ وہ

سپہر جوش مسرت کا میں ستارہ ہوں
کنارہ جس سے کرے عقل وہ کنارہ ہوں
یہ کائنات نہیں میں ہی سب نظارہ ہوں
مدار ارض ہوں میں چرخ کا سہارا ہوں
پسینہ بحر ہے گو نور کا شرارہ ہوں
ہیں صحن باغ میں صد برگ و در نظارہ ہوں
جلال میرا ہے دوزخ میں وہ شرارہ ہوں
سرشتی ہے میری خواہش کہ آشکارا ہوں
خروش و جوش میں دم بھر جو آشکارا ہوں
بگڑ کے چیر دوں انتوں سے میں وہ آرا ہوں
نہیں ہیں رسر خفی بلکہ آشکارا ہوں
ہیں مہر مشرق خوبی ہوں ماہ پارا ہوں
ہمیشہ بجتا ہی رہتا ہوں وہ دو تارا ہوں
ستار و بین و دف و چنگ اور چکارا ہوں
سخن میں لطف ہوں تشبیہ و استعارہ ہوں
ہیں آب فال ہوں اور آپ استخارہ ہوں

سب سے مناسب ہے اور وہی اس کو اختیار کر لینا چاہئے۔ بڑے بڑے مسائل پیدائش چار مروّج ہیں۔ جن کے نام بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔ درشٹی سرشٹی واد۔ اوچھید واد۔ بمب پرتی بمب واد۔ اور آبھاس واد۔ میں ان میں سے میں ایک ایک کو لیتا جاتا ہوں اور اس کی توضیح کرتا جاتا ہوں۔

۱۔ درشٹی سرشٹی واد

اس مسئلے کے یہ معنی ہیں۔ کہ جتنی سرشٹی یعنی مخلوق ہے۔ وہ صرف درشٹی یعنی نظر کا کھیل ہے۔ جب تک نظر کے سامنے کوئی چیز ہے۔ اُس وقت تک خواب کی صورت کی طرح اس کی ہستی ہے۔ اور جہاں وہ نظر یعنی انوبھویا احساس سے ہٹی۔ اور خواب کی صورت کی طرح کالعدم ہو گئی۔ کائنات بالکل ایک نقشہ خواب ہے۔ روز خواب کی غفلت کی حالت میں پرلے ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ بیج ردپ سے واستا باقی رہتی ہے۔ بیدار ہو کر پھر کائنات اسی طرح نظر کے سامنے آجاتی ہے۔ جس طرح خواب کی دنیا کا حال ہے۔ اس مسئلے میں ایشور اور جیو کے تفریق کا امکان نہیں ہے۔ اور جیو لا انتہا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک ہی گیان سروپ جیو قائم رہیگا۔ اگر پوچھو وہ جیو کون سا ہے۔ تو وہی خواب کی مثال لو۔ خواب میں کائنات خواب میں لا انتہا جیووں کی رچنا کرتا ہے۔ جو جسم کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہیں اسی طرح ایک جسم اپنا بھی مفروض کر لیتا ہے۔ جس میں اسے انانیت کا وہم ہے۔ حالانکہ وہ جسم نہیں ہے۔ بلکہ صرف گیان سروپ آتما ہے۔ اسی طرح عالم بیداری میں بھی چشم بینا صرف ایک ہے اور وہی جیو ہے باقی سب خواب کے جیووں کی طرح جیو آبھاس یعنی محض نمودی جیو ہیں۔ پھر اصلی جیو کون سا ہوا۔ وہی جو اپنے کو "میں" کے نام سے پکارتا ہے۔ اور باقی سب کو غیر کے نام سے۔ تمام کائنات اس اصلی انوبھویا احساس کرنے والے جیو کے وہم میں ہے۔ جب تک

بوقلموں اور نیرنگہاے گوناگوں دیکھتا ہے۔ جو اس کی ہستی سے علحدہ چیزیں نہیں ہیں ؛

ویدانت شاستر کا کائنات بنا کر کھڑی کرنے میں صرف اتنا مطلب ہے کہ انجام میں اس کائنات کو اڑا دیا جائے۔ اور نیرنگیوں کے اختلاف کو اُڑا کر صرف ایک وحدت وجود قائم رکھی جائے۔ پس اگر بعض مروجہ مسائل پیدائش عالم میں کچھ نقص رہ گئے ہیں تو رہا کریں۔ ویدانت کو اس سے زیادہ سروکار نہیں ہے۔ سروکار ہے تو صرف اس بات سے ہے کہ ایک ذات احد یعنی سچدانند برہم ست یعنی ہست ہے اور باقی تمام اناتما ہست یعنی متھیا یا جھوٹ ہے۔ ویدانت میں کائنات صرف آتش بازی کا ہاتھی ہے۔ یہ لطیفہ مزے کا ہے۔ اسی واسطے تم کو سناتا ہوں ؛

ایک بستی کے لڑکے دسہرے کے روز میلا دیکھنے گئے اور انہوں نے وہاں راون پھنکنا دیکھا۔ دوسرے روز سب نے مل کر مشورہ کیا۔ کہ آتش بازی چھوڑیئے۔ چنانچہ لکڑیوں پر کاغذ منڈھ کر ایک ہاتھی بنایا اور اس میں آتش بازی یعنی انار۔ مہتابی۔ پھلجھڑی۔ پٹاخے وغیرہ سب بھرے۔ شام کو ہاتھی بنکر کھڑا ہوا۔ تو بچے سب خوش تھے کہ کیا اچھا ہاتھی بنا ہے۔ ایک منطقی بزرگ بھی جنہیں اپنے عقل و فہم پر بڑا ناز تھا کھڑے تماشے دیکھتے تھے۔ کہنے لگے۔ لڑکو تم نے ہاتھی بنایا تو۔ لیکن دیکھو اس کا ایک کان سیدھا ہے اور دوسرا ٹیڑھا۔ اگر دوسرے کو اندر کی طرف زیادہ موڑتے تو بہتر ہوتا۔ ایک چھوٹے بچے نے ہنسکر کہا۔ جناب اس ہاتھی سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ چھوٹ جائے اور ہم آتشبازی کا تماشہ دیکھیں کان سیدھا ہے یا ٹیڑھا ہے۔ ہمیں اس کی کیا پڑی ہے۔ ہاتھی سے جو اصلی غرض ہے وہ پوری ہو جانی چاہیئے۔ باقی اللہ اللہ خیر سلا۔ یہی حال ویدانت شاستر میں کائنات کا ہے۔ شاستر کاروں نے طالب علموں کے سمجھانے کے واسطے کائنات کی رچنا کئی طرح بیان کی ہے جس طرح کسی کے ذہن میں بیٹھے۔ وہی طریقہ اس شخص کیواسطے

گیا ہے۔جس کا اگنی سر ہے۔ چاند۔سورج آنکھیں ہیں۔اطراف کان ہیں۔ بانی یا آواز وید ہے۔ ہوا پران ہے۔ ہردے یا قلب خلا ہے اور زمین پانوں ہیں۔ چھاندوگیہ میں ایک انڈے سے تمام پیدائش عالم مستخرج کی ہے۔ بریہدارنیک میں منوادرشٹ روپا سے جگت کی پیدائش بتائی ہے۔ جو شت روپا طرح طرح کے روپ دھارن کرکے طرح طرح کی مخلوقات پیدا کرتی ہے۔ اسی اپنشد میں تتو تین کہے ہیں۔یعنی اگنی۔جل اور پرتھوی۔ پرشن اور تیتریے اپنشد میں پانچ تتو بتائے ہیں۔ یعنی آکاش۔ وایو۔اگنی جل اور پرتھوی۔ اسی طرح کیا کلیات اور کیا جزئیات دونوں میں جا بجا اختلاف پائے جاتے ہیں۔ مختلف اپنشدوں میں ہی نہیں۔ بلکہ ایک ہی اپنشد کے مختلف حصّوں میں بھی یہی تماشہ نظر آتا ہے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔اپنشدوں کا مطلب جگت کے سنتھان یعنی قائم کرنے کا نہیں ہے۔کیونکہ جگت کی بود گیان سروپ آتما میں خواب کی طرح محض نمودی ہے۔ اس بود نمودی میں سمجھانے کے واسطے جو ترتیب قائم کرلیجائے سب کھپ سکتی ہے۔ ایک طالب علم گورو کے پاس آکر سوال کرتا ہے کہ مہاراج جگت کی پیدائش تین ہی تتووں سے ہوتی ہے؟ اور گورو اسی سوال کو اپنی تعلیم کا مرکز بنا کر اُس کو وحدت وجود کا مسئلہ سمجھانے لگتا ہے۔ دوسرا آتا ہے کہ مہاراج جگت پانچ تتوں سے مل کر بنا ہے؟ گورو انہیں پانچ تتووں کو لے کر اُس کو گیان سروپ آتما کا اپدیش کرتا ہے۔ اسی پر اور مسائل کو قیاس کر لو۔ اُن میں سے تمہاری سمجھ میں جو مسئلہ سب سے بہتر اور قرین قیاس ٹھیرے اُس کو اختیار کر لو۔کیونکہ جگت میں فی الواقع کسی خاص ترتیب کا امکان نہیں ہے۔ ہاں جو مسئلہ کائنات اختیار کرو اُس میں اس بات کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔کہ ایک گیان سروپ آتما کا وجود واقعی ہے۔ باقی کل بود نمودی ہے۔ جو اس گیان کے سمندر میں بالکل اُسی طرح اُدے ہو رہی ہے۔ جس طرح ایک ذات احد خواب میں کائنات خواب کے تماشے ہا ئے

محض خواب ہیں کی ہستی کا جلوہ ہے اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ضمناً یہ بھی ذکر کیا تھا۔ کہ اسے ذات احد میں یہ وہم ہونا کہ میں جگت کا کرتا ہوں ایشور بھاو کہلاتا ہے۔ اور یہ پندار ہونا کہ میں کم طاقت وکم علم ہوں جیو بھاو کہلاتا ہے یہی ذات احد مادّہ ہے۔ یہی شکتی یا قوت ہے۔ اسی میں جگت پیدا ہوتا ہے اسی میں قائم رہتا ہے اور اسی میں لَے ہو جاتا ہے۔ اس ویاکھیا میں میں تم کو یہ سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ کہ پیدائش عالم جو اپنشدوں میں طرح طرح سے بیان ہوئی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ اور جگت کے بارے میں ویدانتی اچاریہ جو مسائل مختلفہ ملتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ایشور کیا چیز ہے اور جیو کیا چیز ہے۔ اور اُن میں باہمی کیا رشتہ وتعلق ہے:۔

تمام ویدانت شاستر کی اصل اصول یہ ہے۔ کہ ایک گیان سروپ آتما ہست ہے اور اناتما یعنی کل کائنات ہستی سے عاری ہے لیکن چونکہ کائنات کا احساس ہر شخص کے تجربے میں آتا ہے۔ اُسی ایک گیان سروپ آتما سے یہ مستخرج ہونی چاہئے۔ اس استخراج کے سمجھانے کے واسطے آچاریوں نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن کی علّت غائی یہ ہے کہ جس طرح سے ہو سکے کائنات کی بود نمودی طالب علم کے ذہن نشین کردی جائے۔ ویدانت کا مطلب کوئی کائنات بنا کر کھڑی کرنے کا نہیں ہے۔ کیونکہ کائنات کا وجود واقعی نہیں ہے۔ گیان سروپ آتما میں محض بود نمودی رکھتی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی وقعت نہیں لیکن چونکہ کثرت ہی کو سمیٹ کر وحدت وجود پر پہنچتا ہے۔ اس لئے ایک آتما سے عالم کثرت کا استخراج ایک منطقی ضرورت ہے۔ جس کا پورا کرنا شاستر کا فرض ہے:۔

اپنشدوں پر نگاہ کی جائے۔ تو کائنات کے بارے میں عجیب تماشہ نظر سے گزرتا ہے۔ کہیں پیدائش عالم کی ترتیب کچھ ہے اور کہیں کچھ۔ مثلاً ایتریے اپنشد میں تمام کائنات کو ایک پرش روپ کی نظر سے دیکھا

کی تعلیم سچی ہے۔ جگت گیان سروپ آتما میں خواب کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ خواب کی طرح قائم رہتا ہے اور خواب کی طرح لے ہو جاتا ہے۔ اس میں نہ کوئی کرم ہے نہ کوئی ترتیب ہے۔ جب اگیان کی بند دور ہوتی ہے اور گیان کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو میں سچدانند روپ آتما ہی رہتا ہوں۔ اور یہ جسم جوا کادن اور اکرم یعنی بے سبب و بے ترتیب مجھے معلوم و محسوس ہوتا ہے۔ بیست و نابود ہو جاتا ہے۔ راجہ نے اس نتیجے پر پہنچکر دوسرے روز پنڈت کو خلعت فاخرہ دیا۔ اور بہت کچھ انعام و اکرام مرحمت کیا۔ اور آپ جیون مکتوں کی زندگی بسر کرنے لگا۔

سدانند نے کتھا ختم کر کے کہا۔ لو مہاراج۔ اب اسے گیان میں گھٹانا آپ کا کام ہے۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ اس کتھا کو گیان میں کیا گھٹاؤں تم نے مجسم گیان کتھا کہی ہے۔ ہاں سرشٹی کا مضمون ختم ہو گیا ہے۔ اس واسطے سادھو اس مضمون پر کچھ خیالات ظاہر کرتا ہوں۔

سوامی برہمانند کی چوتھی ویاکھیا

مسائل کائنات پر فلسفیانہ نظر

دلائل محض لاطائل ہیں عمر اپنی کھو	تجھے بحثوں سے کیا لینا ہے میری جان جھگڑا چھوڑ
بتائیں گر حکمت گر سمجھ حکمت کی تجھ کو	حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو

کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

سادھو اس سے پہلی ویاکھیا میں میں نے تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ فلسفیانہ دلائل ہمیں وحدت وجود کے مسئلے پر پہنچاتی ہیں جسے ویدانت سچدانند برہم کہتا ہے۔ اس ذات احد میں کائنات کی جلوہ نمائی اس طرح ہے جس طرح خواب بین کی نظر میں کائنات خواب ہوتی ہے۔ خواب بین

شے ہے۔ نہیں کوئی سنتے ہوں۔ نہ یہ یوگ واسشٹ کی پوتھی کوئی چیز ہے سب اپنے سپنے میں تم نے آپ رچنا کی ہے۔ یہ سوپن جگت تمہارا ہے اور اس کے پیدا کرنے میں نہ تم نے کوئی کرم برتا ہے نہ ترتیب برتی ہے۔ تم گیان سروپ آتما نے تماشہ دیکھنے کے لئے اس سوپن جگت کی رچنا کر لی ہے۔ تماشہ ہے کہ اپنے سپنے سے آپ تکلیف اُٹھا رہے ہو۔

راجہ بھوک تکان اور زخموں کی تکلیف سے بیتاب تھا۔ کہنے لگا سادھو تجھے ذرا دیا نہیں آتی۔ مہینوں میرا مہمان رہا ہے اور اس حالت زار میں مجھے دو روٹیاں نہیں دے سکتا۔ اُلٹا گیان دینے بیٹھ گیا۔ اے مورکھ آنکھوں کے سامنے جگت کھڑا ہے اور تو اُس کو میرا سُپنا بتاتا ہے جس کی پیدائش میں نہ کرم ہے نہ ترتیب ہے۔ یہ یوگ واسشٹ کے پڑھنے والے سارے دیوانے ہوتے ہیں۔ میرا بڈھا پنڈت اور لائق و فائق وزیر بھی یہی گپ اُڑایا کرتے تھے۔ لا تیرے اس یوگ واسشٹ کو اسی مندر کے کوئیں میں پھینکوں۔ تاکہ تو کسی اور کو میری طرح دوبارہ دھوکا نہ دے سکے یہ کہکر راجہ نے کتاب چھیننے کو ہاتھ بڑھایا۔ سادھو ہنسا۔ اور بولا۔ دیکھ راجہ تو سمجھدار ہو کر ان سمجھ آدمیوں کی سی باتیں کرتا ہے۔ اے مورکھ۔ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے وہ تیرا سُپنا ہے اور کچھ نہیں ہے۔ جب تو جاگیگا۔ تو وہی راجہ کا راجہ ہے۔ جاگ کر سوچیو کہ جو جگت تو نے رچا تھا۔ اُسمیں کیا کرم یا ترتیب تھی۔ یہ کہکر اُس نے کتاب یوگ واسشٹ کو جو راجہ زور سے کھینچ رہا تھا۔ چھوڑ دیا۔ راجہ اپنے زور میں پیچھے کو گرا۔ زمین سے سر لگا تو تکلیف محسوس ہونے سے خواب سے آنکھ کھلی۔

دیکھے۔ تو حقیقت میں نہ کہیں سادھو ہے۔ نہ مندر ہے۔ نہ اپنا بدن زخموں سے چور ہے۔ کروٹ لینے میں سر پلنگ کے پائے سے ٹکرایا تھا۔ اور اس طرح خواب سے آنکھ کھل گئی تھی۔ اس خواب سے راجہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اور وہ بہت دیر تک بڑے تعجب سے اُس کے تمام واقعات کو سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے اس نتیجہ پر پہنچا کہ حقیقت میں وسشٹ مہاراج

یہ سادھو راجہ کا جان پہچان نکلا۔ ایک مرتبہ مہینہ بھر شاہی مندر میں ٹھیرا تھا اور اس کا اور راجہ کا روز گیان چرچا ہوا کرتا تھا۔ اُس نے دیکھتے ہی راجہ کو پہچان لیا اور مسکرا کر کہا۔ واہ مہاراج۔ اچھے روپ سے درشن دئے آؤ بیٹھو۔ میں تمہیں یوگ واسشٹ کا گیان سناؤں۔ راجہ نے پوچھا کیا یہ پستک جو آپ کے ہاتھ میں ہے یوگ واسشٹ ہے۔ سادھو نے کہا ہاں۔ بڑی اعلےٰ درجے کی کتاب ہے۔ راجہ تم بھی اسی کو بچارا کرو۔ راجہ بھوک اور تکان سے بیتاب تھا۔ کہنے لگا۔ مجھے واسشٹ کے ناممکن گیان سُننے کا ہوش نہیں۔ میرا راج پاٹھ سب چھن گیا۔ فقیر ہو گیا۔ دن رات کا بھوکا ہوں۔ زخموں سے بدن گھائل ہے۔ بیٹھنے کی بھی طاقت نہیں۔ مجھے تو گیان کی بجائے دو روٹیاں کھلاؤ۔ تو میری جان میں جان آئے۔ مہاراج تمہیں بڑا پُن ہوگا۔ مجھ سے زیادہ اس وقت دنیا میں اور کون محتاج ہے +

سادھو نے مسکرا کر کہا۔ راجہ تم کیا باتیں کرتے ہو۔ تم محتاج نہیں وہی راجہ جے چند ہو تم میں سب طرح کی طاقت ہے۔ اتنا خیال نہیں کر سکتے کہ تم اپنے محل میں بستر راحت پر دراز ہو اور خواب دیکھ رہے ہو۔ راجہ نے کہا۔ سادھو مہاراج تم کیا باتیں کرتے ہو۔ پرتیکش جگت میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ میرا جسم ہے۔ یہ تم بیٹھے ہو۔ یہ مندر ہے۔ یہ اسمیں تو ان ہی کل دن بھر گھمسان کارن پڑا رہا۔ یہ دیکھو سارا بدن گھائل ہو رہا ہے۔ رات بھر پیادہ پا چلا ہوں۔ صبح ہوتے یہاں پہنچا ہوں اور اس وقت بھوک اور تکان سے میں مرا جاتا ہوں۔ مجھے تو تم دو روٹیاں کھانے کو دو سخت محتاج ہوں۔ میرے حال بزار پر رحم کرو۔ مجھے گیان دھیان نہیں چاہیئے +

سادھو پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔ راجہ تمہیں اپنے ہی سُپنے کا بھرم ہو رہا ہے۔ نہ کوئی لڑائی ہوئی ہے۔ نہ تم نے شکست کھائی ہے۔ نہ تم زخمی ہو اور نہ تمہیں بھوک۔ تکان اور زخموں کی تکلیف ہے۔ نہ تمہارا یہ جسم کوئی

تھی۔ زبردست دھکے کو نہیں سہار سکی اور سب کے پاؤں اکھڑ گئے +
راجہ نے اُسی خواب کے عالم میں دیکھا۔ کہ وہ خود اور اُس کے سردار باوجودیکہ زخمی ہیں۔ لیکن سپاہیوں کو للکار رہے ہیں۔ کہ خبردار پیچھے نہ ہٹنا برابر مردانہ وار مرد اور مارو۔ لیکن کوئی نہیں سنتا۔ چھوٹے اور بڑے سب بدحواس بھاگے چلے جاتے ہیں اور دُشمن پیچھے سے مارتا ہُوا چلا آتا ہے۔ جے چند کا چھتر بردار ایک تیر کھا کر گرا۔ اس سے راجہ کی جان بچ گئی۔ وگرنہ دشمن کا زیادہ زور اسی چھتر کے عقب میں تھا۔ دو تیر راجہ کے جسم پر بھی لگے اور خون جاری ہؤا لیکن زخم کاری نہ تھے۔ راجہ نے ہاتھ سے کھینچ کر وہ تیر نکال کر پھینکے۔ لیکن خون جانے سے کمزور بہت ہو گیا۔ اس پر دن بھر کی تکان۔ گھوڑے پر آسن قائم نہ رہ سکا۔ اور جہاں کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے وہاں گرا۔ تھوڑی دیر بے ہوشی طاری رہی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا۔ کہ رات ہیں اندھیرا گھُپ ہے اور مردوں کی لاشوں میں پڑا ہوں۔ اپنی فوج کی شکست بھی دھیان میں آئی۔ اب سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا۔ کہ جس طرح بنے راتوں رات بھاگ کھڑا ہو۔ وگرنہ صبح پہچانا گیا تو یا تو مار دیا جائیگا یا قید ہوگا۔
راجہ نے اُسی جگہ اندھیرے میں اپنا لوازمہ شاہی اتار کر پھینکا تاکہ دُشمن کو خیال ہو راجہ مارا گیا ہے اور تعاقب و تلاش نہ کی جائے۔ مردہ سپاہی جو گرد و پیش پڑے تھے اُن میں سے دو کی دھوتیاں اتاریں۔ ایک ٹانگوں میں لپیٹی اور دوسری سر سے اوڑھ کر ایک طرف کا رُخ کر کے چل کھڑا ہؤا۔ بدن زخموں کے باعث سے کمزور ہو گیا تھا اور دن بھر کا بھوکا تھا۔ لیکن جان پیاری ہوتی ہے۔ رات بھر چلتا رہا۔ علے الصباح ایک گاؤں کے باہر ایک ٹوٹے سے مندر میں پہنچا۔ یہاں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک سادھو بیٹھا ہؤا ایک کتاب ہاتھ میں لئے پڑھ رہا ہے راجہ نے اُسے ڈنڈوت کی اور بیٹھ گیا۔ لیکن تکان اور بھوک سے بُرا حال تھا۔ اور ہیئت گدائی ایسی ہو رہی تھی کہ ناگفتہ بہ ہے +

کیاد یکھتا ہے - کہ دربار میں بیٹھا ہے - اور اُمرا و وزرا قرینے سے صف بستہ کھڑے ہیں - یکایک سرحدی صوبہ دار کے سفیر پھر آئے - اور یہ خبر لائے - کہ سرحدی قوموں کی پشتی پر چین اور تبت کی فوجیں بھی ہیں - لڑائی شروع ہو گئی ہے - اور اُنہوں نے کئی مستحکم قلعے فتح کر لئے ہیں - صوبہ دار پسپا ہوتا ہوا نگدھ کو بھاگا آتا ہے - اور دشمن کی فوج اُس کے تعاقب میں چلی آتی ہے - راجہ نے اپنی فوج تیار کی - اور لاکھ سوا لاکھ کی جمعیت سے سرحد کی طرف بڑھا - نند گاؤں کے قریب جو سرحدی صوبے میں پہاڑوں سے اتر کر سب سے بڑا قصبہ تھا - صوبہ دار کی ہزیمت خوردہ فوج راجہ سے آ کر ملی - اس سے معلوم ہوا کہ دشمن کی جمعیت کثیر ہے - اور جلد جلد نند گاؤں ہی کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے دو یا تین دن میں آ پہنچیگا - راجہ نے نند گانوں میں قیام کر دیا - مورچہ بندی اور صف آرائی کی اور دشمن کا انتظار کرنے لگا ؛

تیسرے روز پرچہ لگا کہ دشمن آ پہنچا - دونوں طرف سے میدانِ کارزار گرم ہوا - اور سورما اپنے اپنے جوہر دکھلانے لگے - دشمنوں کا سرغنہ ایک سرحدی راجہ تھا - جس کا نام بشوک تھا اور جو راجہ جے چند سے پہلے ایکمرتبہ شکست کھا چکا تھا - اور بہت سا جرمانہ بھر چکا تھا - اس بات کا عوض لینے کے واسطے اُس نے تمام سرحدی قوموں کو اپنے ساتھ لیا تھا اور چین و تبت سے بھی امداد حاصل کی تھی - بشوک بڑا زبردست سپاہی اور جنگ آزمودہ سپہ سالار تھا - راجہ جے چند کی فوج نے خوب خوب جوہر مردانگی دکھائے لیکن دشمنوں کی جمعیت بھی زیادہ تھی - اور بشوک جے چند کی نسبت سپاہ کے پیچوں کا ماہر بھی زیادہ ثابت ہوا - شام ہونے سے کچھ پہلے بڑے گھمسان کا رن پڑا اور دم کے دم میں کشتوں کے پشتے لگ گئے - اس وقت دشمن کے دس ہزار سواروں نے جواب تک دور کھڑے لڑائی کا تماشہ دیکھ رہے تھے - ایک دم سے دائیں اور بائیں طرف سے راجہ کی فوج پر حملہ کیا - یہ دونوں دستے تازہ دم تھے اور جے چند کی فوج تھکی ہوئی

[illegible]

[illegible] ہیں۔ انہیں خیالات میں نقصان [illegible]

ہے کہ جو خیالات عالم بیداری میں [illegible]

خواب کی صورتیں اختیار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ [illegible]

وہ سننے کے لائق ہے۔

علم ہمارے احاطۂ امکان سے باہر ہے - یہاں ایک اور دقت روبکار ہوئی کہ گیان میں جو جگت اُدے یعنی طلوع ہوتا ہے اُس میں خاص کرم یا ترتیب ہے یا بلا ترتیب خواب کی صورتوں کی طرح نمایاں ہوتا ہے - وسشٹ جی کی تعلیم کا صاف منشا یہ ہے - کہ کرم یعنی ترتیب صرف من کی کلپنا ہے خواب جیسی صورتوں میں کیا کرم اور کیا ترتیب ہو سکتی ہے - ترتیب ماننا محض من سمجھوتی اور بچوں کا کھیل ہے ؞

ایک روز ایک کہانی کی تشریح میں پنڈت سے بہت دیر تک بحث ہوتی رہی - کہ جگت کی رچنا میں ترتیب کا امکان ہے یا نہیں ہے - پنڈت گیانی آدمی تھا کہنے لگا - مہاراج آتما گیان سروپ ہے اور اُس گیان کے سمندر میں جگت کا بھان یعنی نمائش ہے - جگت واقع میں کوئی چیز ہو تو اُس کا کرم یعنی ترتیب وغیرہ تسلیم کی جائے - جیسا سانکھیہ والا بتاتا ہے - لیکن جب سارا جگت من کا کھیل ہے - اور گیان روپ آتما کے بھرم یعنی پندار یا تصوّر سے پیدا ہوُا ہے - تو کاہے کا کرم اور کیا ترتیب راجہ نے کہا - میں اس بات سے متفق الرائے نہیں - کائنات میں لا انتہا اشیا نظر آتی ہیں - اور عالم بیداری میں ہم روز دیکھتے ہیں کہ خاص اشیا کے پیدا کرنے میں خاص اسباب خاص ترتیب سے کام کرتے ہیں - اُس وقت کہیں جا کر خاص چیزیں بنتی ہیں - بھلا کیونکر تسلیم کرایا جائے کہ یہ گوناگوں اور بوقلموں کائنات بلا ترتیب خواب کے نقشے کی طرح یکایک آتما میں جلوہ گر ہو گئی ہے - پنڈت نے دلیلیں دیں - شاستر کے حوالے دیئے - ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی لیکن راجہ اپنی بات پر اڑا رہا - ملازموں کی کیا تاب ہے جو آقا سے بڑھ چڑھ کر بولیں - پنڈت کو یہی کہنے بن آئی - کہ مہاراج بات تو یوں ہی ہے - جس طرح وسشٹ جی مہاراج کہتے ہیں - ہاں میرے سمجھانے کا قصور ہے - میں حضور کو اَور طرح سمجھانے کی کوشش کرونگا - اور یقین ہے کہ وہ کوشش کارگر ہو گی ؞

آتما ہیں کائنات کی جلوہ گری محض اسیطرح ہے جس طرح آدمی سوتے ہیں خواب دیکھتا ہے۔ خواب ہیں جب تک شئے نظر کے سامنے ہے اُس وقت تک اُس کی ہستی ہے۔ جہاں نظر سے غائب ہوئی کالعدم ہے۔ بعینہ یہی حال بیداری کا ہے۔ جب تک ہم کسی شئے کو دیکھ رہے ہیں اُس وقت تک اُس کا وجود ہے۔ جہاں وہ ہمارے گیان کی حد سے باہر گئی اور کالعدم ہے۔ بعد ہیں جو وہی شئے اپنی اُسی پہلی صورت ہیں نظر آتی ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہمارے من ہیں سنسکار باقی رہتے ہیں۔ اور بعینہٖ خواب کے نقشے کی طرح اس شئے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ غرض کائنات ہمارے من کا کھیل ہے کوئی قائم بالذات بیرونی شئے نہیں ہے۔ یہی تمام ویدانت شاستر کا لب لباب ہے اور یہی اس شاستر کی تعلیم ہے ؛

درشٹی سرشٹی کا مسئلہ سمجھنے ہیں نہایت کٹھن چیز ہے جنم جنمانتر سے جگت کا سچّا اور بیرونی ہونا ہمارے دلوں ہیں جاگزیں ہے۔ اس وجہ روز نیا جگت من ہیں پیدا ہونا اور حالت خواب غفلت ہیں اُس کا غائب ہو جانا سمجھ ہیں بہت مشکل سے بیٹھتا ہے۔ راجہ نے سخت اعتراض اُٹھائے۔ پنڈت سے بحث کی۔ سادھو سنتوں سے بحثیں کیں۔ اپنے وزیروں سے جن ہیں سے بعض بڑے بڑے عالم اور گیانی پنڈت تھے۔ بحثیں کیں لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ ہر شخص نے یہی سمجھایا کہ وسشٹ مہاراج کی تعلیم سچّی ہے۔ کائنات اگر کوئی بیرونی شئے ہے۔ اور اُس کا وجود واقعی ہے تو نہ اُس کی رچنا قرین قیاس ہے۔ نہ اُس کا علم ہمارے واسطے ممکن ہے۔ لیکن راجہ کے ذہن ہیں بات نہیں بیٹھی ؛

ان بحثوں اور روز کے ست سنگ کا نتیجہ یہ بے شک ہوا کہ راجہ اتنا سمجھنے لگا۔ کہ جس جگت کا ہمیں گیان ہوتا ہے۔ وہ ہمارے من کی کرتی روپ ہے۔ یعنی اشیائے خارجی کا علم ہمیں نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمارا من جیسا لباس پہنا کر اُن کو آتما کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہی ہمارے گیان کا جگت ہے۔ اُس سے زیادہ اگر کوئی اور شئے جگت ہے تو اُس کا

آباد تھے شہر ملک آباد | رہنے والا ہر ایک دل شاد
سیم و زر سے تھا پُر خزانہ | دولت کا نہ اُسکی تھا ٹھکانہ
قلعے سنگیں محل تھے سنگیں | ہیروں کی جڑت سے نور آگیں
تخت و کرُسی ظروف و زیور | تھے باعثِ رشک کان پُر زر
گھر حسن کا ہر محل سرا تھی | بیگم ہر ایک مہ لقا تھی
حق نے فرزند بھی دئے تھے | جو حسن ادب لئے ہوئے تھے
بھرپور تھا خاندان شاہی | اور ایک یہ دوسرا سپاہی
اسباب نشاط جابجا تھے | باغات شکار اور جلسے
ارباب کمال اپنے جوہر | دکھلاتے تھے ہر ہنر میں آکر
ہر شام تھی عیش ہر سحر عید | محفل تھی ہر ایک قابل دید

جیسا راجاؤں کا دستور ہے۔ راج کاج سے فرصت پاکر راجہ جے چند گیان و دھیان کی کتھا بارتا بھی سنا کرتا تھا۔ لائق لائق پنڈت ملازم تھے گیانی دھیانی سادھ سنت بھی آتے رہتے تھے اور ان کے ساتھ ست سنگ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دربار میں ایک وزیر نے یوگ واسشٹ کی تعریف کی۔ راجہ کو بھی اس مقدس کتاب کے سُننے کا شوق ہوا۔ چنانچہ ایک لائق پنڈت جو بڑا گیانی اور برہم نشٹ آدمی تھا اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ رات کے وقت دربار ہوتا۔ پہلے راج کاج انصرام پاتے۔ اور بعد میں یوگ واسشٹ کی کتھا ہوتی۔ بیراگ کا پرکرن راجہ نے بڑے شوق سے سنا۔ اسی طرح ممکشو پرکرن بھی بخیر و خوبی ہو گیا۔ اور راجہ کتاب کی تعریف کرتا رہا۔ کہ نہایت لیاقت کی لکھی ہوئی ہے اور جو بات ہے دل میں گھر کرنے والی ہے +

جب اُتپتی پرکرن یا پیدائش عالم کا باب شروع ہوا تو اُس کے ساتھ ہی راجہ کی مشکلات بھی شروع ہوئیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وسشٹ جی درشٹی سرشٹی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ گیان سروپ

اچھا تم کہانی سناؤ۔ مجھ سے وہ گیان میں نہیں گھٹائی جا سکی تو اور کوئی مہانما کوشش کرینگے۔ آخر یہاں چالیس سادھو بیٹھے ہیں۔ مثل مشہور ہے "پانچ سات کی لاکڑی ایک جنے کا بوجھ" سدانند نے کہا۔ آپ نے بڑی اچھی بات کہی اور اس سے میری ہمت بندھی۔ لیجئے سنئے مہاراج میں کہانی کہتا ہوں ؞

زمانہ قدیم میں مگدھ دیش میں ایک بڑا پرتاپی راجہ ہؤا ہے۔ جس کا نام جے چند تھا۔ راجہ کے ذکر کے ساتھ یہ بھی ضروری بات ہے کہ اُس کی عظمت۔ خزانہ و دولت۔ رعایا کی خوشحالی وغیرہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا جائے۔ سو مہاراج! یہ شاعروں کا کام ہے۔ مجھے شعر کہنے نہیں آتے۔ وشدہانند وہ بیٹھے ہیں اور بڑے بھاری شاعر ہیں۔ انہیں حکم دیجئے کہ راجہ جے چند کی تعریف میں کوئی پھڑکتا ہؤا قصیدہ پڑھیں۔ وشدہانند نے ہنسکر کہا۔ جب مجھے یہی معلوم نہیں کہ وہ راجہ جے چند کیا بلا تھا تو میں تعریفیہ قصیدہ کیونکر پڑھ سکتا ہوں آپ ہی فرمائیں نثر میں یا نظم میں۔ سدانند نے کہا اچھا بھائی۔ کلام جہر میں ایک راجہ کی کچھ تعریف میں نے پڑھی تھی وہ سُنائے دیتا ہوں ؞

اشعار

تھا ملک مگدھ میں اک شہنشاہ
کیواں تتبہ سپہر درگاہ

لشکر مور و ملخ سے افزوں
مانندِ ستارگانِ گردوں

فیلانِ مست کوہ پیکر
گھوڑے خوشرنگ پاک گوہر

شیرانِ وغا تھے افسر فوج
تھی فوج بذاتِ خود ظفر موج

لقمان تھا ہر وزیر اُس کا
قاروں تھا ہر اک امیر اُس کا

خوشحال تھی ملک میں رعایا
نقشہ تھا وہ عدل نے جمایا

تاجر جتنے تھے سب غنی تھے
خوش کسب کمال کے دھنی تھے

کیسہ دہقان کا بھی پُر تھا
ہر کھیت تھا سیم و زر اُگلتا

امیت ہو۔ سدانند نے کہا۔ مہاراج اسی واسطے تو میں کہتا تھا کہ سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ آخر دیپ بھی تو بیان کرو کہ اُن کی سمجھ پر پتھر پڑے ہی تو کیوں۔ سدانند نے جواب دیا۔ دیکھئے مہاراج۔ آپ نے کہانی کہنے کا حکم دیا تھا۔ اور اُنہوں نے اپنے گورو کے ساتھ اپنا مکالمہ بیان کر دیا۔ اور اس میں کیا فلسفہ چھپا ہے کہ کچھ نہیں کہا جاتا۔ جو ان مکالموں کو کہانی سمجھے۔ اُس کی سمجھ پر پتھر۔ پڑے ہی تو کیا حلوا اور کھیر پڑے۔ اس پر سادھو ہنسنے لگے۔ ایک نے پوچھا۔ اچھا۔ سدانند تم ہی کہو۔ کہانی کیسی ہوتی چاہیئے۔ سدانند نے مسکرا کر کہا۔ اول تو کہانی میں ضرور ہے کہ کسی راجہ کا ذکر ہو۔ دوسرے اُس کے وزیر کا ذکر ہو۔ اس پر شنکر گری نے ہنس کر کہا۔ کہ تیسرے راجہ اور وزیر دونوں شکار کو جائیں اور وزیر موقع پاکر راجہ کے سر میں کیل ٹھونک کر اُس کو چڑیا بنا دے۔ چوتھے وہ چڑیا پھر سے اُڑے اور اُڑی اُڑی پھرے۔ پانچویں۔ بات کاٹ کر سوامی سدانند بڑی متانت سے بولے۔ شنکر گری بس بھی کرو۔ یہ مذاق پہلے ہو چکا ہے۔ اب اس پر کوئی نہیں ہنسیگا۔ تم اسم بامسمےٰ گری ہو۔ اس پر فرمائشی قہقہہ پڑا!

سوامی برہمانند بھی مسکرا رہے تھے۔ اُنہوں نے پوچھا۔ ہاں بھائی! وہ راجہ اور وزیر کیا کیا کریں۔ سدانند نے کہا مہاراج! پہلے ہی سے سارا مضمون بتا دوں تو میری کہانی میں مزا کیا خاک رہیگا۔ ایک سادھو بولے۔ اچھا کہانی شروع بھی کروگے۔ یا باتیں ہی بناتے جاؤ گے۔ کوئی مزے کی کہانی سناؤ۔ جس سے گیان دھیان کی بات نکلے۔ سدانند بولے۔ بھائی کہانی میں کہے دیتا ہوں۔ رہا گیان اُس میں مہاراج میری کہانی کو گھٹائینگے۔ برہمانند نے کہا۔ واہ اوت پٹانگ کہانی راجہ اور وزیروں کی ہوئی۔ تو بھلا اسے گیان میں کیونکر گھٹاؤنگا۔ سدانند نے کہا۔ مہاراج آپ کی پنڈتائی ہی پھر کیا ہوئی۔ گیانی پنڈت تو وہی کہلاتا ہے۔ جو ہر ایک بات کو گیان کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ سنکر سوامی برہمانند مسکرائے اور کہنے لگے۔

تینتیسویں سادھو کی کہانی

درشتی سرشتی

بھولے جو یگانوں کو وہ بیگانہ ہے
بھولے جو عزیزوں کو وہ مستانہ ہے
حیرت ہے کہ بھولا ہو نہیں خود اپنے تئیں
مجھ سا بھی جہاں میں کوئی دیوانہ ہے

نوعمر کبھی ہوں اور کبھی بوڑھا ہوں
نادان کبھی ہوں اور کبھی دانا ہوں
کھویا ہے انانیت کی کثرت نے مجھے
مجھ کو نہیں معلوم کہ میں کیا کیا ہوں

ایک اور مہاتما جن کا نام سدانند تھا اُٹھ کر سوامی برہمانند کے پاس آئے۔ ان کے لب پر تبسم تھا اور سوامی برہمانند کی طرح ہنسنے ہنسانے والے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ اُن کو مسکراتا ہُوا دیکھ کر سب سادھو مسکرانے لگے کہ یہ ضرور کوئی ہنسی کی بات کہیں گے۔ بیٹھتے ہی انھوں نے سوامی برہمانند سے کہا۔ مہاراج! شوگری اور شنکر گری دونوں گورو بھائیوں نے جو کچھ کہا ہیں اس کو بڑے غور سے سنتا رہا ہوں مگر۔ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر ہو گئی۔ تو سوامی برہمانند نے کہا۔ ہاں بھائی مگر کیا؟ کہنے کہتے خاموش کیوں ہو گئے۔ کہنے لگے۔ مہاراج! کیا کہوں۔ سچی بات آدھی لڑائی ہوتی ہے۔ اس پر شوگری نے کہا۔ آپ جو چاہیں کہیں۔ ہم لڑنے والے آدمی نہیں ہیں۔ سدانند بولے۔ دیکھئے مہاراج۔ ان کا نام شوگری اور شنکر گری ہے۔ گری سنسکرت میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اُن کے بدّھی کیا ہے۔ پہاڑ کی طرح جڑ ہے۔ اردو میں اسی بات کو یوں کہیگے کہ ان کی عقل پر پتھر پڑے ہیں۔

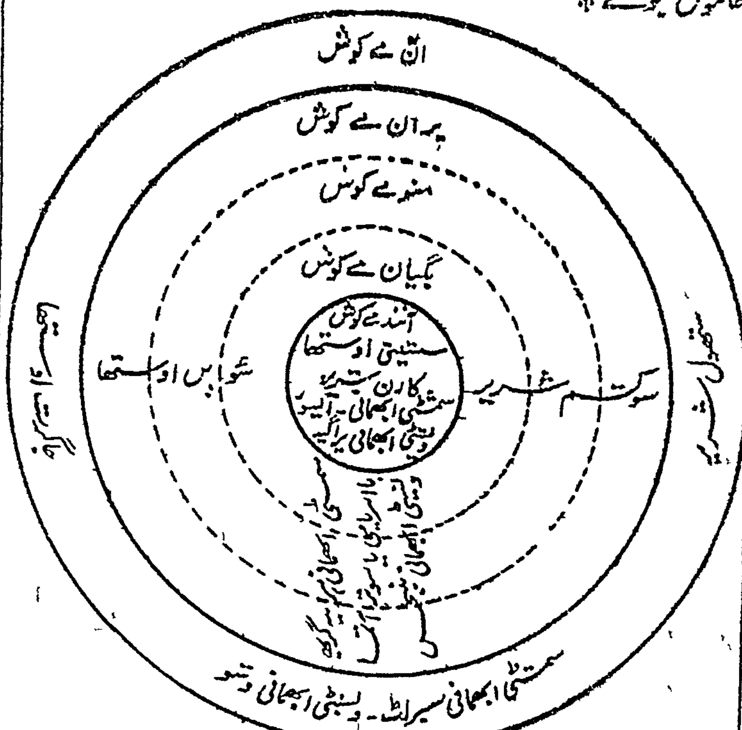
سوامی برہمانند نے کہا۔ سدانند! تم ان غریب سادھوؤں کو کیوں گالیاں دینے لگے۔ کیسی اچھی تو انھوں نے باتیں کہی ہیں اور کیا صلح ہم د

لاتعین نطق ہے وہ بے تقید علم ہے	راحت ہمیشل و بے اندازہ و لا انتہا
ہے اسمیں کچھ تعین ہے نہ اسمیں کچھ خودی	ایک بحر نور ہے وہ بے کدورت پُرصفا
ایک بحر نور ہے مبسوط عالم پر محیط	ایک بحر نور میں ہے جا گزیں ہر دوسرا
شئو ہے کون و مکاں میں قل ہو اللہ احد	کیا فقط تجھ کو ہی بس ہنا تحدا سے ہے جدا

جو ہے عاقل اُسکو کافی ہے اشارہ بالیقیں
مہر بس خاموش جو کہنا تھا وہ تو کہہ چکا

کلام مہر جلد اول

مہاراج سوامی جی نے ان کوشوں کے آتم وادیوں کا کھنڈن ہمیں بتایا لیکن چونکہ اس مضمون کو آپ اپنی دیا کھیا میں لے چکے ہیں اسواسطے اس کا اعادہ کرنا لاحاصل ہے ہاں تینوں شریروں تینوں اوستھاؤں اور پانچوں کوشوں کا ایک نقشہ دکھایا تھا وہ ہم آپ کو بھی دکھلاتے ہیں۔ دیکھیئے یہ ہے۔ یہ کہکر سنبھو گری نے نقشہ دکھایا اور خاموش ہو گئے ۰



ترک کرکے پھر خیال قوت و جسم و حواس
دام نفس سعید کر میں ہے تو جا کر پھنسا

ہیں ہمہ دانا مگر جاہل ہیں سب مسرور ملول
میں بھی ہوں میں کی میں نہ ہوں میں پھنسا

سامری فن ہے یہ ساحر اپنے فن میں ہوشیار
وہ نہ نکلا جل کے جو اسکے طلسموں میں پھنسا

کھینچکر لاتا ہے دنیا میں یہی تو بار بار
یہ ہے منشئے قدریہ کار پرداز قضا

اس کا لشکر ہے جو ہیں اسکے سپاہی جا بجا ہیں
ان سے کل عالم کا ہے اس نے احاطہ کر لیا

اس احاطے سے نکلنا گرچہ ہے کار عظیم
پر نکلنا ہی پڑیگا تجھ کو اے مرد خدا

ورنہ یہ دنیا نہیں چھوٹیگی ہرگز یاد رکھ
پھر یہاں آئیگا اب تک جس طرح آتا رہا

تو نہ بندہ نفس کا بن بلکہ الٹا یوں سمجھ
سامنے تیرے ہے بازیگر تماشہ کر رہا

یہ تماشا گر بدلتا دمبدم ہے صورتیں
لیک تو وہم انانیت کے دھوکے میں نہ آ

مادی ہے جسم جیسے مادی جیسے حواس
مادی ہیں تو یہ ہیں یہ نفس بھی ہے مادہ

جو کرے تبدیل ہیئت مادہ ہے اسکا نام
جس کی ہو تبدیل صورت اسکو لازم ہے فنا

دمبدم حالت بدلتی رہتی ہے اس نفس کی
رنگ کرتا رہتا ہے تبدیل یہ گرگٹ نیا

نفس کی تبدیلیوں کا شاہد و بینا ہے تو
تجھ میں تبدیلی نہیں ہے تو ہے یکساں دائما

عالم جبروت میں گرچہ نہیں وہم خودی
بے ثباتی سے مگر حصہ نہیں ہے ذات کو

وہ ہے بیہوشی کا عالم تو سراپا علم ہے
خواب غفلت ہو سکا ہے علم کا کب خاصہ

جس طرح سے نور میں ظلمت کا امکان تک نہیں
علم میں غفلت بھلا ممکن ہے کب تو ہی بتا

دیکھ لی تو نے حقیقت عالم پندار کی
آنے جانے والی یہ چیزیں نہیں ہیں دیرپا

ہو گیا ہے تجھکو جس جس چیز میں وہم خودی
بے ثباتی اسکی کہتی ہے نہ اس میں دل لگا

ایک تو بالذات قائم اس تماشاگاہ میں
دیکھتا ہے سب تماشے جوں کا توں بیٹھا ہوا

صورتیں بدلی ہوئی آتی ہیں تیرے سامنے
ہے تماشاگاہ عالم میں تماشا ہو رہا

تو ہے ناظر تجھ میں تبدیلی نہیں ہے مطلقاً
دیکھنے والے کو منظر سے زیان و سود کیا

جوہر ذاتی سے اپنے ان عوارض کو نکال
ذات تیری بے عوارض ٹھیرتی ہے ما بقا

اسطرح سے ذات پر اپنی پہنچ تفتیش سے
سینک کو جس طرح کر لے مونجھ سے کوئی جدا

ہاں یہ مٹی کا گھر ہے تیرے رہنے کا مکاں
گھر میں اور اوزار میں وہم خودی اور اسطرح
خاک ہی میں گر انانیت تجھے منظور ہے
فرق نہیں اور تیرے جسم میں مطلق نہیں
تو نہ بچہ تھا جواں ہے اور نہ پیر ناتواں
تو نہ لاغر ہے نہ فربہ تو نہ بیمار و مریض
موت سے خائف ہے تو امراض سے ترساں ہے تو
خاک سے ہے ابتدا جس کی وہ آخر خاک ہے
استواری کیلئے ساری ہیں تدبیریں عبث
رکنے سے کب رکا ہے تھامنے سے کب تھما
ہو چکے پہلے خدا معلوم تیرے کتنے جسم
جسم فانی میں خودی کا وہم باطل دور کر
کھینچ لاتی ہے تجھے دنیا میں تیری ہی ہوس
ایک خاکی پیرہن اور اس پہ یہ فکر کثیر
جسطرح وہ آتی جاتی شے ہے تیرے وہم میں
وہم کا پتلا بنانا اور ڈرنا اس سے خود

سوچ تو اسا مکان ذات کہاں کب ہو سکا
واہ کیا خلاق ہے اللہ اکبر دائمہ
گو دبر زن میں ہیں انبار غلاظت جابجا
جسم کو کہتا ہے جیسے کہ انہیں بھی تو انا
یہ عوارض ہو نہیں سکتے ہیں جتنے ذات کا
یہ خواص مادی ہیں تجھ کو ان سے بحث کیا
جسم فانی کو مگر ممکن نہیں ہرگز بقا
اس تن خاکی کو ہے اول فنا آخر فنا
کھوکھلی ہے خانۂ خاکی کی اندر سے بنا
کل گریگا آج یہ مٹی کا گھر گر بچ گیا
اور ہو جائینگے آگے گر یہی عالم رہا
ورنہ اے غافل تناسخ سے نہیں بچ کا رہا
پھر کہاں دنیا تعلق اس سے جبدم اٹھ گیا
خواب میں ہر شب بدلتا ہے سراپا چولا نیا
یہ تن خاکی بھی اک پتلا ہے تیرے وہم کا
واہ وا اطفال کو بھی مات تو نے کر دیا

ترک کر دی بھی انانیت اگر اس جسم سے
میں توانا تھا کبھی اب ہو گیا ہوں ناتواں
تو نفس ہے نہ تیرے قوت ہضم طعام

مرکز وہم خودی تیرے لئے ہیں پھر نرے
میں ہی دم لیتا ہوں میں ہی ہضم کرتا ہوں غذا
یہ تو لے کے ہیں عمل تو تو نہیں مرد خدا

تو توں اور جسم سے چھوٹا ابھی گر وہم خودی
ہیں ہو اللہ ھا میں ہو ہر ایک میں گو نگا یقیں
ہیں عرش ارض جوہر فانی میں رہا پانچوں حواس
آنے جانے والی چیزیں ہیں حواس ظاہری

تو نے پھر جا کر حواسوں میں ہے اسکو کر لیا
یا کہ اب تک ہیں سلامت پھر کبھی ہو جائیگا
عالم رویا میں جیسے صورتیں ہوں رونما
انمیں اے غافل تو وہم ذات کا دھوکا نہ کھا

کبھی خدا سے نہیں ہے کسی کو کچھ دوری
فقط خیال کے باعث ہے ہجر و مہجوری

نہ بھول مہر کہ دنیا ہے کارگاہِ خیال
لگایا آپ ہی تو نے ہے اپنی جان کو وبال

ترے خیال کا چاروں طرف بچھا ہے جال
تجھے خیال ہے کیا چھوڑ بھی یہ سب جنجال

خیال کر کہ تجھی میں ہے کائنات مقیم
خیال کر کہ ہے تیری ہی ذاتِ پاک قدیم

کلام مہر جلد اوّل

سوامی جی نے نظم کے بند پڑھ کر کہا۔ سادھو۔ عالم صغیر یعنی انسان کا یہ حال ہے جو ہم نے تم سے کہا۔ پانچوں کوشوں کا حال سب ویدانت کی کتابوں میں ملتا ہے لیکن ہم نے تمہیں یہ بھی بتایا ہے کہ ان کوشوں کے لطیف کرنے سے کیا فائدہ ہے اور کیونکر لطیف کئے جا سکتے ہیں۔ ایک بات ان کوشوں کی نسبت اور دھیان میں رکھو۔ بہتیرے مذاہب فلسفہ پیچھے کے کوشوں میں رہ جاتے ہیں بعض ذرا اوپر چڑھتے ہیں لیکن صرف ویدانت شاستر نے ہی ان کی حقیقت پہچانی ہے۔ اور آتما کو ان سب سے علیحدہ بتایا ہے۔ دیکھو مادہ پرست ستھول شریر کو ہی آتما سمجھ کر رہ گیا۔ آج کل کے بہت سے سائنس دان پرانوں سے اوپر نہیں چلتے۔ اکثر مغربی فلسفی من کو ہی آتما سمجھے بیٹھے ہیں۔ بودھ فلسفی یا تو وگیان مے کوش میں پھنس کر رہ گئے یا آنند مے کوش سے آگے نہیں بڑھے۔ اور اسی کو شونیہ سمجھ کر ٹھہر گئے۔ ایک ویدانت ان سب سے آگے بڑھا ہے اور اس نے آتم دیو دیکھا ہے تم بھی ان کوشوں کو بس یوں سمجھو جیسے سینک پر خول چڑھے ہوئے ہیں۔ ان سب خولوں کو اسی طرح اتارو جس طرح سینک کو مونجھ سے جدا کر لیتے ہیں۔ اور تم آتم انند کو پہنچو گے۔ انہیں کوشوں کے مضمون کو شاعر نے بھی باندھا ہے۔

گر سمجھتے ہیں تجھے اے مہر معنئے انا
قالب خاکی انانیت کا مرجع ہی نہیں
ہے یہ اک اوزار جس سے کام کا ہو انصرام

جا کے کر تماشا گردِ منصورِ مردِ خدا
سمجھیں اے نادان نہیں ہم خودی تیرا بجا
آئہ حرفت ہو ذاتِ اہلِ حرفت کب بھلا

خیال نیک سے بنتے ہیں نیک جن و بشر
خیال نیک سے تو بھی بنے گا نیکوتر

خیال ایسے طبیعت میں تیری پائیں نمو
چمن میں جیسے مہکتے ہوئے گل خوشبو

بتا مجھے کوئی مرد خدا بھی تجھ سے ملا
وہاں تو جا کے گھڑی دو گھڑی کبھی بیٹھا
بتا مجھے کہیں ست سنگ میں کبھی تو گیا
وہاں کی کھائی گھڑی دو گھڑی بھی تو نے ہوا

ہوائے صحبت نیکاں ہے خوشگوار اسطرح
نسیم خلد کے جھونکے ہوں دلفزا جس طرح

وہاں جو بیٹھو طبیعت قرار پاتی ہے
وہاں طمانیت طبع منہ دکھاتی ہے
وہاں جو بیٹھو کلی دل کی کھل ہی جاتی ہے
وہاں سکون سا اور شانتی سی آتی ہے

طمانیت ہے وہاں شانتی ہے اور سکوں
فقط خیال کی تاثیر کا ہے یہ افسوں

خیال ہوتے ہیں ست سنگ میں بھلائی کے
خیال یاں ہیں نکوئی کے اور صفائی کے
خیال ہوتے ہیں زہد اور پارسائی کے
یہ وہ جگہ ہے کہ پر جلتے ہیں برائی کے

انہیں خیالوں کے رنگوں سے ہے رنگا جاتا
جو بھولا بھٹکا کوئی اس جگہ ہے آ جاتا

اسطرح ہوں خیالات سب کے نیک اگر
غم والم کہیں ڈھونڈھا بھی یاں نہ آئے نظر
تو یہ جہاں ہو خوشی اور خرمی کا گھر
سرور وسو میں ہو زندگی ہر اک کی بسر

زمین بہشت بریں کی مثال بن جائے
ہر ایک شخص فرشتہ خصال بن جائے

وہ دن بھی آئیگا جب سب زمانہ بدلیگا
خیال باطلہ و جاہلانہ بدلے گا
نظام دہر کا سب کارخانہ بدلیگا
عقیدہ آج کا سب غافلانہ بدلیگا

جہات ستہ میں نیکی ہی رخ دکھائیگی
بدی جہان میں ڈھونڈھی نظر نہ آئیگی

زمانہ آج میسر ہے وہ نہیں کچھ دور
خیال صاف رکھو دل میں اور پاک و غیور
گر اسکو دور سمجھتے ہو فہم کا ہے قصور
انہیں سے چمکیگا سینے میں معرفت کا نور

ہماری بہتری برتری کا مدار و مدار
یہی خیال ہمارے دلوں میں ہو ہر بار

فقط ہمارے خیالات پر ہے اے ہشیار
کہ ہم ہیں بہتر و برتر کسی سے کیا سروکار

اسی خیال ترقی میں ہے ترقی بھی
اسی خیال میں معراج ہے بھلائی کی

سمجھ رہے ہو جسے تم نوشتۂ تقدیر
وہ بس تمہارے خیالات ہی کی ہے تاثیر

سمجھ رہے ہو جبیں کی جسے اٹل تحریر
اور اُسکے فتح کی اے دوست یہ ہے تدبیر

نکالو اپنے دلوں سے خیالِ پست ہر ایک
کرو خیال وہی جو تمہیں بنائیں نیک

بجا کہا ہے کہ پتلا ہے خاک کا انساں
زمین پر پڑا رہتا ہے قالب بیجاں

یہاں سے چلنے کا جس وقت ہو گیا ساماں
سپردِ خاک ہو یا نذرِ آتشِ سوزاں

غرضکہ مرتی ہے جو شے وہ جسم فانی ہے
یہ چیز وہ ہے کہ آتی ہے اور جاتی ہے

خیالِ دل یہ جو حاوی تھے زندگانی میں
وہ بعدِ مرگِ بدن بھی جہانِ فانی میں

طفولیت میں کہ پیری میں یا جوانی میں
اسیطرح سے رہا کرتے ہیں روانی میں

نشان رہتے ہیں یاں یوں خیال کے باقی
کہ جیسے ریگ پہ نقشِ قدم رہے باقی

یہ سنگِ میل ہیں اور اُن سے رہروانِ سبیل
یہ راہ گیروں کے حق میں ہیں خضر کی تمثیل

نشانِ راہ کو پاتے رہے ہیں صبح رحیل
برائے گمشدگانِ راہ بے نشاں کی دلیل

اثر سے سب متاثر انہیں کے ہوتے ہیں
کوئی تو ہنستے ہیں دنیا میں کوئی روتے ہیں

اثر خیال کا جب اسطرح ہے عالم گیر
تو تیرا فرضِ اہم اے جوان اور اے پیر

اثر میں اُسکے ہے جب ایسی سحر کی تاثیر
یہی ہے بہرِ بقاء و فلاحِ جم غفیر

خیالِ بد نہ طبیعت میں زینہار آئیں
خیالِ نیک ہی جب آئیں بار بار آئیں

شمیم گل کی طرح دلفزا و جاں پرور
خیالِ نیک کا ہوتا ہے آدمی پہ اثر

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

لذات حواس کی نسبت خیال رکھو کہ آج جو لذت محسوس کی ہے کل وہ خواب کی سی بات ہو جاتی ہے۔ پس کبھی لذات حواس میں دل کو پھنسانا۔

لذات میں دل اگر لگایا تو نے
دنیا ہے سراب ہمیں لذات میں آب
ناحق تگ ودو میں رنج اٹھایا تو نے
دھوکا اے دل غضب کا کھایا تو نے

لذات ہیں بیشمار اے حضرت دل
ہاں ترک اگر چاہے تو ہو سکتا ہے
ناممکن ہے کہ ہو سکیں سب حاصل
کیا وجہ کہ ایک ہے نہیں ہے مشکل

من کی نسبت خیال رکھو۔ کہ برے خیالات کا طبیعت میں اٹھتے رہنا اچھا نہیں ہے۔ اُن کو کوشش کر کے روکنا لازم ہے :

من کو پاک و صاف رکھنا چاہئے۔ خیالات نیک رکھنے سے فوائد کثیر ہیں جو شاعران بندوں میں باندھتا ہے +

اشعار

کسی کو یاد جو کرتے ہیں ہم محبت سے
بجائے اسکے جو دیکھیں کسی کو نفرت سے
تو دیکھتا ہے ہمیں بھی وہ چشم الفت سے
پلٹ کے دیکھیگا وہ بھی ہمیں عداوت سے

تمام الفت و نفرت خیال کا ہے اثر
ذرا نگاہ کرو کس کمال کا ہے اثر

اگر یہ چاہو کہ نیکی ہی کوئی شخص کرے
تو اسکی سمت خیالات بھیجو نیکی کے
بدی نہ اس سے ہو سرزد برائیوں سے بچے
وہ اسکو نیک بنائینگے پر بنائینگے

خیال کرتا ہے تعلیم جاکے روحانی
خیال روکتا ہے جذبہائے شیطانی

نہیں چڑھ سکتا۔ بلکہ کام لوک یا پتری لوک میں جیسے آسٹرل پلین بھی کھنے ہیں رہتا ہے۔ ہم خواب ہیں روزمرہ اسٹرل پلین کی سیر دیکھتے ہیں ✦

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے یعنی اعلےٰ من۔ بدھی اور مایا تینوں کا ایک غلاف یا شریر مانیں تو یہ موکش وشا تک آدمی کے ساتھ رہتا ہے۔ اسی شریر سے وہ لوک لوکانتر میں جاتا ہے۔ اور اُسے آواگون ہوتی ہے۔ نیچے کے غلاف یا شریر مثلاً ادنےٰ من اندریہ۔ پران اور ستھول ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں ✦

"پران مے کوش" وہ ہے جو اس ستھول شریر کو سہارا دئے ہوئے ہے۔ پران کا سرچشمہ آفتاب ہے اس سے ہر ایک ذی حیات کو پران بہم پہنچتا ہے۔ جتنا پران کسی میں زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی وہ طاقتور اور صحت مند ہوتا ہے۔ مسمریزم کے ذریعہ سے جو لوگ علاج کرتے ہیں۔ وہ مریض کے جسم میں اپنا پران منتقل کیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمل مسمریزم کے بعد وہ خود مضمحل اور تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں ✦

ستھول شریر" ان مے کوش" کہلاتا ہے۔ یہ حقیقت میں غذا سے بنا ہے۔ اور غذا ہی سے اُس نے نشوونما پائی ہے۔ بچہ ذرا سا پیدا ہوتا ہے۔ لیکن غذا جسم میں پہنچ پہنچ کر اُس کو چھ فیٹ سے بھی اونچا تناور اور جسیم بنا دیتی ہے ✦

یہ پانچ غلاف ہیں جو آتما کے پرکاس اور آنند کو نظر سے مخفی کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جتنے یہ غلاف زیادہ کثیف ہونگے۔ اُتنا ہی آتمانند اور آتم پرکاش پر زیادہ کثیف پردہ پڑے گا۔ اور جتنے یہ غلاف زیادہ لطیف ہوں گے اتنا آنند اور پرکاش کا زیادہ بھان ہوگا۔ پس کیا ستھول شریر کے لئے غذا میں۔ کیا اندریوں کے بشیوں میں۔ کیا من کے خیالات میں۔ جتنی پاکیزگی اور صفائی رکھو گے اتنے ہی اونچے چڑھنے میں تمہیں آسانی ہوگی۔ غذا کی نسبت خیال رکھنا چاہیئے ✦

ہے۔ اس واسطے اس کو "آنند مے کوش" کہتے ہیں۔ جاگنے میں اگر یہ حالت بہم پہنچالو کہ کسی بات کا خیال طبیعت میں نہ آنے پائے اور بس آتمانند کا انوبھو ہو تو یہی موکش کی حالت ہے۔ کیونکہ عالم بیداری میں وہ سُشپتی یعنی مایا کا پردہ بیچ میں حائل نہیں ہے +

اب دوسرے کوش کو لو جو بُدھی کا ہے۔ بدھی پرکرتی کی اس حالت کا نام ہے جس میں ستوگن کا غلبہ ہے اور رج اور تم دبے ہوئے ہیں اس حالت کا انوبھو بھی تمہیں روز ہوتا ہے۔ جب خواب سے اُٹھتے ہو اور علم تو ہوتا ہے کہ بیدار ہو مگر نہ اُس میں اپنی اناہیت کا دخل ہوتا ہے۔ نہ اور کوئی صورت ہوتی ہے۔ یا یوں سمجھو کہ بات کا علم ہو کر نشچے ہو جاتا ہے تو اُس وقت انتہ کرن کی جو طمانیت اور تسکین کی حالت ہوتی ہے اور کوئی فکر یا خیال اُس پر حاوی نہیں ہوتا۔ یہ بُدھی یا گیان کی حالت ہے۔ اس واسطے اس کوش کو "گیان مے کوش" کہتے ہیں۔ یوگی یا گیانی من کے طبقے سے اوپر چڑھ کر اس حالت کے سکھ کو انوبھو کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے +

تیسرا کوش "منومے" یعنی من کا ہے۔ جو بُدھی کی طرح ایک رس نہیں۔ بلکہ اس میں مختلف صورتیں نظر کے سامنے اُٹھتی رہتی ہیں۔ من یوں تو ہر ایک جیو کو ملا ہوا ہے۔ لیکن من کے طبقے کے مزے لینے خاص طرح کے ابھیاسوں سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اعلےٰ درجے کے شاعر و ناثر۔ مصوّر و بت تراش۔ ماہران موسیقی یا نہایت دھرماتما آدمی اس طبقے کی سیر کرتے ہیں اور نہایت دلفزا نظارے دیکھتے ہیں جو بیان میں نہیں آ سکتے۔ اعلےٰ سورگ لوک انہیں من کے طبقوں کا نام ہے +

یہ تو من کے اُن طبقوں کا حال تھا جو بہت اعلےٰ ہیں۔ من کے ساتھ اسی منومے کوش میں گیان اور کرم اندریاں بھی ہیں۔ یہ جب تک ساتھ ہیں مثلاً عالم خواب میں اس وقت تک آدمی بہت اونچے لوکوں میں

یعنی حالت کا پہلوے نظر ہے - آدمی روز تین حالتیں محسوس کرتا ہے سشپتی یعنی خواب غفلت کی - سوکشم یعنی خواب کی - اور ستھول یعنی بیداری کی - سشپتی میں انفراد نہیں رہے - مگر چیتن اور مایا کے بیچ میں ایک باریک پردہ حائل ہے - خواب میں انفراد ہے - لیکن عالم خواب سوکشم ہے - جس میں سوکشم شریر کام کرتا ہے - ستھول یعنی بیداری کی حالت اظہرمن الشمس ہے - یہاں بھی تینوں شریروں کی طرح سمشٹی کا ابھمانی ایشور ہے اور ویشٹی کا جیو - اس سمشٹی ویشٹی کے فرق دیکھیے سے قطع نظر کریں تو شدھ چوتھی حالت رہتی ہے - جو تریہ کہلاتی ہے - یہی برہم ہے *

ایشور اور جیو کو ایک اور پہلوے نظر سے بھی دیکھ سکتے ہیں - جیو کو لو اور دیکھو اُس میں کیا کیا چیزیں ہیں - اول ساکشی جو سچدانند برہم روپ ہے - دوسرے جیو کا ستھول جسم - تیسرے پران - چوتھے من - پانچویں بُدھی - چھٹے وہی خواب غفلت کی حالت یعنی کارن شریر یہ چھ چیزیں ہوئیں - ساکشی کو ایک طرف رکھو تو باقی پانچ اُس کے ڈھکنے کے واسطے غلافوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے - غلاف کو سنسکرت میں کوش کہتے ہیں - پس جیو کے پانچ کوش ہوئے - یہ ویشٹی یعنی جزوی ہیں - سمشٹی یعنی سب جیووں کے سارے کوش مل کر ایشور کے پانچ کوش ہونگے - ان کے لحاظ سے بھی عالم کبیر اور عالم صغیر میں مطابقت اسی طرح ہے - جس طرح شریروں میں اوپر بیان ہوئی - اب میں تم سے علیٰحدہ علیٰحدہ ہر ایک کوش کا حال بیان کرتا ہوں *

اوّل سُشپتی کی حالت لو - چونکہ یہ پہلا غلاف ہے - اس واسطے اس میں سے آتما کا آنند چھنتا ہے - پوری طرح چھپتا نہیں - اس وجہ سے غفلت کی نیند سو کر آدمی اُٹھتا ہے تو کہتا ہے - واہ کیا آنند سے سویا ہوں کہ کسی بات کی خبر نہیں رہی - گویا یہ غلاف آنند روپ

	ادھیاتم	ادھی بھوت	ادھی دیو
گیان اندریہ	شروتر یا قوت سامعہ	شبد یا آواز	دِک یا دشا کا دیوتا
	تواک یا قوت لامسہ	سپرش یا لمس	وایو دیوتا
	چکشو یا قوت باصرہ	روپ یا صورت	سورج
	رسنا یا قوت ذائقہ	رس یا ذائقہ	ورُن
	گھران یا قوت شامہ	گندھ یا بو	اشونی کمار
کرم اندریہ	واک یا گویائی	گفتگو	اگنی
	پانی یا قوت گرفت	شے گرفتہ	اندر
	پادیا قوت نیام و رفتار	چلنا یا کھڑے ہونا	وشنو
	اُپستھ یا قوت توالد و تناسل	آنند	پرجاپتی
	پایو یا قوت استخراج	شے مستخرج	یم

جیو کا تیسرا شریر ستھول ہے جس سے مراد جسم انسانی ہے پس جیو کے بھی تین شریر ہوئے۔ کارن۔ سوکشم۔ اور ستھول۔ ان تینوں ہیں ابھمانی کے نام بالترتیب پراگیہ تیجس۔ اور وشو ہیں۔ اس طرح جیو بعینہ ایشور سے ملتا جلتا ہے۔ شدھ گیان سروپ آتما دونوں میں یکساں ہے جسے ساکشی کہتے ہیں۔ کارن۔ سوکشم اور ستھول شریر دونوں کے اُسی مادّے کے بنے ہوئے ہیں۔ بس اتنا فرق ہے۔ کہ ایشور سمشٹی یعنی کل کا ابھمانی ہے اور جیو ویشٹی یعنی جزو کا ابھمانی۔ اگر اس کل اور جزو کے وہمیہ فرق کو اُٹھا دیا جائے تو ساکشی روپ سے جیو اور ایشور دونوں ایک ہیں۔ یہی تت توام اسی مہاواکیہ کے معنی ہیں۔ وید مقدس کے وہ فقرات جو جیو اور برہم کی ایکتا بتاتے ہیں مہاواکیہ یعنی کلام عظیم کہلاتے ہیں۔ اس مہاواکیہ کے یہ معنی ہیں کہ تو یعنی جیو وہ یعنی برہم ہے ؛

شریروں پر ایک اور پہلو سے بھی نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ یہ اوستھا

ہوتے ہی نہیں ہیں - دیکھو یہ غلطی نہ کرنا کہ آنکھ کی گیند کو اندریہ سمجھ بیٹھو - اندریہ قوت کا نام ہے اور یہ گیند بالکل آلہ ہے - اگر آلہ درست ہے تو اندریہ کام دے گی اور ناکارہ ہے تو باوصف اس کے موجودگی کے اندریہ کام نہیں دے گی - مثلاً آنکھ کی گیند تو اندھے کی بھی ہے لیکن اُسے نظر نہیں آتا - اس کے یہ معنی ہیں - کہ آلہ کام کے لائق نہیں ہے ٭

اندریہ کو کام کرنے کے لئے اپنے دیوتا کی امداد کی بھی ضرورت ہے - مثلاً آنکھ سورج کی روشنی ہی میں کام کرسکتی ہے - اندھیرے میں نہیں کرسکتی - اگر کہو چراغ کی روشنی میں تو کرسکتی ہے - وہ سورج دیوتا کہاں گئے - تو تم غلطی پر ہو - چراغ کی روشنی کا ملجا وماوا سورج ہی ہے - اس کے شکتی یا انرجی تیل اور بتی میں بھری ہوئی ہے - اسی طرح باقی اندریوں اور انتہ کرن کو اپنے اپنے دیوتاؤں کی امداد کی ضرورت ہے - یہ دیوتا کیا ہیں ؟ اس کا جواب یہ ہے - کہ سمشٹی اندریہ اور من وغیرہ کا ابھمانی بھی کوئی ہونا چاہیئے - وہ یہ دیوتا ہیں - انسان کو اس کی اندریہ گولک کے واسطے سمشٹی اندریہ میں سے ایک جزو ضعیف ملتا ہے - جو ادھیاتم کہلاتا ہے - اندریہ کے پھلنے کا نام ادھی بھوت ہے اور دیوتا کا ادھی دیو - تینوں مل کر ترپٹی کہلاتے ہیں - اور ان کی صورت یہ ہے ٭

ادھی دیو	ادھی بھوت	ادھیاتم	
چندرمان	سنکلپ بکلپ کا لینے	من	انتہ کرن
کشیتریگیہ یا جیو ساکشی	چنتا کا لینے	چت	
رُدر	من کا لینے	اہنکار	
برہسپتی	گیہ یعنی معلوم	بدھی	

میں ایشور کہلاتا ہے۔ اب یہ حالت بدل کر ایشور کو بھلا کیا نظر آئیگا۔
میں نے کہا سوکشم آکاش۔ جو ہر طرف پھیلا دکھائی دیگا۔ اور ایشور
اُس میں سے بھوتوں۔ اندریوں۔ پرانوں اور انتھ کرن کو رچیگا۔
جسے کل آپ نے سوکشم سرشٹی کہا تھا۔ سوامی جی نے کہا بے شک۔
یہ بھوت اندریاں وغیرہ ایشور کا سوکشم شریر کہلائینگی اور چونکہ
ایشور اُن میں محیط ہے۔ اس کا نام انتریامی سوتر آتما یا ہرنیہ گربھ
ہوگا۔ یہ ایشور کا دوسرا شریر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ بھوتوں کو پنچی
کرت کرکے ایشور ستھول جگت رچیگا یہ اُس کا تیسرا شریر ہوگا۔ اور
اُس میں اُس کا نام براٹ رکھا جائیگا۔ دیکھو بھائی۔ اب تک ہم
سمشٹی یعنی کل جگت کو لے رہے ہیں اور ایشور کو اُس کا ابھمانی
مان کر تینوں حالتوں میں اس کے تین مختلف نام رکھ رہے ہیں۔
اب جیو کو لو اور دیکھو یہی تین شریر اس کے بھی ہیں یا نہیں
خواب غفلت روز کے انوبھو سے سِدّھ ہے۔ یہ جیو کا کارن شریر
ہے۔ کیونکہ اس سے ہی حالت بدل کر خواب کی اندریاں وغیرہ
بنتی ہیں۔ آدمی خواب اُس وقت دیکھا کرتا ہے کہ پہلے غفلت کی
نیند کی حالت اُس پر طاری ہو چکی ہو۔ یہ حالت کارن ہے اور اندریاں
وغیرہ کاریہ۔ جیو میں ہم دیکھتے ہیں کہ اندریاں ہیں۔ پران ہیں۔ انتھ کرن
ہے۔ غرض جس کو ہم نے ایشور کی حالت میں سوکشم شریر کہا ہے ویسا
ہی جیو کا بھی سوکشم شریر ہے۔

اندریوں اور انتھ کرن کی نسبت خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ آکاش یا
ہوا کی طرح یہ قوتیں سب جگہ پھیلی ہوئی ملتی ہیں۔ جہاں ان کے کام کرنے
کے واسطے آلات موجود ہیں۔ وہاں یہ اپنا ظہور دکھاتی ہیں۔ مثلاً انسان
میں۔ جہاں یہ آلات کم درجے کے ہیں۔ وہاں ان کا ظہور بھی کم درجے
کا ہوتا ہے۔ مثلاً حیوانات میں انتھ کرن کا۔ جہاں اُن کے ظہورات
کے لئے آلات نہیں ہیں۔ مثلاً جمادات میں۔ وہاں ان کے ظہورات

سروپ میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا۔ پس کائنات ایشور اور جیو کے وہمیہ مانتے ہوئے بھی ویدانت کے مسئلہ وحدت وجود میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔ شُدّھ سچدانند برہم خواب میں نظر ہے اور اس نظر کی روشنی میں پرکرتی جیو اور ایشور کے تماشے ہوتے ہیں۔ جو سب متھیا ہیں۔ یعنی واقع میں وجود نہیں رکھتے۔ وجود صرف اُسی ایک گیان سروپ آتما کا ہے۔

بیٹے کہا ہاں مہاراج! میں سمجھا چونکہ ویدانت میں پرکرتی جیو اور ایشور تینوں متھیا ہیں۔ اس واسطے وحدت وجود میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا۔ آپ عالم صغیر یعنی جیو کا حال ہمیں سمجھائیے۔ سوامی جی نے کہا۔ پیشتر اس کے کہ ہم عالم صغیر کا حال بیان کریں اتنا اور سمجھ لو کہ برہمانڈ یعنی عالم کبیر اننت ہے۔ جس کی انتہا نہیں ہے۔ اس میں بے شمار کُرّے ہیں۔ جنہیں گولکیں کہتے ہیں بیشمار نظام شمسی ہیں جن میں یہ کُرے گردش کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کُروں میں بے شمار مخلوقات رہتی ہے۔ چونکہ نظام شمسی بے شمار ہیں۔ کسی میں پرلے ہوتی ہے۔ کسی میں سرشٹی ہوتی ہے۔ ایک ایک نظام کا ایک ایک ایشور ہوتا ہے۔ اور کل برہمانڈ کا ایک مہیشور۔ جو مہا پرلے تک قائم رہتا ہے۔

اپنے نظام شمسی کو لو اور نگاہ تصور میں یہ نظارہ قائم کرو کہ پرلے کی حالت ہو بتاؤ وہ حالت کیا ہو گی میں نے کہا تمام کائنات پرکرتی روپ ہو گی اور ایشور کی حالت ایسی ہو گی جیسے ہم روز خواب غفلت میں محسوس کرتے ہیں سوامی جی نے کہا تم نے سچ کہا۔ ایشور کی حالت اس کا کارن شریر کہلاتا ہے۔ کیونکہ اسوقت تک گیان سروپ ایشور کا کوئی اور شریر نہیں ہے۔ اس واسطے بس ایک یہی شریر مانا جائے گا۔ اور چونکہ یہی سشپتی کی حالت آگے چل کر کائنات کی تمام لطیف و کثیف صورتیں اختیار کرے گی۔ اس وجہ سے اسے کارن کہا جائیگا۔ اس شریر کا ابھمانی یعنی پندار رکھنے والا چیتن اصطلاح

ہے - اس کا باعث یہی ہے کہ یہ ایک چیتن کے من کا سنکلپ ہے۔
اس میں جو حسن انتظام نظر آتا ہے اور جو اٹل قانون کام کرتے نظر
آتے ہیں - اُن کا بھی باعث یہی ہے - کہ یہ ایک چیتن کا سنکلپ ہے
یہاں میں نے اعتراض اُٹھایا کہ ویدانت ایک طرف تو ایشور
جیو اور پرکرتی کا کھنڈن کرتا ہے اور دوسری طرف آپ ایشور جیو اور
پرکرتی بنا کر کھڑی کرتا ہے - اس میں کیا سِتر خفی ہے - سوامی جی نے
مسکرا کر کہا - بھائی اُن ایشور - جیو اور پرکرتی کا ویدانت کھنڈن
کرتا ہے - اُن کا جن کو تین علیحدہ علیحدہ وجود قائم بالذات مانا جاتا
ہے - اور جو اپنی ہستی میں ایک دوسرے کے محتاج نہیں - اگر یہ
تین وجود مانتے ہو تو کائنات کی رچنا ممکن ہی نہیں ہو سکتی - اس
کی وجہ میں کل بھی بتا چکا ہوں - اور ابھی میں نے تم سے کہی ہے
ہستی ایک ہے جو گیان اور آنند سروپ ہے اور جسکو ویدانت سچدانند
برہم بتاتا ہے - اس ایک ہستی میں یہ وہم ہونا کہ میں پرکرتی ہوں -
مایا کہلاتا ہے - یہ وہم ہونا کہ میں سروشکتیمان ہوں ایشور بھاو
کہلاتا ہے - اور یہ وہم ہونا کہ میں الپ شکتی الپگیہ ہوں جیو بھاو
کہلاتا ہے - یہاں ہم تین مختلف وجود قائم بالذات تو نہیں مانتے
ہیں جن کو کھنڈن کیا جا چکا ہے - بلکہ ایک ہی ہستی میں تین طرح
کا وہم مانتے ہیں ؛

تم یوں سمجھو کہ خواب میں کی ایک ہستی قائم بالذات ہے - خواب
کی دنیا جس مادے سے اُس نے رچی ہے - خواب کے جیو جس
طریق سے اُس نے خلق کئے ہیں - اور خواب میں آپ کو جو کچھ
وہ اپنے وہم میں سمجھا ہے - بعینہ یہی مثال ہماری بیداری میں
پرکرتی جیو اور ایشور پر عاید ہے - خواب کی پرکرتی اور خواب کے
جیو خواب بین کی ہستی سے علیحدہ کوئی ہستی نہیں رکھتے صرف
خواب بین کا منو راج یا وہم ہیں - جیسے خواب بین کے تندھ

بتّیسویں سادھو کی کہانی

عالمِ اصغر کی ماہیّت

ترکیب عناصر سے کبھی وحدت ہے، اور گاہ حواسو میں انانیت ہے
سمجھا ہی نہیں تھر تو معنئے انا عرفاں میں اسی لئے تجھے حیرت ہے

سمجھا ہے نہیں تھر تو معنئے انا منصور سے پوچھ جا کے اے مردِ خدا
جس قالب خاکی میں ہے پندار تجھے مرجع ہی نہیں ہے وہ انانیت کا

شمبھو گری نے کہا۔ مہاراج دوسرے روز شام کے وقت ہم سب گورو بھائی پھر جمع ہوئے۔ تو ہیں نے سوامی جی سے کہا۔ کہ اپنے جیو یعنی عالمِ اصغر کی ماہیّت بیان کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اَلْکَرِیْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰی۔ مہربانی فرما کر اُس وعدے کو وفا کیجئے۔ سوامی جی بولے۔ کل کا بیان تو تم سب اچھی طرح سمجھ گئے۔ یا اُس میں کچھ شک و شبہ باقی ہے۔ دیکھو یہ غلطی نہ کرنا کہ مادّے کا وجود واقعی ہے۔ اگر مادّے کا وجود واقعی ہو۔ تو کائنات کی رچنا کسی صورت سے ممکن نہیں ہے۔ بیجان جڑ مادہ اپنی رچنا آپ نہیں کرسکتا۔ اور گیان سروپ ایشور اپنے ارادۂ محض سے ایک ایسے وجود میں کسی طرح کی تبدیل ہیئت نہیں کرسکتا جو اس کا واہمہ نہیں ہے۔ چونکہ کائنات موجود ہے۔ اس واسطے لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے۔ کہ یہ خواب کے نقشے کی طرح وہمیہ ہے۔ ایشور نے اپنے ذہن میں اس کا وجود اس طرح قائم کیا ہے۔ جس طرح کوئی منو راج کا وجود قائم کرتا ہے۔ پس جو کچھ تبدیلیاں اور نیرنگیاں یہاں نظر آتی ہیں۔ وہ ایشور کے سنکلپ سے ہیں۔ اس کائنات میں جو خوبی و خوبصورتی

شجرۂ کائنات

سچدانند برہم

نرگنا تمک مایا

آکاش

وایو

اگنی

جل

پرتھوی

واک

پانی

پاد

اپستھ

پایو

پران

اپان

ویان

اُدان

سمان

من

انتہکرن

بدھی

چت

اہنکار

پنچی کرت بھوت

آکاش

وایو

اگنی

جل

پرتھوی

ستھول برہمانڈ

کہ جن پرمانوؤں یا اجزاے لطیف سے یہ چیزیں بنی ہیں - اُن میں بھی آکاش وغیرہ کے مختلف درجے موجود ہوں - حقیقت بھی یوں ہی ہے - ستھول جگت پنچی کرت بھوتوں سے بنا ہے یعنی ایسے بھوت جنکے پانچ پانچ حصّے کرکے باقی چاروں کے ساتھ ملائے گئے ہیں - اس کا طریق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوّل آکاش کے دو برابر حصّے لئے - ایک تو خالص آکاش جوں کا توں رہا باقی نصف کے چار حصّے کئے - خالص آکاش کا نصف حصّہ اور چاروں سوکھشم بھوتوں کے آٹھویں حصّوں کے ساتھ ملکر ستھول آکاش کہلائیگا - اسی پر اوروں کو قیاس کر لو - ستھول بھوت مہیّا ہو گئے - تو ان سے ستھول برہمانڈ کی رچنا بہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے ؛

کارن - سوکشم اور ستھول سرشٹی اس طرح رچی جاتی ہے - کارن اور سوکشم سرشٹی کو خواب کی کائنات کی طرح ذہن میں بٹھانا مشکل امر نہیں ہے - بندی ستھول سرشٹی یعنی جاگرت یا عالم بیداری کی کائنات کو وہمیہ سمجھنے میں دقّت ہی ہے - سو یاد رکھنا چاہیئے - کہ وہم اوّل کارن اپنی سشپتی کی حالت میں نمودار ہوتا ہے پھر صور وہمیہ یعنی خواب کی صورتیں یہی وہمیہ صورتیں درڑھ یعنی صاف مضبوط اور روشن ہو جائیں تو ستھول نظر آتی ہیں - ستھول اور کسی نئی چیز کا نام نہیں ہے جیسے سانپ کارن روپ سے من میں موجود ہے - اندھیرے میں رسّی کو دیکھ کر اُسکی صورت وہمیہ سی دکھائی دیتی ہے اور درڑھ ہو کر یہی ستھول سانپ نظر آتا ہے - جسکو دیکھ کر آدمی چیخ مار کر بھاگتا ہے - حقیقت میں کارن سوکشم اور ستھول تینوں یکساں متھیا ہیں پس ویدانت اور سانکھیہ میں سرشٹی کی رچنا تو تقریباً یکساں ہے لیکن سانکھیہ کی طرح ویدانت پر اعتراض عائد نہیں ہوتے - کیونکہ رچنا بالکل وہمیہ ہے اور چیتن اپنے وہم میں ہر طرح کی تبدیلی کر سکتا ہے ؛

جو حال عالم اکبر کی رچنا کا ہے وہی عالم اصغر یعنی انسان کا ہے لیکن اسکا حال ہم تمہیں کل سنائینگے - ہاں اس شجرے کو دیکھو - اس میں کائنات کی رچنا دکھائی گئی ہے - یہ وہی اوپر جڑ اور نیچے شاخوں والا پرانا درخت ہے جس کا ذکر اپنشدوں اور گیتا میں آتا ہے - سادھو! وہی شجرہ میں تمہیں دکھاتا ہوں لو دیکھو -

حصّہ رجوگنی سے پایو یا خارج کر دینے کی طاقت - ان گیان اور کرم اندریوں کی یہ پیدائش اصول فلسفیانہ پر مبنی ہے - مثلاً آکاش وہ عنصر ہے جس کا خاصہ آواز ہے - پس قوت سامعہ جو آواز کے سننے میں کار آمد ہے اور قوت گویائی جو آواز کے نکالنے یا ادا کرنے میں کار آمد ہے - دونوں آکاش ہی کے معلولات ہونے چاہئیں - اسی پر اوروں کو قیاس کر لو۔

ایک ایک گیان اندریہ اور ایک ایک کرم اندریہ ایک ایک بھوت سے فرداً فرداً پیدا ہوتی ہے - اگر بھوتوں کے رجوگنی اور ستوگنی حصّوں کو بہیئت مجموعی لیا جائے تو ان سے پران اور انتہ کرن پیدا ہوتے ہیں - پران کام کرنے والی قوت کو کہتے ہیں - جس کا نام انگریزی میں انرجی یا فورس ہے - یہ اپنے مختلف کاموں کی وجہ سے پانچ طرح کا ہوتا ہے یعنی پران - اپان - اُدان - سمان اور ویان - پران کی رفتار باہر کی طرف ہے - اپان کی اندر کی طرف - اُدان کی اوپر کی طرف - سمان ہر جگہ پھیلا ہوا ہے - اور ویان روکنے والی قوت کو کہتے ہیں - انتہ کرن یا حس باطنی برتی بھید یعنی فرق کیفیات کے لحاظ سے چار قوتوں کے مجموعے کا نام ہے - جن کے نام بالترتیب من - چت - اہنکار اور بدھی ہیں - اندریاں اپنے اپنے بشیوں کو باہر سے اندر لاتی ہیں - تو اول سنکلپ بکلپ ہوتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے آیا یہ ہے یا وہ ہے - اس حالت تذبذب کا نام "من" ہے - اس پر چننا یعنی غور و فکر ہوتا ہے - اس کا نام "چت" ہے - تیسری بات اس میں دخل انانیت ہے کہ "میں" اس کا علم حاصل کرتا ہوں - یہ "اہنکار" ہے - چوتھے نتیجے یعنی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ فلاں شے ہے اور نفس کی حالت مطمئن ہو جاتی ہے - یہ "بدھی" ہے۔

اب تک جو سرشٹی بیان ہوئی وہ سوکشم یعنی لطیف ہے - ستھول یعنی کثیف کائنات میں محض آکاش یا محض ہوا وغیرہ کسی کے احساس میں نہیں آتی - جو چیز دیکھی جاتی ہے اس میں مختلف درجے یعنی فی الحقیقے وغیرہ وغیرہ کے محسوس ہوتے ہیں - اس واسطے قیاس چاہتا ہے -

کثیف سے لطیف اشیا کا ارتقا بتاتا ہے۔ اس شاستر میں جگت کی رچنا اس طرح بتائی گئی ہے۔ پرلے کے بعد جیووں کے کرم ایشور میں تحریک پیدا کرتے ہیں کہ وہ جگت کی رچنا کرے۔ چنانچہ ایشور یوگ نندرا سے اٹھتا ہے۔ اور اُس کی نگاہ تصور کے سامنے اوپر نیچے۔ دائیں بائیں ادھر اُدھر بے حد مادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ سوکشم یعنی لطیف آکاش ہے اور اُس کا گن شبد ہے یا آواز۔ ایشور کی تحریک سے اس آکاش کا کچھ حصہ آکاش کی صورت میں رہتا ہے اور کچھ ہیئت بدل کر وایو یا ہوا کی صورت اختیار کرتا ہے جس میں لمس اپنا گن ہے اور آواز آکاش کی قائم رہتی ہے۔ وایو سے اگنی پیدا ہوتی ہے جس میں روپ تو اپنا گن ہے؛ لمس ہوا کا اور آواز آکاش کی۔ اگنی سے جل پیدا ہوتا ہے جس میں رس یا ذائقہ تو اپنا گن ہے روپ اگنی کا لمس ہوا کا اور آواز آکاش کا۔ جل سے پرتھوی پیدا ہوتی ہے جس میں گندھ یعنی بو اپنا گن ہے۔ ذائقہ جل کا۔ روپ اگنی کا لمس ہوا کا اور آواز آکاش کا۔ یہ پانچ بھوت کہلاتے ہیں ؎

پانچ بھوت چونکہ ترگناتمک مایا کے کاریہ یعنی معلول ہیں۔ اس واسطے اُن میں بھی وہی تینوں گُن یعنی ستو۔ رج اور تم موجود ہیں۔ ان پانچوں بھوتوں میں سے ایک ایک کے حصہ ستوگن سے ایک ایک گیان اندریہ پیدا ہوتی ہے یعنی آکاش کے حصہ ستوگنی سے شروتر یا قوت سامعہ۔ وایو کے حصہ ستوگنی سے تواک یا قوت لامسہ۔ اگنی کے حصہ ستوگنی سے چکشو یا قوت باصرہ۔ جل کے حصہ ستوگنی سے رسنا یا قوت ذائقہ۔ اور پرتھوی کے حصہ ستوگنی سے گھران یا قوت شامہ۔ اسی طرح ان پانچوں بھوتوں کے حصہ رجوگنی سے ایک ایک کرم اندریہ پیدا ہوتی ہے یعنی آکاش کے حصہ رجوگنی سے واک یا گویائی۔ وایو کے حصہ رجوگنی سے پانی یا قوت گرفت۔ اگنی کے حصہ رجوگنی سے پاد یا قوت قیام۔ جل کے حصہ رجوگنی سے اپستھ یا توالد وتناسل کی طاقت اور پرتھوی کے

کہ ایسے بے شک گیان سروپ پرش صرف ارادہ ہی کر سکتا ہے۔ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ سوامی جی نے کہا ارادہ کرنے سے ہو کیا ہو سکتا ہے۔ مادہ اپنا وجود رکھتا ہے۔ وہ کوئی ایشور کی وہمیہ چیز تو نہیں ہے کہ اُس نے اپنے سنکلپ یا خیال سے اُس میں چاہے جیسی حرکت پیدا کر دی یا چاہے جیسی صورت بنا کر کھڑی کر لی۔ مثلاً تم کتنا ہی ارادہ کرو کہ ہمالیہ پہاڑ کو ہوا میں ادھر کھڑا کر دوں۔ کیا تمہارے ارادے سے ہمالہ ہوا میں ادھر کھڑا ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ ہاں مادہ وہمیہ مانا جائے تو ایشور کے ارادے سے بے شک حرکت میں آئے گا۔ جیسے میں آنکھ بند کر کے تصویر کرتا ہوں کہ ہاتھی میرے سامنے کھڑا ہے۔ تو وہ میرے ارادے کرنے سے ہوا میں اڑنے لگا۔ اپنے وہم میں ہر شخص چاہے جو تبدیل ہیئت کر سکتا ہے +

یہی دونوں نقص سانکھیہ میں بڑے ہیں۔ ویدانت نے سانکھیہ کی جگت رچنا تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ اختیار کر لی ہے۔ مگر سانکھیہ کے ان دو بڑے نقصوں کو رفع کر دیا ہے یعنی بے شمار گیان سروپ پرشوں کی بجائے ایک گیان سروپ پرش جسے سچدانند برہم کہتے ہیں۔ مانا ہے۔ اور مادے کا واقعی وجود ماننے کی بجائے اس کو وہمیہ فرض کیا ہے۔ اور فرض کرنے کے کیا معنی۔ استدلال عقلی سب کو اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اول جگت کی رچنا کا طریق سانکھیہ مت کے مطابق بتاؤں گا۔ اور بعد میں ویدانت کو لونگا۔ سانکھیہ کا طریق تم سمجھ گئے۔ آؤ اب ویدانت کو لو۔ اس کی تشریح میں زیادہ طوالت درکار نہیں۔ کیونکہ جو باتیں میں نے تمہیں ابھی بتائی ہیں۔ وہ تمام پیچیدگیاں سلجھانے کے لئے کافی ہیں +

سانکھیہ کی طرح ویدانت مایا کو ترگناتمک مانتا ہے کیونکہ یہ تینوں گن درست فلسفیانہ اصول پر مبنی ہیں۔ لیکن جگت کی رچنا میں زیادہ فلسفیانہ طریق عمل سے کام لیتا ہے۔ اور آج کل کے سائنس کی طرح

ان سب کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں اس واسطے یہ سب پرکرتی میں داخل ہیں۔ پرش کیول گیان سروپ ہے جو بھوگتا یعنی ان تماشوں کا حظ لینے والا ضرور ہے۔ لیکن کرتا یعنی فاعل نہیں ہے۔

یہ فلسفہ حقیقت میں نہایت مدلل اور مکمل نظر آتا ہے اور بہتیرے مغربی فلسفی اُس کو دنیا کے فلسفوں کا سرتاج مانتے ہیں۔ لیکن اس میں دو نقص بڑے بھاری ہیں۔ ایک تو گیان سروپ پرشوں کا اننت یعنی بے شمار ماننا۔ اس کا کھنڈن تمہیں ضرور آتا ہوگا۔ میں نے کہا بیشک آتا ہے۔ موکش وشا یعنی حالت نجات میں ایک پرش کو دوسرے سے ممیز کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ ہاں۔ دوسرا نقص یہ ہے۔ کہ مول پرکرتی جو حالت بدل کر بدھی بنتی ہے اور بدھی اہنکار وغیرہ اس تبدیلِ ہیئت کا سبب سانکھیہ نہیں بتاتا۔ کہ تبدیل ہیئت کے واسطے کون انہیں مجبور کرتا ہے۔ چونکہ سانکھیہ نے پرکرتی کا وجود واقعی مانا ہے۔ اس واسطے صورت حال یہ آکر واقع ہوتی ہے۔ کہ بیجان مادہ خود بخود حرکت میں آتا ہے۔ جو خلاف قیاس ہے۔ یوگ کے فلسفے میں جو بالکل سانکھیہ کا ہی فلسفہ ہے یہ التزام کیا گیا ہے کہ ایک ایشور بھی مانا گیا ہے لیکن مادے کا واقعی وجود مانا جائے تو ایک ایشور کیا ہزار ایشور بھی اس کی ایک حالت سے دوسری حالت نہیں بدل سکتے۔

مجھے یہ سن کر بڑا تعجب آیا اور میں نے پوچھا کیوں مہاراج ایشور مادے کو کیوں حرکت میں نہیں لا سکتا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ دیکھو بھائی گیان ایشور کا گن یعنی صفت مانو گے یا سروپ یعنی عین ذات۔ اگر صرف گن مانا تو ایشور جڑ ٹھیرے گا۔ جس میں ایک اور چیز یعنی گیان کا گن رہتا ہے۔ جڑ ایشور اور جڑ چیزوں کی طرح فانی ٹھیرے گا۔ ایسا ایشور داناؤں کے ماننے کے لائق نہیں۔ گیان ایشور کا سروپ مانا تو اُس گیان سروپ ایشور کو یا تو مادے کا گیان ہوگا یا وہ یہ ارادہ کرے گا۔ کہ مادہ حرکت میں آئے۔ اس کے سوا ایشور اور کچھ نہیں کر سکیگا۔ میں نے

کے کاموں میں فرق ہے۔ تنماترائیں مصالح ہیں۔ کرم اندریاں اس مصالح میں کام کرتی ہیں اور گیان اندریاں اُسے کھینچکر من کے پاس اندر لے جاتی ہیں جس کا بیان میں ابھی کر چکا ہوں ؛

اب دیکھو کتنے تتوں کا بیان آچکا۔ مول پرکرتی۔ بدھی۔ اہنکار۔ من۔ پانچ گیان اندریہ۔ پانچ کرم اندریہ۔ پانچ تنوماترا۔ پانچ مہا بھوت۔ کل ملا کر چوبیس تتو ہوئے۔ ان میں گیان سروپ پرش کو اور شامل کرو۔ تو یہ سانکھیہ کے پچیس تتو ہوتے ہیں ؛

سانکھیہ کا فلسفہ ایک بڑا زبردست فلسفہ ہے۔ اس کی بنا مسئلہ علت و معلول ہے۔ اگر علت و معلول کو نظر میں رکھ کر ہم کائنات کی تجزیہ کریں تو چار انتہائی چیزوں پر پہنچیں گے۔ اول ایسی چیز جو علت تو ہے مگر معلول نہیں۔ یہ سانکھیہ کی مول پرکرتی ہے۔ دوسرے ایسی چیز جو علت بھی ہے اور معلول بھی۔ مثلاً بدھی اور اہنکار۔ تیسرے ایسی چیزیں جو محض معلول ہے علت نہیں یہ گیارہ اندریاں اور پانچ تنماترائیں ہیں۔ جو اپنے سے مختلف کوئی چیز نہیں پیدا کرتیں۔ چوتھے ایسی چیز جو نہ علت ہے نہ معلول یہ گیان سروپ پرش ہے جو اپنی ماہیت ذاتی سے اکرتا ہے۔ غرض علت و معلول کا مسئلہ ہمیں سانکھیہ فلسفی کو پچیس تتوں پر پہنچاتا ہے۔ جو تمام اشیائے کائنات کی علل یعنی کارن ہیں۔ اس فلسفے میں یہ بھی خوبی ہے۔ کہ جس ترتیب سے کائنات کی رچنا بتاتا ہے۔ اسی طرح جسم انسانی کی بھی رچنا کہتا ہے جس کا بدیہی ثبوت ہر شخص اپنے احساس سے بہم پہنچا سکتا ہے۔ مول پرکرتی۔ بدھی اور اہنکار کے احساس یا انوبھو کرنے کا ڈھنگ تم دیکھ چکے ہو۔ اپنے علم یا گیان سے کام لو اور دیکھو گے کہ غور کرنے والی چیز من ہے۔ وہ کن چیزوں پر غور کرتا ہے۔ تنوماتراؤں اور مہا بھوتوں پر۔ اُن سے باہر کوئی تتے نہیں جا سکتی ان تنوماتراؤں وغیرہ کو من کے پاس لاتا کون ہے؟ گیان اندریاں۔ اور ان میں کام کرکے انہیں نئی صورتیں کون دیتا ہے؟ کرم اندریاں۔ جو

صورت بدل کر مہت یا بدھی بنتی ہے - اور بدھی آہنکار کی صورت میں تبدیل ہوتی ہے - اہنکار میں بھی مول پرکرتی کے وہی تینوں گن یعنی ستو - رج - و ترم موجود رہتے ہیں - کیونکہ علت میں جو چیز ہوگی وہ معلول میں بھی ضرور بالضرور ہوگی - اہنکار بلحاظ ستوگن کے من کی صورت اختیار کرتا ہے بلحاظ رجوگن کے پانچ گیان اندریوں اور پانچ کرم اندریوں کی صورت اختیار کرتا ہے جو کام کرنے والی چیزیں من اور اس واسطے رجوگن کا کاریہ ہیں اور بلحاظ تموگن کے پانچ تنماترائیں کی صورتیں اختیار کرتا ہے - جو پانچ مہا بھوت پیدا کرتے ہیں - اُن میں سے تنماتراؤں اور مہا بھوتوں کی تشریح میں پہلے کر چکا ہوں - اندریوں کی اب کرتا ہوں +

گیان اندریوں - کے نام بالترتیب یہ ہیں یعنی قوت سامعہ - تواک یعنی قوت لامسہ چکشو یعنی قوت باصرہ - رسنا یعنی قوت ذائقہ اور گھران یعنی قوت شامہ - یہ وہی گن یعنی بیرونی آلات ہیں اور ان کا کام یہ ہے - کہ اپنے اپنے نسبتیوں یعنی مفعولات کو باہر سے اندر پہنچائیں - من "انتہ کرن" یعنی آلہ اندرونی ہے - اس کا کام سوچنا یا غور کرنا ہے - غور کر کے یہ نتیجے کو اہنکار کے سامنے پیش کرتا ہے جو انانیت کا مرکز ہے - اہنکار بدھی کے سامنے پیش کرتا ہے - اور وہ نشچے کر کے پرش یعنی گیان سروپ آتما کے سامنے پیش کرتی ہے - یہ ان بیرونی اور اندرونی آلات علم کے کام ہیں - گیان اندریوں کی طرح کرم اندریاں بھی پانچ ہیں - اور اُن کے نام بالترتیب یہ ہیں - واک یعنی بولنے کی طاقت - پانی یعنی پکڑنے کی طاقت - اُپستھ یعنی توالد و تناسل کی طاقت - پایو یعنی خارج کرنے کی طاقت - پاد یعنی قائم رکھنے کی طاقت - اصل میں ان طاقتوں کا نام کرم اندریہ ہے - چونکہ جسم انسانی کے خاص خاص حصّوں میں یہ طاقتیں پائی جاتی ہیں اس واسطے بعض مرتبہ ان حصے والے جسم ہی کو ان کرم اندریوں کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں +

یہ کرم اندریاں - گیان اندریاں - اور تنماترائیں ایک ہی چیز یعنی اہنکار کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں - اس واسطے ان کو ایک ہی سمجھنا چاہئیے - ہاں ان

سوامی جی میری سادگی پر مسکرائے اور کہنے لگے۔ اچھا تم سوچنے کی محنت سے جان چراتے ہو۔ لو تمہارے بدلے اس محنت کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ پہلا انوبھو یا احساس تو تم کو یہی ہوگا۔ کہ "میں" کوئی ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ "بیرونی اشیا" میری طرح علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ جن کا علم مجھے حواس خمسہ یعنی کان جلد۔ آنکھ۔ زبان اور ناک سے ہوتا ہے کان سے جس چیز کا علم ہوتا ہے وہ شبد یا آواز ہے۔ جلد سے جس چیز کا علم ہوتا ہے وہ سپرش یا لمس ہے۔ آنکھ سے جس چیز کا علم ہوتا ہے وہ روپ یا صورت ہے زبان سے جس چیز کا علم ہوتا ہے وہ رس یا ذائقہ ہے اور ناک سے جس چیز کا علم ہوتا ہے وہ گندھ یا بو ہے۔ ابتدا میں یہ پانچوں لطیف سے لطیف صورت میں ہونے چاہئیں۔ اسی واسطے ان کو تنوماترا کہتے ہیں یعنی نہایت ہی لطیف۔ پس بدھی کے طلنے سے پرکرتی کی جو حالت بدلتی ہے۔ وہ فردیت یعنی اہنکار کی ہے۔ جس میں ایک تو "میں" انوبھو کرنے والا ہوتا ہوں اور دوسرے پانچ اور چیزیں ہوتی ہیں جن کے نام بالترتیب شبد تنوماترا سپرش تنوماترا۔ روپ تنوماترا۔ رس تنوماترا اور گندھ تنوماترا ہیں۔

یہی سانکھ کی آٹھ پرکرتیاں یعنی پیدا کرنے والی چیزیں ہیں۔ اول تو سامیہ اوستھا والی پرکرتی جسے اصطلاح سانکھیہ میں پردھان یا مول پرکرتی کہتے ہیں۔ دوسرے بدھی یا مہت تتو۔ تیسری اہنکار اور باقی پانچ تنوماترائیں جن کے ظہورات بعد میں آکاش یا ایتھر۔ وایو یا ہوا۔ اگنی یا آتش۔ جل یا آب اور پرتھوی یا خاک ہوتے ہیں۔ انہیں پنچ مہا بھوت کہتے ہیں۔ جن سے پرمانو بنتے ہیں۔ اور اُن میں مختلف درجے آواز۔ لمس۔ صورت۔ ذائقہ اور بو کے ہوتے ہیں۔ انہیں سے نیائیک اور آج کل کے سائنس دان اپنے کائنات کی رچنا شروع کرتے ہیں۔ دیکھو شوگری۔ سانکھیہ اور ویدانت کیسے اونچے شاستر ہیں۔ آج کل کا سائنس یوں سمجھو کہ اُن سے تیرہ درجے نیچا ہے۔ پھر کیسے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے ان بلند پرواز شاستروں کا پڑھنا تو چھوڑ دیا ہے اور دریوزہ گری کرتے ہیں ان سائنس دانوں کی جو ہم سے تیرہ درجے نیچے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہم نے اب تک اتنا کہا ہے کہ مول پرکرتی

نے کہا۔ چپ کیوں ہو گئے بولتے کیوں نہیں ؟ غفلت کی نیند سے بیدار ہوتے ہو۔ تو پہلا احساس یا انوبھو کیا ہو گا۔ وہی پرکرتی کی دوسری اوستھا ہو گی۔ کیونکہ گیان میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ تبدیلی جو کچھ ہے سب پرکرتی میں ہے میں نے سوچ کر جواب دیا کہ غفلت کی نیند سے بیدار ہونے پر پہلا احساس یہی ہوتا ہے۔ کہ غفلت کی نیند میں میں پتھر بنا پڑا تھا اور مجھے کچھ خبر نہ تھی۔ بیدار ہو کر وہ پتھرپن کی حالت جاتی رہی۔ اور میں ہوشیار تو ہو گیا۔ یعنی مجھے علم یا گیان تو ہونے لگا۔ لیکن یہ علم ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں جڑ پتھر نہیں گیانی یعنی باعلم ہوں۔ لیکن کیا ہوں اور مجھے کس بات کا علم ہے۔ یہ پتا نہیں چلتا۔ سوامی جی نے کہا شاباش۔ حقیقت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ یہ محض پرکاش یعنی گیان کی حالت جس میں مخصوص اشیا کا علم نہیں ہے۔ پرکرتی کی دوسری حالت ہے۔ اس میں تم نے دیکھا کہ گیان کا غلبہ ہے باقی دو گن دبے ہوئے ہیں۔ اس ستو پر دہاں حالت کو بدھی یا مہت کہتے ہیں اسی سے جگت کی رچنا ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ بدھی یا مہت کی حالت میں فردیت یا اہنکار نہیں ہے۔ یہ محض گیان کی حالت ہے اور اس کا آنند وہی بتا سکتے ہیں۔ جو اہنکار کو چھوڑ کر اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ یہی یوگ میں ایک قسم کا سمادھی کا آنند کہا جاتا ہے "۔

اب آگے قدم بڑھاؤ اور دیکھو کہ پرکرتی تیسری حالت کیا بدلتی ہے بدھی میں فردیت نہیں تھی۔ لیکن بیدار ہو کر اور بدھی کے حالت سے گزر کر بیدار شدہ آدمی کے انوبھو یا احساس میں کیا کیا آتا ہے۔ میں نے کہا مہاراج بدھی کی حالت سے نکل کر آدمی کے احساس میں سارا جگت آتا ہے۔ کس کس چیز کو بتاؤں۔ اس پر سوامی جی ہنسے اور کہنے لگے۔ جسے تم نے سارا جگت کہا ہے اس کی تحلیل اور تجزی کر کے بتاؤ۔ یہی فلسفے کا مزا ہے۔ میں نے کہا مہاراج تحلیل طرح طرح سے ہوتی ہے۔ کرپا کر کے آپ ہی فرمائیں تو میں سمجھنے کی کوشش کروں۔ مجھے خبر نہیں۔ کس کس پہلو نظر سے آپ تحلیل و تجزی چاہتے ہیں ؟

ہم نے تمہیں بتایا ہے۔ کہ مایا۔ پرکرتی یا مادہ ترگناتمک ہے یعنی اس میں ستو۔ رج اور تم تین گن رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کبھی ستو کا غلبہ ہوگا اور وہ باقی دو کو دبا لے گا۔ کبھی رج کا غلبہ ہوگا یا تم کا اور وہ باقی دو کو دبا لیں گے۔ اس غلبے کا نام سنسکرت میں "پردہان ہونا" کہا گیا ہے لیکن اگر کسی گن کا اوروں پر غلبہ نہ ہوگا تو تینوں یکساں ہونگے اور پرکرتی کی حالت ہموار ہوگی۔ اس ہموار حالت کا نام "سامیہ اوستھا" یعنی حالت یکسانیت ہے۔ کہو۔ اس حالت کو تم نے کبھی محسوس کیا ہے۔ میں نے کہا۔ مہاراج! یہ تو پرلے یعنی قیامت میں ہی ہوگی۔ جب تمام اشیاے کائنات اپنی اپنی صورت اور نام کھو کر محض پرکرتی روپ رہ جائیں گی۔ سوامی جی نے کہا بے شک۔ مگر تم نے کبھی اس پرلے کی حالت کو محسوس کیا۔ میں نے کہا۔ میں جیتا جاگتا آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور جگت پرتیکش آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ پرلے کی حالت کو میں کس طرح محسوس کر سکتا ہوں۔ سوامی جی مسکرائے اور کہنے لگے۔ کیا تماشہ ہے روز پرلے کی حالت محسوس کرتے ہو اور نہیں جانتے بھائی تم نے ابھی کہا ہے کہ پرلے پرکرتی کی وہ حالت ہے جس میں اشیاے کائنات اپنے نام و صور کھو کر پرکرتی روپ رہ جاتی ہیں اور تینوں گنوں میں سے کوئی بھی بڑھا ہوا یا غالب نہیں ہوتا۔ سشپتی یعنی غفلت کی نیند میں جب تم سوتے ہو تو بتاؤ پرکرتی کے کون سے گن کو تمہارے احساس یا انوبھو میں غلبہ ہوتا ہے یا کون سی چیزوں کی صورتیں اور نام تم محسوس کرتے ہو۔ میں نے کہا میں سمجھا انسان جو خواب غفلت کی حالت روز محسوس کرتا ہے وہی پرلے کی حالت ہے اور یہ حالت ایسی ہے کہ اسے پرکرتی کے تینوں گنوں کی سامیہ اوستھا سمجھنا چاہیئے۔ سوامی جی نے کہا بے شک۔ ہم نے تم سے کہا تھا کہ برہمانڈ اور انڈ یعنی کائنات اور انسان کی رچنا قدم بقدم چلتی ہے۔

اب تم سمجھ گئے کہ ترگناتمک پرکرتی کی سامیہ اوستھا کیا ہے۔ دوسرا ظہور تو جس میں ایک گن کا غلبہ پایا جاتا ہے اور باقی دو کو دبا لیتا ہے۔ یہ بھی تم روز انوبھو یا احساس کرتے ہو۔ میں خاموش بیٹھا رہا اور کچھ نہ بولا تو سوامی جی

رحم و کرم - ابھی گرسنگی کی اذیت ہے - ابھی سیری کا سرور - ابھی ہمارے من میں ہاتھی کی صورت ہے ابھی مکان - آدمی - یا درخت کی - کیفیات کا اس طرح تبدیل ہونے رہنا اس بات کا شاہد ہے کہ یہ سب بھی بدلنے والے مادّے ہی کی صورتیں ہیں - لیکن یہ کیفیات قوتوں سے بھی زیادہ لطیف ہیں - مادّہ جس خاصے کے باعث کیفیات نفس کی لطیف صورت اختیار کرتا ہے اُس کو ہم "ستوگن" کہینگے +

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ مادّے میں تین گن یا اوصاف ہیں - "ستو" جس سے وہ کیفیات نفس کی شکل اختیار کر سکتا ہے "رج" جس سے وہ کام کرنے کی شکتی بنتا ہے "تم" جس سے وہ جڑ چیزوں کی صورتیں اختیار کرتا ہے - اسی باعث سے پرکرتی کو سانکھیہ والے ادر بابا کو ویدانتی ترگناتمک کہتے ہیں - یعنی تین گن یا خاصوں والی چیز - اول ہم تمہیں سانکھیہ کے طریق سے جگت کی رچنا سمجھاتے ہیں - بعد میں ویدانت کے طریق سے بحث کریں گے +

میں نے کہا مہاراج - سانکھیہ مت میں پرکرتی واقع میں وجود رکھتی ہے اور ویدانت میں وہمیہ ہے - جگت کی رچنا میں ان دونوں شاستروں کا باہمی تعلق کیا ہو سکتا ہے - جو آپ سانکھیہ سے تو شروع کریں گے اور ویدانت پر ختم کریں گے - سوامی جی نے کہا - بھائی جگت کی رچنا ویدانت میں بعینہٖ ویسی ہی ہے جیسی سانکھیہ میں کہی گئی ہے - ہاں سانکھیہ کے نظام میں جو نقص رہ گئے ہیں وہ ویدانت نے پورے کر دئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ میں پہلے سانکھیہ کو لیتا ہوں - ان دونوں نظامہائے فلسفہ میں بڑی خوبی یہ ہے - کہ جس طرح برہمانڈ یعنی کل کائنات کی رچنا ہے - اسی طرح انڈ یعنی جسم انسانی کی رچنا ہے - اسی وجہ سے آدمی اپنے جسم سے مقابلہ کر کے ہر ایک بات کو اپنے انوبھو یا احساس سے پایۂ ثبوت کو پہنچا سکتا ہے کسی بات میں کسی اور شخص کا محتاج نہیں - آؤ دیکھنا شروع کریں - جگت کی رچنا کیونکر ہوتی ہے +

واقعی نہیں ہے۔ وہمیہ ہے جیسا ویدانت مانتا ہے۔ سوامی جی نے کہا بہت اچھا۔ ہے بھی یوں ہی۔ مادّہ پرست جس کو مادہ کہتا ہے اور سانکھیہ جس کو پرکرتی بتاتا ہے وہ حقیقت میں وہمیہ مایا ہے اور کچھ نہیں۔ پس مادہ۔ پرکرتی یا ماما کے ایک معنی ہیں۔ یہ وہمیہ ہے اور تمام تبدیلیاں اسی میں ہوتی ہیں۔ تم نے ہم سے پوچھا ہے کہ کائنات کی رچنا کیونکر ہوتی ہے۔ لو سنو!

نیرنگیاں یا تبدیلیاں ہمارے چاروں طرف ہوتی رہتی ہیں اور اتنی کہ نہ اُن کا حساب ہے نہ شمار۔ فلسفے کا کام ہے کہ اول تو ان تبدیلیوں کی جماعت بندی کرے پھر یہ بتائے کہ وہ کس ترتیب سے واقع ہوتی ہیں۔ دیکھو بھائی معلوم ہیں کتنے صورتوں میں ملتا ہے یا یوں کہو کہ جس شے میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے وہ کن کن بڑی بڑی صورتوں میں ملتی ہے۔ غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کی تین بڑی بڑی جماعتیں ہوسکتی ہیں۔ چوتھی کا امکان نہیں ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ بدلنے والا معلوم ہمیں جڑ چیزوں کی صورت میں ملے مثلاً آتش و آب و خاک و باد۔ بحر۔ دریا۔ زمین پہاڑ۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ گندھک۔ شورہ۔ انسان وحیوانات کے جسم درخت اور لکڑی۔ چونکہ ان میں تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس واسطے یہ سب معلوم یعنی مادّے میں داخل ہیں۔ مادّے کے جس خاصے سے یہ صورت اور شکل والی چیزیں بنی ہیں اُس کو ہم "تموگن" کہیں گے۔ بدلنے والے معلوم کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ شکتیوں یا قوتوں کی صورت میں ملے۔ مثلاً کشش ثقل کشش کیمیائی قوت برقی۔ روشنی وغیرہ۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ ایک طرح کی قوت کو دوسری طرح کی قوت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے اور ارباب طبعیات نے اس مسئلے کو مختلف تجربات سے ثابت کرکے دکھا دیا ہے۔ پس قوتیں چونکہ تبدیل ہوسکتی ہیں اس واسطے وہ بھی مادّے ہی میں داخل ہیں۔ مانا کہ قوتیں جڑ سے زیادہ لطیف ہیں۔ لیکن ہیں متبدل مادّہ ہی اور کچھ نہیں۔ مادہ جس خاصے کے باعث قوت کی لطیف شکل اختیار کرتا ہے یعنی کام کرنے کی شکتی بن جاتا ہے اس کو ہم "رجوگن" کہینگے تیسری صورت یہ ہے کہ مادّہ کیفیات نفس یعنی من کی برتیوں کی صورت میں ملے ان میں بھی برابر تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ابھی طبیعت پر غصّہ حادی ہے۔ ابھی

جو علم ہے وہ اپنے علت یعنی مادے میں موجود ہونا چاہئے۔ ورنہ عدم سے ہستی ماننی پڑیگی جو محض لغو ہے۔ جب علم کی طرح تمام مادہ بھی چیتن مان لیا تو ہم پھر اسی ویدانت کے مسئلے پر آگئے کہ وجود ایک گیان سروپ آتما کا ہے۔ اور اس گیان میں مختلف صورتوں کی جلوہ نمائی اسی طرح ہے جس طرح گیان سروپ خواب کے دیکھنے والے میں کائنات خواب کی ہر ایک شے کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ پس جیسا میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ اس بات کو خیال میں رکھنا چاہئے۔ کہ عالم کا خاصہ علم یا گیان ہے۔ جو معلوم ہوتا ہے۔ علم سدا ایک رس ہے۔ اس کی ماہیت ہی ایسی ہے کہ تبدیلی ممکن نہیں۔ سوچو خوب سوچو اور پھر سوچو۔ علم میں کوئی تبدیلی ممکن ہے یا نہیں اگر کہو کہ ہمیں ابھی ایک چیز کا علم ہوتا ہے ابھی دوسری کا۔ تو یاد رکھو کہ تبدیلی علم میں نہیں ہوئی ہے۔ علم کی روشنی میں پہلے ایک شے آئی ہے۔ پھر دوسری آئی ہے۔ علم کا نور جوں کا توں ہے۔ جو تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ وہ معلوم میں ہے۔ علم میں نہیں۔ غرض علم وہ شے ہے جو پرکاش روپ ہے اور اس میں ماہیت ذاتی کے لحاظ سے کبھی کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں +

رہا معلوم۔ اس کا خاصہ ہے علم کا نہ ہونا اور دمبدم حالت بدلتے رہنا علم میں تبدیلی کا امکان نہیں اور معلوم کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ پس جڑ اور چیتن یعنی مادے اور روح کی تعریف یہ سب سے بہتر ہے کہ مادہ وہ چیز ہے جس میں تبدیلی ہو اور علم وہ چیز ہے جس میں تبدیلی نہ ہو۔ چونکہ تمہارا سوال روح کے متعلق نہیں بلکہ ظہورات کائنات کے متعلق ہے جن کی تبدیلیاں اظہر من الشمس ہیں۔ اس باعث سے میں روح کی بابت تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ بلکہ جو کچھ کہوں گا بدلنے والی چیز یعنی مادے ہی کی نسبت کہوں گا جس کو سانکھیہ میں پرکرتی کہتے ہیں۔ اور ویدانت میں مایا۔ سانکھیہ پرکرتی کا وجود واقعی مانتا ہے اور ویدانت مایا کو محض وہمیہ بتاتا ہے۔ تم بتاؤ ان دونوں میں سے کس مت کو مانتے ہو۔ میں نے کہا مہاراج میں اچھی طرح سمجھا ہوا ہوں کہ پرکرتی کا وجود

اعتراض کرو۔ ہم تمہارے اعتراضات اور شکوک کو رفع کریں گے اور بتائیں گے کہ ویدانت شاستر میں کوئی بات بے دلیل نہیں ہے۔ یہ انتہائی فلسفہ جس بات کو اُٹھاتا ہے اُس کے اجمال اور تفصیل میں نہایت بالغ نظری سے کام لیتا ہے ٭

دیکھو بھائی۔ تمام کائنات دو بڑی جماعتوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ ایک گیاتا یعنی عالم اور دوسری گیہ یعنی معلوم۔ اس میں تو نہیں کچھ اعتراض نہیں۔ میں نے کہا مہاراج معلوم مادّہ ہوا اور عالم روح یا جیو ہوا۔ ان دو جماعتوں میں ایک تو شکتی یا قوتوں کا ذکر نہیں آیا۔ جو مادّے میں کام کرتی ہیں۔ اور دوسرے ایشور کا جس کو تمام دنیا مانتی ہے۔ سوامی جی نے کہا کہ ایشور کو ہر ایک مذہب چیتن مانتا ہے۔ اس واسطے وہ عالم کی اصطلاح میں داخل ہے کوئی جھگڑا کرنے کی بات نہیں ہے۔ رہی شکتی یا قوت۔ اس کو تم خود بتاؤ۔ کہ جڑ یعنی مادّی چیز ہے یا چیتن ہے۔ اگر اُسے جڑ مانتے ہو تو وہ معلوم میں داخل ہو جائے گی۔ اگر چیتن مانتے ہو تو عالم میں شمار ہو جائے گی۔ تقسیم کائنات انہیں دو چیزوں یعنی عالم و معلوم میں رہی یہی شری مد بھگوت گیتا کے کشیتر اور کشیتر گیہ ہیں۔ کشیتر یعنی کھیت میں معلوم کا تمام و کمال کارخانہ داخل ہے۔ اور کشیتر گیہ یعنی اس کھیت کا عالم جیو ہے جو گیان سروپ ہونے کی وجہ سے معلوم سے بالکل مختلف چیز ہے۔ عالم و معلوم کے اختلاف پر شری شنکراچاریہ نے کیا گیتا کی شرح اور کیا برہم سوتر کے بھاشیہ کے شروع میں نہایت لیاقت اور منتہی النظری سے بحث کی ہے دونو مقاموں کو نگاہ غور سے بار بار پڑھنا چاہیئے ۔

یہ عالم اور معلوم کی تقسیم ایسی ہمہ گیر ہے کہ ان دونوں سے باہر کوئی چیز نہیں جا سکتی۔ سب اسی کے اندر ہیں۔ ہاں عالم و معلوم کا وہ خاصّہ جو ایک کو دوسرے سے ممیز کرتا ہے بخوبی سمجھ لینا چاہیئے۔ عالم کا خاصّہ علم گیان یا کانشس نس ہے۔ یہ معلوم میں ممکن نہیں ہے۔ اگر یہ مانا جائے کہ علم بھی معلوم یعنی مادّے ہی سے پیدا ہوتا ہے تو مادّہ چیتن ٹھیریگا۔ کیونکہ معلول

جگت کے ظہور کی ترتیب کیا ہے۔ یعنی اول کیا شے ظہور میں آتی ہے دیم کیا وغیرہ وغیرہ۔

اس سوال پر گورو مہاراج پھر مسکرائے اور کہنے لگے۔ جب تم مانتے ہو کہ وجود ایک ہے اور وہ گیان سروپ ہے۔ تو اُس گیان میں جو کائنات اُدے ہوگی وہ من کا کھیل۔ خواب کا نقشہ یا مداری کا تماشہ ہی ہوگی۔ اس سے زیادہ اُس کی وقعت نہیں ہوسکتی۔ خواب میں تم روز دیکھتے ہو۔ آدمی سامنے کھڑا ہے چشم زدن میں وہ غائب ہے اور اُس کی جگہ گھوڑا موجود ہے۔ مداری کا تماشہ تم نے دیکھا ہوگا۔ تمہاری نگاہ کے سامنے صاف زمین پر اُلٹی ٹوکری رکھی۔ اُسے اُٹھاتا ہے۔ نو نارنگی کا پودا نظر آتا ہے اور وہ بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس میں پھول آتے ہیں۔ پھل لگتے ہیں اور وہ تماشائیوں کو کھلاتا ہے۔ منوراج یا تصور کے نقشے روز تمہاری نظر سے گزرتے ہیں۔ خیال ہے کہ عجیب وغریب دلکش تصاویر تمہاری آنکھوں کے سامنے لاتا ہے اسی طرح گیان سروپ آتما میں کائنات کی نیرنگی کے جلوے ہیں۔ ان میں کرم یعنی ترتیب کیا ہوسکتی ہے کہ پہلے فلاں چیز پیدا ہوئی اور بعد میں فلاں۔

یہ بات ایسی معقول اور دل کے پکڑنے والی تھی کہ مجھ سے جواب نہیں بن آیا۔ اور میں نگاہ حیرت سے گورو مہاراج کا نورانی چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ ہنسے اور کہنے لگے۔ تو گری۔ حیران مت ہو۔ حقیقت میں تو یوں ہی ہے جس طرح میں نے تم سے بیان کیا۔ یعنی گیان سروپ آتما میں جگت کے ظہور کا کوئی کرم یعنی ترتیب نہیں ہے۔ بالکل نقشہ خواب کی طرح کل کائنات کی جلوہ نمائی ہے۔ لیکن یہ بات مشکل سے ذہن میں بیٹھتی ہے اس واسطے آچاریوں نے لوگوں کے سمجھانے اور دل میں بٹھانے کے واسطے پیدائیش عالم کی منطقی ترتیب قائم کی ہے۔ وہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ جہاں کہیں تمہاری سمجھ میں نہ آئے یا تمہیں خلاف قیاس معلوم ہو بیشک

باب چہارم پیدائش عالم

اکتیسویں سادھو کی کہانی

عالم اکبر کی ماہیت

مرئی ہے عین ذات ناظر اے دل ناظر مرئی ہے۔ ہے یہ کہنا باطل
دنیا کا معمہ ہے تعجب انگیز گو ہم مشکل وگرنہ گویم مشکل

سوامی برہمانند کا ارشاد سن کر وہ سادھو باہم سرگوشی کرنے لگے۔ آخر اُن میں سے ایک نے جن کا نام شوگری تھا۔ کہا۔ سرشٹی کی رچنا کی کہانیاں ہم دونوں گورو۔ بھائی آپ کو سنائیں گے۔ سنیئے:۔

مہاراج! یہی سوال اور بجنسہ اسی طرح ایک روز میں نے اپنے گورو سے کہا تھا۔ کہ ویدانت میں ہستی یا وجود ایک تسلیم کیا گیا ہے۔ کائنات میں غضب کی نیرنگی نظر آتی ہے۔ اُس ایک وجود سے کائنات کا ظہور کس طرح اور کس ترتیب سے عمل میں آتا ہے۔ اس کا راز مجھے بتائیے۔ گورو مہاراج مسکرائے اور کہنے لگے۔ ایک وجود کے تسلیم کئے جانے کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ استدلال عقلی اور فلسفے سے بھی ہم ایک ہی وجود پر پہنچتے ہیں۔ مستند مذہبی کتابیں اُسی کی تعلیم دیتی ہیں۔ اور دنیا کے بڑے بڑے حکیموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ پس ظہور کائنات کی بحث اُٹھانے سے پہلے۔ تم کو اپنے دل میں یہ تصفیہ کرنا چاہیے۔ کہ آیا وجود ایک ہے یا دو یا تین یا چار۔ میں نے کہا۔ میرا استوار عقیدہ ہے کہ وجود ایک ہی ہے اور وہ نوری یا گیان سروپ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس گیان سروپ وجود میں جس کو ویدانت سچدانند برہم کہتا ہے۔

یہی دیکھا ہے کہ سب نام ہیں صورت میں
دور دیکھی ہے کوئی سُنتے کہ قریب دیکھی ہے
جلوۂ ذات احد اس میں نظر آیا ہے
جون سی چیز زمانے میں کہیں دیکھی ہے

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

جسمیں دیکھا ہے یہ دیکھا ہے ظہور اسکا ہے
اختروں میں ہے مۂ و مہر میں نور اسکا ہے
برق بیتاب میں چشمک کی ادا اسکی ہے
اور آتش میں یہ حدت کا وفور اسکا ہے
سینۂ صوفیِ صافی میں ہے وہ لمعہ فگن
جسکو تم ذہن میں دل سمجھے ہو طور اسکا ہے

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

ہجر اور وصل کا بیہودہ ہے اے دوست خیال
ہجر کیا چیز ہے کس شے کو تو سمجھا ہے وصال
کیوں ہلا کرتا ہے پندار دوئی سے جاں
تو نے سوچا بھی کبھی بیٹھکے حیرت کا مآل
اس میں ہیں سرگشتگی و رنج و پریشانی ہے
یہ ہے اک واہمۂ لغو اسے دل سے نکال

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

دھیان کیجے تو بس اسکا جو ہو اپنے سے جدا
پر جدا کس سے ہے اے مہر بتا ذاتِ خدا
حق ہے موجود نہیں اسکے سوا کوئی وجود
کہتے آئے ہیں ازل سے یہی ارباب ہدیٰ
مجھ سے گر پوچھے تو میں صاف کہونگا تجھسے
میرے تو نقش نگیں کی طرح دل پہ ہے کھدا

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

کلام مہر جلد ثانی

نظم کے ختم ہونے پر سوامی برہمانند نے کہا۔ مہاتماؤ! یہ ثابت ہو چکا کہ وجود ایک ہے۔ اب کوئی ایسی کہانی سناؤ۔ جس سے اس بات کی توضیح ہو کہ اس ایک وجود سے کائنات کیونکر پیدا ہوتی ہے۔

یہ صراحی ہے یہ پیالہ ہے یہ مٹکا یہ گول — یہ ہے صحنک یہ سبو بھر شراب و روغن
سب فقط کہنے کو برتن ہیں ہے اک مٹّی ہے — بس اسی طرح سے گر دیکھو تو اے مشفقِ من

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

خواب میں ایک ہے گو خواب کے نقشے ہیں ہزار — ایک ہی بحر ہے موجوں کا نہ ہو گرچہ شمار
ایک سونا ہے ہوا کیا جو ہیں لاکھوں زیور — ایک لوہا ہے ہوا کیا جو ہیں لاکھوں اوزار
ایک مٹّی ہے فقط کہنے کو برتن ہیں بہت — وحدت ذات میں کثرت کا یہی ہے اسرار

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

میں نے نیرنگ ترے عالم امکاں دیکھے — شہر دیکھے جبل و دشت و بیاباں دیکھے
سیر کی بحر کی دریا کا کیا نظّارہ — جا کے صحرا میں پھرا اور گلستاں دیکھے
کرکے وا چشم بصیرت کو زمانہ دیکھا — دیکھے حیوان بھی اور حضرتِ انساں دیکھے

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

ایک ہستی سے ہے یہ عالم امکان معمور — ایک ہستی ہے خلا اور ملا میں بھرپور
وہی دائیں وہی بائیں وہی آگے پیچھے — وہی اوپر وہی نیچے وہی نزدیک و دور
جہاں دیکھا ہے نظر آیا ہے اسی کا جلوہ — جس جگہ دیکھا ہے دیکھا ہے اسی کا ہے ظہور

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

ایک ہستی کا ہے اظہار زمین اور زماں — ایک ہستی کے مظاہر ہیں فقط کون و مکاں
کل علل کی ہے وہی علت اولےٰ اے دوست — اس سے باہر ہو کوئی چیز بھلا کیا امکاں
کیوں پریشاں ہے تو اس وہمۂ کثرت سے — وحدت ذات میں کثرت کا نہیں وہم و گماں

ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

میں نے دیکھا ہے فلک اور زمیں بھی دیکھی ہے — کون سی چیز یہاں ہے کہ نہیں دیکھی ہے

یہ مسلم کہ ہیں دنیا میں غضب کے نیرنگ
میری آنکھوں میں مگر خواب کا نقشہ ہے یہ
ہمنشیں تیری طرح مجھ کو بھی انکار نہیں
جس میں جز نام و صور اور کچھ اسرار نہیں
ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

جیسے ہے خواب کے نقشے کا طلسمی ساماں
ان میں انسان بہت کام کریں جو اپنے
خواب میں ایک ہے اس خواب کی نیرنگی ہیں
شہر و بازار و گلستان و مکان و میداں
ان میں حیوان بہت جو ہوں رواں اور دواں
جسکے جلوے ہیں یہ اے دوست عیاں یا چھپاں
ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

موجزن جس طرح طوفان میں ہو بحر ذخّار
اس میں ہو لجّہ و گرداب و تلاطم کا زور
ایک پانی کے یہ نیرنگ ہیں کسکو ہے شک
جسکی امواج کا ممکن نہ حساب اور شمار
اور حباب اتنے کہ عاجز ہو زبانِ گفتار
ہے اسی طرح سے بس عالم امکان کی بہار
ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

جیسے سونے کی دکان میں ہوں ہزاروں زیور
ایک سے ایک ہو صورت میں نہایت زیبا
یہ فقط کہنے کو زیور ہیں ہر اک سونا ہے
ایک سے ایک نگاہوں میں نری بڑھ چڑھ کر
ایک سے ایک ہو قیمت میں فزوں و برتر
بس اسی طرح سے گر دیکھے نوائے دانشور
ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

جیسے لوہے کے ہوں بازار میں لاکھوں اوزار
صورتیں بھی ہوں جدا کام بھی انکے ہوں جدا
یہ فقط کہنے کو اوزار ہیں سب لوہا ہیں
ان میں لیں کام ہزاروں ہی طرح کے ہشیار
نام بھی ان کے جدا رکھ لیں برائے اظہار
بس اسی طرح سے گر دیکھے نوائے نیک اطوار
ایک ہستی ہے یہاں دو نہیں یا چار نہیں

جیسے مٹی کے گھروں میں ہوں بہت سے برتن
کام ہو سب کا جدا نام میں فرق روشن

اسیریا فنشیا - فارس - یونان - روما وغیرہ وغیرہ کے مذاہب میں بھی اصل اصول یہی وحدت وجود کا مسئلہ پایا جاتا ہے - ارباب تحقیق صوفی کے ہاں اس بارے میں بہت کچھ تحقیق عمل میں آئی ہے اور اُن کی کتابوں میں خوب واضح کر کے دکھایا ہے - کہ مسئلہ وحدت وجود عالمگیر مذہب ہے - غرض مذہب کے پہلوے نظر سے لو یا استدلال عقلی پر چلو - انجام میں وحدت وجود کے مسئلے پر پہنچو گے - میں نے دلیل کا طرز کچھ کچھ تمہیں بتایا ہے شرح وبسط کیساتھ عقلی بحثیں دیکھنی ہوں - تو ان کا خزانہ سنسکرت کی کتابیں ہیں - مثلاً بھگوت پوجیہ پاد شری شنکراچاریہ کی تصنیفات - شری ساین آچاریہ کی تصنیفات - شری مدھوسودن سرسوتی کی تصنیفات وغیرہ - ہندی میں سوامی نشچل داس کی بچار ساگر اور برتی پربھاکر لاجواب کتابیں ہیں - اس طرح سوامی چد گھنانند کی آتم پوران تتوانوسندھان اور گیتا بھی پڑھنے کے لائق ہیں - انگریزی میں ہر قسم کی کتابوں کے ترجمے ہو گئے ہیں - اور سوامی وویکانند کے لکچر خاص کر دلچسپ ہیں + مسئلہ وحدت وجود کوئی من گھڑت مسئلہ نہیں ہے - بلکہ انتہائے فلسفہ ہے - جس کی عقلی دلائل کے آگے دنیا کا کوئی فلسفہ یا مذہب نہیں ٹھہر سکتا - سنسکرت کا ایک سلوک زبان زدعام ہے - جس کا ترجمہ یہ ہے - کہ تمام ہاے فلسفہ اس وقت تک گیدڑوں کی طرح میدانِ دلیل میں شور وغل مچاتے رہتے ہیں - جب تک ویدانت کے شیر کی گرج نہیں سنتے - مسئلہ وحدت وجود اس شیر کی گرج ہے - میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ وجود یا ہستی ایک ہے - دو تین یا چار نہیں ہیں +

ایک ہستی

چشم بینا پہ زمیں بار دۂ پندار نہیں		مجھ کو نیرنگیٔ عالم سے سروکار نہیں

کہتے ہیں - چونکہ اَدیا یعنی علم سے ناش ہو جاتی ہے اس واسطے اَدیا یعنی جہل کہلاتی ہے - مایا کے ساتھ چیتن مایو پہت چیتن یعنی ایشور کہلاتا ہے اور اس کو یہ ابھی مان یعنی پندار ہوتا ہے - کہ میں جگت کا پیدا کرنے والا - پالن کرنے والا اور ناش کرنے والا ہوں - مایا کی دوسری صورت یعنی اَدیا یا جہل کے ساتھ چیتن جیو کہلاتا ہے اور اس کو یہ ابھی مان یا وہم ہوتا ہے کہ میں انسان ضعیف البنیان ہوں +

کیا یہ مایا اس شُدّھ گیان روپ ہستی سے کوئی علیحدہ چیز ہے جس پر ہم استدلال عقلی سے پہنچے تھے - ہرگز نہیں - اس سوال کے تو بس یہی معنے ہوئے کہ کیا خواب کی کائنات اور اس کائنات کی دید خواب بین کی ہستی سے کوئی علیحدہ چیز ہے - ہرگز نہیں - علیحدہ چیز ہو کیونکر سکتی ہے - کیونکہ کائنات خواب بین سوائے خواب بین کی ہستی کے اور کسی ہستی کا وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا - اسی طرح مایا بھی اسی ایک ہستی یعنی سچدانند برہم کی ہستی کے تابع ہے +

اب تک مسئلہ وحدت وجود پر ہم نے فلسفیانہ نظر ڈالی ہے - ذرا سرسری طور سے یہ بھی دیکھو کہ مذاہب کیا کہتے ہیں - اپنشدوں میں آتا ہے - پہلے آتما ایک تھا - اس نے سوچا میں بہت ہو جاؤں (اور وہ ہو گیا) عیسائی کہتے ہیں - خدا نے کہا روشنی ہو جائے اور روشنی ہو گئی - مسلمان کہتے ہیں کُن فَیَکُون - خدا نے حکم دیا دنیا ہو جائے اور وہ ہو گئی - اس طرح کہنے یا حکم دینے سے دنیا کا ہو جانا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ کہنے یا حکم دینے والا گیان سروپ ہے اور حکم کے ساتھ ہی اس کے گیان میں دنیا اس طرح جلوہ گر ہو گئی - جیسے خواب بین کی نظر کے سامنے خواب کا نقشہ آ گیا - یہاں بھی وجود واقعی ایک خدا ٹھیرتا ہے - باقی سب بود نمودی ہے - یہی مطلب ہر ایک پرانے مذہب کے ذہن میں تھا - گو آج کل اس مذہب کے ماننے والے کیسی ہی تاویلات کیوں نہ کیا کریں اس وقت میں نے صرف تین مذہبوں کا حوالہ دیا ہے - حالانکہ قدیم مصر -

مایا کیا چیز ہے اس کا جواب میں اوپر دے چکا ہوں۔ یہ ایک قوت ہے جو ذات احد میں ظہور کثرت کے واسطے چارونا چار ماننی پڑتی ہے۔ اور ست است یعنی ہست و نیست دونوں سے علیحدہ ماننی پڑتی ہے۔ کیونکہ اگر ہست مانو تو برہم کے وجود کی طرح اس کا وجود بھی تینوں زمانوں یعنی ماضی حال اور استقبال میں ایک رس رہنا چاہیئے۔ لیکن گیان سے مایا کا بادھ یا ناش ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اس کو ست نہیں کہہ سکتے۔ اگر است کہیں تو بانجھ عورت کی اولاد۔ گدھے کے سینگ وغیرہ وغیرہ کی طرح نہ مایا کا علم ہونا چاہیے نہ اُس کے معلول کائنات کا۔ حالانکہ دونوں کا علم ہوتا ہے۔ خواب غفلت سے آدمی بیدار ہوتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ میں ایسے مزے سے سویا کہ "کچھ بھی نہیں جانا"۔ یہ "کچھ بھی نہیں جانا" ہی مایا کا سروپ ہے۔ چونکہ مایا ست اور است دونوں سے علیحدہ شے ہے اس وجہ سے اس کو انروچنیہ کہا ہے۔ جس کا نروچن یعنی بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ انادی بھی لازمی طور سے ماننی پڑتی ہے۔ کیونکہ کائنات ایشور اور جیو مایا کے معلولات ہیں۔ ان سے مایا کی پیدائش ماننی جہالت ہے۔ اور شُدّھ گیان یعنی برہم میں کسی چیز کی علت بننے کا سامان ہی نہیں ہے۔ وہ ذات صمدی یعنی اسنگ اور نرلیپ ہے۔ ساتھ ہی مایا دو طرح اپنے ظہورات دکھاتی ہے۔ نور ذات کو مخفی کرتی جاتی ہے اور طرح طرح کی صورتیں نظر کے سامنے لاتی جاتی ہے۔ ان دونوں ظہورات کو سنسکرت میں آورن یعنی اخفا اور وکشیپ یعنی اضطراب کہتے ہیں۔ کائنات میں جتنے ظہورات ہیں ان کی جڑ بھی آورن اور وکشیپ شکتی روپ مایا ہے۔

مختلف پہلوے نظر سے دیکھ کر اس کے نام بھی مختلف رکھے گئے ہیں۔ چونکہ مداری کا سا کھیل ہے کہ واقع میں تو وجود سے عاری ہے لیکن تماشے طرح طرح کے دکھاتی ہے۔ اس خیال سے اس کو مایا کہتے ہیں۔ چونکہ نور ذات کو مخفی کرتی ہے۔ اس وجہ سے اس کو گیان

اسی میں حکمت ہے۔ اسی میں ایشور ہے اور اسی میں تمیز ہیں۔ کوئی اس سے باہر نہیں۔ سب اس کے اندر ہیں۔ اس گیان سروپ آتما میں یہ وہم ہونا کہ میں دنیا کا پیدا کرنے۔ اس کا پالن کرنے والا اور اس کا فنا کرنے والا ہوں اور مجھ میں ہر ایک طرح کی طاقت ہے ایشور کی حالت کا نام ہے۔ اور یہ وہم ہونا کہ میں انسان ضعیف البنیان ہوں اور مجھ میں کسی طرح کی طاقت نہیں انسان کی حالت کا نام ہے۔ وہی جڑ ہے وہی چیتن ہے۔ بعینہ اس طرح جیسے خواب میں خواب کی دنیا میں جڑ چیتن سب آپ ہے۔ اس کے سوا عالم خواب میں اور کوئی ہستی نہیں

خود آپ ہے ریشہ و رگ و مغز و پوست خود جلوہ نما ہے ہر طرف تو اے دوست

مظہر کا وجود ذات ناظر ہے مہر کہتے ہیں درست اہل باطن یہ ادست

اسی وہم کا نام مایا ہے اور مایا کوئی عجیب و غریب چیز نہیں ہے۔ استدلال عقلی ثابت کرتا ہے کہ وجود صرف ایک ذات احد ہے جو گیان روپ ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو اس میں کثرت کی جلوہ گری خواب کے نقشے یا مداری کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتے۔ اسی کو مایا کہتے ہیں۔ جس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ اُسے گیان روپ ذات احد میں کثرت کی بود نمود کے تماشے دیکھنے کے لئے ظہور میں آتی ہے۔ اور اسی کی ایک طرح کی سنکلپی قوت یا قدرت ہے۔ یہ مایا کا مسئلہ ایک عقلی مجبوری ہے جو وحدت میں کثرت کی توضیح کے واسطے لابد آولازماً ماننا پڑتا ہے۔ عقل و دلیل پر چلنے والے فلسفی کے لئے اس کے ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ مجھے مایاوادی اور نوین ویدانت کے الفاظ سن سن کر ہنسی آیا کرتی ہے۔ نادان معترض اپنے ذہن میں یہ سمجھتا ہے کہ مایا کا مسئلہ شنکر آچاریہ کی من گھڑت بات ہے۔ حالانکہ امر واقعی یہ ہے۔ کہ یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے۔ جتنے اُپنشد ہیں اور اُپنشد اتنی ہی پرانی کتابیں ہیں جتنے وید ہیں۔ کیونکہ ایشا واسیہ اُپنشد کو تو یجرُوید کی آخری ادھیائے ہے اور سارا زمانہ مانتا ہے کہ رگ وید کیا ہے کہ سب سے پرانی کتاب ہے +

پس واقعی وجود ایک ٹھیرا یعنی گیان۔ علم یا کانشس نس۔ نام اور صورتوں کے جلوے واقعی ہستی نہیں رکھتے۔ بلکہ خواب کی صورتوں کی طرح خواب بیں کے وجود کا دار ومدار ہے۔ اب تمام گیان والے جیوں کا گیان نگاہ تصوّر کے سامنے مجتمع کرو۔ اور دیکھو کہ وہمیہ نام وصور نکال دئے جائیں تو ایک شُدّھ گیان سروپ جیو اور دوسرے شُدّھ گیان سروپ جیو میں کیا فرق رہیگا۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ جیسے سانکھیہ کے بے شمار پرشوں کے کھنڈن میں ہم اوپر کہہ آیا ہوں۔ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ گیان ایک رس ہے۔ ایک رس گیان میں فرق ڈالنے والی چیز صرف وہم تھی کہ میں فلاں ہوں۔ میں فلاں ہوں۔ وہ رہی نہیں۔ فرق باقی رہے تو کس چیز کا رہے۔ جس طرح خواب بیں کی دنیائے خواب کے تمام جیووں میں سے "مَیں فلاں" "مَیں فلاں" کا وہم نکال دیا جائے تو سب محض خواب بیں کا گیان روپ ہو کر باقی رہجائینگے۔ بعینہٖ یہی صورت یہاں ہے۔ گیان کی اس شُدّھ صورت کا نام ویدانت میں برہم ہے۔

اب تم نے دلائل فلسفیانہ کا رنگ دیکھ لیا۔ فلسفے کی چھان بین ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے۔ کہ کائنات کی تجزی وتحلیل کرتے چلے جائیں تو انجام میں ہم نیستی یا عدم پر نہیں پہنچتے۔ بلکہ ایک وجود پر پہنچتے ہیں۔ یہ وجود جڑ یعنی بیجان مادّہ نہیں ہے۔ بلکہ نور یا گیان ہے نیستی کے لحاظ سے اس کا نام ست یعنی ہست کہا جائیگا۔ جڑ کا خیال دور کرنے کے لحاظ سے اس کو چت یعنی نوری مانا جائیگا۔ اور دوئی کا دُکھ نہ ہونے کے لحاظ سے اس کو آنند یا سرور کہا جائیگا۔ یعنی وجود بس ایک ہے جو ہستی و نور و سرور مطلق ہے اور جس کو سنسکرت میں سچدانند کہتے ہیں۔ ست چت اور آنند ایک شئے کے علیحدہ علیحدہ تین اوصاف نہیں ہیں۔ بلکہ جو شئے ست ہے وہی چت ہے اور وہی آنند ہے۔ اُسی ایک شئے کو تین مختلف پہلوے نظر سے دیکھکر سچدانند کہلتے

سے دکھائی دیتی ہوئی دنیا نہیں ہے۔ لیکن یہ نمود ہی ہمارے من کا کھیل ہے۔ تم کہو گے۔ کہ گیان تو اس کو خارجی بتاتا ہے۔ میرے بھولے دوست۔ خواب میں خواب میں سے خواب کے ہاتھی کی نسبت کوئی کہے۔ کہ یہ تیرے من کا کھیل ہے۔ تو وہ کیا مانیگا۔ یہی کہیگا۔ کہ ہاتھی میرے من میں نہیں۔ مجھ سے باہر کی کوئی چیز ہے۔ اسی طرح بیداری میں جن اشیا کو تم باہر سمجھے ہوئے ہو وہ باہر نہیں ہیں۔ سب تمہارے گیان کے اندر ہیں۔ گیان اس چھ فٹ کے قالب عنصری سے محدود چیز نہیں ہے۔ بلکہ لامحدود شئے ہے۔ اندر اور باہر کا جو خیال بار بار تمہیں ستاتا ہے۔ وہ اس جسم کے لحاظ سے ہے۔ تم جسم نہیں ہو۔ گیان سروپ آتما ہو۔ اور اس گیان سروپ آتما میں دنیا کی ودیا بھان ہے۔ جس کو ہم شرح و بسط سے اوپر ثابت کر آئے ہیں۔ پس جس دنیا کا تمہیں گیان ہے وہ تمہارے اندر ہے۔ باہر ہوتی تو اس کے گیان کا امکان نہ ہوتا +

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ ہماری ہستی ایک لازمی اور لابدی شئے ہے۔ کیونکہ اس کی شہادت سویم جیوتی سروپ گیان سے ملتی ہے۔ اور یہ ایسی ہستی ہے کہ ہٹائے نہیں ہٹتی۔ ثابت و قایم ہے۔ ثابت و قائم ہوتی چلی آئی اور ثابت و قائم رہیگی نیز یہ ہستی جڑ مادے کی نہیں ہے۔ بلکہ نوری یا گیان روپ ہے۔ اس گیان میں نام اور صورتوں کی نیرنگیاں بھی نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ ثابت و قائم نہیں۔ بلکہ آتی جاتی ہیں۔ ان کا حال بعینہ سراب کی نیرنگیوں یا خواب کے نقشوں کا سا ہے۔ کہ کبھی مجھ گیان کے سمندر میں ابھرتے ہیں کبھی غائب ہو جاتے ہیں۔ چونکہ انہیں ایک حال پر قرار نہیں۔ یعنی کبھی ہیں کبھی نہیں۔ اس وجہ سے ان کی ہستی میری ہستی کی اسی طرح تابع ہے۔ جس طرح خواب بین کی ہستی کی تابع خواب کی صورتیں ہیں۔ یہی دلیل ہر ایک گیان والے جیو پر عائد ہے +

فلسفے پر بھی دھریوں کی طرح کرنت ہانی اور اکرت آگم کا نقص عائد حال ہوتا ہے۔ یعنی جو کام کئے ہیں۔ ان کا ثمرہ نہ ملنا اور جو نہیں کئے ہیں۔ ان کا اثر گلے پڑنا۔ یہ نقص یگیان کی دھارہ پر بھی عائد ہے اور مرکر کچھ نہ رہنے پر بھی ÷

یہاں معترض یہ اعتراض اٹھا سکتا ہے۔ کہ جب اپنی ہستی کے ثبوت میں اپنے گیان کی شہادت کو سب سے بڑھ کر شمار کرتے ہو تو دنیائے خارجی کا گیان بھی تو اسی "میں ہوں" کے گیان کے ساتھ ہے۔ اپنی ہستی کی طرح دنیائے خارجی کی ہستی بھی اُسی گیان کی شہادت پر کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں ویدانت کو کب انکار ہے۔ گیان میں جو شئے آئیگی۔ گیان کی شہادت پر اس کی ہستی کیوں تسلیم نہیں کیجائیگی۔ مثلاً میں خواب دیکھ رہا ہوں اور خواب کا ہاتھی میرے سامنے کھڑا ہے۔ اس حالت خواب میں کوئی شخص مجھ سے یہ بات کہے کہ ہاتی نہیں ہے۔ تو بھلا میں اُس شخص کی بات کب مان سکتا ہوں یہی کہے جاؤنگا کہ ہاتھی سامنے کھڑا ہے کیوں نہیں ہے برابر ہے۔ لیکن واقع میں کیا صورت ہے۔ ہاتھی کی ہستی مجھ خواب دیکھنے والے کی ہستی پر موقوف ہے۔ جب تک وہ ہاتھی گیان کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ گیان اپنی ہستی اُسے مستعار دے رہا ہے۔ جہاں وہ گیان کی روشنی سے ہٹا اور ندارد ہے۔ یہاں خواب بین کی ہستی وجود واقعی ہے یعنی تینوں زمانوں میں ماضی حال اور مستقبل میں ایک رس یا غیر متبدّل ہے۔ خواب کی صورتوں کی ہستی یا بود محض نمودی ہے۔ یعنی جب تک گیان میں یہ صورتیں ہیں۔ اس وقت تک ہست ہیں۔ جہاں گیان کی حد سے باہر گئیں اور نیست ہوگئیں۔ وجود واقعی کو جو تینوں زمانوں میں ایک حالت پر قائم رہے پارمارتھک ستّا کہتے ہیں۔ اور بود نمودی کو پراتی بھاسک ستّا ÷

بعینہ یہی حال بیداری کا ہے۔ دنیا گیان میں ہے۔ اور گیان نے اپنی ہستی اس کو مستعار دے رکھی ہے۔ کون انکار کرتا ہے کہ آنکھوں

سوچنا محال ہے۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ جسم مرگیا ہے اور چتا پر جل رہا ہے۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہمارے حواسوں میں سے ایک بھی نہیں رہا سب جاتے رہے۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ چنچل خیالات پیدا کرنے والا من نہیں رہا۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ نشچے آتمک شانت سبھاؤ بدھی نہیں رہی۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ کارن شریر یعنی خواب غفلت کی حالت بھی نہیں رہی۔ غرض ہر ایک حالت کو۔ ہر ایک قابل تغیّر حالت کو ہم سوچ سکتے ہیں کہ نہیں رہی۔ ہاں۔ نہیں سوچ سکتے تو یہ نہیں سوچ سکتے کہ ہم نہیں رہے۔ فنا ہو گئے۔ جس جس قابل تغیّر حالت کی فنا ہم سوچ سکتے ہیں۔ اس کے سوچنے والے اس کے دیکھنے والے ہم جوں کے توں کھڑے دیکھتے رہتے ہیں۔ گیان یا علم کی فنا سوچے نہیں سوچی جاتی +

پس علم یا گیان کی روشنی کو لیکر ہم جس انتہائی مرحلے پر پہنچتے ہیں۔ وہ نیستی عدم یا شونیہ نہیں بلکہ ہستی ہے۔ اور ہر کا ثبوت اپنے علم۔ گیان یا کانشس نس پر مبنی ہے۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ میں ہست کیوں ہوں۔ اس کا جواب وہی پرانا ڈے کارٹ کا فقرہ ہے۔ کوجیٹو ارگو سم۔ یعنی میں سوچتا ہوں۔ اس وجہ سے ہست ہوں۔ اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ سوچنا یعنی علم۔ کانشس نس یا گیان ہونا میری ہستی کی کافی دلیل ہے۔ گیان کی یہ شہادت کہ میں ہوں کافی شہادت ہے۔ اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ بس بگیان وادی نے بڑا دھوکا کھایا ہے جو گیان کو ناشوان مانا ہے۔ اوپر کی دلیل بھی اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ اور اور دلیلیں بھی بہتیری پیش کی جا سکتی ہیں۔ اوّل تو یہی ہے کہ اگر بگیان دھارا دمبدم بدلتی رہتی ہے۔ تو کسی آدمی کی شخصیت قائم نہیں رہ سکتی۔ حافظہ امر محال ہو جائیگا۔ اور کوئی کام سرانجام نہیں ہو سکیگا۔ کیونکہ کام کا شروع کرنے والا بگیان اور ہے اور اس کو خاتمے پر پہنچانے والا اور۔ آغاز و انجام دونوں میں رشتہ تعلق قائم رکھنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرے اس

نہ دنیا کچھ شے ہے۔ نہ جیو کچھ شے ہے نہ ایشور کچھ شے ہے۔ مرکر کچھ نہیں رہتا بالکل نابستی یا عدم ہے۔ جسے شونیہ کہتے ہیں۔ بگیان وادی اسی نتیجے پر پہنچا ہے اور انگلستان کا مشہور فلسفی ہیوم بھی اپنی تحقیق سے یہیں آیا ہے +

یہ گہرا فلسفہ ہے جو آج سے ڈھائی ہزار برس سے کیا ہندوستان اور کیا فرنگستان دونوں میں سوچنے سمجھنے والوں کا دل بہاتا رہا ہے۔ اس میں صداقت بھی ہے اور مغالطہ بھی ہے۔ ہمیں صداقت کو اختیار کر لینا چاہئے اور مغالطہ آئینے کی طرح صاف کر کے دکھا دینا چاہئے۔ صداقت اس میں یہ ہے۔ کہ دنیا خارجی نہیں ہے۔ جس دنیا کا ہمیں علم ہے۔ وہ ہمارے اندر ہے باہر نہیں۔ اور مغالطہ اس میں یہ ہے کہ یہ فلسفہ گیان یعنی علم کو متبدل اور فنا ہونے والا مانتا ہے۔ حالانکہ گیان ناش ہونے والی چیز نہیں ہے۔ ناش وہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جو گیان کے سمندر میں اُبھرتی ہیں۔ ناش وہ صورتیں ہوتی ہیں۔ جو گیان کی آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔ اور پھر اوجھل ہو جاتی ہیں۔ گیان جوں کا توں رہتا ہے۔ اس کی روشنی نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔ وہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک رہیگا۔ گیان میں نہ تبدیلی ہے نہ گیان کو فنا ہے۔ بس یہی بگیان وادی نے دھوکا کھایا ہے۔ کہ گیان کو پیدا ہونے والا اور مرنے والا مانا ہے +

میرے دوستو! دُور کیوں جاؤ خود اپنے تجربے کو لو۔ ایک دن تم پیدا ہوئے تھے۔ کچھ عرصے شیر خوار رہے۔ پھر لڑکے ہوئے۔ عنفوان شباب میں آئے۔ جوان ہوئے۔ ادھیڑ ہوئے۔ اب بوڑھے ہو۔ کتنی حالتیں بدلی ہیں۔ مگر کس کی؟ جسم کی وہ "میں ہوں" کا گیان روز پیدائش سے آج تک یوں ہی چلا آتا ہے۔ اُسے پیری کا ضعف نہیں ستاتا۔ کیا مرکر یہ خیال مٹتا جاتا رہیگا۔ جیسا بگیان وادی کہتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ سوچو پھر سوچو اور خوب سوچو کہ میں فنا یا نیست ہو گیا اور دیکھو گے کہ یہ

ہیں جو جو چیزیں آدے یعنی طلوع ہونگی۔ وہ ہمارے من کے کپڑے پہنکر اور ہمارے من کے رنگ سے رنگدار ہوکر آدے ہونگے۔ اگر ہم سے باہر کوئی دنیا ہے تو ہو۔ اس کا علم ہمارے امکان میں نہیں +

پس جس دنیا کو ہم نے خارجی تسلیم کر رکھا ہے وہ داخلی ہے۔ جسے ہم اپنے سے باہر مان رہے ہیں وہ ہمارے من کے اندر ہے۔ یہ بات ایسی اظہر من الشمس ہے کہ بودھوں نے ہی اِسے نہیں مانا ہے بلکہ آجکل کے یورپ کے فلسفی اور طبیعی سب تسلیم کرتے ہیں۔ اگر پوچھو کہ باہر بھی کوئی دنیا ہے یا نہیں۔ تو ہم اس کے جواب دینے سے بالکل قاصر ہیں۔ کیونکہ خارجی دنیا اگر کوئی شئے ہے۔ تو نہ ہم اُسے جانتے ہیں۔ نہ جان سکتے ہیں۔ جس علم کی بنیاد پر دنیا کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ علم ہمیں صرف اس نتیجے پر پہنچاتا ہے۔ کہ دنیا ہماری کیفیات نفس کی بنی ہوئی ہے۔ ہم سے باہر نہیں ہے +

کیفیات نفس کا نام بودھ فلسفی بگیان رکھتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ دنیا اس بگیان سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے۔ بگیان کی دہار رہی ہے جو کچھ ہے۔ یہ دھار دو طرح کی ہے ایک تو پربرتی بگیان اور دوسری آلے بگیان پربرتی بگیان سے مراد اُن مرتیوں یا کیفیات نفس سے ہے۔ جو پیدا ہوتی اور مٹتی رہتی ہیں۔ مثلاً مکان۔ آدمی۔ جانور وغیرہ وغیرہ کا علم ہونا اور پھر لمحہ دو لمحہ کے بعد اس علم کا جاتے رہنا۔ آلے بگیان میں انانیت یا "میں ہوں" کا خیال داخل ہے جو نابمرگ قائم رہتا ہے۔ اس بگیان کی دھار کو یوں سمجھو۔ جیسے دریا کا بہاؤ ہے۔ دریا بے شک بہا چلا جاتا ہے اور ایک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جس جس نقطے کو تو دیکھے وہاں ہر لمحہ نیا پانی ہوگا اور پہلا پانی آگے بہ گیا ہوگا۔ غرض جو کچھ ہے یہ بگیان کی دھار ہے۔ جب تک ہم جیتے رہتے ہیں یہ بگیان دھارا دمبدم تبدیل ہوتی ہوئی جاری رہتی ہے۔ جب ہم مرجاتے ہیں۔ یہ دھار یعنی آلے بگیان نشٹ ہوجاتا ہے۔

ہیں۔ زبان سے چکھتے ہیں اور ناک سے سونگھتے ہیں۔ جس شے کا وجود اس طرح کے علم سے ثابت ہے۔ اُسی کو ہست کہا جاتا ہے۔ جو شے احاطۂ علم سے باہر ہے اس کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ غرض دنیا کے وجود کے ثبوت کا بار جب اور جہاں آکر پڑیگا۔ حواسوں کے علم پر پڑیگا۔

یاد رہے کہ انومان یعنی دلیل عقلی۔ اُپمان یعنی دلیل تشبیہی۔ شبد پرمان یعنی سند کتب یا اقوال بزرگان وغیرہ وغیرہ سب پرمان یا آلات ثبوت علم حواس پر مبنی ہیں۔ اگر حواسوں کا علم بنیادی پتھر نہ مانا جائے تو ایک پرمان بھی نہیں چل سکتا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ علم تو ہمیں بے شک ہوتا ہے۔ لیکن جن اشیا کا علم ہوتا ہے۔ وہ اشیاے خارجی ہیں۔ یا محض اپنی ہی کیفیات نفس۔ من کی برتیاں یا مائنڈ کی حالتیں۔ آؤ دیکھیں تجربہ اور دلیل ہمیں کس نتیجے پر پہنچاتی ہے۔ شیرخوار بچوں کو سب نے دیکھا ہوگا۔ جن کی عمر کچھ دنوں یا ہفتوں کی ہے۔ اور یہ بھی دیکھا ہوگا کہ وہ چاند کے پکڑنے کو ہاتھ چلایا کرتے ہیں۔ بھلا چاند اتنی دور اور چارپائی پر پڑے پڑے اس کے پکڑنے کو ہاتھ چلانا۔ اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ جس شے کو بچہ دیکھ رہا ہے۔ وہ فاصلے کا چاند نہیں ہے۔ بلکہ وہ تصویر ہے جو اس کی آنکھ میں بنی ہے۔ بعد بعیدی و قریبی کے تجربات بچے کو عرصے بعد ہوا کرتے ہیں۔ آنکھ میں شے کی تصویر بنتی ہے اور ہر ایک شخص کے لئے معلومہ شے وہی تصویر ہے۔ نہ کہ کوئی خارجی شے۔ اسی طرح اور حواس کے معلومات کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آنکھ کی طرح اور حواس کے معلومات تصاویر بنتی ہیں۔ میرے کہنے کا مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ مان لیا حواس کو تحریک باہر سے ہوئی۔ لیکن جس شے کا علم ہمیں ہوتا ہے۔ وہ ہمارے من کی برتی یا نفس کی کیفیت ہے۔ باہر کی کوئی شے نہیں ہے۔ باہر کی شے کا علم ہمارے احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ ہمارے گیان

اور انگریزی میں بھی میکس میولر کے سلسلۂ کتب میں ترجمہ چھپا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ فلسفیانہ نظر سے اس سے بہتر کتاب دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور شنکر آچاریہ سے بڑھکر فلسفے میں کسی کی نظر نہیں ہے۔ ساتھ ہی طرز بیان ایسا دل کش اور صاف ہے اور دلائل عقلی ایسی دل کی پکڑنے والی ہیں۔ کہ جو اس کتاب کو پڑھتا ہے۔ اُس کی محنت ٹھکانے لگتی ہے اور برہم ودیا میں عبور حاصل ہو جاتا ہے +

غرض استدلال عقلی کی روشنی میں نہ مادّہ پرست کے مادّے کا وجود قائم رہتا ہے۔ نہ خدا پرست کے تین وجود یعنی خدا۔ ارواح اور مادّہ قایم رہتے ہیں۔ نہ ایشور وادیوں کا مادّہ اور ارواح قایم رہتی ہیں۔ بودھوں کا فلسفہ اور باقی رہ گیا۔ آؤ اس پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ یہ بگیان وادی یعنی آئڈلیسٹ ہیں۔ بگیان وادیا آئڈیلزم ہندوستان میں ڈھائی ہزار سال سے رائج ہے۔ قدیم یونان میں بھی بعض نامی حکما کا بھی مذہب تھا۔ جرمنی میں بہت سے فلسفی اس کے معتقد ملتے ہیں اور انگریزوں میں لوک۔ بارکلے اور ہیوم اس کے پیروکار ہیں۔ غرض یہ بھی دنیا کے بڑے نظامہائے فلسفہ میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن جس مکمل صورت میں ہندوستان میں بودھوں کے ہاں ملتا ہے۔ ویسی مکمل صورت دنیا کے اور کسی ملک میں نہیں پائی جاتی۔ اس کے پیروکاروں کو چھنک بگیان وادی کہتے ہیں۔ اور اس کا کمال شونیہ واد ہے۔ جس میں فقط نیستی یا عدم کو مانا گیا ہے۔ وجود کے تسلیم کرنے سے انکار محض ہے +

بگیان وادی کہتا ہے۔ کہ جس دنیا کو تم خارجی اور سچی سمجھ رہے ہو وہ نہ خارجی ہے نہ واقع میں وجود رکھتی ہے۔ تم سے کوئی پوچھے کہ دنیائے خارجی کا ثبوت تمہارے پاس کیا ہے۔ تو اس کا جواب صرف یہی دے سکتے ہو۔ کہ ہمیں حواسوں کے ذریعے سے اس کا علم حاصل ہے۔ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کانوں سے سنتے ہیں۔ جلد سے چھوتے

سے حالت حرکت کا اختیار ہو جانا قرین قیاس نہیں۔ پھر یہاں بھی مادّہ پرست کی نزدیک کی طرح وہی سوال اٹھتا ہے۔ کہ کائنات میں جو ترتیب انتظام اور خوبی و خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ یہ سب بے جان اندھے مادّے کا کام کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس پردہ چیتن کی ضرورت پڑتی ہے۔ پڑتی ہے۔ پس سانکھیہ کا یہ مان لینا کہ مادّہ ارتقائی صورتیں خود بخود اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ دلیل کے سامنے نہیں ٹھیر سکتا ⁂

یہ تو پرکرتی کا حال ہوا۔ اب لاانتہا پرشوں کو لیجئے۔ سوال یہ ہے کہ موکش وشا یعنی حالت نجات میں جب پرش تمام وہم کو ترک کر کے فقط گیان سروپ رہ جاتے ہیں۔ تو ایک پرش کو دوسرے پرش سے تمیز کرنے والی کون سی چیز رہی۔ کیونکہ اس وقت محض گیان روپ پرش کے سامنے پرکرتی کے تماشے بھی نہیں۔ اور وہ گیان کے ایک رس ہونے کی وجہ سے دیش کال کارنتا یعنی زمان و مکان و علت تینوں قیود سے بری ہے۔ یہی چیزیں بندھ کی حالت میں ایک پرش کو دوسرے سے ممیز کرتی تھیں۔ موکش کی حالت میں چونکہ یہ قیود پرش کے واسطے نہیں ہیں۔ اور گیان روپ ہونے کی وجہ سے سب پرش ایک رس ہیں۔ اس وجہ سے اس مسئلے کا کیا حشر ہوا کہ پرش لاانتہا ہیں۔ گیان ایک رس ہونے کے باعث پرش لاانتہا نہیں رہینگے۔ بلکہ ایک پرش یا آتما ہو جائینگے۔ جس طرح ویدانت میں مانا گیا ہے ⁂

برہم سوتر کے دوسرے ادھیائے کے پہلے پاد میں بھگوت پوجیہ پاد شری شنکر آچاریہ نے نہایت لیاقت سے سانکھیہ کا کھنڈن کیا ہے۔ اور اسی ادھیائے میں اور نظامہائے فلسفہ کا کھنڈن بھی اُسی لیاقت اور فلسفیانہ منتہی النظری کے ساتھ ہے۔ جو طبائع فلسفیانہ بحثوں کی شائق ہیں۔ اُن کے لئے جیسا اس متبرک کتاب کا پڑھنا فائدہ بخش ثابت ہوتا ہے اور کسی کتاب کا نہیں۔ سنسکرت میں اس کے کئی عمدہ عمدہ ٹیکے چھپ گئے ہیں۔ ہندی میں کئی ترجمے ملتے ہیں۔

میں تبدیلیاں ہورہی ہیں اور میں ہر ایک کام کر رہا ہوں - اس وجہ سے دکھی ہے - حالانکہ وہ بالکل اکرتا اور اپنی ماہیت سے سدا مکت سروپ ہے - سچے شاستر یعنی سانکھیہ کو پڑھ کر اس کا وہم دور ہو جاتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ تبدیلیاں تمام پرکرتی کی ہیں - میں گیان سروپ اور اکرتا ہوں - اس سے تمام وہمیہ دکھ دور ہو جاتے ہیں اور وہ موکش پد کو پہنچ جاتا ہے +

اس طرح سانکھیہ والے دو وجود مانتے ہیں - یعنی پرکرتی اور پرش اور ان کے فلسفے میں یہ دونوں ہست ہیں - پرش کیول گیان روپ ہے - اور پرکرتی یعنی مادّے میں ارتقائی تبدیلیاں ہو کر کائنات بنتی ہے - یہی آج کل کی ایولیوشن تھیوری ہے - جسے مغرب کے سائنسدان مانتے ہیں - لیکن جو ہمارے ہاں ہزاروں برس سے رائج ہے - اور ایسی مکمل صورت میں کہ شاید فرنگستانی مسئلہ ارتقا کو وہ بات ابھی صدیوں تک بھی میسر نہیں ہوگی - اس کی وجہ یہ ہے - کہ اہل فرنگ اپنے گمان میں پرش یعنی روح کو بھی مادّے ہی کی ارتقائی صورت سمجھے بیٹھے ہیں - حالانکہ پرش گیان سروپ ہونے کی وجہ سے مادّے کا ارتقا کبھی نہیں ہو سکتا - جڑ اور چیتن میں بعد المشرقین ہے +

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا وجود واقع میں دو ہیں یعنی مادّہ جس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور ارواح جو بالکل غیر متبدل ہیں یا ان میں سے بھی ایک حک ہو کر صرف وحدت وجود قائم رہتی ہے - جسے ویدانت مانتا ہے - آؤ دیکھنا شروع کریں - سانکھیہ والا مادّے کا وجود واقعی مانتا ہے اور تمام تبدیلیاں اس میں بتاتا ہے - اس سے پوچھنا چاہیئے کہ جب مادّہ اپنی ہیئت اصلی میں ہے - مثلاً اسوقت جب پرلے ہو جاتی ہے - تو کائنات کی رچنا کے واسطے اس میں پہلی تبدیلی یعنی مہت یا بدھی کی شکل اختیار کرنی کس باعث سے عمل میں آتی ہے - کون اسے مجبور کرتا ہے کہ تو شکل بدل - خود بخود حالت سکون

تماشائی ہے اور ان تماشوں کا مزا بھی لینا ہے۔ اور مزے لے چکتا ہے تو مکت بھی ہو جاتا ہے۔ پرکرتی پرش کے بھوگ اور موکش کے لئے ہی سب تماشے کر رہی ہے اور صورتیں بدل رہی ہے +

چونکہ کام تمام پرکرتی کرتی ہے اور پرش محض بھوگتا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے ہاں ایشور کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ایشور کو جڑ ماننا لاحاصل ہے۔ جڑ پرکرتی کام کرنے کو موجود ہے۔ اور ایشور کو پرشوں کی طرح گیان سروپ مانا تو وہ محض بھوگتا ٹھیریگا۔ کچھ کام کریگا نہیں۔ پس ایشور کا ماننا جڑ مول سے ہی لاحاصل ہے۔ پرکرتی اور پرش سے ہی تمام نظام عالم مہیا ہو سکتا ہے۔ تم کہتے ہو۔ مادّہ۔ ارواح اور ایشور تینوں وجود اپنے علیحدہ علیحدہ ہستی رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ ایک دوسرے کے محتاج نہیں تو مل کر کام کس طرح کرتے ہیں تجربے سے ثابت ہے کہ جہاں کئی شخصیتیں مل کر کام کرتی ہیں۔ انہیں کام میں لگانے والی قوت سے علیحدہ کوئی ضرور ہونی چاہیئے۔ مثلاً مکان بنتا ہے۔ تو اس میں راج۔ مزدور۔ بڑھئی وغیرہ بہت سی شخصیتیں کام کرتی ہیں۔ ان سب سے علیحدہ مکان بنوانے والا کوئی اور شخص درکار ہے۔ جو ان سب کو کام میں لگائے۔ تمہارا صانع ایشور یا خدا۔ تمہارے کام کرنے والے بے شمار جیو اور تمہارا مصالح یعنی مادّہ تینوں جدا جدا چیزیں ہیں۔ انہیں بھی ایک چوتھی شخصیت کی ضرورت ہے۔ جو تینوں سے کام لے۔ اس باعث سے کام کرنے والی ایک چیز ماننی پڑیگی۔ تین تین خلاف قیاس ہیں۔ وہ ایک چیز پرکرتی ہے۔ کیونکہ پرش گیان سروپ ہونے کی وجہ سے کچھ کام نہیں کر سکتا۔ پرکرتی بدّھی۔ اہنکار۔ تن ماتراؤں وغیرہ کی صورت اختیار کرتی ہے۔ اور اسی سے دنیا کی سب چیزیں بنتی ہیں۔ یہ پرکرتی ویدانت کی مایا کی طرح وہمیہ نہیں ہے۔ بلکہ واقعی ہست شے ہے۔ تبدیلیاں سب اس میں ہوتی ہیں۔ لیکن پرش دھوکے یا غلطی سے یہ سمجھ رہا ہے کہ میری ذات

نئی نئی شکلیں اختیار کرتا ہے۔ جس طرح دودھ کا خاص اسباب اور شرائط کی موجودگی میں وہی بن جاتا ہے۔ وہی کوئی چیز نہیں ہے۔ کہ پہلے نہ تھی اور اب پیدا ہو گئی یعنی عدم سے وجود میں آئی۔ بلکہ خاص شرائط کے پورا ہونے پر دودھ نے ہی دہی کی شکل اختیار کر لی ہے +

جیو کی نسبت بھی تمہارا خیال غلط ہے۔ جیو کوئی جڑ چیز نہیں ہے۔ جس میں من کے سمبندھ سے گیان کا خاصہ اس طرح پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح رنگ کے سمبندھ سے کپڑا رنگدار ہو گیا۔ تم چیتنیا یعنی گیان یا علم کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ گیان کوئی پیدا اور ناش ہونے والی چیز نہیں وہ سدا ایک رس اور قائم بالذات ہے۔ ہاں گیان میں جو چیزیں اُدے یعنی ظہور پذیر ہوتی ہیں وہ بے شک آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ ان معلوم چیزوں کے ہونے یا نہ ہونے کا نام تم نے گیان رکھ لیا ہے۔ اور کہتے ہو کہ گیان پیدا ہوتا اور ناش ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ گیان کا چراغ پر نور جوں کا توں روشن رہتا ہے۔ اور اس کی روشنی میں چیزیں آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ پس جس کو تم نے جیو کہا ہے۔ اس میں من کے سمبندھ سے گیان کا خاصہ نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ وہ سروپ سے یعنی اپنی ماہیت سے ہی پرکاش روپ ہے۔ یہ جیو یا پرش بے شک بے شمار ہیں۔ کیونکہ بعض مکت ہو گئے ہیں۔ بعض اب تک بندھن گرفتار ہیں۔ اور پرکرتی کے تماشے دیکھ رہے ہیں +

اس طرح دو وجود قائم بالذات ٹھیرتے ہیں ایک مادہ یا پرکرتی جو ادنقلابا پرنیام سے طرح طرح کی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اور دوسرے اننت یعنی بیشمار پرش جو گیان سروپ ہیں۔ پرش چونکہ محض گیان سروپ ہیں۔ اس باعث سے بھوگتا ضرور ہیں یعنی پرکرتی کی بدلتی ہوئی صورتوں کے گیان سے متاثر ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن کرتا یعنی کام کرنے والے نہیں ہیں۔ کیونکہ محض گیان یا علم کام کیا کر سکتا ہے۔ کام تمام پرکرتی کرتی ہے۔ جتنی تبدیلی ہے۔ سب اس میں ہوتی ہے۔ پرش

دور دل سے کرو خیالِ خودی　تم کو کیوں حرصِ خود پسندی ہے
سرکشوں کی جناب باری میں　مفسدوں کی طرح سے بندی ہے
سرکشی بھول کر نہ کرنا مہر　نوکری ہے کہ بھائی بندی ہے

یہاں سا مکھیہ کا قدم درمیان میں آتا ہے اور وہ پوچھتا ہے۔ کہ یہ پرمانو یا اجزائے لا یتجزّٰی جن کا وجود تم مانتے ہو۔ حقیقت میں کوئی چیز ہیں بھی یا فقط تمہارا من گھڑت ڈھکوسلا ہے۔ اوّل تو تمہارا یہ کہنا ہی ٹھیک نہیں کہ پرمانو تو قائم بالذات ہیں یعنی ہست ہیں اور ان کی مختلف ترکیبوں سے چیزیں "پیدا" ہوتی ہیں۔ مثلاً پرمانوؤں کی ایک طرح کی ترکیب سے پہاڑ بنے۔ دوسری طرح کی ترتیب سے درخت بنے۔ تیسری طرح کی ترکیب یا ترتیب سے کوئی اور چیز بنی۔ اس کے سیدھے معنی یہ ہوئے کہ پہلے اشیا نہیں تھیں اب ہیں۔ گویا عدم سے ہست ہوئیں۔ عدم سے ہستی محال اور خلاف قیاس ہے۔ اگر عدم سے ہستی ممکن ہو تو گدھے کے سینگوں میں سے جو اشیائے معدوم اور نیست ہیں آدمی اور جانور اور اور تمام چیزیں پیدا ہو جانی چاہئیں۔ جو محض لغو ہے۔

ہے علت و معلول میں یکسانیّت　معلول عدم ہے گر عدم ہے علّت
دنیا ہی کو ثابت نہ کیا اس نے مہر　جس نے اس کی کہی عدم سے خلقت

دوسرے پرمانوؤں کو اجزائے لا یتجزّٰی بتاتے ہو۔ اور اُن سے جو چیزیں بنتی ہیں۔ ان میں بدیہی طور سے اجزا نظر آتے ہیں۔ کیا تماشے کی بات ہے کہ علّت میں تو اجزا ہیں نہیں اور معلول میں ہیں۔ یہ اجزا آئے تو آئے کہاں سے۔ معلول میں تو وہی باتیں ہونی چاہئیں۔ جو علت میں ہیں۔ جیسے لوہے سے جو چیز بنیگی وہ لوہا ہی ہو گی۔ روئی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس مجزّی اشیائے دنیا کے اجزا تمہارے لا یتجزّٰی پرمانوؤں میں سے نہیں نکل سکتے۔ اس وجہ سے پرمانوؤں کا مسئلہ داناؤں کے ماننے کے لائق نہیں۔ بلکہ یوں ماننا چاہیئے۔ کہ مادّہ بالکل غیر مفروق ہے۔ اور وہ استغنائے یا ارتفا سے جسے سنسکرت میں پرتنام کہتے ہیں۔ اسی طرح

ہست ہیں۔ جب یہ ترکیب نہیں رہتی کہتے ہیں تنا ہوگئیں یعنی پرمانوؤں میں مل گئیں +

پرمانو ہی قائم بالذات چیزیں نہیں ہیں۔ کیونکہ ان جڑ پرمانوؤں کی چیزوں کے ساتھ دنیا میں ہم چیتن جیو بھی دیکھتے ہیں جو جڑ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ چیتن کے یہ معنے ہیں۔ کہ جیو میں من کے سمبندھ سے گیان کا خاصہ پیدا ہوتا ہے۔ جو جڑ چیزوں میں نہیں ہے۔ جیوا انتہا اور بے شمار ہیں۔ ان کا علم محدود ہے۔ مختلف طرح کے کرم کرتے ہیں اور اُن کے مختلف نتیجے یہاں اور لوک لوکانتروں میں بھوگتے ہیں۔ ان نتائج کا دینے والا۔ اور مادّے اور جیووں کو ملا کر کام لینے والا ایک ایشور بھی ماننا ضروری ہے۔ جو اس دنیا کو رچتا ہے۔ اس کی پالن کرتا ہے۔ اور جیوؤں کے بھوگ جب ختم ہوجاتے ہیں تو پرلے کرتا ہے۔ ایشور کے بغیر یہ دنیا نہ پیدا ہوسکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔ جیو الپگیہ ہے ایشور سروگیہ ہے۔ یعنی جیو کا علم محدود ہے اور ایشور کا لامحدود اور محیط کل۔ جیو کی طاقت یا شکتی محدود ہے اور ایشور سروشکتی مان ہے وغیرہ وغیرہ +

یہ تین وجودوں کے ماننے والوں کی داستان ہے۔ ان لوگوں کی رائے میں ایشور جیو اور مادّہ تینوں قائم بالذات ہیں یعنی اپنی ہستی میں کسی کے محتاج نہیں۔ ایشور صانع بے شک ہے۔ مگر خالق نہیں۔ نہ اس نے مادّہ اور جیو پیدا کئے ہیں۔ نہ انہیں فنا کر سکتا ہے۔ ہاں دونوں کو ملا کر جگت کی رچنا کرتا ہے۔ اور اس کی پالن کرتا ہے۔ جیو کو لازم ہے کہ ایشور کی طاعت و بندگی کرے۔ اس سے ایشور خوش ہوتا ہے۔ اور اسی میں جیو کا کلّیان یعنی سود و بہبود ہے +

اشعار

سنو اے بندگانِ حق میری ۔ بندگی سے ہی ارجمندی ہے
بندگی ہے جنابِ حق میں پسند ۔ سر جھکانے میں سربلندی ہے

کا کمال ہے۔ جس سے بڑھ کر نادانی اور جہالت نہیں ہو سکتی۔ پس مادیت کی جو تردید نیائے اور ویشیشک شاستروں نے کی ہے۔ وہ بجا اور درست ہے۔ فقط مادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مادے کے ساتھ چیتن کا ماننا بھی ضروری ہے۔

نیائے اور ویشیشک شاستر تثلیث وجود کے قائل ہیں یعنی تین وجود مانتے ہیں۔ مادہ۔ بے شمار ارواح یا جیو۔ اور ایشور یا خدا۔ اِن فلسفوں میں دلیل اس طرح چلتی ہے۔ کہ ہم اشیائے کائنات کی برابر تحلیل کرتے چلے جائیں تو آخر مادے کے ایسے اجزا پر پہنچ جائینگے۔ کہ اُن سے آگے تحلیل نہیں ہو سکیگی۔ اِن کو سنسکرت میں پرمانو کہتے ہیں۔ انگریزی میں ایٹم اور عربی میں اجزائے لا یتجزیٰ۔ آج کل کا علم کیمیا تحلیل مادہ کرتا کرتا جن عناصر پر پہنچتا ہے۔ اُن کی تعداد ستر اور اسّی کے بیچ میں بتائی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے شاستر والوں نے اس سے بہتر طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اشیا کا علم ہمیں حواس خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس تحلیل کرتے کرتے جن انتہائی عناصر پر ہم پہنچینگے۔ وہ ستر اسّی نہیں ہونگے۔ بلکہ قدرتاً ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کا علم یا تو کان کے ذریعے سے حاصل ہو یا جلد سے۔ یا آنکھ سے۔ یا زبان سے یا ناک سے۔ کان سے جس شے کا علم حاصل ہوتا ہے وہ آکاش ہے۔ جلد سے جس شے کا علم ہوتا ہے وہ ہوا ہے۔ آنکھ سے جس شے کا علم ہوتا ہے وہ اگنی یا آتش ہے۔ زبان سے جس شے کا علم ہوتا ہے وہ جل یا آب ہے اور ناک سے جس شے کا علم ہوتا ہے۔ وہ پرتھوی یا خاک ہے اس طرح سے کل عناصر پانچ ٹھیرتے ہیں۔ یعنی آکاش۔ ہوا۔ آگ۔ پانی اور خاک۔ کائنات کی جتنی چیزیں ہیں سب انہیں پانچ عناصر کے پرمانوؤں کی مختلف ترکیب و ترتیب کا نتیجہ ہیں ترکیب پانے سے پہلے ان اشیا کا ابھاو ہے یعنی یہ نیست ہیں۔ ترکیب پاکر ہست کہلاتی ہیں۔ جب تک یہ ترکیب قائم رہتی ہے یہ چیزیں بھی

بھی ہو اس طرح کام کر یگی اسی طرح کرۂ شمالی پر جو برف بنتی ہے یا زمین جو کشش ثقل سے آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے۔ یہاں بھی پس پردہ کوئی چیتن شکتی لازمی اور لابدی طور پر ماننی پڑیگی۔ اگر کہو کہ چیتن بھی جڑ ہی کا ایک ظہور ہے۔ تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ علم۔ کانشس نس یا گیان مادّے سے پیدا ہوتا ہے۔ قاعدہ کلیہ ہے۔ کہ معلول علت ہی کی بدلی ہوئی صورت ہوتی ہے۔ مثلاً سونے سے جو چیز انگوٹھی جھلا وغیرہ بنیگا وہ سونا ہی ہوگا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اگر گیان مادّے سے پیدا ہؤا ہے۔ تو مادّے کو چیتن ماننا پڑیگا۔ جو سراسر لغو ہے۔ یہ بحث "ویدک" کی دوسری کہانی میں آچکی ہے۔ اسواسطے یہاں اس پر زیادہ کہنا لاحاصل ہے +

مادّہ پرستوں پر ایک اور بڑا بھاری اعتراض عائد ہوتا ہے دنیائے مادّی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک فعل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مثلاً آگ میں ہاتھ ڈالو جلیگا اور ضرور جلیگا۔ یہی حال عقل و اخلاق کا ہے۔ عقلی اور اخلاقی افعال کا نتیجہ بھی لازمی ہے۔ اور روزمرّہ کا تجربہ اس کا شاہد ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مر کر بس آدمی کی مٹی میں مٹی مل گئی اور کچھ باقی نہیں رہا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اس کے تمام عقلی اعمال و افعال کا نتیجہ کیا ہؤا۔ کیونکہ آدمی کی عمر قلیل میں تمام افعال کا نتیجہ ظاہر ہونا ناممکن محض ہے اور پھر اس کا کیا باعث ہے کہ ایک بچّہ مریض پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا تندرست۔ ایک کے ساتھ پیدا ہوتے ہی عسرت حال ہے اور دوسرے کے ساتھ خوشحالی اور فراغبالی۔ اگر اس اختلاف کو کرموں کا نتیجہ نہ مانا جائے۔ تو اور کس شے کا نتیجہ ہے +

غرض جس پہلو سے نظر سے دیکھئے مادیت اور دہریت عقل کی روشنی میں نہیں ٹھیر سکتی۔ مادّہ پرست روح کی ماہیت نہیں سمجھے ہیں۔ جڑ اور چیتن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عالم اور معلوم میں بعد المشرقین ہے۔ ان میں ایک کو علت اور دوسرے کو معلول ٹھیرانا نادانی اور جہالت

سزا ہے۔ نہ ایشور ہے۔ یہ مادّے کا جگت ہمیشہ سے یوں ہی چلا آیا ہے اور ہمیشہ یوں ہی چلا جائیگا +

یہ چمن یوں ہی رہیگا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائینگے

اس واسطے آدمی کو بے خوف مرے سے زندگی گزارنی چاہیئے۔ سوسائٹی کے قواعد اور ضوابط کی پابندی بے شک لازمی ہے۔ لیکن مذہب یا جزا یا سزا کے خوف سے نہیں۔ بلکہ محض اس لحاظ سے کہ سب کے فائدے میں اپنا بھی فائدہ ہے۔ اگر سب لوگ قوانین سوسائٹی توڑنے لگیں تو دنیا میں زندگی محال ہو جائے +

اس قسم کی باتیں مادّہ پرست کیا کرتے ہیں۔ اور کمال افسوس سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ آجکل کے ترقّئے سائنس کے زمانے میں ان کی تعداد روز مرّہ بڑھتی جاتی ہے۔ اور بھی زیادہ قابل افسوس امر یہ ہے کہ آریہ ورت جیسی دھرم بھومی میں بھی یہ خیالات روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اس کا بہت کچھ باعث شاستر سے ناواقفیت ہے۔ مادّہ پرست سے پوچھنا چاہیئے۔ کیوں بھائی۔ یہ مکمل نظام اور انتظام دنیا میں کہاں سے آیا۔ مادّہ اندھا ہے اس میں علم کی روشنی نہیں۔ اگر دنیا میں صرف مادّہ ہی مادّہ ہے۔ تو اندھا مادّہ ہی چاروں طرف نظر آنا چاہیئے۔ اور اندھی قوتوں ہی کو یہاں کام کرنا چاہیئے جو کبھی اس مادّے کو ادھر دھکیل کر لیجائیں اور کبھی ادھر ریل کرلے جائیں۔ یہ مکمل قوانین جنہوں نے دنیا کو ایسا خوبصورت بنا رکھا ہے اور جو اس باقاعدگی سے کام کرتے ہیں۔ اندھے مادّے نے کیونکر پیدا کئے۔ یہ جواب قرین قیاس نہیں ہے۔ کہ دنیا ہمیشہ سے یوں ہی چلی آئی ہے۔ کیونکہ تجربہ اس کو غلط ثابت کرتا ہے کل برق بنا دیتی ہے اور انجن گاڑیوں کو سینکڑوں کوس کھینچ لے جاتا ہے بے شک دونوں جگہ مادّے میں مادّی قوتیں ہی کام کرتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ چیتن انسان ان دونوں سے کام لینے والا نہ ہو تو

خدا۔ ان میں سے نیائے اور ویشیشک شاستر تینوں کو قائم بالذات مانتے ہیں۔ یعنی خدا کی طرح مادّہ اور ارواح بھی اپنی ہستی میں کسی کے محتاج نہیں لیکن ارباب مذاہب مثلاً مسلمان اور عیسائی وغیرہ یہ مانتے ہیں کہ مادّے اور ارواح کو خدا خلق کرتا ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ لیکن یہ مادّہ اور ارواح ہیں سچی چیز ہیں۔ ویدانت کی طرح وہمیہ نہیں ہیں۔ ویدانت صرف ایک وجود کا قائل ہے۔ جو مادّہ پرستوں کا بے جان یعنی جڑ مادّہ نہیں ہے۔ بلکہ چیتن یعنی نوری ہے۔ ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ویدانت کا وحدت وجود کا مسئلہ قرین قیاس ہے۔ یا دہریوں کا مادّہ۔ یا سانکھیہ کے پرش اور پرکرتی یا نیائے کے ایشور جیو اور مادّہ وغیرہ وغیرہ +

اوّل مادّہ پرستوں یعنی دہریوں سے شروع کرو۔ ان کا مقولہ ہے کہ جو کچھ ہے مادّہ ہے۔ اشیائے مادّی میں تو مادّہ بدیہی طور سے نظر آتا ہی ہے۔ جن کو قوتیں کہا جاتا ہے۔ وہ بھی مادّے ہی کی لطیف صورتیں ہیں۔ اور جس کو روح بتایا جاتا ہے یعنی علم یا گیان کی شکتی وہ بھی مادّے ہی کی ایک صورت ہے۔ جس طرح گڑ کو لیتے ہیں۔ مٹکوں میں بھر کر دھوپ سے خمیر اٹھاتے ہیں۔ اور بعد میں کشید کر لیتے ہیں۔ تو اس میں ایک وصف نشہ پیدا کرنے کا آجاتا ہے۔ اسی طرح گوشت پوست استخواں خون اعصاب وغیرہ وغیرہ کی ترکیب سے نوع حیوانی میں ایک وصف گیان کا پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا نام روح رکھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ ترکیب مادّی ہی سے یہ وصف پیدا ہوا ہے اور جب اس میں یعنی ترکیب مادّی میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ تو یہ وصف جاتا رہتا ہے۔ مُردے میں کس نے گیان شکتی دیکھی ہے۔ اس واسطے روح یا خدا کو مادّے سے علیحدہ ماننا عقل گوارا نہیں کرتی۔ جب تک جسم کی ترکیب عناصر قائم ہے۔ گیان شکتی رہتی ہے۔ جب مٹّی میں مٹّی مل گئی۔ بات آئی گئی ہوئی۔ نہ لوک لوکانتر کوئی چیز ہے۔ نہ تناسخ کوئی شے ہے۔ نہ جزا و

کوشش یہ ہو گی۔ کہ استدلال عقلی سے تمہیں مسئلہ وحدت وجود سمجھاؤں +

دنیا میں جس طرف نظر ڈال کر دیکھئے غضب کی نیرنگی دکھائی دیتی ہے۔ زمین خلا اور آسمان کیا ہیں ایک طلسم خانہ ہے۔ جس میں اتنی چیزیں بھری پڑی ہیں کہ نہ اُن کا حساب ہو سکتا ہے نہ شمار۔ جتنا سوچتے جایئے اُتنی ہی حیرت ہوتی ہے۔ فلسفے کا کام ہے۔ کہ اس کثرت کو سمیٹ کر جماعت بندی کرے اور اشیاے مختلفہ کو بلحاظ یکسانیت جنسوں اور نوعوں میں منقسم کر دے۔ جتنی اجناس اور انواع کسی فلسفے میں کم ہونگی۔ اتنا ہی وہ فلسفہ اعلےٰ درجے کا شمار کیا جائیگا۔ کیونکہ اس میں اور نظامہاے فلسفی کی نسبت تجزیہ زیادہ بہتر ہو گی۔ عالم کثرت میں گو اشیا کی تعداد لامتناہی ہے۔ لیکن بلحاظ نوعیت ان کو جماعتوں میں تقسیم کیا جائے تو شاید مندرجہ ذیل سے زیادہ جماعتیں نہیں بنیگی۔ مادّہ جسے سنسکرت میں پرکرتی کہتے ہیں۔ قوتیں جو مادّے میں کام کرتی ہیں۔ انہیں سنسکرت میں شکتی یا پران کہتے ہیں۔ روح جسے سنسکرت میں چیتن یا جیو کہتے ہیں۔ اور خدا جسے ایشور کہتے ہیں۔ یہی چار وجود انتہائی ٹھہر سکتے ہیں اور پانچواں کوئی خیال میں نہیں آتا۔ اشیاے کائنات کی تحلیل کرتے چلے جائیں۔ تو انجام میں ہم اس نتیجے پر پہنچینگے کہ کچھ اشیا تو مادّے میں داخل ہیں۔ کچھ قوّتیں ہیں۔ کچھ ارواح ہیں۔ اور ایک شے کا نام ایشور ہے۔ فلسفے میں اکثر تین ہی جماعتوں سے بحث ہوتی ہے یعنی مادّہ۔ روح اور خدا۔ لیکن میں نے قوّت کو بھی لے لیا ہے۔ کیونکہ آج کل کے سائنس دان قوّت پر بہت اڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ چیتن کو بھی ایک طرح کی شکتی یا قوّت ہی مانتے ہیں +

مختلف نظامہاے فلسفہ میں ان چاروں جماعتوں میں سے مختلف تعداد مانی گئی ہے۔ مادّہ پرست یعنی دہریے صرف مادّے کا وجود مانتے ہیں۔ اہل دوئی یعنی سانکھیہ وغیرہ مادّے اور ارواح دو وجود مانتے ہیں۔ ارباب تثلیث تین وجودوں کے قائل ہیں۔ یعنی مادہ۔ روح اور

ہے۔ خواب بیں کی چشم بینا کی طرح ہیں دیکھنے والا ہوں۔ اور دیکھنے والے کو منظر سے زیان وسود کیا

سادھو یہ کہکر خاموش ہوا تو سوامی برہمانند نے کہا۔ مہاتماؤ! برہم مایا۔ ایشور اور جیو پر چار کہانیاں آپنے سنیں۔ اب آپ کی اجازت سے انہیں چاروں پر کچھ خیالات میں اپنے ظاہر کرتا ہوں +

سوامی برہمانند کی تیسری ویاکھیا

مسئلہ وحدت وجود پر فلسفیانہ نظر

معلول ہوا کرتا ہے عین علت
کونے کی بجز گل نہیں کچھ ماہیت
ناظر سے جدا نہیں ہے منظور اے ظہر
کثرت میں نظر آتی ہے ہر سو وحدت

دنیا میں ہے خواب کا قیام اور قعود
ہے ذات احد شاہد و مشہور و شہود
وحدت کثرت ہے ظہر کثرت وحدت
معبود ہے عبد۔ عبد خود ہے معبود

سادھو! شُرتی بھگوتی یعنی وید مقدس ایک ادوتیہ برہم کی تعلیم دیتا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہست صرف ایک ذات احد ہے۔ جس میں دوئی کی بو بھی نہیں چھو گئی۔ اسی کو وحدت وجود کہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ مسئلہ محض مانی ہوئی بات ہے۔ یا استدلال عقلی سے بھی فلسفہ اسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اگر یہ من گھڑت مسئلہ ہے تو ہرگز ہرگز داناؤں کے ماننے کے لائق نہیں ہے۔ ہاں اگر دلیل عقلی بھی ہمیں اسی نتیجے پر پہنچا دے تو ہٹ دھرمی سے اس کو نہ ماننا جہالت ہے۔ وسشٹ جی مہاراج کا مقولہ ہے کہ بادلیل بات بچے کی بھی تسلیم کرنی چاہیئے۔ اور بے دلیل بات برہما کی بھی نہیں ماننی چاہیئے۔ اس ویاکھیا میں میری

تم نے بھوگا وہ بے شک بے عدیل و بے نظیر ہے۔ کیونکہ برہم کے آنند کو کونسا آنند پہنچ سکتا ہے۔ لیکن سوچنے کی بڑی بات یہ ہے۔ کہ وہ شعلے اور آگ آپس میں کیا نسبت رکھتے ہیں۔ شعلہ آگ سے جدا چیز نہیں ہے۔ شعلے بھی آگ کہلاتے ہیں۔ من جو جیو ہے وہی برہم ہے۔ اور جو برہم ہے وہی جیو ہے۔ یہ شعلے اور آگ کی تشبیہ جیو اور برہم کے بارے میں اپنشدوں میں آئی ہے۔ اور حضرت مہر نے بھی باندھی ہے ۔

اشعار

مثال شمس ثوابت ہیں مطلع الانوار ہر اک نظام میں خلقت ہے بے حساب شمار		اور ان کے گرد ہیں اپنے نظام کے سیار کھلے کسی پہ نہیں کائنات کے اسرار
	ترا ظہور ہے سب میں یہ تیرے مظہر ہیں تو ڈھیر آگ کا ہے یہ تمام اخگر ہیں	کلام مہر جلد اول
بڑا ہو آتش سوزاں کا جس طرح انبار نہ ہو کروڑ کی گنتی نہ لاکھ کا ہو شمار		اور اس میں دمبدم اٹھتے ہوں بے شمار شرار اسیطرح سے تری ذات پاک میں اے یار
	ظہور کون و مکاں کی بھی رونمائی ہے نہ کہئے کون و مکاں شان کبریائی ہے	
شرار ہے اسی آتش کا مہر بھی یارب تری ہے اس کو شب روز تو لگی یارب		کہ دل سے دور نہیں تجھ سے وہ کبھی یا رب تجھی سے اس کو ہے امید بہتری یا رب
	تری جناب میں ہو گا بھی اس کو بار کبھی ملیگا تیری حضوری کا افتخار کبھی	کلام مہر جلد اول۔

میں نے اپنے خواب بشارت آمود کو اپنے واسطے ہدایت غیبی سمجھا۔ اور برہم اور جیو کی ایکتا پر بچار کرنا شروع کیا۔ جتنا بچار کرتا گیا۔ یہی سمجھ میں آیا۔ کہ جیو اور برہم دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ میں مایا سے موہا ہوا اپنے آپ کو جیو مان رہا ہوں۔ ورنہ مجھ نہ پہلے کبھی سندھ تھا۔ نہ اب ہے۔ یہ دنیا کا تماشہ میری نظر کے سامنے ہوتا ہے۔ لیکن اس سے میرا کیا حرج

جب بیگانوں سے کبھی بیگانگی کا ہو ظہور	یا کہ ہو کر اقربا کھینچے کوئی اپنے کو دور
یا کہ بالا بے وفائی سے پڑے جائے وفا	یا کہ منت کی جگہ ہونا سیاسی کا وفور
یا کہ تیرے یار ہوں اور تجھ سے عیاری کریں	اور تجھ کو ہو امید دوستی ملے ذی شعور
یا زن و دختر بسر شیرین کلامی کی بجائے	طعنہ و تشنیع سے پیش آئیں باعجب غرور
یا کہ اچھے کام سے بھی حاکم الٹا ہو خفا	یا سلوک نیک پر محکوم جب ہونا مجبور
یا کہ محنت کا نہ پھل تجھ کو ملے بیجا ئیں ور	یا منافع کی جگہ الٹا ضرر ہو بالضرور
یا کہ نیکی تو کرے اور ہو بدی اسکی جزا	اور سنگ رنج سے ہو شیشہ دل چور چور

چھوڑ یہ افکار باطل کنج تنہائی میں آ ترک کر عالم دوئی کا ملک یکتائی میں آ	کلام مہر جلد اول

اسی گوشۂ تنہائی میں تم بھی بیٹھو۔ اور دھیان جما کر سوچنا شروع کرو کہ جو تکلیفیں اُس بن میں تم نے دیکھیں۔ وہ سب دنیا کی تکلیفیں ہیں۔ جو جیووں کو پیش آتی ہیں۔ اپنی سمجھ کے مطابق ایک ایک کے معنے لگالو۔ ہاں غار کا نظارہ شرح طلب ہے۔ یہ اندھا کنواں گھر ہے۔ لٹکنے والا جیو ہے۔ شہد دنیا کا سُکھ ہے۔ جو طرح طرح کے دکھوں کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔ یہ مکھیوں کا کاٹنا ہے۔ بوسیدہ شاخ آدمی کی عمر ہے۔ جس کو سفید و سیاہ چوہے جو دن رات یعنی وقت ہیں کاٹ رہے ہیں۔ کاٹ چکتے ہیں۔ تو وہ دھم سے اژدہے کے منہ میں جاتا ہے جو موت ہے +

یہ تو جیو کا حال اس ستھول جگت میں ہے۔ جو باغ تم نے دیکھا وہ اوپر کے لوک یعنی سورگ وغیرہ ہیں۔ جن کے درجے بے شک مختلف ہیں۔ لیکن ہر ایک میں بھوگوں کا آنند بڑا ہے۔ ہاں وہ ایک فکر جو سب کی جان کو لگا ہؤا ہے یہ ہے کہ جب کرموں کا بھوگ ختم ہو جاتا ہے تو لوگ دھکے دے کر نکال دئے جاتے ہیں۔ اس لئے سورگ وغیرہ کا تمام آنند ہیچ و پوچ ہے اور داناؤں کیواسطے تمنا کرنے کی چیز نہیں +

آگ کا ڈھیر ستچدانند برہم ہے۔ اور لامتناہی شعلے جیو ہیں جو آنند

ہے خلاف یا ہمی باد مخالف اے عزیز — اور طوفان بلا سے کوئی بچ نکلا نہیں
ہر طرف خوف و خطر ہے ہر طرف بیم و ہراس — ساحل امید کا کوسوں پتا ملتا نہیں

ناخدا ہے موت بحر عالم بے بود پر
کس کو پہنچایا ہے اس نے منزل مقصود پر

یا یہ دنیا ہے گھنا جنگل پُر از خوف و خطر — چپّے چپّے میں ہے خطرہ گوشے گوشے میں ہے ڈر
کس کا کیجے اعتبار اور کس پہ کیجے اعتماد — دوست ٹھگ ہیں اور دشمن ہیں درندے جانور
کس سے دل اٹکائیے ہے جسکو دیکھو اہرمن — زن پدر مادر برادر خواہر و دختر پسر
جھاڑ اور جھنکاڑ کا بن ہے مہیب و ہولناک — اور اپنے ذہن میں غافل اُسے سمجھا ہے گھر
چشم بینا کیلئے آلام کی وہ گھن کی چھاؤں — ہر طرف ہے راستہ آتا نہیں مطلق نظر
ملتوں اور مذہبوں کی مختلف پگڈنڈیاں — باعث سرگشتگی ہیں الاماں والحذر
ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں حیرانی ہے سخت — اے ہجوم یاس ہم جائیں تو پھر جائیں کدھر

راستہ ملتا نہیں یاں کے سب ششدر رہے
اس گھنے بن میں مسافر کھپتے ہی اکثر رہے

میرے دل میں اُٹھتے رہتے ہیں بہت ایسے خیال — مجھکو دنیا ہے وبال اور اُسکے جھگڑے ہیں وبال
اپنے مطلب کا زمانہ ہے ہر اک ہے خود غرض — فارغ البال آدمی ہو یا کہ ہو وہ تنگ حال
دوست بن جاتے ہیں دشمن یار بن جاتے ہیں غیر — درمیاں آتا ہے جب حرفِ غرض اے نیک فال
زر زمین و زن نے کر رکھا ہے اک عالم تباہ — بیٹھتا ہے سوچنے کو کون یاں اپنا مآل
روز کے جھگڑے وہی اور روز کے قصے وہی — واہ ری دنیا عجب ہے تو عجائب تیری چال
دل شکستہ ہیں بہت خاطر شکستہ ہیں بہت — لیک دنیا کا نہیں نکلا طبیعت سے خیال
خوار پھرتے ہیں پئے دفع مضار و جذب نفع — گرچہ ہے نفع و ضرر دونوں کو آخر میں زوال

تجربے کی ہے صلا لیکن کوئی سنتا نہیں
چارۂ دل بستن ہو لاے کوچۂ دنیا نہیں

گم کردہ راہ لوگ سارے جیو ہیں۔ جو ٹکریں مارتے پھرتے ہیں۔ لیکن نکلنے کو راستہ نہیں پاتے۔ ہائے وائے کرتے پھرتے ہیں۔ دکھڑے روتے پھرتے ہیں۔ سخت عذاب میں رہتے ہیں۔ لیکن دنیا ہے کہ اس کو نہیں چھوڑتے۔ کیسی حیرت کا مقام ہے اور کیسی تعجب کی جگہ ہے۔ آدمی کو چاہئیے کہ دکھڑے رونے اور اپنی حالت زار پر رنج و افسوس کرنے کی بجائے ایکانت میں بیٹھ کر سوچا کرے کہ اس جہان ناپائیدار میں کیسی کیسی تکلیفیں ہیں۔ اور مجھے ان سے کیونکر رہائی مل سکتی ہے۔ نہ یہ کہ ہائے ہائے بھی کرتا رہے اور بدستور دنیا میں پھنسا بھی رہے۔ دنیا دکھ کا گھر ہے۔ اس میں کس کو کلام ہے۔ اکیلے بیٹھو اور سوچو۔ شاعر کہتا ہے *

مرحبا اے گوشۂ عزلت گزینی مرحبا	ہاں جزاک اللہ فی الدارین خیراً حبذا
تیرے جو احسان بے پایاں سرِ احقر پہ ہیں	منہ نہیں اتنا کہ اُن کا شکریہ کیجے ادا
جس طرح بچہ کوئی آپس کے جھگڑوں سے ہو تنگ	اور ڈر کر ہمنشینوں سے ہو گھر کو بھاگتا
میں نے پایا ہے پتے آرام جان مضطرب	تیرا کنج عافیت آغوش مادر سے سوا
یاں دل محزوں کو مل جاتی ہے جھگڑوں سے نجات	اور آجاتا ہے خاطر میں سکون و صبر سا
کنج تنہائی ہے کنج عافیت اے بوالہوس	کیوں اِدھر اور کیوں اُدھر تو ہے بھٹکتا پھرتا
اِس طرف سرگشتگی ہے اُس طرف آسودگی	یا اولے الابصار ہاں دع ماکدر خذ ما صفا

بحر عالم مہر اک بھر تلاطم خیز ہے
اور طوفان حوادث اُس میں شور انگیز ہے

بحر کی تشبیہ دنیا کے لئے بیجا نہیں	کشتئ عمر رواں کو یاں قیام اصلا نہیں
آدمی بحری مسافر ہیں اور اُن کا ارتباط	کچھ ندی اور ناؤ کے سنجوگ سے اچھا نہیں
کس سے کیجے دوستی اور کس سے کیجے دشمنی	ایک دم کا بھی بھروسا لائے دل اتنا نہیں
موج زن ہے ہر طرف آب روان زندگی	وار کیا اور پار کیا کوئی کنارا اس کا نہیں
رو رو کے جھگڑے ہیں جیسے بیشمار و بیحساب	صرصر آلام یاں کس وقت شور افزا نہیں

جواب دیا۔ کہ اُچک کر باہر نکل آنے کی نہ ہمت ہے نہ طاقت ہے۔ ہمیں اس مٹھاس میں مزا آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تکلیف بھی ہے مگر فکر معقول بفرما گل بے خار کجا ست۔ یہ مصرع وہ ختم نہ کرنے پایا تھا۔ کہ چوہوں نے شاخ کاٹ دی اور وہ دھم سے غار میں گرا۔ گرنا تھا اور اژدہا اُسے فوراً ڈس گیا +

میرے دل پر ایسا خوف طاری ہُوا کہ فوراً آنکھ کھل گئی۔ چونکہ رات کو دیر کر کے سویا تھا۔ اب صبح کی روشنی نمودار ہو گئی تھی۔ میں یک مرتبہ ہی ہڑبڑا اور گھبرا کر اٹھا کہ کیا حیرت افزا خواب دیکھا ہے۔ رہ رہ کر خیال ہوتا تھا۔ کہ وہ آگ کا ڈھیر اور اس کے لامتناہی شعلے۔ وہ دلفزا باغ اور اس کے خوش رہنے والے آدمی۔ وہ دل خراش بن اور اس میں گم کردہ راہ آدمی وہ گہرے کھڈ اور ان میں لٹکنے والے بدبخت کون تھے۔ میں جتنا زیادہ سوچتا گیا اتنی ہی زیادہ حیرت دل پر طاری ہوتی گئی اور اس خواب کا سرِ مخفی مجھ پر نہ کھلا +

خیر۔ مَیں اُٹھا اور نہا دھو کر اپنے گورو مہاراج کے درشنوں کو گیا۔ کیونکہ یہ میرا روز کا نیم تھا۔ علے الصباح گوردوارے جاتا تھا۔ اور وہاں مہاراج سے گیان کتھا سنتا تھا۔ آج اُنہوں نے مجھے سخت پریشان دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ میں نے خواب کا تمام حال سنایا اور کہا مہاراج۔ ایسا عجیب خواب میں نے ساری عمر میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حیران ہوں کہ کیا اسرار ہے۔ بہتیرا سوچتا ہوں۔ لیکن کچھ بھید نہیں کھلتا۔ میری پریشانی کو دیکھ کر گورو جی مسکرائے اور کہنے لگے۔ یہ خواب نہیں۔ بشارت غیبی ہے۔ اس کے ذریعے سے تمہیں ویدانت کا ایک اہم مسئلہ حل کرنے کی ہدایت ہوئی ہے +

مَیں نے پوچھا۔ مہاراج۔ کرپا کر کے بتائیے۔ وہ بشارت اور ہدایت کیا ہے۔ فرمایا دیکھو بھائی۔ تم نے تین مختلف نظارے دیکھے ہیں۔ بن کا باغ کا۔ اور آگ کا۔ پہلے بن سے شروع کرو۔ بن یہ جگت ہے اور اسمیں

بستے تھے۔ یہ اپنی کتابیں لوگوں کو سنا سنا کر کہتے تھے۔ ہمارے پیچھے پیچھے چلے آؤ ہم تمہیں رستہ بتائینگے۔ لیکن ان کے پیچھے جو آدمی جاتے تھے۔ وہ اور بھی گم کردہ راہ ہو جاتے تھے۔ بعض چکنی چپڑی نقو بروں سے رہبری کے دعوے کرتے تھے اور کم عقل بھولے آدمیوں کو جوان کے ساتھ ہو لیتے تھے کہیں کا کہیں لے جاتے تھے۔ بعض گیروے کپڑے پہنے رنگے سیاروں کو دیکھا کہ ان کے پیچھے بہتیرے لوگ چلے۔ لیکن بن ہی میں کھیت رہے۔ بعض اپنی ہمت سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرتے تھے۔ اور عرصہ دراز تک ٹکریں مارتے پھرتے تھے۔ لیکن جہاں تھے وہاں سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ ہر پھر کر کولھو کے بیل کی طرح رات بھر چل کر جہاں تھے وہیں ملتے تھے۔ ہاں بعض کو سچے رہبر مل جاتے تھے۔ تو وہ بن سے باہر آجاتے تھے۔ اور تمام تکلیفوں سے نجات پاکر اپنے نصیبے پر آفریں کیا کرتے تھے۔ میں نے یہاں ایک اور دردناک نظارہ بھی دیکھا۔ جنگل میں جگہ جگہ بڑے گہرے کھڈ یا غار بھی تھے۔ کہ اندھے کنوؤں کی طرح انہیں دیکھ کر دل پر دہشت طاری ہوتی تھی۔ ان کے کنارے درخت تھے۔ لیکن کہن سال اور بودے۔ ان کی شاخوں میں شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔ مگر سفید و سیاہ چوہے کیا درختوں کی جڑیں اور کیا شاخیں کاٹ رہے تھے۔ اور غار کے اندر اژدہے منہ پھاڑے بیٹھے تھے کہ کوئی گرے اور وہ اس کو اپنا ناشتہ بنائیں۔ لیکن بہتیرے آدمی شہد کے لالچ سے شاخوں سے لٹک جاتے تھے۔ اور منہ کھولے لٹکتے رہتے تھے کہ شہد کی میٹھی بوندیں ان کے منہ میں پڑیں۔ مجھے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی۔ کہ مکھیاں کاٹتی ہیں۔ بوسیدہ درخت ہیں۔ سفید و سیاہ چوہے جڑ کاٹ رہے ہیں۔ نیچے اژدہا منہ کھولے بیٹھا ہے۔ اور شہد کی بوندوں کے لالچ سے یہ کمبخت جان پر کھیلے لٹک رہے ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک سے کہا۔ اس شہد پر لعنت کرو اور اچک کر کنوئیں سے باہر نکل آؤ۔ اس نے

لیکن اُس آنند کے مقابلے میں جس کا انو بھو میں پہلے کر چکا تھا۔ یہ سُکھ مجھے ہیچ معلوم ہوتا تھا۔ اور پھر نکالے جانے کا ڈر ہر وقت جان کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

یہ نظّارہ بھی بدلا۔ اب جو دیکھتا ہوں تو ایک گھنا بن ہے۔ جس میں ہر طرف جھاڑ جھنکاڑ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کہیں ایسی تاریکی ہے کہ دن میں رات کا سماں ہے۔ کہیں کھلی جگہ ہے تو خار دار جھاڑیاں قدم قدم پر دامن پکڑتی ہیں۔ اور آدمی کو چلنے سے روکتی ہیں۔ جگہ جگہ ایسی دلدلیں ہیں کہ آدمی پھنس جائے تو نکلنا محال ہے۔ وحشی درندے دہاڑتے ہیں۔ اور ان کی دہاڑ سُن سُن کر دل دہلا جاتا ہے۔ قزاقوں کے گروہ کے گروہ پھرتے ہیں۔ اور اکیلے دکیلے مسافر کا تو کیا کہنا ہے قافلے باندھ کر چلنے والے بھی اُن سے ایمن نہیں ہیں۔ غرض ایسا بھیانک بن تھا کہ اس کے خیال سے اب تک رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں +

اس بن میں میں نے لاانتہا مرد و زن راہ گم کردہ اور سرگشتہ و حیران ادھر سے اُدھر بھٹکتے پھرتے دیکھے۔ ان کے چہروں سے حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔ ان کے انارسے کنالوں سے گھبراہٹ برستی تھی۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ سخت مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کوئی بھوکے پیاسے پھر رہے تھے۔ کوئی بیماری کی تکلیفوں سے کراہتے تھے۔ کوئی چلتے چلتے ایسے تھک گئے تھے۔ کہ قدم اُٹھائے نہیں اُٹھتا تھا۔ کوئی مایوس ہو کر بیٹھ گئے تھے اور حرمان و یاس کی تصویر تھے۔ بہتیرے دلدلوں میں پھنسے ہوئے چلاّتے تھے۔ بہتیروں کے پاؤں خارہائے راہ نے فگار کر دئے تھے اور اُن سے چلا نہیں جاتا تھا۔ غرض جس کو دیکھا سرگرداں دیکھا۔ جس کو پایا سرگشتہ و پریشان پایا۔ سب اس بن کی تکلیفوں میں مبتلا تھے۔ لیکن باہر نکلنے کا رستہ ڈھونڈھا نہیں ملتا تھا +

یہاں میں نے کچھ آدمی ایسے دیکھے۔ جن کی بغل میں کتابوں کے

ہے۔ نہ اُس حالت کے سرور کی مثال دنیا میں مل سکتی ہے ÷

تھوڑی دیر میں یہ نظارہ بدلا۔ اور میں نے دیکھا کہ میں ایک پرفضا باغ میں ہوں۔ جس کے کئی درجے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُن درجوں کی فضا میں اختلاف بدرجۂ غایت ہے۔ لیکن ہیں سب نہایت پُرفضا۔ یہاں ٹھنڈی خوشبودار ہوا ہمیشہ آہستہ آہستہ چلتی رہتی ہے۔ آب رواں اور سبزہ زار کی بہاریں ہیں۔ کہیں قد کشیدہ درخت آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ کہیں بوٹے سے قد والے پودے ہیں۔ کوئی برگ وبار سے جھکے جاتے ہیں۔ کسی میں پھول اور کلیاں کھل رہی ہیں۔ اُن پھولوں کی خوشبو مشام جان کو تازہ کرتی ہے۔ اور اُن پھلوں کا رس کام جاں کو لذّت بے اندازہ بخشتا ہے۔ رنگ و بو کا وہ عالم ہے کہ وہم وخیال کے احاطے سے بھی باہر ہے ÷

اس باغ میں مرد وزن گلگشت کرتے پھرتے ہیں۔ سب کی صورتیں نورانی ہیں۔ اور حسن وجمال لاثانی۔ بولتے ہیں تو مُنہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ اور گاتے ہیں تو نغمہائے یزدانی کا لطف آتا ہے۔ یہاں مکان بھی ہیں۔ لیکن مکان کیا عالیشان محل ہیں۔ جن کی صنعت کاری اور خوبصورتی دیکھ دیکھ کر عقل حیران ہوتی ہے۔ ان میں یہ لوگ رہتے سہتے ہیں۔ کہیں سے دلکش باجوں کی صدا آتی ہے۔ کہیں سے دل فریب گانے کی۔ کہیں ہنسی اور قہقہوں کی آوازیں بلند ہیں۔ کہیں گفتگو اور تقریریں دل پسند ہیں۔ غرض جسے دیکھا بحر سرور وسرور میں غرق پایا۔ فکر و تفکر۔ آلام و افکار۔ رنج وغم کا کہیں نام بھی سننے میں نہیں آیا۔ ہاں ایک فکر سے سب متفکر رہتے تھے۔ اور اس سے ان کا عیش مکدر ہوتا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ ایک روز یہ خوشی کا گھر چھوڑنا ہے۔ اپنی مرضی سے نہیں بلکہ زبردستی۔ اس باغ میں رہنے والوں کی تعداد پوچھئے تو لاانتہا تھی۔ اور تماشہ یہ کہ میں خود بھی ان لوگوں میں اپنے آپ کو انہیں جیسا سمجھتا تھا۔ لیکن مہاراج۔ اُس آگ کے ڈھیر کا آنند کچھ اور ہی چیز تھا۔ یہاں گو ہر طرح کا سُکھ تھا

دیکھا تھا - وہ بیان کرتا ہوں - خواب میں بعض دفعہ بشارت غیبی مل جاتی ہے
ان وجہ سے دانا لوگ خواب کو محض بے سروپا واہمۂ نفس نہیں خیال کرتے
بلکہ بعض خوابوں کو نتیجہ خیز بشارتیں مانتے ہیں اور یہ تو ظاہر ہی ہے ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش — گر نوشت است پند بر دیوار

مہاراج بیتے ویدانت شاستر پڑھا تھا - اور اکثر اسی کے معانی و مطالب کی ادھیڑ بن میں رہا کرتا تھا - اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رات کو بارہ بجے تک بیٹھا ہوا اپنشدوں کے ارتھ بچارا کرتا تھا - اور انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں سوچا کرتا تھا - ایک رات کا ذکر ہے - کہ اسی طرح بہت دیر تک میں شرُتی بھگوتی کی مطالعہ کرتا رہا - اور جب اُٹھا تو نصف شب سے زیادہ گزر چکی تھی - میں چارپائی پر جا کر لیٹا - تو جو مضمون پڑھ رہا تھا - اسی کا طبیعت میں خیال تھا - خیر - سوچتے سوچتے تھوڑی دیر میں میری آنکھ لگ گئی - اور ایسا حیرت افزا نظارہ نگاہ تصور کے سامنے آیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا ۔

کیا دیکھتا ہوں - کہ دنیا و مافیہا جس کو روز بیداری و خواب میں دیکھا کرتا تھا - نظر سے غائب ہے - اور اس کی جگہ ایک لامتناہی آگ مشتعل ہے - زمین - آسمان - خلا - ملا - اوپر نیچے - اِدھر اُدھر - دائیں بائیں - غرض ہر طرف سوائے اُس روشن آگ کے اور کچھ نہیں ہے - بس وہی دھکتی آگ ہے اور اُس کے لاانتہا شعلے ہیں - اوپر نیچے جاتے ہیں - دائیں بائیں ہیں - اِدھر اُدھر ہیں - ان کی تعداد ہے نہ شمار ہے - اور تماشہ یہ کہ میں بھی ایک شعلہ ہوں - لیکن میں اپنے آپ کو اُس آگ کا حصہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ جانتا ہوں کہ مَیں ہی آگ ہوں - جزو اور کُل کا خیال بھول کر بھی نہیں آتا - نہ مجھے حیرت ہے - نہ بیداری ہے نہ خواب ہے - اپنے حال میں مست ہوں اور حال وہ ہے - کہ انتہا درجے کا سرور ہے - جس کی تشبیہہ دنیا کے کسی سرور سے ممکن نہیں - نہ اُس آگ کے نور کو یہاں کے کسی نور سے مشابہت دی جا سکتی

تم اپنی سرشٹی کے ایشور بنو گے۔ انہیں کی طرح پہلے تم بھی آدمی تھے۔ تم نے بھی ایشور بننے کے لئے تپ کیا تھا۔ اس کا پھل یہ ہے کہ آج تم اس اعلےٰ پدوی پر پہنچ گئے ہو ٭

برہما نے یہ سُن کر اپنے پہلے جنم کا دھیان کیا جس نے اُسے ایشور کی پدوی کا مستحق بنا دیا۔ دھیان میں کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک کشتری راجا جو اب بان پرستھ آشرم میں ہے ایک جنگل میں کٹی بنا کر رہتا ہے۔ اور روز اسی طرح اپنے سنکلپ میں اشومیدھ یگیہ کیا کرتا ہے۔ جیسا برہدارنیک اپنشد کے ابتدائی حصے میں بیان کیا ہؤا ہے۔ چونکہ اس راجا کا سنکلپ ایشور بننے کا تھا۔ اس کلپ میں آ کر برہما ہؤا۔ اور وہ میں ہوں۔ دھیان سے برہما نے آنکھ کھولی تو وشنو بھگوان نظر سے مخفی پائے۔ وہ سات سرشٹیاں بھی اب نظر نہیں آتی تھیں۔ لیکن ان کی جگہ اننت آکاش میں سات روشن ستارے بے شک تھے۔ جو برہما سمجھا کہ سات بھائیوں کی سرشٹیاں ہیں ٭

سادھو نے کہانی ختم کی تو سوامی برہمانند نے کہا۔ اب کوئی مہاتما جیو کے سروپ پر کہانی بیان کرو ٭

تیسویں سادھو کی کہانی

جیو کا سروپ

کیوں چھوڑ کے عیش جاوداں آتا ہے   انسان سے کوئی کہو کہاں آتا ہے
دنیا ئے دنی رنج والم کا گھر ہے   روتا ہؤا آیا جو یہاں آتا ہے

ایک مہاتما بولے۔ مہاراج۔ برہم مایا اور ایشور پر تین کہانیاں ہو چکیں اس سلسلے میں جیو اور باقی رہتا ہے۔ اس پر آپ کی اجازت سے میں کہانی کہنی چاہتا ہوں۔ لیکن کہانی کیا۔ ایک رات میں نے ایک خواب

میں جو جو کرے ہیں۔ وہ موالید ثلثہ یعنی جمادات۔ نباتات اور حیوانات سے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ پرتھوی بھی ہے۔ اور اس میں آدمی جانور۔ دریا۔ پہاڑ۔ جنگل شہر سب کچھ موجود ہیں +

سرشٹی کرتا برہما حیران اور پریشان کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ سرشٹی کا پیدا کرنے والا تو میں ہوں۔ میں نے ابھی کوئی سرشٹی رچی نہیں۔ یہ سات سرشٹیاں آئیں تو کہاں سے آئیں۔ بار بار آنکھ ملی کہ میں کہیں سوتا تو نہیں۔ لیکن جب پھر کھولی تو وہی ساتوں سرشٹیاں سامنے موجود تھیں۔ جب کسی طرح یہ اسرار اس پر نہ کھلا اور عقل عاجز آ گئی تو اس نے اپنے من میں اپنے اشٹ دیو یعنی شری وشنو بھگوان کا دھیان کیا۔ اور تہ دل سے دعا کی کہ میری مشکل کو رفع کیجیئے +

مہان آتماؤں کا قاعدہ ہے۔ کہ ان کی دھیان کی شکتی بہت پربل ہوتی ہے۔ چنانچہ برہما نے جب سچّے دل سے دھیان کیا تو وشنو کی منوہر مورتی اپنے سامنے کھڑی پائی۔ مہاراج نے پوچھا۔ کہو برہما جی کس فکر میں ہو۔ سرشٹی کی رچنا کیوں نہیں کرتے۔ برہما نے وہ ساتوں سرشٹیاں دکھا کر کہا۔ مہاراج میں کیا رچنا کروں۔ سات سرشٹیاں پہلے ہی موجود ہیں۔ وشنو بھگوان مسکرائے اور بولے برہما۔ تمہیں ان ساتوں سرشٹیوں سے کیا سروکار پڑا ہے۔ تمہارا جو اپنا کام ہے۔ یعنی اپنی سرشٹی رچنی وہ رچو۔ اور کسی کے معاملے میں کیوں پڑے۔ دانا اپنے کام سے کام رکھا کرتے ہیں۔ انہیں دخل در معقولات سے واسطہ نہیں ہوتا +

برہما نے متنبّہ ہو کر کہا۔ مہاراج۔ آپ نے سچ فرمایا۔ بے شک مجھے اپنا کام کرنا چاہیئے۔ لیکن مہربانی فرما کر ان ساتوں سرشٹیوں کا راز مجھے بھی بتایئے۔ وشنو بھگوان نے بوڑھے برہمن کے ساتوں لڑکوں کی کہانی سنائی اور کہا۔ ان ساتوں کا مضبوط اور مستحکم سنکلپ یہ تھا کہ ہم ایشور ہو جائیں۔ چونکہ جگت سارا سنکلپ کا کھیل ہے۔ اپنے خیال کی مضبوطی اور استحکام سے وہ ساتوں سات سرشٹیوں کے ایشور ہو گئے۔ جس طرح

بجائے لطف آنے لگا۔

اس طرح ساتوں بھائیوں کو مشق یا ابھیاس کرتے کئی سال گزر گئے۔ اس عرصے میں ان کے لڑکے بڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے ارادہ کیا کہ گھر بار اُن کے حوالے کر کے آپ کسی پہاڑی ایکانت کی جگہ جا کر اپنے ابھیاس کی تکمیل کریں۔ چنانچہ نیپال کی پہاڑیوں میں جا کر اور ایک دلفزا مقام دیکھ کر بیٹھ گئے۔ یہاں سبزہ اور آب رواں کا لطف تھا۔ اور جنگل میں پھلدار درخت کثرت سے تھے۔ چونکہ کوئی مخل نہیں ہوتا تھا۔ اور دھیان ہٹانے کے سامانوں میں سے یہاں کوئی نہ تھا۔ تھوڑے عرصے میں اُنہوں نے اپنے ابھیاس میں نمایاں ترقی کر لی اور پھر تو یہ حال ہوا کہ کئی کئی دن دھیان جمائے بیٹھے رہتے تھے۔ کہ ہم ہی برہما بن کر جگت کو پیدا کر رہے ہیں۔ اور وشنو ہو کر اس کا پالن کر رہے ہیں۔ سمادھی لگانے والے کی کیفیت جب اس طرح کی ہو جاتی ہے۔ تو جسم اور ضروریات جسم کا خیال اس کو نہیں ستانے پاتا اور تھوڑے عرصے میں شریر چھوٹ کر وہ بالعموم مرجاتا ہے۔ چنانچہ ان کا بھی اسی دھیان میں بیٹھے بیٹھے شریر چھوٹ گیا اور جنگلی جانور ان کا گوشت پوست سب کھا گئے۔

اب مہاراج ان ساتوں بھائیوں کا تو یہ حال ہوا۔ ایک اور حال سُنئے۔ آپ کو معلوم ہے۔ یہ جگت پیدا ہوتا ہے۔ کلپ کے اخیر تک رہتا ہے اور پھر فنا ہو جاتا ہے۔ پیدا ہونے کو سرشٹی کہتے ہیں اور فنا ہونے کو پرلے کہتے ہیں۔ بیچ کا جتنا عرصہ ہے وہ کلپ کہلاتا ہے۔ چنانچہ جس کلپ میں یہ ساتوں بھائی پیدا ہوئے تھے۔ اُس کے خاتمے پر پرلے ہوئی۔ اور سندھی کے ایّام گزرنے پر سرشٹی کرتا برہما کی یوگ نِدرا سے آنکھ کھلی اور اس کے من میں یہ سنکلپ ہوا کہ میں قاعدے کے موافق سرشٹی کی رچنا کروں۔ لیکن برہما دیکھتا ہے تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ سات سرشٹیاں پہلے ہی موجود ہیں۔ زمین و آسمان ہیں۔ چاند سورج ہیں۔ ستارے ہیں۔ ہر ایک نظام اپنے اپنے آفتاب کے گرد حرکت کر رہا ہے اور اُن نظاموں

جھوٹی دنیا کی ہے کہانی ساری ۔۔۔ ہے نقش بر آب زندگانی ساری
یہ عالمِ تمثال ہے نیرنگِ خیال ۔۔۔ اے طبع رواں تیری روانی ساری

جیسا جس نے اپنے آپ کو مان رکھا ہے ویسا ہی وہ ہے۔ شری کرشن جی نے گیتا میں کہا ہے۔ جس کی جیسی شردّھا ہوتی ہے۔ ویسا ہی وہ ہو جاتا ہے۔ پس جس طرح ہم اپنے آپ کو یہ مانے ہوئے ہیں۔ کہ ہم آدمی ہیں۔ بیماری و تندرستی ہمیں ستاتی ہے۔ مفلسی سے ہم دق رہتے ہیں۔ اوروں کی تابعداری سے پریشان ہیں۔ اسی طرح ہم یہ کیوں نہ مانیں کہ ہم ہی برہما بن کر اس جگت کو رچتے ہیں۔ وشنو بن کر اس کی پالن کرتے ہیں۔ شو بن کر اس کا سنگھار کرتے ہیں۔ غرض ہم ہی ایشور ہیں۔ جن کے اوپر اور کوئی ایشور نہیں ہے +

بھائی یہ سُن کر حیران تو ہوئے۔ لیکن نَنھّے پنڈت کے بیٹے آپ بھی پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اور پڑھے لکھے آدمیوں سے صحبت رکھتے تھے۔ سب یک زبان ہو کر بولے۔ حقیقت میں بات تو اسی طرح ہے لیکن ایشور کے درجے کو پہنچنے کا رستہ کیا ہے۔ پرمیشری نے کہا۔ وہی جو بھگوان نے گیتا میں کہا ہے۔ یعنی جس کی جیسی شردّھا ہے۔ ویسا ہی وہ ہے۔ پس اس شردّھا کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ کہ ہم آدمی نہیں ایشور یا خدا ہیں۔ جس طرح انسانیّت کے خیال نے مضبوط و مستحکم ہو کر ہمیں انسان بنا دیا ہے۔ اسی طرح خدائی کا خیال مضبوط اور مستحکم ہو کر ہمیں خدا بنا دیگا اور ہم کسی کے تابع نہیں رہینگے۔ ایشور سے اونچا درجہ تو اس جہان میں کسی کا نہیں +

چنانچہ سب نے باہم مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ ہمیں گنگا کے کنارے بیٹھکر یہ سمادھی لگایا کرو کہ ہم ایشور ہیں صبح اور شام دونوں وقت سب ملکر بیٹھ جاتے اور اپنے خیال میں اپنے آپ کو ایشور سمجھتے۔ ابھیاس بڑی ہی چیز ہے۔ کچھ عرصے تو دھیان جمانے میں وقت پیش آئی۔ لیکن جسقدر مشق و مزاولت بڑھتی گئی۔ اس دھیان میں پیچیدگی اور پریشانی کی

ہے۔ پانچویں نے کہ۔ میں کسی پاٹھ شالا میں پڑھانے کی نوکری کرونگا۔ چھٹے نے کہا۔ پرمیشری ہم تم دونوں پنڈت ہیں۔ اور ہم نے اعلےٰ درجے کی بدّیا پڑھی ہے۔ چلو ملکر امیروں اور رئیسوں اور راجاؤں کے ہاں چلیں۔ انہیں اپنے علم کا کمال دکھائیں۔ ضرور ہماری قدر ہوگی۔ وہ ہمیں روپیہ دینگے۔ اور اس سے ہماری زندگی خوشی کے ساتھ گزریگی +

اب سب بڑے بھائی کی طرف متوجّہ ہوئے کہ تم بھی اپنا ارادہ ظاہر کرو۔ اس نے کہا۔ میں تمہارے ارادوں کو بڑے غور سے سنتا رہا ہوں۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ تم سب بہت ہی پست حوصلہ ہو۔ بلند نظر نہیں۔ نوکری کھیتی باڑی۔ دکانداری۔ کارخانہ داری یا پنڈتائی میں کیا رکّھا ہے۔ ہمیشہ اوروں ہی کا دست نگر رہنا پڑیگا۔ نوکر آقا کا غلام ہے۔ پنڈت جیجمان کا دست نگر ہے۔ دکاندار اور کارخانہ دار کا حصر خریداروں پر ہے کاشتکار کا انحصار بارش اور حکّام کی خوشنودی پر ہے۔ تعجب ہے کہ تم سب ایسی کم نظری اور پست حوصلگی کے دلدادہ ہو۔ بھائی کہنے لگے۔ تو ہم سب کیا بن جائیں۔ جو ہر طرح کے فکر وتردد سے رہائی پاکر بالکل آزادانہ زندگی بسر کریں۔ کیونکہ دنیا میں وہ شخص کونسا ہے۔ جو فکر و افکار سے خالی ہے +

اہل کار و تاجر و صنّاع و بیرسٹر حکیم — جس کو دیکھا خنجر افکار سے ہے دل دونیم
ہائے اے دنیا کے دھندو تم سے فرصت ہے کسے — بستۂ زنجیر یکساں ہی ہیں نادان و فہیم
مفلسوں کو گر اُدھر نان شبینہ کا ہے فکر — ہے اِدھر زردار کو بھی دزدی و سرقے کا بیم
صاحب تصنیف کو ہے نکتہ چینوں سے خطر — نکتہ چینوں کو ہے خود قانون سے خوف عظیم
شہ سے لرزاں ہے رعایا اور رعایا سے وہ خود — ایک سے ہے ایک خائف واہ رے خوف عظیم

بڑے بھائی نے کہا بے شک تم نے سچ کہا۔ یہ دنیا آلام و افکار کا گھر ہے۔ مگر کبھی یہ بھی سوچا کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ خود آلام و افکار میں رہنے والوں کا۔ میرے بھائیو جگت کچھ نہیں ہے۔ فقط نیرنگ خیال کا جلوہ ہے۔ من کا کھیل ہے۔

جب جگت ہو سو رہا اور رات ہو آدھی ڈھلی
ہو منور ماہ تاباں کھل رہی ہو چاندنی

موج زن ہو نور کا دریا سر افلاک پر
خاک کے چاروں طرف چاندنی سی ہو بکھری ہوئی

گوش شنوا کے صدا کوئی نہ آئے کان میں
ہولے ہولے چل رہی عالم میں ہو بادِ شبی

چھوڑ کر سب محنت فردا یہ اپنا کاروبار
نیند میں سرمست ہوں کیا جانور کیا آدمی

سوتے ہوں آرام سے گل کر کے شمع نیم شب
مدرسوں اور کالجوں کے نوجوانانِ ذکی

شہر میں شہرِ خموشاں کے ہوں سارے رنگ ڈھنگ
دہر میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو خامشی

ذاکرِ حق ذکر میں ہوں شاغلِ حق شغل میں
دل خیالوں سے ہو خالی طبع فکروں سے تہی

گر مزا ہے کنج تنہائی میں تو اس وقت ہے
وہ مزا ملتا نہیں ہر وقت جو اس وقت ہے



اس دلکش سمے میں اور اس دل فزا مقام میں بیٹھ کر ساتوں بھائی دریا کا نظارہ دیکھنے لگے۔ لطف ایسا تھا کہ کچھ دیر تک تو چپ چاپ بیٹھے دیکھا کئے۔ آخری پرمیشری نے کہا۔ بھائیو۔ میں تمہیں دانستہ اس وقت اس مقام میں لایا ہوں۔ گھر میں بیٹھے رہتے تو سوائے غم کے دل میں کچھ نہ ہوتا۔ یہاں شانتی ہے۔ اور اس شانتی میں سب کی طبیعت شانت ہے۔ ہمیں سوچنا یہ ہے۔ کہ پتا تو مر گئے۔ اب ہر ایک کو کیا کرنا چاہیئے۔ جس سے اس کی زندگی نہایت کارآمد ثابت ہو اور بعد میں پشیمانی نہ اٹھانی پڑے تم سب مجھ سے کہو کہ کیا کیا کام کرنا چاہتے ہو ۔

سب سے چھوٹا بھائی جو نوجوان اور کسرتی بدن کا تھا۔ اس نے کہا۔ میں تو فوج میں بھرتی ہونگا۔ طاقت اور سپاہگری کے جوہر دکھاؤنگا۔ روپیہ کماؤنگا اور نام پیدا کرونگا۔ دوسرے بھائی نے کہا۔ میں کھیتی باڑی پسند کرتا ہوں۔ اور اور گاؤں والوں کی طرح گھر پر ہی زندگی گزارا چاہتا ہوں۔ تیسرا بولا میں بنارس میں کتب فروش کی دکان کھولنا چاہتا ہوں۔ چوتھا بولا میں تو ایک چھاپےخانہ کھول کر کتابیں اور رسالے چھاپنا چاہتا ہوں۔ یہ بڑے نفع کی چیز ہے۔ اور اس میں شہرت بھی نصیب ہو سکتی

اور میرا بچنا محال ہے۔ اس نے اپنے لڑکوں کو جمانوں کے حوالے کیا۔ کہ اب تک بھی تمہارے سہارے گزارا ہوتا تھا۔ میرے مرنے کے بعد بھی اسی طرح پالن کرتے رہنا۔ جمانوں نے اُسے تسلّی دی اور شام کے وقت رخصت ہو کر گھر چلے آئے۔

دوسرے روز پنڈت کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ بوڑھا آدمی تھا۔ بمان تکلف کا بنوایا گیا اور دھوم دھام سے اٹھا کر بنارس میں لا کر اُسی گھاٹ پر پھونکا۔ جہاں ستیہ پال۔ دھرم کے شرومنی مہاراجہ ہریشچندر ایک خاکروب کے نوکر ہوئے تھے۔ پھونک پھانک کر شام کے وقت ساتوں لڑکے گاؤں میں واپس آئے۔ موت کے ہو جانے سے گھر بڑا بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ عورتیں انہیں دیکھ کر رونے لگیں۔ اور انہیں دیکھ کر مردوں کا بھی جی بھر آیا۔ بڑا بھائی سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے سب کو سمجھایا۔ تسلّی دی۔ دلاسا دیا۔ کہ رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ مرنے والا مر گیا۔ اب سوا ئے صبر اور شکر کے چارہ نہیں ہے۔ خیر سب نے منہ ہاتھ دھوئے اور کھانا کھایا۔

رات کے وقت سب اوداس بیٹھے تھے۔ پرمیشری نے کہا۔ دیکھو پورن ماشی کی چاندنی کھلی ہوئی ہے۔ تسکین اور سکون کا سماں ہے گھر بھیانک معلوم ہوتا ہے۔ آؤ شری گنگا جی کے کنارے چلکر گلگشت کریں۔ تاکہ طبیعت سے غم دور ہو۔ کہیں بیٹھ کر کچھ گیان دھیان کی باتیں بھی کرینگے۔ اُن سے طبیعت اور کی اور ہو جائیگی۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور اُٹھ کر باہر آئے۔ حقیقت میں چاندنی بہار دکھا رہی تھی۔ اور اس میں دریا کی کیفیّت قابل دید تھی۔ ہر طرف ایسی شانتی تھی۔ کہ اُسے دیکھ کر من شانت ہوتا تھا۔ یہ پھرتے پھرتے بہت دور نکل گئے۔ اور وقت معلوم نہ ہوا۔ آخر کنارِ دریا ایک پُرانا مندر تھا۔ پھرتے پھراتے وہاں گھاٹ پر جا بیٹھے اس وقت کا سماں دیکھنے کے لائق تھا۔ شاعر کہتا ہے۔

گنگا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ اور اس میں زیادہ تر آبادی برہمنوں کی تھی۔ بعض کھیتی باڑی کرتے تھے۔ بعض پڑھے لکھے پنڈت تھے۔ جو بنارس میں ججمانوں کی برت کرتے تھے۔ یا پاٹھ شالاؤں میں پڑھاتے تھے۔ انہیں میں سے ایک بوڑھا برہمن تھا۔ جس کی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ لیکن چونکہ زندگی بہت اعتدال اور سادگی کے ساتھ گزری تھی۔ صحت ابھی قائم تھی۔ نہ نظر میں ضعف آیا تھا۔ نہ دانت گرے تھے۔ روز تین میل پاپیادہ بنارس میں جا کر پڑھاتا تھا اور شام کو گھر واپس آجاتا تھا۔ اس کی بیوی بھی حیات تھی اور سات لڑکے تھے۔ جن کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ اور صاحب اولاد تھے۔ سب سے بڑا لڑکا جس کا نام پرمیشری سہائے تھا۔ باپ کی طرح پنڈت تھا۔ اور ججمانوں کی برت اور پاٹھ شالا کے کام میں اس کو مدد دیا کرتا تھا۔ بوڑھے پنڈت کا کنبہ بڑا تھا۔ لیکن چونکہ کفایت شعاری کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس لئے برت سے گزارہ ہوئے جاتا تھا۔ شادی بیاہ یا خاص تقاریب پر جب خرچ زیادہ آن کر پڑتا تھا۔ تو یا تو ججمان مدد دے دیا کرتے تھے۔ یا قرض وام کر لیتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ اُتار دیا کرتا تھا۔ غرض اس کی زندگی معمولی گرہستیوں کی زندگی تھی۔ جس کی مثالیں ہر جگہ کثرت سے ملتی ہیں۔

اسی برس کی عمر تک اسی طرح اس کنبہ کا گزارہ ہوتا رہا۔ آخر جہاں گزران ہے۔ وہ دن بھی آگیا کہ بوڑھا پنڈت بستر مرگ پر دراز ہوا۔ برسات ختم ہو چکی تھی اور بخار کا موسم تھا۔ گاؤں میں بھی بیماری پھیلی اور بوڑھے پنڈت کے بیٹوں اور بہوؤں کو بھی بخار آیا۔ اور تو سب جھیل گئے۔ لیکن پنڈت جی کو جو بخار آیا تو وہ نہ اُٹھ سکے۔ پرمیشری سہائے روز پاٹھ شالا پڑھانے بنارس جاتا تھا۔ اُس نے باپ کی بیماری کا ذکر سب ججمانوں سے کیا۔ چونکہ پنڈت کا ادب و عزت سب کرتے تھے۔ گاؤں میں اس سے ملنے کو آئے۔ پنڈت جانتا تھا۔ کہ ضعیفی کی عمر ہے۔

انتیسویں سادھو کی کہانی

ایشوّر کا سروپ

گر مری طرح تری طبع رسا ہو جائے	کیا بتاؤں تجھے اے مہر تو کیا ہو جائے
اپنے مانے سے ہے انسان ضعیف البنیاں	مری گر مانے تو انسان سے خدا ہو جائے

کر ترک خودی کہ خود خدا ہے تو ہی	بندہ نہیں ذات کبریا ہے تو ہی
دنیا متحرک ہے رضا سے جس کی	اے دوست وہ صاحب رضا ہے تو ہی

ایک مہاتما بولے - مہاراج - مجھے ایشوّر کے سروپ پر کہانی کہنے کی اجازت دیجئے - برہم اور مایا کا بچار فلسفی کیا کرتے ہیں - یہ سوچنے اور غور کرنے والی طبیعتوں کے مضمون ہیں - لیکن ایشور وہ چیز ہے - کہ اسے چھوٹے بڑے سب سمجھتے ہیں - اسلام ایشور کا نام خدا رکھتا ہے - پارسی یزدان کہتا ہے - عیسائی گوڈ بتاتا ہے - ہر مذہب و ملت میں ایشور کی بھگتی کی تعلیم دی جاتی ہے - نرگن برہم جس میں صفات کا دخل نہیں - جو ہستئے مطلق - نور مطلق اور سرور مطلق ہے یعنی سچّدانند ہے - بیان میں نہیں آسکتا - اسی واسطے وید نیتی نیتی کی تعلیم دیتا ہے - لیکن سگن برہم یا ایشور کی صفات سے بخوبی توضیح ہو سکتی ہے - اس واسطے ہر شخص سمجھ سکتا ہے - کہ ایشور وہ اعلےٰ شخصیت ہے - جس نے یہ سنسار رچا ہے - وہ رحیم و کریم ہے - جبّار و قہار ہے - بھگتوں کی رکشا کرتا ہے - نیکوں کو پیار کرتا ہے - بدوں کو سزا دیتا ہے - وغیرہ وغیرہ میں اپنی کہانی کے ذریعے سے اس بات کی توضیح کرونگا - کہ جسے لوگ ایشور سمجھ رہے ہیں - وہ حقیقت میں کیا چیز ہے +

سُنئے مہاراج - شہر بنارس سے تھوڑے سے فاصلے پر دریائے

اوپر نیچے۔ آگے پیچھے۔ دائیں بائیں۔ ایک سچّدانند گھن وستو دیا پک ہے۔ اور وہ میں ہی ہوں۔ اُسے وہ سرور حقیقی حاصل ہؤا کہ انوبھو ہو سکتا ہے لیکن بیان کی حد سے باہر ہے۔ سمادھی سے کچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھلی تو بیرونی دنیا اسے پھر نظر آئی۔ لیکن اس میں سے ستیتا یعنی سچا ہونے کا خیال اُٹھ گیا تھا۔ اور وہ باعث تکلیف نہیں رہی تھی۔ شنکر باغ سے اُٹھ کر گاؤں میں آیا۔ طبیعت میں جو بیقراری رہتی تھی وہ سب کافور ہو گئی۔ اور وہ جیون مکتوں کی زندگی بسر کرنے لگا۔ ہمیشہ شانت اور آنند میں مگن رہتا تھا۔ دنیا کے بکھیڑے اس کیلئے بکھیڑے نہیں رہے تھے۔ اسے تمام دنیا اپنی آتما نظر آتی تھی اور دویت بھاؤ طبیعت سے بالکل نکل گیا تھا ؎

اس کہانی کو سن کر سب سادھو بہت محظوظ ہوئے۔ سوامی برہمانند نے مسکرا کر کہا۔ چدانند میں نے بھی یہ کہانی یوگ واسشٹ میں پڑھی ہے۔ تم نے اس برہمن کا نام شنکر بتایا ہے۔ وسشٹ جی نے گادھی لکھا ہے۔ لیکن یوگ واسشٹ میں یہ کہانی بہت چھوٹی ہے۔ تم نے اسے بڑھایا بھی ہے۔ اور نیا لباس پہنا کر بالکل نئی کر دی ہے۔ اسی طرح ویدانت کا کوئی شوقین یوگ وسشٹ کی کہانیوں کو نئے لباس میں آجکل کے لوگوں کو سنائے تو کیسے شوق سے سب سنیں۔ اور کیا کیا مزے لیں۔ دیکھو۔ کوئی ہمّت والا اٹھیگا۔ اور اس کام کا سر انجام کر دکھائیگا۔ خیر یہ ضرورت بڑی بھاری اسی بات کی ہے کہ پرانے حقایق کو لیا جائے اور انہیں نئے کپڑے پہنا کر اہل ملک کے سامنے پیش کیا جائے۔ لوگوں نے پرانا شاستر پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ اور اپنی دولت اپنے ہاتھوں کھو بیٹھے ہیں۔ دیو بانی کی دقتوں سے بھاگتے ہیں۔ مادری زبان ہندی میں الجھا دیکھتے ہیں۔ انہیں راہ پر لانے کے واسطے ضرور ہے کہ وہی پرانی باتیں نئی صورت میں دکھائی جائیں۔ خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ مہاتماؤ؟ مایا کا سروپ بیان ہو چکا اب کوئی ایشور کے سروپ پر کہانی بیان کرو

اس بھرم یا بندار کے پنجے میں گرفتار نہیں ہوں - اسی وجہ سے ستّیہ سنکلپ ہوں - یعنی من سے جو رچنا رچتا ہوں - وہ سب کو ویسی ہی نظر آتی ہے - جیسے نگاہ تصوّر سے میں خود دیکھتا ہوں - چونکہ تم مایا کا تماشا دیکھنے کے خواہشمند تھے - میں نے اپنے سنکلپ میں تمہارا چانڈال کے گھر پیدا ہونا - اور پھر مایا نگر میں راجہ ہونا رچا اور اُسے صرف تمہیں ہی نہیں دکھایا - بلکہ تمہارے دوست کیشوانند کو بھی دکھا کر تمہارے پاس بھیجا - تم خود بھی جا کر اُسے دوبارہ دیکھ آئے - اور گاؤں میں سے چاہے جس کو آج روانہ کر دو - وہ بھی دیکھ آئیگا - وہ ہے کچھ نہیں - میرے من کا کھیل ہے +

شنکر مہاراج - جس جگت کو تم جاگرت کا سچّا جگت سمجھے بیٹھے ہو وہ اور کچھ نہیں ہے صرف ایک خواب ہے - رات کو جو تماشے تم دیکھتے ہو - وہ ایک طرح کے خواب ہیں کیونکہ تم نے ان کو ویسا ہی مان رکھا ہے - بیداری کے خواب کو تم نے اور طرح کا مان رکھا ہے - لیکن ہے یہ بھی خواب - روز دیکھتے ہو کیا کیا عجیب و غریب تبدیلیاں تمہاری نظر کے سامنے ہوتی ہیں - کہ نہ مکان کوئی چیز ہے نہ زمان کوئی چیز ہے نہ علّت کوئی شے ہے - خواب میں بھی یہی حال ہوتا ہے - تبدیلیاں ان دونوں طرح کے خوابوں میں ہیں - تم ذات غیر متبدّل ہو - تم دیکھنے والے ہو - تم سچّدانند گھن چیتن آتما ہو - یہ درشیہ جات جو کچھ ہے سب بھرم روپ ہے - اس بھرم کو چھوڑ دو - اور اپنے سروپ میں سخت ہو جاؤ - جو آنند کا سمندر ہے یہ کہکر بھگوان وشوامتر دھان ہو گئے +

شنکر باغ میں اپنی کٹی میں بیٹھا ہوا یہ باتیں سن رہا تھا - غور کرنے سے جاگرت کا عالم اسے بالکل خواب کی طرح معلوم ہونے لگا - باغ - کٹی - گنگا - اپنا جسم سب بعینہٖ یہ معلوم ہوتا تھا - کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں - یہ صورتیں سب میری نظر کے سامنے ہیں - اور میں ان سے علیحدہ چیز ہوں یہ منظر بھی اس کی نظر کے سامنے سے ہٹا - اور اس نے یہ ظہور دیکھا - کہ

سمندر آتما میں اُدے ہوتا ہے جس طرح خواب کا عالم۔ پس شنکر مہاراج تمہارا پانچ مہینے کا سفر اور مایا نگر اور تمام دیار و امصار جو تم نے اس سفر میں دیکھے سب تمہارے اُسی من کا کھیل تھے۔ جس نے گنگا کے جل میں تمہیں تماشہ دکھایا تھا +

شنکر نے کہا مہاراج میں آپ کی کرپا سے سمجھا۔ کہ گنگا میں غوطہ مار کر جو تماشہ میں نے دیکھا وہ میرا منوراج تھا۔ اور چونکہ وہ میرے من میں بس گیا تھا اور مجھے شب و روز اسی کا خیال لگا رہتا تھا۔ عالم بیداری یعنی سفر میں بھی وہی صورت ہمیشہ میری نظر کے سامنے رہی۔ اور مجھے یہ معلوم ہوتا رہا کہ میں سچی دنیا دیکھ رہا ہوں۔ لیکن گنگا میں جو نظارہ نظر سے گزرا اور بعد میں سفر میں جو تماشہ دیکھا۔ وہ دونوں میرے منوراج تھے۔ شری مہاراج منوراج اسی آدمی کو نظر آیا کرتا ہے۔ جس نے وہ منوراج رچا ہے۔ مثلاً میں اس وقت یہ تصوّر کرتا ہوں کہ ہاتھی میرے سامنے کھڑا ہے۔ وہ ہاتھی مجھے ہی نظر آئیگا اور کسی کو نظر نہیں آسکتا۔ پھر میرا منوراج یعنی مایا نگر وغیرہ میرے دوست کیشوانند کو کیونکر نظر آیا۔ وہ وہاں کیونکر پہنچے اور انہوں نے مہینوں سفر کرنے کے بعد مجھ سے کیونکر آکر کہا +

یہ سن کر مہاراج مسکرائے اور کہا شنکر تمہارا بھرم نہیں جاتا۔ پنڈت ہو۔ سمجھدار آدمی ہو۔ اور کیسی بچّوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ جو من گنگا میں چانڈال کی تمام زندگی رچ سکتا ہے۔ جو من پانچ مہینے باہر پھر کر مایا نگر وغیرہ کی بچتر رچنا آپ رچکر دیکھ سکتا ہے۔ کیا اس میں اتنی شکتی نہیں ہے کہ ایک دوست کو وہی رچنا دکھا کر اور اپنے پاس بلا کر اس کا حال سنے۔ کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ تمام نندگاؤں کے رہنے والے نکل جائیں۔ اور سارا تماشہ دیکھ آئیں۔ اور آکر اس سے کہیں ہم نے یہ تماشہ دیکھا۔ تمہیں میں یہ سب طاقت موجود ہے۔ لیکن چونکہ تم نے اپنے آپ کو محض بے طاقت سمجھا ہوا ہے۔ اس واسطے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے ہیں

سکھ یا دُکھ کا بھوگ ہوتا ہے۔ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے تمام سکھ اور دکھ کا کارن خود ہی ہوں۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ بس تم نے جو چنڈال کے گھر جنم لیا وہ تمہارے ہی پرانے سنسکاروں کے باعث سے تھا۔ تمہارے پاپ کرم اُدے ہوئے ہیں۔ اور اُنہوں نے تمہیں یہ تماشا دکھایا ہے۔ گو تمہیں ان کی خبر نہیں ہے۔ پھر ہنسکر کہا رہا تمہارے باپ اور خسر کا جوتیوں سے پٹنا وہ بھی تمہارے ہی سلسلۂ خیالات کا نتیجہ ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا قدرتی بات ہو سکتی ہے۔ کہ نیچ آدمی شراب پئیں اور گھڑا بھر کر۔ ان میں گالی گلوج اور جوتی پیزار ہونی لازمی امر ہے۔ اور سب سے زیادہ مہماں نوازوں کا ہی پٹنا بھی ضروری ہے ؎

شنکر کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور کہنے لگا مہاراج گنگا جل میں مَیں نے جو تماشہ دیکھا۔ وہ بے شک میرا ہی تصوّر یا منوراج تھا۔ اور میری ہی سوکشم واسنا سے اسی طرح پیدا ہوا۔ جس طرح سوتا ہوا آدمی خواب دیکھتا ہے۔ لیکن مَیں تو عالم بیداری میں پانچ مہینے بھر کر انہیں صورِ خیالیہ کو دیکھتا رہا ہوں۔ خواب کی صورتیں تو بیداری میں غائب ہو جاتی ہیں۔ اگر مایا نگر خواب تھا۔ تو جاگتے ہیں مجھے کیونکر سچّا نظر آیا۔ یہ سن کر بھگوان وشنو پھر مسکرائے اور کہنے لگے۔ شنکر! جسے تم سچّی دنیا سمجھے ہوئے ہو وہ سچّی نہیں ہے۔ خواب کی طرح محض عالم خیال ہے۔ دُنیا سچّی ہوتی تو ہمیں اشیائے خارجی کا علم ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ گیاتا اور گییہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ عالم اور معلوم میں بعد المشرقین ہے۔ معلوم جڑ ہے عالم چیتن ہے ان دونوں میں تعلق یا رشتہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ دنیا کے شاستر کار فلسفی اور حکیم ٹکریں مار کر مر گئے۔ لیکن بیرونی اشیا کے علم کا عقدہ کسی سے حل نہیں ہوا۔ یہ لوگ یہی غلطی کر رہے ہیں کہ جھوٹے جگت کو سچّا سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ بیداری کا تمام عالم بھی اسی طرح گیان

ہیں پانچ مہینے سفر کر کے میں نے اسے کیونکر دیکھا۔ اور مَیں تو یہیں میرے
دوست کیشوانند نے کیونکر دیکھا۔ سوچتا تھا۔ لیکن معاملہ سمجھ میں نہیں
آتا تھا۔ عقل حیران تھی۔ اور دل کو سخت پریشانی رہتی تھی۔ آخر
سوچا کہ بھگوان وشنو ہی اس عقدۂ مالاینحل کو حل کر سکینگے۔ انہیں سے
پوچھئے۔ یہ سوچ کر وہ اُسی باغیچے میں جاکر اسی طرح پھر تپ کرنے لگا۔
چونکہ عقیدہ راسخ اور استوار تھا۔ بھگوان وشنو نے اسے پھر درشن دئے
اور شنکر نے ہاتھ باندھ کر صدق دل سے ان کی سُتتی کی +

مہاراج نے مسکرا کر پوچھا۔ کہو شنکر تم نے مایا کا تماشہ دیکھا۔ اور
تمہارا شوق پورا ہوا۔ شنکر نے کہا مہاراج تماشہ تو ایسا عجیب دیکھا
کہ عمر بھر نہیں بھولونگا۔ لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ سخت حیران و پریشان
ہوں۔ مہاراج نے کہا۔ شنکر اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔ مایا کے
تو معنی یہی ہیں۔ کہ چیز کا وجود نہیں ہے۔ اور وہ آنکھوں کے سامنے
کھڑی ہے۔ رسّی میں سانپ۔ ریگ صحرا میں امواج سراب۔ آکاش
یعنی خلا میں باغ۔ عالم خواب کی دنیا سب مایا کی مثالیں ہیں۔ یہ واقع
میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن ہر ایک چیز ایسی صاف صاف اور جیتی جاگتی
نظر آتی ہے۔ کہ کسی کو اس کے وہمیہ ہونے کا خیال تک بھی نہیں
گزرتا۔ اسی طرح تم نے اپنی من کی واسنا سے گنگا میں غوطہ مار کر
تمام تماشے کا نظارہ کیا ہے +

شنکر بولا بھلا مہاراج میں اپنے واسنا یا خواہش سے نیچ
چنڈال کے گھر جنم کیوں لینے لگا تھا۔ اور پھر اتنی تکلیفیں اٹھاتا۔ اور
اپنے باپ اور خسر کو اپنی خواہش سے جوتیوں سے پٹواتا۔ اس تماشے
میں میری واسنا کا دخل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ بھگوان مسکرا کر بولے۔
شنکر یہ جیوا نادی ہے۔ ایک نہیں اس کے اننت جنم ہو چکے ہیں۔
اور ہر ایک جنم کی لاانتہا واسنائیں یا خواہشیں اس کے ساتھ ہیں۔
انہیں کے موافق اور کرم پھل کے مطابق اُسے جاگرت و سوپن میں

شنکر کو یہ سن کر اور بھی حیرت ہوئی۔ لوگوں نے اسے تمام حال سنایا کہ یہاں دس برس تک ایک چانڈال حکومت کرتا رہا۔ اور سب اس کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ مگر باسیوں کو جب اس کا حال معلوم ہوا۔ تو دھرم کے نشٹ ہو جانے سے سب پرایشچت میں جل کر مر گئے۔ ایک نے کہا۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ دوسرا بولا میرے دو بڑے بھائی بھی تھے۔ اس طرح ہر ایک شکایت کرتا تھا۔ اور شنکر چانڈال کو گالیاں دیتے تھے۔ شنکر نے پوچھا تم میں سے کسی نے اس چانڈال کو دیکھا بھی تھا۔ دیکھا کیوں نہ تھا۔ سب نے دیکھا تھا۔ ایک نے کہا۔ مہاراج آپ کا رنگ گندمی۔ بدن چھریرا اور قد چھوٹا ہے۔ وہ لمبا۔ تن و توش والا۔ اور توے کی طرح سیاہ رنگ کا تھا۔ اس کی عمر بھی ساٹھ برس سے کم نہ ہوگی۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے سب وہاں سے چلے۔ اس رات شنکر نے ذیلدار کے گاؤں میں اس کے مکان پر قیام کیا۔ راجگی کی حالت میں بھی وہ کئی دفعہ اس گاؤں میں آیا تھا۔ اور ذیلدار کا مہمان رہا تھا۔

صبح ہوتے شنکر نے گھر کا رخ کیا۔ انہیں مقاموں سے گزرتا اور کوچ و مقام کرتا۔ ڈھائی مہینے بعد گھر پہنچا۔ اس آنے جانے میں اسے تقریباً پانچ مہینے لگے۔ گھر والے اور گاؤں والے اس کے واپس آنے سے بہت خوش ہوئے۔ شنکر نے انہیں گھنے جنگلوں آباد شہروں اور بہتے ندی نالوں کے دلچسپ حالات سنائے۔ کئی روز اس طرح سے گزرے۔ اور آخر لوگوں کا اس کے پاس آنا جانا ذرا کم ہوا اور وہ نیا پرانا ہو کر گاؤں میں بدستور سابق رہنے لگا۔

شنکر گھر پر رہنے کو رہتا سہتا تھا۔ لیکن کیا سفر میں اور کیا گھر پر اس کی طبیعت نہایت بے قرار تھی۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ کہ چانڈال کے گھر جنم اور مایا نگر کا راج جو میں نے گنگا میں غوطہ مار کر دیکھا۔ وہ محض میرا تصور۔ خواب یا منوراج تھا۔ لیکن جاگرت یعنی عالم بیداری

اب تک میرے پرانے دوست مجھ پر ہنسا کرتے ہیں۔ کسی مسخرے نے آپ کو بھی یہ قصہ سنایا ہوگا۔ لیکن انہیں سزا بھی خوب ہی ملی۔ کمبخت غلیظ میلے آدمی نہ کبھی نہائیں نہ دھوئیں۔ برسوں کی پھٹی پرانی گلی سڑی گدڑیاں جمع کر رکھی تھیں۔ آخر یہاں سے دو روز کی راہ ایک گاؤں ہے۔ وہاں جا کر سب وبا میں مر گئے۔ ہم گاؤں والے اب چین سے رہتے ہیں۔ اور چوری چکاری کا پہلا سا اندیشہ نہیں رہا ہے۔ شنکر بوڑھے کی باتیں سن کر ہنستا رہا۔ رات اس نے وہاں گزاری اور صبح اپنا راستہ لیا۔ تیسرے روز وہ اس گاؤں میں پہنچا۔ جہاں اس کے کئی رشتہ دار وبا میں مرے تھے۔ یہاں سے وہ جنگل میں داخل ہوا۔ اور کئی ہفتے میں جنگل طے کر کے اس میدان میں پہنچا۔ جہاں ہاتھی نے اسے راجہ بنایا تھا۔

دروازے سے وہ شہر میں داخل ہوا۔ تمام بازار اور گلی کوچوں سے کیا چپے چپے سے واقف تھا۔ یہ فلاں امیر کی حویلی ہے۔ یہ فلاں وزیر کا مکان ہے۔ یہ پردھان کا محل ہے۔ یہ فلاں بازار ہے۔ یہ فلاں کوچہ ہے۔ مکان اسباب سے بھرے ہوئے بدستور کھڑے تھے۔ لیکن آدمی اور آدم زاد کا نشان نہیں تھا۔ چلتے چلتے وہ اپنے محلوں میں پہنچا۔ یہاں کا ایک ایک کمرہ جانا پہچانا تھا۔ وہ روز کے جلسے۔ عیش و عشرت کے سامان۔ ریاست کے کاروبار سب اس کی نظر میں پھرتے تھے۔ کیا ہی تعجب انگیز اور حیرت خیز خواب تھا۔ آدمی تمام خواب و خیال ہو گئے۔ لیکن مکان ویسے ہی کھڑے ہیں۔ محلوں سے نکل کر وہ اگنی کنڈ کے قریب آیا۔ یہاں کئی آدمی کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض آس پاس کے گاؤں کے پٹیل۔ نمبردار اور ذیلدار تھے۔ شنکر انہیں دیکھتے ہی پہچان گیا۔ اس کو حیرت زدہ دیکھ کر ایک آدمی کہنے لگا۔ مہاراج اس نگر میں جو آتا ہے۔ وہ حیرت سے عالم تصویر بن جاتا ہے۔ آپ کی طرح چار پانچ مہینے ہوئے ایک سادھو کیشوانند آیا تھا۔ وہ بھی اسی طرح حیرت سے دیکھتا تھا

سے آدمی بھی دیکھے۔ جو صورت آشنا معلوم ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں۔ جنہیں بچّہ سا دیکھا تھا۔ وہ اب ادھیڑ تھے۔ اور جنہیں جوان دیکھا تھا۔ وہ اب بڈھے ہو گئے تھے۔ لیکن بہت سی صورتیں صاف پہنچانی جاتی تھیں۔ اور بہتوں کے نام اسے معلوم تھے۔ وہ اُن سے شنکر چانڈال اور اس کے قبیلے کی نسبت کچھ پوچھنا بھی چاہتا تھا۔ لیکن ہمّت نہیں ہوئی ؛

رات کو اس نے اسی گاؤں میں قیام کیا۔ دوسرے روز یہاں سے چلا۔ تو جہاں جہاں سے گزرا وہ تمام مقامات اچھی طرح جانے پہچانے معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ خانہ بدوشی کے زمانے میں وہ اکثر یہاں سے گزرا تھا۔ یا رہا تھا۔ کئی روز اسی طرح چلتا رہا۔ آخر اسے وہ گاؤں ملا۔ جہاں اس کی شادی ہوئی تھی۔ شنکر نے گاؤں کے باہر وہ جگہ دیکھی جہاں دعوت اور دعوت کے ساتھ جوتی پیزار ہوئے تھے۔ گاؤں میں آیا۔ تو اکثر لوگوں اور ان کے ناموں سے واقف تھا۔ بزاز کی دکان جہاں سے کپڑا خریدا تھا۔ اور درزی کی دکان جہاں سلوایا تھا۔ بدستور موجود تھیں۔ لیکن دکاندار بڈھے ہو گئے تھے۔ چلتے چلتے وہ دکان ملی۔ جہاں سے اس کی ماں نے لوٹا اُٹھایا تھا۔ بوڑھا دکاندار بیٹھا تھا۔ شنکر اُسے آشیرباد دیکر پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اتنتھی یا مہمان سمجھ کر کہا۔ آج آپ ہمارے گھر بھوجن کیجئے۔ شنکر نے مان لیا۔ اور اِدھر اُدھر کے تذکرے ہونے لگے۔ باتوں باتوں میں شنکر نے اس سے پوچھا۔ کہ یہاں کنجروں کا ایک قبیلہ آیا کرتا تھا۔ اور اس میں ایک نوجوان کنجر شنکر بھی تھا۔ آپ کو اُن لوگوں کا حال معلوم ہے ؛

بوڑھا دکاندار مسکرایا اور کہنے لگا۔ مہاراج بڑی پُرانی بات پوچھی ہاں یہ لوگ آیا کرتے تھے۔ اور کیا بتائیں بڑے ہی بدمعاش تھے۔ شنکر کی خبیانی ماں میرا لوٹا چرا لے گئی۔ اور اس کے شیطان بیٹے نے اُلٹا دو روپے جرمانہ مجھ پر کرایا۔ جگ ہنسائی ہوئی سو الگ رہی۔

حقیقت میں اس کا وجود ہے یا نہیں۔ بارے تیسرے روز کیشانند رخصت ہؤا۔ شنکر نے گھروالوں سے کہا۔ کہ انونتھان کے متعلق مجھے جاترا بھی کرنی ہے۔ کل جاؤنگا۔ اور شاید چھ مہینے میں واپس آئیگا۔ چونکہ وہ پہلے بھی کئی بار جاترا کر آیا تھا۔ کسی کو کچھ اندیشہ دامنگیر نہیں ہؤا۔ برہمن مانگتا کھاتا جس جگہ چاہے جاسکتا تھا۔ اُسے کون ستاتا۔ اور ستا کر لیتا کیا۔ لوٹے اور ایک دھوتی اور چادر کے سوا ملنا ہی کیا تھا +

چنانچہ دوسرے روز صبح ہی شنکر نے جنوب کا راستہ لیا۔ سات روز تو ایسے مقامات سے گزرتا رہا۔ جن میں پہلے بھی ہو آیا تھا۔ اور کچھ واقفیتیں بھی تھیں۔ جہاں جاتا آشیرباد کہکر کسی مندر میں ٹھیر جاتا۔ یا لوگ گھر لے جاتے۔ اور مقدس مہمان جان کر خوب خاطر تواضع کرتے۔ پہلے آدمی مہمان نواز ہوتے تھے۔ اس وجہ سے شنکر کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔ آٹھویں روز اسے جنگل میں داخل ہونا تھا۔ اور چھ سات روز اس میں چلنا تھا۔ یہ راستہ اس کا دیکھا ہؤا نہیں تھا۔ اتفاق سے ایک شخص ہمراہی مل گیا۔ اور دونوں ہنستے بولتے سات روز میں جنگل کو طے کر کے باہر نکلے۔ ہمراہی نے تو ایک اور طرف کی راہ لی۔ اور شنکر برابر جنوب کی طرف رخ کئے چلا +

تین چار روز تو وہ ایسے مقامات سے گزرتا رہا۔ جنہیں وہ مطلق نہیں جانتا تھا۔ لیکن چوتھے روز ا ہو تعجب۔ ا ہو حیرت۔ جس گاؤں میں پہنچا۔ وہ تو وہی گاؤں تھا۔ جہاں وہ چانڈال کے گھر پیدا ہؤا تھا۔ اور جہاں طفلی اور جوانی میں اکثر آ کر رہا تھا۔ چپہ چپہ اسے معلوم تھا۔ اس درخت پر چڑھ کر وہ جامنیں توڑا کرتا تھا۔ آپ بھی کھاتا تھا۔ اور اپنے بھائی بہنوں کے لئے نیچے بھی پھینکتا جاتا تھا۔ اس نالے کے کنارے ایک دفعہ تمام قبیلہ مہینہ بھر سے زیادہ ٹھیرا تھا۔ اس راستے سے سب اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ اس نے بہت

میں غوطہ مار کر انہیں خواب کی طرح دیکھا تھا۔ کیشوانند کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہیں مہینوں سے زیادہ ہوئے۔ مایا نگر کو میرا دوست اپنی آنکھوں دیکھ آیا ہے۔ کیسے تعجب کی جگہ ہے۔ اور کیا ہی حیرت کا مقام ہے۔ کیشوانند نے جو اسے اس طرح دریائے استعجاب میں غرق دیکھا تو کہا۔ کہ مجھے بھی تمہاری طرح حیرانی ہوئی تھی۔ لیکن ایشور کی مایا کے عجیب و غریب کارخانے ہیں۔ شنکر نے اس سے دریافت کیا۔ کہ مایا نگر یہاں سے کس طرف واقع ہے۔ کتنی دور ہے۔ اور رستے میں کون کون سے مقامات آتے ہیں۔ دوست ہنستے لگا کہ کیا آپ کا وہاں جانے کا ارادہ ہے۔ شنکر نے مسکرا کر جواب دیا۔ ایسا عجیب شہر تو بیشک قابلِ دید ہے۔ کیشوانند نے کہا دور بہت ہے یہاں سے ٹھیک جانب جنوب دو مہینے کا راستہ ہوگا +

اس کے بعد دونوں دوست پُرانے ذکر واذکار کرتے رہے۔ آخر کیشوانند نے پوچھا۔ کہ تمہارا انوشٹھان ختم ہوگیا۔ یا ابھی اور اسی جگہ ٹھیرو گے۔ شنکر نے کہا۔ انوشٹھان تو ختم ہوگیا ہے۔ لیکن اس کے متعلق کچھ جاننا کرنی باقی ہے۔ سو دو چار روز میں جاؤنگا۔ چلو نند پور چلیں۔ یہ کہکر دونوں دوست گاؤں میں آئے۔ شنکر کے گھر والوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ ماں نے بلائیں لیں۔ بیوی اور بچّے خوشی سے پھولے نہ سمائے۔ چنانچہ اس روز خوشی منانے اور کیشوانند کا خیر مقدم کہنے کے واسطے گھر میں پُرتکلف دعوت کا سامان بنا۔ اور سب نے مل کر بڑی خوشی اور چاؤ کے ساتھ کھایا +

اس اثنا میں شنکر نے کیشوانند سے مایا نگر کا راستہ دو تین بار دریافت کیا۔ اور بڑے بڑے مقامات کے نام یاد رکھنے کی غرض سے لکھ لئے۔ اُسے یہ شوق لگا ہوا تھا۔ کہ کیشوانند رخصت ہو تو مَیں مایا نگر کا راستہ لوں۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ کہ تھیانی میں جو دنیا سے وہمیہ میری نگاہ تصوّر کے سامنے سے گزری ہے۔

ایک بڑا میدان تھا۔ اور اس میں ایک بڑا بھاری تالاب تھا۔ اس کے کنارے دو آدمی کھڑے تھے۔ میں بھی وہاں پہنچا۔ تالاب میں پانی بالکل نہیں تھا۔ بلکہ راکھ سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا۔ کہ یہ شہر جنات کی بستی ہے۔ اور تم آدمی ہو کہ کوئی اور مخلوق ہو۔ مجھے بتاؤ تو کیا ماجرا ہے ÷

ان میں سے ایک نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا مہاراج کچھ نہ پوچھو۔ یہاں بڑا انرتھ ہوا ہے۔ یہ نہایت آباد شہر تھا۔ اور یہاں بڑے بڑے راجا ہو گزرے ہیں۔ انہیں کے یہ محل اور تالاب ہیں۔ سب سے پچھلا راجہ ایک چانڈال تھا۔ جو دس برس راج کرتا رہا۔ سب اس کے ساتھ کھاتے پیتے رہے۔ اور کسی کو معلوم نہ ہوا۔ آخر اس کے کچھ رشتہ دار چانڈال یہاں آئے اور انہوں نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ نگر باسیوں کو اپنے دھرم نشٹ ہونے کا بڑا رنج ہوا۔ اور وہ اس اگنی کنڈ میں جل جل کر مر گئے۔ اسی میں وہ چانڈال بھی جان سے گزر گیا۔ ہم پاس کے گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ ادھر سے جاتے تھے۔ دم کے دم کھڑے ہو گئے ہیں۔ مکانوں میں مال و اسباب بھرا پڑا ہے۔ لیکن پاپ کے خیال سے کوئی اُسے ہاتھ نہیں لگاتا۔ اتنے آدمیوں کا اس طرح مرنا سن کر مجھے بھی سخت رنج ہوا۔ اور ایسے ان ارتھ ستھان میں چلے جانے سے بڑے پاپ کا اندیشہ ہوا۔ اس کی شانتی کے لئے میں نے چاندراین برت رکھے۔ میرے دبلے ہونے کی یہ وجہ ہے۔ اور عرصے سے تم سے نہ ملنے کی بھی یہی وجہ ہے۔ کہ میں اس نگر سے آتا ہوں۔ وہ یہاں سے کم از کم دو مہینے کی راہ ہے ÷

سادھو کیشوا نند سے یہ حال سن کر شنکر کا اوپر کا دم اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ فرط حیرت سے بولا نہیں جاتا تھا۔ سوچتا تھا۔ کہ یہ واقعات میرے من کے بھرم یا وہم تھے۔ اور میں نے ابھی پانی

وحساب نہیں تھا۔ بار بار دل میں خیال آتا تھا۔ کہ میرا کوئی دوست بھی ہوتا۔ تو اس کو یہ عجیب ماجرا سناتا۔ وہ یہ سوچتا ہی تھا۔ کہ ایک سادھو وہاں آیا۔ یہ شنکر کا پُرانا رفیق تھا۔ آتے ہی اس نے کہا شنکر مہاراج آج تو بڑے چنتا ساگر میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہو۔ شنکر نے جو نظر اُٹھا کر دیکھا۔ تو بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ کیشوانند جی آ بیٹھے آپ نے تو بڑے دن بعد درشن دئیے۔ کہاں رم گئے تھے۔ تم تو مہینے میں ایک دو دفعہ ضرور آیا کرتے تھے۔ یہ کہکر اٹھا۔ اور دونوں پرانے دوست بڑی محبت سے بغلگیر ہوئے۔ شنکر نے اپنے پُرانے رفیق کو دیکھا۔ کہ بہت ہی دُبلا اور سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ پوچھا۔ مہاراج آپ ایسے دُبلے کیونکر ہو گئے۔ اس نے کہا۔ بس کچھ نہ پوچھو۔ میں ایک بڑے ان ارتھ کے ستھان میں جا پھنسا تھا۔ اس پاپ کے پرائشچت میں مجھے سخت برت رکھنے پڑے۔ یہی باعث ہے۔ کہ اتنا دُبلا ہو گیا ہوں۔

یہ سُن کر شنکر کو بابا نگر میں اپنا ان ارتھ یاد آیا۔ اور نہایت شوق سے پوچھا۔ کہ بات تو کہو کیا ہے۔ لیکن تم دور سے چلے ہوئے آتے ہو۔ اور بہت کمزور ہو رہے ہو۔ پہلے کچھ پھل کھاؤ۔ اور شیتل گنگا جل پیو۔ یہ کہکر دوست کے سامنے پھل رکھے۔ اور گنگا جل کا لوٹا بھر کر لایا۔ سادھو کیشوانند پھل کھا کر اور جل پی کر تازہ دم ہوا۔ تو کہنے لگا۔ شنکر تمہیں معلوم ہے کہ مجھے دیش دیش پھرنے کا شوق ہے۔ اب کی بار پھرتے پھراتے میں ایک عجیب مقام میں پہنچا۔ شہر بڑا عالیشان تھا۔ بازار فراخ۔ مکان پختہ اور دو منزلے سہ منزلے۔ باغ۔ کوئیں تالاب کثرت سے۔ لیکن اس بڑے شہر میں آدمی زاد کا نام و نشان نہ تھا۔ مکان کھُلے پڑے ہیں۔ اور اسباب جوں کا توں رکھا ہؤا ہے۔ مگر اُسے برتنے والا کوئی نہیں۔ مَیں بڑی حیرت میں تھا۔ کہ ہے پرماتما یہ ماجرا کیا ہے۔ بڑے بازار میں سے گزرتا ہؤا۔ آخر راجہ کے محلوں تک پہنچا۔ نہایت ہی شاندار محل تھے۔ ان کے جانب شمال

دل میں کہا۔ دھتکار ہے تیرے جینے پر۔ ارے پاپی۔ تیرے باعث سے۔ یہ شہر کا شہر جل جل کر مر رہا ہے۔ تو بھی اس اگنی کنڈ میں کود اور جل کر مرجا۔ یہ سوچ کر شنکر نے محل کی چھت سے اس دہکتے ہوئے آگ کے سمندر میں ڈبکی لگائی ✤

آگ کی حدت اور جلن سے ایسی سخت تکلیف محسوس ہوئی کہ شنکر اچھل پڑا۔ دیکھے تو نہ کہیں مایا نگر ہے۔ نہ اگنی کنڈ ہے۔ نہ لوگ اس میں کود کود کر اور جل کر مر رہے ہیں۔ بلکہ اس نے گنگا کے نرمل اور شیتل جل میں غوطہ لگا کر سر ابھارا ہے۔ اور پوجا کی سامگری کنارے پر رکھی ہے۔ غوطہ لگانے اور سر ابھارنے میں بھلا کتنی دیر لگتی ہے۔ اس لحظہ بھر میں اس نے کیا کیا مناظر دیکھے۔ اور کس طرح دیکھے۔ شنکر اس وقت یوں سمجھو۔ کہ گنگا میں نہیں نہا رہا تھا بلکہ دریائے حیرت میں غوطہ زن تھا۔ اور دریائے حیرت بھی وہ کہ جس کا وار تھا نہ پار۔ وہ جوں توں نہا کر دریا سے باہر نکلا۔ اور باغ میں آکر سوچنے لگا کیسی حیرت کی جگہ ہے۔ کہ لحظہ بھر میں میں نے نند پور گاؤں میں سو برس جی کر اپنی وفات دیکھی۔ چانڈال کے گھر میں اپنا جنم۔ شیر خواری۔ طفلی اور جوانی دیکھی۔ چانڈالی کے ساتھ اپنی شادی دیکھی۔ چھ لڑکے اور چار لڑکیوں کا پیدا ہونا دیکھا۔ سارے خاندان کا مرنا دیکھا۔ مایا نگر کا دس برس کا راج۔ عیش و عشرت کے تمام سامان۔ اور پھر اگنی کنڈ میں اس کا خاتمہ دیکھا۔ ایک لحظہ بھر اور اس میں دو جنم کے جنم بیت گئے۔ اور کیسے کیسے عجیب و غریب واقعات پیش آئے۔ کیسے کیسے حیرت افزا مناظر نظر سے گزرے۔ کہ وہم و گمان بھی ان کے خیال سے قاصر ہے۔ یہ وشنو جی مایا ہے۔ او ہو کیسا اندر جال ہے۔ کہ سمجھنے سے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بھگوان وشنو آپ کو نمسکار ہے۔ آپ کی مایا اپرم پار ہے ✤

شنکر اپنی کٹی میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا۔ اور اس کی حیرت کا اندازہ

سچ کہہ رہے ہیں +

مثل مشہور ہے۔ کہ ناش کے سمے آدمی کی بدھی بپریت ہو جاتی ہے
ننسکر کے منہ سے اس وقت یہی نکلا۔ کہ تم انہیں میرا رشتہ دار سمجھتے ہو
تو انعام و اکرام دے کر رخصت کرو۔ اور کہدو۔ کہ پھر اس نگر میں نہ آئیں۔
پردھان اور اعلےٰ عہدے دار رخصت ہوئے۔ اور انہوں نے کنجروں
کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ شہر میں راجہ کے کنجر ہونے کی
افواہ پہلے ہی خوب مشہور ہو چکی تھی۔ پردھان اور اعلےٰ عہدہ داروں
سے لوگوں نے آ آکر پوچھنا شروع کیا۔ اور جب انہیں بھی یہی کہتے
سنا۔ کہ راجہ بے شک کنجر ہے۔ تو سب کو بڑا رنج ہوا۔ اعلےٰ عہدہ دار
راجہ کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تھے۔ اور اور لوگ ان عہدہ داروں
کے ساتھ کھاتے پیتے رہے تھے۔ اہل شہر نے ایک بڑی بھاری سبھا
کی اور باہم مشورہ کیا۔ کہ بڑا غضب ہوا ہے۔ کہ ہم ایک چانڈال کے
ہاتھ کا کھاتے رہے ہیں۔ ہمارا دوج دھرم نشٹ ہو گیا۔ اب کیا پرایشچت
کرنا چاہئے۔ سب کی یہ رائے قرار پائی۔ کہ جس پاپ سے دھرم نشٹ
ہو جائے۔ اس کا پرایشچت سوائے اس کے کچھ نہیں ہے۔ کہ اگنی
میں پرویش کر کے شدھی حاصل کی جائے۔ یعنی ہم سب آگ میں
جل جل کر مر جائیں۔ اس رائے کو سب نے منظور کر لیا +

راجہ کے محلوں کے نیچے ایک بڑا بھاری تالاب مرمت کے واسطے
خشک کیا گیا تھا۔ وہاں لکڑیوں کے انبار لوگوں نے گھروں
سے لا لاکر ڈالنے شروع کئے۔ کواڑ۔ تختے۔ چھت کی کڑیاں۔ غرض
جہاں جہاں سے کاٹ ملا سب لا لاکر اس میں ڈالا۔ اور سو جگہ سے
یکلخت ہی آگ لگا دی۔ جب آگ خوب دھک گئی۔ تو اول پردھان
اس میں کودا۔ اور پھر ہزاروں مرد اور عورتیں اس طرح سے اس میں
گرنے لگیں۔ جس طرح شمع پر پروانے گرتے ہیں۔ اور جل جل کر خاکستر
ہو جاتے ہیں۔ ننسکر بھی اپنے محل سے یہ خطرناک منظر دیکھ رہا تھا۔

ان بدتہذیب وحشیوں نے یہ کلمات ایسے آواز سے کہے تھے - کہ آس پاس کے لوگوں نے ہی نہیں سُنے - بلکہ راجا اور پردھان نے بھی جو اس کے پیچھے ہاتھی پر بیٹھا تھا - صاف صاف سُنے - راجہ نے فوراً حکم دیا کہ ان کنجروں کو پکڑ لو - اور دربار میں لے چلو - سواری تو آگے نکل گئی - اور کنجر گرفتار ہو کر پیچھے پیچھے آئے - جس نے انہیں پکڑا ہوا دیکھا - اسی نے پوچھا - انہوں نے کیا گناہ کیا ہے - اور اُسے ہی یہی معلوم ہوا - کہ یہ راجہ کو کنجر کہتے تھے - یہ افواہ شہر میں آندھی کی طرح پھیل گئی - چھوٹے بڑے سب کو معلوم ہو گیا - کہ راجہ کنجر ہے - لوگ سرگوشیاں کرنے لگے - اور جگہ جگہ اسی بات کا چرچا ہونے لگا - اور ذکر و اذکار بند ہو گئے +

کنجروں کو پکڑ کر راجہ کے پاس لائے - تو اس وقت سپاہیوں کے علاوہ پردھان اور بڑے بڑے عہدہ دار سب موجود تھے - راجہ نے اُن سے پوچھا - ارے تم بھرے بازار میں ہمیں کیا کہتے تھے - یہ سُن کر کوڈو بولا - کہ مہاراج آپ کی صورت اور آواز بالکل ہمارے رشتہ دار چنڈی کے خاوند کی سی ہے - یہی ہم نے بازار میں کہا تھا - اور یہی یہاں کہتے ہیں - مارو یا چھوڑو - یہ سُن کر شنکر کی نظر میں اپنی زندگی کے تمام واقعات پھر گئے - اور وہ دیر تک دریائے حیرت میں غوطہ زن رہا - اس کی خاموشی سے پردھان اور تمام عہدہ دار بھانپ گئے - کہ راجہ حقیقت میں کنجر ہے - اور انہیں کنجروں کا رشتہ دار ہے جس ہیئت کذائی سے وہ روز اوّل بابا نگر میں آیا تھا - اور اس کی بے علمی اور شرلیقانہ اوضاع و اطوار کی ناواقفیت بھی اس خیال کی تائید کرتی تھی - پردھان نے کہا - مہاراج مہاپرش سچ کو کبھی نہیں چھپاتے - ہمیں معلوم ہوتا ہے - کہ یہ لوگ حقیقت میں آپ کے رشتہ دار ہیں - اب آپ کہئے - اصلی ماجرا کیا ہے - ہم نے کئی بار آپ کا پہلا حال پوچھا - لیکن آپ نے کبھی نہیں بتایا - اس سے اور بھی یقین ہوتا ہے - کہ یہ

چنانچہ گرد و نواح میں شہرت ہوگئی کہ راجہ قدر انداز ہے۔ ریاست کے کاروبار میں چونکہ زیادہ دخل نہیں دیتا تھا۔ اس وجہ سے اعلےٰ عہدہ داراس سے نہایت خوش تھے۔ شنکر خود افلاس کی مصیبتیں جھیل چکا تھا۔ اس باعث سے غربا اور مستحقین کو خیرات بہت کیا کرتا تھا۔ ان وجوہات سے وہ ریاست میں روز بروز زیادہ ہر دلعزیز ہوگیا۔ اور روزمرہ اس کی خوشی بڑھتی گئی۔ محلوں میں حسین رانیاں تھیں۔ رہنے کے مکان تزک و شان کے تھے۔ اچھے سے اچھا کھانا ملتا تھا۔ ہر طرح کے عیش آرام کے سامان میسر تھے۔ سب طرح کا اختیار حاصل تھا۔ اس وقت شنکر سے زیادہ اور کون خوش ہوسکتا تھا۔ اس طرح مایا نگر میں اس نے دس برس سلطنت کی۔ گو ساٹھ برس کی عمر ہوچکی تھی۔ لیکن بدن ویسا ہی گٹھیلا۔ قد ویسا ہی کشیدہ اور صحت ویسی ہی اچھی تھی ۔ یہاں بھی رانیوں کے بطن سے اس کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اور ان کی خوشی میں بڑے بڑے جشن شاہانہ ہوئے۔ شنکر کا ہر روز روزِ عید تھا اور ہر شب شبِ برات ✣

اِن دنوں دسہرے کا میلا تھا۔ مایا نگر کا دسہرہ دور دور مشہور تھا۔ کیونکہ راجہ خود جلوس کے ساتھ میلے میں شریک ہؤا کرتا تھا۔ چنانچہ دور دور سے لوگ تماشہ دیکھنے آیا کرتے تھے۔ ایک روز راجہ جلوس کے ساتھ میلے سے واپس آتا تھا۔ اور خلق خدا کے ٹھٹ کے ٹھٹ کھڑے سواری کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ایک جانب کچھ کنجر بھی الگ کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ارے گوڈو۔ اُس نے کہا کیوں کڈھیرا۔ وہ بولا اہو نہ ہو یہ راجا تو ہمارا رشتہ دار شنکر ہے جس کی شادی میری موسی کی بیٹی چنڈی سے ہوئی تھی۔ کڈھیرا نے کہا۔ ارے وہی شنکر جس کا باپ اور سسر دونوں رات کو شراب پی کر خوب جوتیوں سے پٹے تھے۔ ہاں بھئی معلوم تو وہی ہوتا ہے۔ یہ یہاں آکر راجہ کیونکر ہوگیا ✣

راج نیتی میں دخل نہیں ہے۔ اس لئے سب سے بہتر تجویز یہ ہے کہ راج کے معاملات میں فی الحال میں کچھ دخل نہ دوں اور وزیروں پر چھوڑ دوں۔ اس طرح کام بھی اچھا چلا چلیگا۔ اور یہ سب مجھ سے خوش بھی رہینگے۔ دوسرے پڑھنا لکھنا۔ گھوڑے کی سواری اور شرفا کے اطوار و آداب سیکھنے چاہئیں۔ وگرنہ قدم قدم پر لوگ میرا تمسخر اڑائینگے۔ پردھان منتری یعنی وزیر اعظم سن رسیدہ اور معقول آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر اعتماد کیجئے اور اس سے سب کچھ سیکھئے ٭

ارباب موسیقی صبح کی چوکی کو آئے ہی تھے۔ اور انہوں نے اپنے ساز لا کر گانا شروع ہی کیا تھا کہ شنکر بستر سے اُٹھا۔ اور حوائج ضروری سے فارغ ہو کر دربار خاص میں جا کر بیٹھا۔ تھوڑی دیر میں پردھان آیا اور اس نے کاغذات پیش کرنے شروع کئے۔ پہلا کاغذ کسی صوبہ دار کے تقرر کا تھا۔ شنکر نے پوچھا کہ پردھان جی آپ اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا۔ مہاراج یہ شخص لائق و فائق اور راج کا وفادار نوکر ہے۔ بیشک اسے مقرر کر دیجئے۔ راجہ نے کہا منظور ہے۔ اس نے جو دستخطوں کو کاغذ پیش کیا۔ تو شنکر نے کہا مجھے لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ وزیر یہ سن کر چونکا تو سہی۔ لیکن تھا دانا۔ اور سمجھدار آدمی کہنے لگا مہاراج! یہ ریاست مایا نگر کہلاتی ہے۔ اور شہر کا بھی نام مایا نگر ہے۔ یہاں کے راجہ مہیشور کہلاتے ہیں۔ چھ آپ سے پہلے ہو چکے ہیں۔ اور ساتویں آپ ہیں۔ دیکھئے پہلے راجہ کے دستخط یہ ہیں۔ اسی طرح آپ بھی مشق سے لکھنے لگینگے۔ دیوناگری حروف ایسے آسان ہیں۔ کہ آدمی ہمت کرے تو چار روز میں لکھنا پڑھنا سیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ راجہ نے پہلا سبق پردھان سے سیکھا۔ اسی طرح گھوڑے کی سواری کی مشق کی۔ شرفا کے اوضاع و اطوار اخذ کئے۔ اور قلیل عرصے میں سب باتیں اس طرح کرنے لگا گویا پشتینی رئیس زادہ ہے ٭

شکار سے راجہ کو قدرتی اُنس ہوتا ہی تھا۔ کیونکہ تمام عمر یہی کام کیا تھا

ہو رہا تھا۔ مرد و زن لباس فاخرہ پہنے گلگشت کرتے پھرتے تھے ۔ با جھنڈیوں اور جھروکوں سے محو تماشا تھے۔ راجا کی سواری پر جا بجا پھولوں کی برکھا ہوئی ۔ اور خوشی کے جے جے کاری بولے گئے۔ شہر کا چکر کھا کے سواری محلوں کے نیچے بڑے میدان میں آئی۔ یوں تو روشنی سب جگہ اچھی تھی اور تمام شہر بقعہ نور نظر آتا تھا۔ لیکن یہاں رات میں دن کا سماں پیش نظر تھا۔ راجہ کے آنے ہی آتشبازی چھوڑی گئی اور واہ واہ کا غل زمین سے آسمان تک بلند ہوا۔ نصف شب کے بعد راجہ محلوں میں داخل ہوا +

اور لوگ تو گھر جا کر آرام سے سوئے ہونگے ۔ لیکن اس رات شنکر کو نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کر سوچتا تھا کہ میں جاگتا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ الہی کیا اسرار ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہاں وہ شنکر کہ ایک چانڈال کے گھر پیدا ہوا۔ اوائل عمر سے چوری کرتی اور بھیک مانگنی سیکھی۔ نہ رہنے کا ٹھکانا نہ کھانے پینے کا سامان میسر۔ نہ تن کو کپڑا۔ نہ پیٹ کو روٹی۔ ایک ہفتے کے اندر اندر پچاس ساٹھ آدمیوں کا خاندان کا خاندان طعمۂ نہنگ اجل ہو گیا۔ اور آپ یکہ و تنہا بے یار و مددگار زندگی سے مایوس اور جینے سے بیزار جنگلوں میں ٹکریں مارتا پھرا۔ کہاں یہ خوشحالی اور فارغبالی کہ ایک ریاست کا راجہ ہوں۔ تمام شہر میرے نام کے جے کارے بولتا ہے۔ اور میری زبان میں یہ طاقت ہے کہ حکم دینے کی دیر ہے اور جو چاہتا ہوں فوراً مہیا ہو جاتا ہے۔ قدرت کے عجیب کارخانے ہیں۔ عجیب طرح کا مایا جال میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ جتنا غور کرتا ہوں۔ اُتنی زیادہ حیرت ہوتی ہے +

پلنگ پر پڑا پڑا شنکر یہ سوچ رہا تھا۔ اور نیند آنکھوں سے اس طرح کافور ہو گئی تھی۔ کہ تین چار بج گئے نہیں آئی۔ جب صبح کا نور مشرق میں ظہور ہونے لگا۔ تو شنکر کو خیال ہوا کہ امیر اور وزیر آتے ہونگے۔ اُن سے مجھے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے

باندیاں۔ نوکرانیاں دوڑیں۔ اور سر جھکا جھکا کر نمسکار کرنے لگیں۔ پھر پنڈت۔ وزیر اور اہل کار آئے۔ راج ابھی ٹیک یعنی غسل راجگی کا سامان پہلے سے تیار تھا راجہ کو غسل کرایا۔ اچھے اچھے کپڑے اور قیمتی زیور پہنائے۔ خوشبوئیں لگائیں۔ اور چاندی سونے کے تھالوں میں قسم قسم کے لذیذ کھانے کھلائے۔ ستنار بھوکا پیاسا تھا اور اس نے ایسے کھانے کب دیکھے تھے۔ خوب پیٹ بھر کر کھائے اور چونکہ تھکا ماندہ بھی تھا۔ مکلف پلنگ پر پڑ کر سو رہا +

آرام کرنے کے بعد راجہ اُٹھا اور جلوس و سواری کی تیاری ہونے لگی۔ امرا اور وزرا نے نئے راجہ سے باتیں کرنی اور اس کا پہلا حال دریافت کرنا چاہا۔ لیکن وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ کہ تم لوگوں نے مجھے اپنا راجہ تسلیم کر لیا ہے اور مجھے گدی پر بٹھا چکے ہو اب دریافت کرنے سے کیا حاصل کہ میں پہلے کون تھا۔ یہ سوال آئندہ مجھ سے کوئی نہ کرے لوگ خوف سے چپکے ہو رہے۔ سواری سے پہلے تمام ملازمین کو ایک ایک مہینے کی تنخواہ انعام دی گئی اور فقرا اور محتاجین میں بہت سی خیرات تقسیم کی گئی۔ اس سے سنکہ ہر دلعزیز ہو گیا۔ اور شہر میں اس کی بڑی تعریف ہوئی +

شام کو شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں راجہ کی سواری کا گشت ہوا ہاتھیوں پر جھلا جھلی کی جھولیں اور سونے چاندی کے ہودے تھے۔ تھانے کے گھوڑوں پر مکلف ساز کسے ہوئے اور سب زیور میں لدے ہوئے رتھ صنعت کاری کے نمونے۔ سواروں کے دستے کے دستے۔ پیادوں کی صفوں کی صفیں۔ امرا و وزرا کی سواریاں اور خاص جلوس۔ خود راجہ کی سواری جو تزک و احتشام میں سب پر فوق رکھتی تھی۔ غرض قابل دید تماشا تھا۔ اہل شہر نے شہر میں آیئنہ بندی کی تھی۔ سر بازار کے کوٹھے خاص تکلف سے سجائے گئے تھے۔ جگہ جگہ پر مکلف دروازے اور محرابیں بنائی تھیں۔ جا بجا نوبت اور نقارے بج رہے تھے۔ اور گانا

نے مجھے مارا۔ لیکن لوگوں نے جے جے کار کے نعرے بلند کئے۔ جس کے یہ معنے تھے کہ شنکر کو اپنا راجہ تسلیم کر لیا۔ وزیروں وغیرہ کا پہلے یہ ارادہ تھا۔ کہ نئے راجہ کو بازار میں ہاتھی پر سوار کر کے لے چلیں۔ لیکن اس کی ہیئت کذائی دیکھی تو یہی مناسب سمجھا کہ جلوس اور سواری شام کو نکالی جائے۔ اس وقت اسے باہر باہر محلوں میں لے چلنا چاہئیے +

ہاتھی شنکر کو سونڈ سے پکڑے ہوئے اپنی پیٹھ پر رکھے ہوئے تھا۔ اور شنکر چلّا رہا تھا۔ کہ لوگو مجھے خدا کے واسطے بچاؤ۔ آخر ایک فیلبان پوچھ پکڑ کر ہاتھی پر چڑھا۔ اور شنکر کو سہارا دے کر بولا۔ مہاراج گھبرائیے نہیں۔ یہ ہاتھی ہلا ہؤا اور بہت غریب ہے۔ اور آپ اس کے اور ہمارے راجہ ہیں۔ آپ کو یہ کیونکر تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ شنکر حیران ہؤا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ اسی اثنا میں نقیب نے باآواز بلند کہا۔ نگرباسیو راجہ جی اس وقت محلوں کو جاتے ہیں۔ سواری رات کے وقت نکلیگی۔ سب شہر میں آیئنہ بندی کرو۔ سب اپنے اپنے گھر اور دکانوں میں روشنی کرو۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ یہ سن کر خلق خدا گھروں کو سدھاری۔ وزیروں اور اہلکاروں نے آکر نئے راجہ کو نذر گزرانی اور کہا مہاراج آپ ہمارے راجہ ہیں اور ہم آپکے نوکر اور رعیت ہیں۔ ہم پر دیا کی نظر رکھنا +

شنکر کو سخت حیرت تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ اُسے بالکل یہ خیال تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ کہاں میں کنگال نیچ جس کو کل تک روٹیوں کے لالے پڑے ہوئے تھے اور جس کے ہاتھ کا کوئی پانی پینے کا روادار نہیں تھا اور کہاں یہ بڑے بڑے راج پرش آآ کر مجھے اپنا راجہ کہتے ہیں۔ اور میرے سامنے گردن جھکاتے ہیں۔ لیکن فرط حیرت سے سمجھو یا دانائی سے سمجھو وہ کسی سے نہ تو کچھ بولا۔ نہ کسی سے کچھ بات کی +

ہاتھی تھوڑی دیر میں محل کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں داروغہ محلسرا نے نذر گزرانی اور ہاتھوں ہاتھ راجہ کو محل کے اندر لے گئے۔ لونڈیاں۔

نکل کر مجھے کیوں نہیں کھا جاتا۔ یہ سوچتا جاتا تھا اور آگے چلتا جاتا تھا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر تھی۔ اور دل میں رنج ایسا بھرا ہوا تھا۔ کہ آنکھوں سے آنسو نہیں نکل سکتے تھے ؛

اس پریشان حالی میں وہ ہفتوں اُسی جنگل میں سفر کرتا رہا۔ درختوں کی جڑیں اور پھل کھاتا اور بہتی ندیوں اور چشموں کا پانی پیتا تھا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے سفر کے بعد جنگل ختم ہوا اور آبادی کے آثار نظر آئے۔ انہیں دیکھ کر اس کا جی کچھ اور سے اور ہوا اور وہ آبادی کی طرف تیز تیز چلا۔ گو اس کی عمر پچاس سال سے متجاوز تھی۔ لیکن جنگل کی ہوا کھانے اور محنت مشقت کے کام کاج کرتے رہنے سے صحت اچھی تھی۔ جسم طاقتور بنا ہوا تھا اور قد پہلے کی طرح کشیدہ تھا۔ ہاں رنج سے حالت زار تھی اور کپڑوں کی حالت نہایت خراب۔ دھوتی اور کرتہ دونوں نہایت میلے اور تار تار ہو رہے تھے۔ اور نہ سر پہ ٹوپی تھی نہ پاؤں میں جوتی ؛

شنکر نے دور سے دیکھا کہ ایک فراخ میدان میں آدمیوں کا ایک جم غفیر جمع ہے۔ یہ بھی اسی طرف چلا۔ پہلے بعض مقاموں میں یہ رواج تھا۔ کہ راجہ لاولد مر جاتا تھا تو راجدھانی کے لوگ باہر میدان میں جمع ہوتے تھے۔ اور ایک ہاتھی کو چھوڑ دیتے تھے۔ وہ اپنی سونڈ سے جس شخص کو اُٹھا کر اپنے اوپر بٹھا لیتا تھا اسی کو شہر کا راجہ بنا دیا کرتے تھے۔ یہاں کا راجہ بھی مر چکا تھا۔ اور انتخاب راجہ کے لئے ہاتھی چھوڑا گیا تھا۔ لیکن شنکر غریب کو اس حال کی خبر تک بھی نہیں تھی۔ وہ سمجھا کہ کچھ تماشہ ہو رہا ہے۔ آپ بھی جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی ہیئت کذائی ایسی تھی کہ لوگوں میں کھڑے ہوتے شرم آتی تھی۔ سب سے بچ کر ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھنے لگا۔ کہ ماجرا کیا ہے۔ ہاتھی سب طرف سے گزرتا ہوا اس مقام پر بھی آیا جہاں شنکر کھڑا تھا۔ اور اس نے فوراً سونڈ سے شنکر کو اٹھا کر اپنی پیٹھ پر بیٹھا لیا۔ شنکر خوف سے چلایا کہ ہاتھی

کے کنارے آکر ڈیرے ڈال دیتے تھے لیکن زیادہ تر جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے اور شکار پر اوقات بسری کرتے تھے۔

اس طرح سے شنکر کی زندگی کے پچاس برس بسر ہوئے۔ ماں باپ بہت بڈھے ہو گئے۔ اور خود اس کے اور بھائیوں کے بہت سے لڑکے لڑکیاں ہوئیں جن میں سے کئی بیس بیس پچیس پچیس سال کے جوان ہو گئے۔ انہیں ایام میں وہ ایک قصبے کے کنارے مقیم تھے کہ لوگوں میں وبا پھیلی۔ ان کے کپڑے نہایت غلیظ۔ جسم نہایت غلیظ۔ رہنے کی جگہ نہایت غلیظ۔ ان میں وبا نہ پھیلتی تو اور کہاں پھیلتی۔ پہلے دو بھائی اور ان کے کچھ بچے ضائع ہوئے۔ بعد میں اپنے دو جوان جوان لڑکے اور ایک لڑکی مری پھر ماں باپ کی باری آئی۔ غرض دو دو چار چار موتیں ہونے لگیں۔ آخر کو اس قبیلے نے اُٹھ کر جنگل کی راہ لی۔ لیکن وبا کا بیج جڑ پکڑ چکا تھا چلے تو تین مرد اور عورتوں کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ جنگل میں پہنچنے نہ پائے تھے کہ وہ پہلے ہی چل بسے۔ جنگل میں جا کر ڈیرا کیا تو شنکر کے سوا سب کو بخار تھا۔ اور دوسرے روز سب ہی ملک عدم کو سدھار گئے۔ شنکر اکیلا نہ لاشوں کو دفن کر سکتا تھا نہ جلا سکتا تھا۔ انہیں جنگل میں درند و پرند کے حوالے کر کے آپ ایک طرف کو چل کھڑا ہوا۔

چلتا جاتا تھا اور سوچتا جاتا تھا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ پچاس ساٹھ آدمیوں کی جماعت ایک ہفتے میں کالعدم ہو گئی۔ ہائے میرے ماں اور باپ جنہوں نے مجھے جنم دیا اور پال پوس کر بڑا کیا۔ ہائے میرے بھائی بہن جن کے ساتھ میں کھیلا کودا اور ہمیشہ پیار سے رہا۔ ہائے میری پیاری بیوی جو میری عمر کی رفیق تھی۔ ہائے میرے چھ لڑکے جن میں سے چار قد آور جوان تھے اور پیرانہ سالی میں میرا سہارا ہوتے۔ ہائے میری چار لڑکیاں۔ دو کنواری مریں اور دو خاوندوں کے ساتھ سدھاریں۔ میں کیسا سخت جان ہوں کہ اتنے صدمے سہے اور مجھے موت نہیں آئی۔ ایسے سنسان جنگل میں جہاں کوئی یار ہے نہ مددگار۔ کوئی ہنیر

زمین پر دراز ہوگئے۔ جو ہوش میں رہے وہ اور شراب مانگتے اور پیتے رہے۔
عورتوں کی دعوت میں بھی تقریباً یہی حال رہا۔ غرض رات کے دو بج گئے
جب جاکر کہیں دعوت ختم ہوئی۔ کچھ آدمی اپنے ٹھکانوں پر گئے۔ کچھ
وہیں دراز رہے۔ انہیں میں نوشاہ شنکر بھی تھے۔ کیسی حیرت کا مقام ہے
وہ تقدیس مآب شنکر جو شوُرج اور شُدھی کا ایسا سخت پابند تھا اور جو
پرچھائیں پڑا کھانا اور پانی چھوتا بھی نہ تھا۔ اس کا اور یہ حال زار کہ
ناگفتہ بہ ہے۔

دوسرے روز شادی کی امنگ میں سب نہائے اور کپڑے بدلے۔
شنکر کے جوڑے میں ایک گاڑھے کی دھوتی اور گاڑھے ہی کا کرتہ تھا۔
اور سر پر سرخ رنگ کی ایک مختصر سی پگڑی جس میں چاند ڈھکنی بالکل ناممکن
تھی۔ لیکن انہیں کپڑوں کو پہن کر اسے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میں نئی دنیا
میں آگیا ہوں یا کوئی بڑا رئیس زادہ ہوں۔ بیوی کو بھی ایسے ہی موٹے
کپڑوں کا جوڑا ملا تھا اور وہی چاندی کے دو کم قیمت زیور لیکن وہ زمین
پر پاؤں نہیں رکھتی تھی۔ اور اس طرح اترائی اترائی پھرتی تھی کہ کسی رانی
کو بھی کیا فخر و ناز ہوگا۔ دوپہر کے وقت قبیلے کی رسوم کے مطابق شادی
ہوگئی۔ لیکن رات کو دعوت اور شراب بازی موقوف رہی اس کا عذر تو یہ کیا
گیا تھا کہ رات کی جو تم بیزار میں شنکر کے خسر کے سر میں سخت چوٹ آئی
ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ شراب ختم ہو چکی تھی اور گھڑے خریدنے کے
واسطے دونوں سمدھیوں کی جیب میں دام نہیں تھے۔

اب شنکر اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا۔ دہیز میں ایک مریل سا گدھا
بھی ملا تھا۔ یہ مغتنم ثابت ہوا۔ کوچ کے وقت جو اسباب شنکر کو پیٹھ پر اٹھا کر
لیجانا پڑتا تھا۔ اب وہ گدھے پر جانے لگا۔ شادی کے ڈیڑھ سال
بعد شنکر کے ہاں لڑکا تولد ہوا اور اس موقع پر ویسی ہی دعوت کی گئی۔
جیسی اوپر بیان ہوئی۔ شنکر کے چار بھائی تھے اور تین بہنیں۔ ماں باپ
اور کچھ اور قریبی رشتہ دار بھی ساتھ رہتے تھے۔ کبھی کبھی یہ لوگ بستیوں

چاندی کا زیور دولہا اور دلہن کی ماں نے دلہن کو دیا۔ شادی سے ایک روز پہلے دعوت کی ٹھیری۔ یہ کچھ زیادہ دِقّت طلب معاملہ نہ تھا۔ ننکر کے خسر اور والد ماجد اور خوشدامن و والدہ ماجدہ آس پاس کے گاؤں میں گئے۔ کچھ مرغ چُرا لائے ایک بکری اور ایک سور کا بچّہ اڑا لائے۔ اس طرح کئی قسم کا گوشت مٹّی کی ہانڈیوں میں پک کر تیار ہوا۔ دو گھڑے کم قیمت شراب کے آئے۔ چاول اور روٹیاں تیار ہوئیں۔ اور رات کے وقت سب دعوت میں بیٹھے ✦

کھانا بافراط بنوایا گیا تھا کیونکہ خدا کے فضل سے سب اچھّی بھوک والے آدمی تھے۔ دم کے دم میں صحنکیں کی صحنکیں گوشت کی خالی ہوئیں۔ اور پھر بھر بھر کر آئیں۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ اور ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ مذاق مذاق میں کسی نے جو کچھ لگتی سی بات کہی تو سننے والے نے اس کے جواب میں برملا گالی دی۔ شراب پیکر آدمی کا جوہر کھلتا ہے۔ یہ وحشی آدمی تھے۔ جنہیں بات کی برداشت کہاں تھی۔ اس پر کبھی کبھی کے بغض اور عناد طبیعتوں میں بھرے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں دعوت شادی میں جوتا اچھلنے لگا۔ اور سب سے زیادہ پیٹے بھی ننکر کے پدر بزرگوار اور خسر مکرم۔ جو لوگ اوروں کی نسبت ذرا زیادہ ہوش میں تھے۔ انہوں نے بمشکل تمام بیچ میں پڑ کر ایک ایک کو چھڑایا۔ لیکن نشے کی دھن میں مست ہر ایک ہاتھوں سے نکلا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ میں اس کا خون پی جاؤنگا اور میں اس کی جان لے کر چھوڑونگا۔ ادھر تو یہ کہرام مچ رہا تھا ادھر عورتیں نہایت بے سُری آوازوں میں وحشیانہ گیت گا رہی اور ڈھول بجا رہی تھیں۔ غرض عجیب طوفان بدتمیزی برپا تھا ✦

لڑنے والے ذرا بیٹھے تو لوگوں نے کہا سب کو ایک ایک کوزہ شراب کا اور دو۔ چنانچہ وہ بھی سب نے زہر مار کیا۔ اور یا تو ابھی جوتم پیزار ہو رہی تھی۔ یا رو رو کر ایک دوسرے سے گلے ملنے اور پاؤں میں لوٹ لوٹ کر معافیاں مانگنے لگے۔ بعض اس لوٹنے کی حالت بس ہی نشے میں غین ہو کر

ست بتایا۔ تھانہ دار سمجھا کہ حقیقت میں الزام جھوٹا ہے۔ اس نے ایک ایک روپیہ ماں بیٹوں کو الٹا مدعی سے دلوایا۔ فرودگاہ میں پہنچکر ماں نے سپوت بیٹے کی بلائیں لیں۔ اور اس دن سے شنکر کا یہ کارنامہ بڑا اشمار ہونے لگا۔ اکثر اس کا ذکر ہوتا تھا۔ اور سب قہقہے مار مار کر ہنسا کرتے تھے۔

غرض اب شنکر کی زندگی اس طرح بسر ہوا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جنگل میں انہیں ایک اور قبیلہ کنجروں کا ملا۔ چونکہ ان میں سے اکثر پہلے ملاقاتی تھے۔ سب مل کر بہت خوش ہوئے۔ قبیلوں میں بڈھے جوان بچے اور مرد عورتیں سب تھیں۔ شام کے وقت اس قبیلے کی ایک نوجوان عورت کے ساتھ شنکر ایک پیپل کے نیچے کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا۔ عورت کی عمر کوئی اٹھارہ سال کی ہوگی۔ رنگ شنکر کی طرح وہی کالا توا سا تھا۔ بالوں میں شاید مہینہ بھر سے کنگھی نہیں ہوئی تھی۔ اور نہلائے ہوئے بھی شاید اتنا ہی عرصہ ہو چکا تھا۔ سر پر ایک میلی کچیلی چادر تھی جس میں کئی جگہ پیوند تھے اور کئی جگہ شگاف آئے ہوئے تھے۔ گھاگرا ایک جگہ تو پاؤں کی ایڑی تک پہنچتا تھا۔ اور ایک جگہ چونکہ نیچے کا کنارہ اُڑ گیا تھا گھٹنے سے ذرا ہی نیچا تھا۔ ایک تو صورت کریہہ دوسرے یہ حسن لباس بالکل چڑیل سی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن جہاں تمام عورتوں کا نقشہ اور لباس تقریباً ایسا ہی ہو وہاں حسن کا معیار کیونکر اعلےٰ ہو سکتا ہے۔ شنکر کی نظر میں وہ پری نظر آتی تھی اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کر رہا تھا۔ دونوں کی ماؤں نے دونوں کو ہنستے اور باتیں کرتے دیکھا۔ اور آپس میں کہا ان کی شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھی بات ہے۔ چنانچہ مردوں میں بھی تذکرہ ہوا اور شادی قرار پا گئی۔ لیکن وقت بڑی یہ پیش آئی کہ نہ دولہا کے پاس کپڑے تھے۔ نہ دولھن کے پاس۔ آخر دوسرے روز صلاح قرار پائی کہ کسی قصبے میں چلو۔ تین روز کے سفر کے بعد قصبہ ملا اور دولہا اور دولھن کے لئے دو دو جوڑے تیار ہوئے۔ ایک ایک کم قیمت

آتی تھی یا جوجڑی بوٹیاں معلوم تھیں۔ انہیں سے معالجہ ہوا اور اچھا ہوگیا۔ انسان کے جسم میں مرض کے دفعیے کی طاقت موجود ہے۔ مرض اُٹھتے ہیں اور علاج کروبانہ کرو خود جاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے شنکر کو بھی امراض ہوئے اور ان سے سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن انہیں معمولی معالجوں سے خود شفا نت ہو گئے +

طفلی کا مرحلہ طے کر کے شنکر عالم شباب میں داخل ہوا۔ قد کشیدہ بائیس تئیس سال کا نوجوان۔ مسیں بھیگی ہوئی۔ اعضا سے جسنی چالاکی اور طاقت برستی تھی۔ رنگ توے کی طرح سیاہ۔ لمبے لمبے بال جن میں شانے کی نوبت کہیں مہینوں میں آتی تھی۔ کپڑے ایسے غریبوں کو کہاں میسر ہوتے ہیں۔ برسوں میں ایک آدھ جوڑا بنتا ہے اور جب تک وہ تار تار نہ ہو جائے جسم پر سے نہیں اترتا۔ لیکن چونکہ ایام طفلی سے اسی طرح کے کپڑے پہننے کی عادت تھی۔ شنکر کو کبھی محسوس بھی نہ ہوتا تھا کہ میرے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں یا پرانے +

ہاں قبیلے کے لوگوں میں اس کی اس بات کی تعریف تھی کہ تیر کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔ شکار میں نگاہ بڑی تیز ہے۔ بھاگتا دوڑتا خوب ہے۔ اس کی چالاکئ دست بھی مشہور تھی۔ ایک دفعہ گاؤں میں ماں نے کسی کا لوٹا اُٹھایا لیکن مالک کی نگاہ پڑ گئی اور وہ پکڑ کر تھانے میں راج پرشوں کے پاس لے گیا۔ ملزمہ مع مدعا پکڑی گئی تھی۔ گمان غالب تھا کہ قید خانہ میں بھیجی جائیگی۔ لیکن شنکر بھی گرفتار کرنے والوں کے ساتھ تھا۔ تھانے میں مالک نے جا کر ہنوز شکایت کی ہی تھی۔ اور محرر ابھی متوجہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے لوٹا زمین پر رکھا اور شنکر نے جا ایک دستی سے اُٹھا اپنی بہن کے حوالے کیا اور وہ لیکر چلتی بنی۔ اب کیا تھا شنکر نے اُلٹی تھانہ دار سے شکایت کی کہ ہم غریب آدمی ہیں۔ غریب کی جورو سب کی بھابھی ہوتی ہے۔ ہمیں یہ امیر لوگ پیسے ڈالتے ہیں اور بالکل جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ یہ کہکر لگا دھاڑیں مار مار کر رونے۔ مدعی کو لوٹا نہ ملا تو وہ

اظہار کا آلہ صرف رونا تھا۔ ماں نے سن لیا تو دودھ پلا گئی وگرنہ پڑے رویا کرو کوئی پرساں حال نہیں۔ جو تکلیف جان پر گزرے گزرا کرے"۔
یہاں یہ مصیبت اور بھی پڑی تھی کہ ماں اکثر کاروبار میں لگی رہتی تھی۔ اور بچہ گھڑیوں بلکا کرتا تھا۔ جس گھرانے میں آ کر شنکر نے جنم لیا تھا۔ وہ برہمنوں کا گھرانہ تھا۔ نہ کوئی اور خوشحال اور عیال دار خاندان تھا بلکہ کنجروں کا ایک قبیلہ تھا۔ جنہیں پنجاب میں چنگھڑ کہتے ہیں۔ یہ ایک خانہ بدوش قوم ہے۔ کتوں کو ساتھ لئے جنگلوں میں پھرتے ہیں۔ شکار مار کر پیٹ بھرتے ہیں۔ پھٹی پرانی چادروں کو تان لیتے ہیں۔ اور ان کے نیچے سو رہتے ہیں۔ بستی کے قریب آتے ہیں تو گاؤں کے باہر ڈیرا ڈال دیتے ہیں۔ مرد کچھ محنت مزدوری کر کے ٹکے کما لیتے ہیں۔ عورتیں سرکیاں۔ چھاج وغیرہ بیچ کر کچھ کما لاتی ہیں۔ یا بھیک مانگتی پھرتی ہیں۔ اور داؤں لگتا ہے تو چوری کر لاتی ہیں۔ ان ایام میں جونکہ شنکر کی ماں حاملہ تھی۔ اس لئے ان کا ڈیرہ ایک گاؤں کے قریب تھا÷
غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ مقدس اور متبرک شنکر برہمن جو نیچ لوگوں کی پرچھائیں پڑ جانے سے بھی بھاگتا تھا کہاں آ کر پیدا ہوا ہے۔ کیا کھاتا ہے۔ کیونکر رہتا سہتا ہے اور کس حال میں ہے۔ بچہ مہینہ بھر کا ہو گیا تو قبیلہ نے گاؤں سے کوچ کیا اور جنگل کی راہ لی۔ کہیں کچھ عرصے مقام ہو جاتا تھا۔ وگرنہ شنکر مہاراج ایک چھاج میں کپڑے سے بندھے ہوئے ماں کے سر پر سوار چلتے رہتے تھے۔ اس طرح کچھ عرصہ ہوا۔ شنکر نے شیر خواری کا زمانہ طے کیا اور بچپن میں داخل ہوا۔ کنجروں کے بچوں اور کتوں کے پلوں سے کھیلنا اور درختوں کی جڑیں پھل اور جانوروں کا گوشت کھاتا۔ ابتدا سے شکار کی تعلیم ہوئی۔ سرکیاں اور چھاج بنانے سیکھے۔ چوری کے رموز اور نکات سے واقف ہوا۔ اس عرصے میں اسے بیماریوں نے بھی کئی بار ستایا۔ علاج معالجہ کیا خاک ہونا تھا۔ بڈھی عورتوں اور بڈھے مردوں کو جو منتر وغیرہ یاد تھے۔ جو جھاڑا پھونکی

سوکشم شریر یعنی جسم لطیف اور جیو اس قالب خاکی کے ساتھ نہیں مرجاتے یوں سمجھو مرنے کے یہ معنے ہیں کہ جیو نے جو موٹا چولا پہن رکھا تھا۔ وہ اتر گیا اور اب وہ لطیف کپڑے پہنے ہوئے موجود ہے۔ اسی سوکشم شریر والے شنکر نے اپنے قالب خاکی کا مرنا دیکھا۔ عزیز و اقارب کی گریہ وزاری دیکھی۔ اور شمشان میں لاش کو چتا پر رکھا ہوا دیکھا۔ جس وقت چتا میں آگ دی گئی اور ہولی سے دہکی تو چونکہ برسوں سے ستھول شریر میں خودی کا وہم تھا۔ شنکر کے دل کو سخت قلق پہنچا اور بیہوشی کی سی حالت طاری ہو گئی ÷

اس بیہوشی سے آنکھ کھلی تو اپنے تئیں ماتا کے گربھ میں پایا۔ مٹھیاں بند ہیں۔ جسم مڑ تڑا کر چھوٹی سی جگہ میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ حرکت ممکن نہیں ہے۔ ناف سے غذا کا رس جسم میں پہنچتا ہے اور اس سے جسم کو نمو ہوتی ہے۔ ماتا چرپری۔ یا چٹپٹی چیزیں کھاتی ہے۔ تو اس کا اثر اپنے تئیں محسوس ہوتا ہے اور اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ غرض ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت ہے کہ ناگفتہ بہ ہے۔ یہ انسان ضعیف البنیان کی بنیاد ہے۔ ایسی ایسی تکلیفیں اٹھاتا ہے اور ایک دفعہ نہیں بے شمار بار۔ کیونکہ آواگون کا سلسلہ لا متناہی ہے۔ مگر کیسے حیرت کا مقام ہے کہ پھر بھی بیدار نہیں ہوتا۔ وہی اس کے لئے دنیا ہے اور وہی یہ خود ہے۔ بار بار یہاں آتا ہے اور جاتا ہے۔ شدید تکلیفیں اور عذاب اٹھاتا ہے۔ لیکن یہ تدبیر نہیں کرتا کہ مجھے اس عذاب الیم سے نجات حاصل ہو اور میں موکش پد کو پہنچوں ÷

قوانین قدرت کے مطابق میعاد حمل جب ختم ہو چکی تو شنکر ماتا کے بطن سے باہر کی دنیا میں پیدا ہوا۔ وہ پہلی سی حالت تو اب نہیں رہی تھی۔ کیونکہ ہاتھ پاؤں حرکت کرنے لگے تھے۔ لیکن اب بھی سخت بے بسی اور بیکسی کی حالت تھی۔ بھوک لگتی تھی یا کچھ تکلیف ہوتی تھی تو اس کے

درد سے سر کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں میں اتنی بھی سکت نہیں کہ انہیں ہلا سکے۔ غرض ایسی تکلیف ہے کہ الامان الامان۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ تکلیف دمبدم بڑھتی چلی جاتی ہے ÷

گھر والوں نے اس سے گائے پُن کرائی۔ روپے اور اشرفیاں اور کپڑے اس کے ہاتھ سے چھوا کر مستحقین کے دینے کے واسطے علیحدہ رکھ دیئے۔ اسی اثناء میں اس کی تکلیف اور بڑھ گئی اور تین اوپنچے اونچے سانس لیکر دم نکل گیا۔ گھر میں کہرام برپا ہوگیا۔ شنکر کی لاش زمین پر دراز ہے۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہے۔ دانت بھنچ گئے ہیں آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں۔ بدن اکڑ کر کاٹ یا لوہے کی طرح سخت ہوگیا ہے بیوی پاؤں پکڑ کے دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہے۔ ہائے میرے پران پیارے پتی مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں چلے گئے۔ بہن سر اور چہرے پر ہاتھ پھیر پھیر کر چلاتی ہے۔ ہائے بھائی اس بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر کدھر سدھار گئے۔ جوان لڑکے اور لڑکی زار و قطار رو رہے ہیں۔ ہائے پتا۔ ہمیں کس کے حوالے کر چلے۔ محلے کی عورتیں یہ حال زار دیکھ دیکھ کر بیتاب ہیں اور چلا چلا کر رو رہی ہیں ÷

آخر محلے کے کچھ لوگ آئے۔ سب کو تسکین اور دلاسا دیا۔ کہ مرنیوالا مر گیا۔ رونے دھونے سے کیا ہونا ہے۔ صبر کرو۔ جو اس دنیا میں آیا ہے۔ ایک دن اُسے یہاں سے جانا بھی ضرور ہے۔ یہ تقدیری معاملے ہیں۔ جن میں انسان کا کچھ بس نہیں چلتا۔ بھائی چھاتی پر پتھر رکھو اور صبر کرو۔ چلو باہر چل کر بیٹھو اور اُن کی لاش کے اُٹھانے اور شمشان میں لے جا کر جلانے کا سامان کرو۔ عورتیں اسی طرح زار و قطار رو رہی تھیں مرد اُٹھ کر باہر آئے اور تھوڑی دیر میں لاش کو ارتھی پر رکھ کر شمشان کی طرف لے چلے اور وہاں چتا پر رکھا۔ شنکر یہ تمام ماجرا اپنی نظر سے خود دیکھ رہا تھا ÷

اے دوستو۔ مرنا یہ ستھول شریر یعنی قالب خاکی ہے۔

شادمانی عیاں تھے۔ کہ سب نے یکزبان ہو کر پوچھا مہاراج جس کامنا سے آپ نے تپ کیا تھا وہ شاید پوری ہو گئی۔ شنکر نے مسکرا کر کہا بھگوان وشنو سب کی کامنا کے پورا کرنے والے ہیں۔ ان کے بھنڈار میں کسی بات کی کمی ہے؟ اس کے بعد سب نے ملکر لطیف کھانے کھائے اور بہت دیر تک گیان دھیان کی باتیں کر کے آخر سب گاؤں کو واپس چلے گئے ÷

شنکر بدستور اپنی پوجا اور سیوا میں مشغول ہو گیا۔ وشنو کی مورتی اس کی نظر کے سامنے تھی اور وشنو کے بچن اس کے کانوں میں گونجتے تھے۔ لیکن کئی روز ہو گئے کچھ آثار تجلّی عیاں نہ ہوئے۔ شنکر کو یقین واثق تھا کہ مہان آتماؤں کے وعدے جھوٹے نہیں ہوا کرتے وقت پر آکر سچّے ثابت ہونگے۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی۔ ایک روز وہ گنگا کے نرمل جل میں اشنان کی غرض سے اترا۔ غوطہ لگانے کی دیر تھی کیا دیکھتا ہے کہ وہ نندپور میں اپنے مکان پر چلا گیا ہے اور حسب معمول کاروبار کرنے لگا ہے۔ جیسے اور گرہستی برہمنوں کی زندگی گزرتی ہے بعینہٖ اسی طرح اس کی بھی گزرتی ہے۔ ججمانوں کے ہاں پوجا پاٹھ کراتا ہے۔ کبھی کسی کیساتھ تیرتھ یاترا میں جاتا ہے۔ کبھی گھر پر رہتا ہے۔ اسی طرح سالہا سال گزر گئے۔ اس نے اپنے لڑکے لڑکیوں کے شادی بیاہ رچائے۔ اور گھر میں پوتے پوتیوں کے ہونے کی خوشی میں بڑے بڑے اتسب کئے۔ جن میں اس کے ججمان بھی تکلّف کے ساتھ بلائے جاتے تھے۔ آخر اس کی عمر تقریباً سو برس کی ہو گئی اور وہ بڈھا پھوس ہو گیا۔ وہ دن بھی آیا کہ اس نے اپنے تئیں چارپائی پر دراز دیکھا۔ گرد و پیش عزیز و اقارب جمع ہیں۔ ایک شخص اس کی نبض پر ہاتھ رکھے اُن سے کہہ رہا ہے کہ ابھی تو کچھ دم باقی ہے۔ جو کچھ ہو سکے دان پُن کرا دو۔ شنکر نے یہ باتیں تو کان سے سنیں لیکن اس کے دل کی حالت خراب ہے۔ سخت بخار چڑھا ہوا ہے۔ تن بدن پھنکا اور جلا جاتا ہے۔

ایسا واثق ہوگیا تھا۔ کہ حقیقت میں ایک روز اسے درشن ہوئے۔ وہ شری گنگا کے نرمل جل میں چھاتی تک ڈوبا کھڑا تھا۔ سر اونچا کیے۔ آنکھیں بند۔ آسمان کی طرف منہ۔ پریم کے سمندر میں مگن۔ غرض اس وقت اس کی حالت بالکل درشنوں کے لائق تھی۔ یکایک اپنی بند آنکھوں سے کیا دیکھتا ہے۔ کہ ساکشات وشنو بھگوان سامنے کھڑے ہیں۔ شنکر نے صدق دل اور جوش عقیدت کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر مہاراج کی ستتی یعنی حمد و ثنا کی۔ اس کی پریم کی بانی سے مہاراج خوش ہو کر مسکرائے اور بولے۔ شنکر ہم تمہاری بھگتی اور بھاونا سے بڑے پرسن ہیں۔ مانگو کیا بر مانگتے ہو۔ شنکر نے ہاتھ باندھے ہوئے عرض کی مہاراج آپ مرادوں کے دینے والے اور آرزوؤں کے پورا کرنے والے ہیں۔ میں نے ویدانت کی کتابوں میں آپ کی مایا کا حال بہت پڑھا ہے۔ مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ میری نگاہ میں یہ جگت سچا ہے۔ گیانی اس کو کیونکر عالم خیال کہتے ہیں۔ میری بڑی تمنا یہ ہے کہ میں آپ کی مایا کو دیکھوں اور سمجھوں۔ یہ سن کر بھگوان وشنو مسکرائے اور بولے ایسا ہی ہوگا اور جلد تر ہوگا۔ یہ کہہ کر انتردھیان یا غایب ہو گئے۔

شنکر کی آنکھ کھلی تو دل خوشی سے باغ باغ تھا۔ جس آرزو کو دل میں رکھ کر اس نے سخت تپ کرنی شروع کی تھی اور عرصۂ دراز سے کر رہا تھا۔ بارے آج وہ پوری ہوئی۔ اسے بھگوان وشنو نے ساکشات درشن دئے اور مایا کے اہم مسئلے کے سمجھانے کا خود وعدہ فرمایا۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہئے۔ اب من کو ضرور شانتی حاصل ہو جائیگی اور وہ جیون مکتوں کے درجے میں داخل ہو جائیگا۔ اس نے نہایت خوشی سے گنگا میں اشنان کیا اور منتر پڑھ کر جل سے باہر نکلا۔ کٹی میں آکر دیکھا تو اس کی بیوی بچے اور گاؤں کے کچھ لوگ اس کے درشنوں کو آئے ہوئے تھے۔ آج کوئی تہوار کا دن تھا۔ سب اس کے لئے اچھے اچھے بھوجن مٹھائیاں اور پھل لائے تھے۔ شنکر کے چہرے سے وہ آنا

باغ کے نیچے بہتا تھا۔ غرض نہایت سہانا مقام تھا۔ اور ہر طرح کا آرام تھا۔ اور اس سب پر لطف یہ تھا کہ ایکانت کی جگہ تھی اور مخل اشخاص کی خلل اندازی سے محفوظ تھی ۔

شنکر نے یہاں بیٹھ کر اپنا انوشٹھان شروع کیا۔ جپ اور پاٹھ آغاز کئے۔ جل میں کھڑے ہو کر بھگوان وشنو کا دھیان کیا۔ برت رکھے۔ مون دھارن کیا۔ غرض جس وقت دیکھئے شنکر کو فقط یہ دھیان تھا کہ بھگوان وشنو کے مجھے درشن ہوں۔ ہم اوپر کہہ آئے ہیں۔ کہ شنکر میں پریم اور بھگتی اعلےٰ درجے کی تھی۔ یہ ایسی چیز ہے کہ آدمی کو علم الیقین اور حق الیقین کے درجوں پر پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ شنکر جتنی زیادہ تپ کرتا گیا۔ اتنا ہی اُسے یقین ہوتا گیا۔ کہ مجھے وشنو مہاراج کے درشن ضرور بالضرور ہونگے ۔

میرے دوستو دنیا من کا کھیل ہے۔ مرادیں مانگنے والا خود من ہے۔ تپ کرنے والا خود من ہے اور پھر تماشا یہ کہ مراد بخشنے والا خود من ہے۔ جتنا کسی شخص کا یقین یا من کا بھاؤ پُرزور اور تیز ہوتا ہے اتنی ہی جلدی کامیابی صورت دکھاتی ہے۔ تمام سدھیوں کا بھنڈار۔ تمام طاقتوں کا خزانہ تمام صورتوں کی ٹکسال تم خود آپ ہو۔ جس اعتقاد کو من میں رکھ کر ابھیاس یا مشق شروع کرتے ہو۔ وہی صورت جلوہ پذیر ہوتی ہے لیکن غلطی سے تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں امداد غیبی ملی ہے ۔ حالانکہ امر واقعی یہ ہے۔ کہ تم نے اپنی مدد خود کی ہے اور اپنے من ہی سے جو تمام مرادوں کا سرچشمہ ہے اور تمام آرزوؤں کا پورا کرنے والا ہے۔ اپنی مراد اور آرزو خود پوری کر لی ہے۔ ہاں پندار و غفلت کا وہ حجاب حائل ہے کہ مخزن قوت یعنی انسان اپنی ذات کو تو محض بے طاقت اور ذلیل سمجھتا ہے اور مرادوں کا دینے والا خارجی قوتوں اور اسباب کو تصور کرتا ہے ۔

بعینہٖ یہی حال شنکر کا ہوا۔ اس کو وشنو مہاراج کے درشنوں کا یقین

لیکن کرم کا پکا تھا۔ وید انوسار تمام کرم نت نیم سے کیا کرتا تھا۔ چھوت چھات کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ساتھ ہی اس میں بڑی خوبی یہ تھی کہ بھگت اور پریمی اعلےٰ درجے کا تھا۔ بھگوان وشنو کے چرنوں میں بڑی بھگتی تھی۔ اور انہیں کی اپاسنا کیا کرتا تھا۔ پڑھنے کو اس نے ویدانت شاستر بھی پڑھا تھا۔ لیکن گیتا سمادھی اور انو بھو تو درکنار ویدانت کے ذہبی مطالب اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئے تھے۔ مایا کے مسئلے پر بہتیرا غور و خوض کیا لیکن حل نہ ہوا پر نہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ کرم کانڈ اور اپاسنا میں رُچی تھی۔ مگر من کو شانتی نصیب نہیں تھی +

ایسی طبائع بالعموم تپ کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ چنانچہ شنکر نے بھی یہی ٹھانی کہ ایکانت میں بیٹھ کر تپ کیجئے۔ اس سے تمام عقدے حل ہو جائینگے اور من کو شانتی نصیب ہوگی۔ شنکر کی والدہ ابھی حیات تھی۔ بیوی تھی۔ دو جوان لڑکے تھے۔ ایک بیٹی تھی۔ گاؤں میں اور قرب و لواح میں سیکے ججمان بہت تھے۔ برت میں معاش اچھی مل جاتی تھی اور گزارہ فارغبالی کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ تب کی من میں ٹھان کر شنکر نے اپنے لواحقوں سے کہا کہ میں ایک انوشٹھان یعنی طہارت کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ عرصے مجھے ایکانت سیون کرنا یعنی اکیلا رہنا پڑیگا۔ گھر کا انتظام میری غیر حاضری میں تم سب مل کر کر لیا کرنا۔ کرم کانڈی برہمن اکثر اس قسم کی انوشٹھان کرتے رہتے ہیں۔ کسی نے کچھ اعتراض نہیں کیا۔ اور شنکر مہاراج گھر سے روانہ ہوئے +

گاؤں سے دو ڈھائی کوس کے فاصلے پر گنگا کے کنارے ایک مختصر باغ میں ایک چھوٹا سا مندر اور چھپر کی ایک کٹی بنی ہوئی تھی۔ اس میں شنکر پہلے بھی کئی مرتبے آکر رہا تھا اور برت رکھے تھے۔ یہ ایکانت کی جگہ تھی اور یہاں گاؤں والے شاذ و نادر ہی دق کرنے آتے تھے۔ شنکر نے یہاں آکر قیام کیا۔ باغ میں اور پاس کے جنگل میں پھلوں کی کمی نہیں تھی۔ پینے اور نہانے کو گنگا کا نرمل جل عین

آتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مایا کے مسئلے پر اپنی ودیا کھیا میں فلسفیانہ نظر آپ ڈالینگے۔ اس واسطے میں کوئی منطقی بحث نہیں چھیڑنی چاہتا آپ کی تعمیل ارشاد میں مایا کی توضیح میں کہانی ہی سناؤں گا۔ اور جہانتک میرے احاطۂ امکان میں ہے۔ اس کو دلچسپ بنا کر گوش گزار کرونگا۔

آپنے شروع میں ہم لوگوں کو اجازت بخشی تھی کہ جو کہانیاں کہیں وہ آپ بیتی ہوں یا جگت بیتی۔ سُنی سُنائی ہوں یا پڑھی پڑھائی۔ میں اس اجازت سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور ایک پڑھی پڑھائی کہانی سناتا ہوں۔ مایا کی توضیح جیسی خوبی اور عمدگی کے ساتھ یوگ واسشٹ میں ہوئی ہے اور کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ میں نے عرصۂ دراز ہؤا جب یہ کتاب پڑھی تھی۔ اسی کی ایک کتھا آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ چونکہ کتاب پڑھے برسوں ہوئے۔ اور کتھا کا نام بھی یاد نہیں رہا۔ جوں کی توں تو کیونکر کہہ سکتا ہوں۔ ہاں اس کے بڑے بڑے واقعات وسشٹ جی کی تصنیف سمجھئے۔ اور بیان اور اجمال و تفصیل میری ہے۔ وسشٹ جی کے ہاں شاید یہ کہانی چھوٹی سی ہے میں جو کتھا آپ کو سناؤنگا وہ کسی قدر لمبی ہوگی۔ لیکن مضمون نہایت نتیجہ خیز ہے۔ لیجئے مہاراج سنئے۔

شنکر کتھا

شنکر ایک کرم کانڈی برہمن تھا۔ گنگا کنارے نندپور گاؤں میں رہا کرتا تھا۔ چالیس پینتالیس سال کے قریب عمر۔ چھریرا بدن۔ گندمی رنگ۔ دیکھنے میں شاندار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ چہرے سے جلال ٹپکتا تھا۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے اس کے پاس سے گزرتے تھے۔ تو انہیں نمسکار کرتے ہی بن آتی تھی۔ شنکر نے شاستر پڑھا تھا۔

صورتیں بیشک نظر آتی ہیں دو نو حال ہیں
یہ ہے بیٹا یہ ہے بھائی یہ عدو یہ دوست ہے
دوست ہے، یہ لازمی ہے اس سے کرنی دوستی
اختلافِ موسم و نیرنگیٔ لیل و نہار
روز کے جھگڑے وہی اور روز کے نقشے وہی
اس تماشا گاہ میں آخر بہت بر دوں کے بعد

اور انہیں شکلوں سے تھا اپنا تعلق لاکلام
یہ میرا آقا ہے اور یہ شخص ہے میرا غلام
یہ ہے دشمن اس سے لینا ہے ضروری انتقام
تنگ حالی و فراخی برہمی و انتظام
وہ عوارض زندگی کے وہ روز کا کوچ و مقام
آخری پردہ ہے مرگِ ناگہانی کا پیام

دیدۂ حق بیں کو وا کر اور خود تو ہی بتا
خواب بیداری میں ہے کیا فرق اے مردِ خدا

بس یہی جب خواب سے ہوتا ہے کوئی ہوشیار
ایک جیسا خواب جھوٹا آ کے بیداری میں ہے
ایک کا کیجے تقابل دوسرے سے نسبتاً
دو نو عالم محض جھوٹے ہیں اگر سچا کوئی
خواب سے اس کو تعلق ہے نہ بیداری سے ہے
اس تماشا دوست کے دو نو تماشا گاہ ہیں
بے تعین نطق ہے وہ بے تقیّد علم ہے

خواب کا عالم عدم ہے خواب کے سب کاروبار
ہے یہ بیداری بھی جھوٹی خواب میں کر اعتبار
ایک سچا دوسرا جھوٹا نہ کہئے زینہار
ہے یہاں تو ان کا ناظر ہی ہے بس انجام کار
بے تعلق ذات ہے وہ بے تعین بے حصار
خواب بیداری کے عالم اور ان کے کاروبار
راحت بے مثل ہے بے اندازہ و حد و شمار

یہ مسائل سوچے جاتے کنجِ تنہائی میں ہیں
یہ نرالی لذتیں یہ لطف یکتائی میں ہیں

(کلام مہر جلد ثانی)

جس عالم کو ہم اپنے ذہن میں بھول یا غلطی سے عالم بیداری یا سچی دنیا سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ عالم خواب سے کسی پہلو سے بھی تو مختلف نہیں ہے۔ ہاں اس خواب سے آدمی کو بیداری اس وقت نصیب ہوتی ہے۔ جب اس کی گیان کی آنکھ کھلے ایک گیان سروپ آتما سچا ہے۔ باقی جو جو چیز نظر آتی ہے۔ وہ خواب کے نقشے کی طرح محض نمودی ہے واقعی نہیں۔ اسی کا نام مایا ہے۔ یعنی چیز کا وجود نہیں ہے اور نظر

اٹھائیسویں سادھو کی کہانی

مایا کا سروپ

دنیائے دنی سے کیوں تو گھبرایا ہے	اس کا کچھ بھید بھی کبھی پایا ہے
یہ بود نمودی ہے فقط من کا کھیل	اے مہر اسی کا نام تو مایا ہے

آنا دیکھا ہے اور جانا دیکھا	دنیا کا ہم نے تانا بانا دیکھا
یہ بود نمودی ہے مداری کا کھیل	مایا کا تمام کارخانہ دیکھا

دھوکا مت کھا یہ دید ہے محض سراب	تیرا ہی تصوّر نظر آتا ہے آپ
تو جس کو سمجھ رہا ہے بیداری ہے	اے مہر حقیقت میں ہے وہ عالم خواب

سوامی چدانند نے کہا مہاراج! ویدانت مایا کو انروچنیہ کہتا ہے۔ جس کا نروچن یعنی بیان نہیں ہو سکتا۔ خواب میں ہم سب روز دیکھتے ہیں۔ کہ ہاتھی سامنے کھڑا ہے۔ چشم زدن میں وہی بدل کر گھوڑا بن گیا۔ گھوڑا مکان بن گیا یا آدمی بن گیا۔ فرمائیے کوئی کیا کہے کہ ہاتھی کا گھوڑا یا گھوڑے کا مکان یا آدمی کیونکر بن گیا۔ صورتیں بے شک آنکھ کے سامنے موجود تھیں اور من وعن سچّی اور واقعی نظر آتی تھیں۔ لیکن جہاں آنکھ کھلی اور خواب کی دنیا کی دنیا مفقود ہے۔ روز رات کے وقت ہماری نظر کے سامنے ایک نئی دنیا ہوتی ہے۔ اور روز خواب میں ہم ایک نئی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس کا فجر ہوتے پتا نہیں ملتا بعینہٖ یہ حال عالم بیداری کا ہے۔ شاعر کہتا ہے:۔

خواب و بیداری میں ہے کیا فرق کہہ اے نیکنام | ایک سے ہیں دونو عالم ایک سی باتیں تمام

ایک گیان سروپ آتما یا برہم ہی ہست ہے۔ جو کچھ ہے وہی ہے۔ اس گیان کے سمندر میں اس کائنات کی جلوہ گری بس اس طرح ہے۔ جس طرح خواب بیں خواب دیکھتا ہے۔ خواب کے نقشے ادھشٹھان یعنی خواب بیں سے جدا نہیں۔ ہر ایک صورت میں وہی جلوہ گر ہے۔ اس کے سوا کوئی کچھ نہیں ہے۔ اس کائنات کا ادھشٹھان یا جائے ظہور بھی ایک گیان سروپ برہم ہے۔ اور وہ تو ہی ہے۔ اور کوئی نہیں ٭

اب کوئی پانچ بج چکے تھے۔ کچھ آدمی دور سے اودھوت کے درشنوں کو آتے دکھائی دئے۔ جنہیں دیکھ کر اس نے مجھ سے کہا۔ جا بھائی۔ اب اپنے گھر جا۔ اور سوچ میں نے تجھ سے کیا کہا ہے۔ یہ کہکر وہ عجیب لہجے سے کچھ پرانی سنسکرت کے چھند گانے لگا۔ جو میٹھے تو بہت معلوم ہوتے تھے۔ لیکن میری سمجھ سے باہر تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آدمی آ پہنچے۔ اور میں اٹھ کر گھر چلا آیا۔ دوسرے روز شوق مجھے پھر کھینچ کر لے گیا۔ جمنا کنارے پہنچا تو اودھوت کا پتا نہیں ملا۔ رمتے رام تھے۔ خدا جانے کس وقت اٹھے اور کہاں چلے گئے۔ میں کئی روز برابر جاتا رہا اور میری طرح اور بھگت بھی تلاش کرتے رہے۔ لیکن وہ شہر ہی چھوڑ گئے تھے۔ ہاں ان کا جو اُپدیش تھا۔ وہ میں نے اپنی سمجھ اور قوت تقریر کے مطابق آپ کو سنا دیا ہے۔ یہ کہکر سادھو خاموش ہوا۔ تو سوامی برہمانند نے اس کے دوست چدانند کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ بھائی برہم کا سروپ تمہارے دوست نے بیان کیا۔ تم مایا کے سروپ پر کوئی کہانی سناؤ ٭

مایا کیا ہے مایا کیا ہے سّتیہ پرش کی چھایا ہے
پُرشا دھین ستا ہے اس کی برتھا توبھرمایا ہے
مایا برہم دو وستو نا ہیں درشٹا ادرسپن کی نا ہیں
ایک ہیں ایک سمایا سادھو ایک ہیں ایک سمایا ہے

جھوٹی ہونگی یا نہیں - مَیں نے کہا بے شک ہونگی - پوچھا - پھر دکھ
کا ابھاو کہاں ہؤا - مَیں نے کہا اسی گیان سمندر میں - کہا تو ہی سکھ روپ
ہؤا - کیونکہ دکھ اور سکھ ضدین ہیں - ایک نہ ہوگا - تو دوسرا ضرور ہوگا +
یہ تو دکھ ابھاو کے پہلوے نظر سے اُسی گیان کو سکھ روپ کہا گیا -
لیکن حق یہ ہے - کہ ست اور چت روپ آتما بذاتہٖ وبنفسہٖ آنند روپ
ہے - دکھ کیا چیز ہے - من کے پھیلاؤ کو دُکھ کہتے ہیں - جتنے جنجال
کسی نے اپنی جان کے ساتھ زیادہ لگا رکھے ہیں - اتنا ہی وہ دکھی
رہتا ہے - کیونکہ اس پھیلاؤ میں آتما کا آنند اور زیادہ مخفی ہوتا جائیگا -
اس پردے کو سمیٹ لو - تو آنند کا پرکاش ہوگا +
جیسے کوئی چراغ کی روشنی میں کالی چادر میں منہ لپیٹ کر بیٹھ جائے -
جتنا اُس چادر کو خوب لپیٹتا جائیگا چراغ کی روشنی اتنی ہی مخفی ہوتی
جائیگی - ہاں اُسی چادر کو جتنا سمیٹ کر ایک طرف کرتا جائیگا - اتنی
ہی روشنی کھلتی جائیگی - سکھ کہیں باہر نہیں ہے - تمام سکھ اپنے
اندر ہے - سکھ باہر ہوتا تو کسی عزیز سے برسوں بعد ملنے سے جو
سکھ ہوتا ہے وہ ہمیشہ رہنا چاہئے - لیکن جہاں وہ عزیز پانچ چار
روز رہ کر نیا پرانا ہؤا - پھر اُس سے مل کر آنند پراپت نہیں ہوتا -
اس کی وجہ یہ ہے کہ برسوں بعد کسی عزیز سے ملنا ہوتا ہے تو پوری توجہ
یا دھیان اس کی طرف جاتا ہے - گویا ایکاگرتا یا یکسوئی ہوتی ہے - یا
یوں کہو من کا پھیلاؤ سمٹتا ہے - اس سے آتما کا آنند تھوڑا بہت
پرکاش ہوتا ہے - اور آدمی کو سکھ محسوس ہوتا ہے - جب کچھ عرصے
وہ عزیز پاس ٹھہر گیا - پھر اس کے دیکھنے سے وہ ایکاگرتا یا یکسوئی
قلب ظاہر نہیں ہوتی - کیونکہ اس کی ملاقات ایک معمولی بات ہو جاتی
ہے - اس واسطے من سمٹنے سے جو آتما آنند کا بھان ہوتا تھا وہ نہیں ہوتا
بتا اب سمجھا ست چت اور آنند تین وصف نہیں ہیں - بلکہ تین
مختلف پہلوے نظر سے ایک ہی چیز کو بتاتے ہیں - پھر ایسی غلطی نہ کیجو +

نے بڑا دھوکا کھایا ہے۔ جو گیان سروپ پرش اننت مانتے ہیں۔ گیان تو ایک رس ہے۔ نہ اُس میں صفات ہیں۔ نہ رنگ ہے۔ نہ روپ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ویدانت میں برہم اور جیو دونوں کو ایک کہا ہے۔ کیونکہ جیسا میں نے ابھی کہا۔ ان دونوں میں فرق ڈالنے والی چیز کوئی ہے نہیں۔ اگر کہو پرکرتی بابایا ہے۔ سروگیتا اور الپگیتا ہے۔ تو یہ فرق عوارضات کے ہیں۔ گیان سروپ سے دونوں ایک ہیں۔ مثلاً اکاش ایک ہے۔ گھڑے میں جو آکاش محدود ہے کیا وہ مہا آکاش سے کوئی جدا شئے ہے۔ ہرگز نہیں۔ گھڑے کے ابعاد ثلاثہ محض عوارض ہیں۔ گھڑے کو پھوڑ ڈالو یعنی عرض کو نکال دو۔ وہی ایک کا ایک آکاش ہے +

میں نے کہا۔ مہاراج۔ آپنے بالکل سچ کہا۔ لیکن ویدانتی تو برہم کے تین وصف بتاتے ہیں۔ یعنی ست۔ چت اور آنند اور آپنے اب تک صرف چت یعنی گیان کو لیا ہے۔ یہ سُن کر ادھوت نے زور سے قہقہہ لگایا۔ اور کہا۔ تو سخت بیوقوف ہے۔ برہم کوئی ایسی ستو نہیں ہے۔ جس میں تین گن یا اوصاف ست۔ چت اور آنند اس طرح رہتے ہیں۔ جس طرح گھڑے میں پانی بھرا ہو یا کپڑے میں رنگ ہو۔ ارے موڑھ چت یا گیان برہم سے علیحدہ برہم کا کوئی گُن یا صفت نہیں ہے۔ بلکہ چت یا گیان برہم کا سروپ ہے۔ گیان ہی برہم کی ذات ہے۔ گیان ہی برہم کی ماہیت ہے۔ اور جو چت ہے۔ وہی ست ہے۔ وہی آنند ہے۔ یہ تین علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز ہیں۔ چت تو تو سمجھ گیا۔ اب دیکھ چت میں جو صورتیں عیاں ہونگی وہ خواب کی طرح جھوٹی یا اسنت ہونگی یا نہیں۔ میں نے کہا بیشک ہونگی۔ پوچھا اور ست کون سی وستو رہیگی۔ میں نے کہا چت۔ کہا بس اس پہلے نظر سے چت کو ست کہا۔ ہوئے ست اور چت دونوں ایک یا نہیں۔ اب آنند کو لو۔ جتنی دکھ کی صورتیں گیان سمندر میں نمایاں ہونگی وہ محض

جنک - اے یاگیہ ولکیہ سچ ہے - مگر جب سورج غروب ہو جاتا ہے - اور چاند چھپ جاتا ہے - اس وقت اُس کی جوتی کون ہے ؟

رشی - اے راجہ - اگنی ہے - اگنی روپی جوتی سے یہ بیٹھتا ہے - چلتا ہے - کام کرتا ہے اور واپس آجاتا ہے +

جنک - اے یاگیہ ولکیہ سچ ہے - مگر جب سورج غروب ہو جاتا ہے - چاند چھپ جاتا ہے اور آگ بجھ جاتی ہے - اس وقت اس کی جوتی کون ہے ؟

رشی - اے راجہ - بانی یعنی کلام ہے - بانی روپی جوتی سے یہ بیٹھتا ہے - چلتا ہے - کام کرتا ہے - واپس آجاتا ہے - جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا - اگر وہاں آواز آئے تو یہ آواز کے سہارے پہنچ جاتا ہے +

جنک - اے یاگیہ ولکیہ - سچ ہے - مگر جب سورج غروب ہو جاتا ہے - چاند چھپ جاتا ہے - آگ بجھ جاتی ہے - بانی شانت ہو جاتی ہے - اُس وقت اُس کی جوتی کون ہے ؟

رشی - اے راجہ - آتما ہی اِس کی جوتی ہے +

اس مکالمے میں رشی نے اوّل معروف جوتی یا روشنی کو لیا ہے - جس کے ذریعے آدمی کام کرتا ہے اور بتدریج راجہ کو یہ سمجھایا ہے - معروف روشنی روشنی نہیں ہے - بلکہ تاریکی ہے اصلی روشنی گیان سروپ آتما ہے - سُپن اور سشپتی میں آتما جوتی ہی باقی رہتی ہے اور سب جوتیاں شانت ہو جاتی ہیں +

سادھو وام! جس لطافت اور تاثیر کے ساتھ اس اودھوت نے یہ مطالب بیان کئے تھے میں اس کا شمہ بھی ادا نہیں کر سکا ہوں - میں سن کر حیران رہ گیا - اور میں نے کہا مہاراج میں سمجھا - شدّھ گیان کا نام برہم ہے - بولا ہاں - شدّھ گیان ہی کو برہم کہتے ہیں - اب میرا تیرا سارے جہان کا شدھ گیان لیا جائے - تو ایک گیان سے دوسرے میں کیا فرق ہوگا - کچھ بھی نہیں - کیونکہ فرق ڈالنے والی کوئی چیز نہیں ہے - سادھنا کرنے والے

روشنی پڑیگی اور اس روشنی سے سب روشن ہو جائینگے۔ لیکن جہاں وہ دکان سے اِدھر اُدھر گزر گئے پس اندھیرے میں مخفی ہو گئے۔ اب اندھیرے میں کوئی کہے کہ چراغ کی روشنی کا ناش ہو گیا تو وہ جھوٹا ہے۔ چراغ کی روشنی تو ویسے کی ویسی ہی قائم ہے آپ چونکہ وہ روشنی میں نہیں اس وجہ سے روشن نہیں۔ اسی طرح یہ سنسار سارا اندھیرا ہے۔ گیان کی روشنی صرف برہم ہے۔ اگیان کی جو جو صورت اس روشنی میں آتی ہے۔ مثلاً سکھ دُکھ۔ خواب۔ بیداری۔ سپشنی۔ سمادھی۔ سب کا پرکاش ہو جاتا ہے۔ جو چیز اس روشنی سے ہٹ جاتی ہے۔ وہ اندھیرے یعنی اگیان میں لے ہو جاتی ہے۔ پس ناش اس چیز کا ہُوا نہ کہ روشنی کا۔ اسی روشنی کو صوفی نور کہتا ہے۔ ویدانتی جوتی چیت یا برہم کہتا ہے۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ بجلی۔ آگ روشنی نہیں کہلاتے۔ روشنی گیان ہے۔ جسے نطق کہو۔ کانشس نس کہو۔ برہم کہو۔ جیو کہو یا جو چاہے اور نام رکھ لو۔ اسی گیان روپ روشنی کا ذکر برہدارنیک اپنشد میں بڑی خوبصورتی سے آیا ہے +

ایک مرتبے یاگیہ ولکیہ رشی راجہ جنک کے پاس گئے۔ چونکہ پہلے خوش ہو کر راجہ کو بروان دے چکے تھے۔ کہ جو چاہو ہم سے پوچھ لیا کرو۔ راجہ نے اُن کا آنا غنیمت سمجھا اور اس طرح آپس میں سوال و جواب ہونے لگے +

جنک۔ اے یاگیہ ولکیہ اس پُرش یعنی آدمی کی جوتی کون ہے؟

رشی۔ اے راجہ۔ سورج ہے۔ کیونکہ سورج روپ جوتی سے ہی یہ پرش بیٹھتا ہے۔ چلتا ہے۔ کام کرتا ہے اور واپس آجاتا ہے +

جنک۔ اے یاگیہ ولکیہ سچ ہے۔ لیکن جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اس کی جوتی کون ہے؟

رشی۔ اے راجہ۔ چاند ہے۔ چاند روپی جوتی سے یہ بیٹھتا ہے۔ چلتا ہے۔ کام کرتا ہے اور واپس آجاتا ہے +

کہا مہاراج مجھے تو سیدھی نثر میں سمجھاؤ۔ میں نظم میں نہیں سمجھتا۔ یہ سن کر دانت کچ کچا کر اُٹھا۔ اور کہا۔ کمبخت کیا اعلےٰ درجے کے مضامین میں نے تجھے سُنائے اور تو نے کیا داد دی۔ لے نثر میں سمجھاؤں۔ یہ کہکر اُس سادھو نے میرا ہاتھ پکڑ دانتوں سے دبا بھنبھوڑ کھایا۔ مَیں بے اختیار چلّایا کہ مہاراج کیا کرتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ ہاتھ چھوڑ کر بولا تو موٹی سمجھ کا آدمی ہے۔ موٹے ہی طریق سے تجھے برہم سمجھاتا ہوں۔ میں درد سے بیتاب اور ہاتھ مل رہا تھا۔ دیکھ کر بولا۔ تو چلّایا کیوں تھا اور ہاتھ کیوں مل رہا ہے۔ مَیں نے کہا مہاراج آپ نے میرا ہاتھ بھنبھوڑ کھایا چلاؤں اور ہاتھ نہ ملوں تو کیا کروں۔ دکھ بھی معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ بولا ہاں ٹھیک ہے۔ یہ معلوم ہونا۔ یہ گیان۔ یہ کانشس نس ہی تو برہم ہے اور کیا جاننا چاہتا ہے ؂

میں نے کہا۔ برہم گیان ہے تو ناشواں یا فانی ثابت ہوگا۔ کیونکہ ابھی دُکھ کا گیان دیکھیئے ابھی جاتا رہا یعنی ناش ہو گیا۔ اس پر مسکرایا۔ اور بولا۔ کیسا ان سمجھ آدمی ہے۔ ارے بیوقوف گیان ناش نہیں ہو گیا۔ دُکھ ایک عارضی چیز جو گیان میں آ گئی تھی۔ اُس کا ناش ہو گیا۔ اسی طرح دکھ سکھ گرمی سردی۔ خواب بیداری۔ باہر کی چیزیں سب گیان کے سمندر میں اُبھر اُبھر کر ناش ہو جاتی ہیں۔ مگر گیان جوں کا توں رہتا ہے۔ پہلے تو کبھی شیرخوار بچّہ تھا۔ پھر نوجوان ہوا۔ پھر ادھیڑ بنا۔ اب بوڑھا ہے۔ یہ جسم کی حالتیں بدلتی رہیں یعنی ناش ہوتی رہیں۔ لیکن تو ان حالتوں کے جاننے والا ویسے کا ویسا ہے۔ تیرا تو ناش نہیں ہو گیا۔ اسی طرح جگوں اور کلپوں سے تو گیان روپ آتما موجود ہے۔ اور جگوں اور کلپوں تک رہیگا۔ ناش ہوتا ہے صورت کا۔ ناش ہوتا ہے نام کا۔ کیونکہ یہ خواب کے نقشوں کی طرح وہمیہ ہیں۔ ان صورتوں کے دیکھنے والے گیان کا بھی کہیں ناش ہوتا ہے ؂

دیکھ بھائی یوں سمجھ۔ بازار میں اندھیرا ہے اور صرف ایک دکان پر چراغ جل رہا ہے۔ بگھی۔ گھوڑا۔ آدمی۔ جانور جو جو چراغ کے سامنے آئیگا سب پر

کون کہہ سکتا ہے اس حالت کو دم بھر دیکھ کر — یہ وہی آکاش ہے جس میں کہ پہلے کچھ نہ تھا
لیکن جو طوفاں سے پہلے تھا وہی طوفاں کے بعد — اور طوفاں میں بھی ہے آکاش جوں کا توں کھڑا
ابر و باد و برق و رعد و بارش و باران آب — ایک سے بھی وہ ملوث ہے نہ ہوگا اور نہ تھا

یوں ہی تجھ میں کائناتیں اٹھ کے لے نور بسیط — اور کچھ دم ٹھہر کر ہو جاتی ہیں آخر فنا
کیوں اٹھیں وہ اور پھر کیوں اٹھ کے آخر مٹ گئیں — اعتراف عجز کرتی ہے یہاں طبع رسا
فہم قاصر ہے یہاں ادراک قاصر ہے یہاں — یہ طلسمات صور کیوں جلوہ گر تجھ میں ہوا
گرچہ ہے بے بود لیکن پھر بھی کہتا ہے نمود — چشم بینا دیکھ تو ہے کیا تماشا ہو رہا
کارخانے تیری قدرت کے سمجھنا کون ہے — اے تماشا دست بس تو ہی ہے ان کا جانتا

قادر مطلق ہے تو ہر چیز اور کل پہ قدیر — صانع بے منت اسباب بے چون و چرا
ایک نقشہ تیری قدرت کا ہے ساری کائنات — اک کرشمہ تیری صنعت کا ہے یہ ارض و سما
ہے مکاں تجھ میں تمام افلاک سے لے تا بہ خاک — ہے زماں پر تو محیط از ابتدا تا انتہا
تیرے ایوان شہی کا کمترین چاکر قدر — تیرے دیوان مہی کا کارکن ادنیٰ قضا
تابع فرماں ہیں تیرے سب اسرار و عقول — ہیں مطیع حکم تیرے سب عناصر اور قوے
خوف سے تیرے تپاں ہے مہر روشن ماہ سے — خوف سے تیرے رواں ہے آب چلتی ہے ہوا
اپنی قدرت میں تجھے خواہش نہیں اسباب کی — اپنی صنعت میں نہیں محتاج تو آلات کا

یہ بھی کہنا اک تعین ہے کہ تو خلاق ہے — تو ہے ذات لاتعین بے چگون و بے چرا
خالق و مخلوق ہو سکتا ہے کب تو اے بسیط — لم یلد کے اور لم یولد کے ہے لب پر صلا
جو ہے تو وہ ہے مگر کیا ہے یہ کہہ سکتے نہیں — ما عرفنا ہے ازل سے قول مردان صفا
دعوے باطل نہیں ہے دعوے ارباب کشف — ذات جس کی علم سے معلوم وہ کب ہو سکا
سر عرفان الٰہی ہے مگر گونگے کا گڑ — آدمی کھاتا ہے لیکن کہہ نہیں سکتا مزا

(کلام مہر جلد اول)

نظم ختم کر کے کہا — لے یہ تو نیتی نیتی کی تعلیم نہیں ہوئی اب سمجھا میں نے

واں ہو مصروفِ خود آرائی کوئی زیبا نگار	جس طرف دیکھے نہ دیکھے دوسرا اپنے سوا
آئینہ خانہ ہے عالم تو ہے وہ زیبا نگار	تو ہی تو ہے ہر طرف کوئی نہیں ہے دوسرا

یا کہ جیسے برق خانے کا ہو میدانِ وسیع	صحنکیں اس میں لگی ہوں اَن گنت پانی بھری
پرتوِ مہرِ منوّر جلوہ افگن ہو وہاں	ایک سورج کی جگہ ہوں لاکھ سورج رونما
تو ہے وہ مہرِ منوّر اور یہ عالم ہے آب	ہر طرف جلوہ ترا ہے ہر طرف جلوہ ترا

یا کہ جوگی ہو کوئی اہلِ ریاضت اہلِ کشف	اُس کو منظور ہو نظارا کمال کا دکھانا
اپنی طاقت سے کرے وہ خلق اک عالم کثیر	مور و مار و مرغ و ماہی انس و جاں ارض و سما
اُس کی نظروں میں ہو اسکی طبع کو محسوس ہو	اس تماشا گاہِ عالم کی طرح عالم نیا
اپنے اپنے کام کرتی ہو یہ مخلوقِ کثیر	ذاتِ واحد میں ہو پیدا احساس اِن اعمال کا
تو ہے وہ جوگی تری مخلوق یہ مخلوق ہے	عالمِ اسباب ہے وہ عالمِ ذہنی ترا
خالق و مخلوق دو مظہر ہیں تیری ذات کے	عالم و معلوم دو جلوے ہیں تیرے ایک جا

گرچہ تو سب میں ہے سب تجھ میں اور سب سے ہے مختلط	پر مبرّا سب سے ہے سب سے الگ سب سے جدا
جس طرح سے گرچہ جنبش میں ہیں امواجِ سراب	لیکن اُن سے ریگِ صحرا تر نہیں ہوتی ذرا
جھوٹ بنتے ہیں جس طرح رسّی نظر آتی ہے سانپ	اصل میں لیکن رسن مار رسن سے ہے جدا
جس طرح سے خواب کی کیفیتِ امید و بیم	بن نہیں جاتی ہے حصہ خواب بیں کی ذات کا
جس طرح سے برگِ نیلوفر نہیں بھیگتا ہے تر	سب طرح سے گرچہ وہ پانی میں ہو ڈوبا ہوا
تو بھی ہے اس طرح ہر شے میں مگر سب سے الگ	تو بھی ہے اس طرح ہر شے میں مگر سب سے جدا

پاک ہے آکاش جیسے ہر طرح کی لوث سے	کوئی شے اُس کو ملوّث کر نہیں سکتی ذرا
پر اسی آکاش میں جب ابر ہوتا ہے محیط	اک اندھیرا سا نظر آتا ہے بن چھایا ہوا
دمبدم بجلی چمکتی ہے گرجتا رعد ہے	زور سے اور شور سے چلتی ہے طوفانی ہوا
مینہ برستا ہے جھما جھم ابر اک دریائے آب	چشمِ بینا دیکھتی ہے موجزن اُمڈا ہوا

وہاں نام ہے نہ صفات ہیں وہاں تین ہیں وہاں ہے تو
نہ عدم ہے نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

(کلام مہر جلد ثانی)

گا چکا تو مسکرانے لگا کہ بول اب سمجھا۔ میں نے ہاتھوں سے قدم چومے اور کہا مہاراج۔ اس تعلیم سے کوئی کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ یہ تو نیتی نیتی کی تعلیم ہے۔ یعنی برہم یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔ مجھے تو بتائیے کہ برہم کیا ہے۔ کہا اچھا سن۔ یہ کہکر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور سوہنی کے میٹھے سُروں میں گانا شروع کیا +

اشعار از قصیدۂ توحید واجب الوجود

اے کہ تیرے نور سے پر نور ہے رض و سما	پرتو تیرا ہے شاہنشاہ خاور کی ضیا
اس تماشا گاہ میں چشم تماشا بیں ہے، تو	دیکھتا ہے تو ہے وحدت میں کثرت رونما

جس طرح سے عالم رویا میں کوئی آدمی	اپنی واحد ذات میں ہے سیر کثرت دیکھتا
کوہ صحرا باغ جنگل شہر بازار و مکاں	آدمی ہر وضع کا اور جانور ہر قسم کا
مختلف افعال اور ان کے نتائج مختلف	مختلف اعمال اور ان کی جزا ان کی سزا
ذات بیا ہے یہاں خود عالم و معلوم وعلم	ذات واحد میں ہے کثرت کا تماشا ہو رہا
خالق و مخلوق وہ تو ایک اس عالم میں تھا	بلکہ کثرت آپ ہے آئینہ وحدت نما
عالم اسباب میں بھی مثل خواب ہیں	خالق و مخلوق وہ تو ایک کا ہیں پرتوا
غیر سے پرخاش کس کو وہ تو زیب حسن ہے	زینت محفل مرے محفل نشین تو کب تھا

جس طرح شاہی محل میں کاخ عالیشان ہو	اس میں ہو آئینہ خانہ روح پرور دل فزا
سقف پر اور سطح پر دیوار و در پر ہر طرف	راست جب پائین و بالا ہو نما شیشہ جڑا

نہ کثیف جسم و لطیف وہ کہ بتائے زمان و مکان میں
ادھر آؤ اے میرے دوستو کہوں بات رمز کی کان میں

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

نہ وہ عرش پر نہ وہ فرش پر نہ جہان کون و مکاں میں ہے
نہ خلا میں ہے نہ ملا میں ہے نہ زمیں میں ہے نہ زماں میں ہے
نہ وہ موسموں میں ہے جلوہ گر نہ بہار اور خزاں میں ہے
نہ وہ دل میں ہے نہ دماغ میں نہ کسی کے وہم و گماں میں ہے

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

نہ وہ مندروں میں نہ مسجدوں میں نہ معبدوں میں مقیم ہے
نہ وہ دیر اور حرم میں ہے نہ وہ حادث اور قدیم ہے
نہ سمیع ہے نہ خبیر ہے نہ رحیم اور کریم ہے
یہاں صوفیوں کو ہیں جستیں یہاں دنگ عقل حکیم ہے

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

نہ وہ ملتوں میں ملا کبھی نہ وہ مذہبوں میں ملا کبھی
ہیں فضول بحث و مباحثے نہیں جن کا کچھ بھی صلہ کبھی
کہو تم شیوخ و برہمنوں سے کیا کریں گلہ کبھی
جو تو ہوشیار ہے آ نہ سکے ہیں ان کے دلا کبھی

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

تجھے عمر کس کی تلاش ہے شب و روز کسکی ہے جستجو
تجھے کس سے ملنے کی چاہ ہے تجھے کس کے وصل کی آرزو
وہاں حد ہے نہ فردیت نہ انانیت کی ذرا بھی بو

نہ وہ شے ہے کوئی سنانے کی کہ تم آؤ اور سنائیں ہم
نہ سراغ اس کا نہ کچھ نشاں کہ پتا کسی سے لگائیں ہم
کہیں سب سے کیوں نہ کھلا کھلا ہمیں کیا غرض جو چھپائیں ہم

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

نہ وہ خاک ہے نہ وہ آگ ہے نہ ہوا ہے اور نہ آب ہے
نہ وہ جاگنے کی مثال ہے نہ بیان عالم خواب ہے
نہیں بے خودی سے غرض اسے نہ اسے خودی سے خراب ہے
نہ نمود اس کی ہے واقعی نہ وہ مثل موج سراب ہے

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

سنو میری وہ غلطی یہ ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں جدا ہے وہ
یہ غلط ہے اور کبھی دوستو کہ ہم اور تم سے جدا ہے وہ
نہ وہ دہریوں کا ہے مادہ نہ دلیل اہل ہدیٰ سے ہے وہ
مرے دل پہ نقش نگیں کی طرح بس اس طرح سے کھدا ہے وہ

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

کہو شیخ سے کہ وہ کعبے میں نہ تو اب ہے اور نہ پہلے تھا
کہو برہمن سے کہ مندروں میں ملیگا اس کا نہ کچھ پتا
کہو دھیانیوں سے کہ دھیان میں وہ جیا نہ وہ اب ملا
کہو جوگیوں سے کہ لوگ سب ہیں نظر میں میری ڈھکوسلا

نہ عدم ہے وہ نہ وجود ہے کوئی چیز ہو تو بتائیں ہم

نہ تو اس کی صورت و شکل ہے کہ ہے کس کے وہ دھیان میں
نہ وہ چیز ہے کوئی خارجی جو سمائیں کھینچ کے گیان میں

ہمیں للہ بتاؤ تو جہاں ملنا ہے

چشم بینا یہ ہے کیا پردۂ غفلت طاری
کیا سوالات جہالت ہیں بابا جاری

مجھے سن سن کے ہنسی آتی ہے اللہ اللہ
واہ کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واہ

مچھلیاں بحر میں ہیں بحر سے آگاہ نہیں
گو ہوا میں ہیں طیور ان کو ملی راہ نہیں

گل ہیں گلزار میں پر ہے انہیں گلزار کی چاہ
اور انسان کو اللہ کے دیدار کی چاہ

جس خدا کی تجھے رہتی ہے تلاش روز تلاش
وہ جدا تجھ سے کبھی بھی نہیں اے نیک معاش

ہے بس بیٹھا وہی اور حبیب پاس وہی
دور ہرگز نہیں ہم دم ہے ترے پاس وہی

دور و نزدیک کا لاؤ نہ طبیعت میں خیال
مہر تم آپ ہو وہ کیسی جدائی و وصال

(کلام مہر جلد ثانی)

گا کر میری طرف مخاطب ہوا اور کہا سمجھا۔ میں نے کہا خاک نہیں۔ مجھے تو اس طرح سمجھایئے کہ جس طرح ہاتھ پر یہ پھل رکھا ہوا صاف نظر آتا ہے۔ یہ سن کر اس نے پھر زور سے قہقہہ لگایا اور چپکے چپکے اس طرح بولنے لگا۔ جیسے کوئی دل ہی دل میں باتیں کرتا ہے۔ ہیں! کیسا نادان آدمی ہے۔ کہتا ہے ویدانت پڑھا ہے۔ اپنشد میں رشی یاگیہ ولکیہ کا میتری کو اپدیش بھول گیا۔ "وگیا تارم ارے کین بجانیات" (جاننے والے کو کس طرح جانیں) برہم کوئی جاننے کے لائق چیز ہے۔ جو میں بتاؤں۔ یہ کہکر سورٹھ کے میٹھے سروں میں پھر گانا شروع کیا:۔

نیتی! نیتی

یعنی برہم یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

سنو ذات حق نہیں دیدنی کہ تمہیں پکڑ کے دکھائیں ہم

پوچھتے مجھ سے ہیں ظاہر کہ ہوا ہے کیا چیز
متحرک ہے کہ ساکن ہے نہیں ہم کو تمیز

نام سنتے ہیں بہت پر نہیں دیکھا ہم نے
ایسا کب دیکھا کسی چیز کا دیکھا ہم نے

کہتے ہیں کرۂ بادی کا ہے پھیلاؤ بہت
دیکھنے کا ہمیں کس طرح نہ ہو چاؤ بہت

کبھی آندھی ہیں ہوا گرد سے اٹ جاتی ہے
کبھی بارش سے وہ مرطوب نظر آتی ہے

بیک جب لوٹ آبادی کی ہوئی دور اس سے
وہ ہے بے لوث ہر اک چیز ہے بھرپور اس سے

اس میں عالم کا قیام اس میں جہاں کا ہے قیام
کیا ہی حیرت کی ہے جا کیا ہی تعجب کا مقام

سب اسی میں ہیں مگر بھید کسی کو نہ ملا
ہمیں للہ بتائے کوئی کیا شے ہے ہوا

مجھ سے گل پوچھتے ہیں باغ میں گلشن کیا ہے
دیکھا گلزار کا برسوں سے ہمیں سودا ہے

نام گلزار بہت ہم نے سنا کانوں سے
شوق کہتا ہے کہ دیکھیں ہی اسے آنکھوں سے

سنتے رہتے ہیں کہ گلشن کی نرالی ہے فضا
سنتے رہتے ہیں نرالی ہے گلستاں کی ہوا

غنچۂ خاطر افسردہ وہاں کھلتا ہے
جس طرح یار سے یار آکے کوئی ملتا ہے

وہاں آتا ہے طبیعت میں سکون اور تسکیں
وہاں جاکر کوئی رہتے نہیں پاتا غمگیں

جس جگہ غم کا نہ ہو نام وہ جا اچھی ہے
واں کی اچھی ہے ہوا اور فضا اچھی ہے

ہم بھی مشتاق ہیں گلزار کا منظر دیکھیں
ہمیں للہ بتاؤ کوئی کیونکر دیکھیں

آدمی پوچھتا ہے مجھ سے خدا کیا شئے ہے
عمر برباد گئی ہم نے نہ جانا ہے ہے

ہم ہیں انسان ضعیف اور وہ اللہ قدیر
قادر مطلق و خلاق و خبیر اور بصیر

ذات نوری ہے وہ انسان ہے کیا مشت خاک
ہم گنہگار ہیں ناپاک ہیں اور وہ ہے پاک

وہ ہے نور اور سرشت اپنی تو آب و گل ہے
ہمیں دیدار الٰہی ہو بہت مشکل ہے

گو بہت دیکھے مناظر و مرایا ہم نے
سر حق چیز ہے وہ کھوج نہ پایا ہم نے

ہمکو آنکھیں وہ ملیں ہیں کہ زمیں پر دیکھیں
ہائے وہ آنکھ کہاں عرش بریں پر دیکھیں

کس طرح ملتا ہے حق اور کہاں ملتا ہے

اور سو گیا۔ میں شام تک بیٹھا رہا مگر وہ نہ اُٹھا۔ خیر میں گھر چلا آیا۔ مگر اتنا مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ یہاں دوپہر کو ایکانت ہوتا ہے۔

دوسرے روز پھر دوپہر کو میں پھل لے گیا۔ جو اُس نے کل کی طرح کھائے لیکن آج کھا کر سویا نہیں۔ آنکھ بند کئے گاتا رہا۔ گا کر خاموش بیٹھا رہا۔ اسی طرح کئی روز ہوتا رہا۔ ایک دن پھل کھا کر کہنے لگا۔ کہہ بابا۔ کس مراد سے آتا ہے۔ تم دنیا داروں نے مجھے دق کر دیا ہے۔ کوئی بیٹا مانگتا ہے۔ کوئی دولت طلب کرتا ہے۔ کوئی مقدمے میں فتحیابی کی درخواست لیکر آتا ہے۔ ارے مورکھ بیٹا یا دولت کوئی میری آنٹی میں رکھی ہے۔ میرے پاس ایک کوپین کے سوا اور کیا ہے۔ تجھے کیا چاہیئے۔ جا خیر سے اپنے گھر جا۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ مہاراج میں آپ سے دنیا مانگنے نہیں آیا۔ میں نے ویدانت پڑھا ہے۔ مجھے سمجھائیے برہم کا کیا سروپ ہے۔ یہ کہنا تھا کہ پہلے تو اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور پھر چنگلے کے میٹھے سُروں میں بڑی دلکش آواز سے گانا شروع کیا۔

تلاش حق

مچھلیاں پوچھتی ہیں مجھ سے سمندر کیا ہے	باہر اس بحر کے کیا چیز ہے اندر کیا ہے
ہم نے دیکھا نہیں۔ ہاں نام سنا ہے بیشک	دید کا شوق ہے پر دیکھئے دیکھیں کب تک
کہتے ہیں بحر کی ہے لا متناہی وسعت	انتہا جب نہیں تو ہووےگی کیا ہی وسعت
اس میں طوفان جب آتا ہے بہت زور کے ساتھ	تو اُٹھا کرتی ہیں امواج بہت شور کے ساتھ
جب فرو ہو گئی طوفان کی شورش تو کہاں	جھاگ اور لجّہ و گرداب و تلاطم کا نشاں
پھر مصفا و مسکن سے وہی بحر ایسا	کہ اسے دیکھ کے حیرت میں رہے آئینہ

ایک ہی چیز کے دو حال مخالف اس طرح
ہمیں للہ بتاؤ کوئی سمجھیں کس طرح

میں دہلی کا رہنے والا ہوں - ایک اور میرے دوست جڈاپن شد جیاتب ی طرح سنیاسی ہیں - اور اس مجمعے میں تشریف رکھتے ہیں میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ جمنا کنارے ایک اودھوت آکر ٹھہرے ہیں - اور بڑے بھاری گیانی معلوم ہوتے ہیں - کبھی کبھی تقریر کرتے ہیں - تو بس ایسا محسوس ہوتا ہے - جیسے امرت کی برکھا ہو رہی ہے - لیکن اکثر خاموش رہتے ہیں - یا حالت وجد میں گاتے رہتے ہیں - بہت لوگ درشنوں کو جاتے ہیں - لیکن کسی پر التفات نہیں کرتے - بعض گھنٹوں بیٹھکر چلے آتے ہیں - وہ نہیں بولتے - خاموش بیٹھے رہتے ہیں - یا مزے سے گائے جاتے ہیں - کل میں بھی گیا تھا - ایک شخص بہت سر ہؤا اور بار بار کچھ دنیاوی مراد مانگتا رہا - وہ پہلے تو سُنا کئے - کئی بار ہاتھ سے خاموشی کا اشارہ کیا - کئی بار اشارے سے کہا چلا جا - جب وہ باز ہی نہیں آیا تو سوٹا لے کر اُٹھے - اب آگے آگے وہ بھاگتا جاتا ہے اور پیچھے پیچھے آپ سوٹا لئے بھاگے آتے ہیں - اُسے بھگا کر ہماری طرف سوٹا لئے دوڑے - ہم نے بمشکل بھاگ کر اپنی ہڈیوں کی سلامتی کا شکر بھیجا - راستے میں ایک دو بھگت کہنے لگے دیکھو آج سوٹے سے پیش آئے - کل اُپنشد کے ارتھ کی کیسی اچھی ویاکھیا کی تھی - کہ سُن سُن کر حیرت ہوتی تھی +

مجھے بھی درشنوں کا شوق دامنگیر ہؤا - شام کے وقت میں اور میرا دوست دونوں جمنا کے کنارے پہنچے - اور بھی کئی آدمی بیٹھے تھے - ہم سب دو گھنٹے تک بیٹھے رہے - لیکن نہ اُس سادھو نے آنکھ کھولی - نہ منہ سے کچھ بولا - دوسرے روز میں صبح کے وقت گیا - اُس وقت کل سے زیادہ بھیڑ تھی - کیونکہ جمنا کے بھگت صبح اشنان کو بہت جاتے ہیں - آج بھی میں دو تین گھنٹے بیٹھکر چلا آیا - سادھو نے کسی کی طرف التفات نہیں کیا - تیسرے روز میں دوپہر کو پہنچا اور کچھ پھل لے گیا تھا - وہ سامنے رکھے - اُس وقت سادھو تنہا تھا - دو چار پھل کھائے اور دو چار مجھے واپس دے دئے - پھل کھا کر وہ دریا کی ریت میں آرام سے لیٹ رہا

باب سوئم - وحدتِ وجود

ستائیسویں سادھو کی کہانی

برہم کا سروپ

مکان ذات حق کا نہیں لامکاں ہے	نشان کیا بتائیں کہ وہ بے نشاں ہے
خردمند کو ہم نے حیراں دیکھا	خرد کی رسائی یہاں تک کہاں ہے
قیاس اور وہم وگماں سے ہے باہر	نہ پہنچا قیاس اور نہ وہم وگماں ہے
غرض کنہ ذات الٰہی ہے وہ شے	کہ قاصر زباں اور عاجز بیاں ہے

ایک مہاتما بولے۔ مہاراج! برہم کیا ہے۔ یہ حقیقت میں بڑا پُرانا سوال ہے۔ اپنشدوں میں یہی سوال چیلے رشیوں سے کرتے ہیں۔ گیتا میں یہی بات ارجن شری کرشن سے پوچھتا ہے۔ غرض ویدانت کی جس کتاب کو لو۔ یوں سمجھئے کہ اسی سوال کی تشریح یا جواب ہے۔ میں نے بھی ویدانت کی کتابیں پڑھی تھیں۔ کتھائیں سُنی تھیں۔ اور اُن کے معانی و مطالب پر غور کیا تھا۔ پس میرے دل میں کبھی اگر یہی سوال اُٹھا اور میں اس کے جواب کی تلاش میں در در مضطرب اور سرگرداں پھرا تو کچھ حیرت کا مقام نہیں ہے۔ پنڈتوں کی میں نے خدمت کی۔ سادھوؤں کی سیوا میں بِک گیا۔ اور جیسے شری کرشن بھگوان نے گیتا میں کہا ہے۔ "گرُ تتو درشی گیانیوں کے پاس جا کر انہیں نمسکار کر اُن کی سیوا کر اور اُن سے سوال پوچھ۔ وہ تجھے گیان کا اپدیش کرینگے" میرا عمل بعینہٖ یہی تھا۔ جہاں کسی بڑے پنڈت یا سادھو کی تعریف سنتا تھا۔ اُس کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور اُسے متوجہ پاتا تھا تو یہی سوال کرتا تھا۔ کہ برہم کیا وستو ہے +

مدھیم اور نکرشٹ - یعنی اعلےٰ متوسط اور ادنےٰ - اعلےٰ ادھکاری وہ شخص ہے جس نے صفائیٔ قلب حاصل کر لی ہے - اور جس کا یہ حال ہے کہ جیسے دیا سلائی لگانے سے خشک ایندھن میں فوراً آگ بھڑک اُٹھتی ہے اسی طرح جہاں اُس نے گیان کا اُپدیش سُنا اور وہ گیانی ہؤا - اوسط درجے کے ادھکاری کو شاستر کے رموز و نکات ذرا شرح و بسط کے ساتھ سمجھانے پڑتے ہیں - لیکن اس شرح و بسط سے وہ سمجھ جلدی جاتا ہے اور بات بات پر فضول اعتراض نہیں اُٹھاتا - ادنےٰ درجے کا ادھکاری وہ شخص ہے جو بحثوں کا شائق ہے - بال کی کھال کھینچتا ہے - کھنڈن منڈن کا دلدادہ ہے - ایسی ادھکاری کی عقل تیز اور بدھی سوکشم ہوتی ہے اور اس کو شاستر کے بچار میں سخت محنت اُٹھانی پڑتی ہے - ویدانت شاستر تینوں قسم کے ادھکاریوں کا لحاظ رکھتا ہے اور ہر ایک کے واسطے اُس کی لیاقت اور شوق کے مطابق تعلیم مہیا کرتا ہے ۔

یہ کہہ کر سوامی برہمانند بولے - سادھوؤ! سادھن چتشٹے کی بابت یہ باتیں تھیں جو ہم تمہیں سمجھایا چاہتے تھے - مجھے خوشی ہے کہ جن جن مہاتماؤں نے کہانیاں کہی ہیں - اُنہوں نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ ہر ایک سادھن کی تعریف بتادی ہے - اُس کی ضرورت بیان کردی ہے - اُس کا ابتدائی اور انتہائی درجہ بیان کر دیا ہے - اور ساتھ ہی ایسے عملی ذرایع اور وسائل بھی بتا دئے ہیں - جو مبتدی اور منتہی دونوں کے واسطے مفید ثابت ہونگے - اب سادھن چتشٹے کا مضمون ختم ہو گیا - برہم ودیا بیان کرنی شروع کرو - لیکن کہانیوں کا رنگ قائم رہے - یعنی دلچسپ بھی ہوں اور ویدانت کے ضروری مسائل کی بھی تشریح ہوتی چلی جائے - ہاں کوئی مہاتما اپنشد اور گیتا کا وُہی پُرانا سوال لیکر برہم کیا ہے ؟

ہاں بتاؤ اے محبان صفا

برہم کیا ہے برہم کیا ہے برہم کیا

ہو جاتی ہے ٭

اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ اُس میں نجات کی تیز خواہش یعنی موکشنا پیدا ہوگی۔ ہم اس دنیا کے دھندوں میں اس قدر کیوں پھنس رہے ہیں اور عقبےٰ کا فکر کیوں نہیں کرتے محض اسی واسطے کہ طبیعت یکسو نہیں ہے۔ دنیا کے دھندے لاانتہا ہیں۔ انہیں کون شمار کر سکتا ہے۔ اس بھیڑ بھاڑ۔ اس کش مکش۔ اس دو عملی میں فکرِ عقبےٰ۔ خواہشِ نجات یا موکشتا کہاں ممکن ہے۔ نچلے بیٹھو۔ طبیعت کو یکسو کرو۔ سمادھان چت کا آنند لو۔ اندر ہی تیز آگ بھڑکے گی۔ کہ مجھے دنیا سے کیا لینا ہے۔ میں اس بندے سے چھوٹوں اور موکش بدکو پراپت ہوں۔ میں اپنے سروپ کو بھول گیا ہوں۔ اُسے یاد کرکے اس بندغم سے آزاد ہوں۔ یہ خیال ابتدائی ہے۔ موکشتا کی انتہا اس لطیفے سے ظاہر ہوتی ہے ٭

ایک چیلے نے اپنے گورو سے پوچھا۔ مہاراج موکشنا کیا چیز ہے۔ وہ اس وقت پاس کے حوض میں نہانے جاتے تھے۔ کہنے لگے آؤ بتاؤں۔ چیلا بھی دھوتی لئے ساتھ تھا۔ حوض کے کنارے گورو اور چیلے دونوں نے کپڑے اتارے اور حوض میں داخل ہوئے۔ پہلے گورو نے غوطہ مارا۔ تھوڑی دیر میں سر ابھارا تو چیلے نے غوطہ لگایا۔ گورو نے دونوں ہاتھوں سے اُس کے شانے پکڑ کر دبائے۔ چیلا سر ابھارنا چاہتا تھا۔ لیکن گورو پانی سے سر ابھارنے نہیں دیتے تھے۔ کچھ کش مکش کے بعد چیلے نے بڑا زور مارا اور سر ابھارا مگر بڑا پریشان تھا۔ گورو نے پوچھا۔ کہو بیٹا۔ پانی کے اندر تمہارا سر تھا تو اس وقت من کیا چاہتا تھا۔ چیلے نے کہا۔ مہاراج یہ چاہتا تھا کہ جس طرح ہو سکے پانی سے سر ابھاروں۔ کیا مصیبت جان پر آبنی اور کس طرح اس سے خلاصی ہو۔ گورو نے مسکرا کر کہا۔ ایسی ہی تیز خواہش تمہیں اس سنسار ساگر سے سر ابھارنی کی ہو تو وہ موکشتا کہلاتی ہے ٭

یہ چاروں سادھن جس شخص میں ہوں اُس کو ویدانت شاستر پڑھنے کا ادھکاری یعنی مستحق کہتے ہیں۔ ادھکاری تین طرح کے ہوتے ہیں اُتم

اخلاقی اوصاف نہایت ہی ضروری ہیں +

شردھا اور سمادھان اوصاف مذکرۂ بالا کے قدرتی نتائج ہیں۔ تتکشا سے من ایسا سہن شیل ہوگیا تو ظاہر ہے کہ صاف اور شدھ من گیا اس میں شاستر اور گورو کے بچن میں شردھا پیدا ہوگی اور یہ شردھا سمادھان یا یکسوئیے قلب کے درجے پر پہنچا دے گی +

یہ دونوں وصف بھی جن میں سے ایک اخلاقی اور دوسرا عقلی ہے۔ ویدانتی کے لئے ازبس ضروری ہیں۔ گیا ان شردھا والے آدمی کا حصہ ہے۔ جو شخص محض لفظی بحثوں میں اپنا اور اپنے ساتھ اوروں کا وقت عزیز ضائع کیا کرتے ہیں۔ اُن کے پلے کچھ نہیں پڑا کرتا۔ پڑھنے اور پڑھنے پڑھانے کا فائدہ اس وقت حاصل ہوا کرتا ہے۔ جب اس سے کسی نتیجے پر پہنچیں۔ پس شاستر اور گورو کے بچن میں شردھا طالب علم کے قدرتی اوصاف ہونے چاہئیں۔ اور یہ وصف ہوگا تو اظہر من الشمس ہے کہ جو کچھ وہ پڑھے گا۔ اس پر غور کے ساتھ توجہ دے گا۔ سمادھان کا زینۂ اوّل ہے۔ اس سے ترقی کرکے بتدریج انسان وہ استغراق حاصل کرے گا۔ کہ دنیا اُس کو خواب نظر آنے لگیگی اور اپنی ذات کو وہ اس خواب کا دیکھنے والا جانے گا۔ اس سے بھی ترقی کرکے وہ اس مرحلۂ انتہائی کو پہنچے گا۔ کہ دنیا کی دبدبند ہو جائے گی اور وہ اپنے آپ کو بے مثال اور بے نظیر آنند کا سمندر محسوس کرے گا +

دنیا ہے کہاں اور اُس کے آلام کہاں ۔۔۔ وہ فکر کہاں گئے وہ افکار کہاں
جس بحر سرور میں ہوں غرق اُس کا مگر ۔۔۔ آغاز کہاں ہے اور انجام کہاں

دل سے نقش دوئی جو اُٹھ گیا ۔۔۔ ہے میری نظر میں کالعدم سب دنیا
دریائے سرور موجزن ہے دل میں ۔۔۔ میں جزو سے اب کُل ہوا ہا ہا ہا

یہ انتہائی درجہ ہے۔ سمادھان کا ابتدائی درجہ صرف وہ ہے جس میں انسان کو دھیان دھرنے اور قلب کو یکسو کرنے کی کچھ کچھ عادت

پیدا ہوتا ہے۔من شانت ہو گیا۔تو حواس باہر کا رُخ نہیں کریں گے۔
کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ خواہش اوّل من میں اُٹھتی ہے۔اور من سے
حواسوں میں تحریک پہنچتی۔ہر شخص کا تجربہ شاہد ہے۔کہ ہم بھرے بازار
میں پھرتے ہیں۔ہزاروں چیزیں خرید و فروخت ہوتی ہیں۔لیکن
کسی پر آنکھ یا کان نہیں دئے جاتے۔ہاں من جس خیال سے ہمیں
بازار میں لایا ہے۔وہ چیز جہاں دیکھی اور ٹھیرے۔اس سے ظاہر ہے
کہ شم سے دم کا وصف یعنی تسکین قلب سے ضبط حواس کی طاقت پیدا
ہوتی ہے۔گویا شم سے دم پیدا ہوا۔حواس منضبط ہو گئے تو قدرتاً
لذّات سے سیری یعنی اُپ رتی پیدا ہوگی۔کیونکہ جب حواس بشیوں
کی طرف نہیں جائیں گے تو ظاہر ہے کہ بشیوں سے سیری خود بخود ہوگی۔
بشیوں سے سیری یعنی اُپ رتی ہو گئی۔تو ہر ایک شئے یکساں نظر
آئے گا اور تتکشا یعنی رنج و راحت کا سہ لیا اُس کا قدرتی نتیجہ ہوگا۔

شم۔دم۔اُپ رتی۔تتکشا چاروں اعلےٰ درجے کی اخلاقی فضائل
ہیں جن میں ویدانت۔پڑھنے والے کو ضرور بالضرور دسترس بہم پہنچانی
لازم ہے۔اُسکی علت غائی یہ ہے۔کہ ویدانت بچار شاستر ہے۔اس
میں دقیق رموز اور نکات سے بحث ہوتی ہے مشکل سوال اُٹھائے جاتے
ہیں۔اور ان کے جوابات میں جو تشریحیں کی جاتی ہیں۔اُن کا سمجھنا بھی
آسان نہیں ہے۔پس اس شاستر میں بڑی بھاری ضرورت اس
امر کی ہے۔کہ آدمی کی طبیعت میں اضطراب اور اضطرار نہ ہو۔اس کو
اپنے من پر قابو ہو جو "شم" ہے۔اس کے حواس دوڑ دوڑ کر بشیوں کی طرف
جاتے اور اُسے شاستر سے نہ ہٹاتے ہوں یہ "دم" ہے۔وہ سنسار میں
نہ پھنسا ہوا ہو۔بلکہ دُنیا سے سیر ہو۔تاکہ فراغت سے شاستر بچار
کر سکے۔یہ "اُپ رتی" ہے۔اور چوتھا وصف یعنی "تتکشا" اس میں موجود
ہو۔کہ ایک طرف تو وہ دنیا کے بکھیڑوں سے نہ گھبرائے۔اور دوسری
طرف شاستر کی تحصیل کی محنت برداشت کر سکے۔غرض یہ چاروں

مینے محض ایک خواب دیکھا تھا	یا کہ نقش سراب دیکھا تھا
اسکے نقشوںمیں ہیں پھنسا اسطرح	کوئی بھٹوے طلسم میں جس طرح
زندگانی سی چیز کی برباد	میرے احوال زار پر فریاد
جنم بے سود کھو دیا میں نے	ہائے کیسا غضب کیا میں نے
وہی میرے لئے پریشانی	پھر ہے اگلے جنم میں پیش آنی
تجھے در پیش مرحلہ ہے یہی	یاں ہے جس روز ٹھہری چلنے کی
پر نہ اُس وقت کچھ بن آئے گی	جاں پشیمانیوں میں جائے گی
وقت جب ہو چکا تو پچھتانا	محض بیسود سب نے ہے مانا
جیب سے ہیں ابھی نکلتے ہاتھ	کچھ کمائی بھی کر لے چلتے ہاتھ
تاکہ ہمراہ تیرے وہ جائے	اور آخر میں تیرے کام آئے

کلام مہر حامد اولی

اس بیراگ کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔کہ دنیا سے آدمی ہٹتا جاتا ہے اور آتم پد کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے۔پس بیراگ کی ابتدا آدمی کو دنیا سے ہٹاتی ہے اور اُس کی انتہا آتم پد میں اُسے لا بٹھاتی ہے۔

اب تک میں نے صرف اس بات کی توضیح کی ہے۔کہ استدلال عقلی سے ویویک پیدا ہوتا ہے اور ویویک سے بیراگ پیدا ہوتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ بیراگ سے کیا نتیجہ ظہور میں آتا ہے۔من کا قاعدہ ہے کہ یہ بندر کی طرح مضطرب اور بے قرار رہا کرتا ہے۔جب دیکھو بشیوں کی طرف دوڑتا پھرتا ہے۔اس کو دم بھر قرار و قیام نہیں۔ لیکن ویویک بتاتا ہے کہ بشے جھوٹے ہیں۔اور بیراگ کہتا ہے۔اُن میں دلبستگی اچھی نہیں۔کیا خواب کی سی صورتوں میں دل پھنسانا اور جب وہ صورتیں دم کے دم میں غائب ہو جانے والی ہیں تو اُن میں الفت رکھ کر کیا رنج اُٹھانا۔اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا۔کہ من بشیوں کی طرف نہیں دوڑے گا بلکہ شانتی سے بیٹھے گا۔یہ شمادی کھٹ سمپتی کا پہلا وصف ہے جس کا نام شم ہے اور جو بیراگ سے قدرتاً

اے گرفتارِ کارگاہِ خیال
تجھ سے دنیا نے کیا دغا کی ہے
ڈالا آنکھوں پہ تیری وہ پردہ
جیسے کولھو کا بیل کوئی ہو
لیک گو عمر بھر وہ چلتا ہے
راست تجھ پر بھی ہے یہی تمثیل
تو بھی کھاتا رہا یہاں چکر
ٹھوکریں بھی بہت سی کھائی ہیں
پر وہی تو وہی ہے فکرِ عیال

تو نے دیکھا بھی اس طلسم کا حال
کیسی دلبستگی بلا کی ہے
کہ ہٹائے سے ہٹ نہیں سکتا
اُسنے چل چل کے جان کھوئی ہو
گھر سے باہر نہیں نکلتا ہے
نہیں تیری نجات کی بھی سبیل
مگر آیا نہیں کبھی باہر
آفتیں تجھ کو پیش آئی ہیں
وہی دنیا وہی ہے اس کا خیال

تو جو غفلت میں ایسا بھولا ہے
مجھ کو رہ رہ کے ہے یہی حیرت
کیوں گرفتار بند دُنیا ہے
ساتھ جائیگا گھر نہ دولت و مال
پسر و زن نہ ساتھ جائیں گے
پاس تیرے کوئی نہ آئیگا
یاں جب آیا تھا ہاتھ تھے خالی

بات کیا ہے وہ جس پہ پھولا ہے
کس بھروسے پہ تجھ کو یہ غفلت
تجھے رہنا نہیں ہے چلنا ہے
جو تری جان کو ہوا ہے وبال
قبر تک تجھ کو چھوڑ آئیں گے
تو اکیلا یہاں سے جائے گا
جب چلا پھر وہی ہے بے حالی

خواب میں جس طرح سے دولت و مال
چھوڑ کر سب تعلقات اکبار
وہ بھی دن سامنے ہے اے غافل
زندگی کی نمود ہے بے بود
پھر غضب ہے تیری نہ آنکھ کھلے
اے گرفتارِ کارگاہِ خیال
آنکھ کھلنی ہے ایک دن تیری

زن و فرزند و اقربا و عیال
صبح ہوتا ہے آدمی بیدار
کہ تجھے پیش ہے یہی منزل
ایک دن خواب کی طرح مفقود
اس طرح میٹھی نیند تو سوئے
زندگی تیری خواب کی ہے مثال
کہ یہ دنیا نہ تھی کبھی میری

اُٹھ گئے وہ جوان بھی کب کے — جو کہ طفلی میں تو نے دیکھے تھے
یا کوئی ہے تو ہے چراغِ سحر — اسکو درپیش آخرت کا سفر
جنکو بچہ سا تو نے دیکھا تھا — قد کشیدہ جواں ہیں وہ رعنا
دیکھئے جس طرف ہے تبدیلی — کیا زمانے کی ہے ہوا پلٹی
حال اوروں کا دیکھنا کیا ہے ؟ — حال اپنا تمام بدلا ہے
اک وہ دن تھا ہوا تھا تو پیدا — اِک وہ دن تھا کہ تو تھا بچہ سا
عنفوانِ شباب کی باتیں — اب نظر میں ہیں ہیچ اب کی باتیں
کبھی تیری بھی نوجوانی تھی — کبھی پُر جوشِ زندگانی تھی
بڑھ کے تو اس سے پختہ کار ہوا — گھر کے دھندوں میں دلفگار ہوا
اب ترقی ہے یہ کہ ہے پیری — اور پیری کے ساتھ دلگیری
موئے سر اسطرح سفید ہوئے — چیز پر جس طرح سے برف پڑے
مضمحل ہیں قوائے جسمانی — اور مختل قوائے روحانی

کوئی پہلی سی تجھ میں بات نہیں — اب وہ اگلی سی کائنات نہیں
کیسی باتیں بدل گئیں ساری — خواب گویا تھی تیری بیداری
پہلے نقشے تھے خواب کے نقشے — یا کہ موجِ سراب کے نقشے
کبھی ظاہر میں بھی نمود ان کی — اب فقط ذہن میں ہے بود ان کی
پھر بھی دلبستگی نہیں جاتی — نہیں پھر بھی طبیعت اکتاتی
وہی دنیا کا تجھ کو دھندا ہے — وہی دنیا کا آپ بندہ ہے
کام ایسے اٹھائے ہیں تُو نے — ختم ہونے میں وہ نہیں آتے
تجھ کو مصروفیت بلا کی ہے — وقت کا تُو ہمیشہ شاکی ہے
یاں سے جانیکا کچھ خیال نہیں — فکرِ عقبےٰ سے کچھ ملال نہیں
اس طرح تُو یہاں پھنسا آکر — نہیں درپیش عاقبت کا سفر
یہیں رہنا ہے دائما گویا — یاں سے جانا نہیں کہیں اصلا

یورپ اور امریکہ کی مادّی ترقی میں بڑھتے رہتے ہو۔ امریکہ و یورپ کے باشندوں نے عقلی ترقی کے سامان بہت کچھ بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قومیں روحانی ترقی میں کہاں ہیں عقلی ترقی کے مقابلہ میں کہیں بھی نہیں۔ پس ان کا وویک قابل تقلید نہیں یہ وویک محض مادّی ہے۔ اصلی وویک وہی ہے جس کی تعلیم ویدانت دیتا ہے۔ یعنی جب استدلال عقلی سے ہم اس نتیجے پر پہنچے۔ کہ کیا چیز ست ہے اور کیا است ہے۔ تو اس کا بدیہی نتیجہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ ست وستو کو ہم اختیار کریں۔ اور است وستو سے اجتناب۔ اس اجتناب کا نام بیراگ ہے۔ دنیا میں جدھر نظر ڈالو ہر ایک چیز بدلتی نظر آتی ہے۔ ایک حالت پر کسی شے کو قیام نہیں۔ پس ایسی چیزوں میں دلبستگی کرنی اپنے واسطے رنج و آلام کا سامان جمع کرنا ہے شاعر نے سچ کہا ہے :۔

بزم دنیا کے اے تماشائی	تو نے دیکھی بھی یاں کی رعنائی
کس طرح کی یہاں دورنگی ہے	کیسی رنگوں میں خانہ جنگی ہے
ہیں شادی کیساتھ غم دیکھا	ہم رکاب خوشی الم دیکھا
ساتھ نکبت کے ارجمندی ہے	ساتھ پستی ہے اور بلندی ہے
ساتھ ہے قہقہوں کے شور فغاں	ہے تبسم کیساتھ درد نہاں
سرد کے ساتھ گرم ملتا ہے	سخت کیساتھ نرم ملتا ہے
کہیں شادی کہیں ہے بربادی	کوئی شاداں ہے کوئی فریادی
ایک پیدا جہاں میں ہوتا ہے	ایک مرنے کے غم میں روتا ہے
ایک ہنستا ہے شاد ہو ہو کر	ایک کھوتا ہے جان رو رو کر
ہائے نیرنگیاں زمانے کی	کیا دورنگی ہے کارخانے کی
ایکحالت کبھی نہیں رہتی	ایکصورت کبھی نہیں دیکھی
انقلابات کا ہے وہ چکّر	نہیں جمتی جمائیے جو نظر

وہ بزرگ اب نظر نہیں آتے	تیرے بچپن میں جو مربّی تھے

پکڑ کر ویدانت کے اعلےٰ اصول سمجھانے کی کوشش کرو اور کہو کہ بھائی یہ جگت خواب کی طرح جھوٹا ہے اور تو اُس کا دیکھنے والا سچا ہے۔ تو کیا وہ اس بات کو سمجھ سکیگا۔ وہ اُلٹا تمہیں دیوانہ سمجھے گا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ صرف یہی کہ اُسے سب سے ضروری ساد ھن یعنی ست کے اور اَست کے وویک سے بہرہ نہیں ہے۔ اب کسی دہریئے یا مادّہ پرست آدمی کو لو۔ وہ بھی ویدانت نہیں سمجھ سکتا اور اسی وجہ سے کہ وویک سے بے بہرہ ہے۔ ویدانت پڑھنے کے لائق بننے کے لئے اُسے روح اور جسم میں تمیز کرنی سیکھنی پڑے گی۔ ورنہ لاطائل دلائل کے پھندے نہیں نکل سکے گا۔ اسی طرح جو شخص تثلیث وجود یعنی مادے۔ روح اور خدا تینوں کو حقیقی یعنی ست مانے بیٹھے ہیں۔ یا جو دویت یعنی مادے اور روح دونوں کو ست یعنی حق کہتے ہیں۔ اُنہیں بھی وویک سے بہت کم بہرہ ہے۔ پہلے انہیں وویک سے بہرہ حاصل کرایا جائیگا۔ گرو کے اپدیش سے۔ شاستر کے پڑھانے سے۔ یا دلیل کے زور سے۔ اس وقت جا کر یہ لوگ تحصیل ویدانت کے لائق ہونگے۔ وویک کے متعلق دوسری کہانی میں بحثوں اور دلیلوں سے ادھکاری میں یہ وویک پیدا کرنے کا طریق بتایا جا چکا ہے اُسے غور سے سوچنا چاہیئے۔ پس وویک وہ چیز ہے۔ جس کی ابتدا آدمی کو ویدانت پڑھنے کے لائق بنانی ہے اور جس کی انتہا اُس کو پورا گیانی بنا دیتی ہے۔ جیسا وویک کی پہلی کہانی میں گیانی رام کی عجیب سرگزشت میں تم سُن چکے ہو +

وویک آدمی کا عقلی پہلو ہے۔ جو اس کو استدلال پر مائل کرتا ہے۔ لیکن فقط استدلال و عقل سے کام نہیں چلتا۔ طبع انسانی کا دوسرا پہلو اخلاقی ہے۔ جس کا تعلق تاثرات۔ خواہشات اور ارادے سے ہے۔ پس جو شخص محض استدلال عقلی کے بندے ہیں وہ مدارج ترقی پر اونچے نہیں چڑھنے پاتے۔ بلکہ اُن کی ترقی نامکمل اور ادھوری رہتی ہے جس کا کچھ حال تم نے کام لوک کی سیر میں سُنا ہے۔ اور جس کا بہت کچھ حال تم

میں آدمی پہلے درجۂ کمال حاصل کرے اور پھر دوسری سادھن کا فکر کرے۔ بے شک کسی شخص کو وویک یعنی ست است کی تمیز میں کمال حاصل ہو گیا۔ یا جس کا بیراگ درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔ یا جس نے شم دم وغیرہ میں انتہائی درجہ حاصل کر لیا۔ اُسے کچھ کرنا باقی نہیں رہا۔ مگر سوال یہ ہے کہ سادھنوں کے جس کمال کی نسبت اعتراض ہے۔ وہ کمال سادھن کو بطور سادھن کرنے کے حاصل ہو بھی سکتا ہے یا نہیں ÷

میرے دوستو! کامل چیز صرف آتما ہے۔ باقی جو چیز ہے وہ محض ناکمل ہے۔ پس جس شخص نے جس طرف کمال حاصل کر لیا وہ آتم پد کو پہنچ گیا اور اُسے کچھ کرنا باقی نہیں رہا۔ لیکن کمال کا نام سادھن تو نہیں ہے۔ سادھن صرف ایک ذریعہ ہے اور کمال معراج یا آدرش کا نام ہے۔ پس سادھن کو سادھن ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور وقعت دینی محض جہالت پر مبنی ہے۔ ان سادھن چتشٹیے کو بھی اسی پر قیاس کرو۔ ان کا مطلب ہے آدمی کو گیان پر چڑھانا اور خود ذریعہ بننا۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ ویدانت پڑھنے والے کے لئے سادھن چتشٹیے کی ضرورت ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس میں یہ چاروں سادھن درجۂ کمال کے ہوں۔ بلکہ مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ چاروں سادھنوں سے اُسے تھوڑا بہت بہرہ ہو۔ بعض آدمیوں میں ایک سادھن زور پر ہوگا اور باقی کمزور ہونگے۔ بعض میں دوسرا بعض میں تیسرا۔ اس کا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ان عقلی اور اخلاقی شرائط سے بے بہرہ محض نہ ہو۔ وگرنہ حقیقت میں ویدانت شاستر کے پڑھنے کا ادھکاری نہ ہوگا۔ یہ سادھن بہت سوچ سمجھ کر رکھے گئے ہیں۔ اور ان کی ضرورت اظہر من الشمس ہے ÷

ادھکاری کا پہلا سادھن وویک ہے یعنی ست است کی تمیز کا ہونا۔ یہ نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ اگر تم بازار میں سے کسی آدمی کو

کو چھوڑ بیٹھے - جو لوگ اس اصول سے بے خبر ہیں وہ اکثر بے سوچے سمجھے یہی اعتراض کر دیا کرتے ہیں - کہ ویدانت کے چاروں سادھنوں میں کیا عمدہ عقلی اور اخلاقی سبق دیا گیا ہے - ویدانتی ان سادھنوں میں تو کمال حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اہم برہم کے دعوے کرکے واچک گیانی بن جاتے ہیں - ایک ایک سادھن ایسا ہے کہ کمال حاصل ہو جائے تو آدمی پارس بن جائے - اس سے بڑی غلطی اور کوئی نہیں ہو سکتی - کیونکہ معترض نے سادھن اور آدرش کا فرق ہی نہیں سمجھا ۔

ہم کہتے ہیں اسکو احمقوں کا سرتاج — اس سے بڑھکر نہیں کوئی احمق آج
جو شخص کہ ٹھہر محض ہٹ دھرمی سے — زینے کو بتاتے ہیں یہی ہے معراج

یہ تو وہی بات ہے چونکہ سنسکرت کی ویاکرن یعنی گریمر اعلےٰ درجے کا مکمل علم ہے - پڑھنے بیٹھے تو تمام عمر اُسی میں ضائع کر دی - اور ویاکرن کی تحصیل کا جو مطلب تھا یعنی سنسکرت ادب کا پڑھنا اور فلسفہ - شاعری اور علوم متعارفہ سے بہرہ حاصل کرنا - اُن سب سے ہاتھ دھو بیٹھے - اس میں شک نہیں کہ کاشی اور پریاگ میں بہت سے اندھے گرو اور اُن کے اور بھی اندھے چیلے ایسے ملتے ہیں - جن کی ساری عمر کی کمائی سنسکرت کی ویاکرن ہے - لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا یہ شخص کچھ دانائی کا کام کر رہے ہیں ۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ویدانت میں سادھن چتشٹے اس قبیل کے رکھے گئے ہیں - کہ اُن کے ہوتے آدرش یا معراج کی ہی ضرورت باقی نہیں رہتی - مثلاً جس شخص کو وویک یا وقوف ہو گیا کہ ست کیا چیز ہے اور است کیا چیز ہے اُسے کیا کرنا رہ گیا وہ تو پورا گیانی ہو گیا - یا جس شخص کی طبیعت میں پورا بیراگ یعنی دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی اُسے اور کیا چاہیئے - یا جس کا من پوری طرح شانت ہو گیا - یا حواس منضبط ہو گئے اُس کے لئے باقی کیا رہ گیا - یہ اعتراض بھی غلطی پر مبنی ہے - سادھن چتشٹے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایک سادھن

پر عمل کرسکتا ہے۔ میں اس کی ایک دو مثالوں سے توضیح کرتا ہوں ؛
کوئی شخص الجبرا پڑھنا چاہتا ہے تو اُس کے واسطے اول حساب میں دسترس بہم پہنچانی ضرور ہے۔ اسی طرح جو شخص طب تحصیل کیا چاہتا ہے اُسے اول علم تشریح۔ افعال الاعضا۔ قرابادین اور کیمیا سے واقفیت ضروری ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ الجبرے میں یا طب میں مبتدی یا شکتی پیدا کرنے والے ایسے رموز مخفیہ ہیں۔ کہ جب تک پہنچے کے علوم تحصیل نہ کرے آدمی کو اس وجہ سے نہ بتانے چاہئیں۔ کہ وہ ان کا خراب استعمال کرکے اپنے ہم جنسوں کو نقصان پہنچائے گا اور ذاتی اعراض و مقاصد کو مدنظر رکھ کر اپنی عظمت و وقعت بڑھائیگا۔ بلکہ سیدھے معنی یہ ہیں۔ کہ الجبرے اور طب کی تحصیل کے لئے تمام عقلی شرائط حساب وغیرہ سے مہیا ہوتی ہیں۔ اور اگر مبتدی نے اتنی عقلی ترقی نہیں کی ہے تو وہ الجبرے اور طب کی تحصیل کی لیاقت نہیں رکھتا پڑھنے بیٹھا تو اس کی خاک بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ قدم قدم پر ٹھوکریں کھائے گا۔ اور انجام میں تمام سعی سے لاحاصل ثابت ہوگی ؛

یہی حال ویدانت میں سادھن چتشٹے کا ہے جس طرح تحصیل زبان کے لئے صرف و نحو کی ضرورت ہے جس طرح الجبرا شروع کرنے سے پہلے اصول حسابیہ کا علم درکار ہے۔ جس طرح سے طب میں اور علوم کی ابتدائی واقفیت ضرور ہے۔ اسی طرح ویدانت پڑھنے والے کو سادھن چتشٹے کی ضرورت ہے ویدانت ایک بام عالی ہے۔ اس پر چڑھنے کے لئے یہ چاروں سادھن عقلی اور اخلاقی زینوں کا کام دیتے ہیں۔ بام پر آدمی اُڑ کر نہیں چڑھ سکتا۔ زینے پر سے ہوکر ہی جاتا ہے۔ اسی طرح گیان یکدم ممکن نہیں۔ پہلے کچھ عقلی اور اخلاقی شرائط کا پورا ہونا درکار ہے ؛

یہاں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ سادھن چتشٹے محض سادھن ہی ہیں۔ کچھ آدرش یا معراج نہیں ہیں۔ سادھن کا کام صرف اتنا ہے کہ اُس کے ذریعے سے ہم خاص معراج پر پہنچنے کے لائق ہو جائیں۔ نہ کہ سادھن ہی کو معراج مان کر انہیں کی تکمیل میں عمر کی عمر صرف کر دی جائے اور آدمی اصلی معراج

نہیں کریں گے۔ اُنہیں خود غرضی سے محض اپنی عظمت و وقعت کے واسطے کام میں نہ لائیں گے۔ بلکہ اس طرح مستعمل کریں گے۔ جن سے انتظام کائنات میں فرق نہ آنے پائے گا۔ پس ان سدھیوں اور شکتیوں کی تحصیل میں جتنے موانع اور رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ اتنا ہی اچھا ہے ۰

لیکن ویدانت میں سادھن چتشٹے کی رکاوٹیں رکھنے کے کیا معنی ہیں ویدانت سدھی اور شکتیوں کے حاصل کرنے کا علم نہیں ہے۔ ویدانت پڑھ کر نہ آدمی ہوا میں اُڑ سکتا ہے۔ نہ آگ یا پانی میں سے گزر سکتا ہے۔ نہ کسی کی مرادیں بر لاتا ہے۔ نہ اپنے دنیاوی عظمت کے سامان پیدا کر سکتا ہے۔ ویدانت کی تو اُلٹی یہ تعلیم ہے۔ کہ ہر ایک سدھی اور شکتی سے پرہیز لازم ہے۔ اس لوک کے کیا پرلوک تک کے سُکھ بالکل ہیچ و پوچ ہیں۔ یہاں تک کہ ادھکاریوں سے کہا جاتا ہے ۰

نہ برہما کی بیدی کی تم چیاہ کرنا کہ برہما بھی منہیا ہے منتھیا سے ڈرنا
بس اک سنتیم ہوم اپنا ہی بھرنا منادی یہاں میں یہ ویدانت کی ہے

جب حال یہ ہے۔ تو سادھن چتشٹے کی قید کیوں لگائی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک ویدانت میں سدھیاں اور شکتیاں ہیچ شمار کی جاتی ہیں ویدانت میں اور مت متانتروں کی طرح رموز مخفیہ نہیں ہیں جنہیں سب سے تو چھپایا جائے اور خاص اشخاص کو بتایا جائے۔ ویدانت عالمگیر اصول کی تعلیم دیتا ہے اور نقارے کی چوٹ کہتا ہے۔ کہ جگت است ہے۔ برہم ست ہے۔ اور اے شخص وہ برہم تو ہی ہے۔ یہ سادھن چتشٹے اس غرض سے ضروری قرار نہیں دئے گئے ہیں کہ جب تک آدمی ان سے متصف نہ ہو لے اس وقت تک ہٹ یوگ کے رموز کی طرح ویدانت کے رموز اس پر نہ کھولے جائیں۔ بلکہ یہ سادھن وہ چیزیں ہیں۔ کہ ان سے متصف ہوئے بغیر آدمی قدرتاً ویدانت کی تعلیم کے لائق نہیں ہوتا۔ یہ وہ عقلی اور اخلاقی شرائط ہیں۔ جن کی عدم موجودگی میں قدرتاً ویدانت کا فلسفہ نہ آدمی کی سمجھ میں آسکتا ہے نہ وہ سمجھ کر اس فلسفے کے اصول

یہ فلسفہ آفتاب کی طرح روشن اور ظلشت از بام ہے۔ اس کے پرستھان تریہ یعنی تین بنیادی کتابیں اپنشد۔ برہم سوتر اور گیتا ہیں۔ جو شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں کھلی بکتی ہیں۔ اور اُن کی متعدد شرحیں بھی اسی طرح ہر جگہ مل سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہتر سے بہتر کتابیں سنسکرت۔ ہندی۔ اردو۔ انگریزی۔ بنگالی مرہٹی وغیرہ وغیرہ ہر ایک زبان میں موجود ہیں۔ جو چاہے انہیں خریدے اور پڑھے۔ نہ کسی کو روک ٹوک ہے۔ نہ کسی سے کوئی بات چھپائی گئی ہے:

پھر ان سادھن چتشٹے کے کیا معنی ہیں۔ ایک طرف تو تمام شاستر کو کھول کر اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ قید لگا دی ہے کہ جب تک آدمی چاروں سادھنوں سے متصف نہ ہو۔ وہ ویدانت پڑھنے کا ادھکاری نہیں۔ کیا یہ قید اُسی قبیل کی ہے۔ جس طرح اور مت متانتر اپنے رموز مخفیہ منکشف کرنے سے پہلے جگیاسو سے خاص شرائط اور عہد و پیمان کرا لیتے ہیں۔ اور جب تک وہ اُن شرائط کو پورا نہ کرے۔ اس پر اسرار خفی ظاہر نہیں کئے جاتے۔ اس سوال کا جواب ذرا سے غور و فکر کرنے کے بعد تم خود دے سکتے ہو۔ سادھن چتشٹے اور متوں کی شرائط کی طرح نہیں ہیں۔ کہ جگیاسو کو ایک ایک شرط کے پورا ہونے پر بتدریج ایک ایک سر خفی بتایا جائے اور اگر کوئی شرط پوری نہ ہو۔ تو آگے کچھ نہ سکھایا جائے +

مت متانتر کی یہ قیود قابل اعتراض نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ متیں خاص قسم کے ابھیاسوں سے خاص سدھیاں پیدا کرنے کی تعلیم دیتی ہیں۔ جن سے ابھیاس میں خاص شکتیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی اچھا ہے ان سدھیوں اور شکتیوں کا اچھا استعمال کریگا اور بُرا ہے تو بُرا استعمال کریگا۔ جس سے نظام عالم میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ پس سدھی یا شکتی سکھانے کے رموز و نکات میں اگر دریغ کیا جائے۔ اور سیکھنے والوں کے لئے خاص خاص شرائط کی پابندی لازمی قرار دی جائے تو اچھی بات ہے۔ بُری بات نہیں۔ چُن چُن کر آدمی لئے جائیں گے۔ تو وہ ایسے ہونگے جو اعلٰے قوتیں اور اختیار پاکر اُن کا ناجائز اور خراب استعمال

کپٹ اور مایا کا پردہ ہٹادو جو باقی رہیگا وہی تو خدا ہے یہ کہکر فرشتہ ہُوا واں سے غائب	سرا اور نبرا مناسب مٹادو نہیں تم سے ہرگز کبھی وہ جدا ہے کھلی آنکھ میری ہوئی رائے صائب

نہ تشویش مجھی مجھ کو حق کس جگہ ہے
مجھے اب کھلا تھا وہ جس جگہ ہے

کلام مہر ملتانی

نظم کے ختم ہونے پر سوامی برہمانند نے کہا - مہاتماؤ - سادھن چتشٹے کا مضمون ختم ہوگیا - اب تمہاری اجازت سے اسی مضمون پر کچھ خیالات میں اپنے ظاہر کرتا ہوں +

سوامی برہمانند کی دوسری باکھیا

سادھن چتشٹے پر فلسفیانہ نظر

اے سالک راہ حق طلبگار خدا　　رہ شاغل شغل و ذکر و اذکار خدا
جلدی سے نہیں کام نکلتا ہرگز　　ہوجائیگا رفتہ رفتہ دیدار خدا

کر سعی کوسعی سے ہے مطلب حاصل　　ہمت زنہار مت ہار اے شاغل
اے مرد خدا رہ خدا ہے سیدھی　　تو چل تو سہی دور نہیں ہے منزل

مہاتماؤ! تم سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے - کہ ویدانت کی ہر ایک کتاب انہیں چاروں سادھنوں سے شروع ہُوا کرتی ہے - جن پر آج آپ نے اس منڈلی میں کہانیاں سنائی ہیں - یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں ہے - کہ ہٹ یوگ - تنتر شاستر - تھیوصوفی اور اور بہت سے مت متانتروں کی طرح ویدانت میں کسی قسم کا چھپاؤ ڈراؤ نہیں ہے -

نہیں کائنات اسکی آنکھوں میں کچھ شے | سوا اُسکے اک خواب سا سامنے ہے
طلسمی جہاں کا فسانہ ہے سارا | طلسمی ہی یہ کارخانہ ہے سارا
نہ انسان کچھ شے نہ جن و پری ہے | فقط نام و صورت کی جلوہ گری ہے
بجز نام و صورت نہیں کچھ جہاں میں | یہی نام و صورت ہے کون و مکاں میں
یہ ہے خواب اور خواب میں چشم بینا | جو نام و صور کا ہے یہ ترد خزینہ
بجز خواب بین خواب کی صورتیں کیا | جدھر دیکھئے خواب بیں کا ہے جلوہ
کھلی آنکھ جب تو نہ نام اور نہ صورت | ہٹی گرد کلفت مٹی سب کدورت
فقط ایک ہستی ہے عالم میں ساری | وہ ہستی ہے بس ہستیٔ ذات باری
عبث وہم کا اپنے پابند میں ہوں | وہی آتما سچدانند میں ہوں
فرشتے نے مجھ سے کہا تو نے دیکھا | اسے گیان کہتے ہیں ابھیا سے کیا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا سب جگہ ہے خدا سب جگہ ہے

فرشتہ یہ دلکش نظارے دکھا کر | مخاطب ہوا مجھ سے یوں پاس آکر
خدا تجھ کو ملتا ہے صدق و صفا میں | خدا کا ہے گھر چت کی بھاونا میں
خدا کرم میں ہے خدا دھیان میں ہے | خدا عشق میں اور عرفان میں ہے
مگر کرم وہ جس میں صدق و صفا ہو | ریاضت وہ جس میں نہ مکر و ریا ہو
وہ عشق و محبت کہ ہو جان و دل سے | وہ عرفاں کہ جس میں نہ دعوے ہوں جھوٹے
غرض ہر جگہ ہے خدا جلوہ آرا | مگر چاہیے آنکھ بہر نظارہ
شکایت غلط ہے نہ مجھ کو ملا وہ | قصور اسمیں اپنا ہے اور بے خطا وہ
کرم میں ہو جب محض دنیا دکھاوا | کرم وہ نہیں بلکہ ہے اک چھلاوا
ریاضت کو جب محض دکان بنائیں | تو پھل اُس کا کیا خاک مرتاض پائیں
جو بھگتی ہو بالکل چڑھاوے کی بھگتی | تو بے سود ہے وہ دکھاوے کی بھگتی
جہاں گیان ہے محض بحثوں کی خاطر | وہاں کب ہوا نورِ حق آکے ظاہر
خدا کا ہے گھر اے بشر صدق نیت | صفائے دل اور پاکیٔ طینت

خدا اس جگہ ہے صدا اس جگہ ہے

چلے یاں سے ہم اور اک گھر میں آئے
کوئی شخص یاں تھا سمادھی لگائے
جما تھا وہ آسن نہ ہلنا چلنا
تنفس اس کا تھم اور سہم ہی گیا تھا
کیئے بند آنکھوں کو بیٹھا ہوا تھا
نہ معلوم ہوتا تھا زندہ نہ مُردہ
نہیں مجھ کو معلوم کس دھیان میں تھا
نہ معلوم کرنا یہ امکان میں تھا
وہ کوٹھے میں بیٹھا ہوا تھا اکیلا
دیوالی کا تھا شہر میں گرچہ میلا
بڑی گو کہ بازار میں روشنی تھی
دکاندار تھے خوش بہت چڑھ بنی تھی
دکانیں سجائی تھیں حلوائیوں نے
مکان اپنے زینت کے شیدائیوں نے
کھلیں تھیں دکانیں کھلونوں کی ہر جا
کوئی یاں سے لیتا کوئی واں سے لیتا
ظروف و تصاویر کی رونقیں تھیں
جنہیں دیکھ کرتا ہو لے تھے غمگین
ہجوم خلائق یہ بازار میں تھا
کہ چلنے کو ملتا تھا مشکل سے رستا
سبھوں کے دلوں میں اُمنگیں بڑی تھیں
جو بازار میں کھینچ کر لے گئی تھیں
یہاں ایک جا شہر بھر کی تھی خلقت
اور آئی تھی باہر سے خلقت بکثرت
مگر ایک شخص اس گھر میں اکیلا
رہا یوں ہی چھوڑ کر سب جھمیلا
نہ اُس کو دیوالی سے کچھ واسطہ تھا
نہ کچھ شوق میلے تماشے ہی کا تھا
فرشتے نے مجھ سے کہا ہنستے ہنستے
مزے یوگ کے تو نے آنکھوں سے دیکھے

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے صدا اس جگہ ہے

چلے یاں سے ہم اور اک گھر میں پہنچے
یہاں دھیان میں ایک گیانی تھے بیٹھے
کتاب اُنکے پیش نظر اک کھلی تھی
وہ تھے اپنشد یا کہ گیتا کی پوتھی
کھلے تھے ورق آنکھ تھی بند لیکن
اچل دھیان تھا جس میں ہل جل نہ ممکن
فرشتے نے سر پہ یہ ہاتھ پھیرا
مصفا ہوا دل کا آئینہ میرا
نظر صاف مجھ کو ان آنکھوں سے آیا
کہ گیانی سمجھتا ہے دنیا کو مایا

تجھے مر کے نروان کا پد ملے گا
وہاں دکھ نہیں سکھ ہی سکھ بس ملے گا

نظر سے کے سادھو نے اپنی اٹھائی
کہ تو نے کہا راست اے میرے بھائی

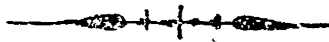
مگر مجھ کو نروان پد کی تمنا
ہوئی ہے کبھی اور نہ اس وقت اصلا

میں جانا فقط اس جگہ چاہتا ہوں
جہاں سے نکلے دکھیوں کے دکھ کو مٹاؤں

یہی میرا مت ہے یہی میرا مذہب
میں نروان کے پد کا طالب ہوا کب

فرشتے نے سادھو کی حالت دکھائی
کہا مجھ سے ہاں غور سے دیکھ بھائی

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے



چلے یاں سے ہم ایک مندر میں آئے
سمندر سے جس طرح بندر میں آئے

کنھیا کا تھا پرسنگ ست سنگ یاں تھا
یہ بھگتی کا رس تھا بھرا سب مکاں تھا

یہاں ایک سادھو کتھا بانچتا تھا
سنو نکو شروتاؤں کے جانچتا تھا

شری رام کے تھے جب من لبھاتے
پریم اور بھگتی کا رستہ دکھاتے

جگہ وہ تھی بن باس کو جب سدھارے
مہاراج پہنچے ہیں گنگا کنارے

وہ کیوٹ کا آنا وہ کشتی کا لانا
وہ پڑ پڑ کے چرنوں میں پاؤں دھلانا

کہی یہ کتھا اس نے اس بھاؤنا سے
کہ جو سننے والے تھے وہ چیخ اٹھے

دلوں میں اٹھیں ہر طرف سے امنگیں
پریم اور بھگتی کی نرمل ترنگیں

اٹھا جا سے سادھو لگی جوں لگن ہو
لگا ناچنے پریم رس میں مگن ہو

وہی چھند گاتا بھی جاتا تھا ہر دم
یہ آواز گدگد اور آنکھ سے اسکی پرنم

شروتاؤں کا دیکھ کر دل بھر آیا
چھٹا سب کپٹ اور چھٹی ساری مایا

ٹپاٹپ گرے ان کی آنکھوں سے آنسو
ہوئے وہ بھی بنیاں سب مثل سادھو

کوئی ناچتا تھا کوئی گا رہا تھا
غرض اور ہی لطف واں آ رہا تھا

پریم اور بھگتی میں ڈوبے ہوئے تھے
کوئی کودتے تھے کوئی چپ کھڑے تھے

یہ نظارۂ جانفزا جبکہ دیکھا
فرشتہ وہیں جھک کے یوں مجھ سے بولا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے

ہر اک سمت اُلجھی ہوئی جھاڑیاں تھیں ——— چلے کوئی کیونکر یہاں تھیں ڈھلانیں
درندوں کے نقشِ قدم ہر جگہ تھے ——— کہیں صاف و روشن کہیں کچھ مٹے تھے
غرض تھا وہ جنگل نہایت بھیانک ——— یہاں جان جانے کا تھا خوف بیشک
مسافر یہاں کچھ چلے جا رہے تھے ——— کہ اک شیر آیا نظر سامنے سے
انہیں دیکھ کر وہ جھپٹ کر نہ دوڑا ——— ہوئی ان کو حیرت کہ ہے ماجرا کیا
مگر جان کا خوف ہوتا ہے سب کو ——— چڑھے یہ درختوں پہ تھے پاس جو
جو دیکھیں تو اس شیر کا منہ کھلا ہے ——— پڑا اُسمیں کانٹا سا اٹکا ہوا ہے
نہیں اُسکا مُنہ بند ہونیکے قابل ——— مصیبت ہے سخت اور سخت اُسکو مشکل
خدا جانے کے دن کا بیٹھا ہے بھوکا ——— نہ پانی پیا ہے نہ کچھ اُس نے کھایا
یہ دیکھا تو اک شخص کو رحم آیا ——— کیا دل کڑا اور شجر سے وہ اُترا
گیا پاس اور مُنہ سے کانٹا نکالا ——— کہا بھائی کھا مجھ کو گر تو ہے بھوکا
مگر شیر نے اپنی دُم کو ہلایا ——— نکالی زبان اور ہاتھ اُس کا چاٹا
چلا جب گیا وہ تو بولا فرشتہ ——— کہ اے شخص تُو نے بھی یہ حال دیکھا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے



یہیں مابین جنگل میں سادھو تھے رہتے ——— جو بدھ مت کے تھے پیرو کہلاتے
انہیں میں سے بیمار تھا ایک سادھو ——— بدن میں تھی تکلیف پر دل تھا یکسو
سمجھتا تھا نزدیک موت آ گئی ہے ——— کوئی دم میں بس ہیں یہ اور جاں چلی ہے
یقیں ہو گیا جب تو رونے لگا وہ ——— اور اشکوں سے منہ اپنا دھونے لگا وہ
جو دیکھا اُسے اُسکے یاروں نے گریاں ——— تو سینہ ہوا رنج سے سب کا بریاں
بڑھا ایک بوڑھا سا ہمدرد سادھو ——— لگا کہنے اے دوست روتا ہے کیوں تو
تری زندگی نیک گزری یہاں ہے ——— تجھے خوف کس کا تجھے ڈر کہاں ہے
تو اوروں کے دُکھ کو ہٹاتا رہا ہے ——— تو اوروں کے غم کو ہٹاتا رہا ہے
بہت گو کہ سادھو ہیں ہم نے دیکھے ——— مگر تجھ سے ہمدرد کم ہم نے دیکھے

خدا کا ہے وہ ہاتھ گھر جس سے کچھ دیں — نہ وہ جن میں کھپل اور زر اور گھر لیں
فرشتے نے مجھ سے کہا تو نے دیکھا — یہی قول حق ہے یہی قول سچا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے

چلے یاں سے ہم ایک بستی میں پہنچے — جمائے تھے اپنے قدم واں وبا نے
نظارہ یہاں کا بھیانک بڑا تھا — بڑا شہر تھا لیک ویراں پڑا تھا
مکاں تھے مقفل۔ کھلے یا پڑے تھے — مکینوں کو پوچھو تو وہ چل بسے تھے
تہائی بھی پابندے اسجا نہیں تھے — جو بیچارے تھے وہ کہیں کے کہیں تھے
رخ زرد پر مردنی سب کے چھائی — جو دیکھو تو چہروں پہ چھٹتی ہوائی
کسی گھر میں ماتم کا شور و فغاں تھا — کسی گھر میں آہوں کا اٹھتا دھواں تھا
کہیں کوئی بیوہ کھڑی رو رہی تھی — کہیں دستبردِ اجل ہو رہی تھی
غرض کوئی گھر تھا نہ ماتم سے خالی — کوئی دل نہ دیکھا جو تھا غم سے خالی
یہاں تھیں کئی ٹولیاں کام کرتی — اور اس کام سے چار سو نام کرتی
دلاسا غریبوں کو کچھ لوگ دیتے — دعائیں یتیموں کی کچھ لوگ لیتے
کوئی ڈاکٹر کو بلاتا تھا جا کر — دوا کوئی گھر میں پلاتا تھا لا کر
یتیموں کے آنسو کوئی پونچھتا تھا — کوئی گرم تیمارِ بیکس ہوا تھا
کوئی اپنے کندھوں پہ مردے تھے ڈھوتے — کوئی منہ کسی روتے بچے کا دھوتے
کوئی مالِ بیکس کی کرتا حفاظت — کوئی تن سے اور من سے اور دھن سے خدمت
فرشتے نے پھر یاں دہن اپنا کھولا — مخاطب مجھے کر کے یوں مجھ سے بولا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے

چلے یاں سے ہم ایک جنگل میں آئے — گھنا بن تھا اور اس میں بادل تھے چھائے
گھنی چھاؤں تھی وہ درختوں کی ایسا — کہ تھا روز روشن میں شب کا اندھیرا

نہایت ہی ناشاد نکلے ہیں لڑکے
بڑے خوش میں غش ہو کے ہیں غل مچاتے

نہ بڑھیا پہ لیکن نظر ہے کسی کی
یہی طرح بیکس کھڑی ہے اکیلی

بس اب ایک لڑکا ہی باقی بچا ہے
وہ ہنستا ہوا اس کے پیچھے چلا ہے

ضعیفہ کے پاس آ کے کہتا ہے مائی
یہاں کیوں کھڑی ہو تو سہمی ہوئی سی

گزرنا ہے چوراہے میں سے تجھے گر
تو آ تجھ کو پہنچا دوں بنکر ترا رہبر

ضعیفہ نے شانے پہ ہاتھ اُسکے رکھا
لرزتے ہوئے پاؤں کو پھر اُٹھایا

وہ لڑکا تھا آگے وہ بڑھیا تھی پیچھے
چلے گاڑیوں اور گھوڑوں سے بچ کے

چلے گرچہ دونوں بہت ہونے بھولے
مگر وہ سلامت نکل آئے واں سے

فرشتہ مجھے یہ تماشہ دکھا کر
لگا کہنے اے طالب رب اکبر

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے



یہاں سے چلے ہم تو اک باغ دیکھا
جہاں ہم نے لالہ کو پُرداغ دیکھا

یہیں عورتیں چار نو عمر دیکھیں
جو کچھ بحث باہم کھڑی کر رہی تھیں

تبسم کی امواج رُخ پر ہویدا
جسے دیکھ کر آنکھ ہوتی تھی شیدا

جوان اور نہایت حسیں تھیں وہ چاروں
بہت نازک و نازنیں تھیں وہ چاروں

لئے ہاتھ میں پھول اک مہ جبیں تھی
انگوٹھی لئے دوسری نازنیں تھی

جو تھی تیسری ہاتھ میں اک کڑا تھا
مگر ہاتھ چوتھی کا خالی پڑا تھا

یہ تھی بحث انمیں کہ چاروں میں کس کا
بہت خوبصورت ہے ہاتھ اور بچہ

وہاں ایک محتاج عورت جو آئی
تو ان سب نے ایسی کہانی سنائی

کہا تو بتا ہاتھ کس کا ہے اچھا
نہایت ہی نازک نہایت ہی زیبا

کہا اُسنے اے بی بیو میں ہوں بھوکی
مجھے کچھ کھلاؤ تو پھر کچھ کہوں گی

وہ تینوں کہ تھی ہاتھ میں اُنکے کچھ تھے
لگیں کہنے جا مائی یاں کچھ نہیں ہے

لیکن وہ چوتھی کہ تھا ہاتھ خالی
اُٹھی اور پھل جا کے مالی سے لائی

کہا کھا کے بھوکی نے یہ سچ جو پوچھو
وہی ہاتھ اچھا ہے بس جس سے کچھ دو

سمندر سے ہم چل کے خشکی پہ آئے
یہاں کچھ غریبوں کے ٹوٹے مکاں تھے

یہیں ایک مزدور کا جھونپڑا تھا
وہ بیمار جب دن سے گھر پر پڑا تھا

جو بیمار ہو وہ کمائے کہاں سے
کمائے نہیں جو وہ کھائے کہاں سے

بھیانک تھا گھر سرد چولھا پڑا تھا
اسے سخت حسرت سے وہ تک رہا تھا

جو گھر میں تھے بچے اُدھر دیکھتے تھے
اِدھر ماں کو با چشم نم دیکھتے تھے

وہاں خوب دیکھی تصویر تھی بیکسی کی
یہ معلوم ہوتا تھا ہے سخت کھوکی

ادھر بھوک کی سارے گھر کو اذیت
مرض کی اُدھر باپ کو وہ مصیبت

بھیانک تھا اس گھر کا جب ایسا منظر
پکارا کسی شخص نے آ کے باہر

جو کھولا تو دھرماتما ایک آئے
اور اک ڈاکٹر کو بھی وہ ساتھ لائے

مریض جگر خستہ کو اس نے دیکھا
بہت دیر تک حال شفقت سے پوچھا

دوا ساتھ لایا تھا اُس کو پلائی
دلاسا دیا اور ہمت بڑھائی

کہا ایک دو روز میں تم اُٹھو گے
چلو گے پھرو گے کمائی کرو گے

وہ دھرماتما لائے تھے ساتھ کھانا
کھلایا بھرے گھر نے احسان مانا

روپئے دو چلے جب تو دینے گئے وہ
دعائیں غریبوں کی لیتے گئے وہ

فرشتے نے میری طرف اب نظر کی
کہ تو نے بھی یہ خیر و خیرات دیکھی

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے

چلے جو یہاں سے قدم کو اٹھا کر
تو کیا دیکھے چوک میں ہم ہیں آ کر

ضعیفہ کوئی ایک جانب کھڑی ہے
ضعیفی سے اُسکی کمر جھک گئی ہے

کھڑی ہے وہ جو راہ میں آہ کب کی
ہجوم خلائق میں بالکل اکیلی

وہ سہمی ہوئی ہے قدم کیا اُٹھائے
کہیں گھوڑے گاڑی سے ٹکر نہ کھائے

زن و مرد یوں تو بہت ہیں گزرتے
مگر اُس پہ مطلق نہیں رحم کرتے

وہ دیکھو تو جو سامنے مدرسہ ہے
ابھی اُس میں چھٹی کا گھنٹہ بجا ہے

لگایا اُسے سانپ دیوار و در کے
اک اُن میں سے زینے کے اوپر کھڑا تھا
وہ بچے کو جب گود میں لے کے نکلا
لیا طفل کو دوسرے نوجواں نے
فرشتے نے زینہ مجھے وہ دکھایا

چڑھے دو جواں جب سنبھل پہ ہر کے
چڑھا دوسرا اور در اُس نے کھولا
تو تحسین کا شور خلقت سے اُٹھا
اور اب جبکہ وہ دونوں زینے ہی پر تھے
کہ اے بے خبر کچھ سمجھ میں بھی آیا

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے

چلے ہم وہاں سے تو اک بحر دیکھا
رواں دواں تھیں سمندر کی موجیں
بھنور تھے تلاطم تھا اور کھلبلی تھی
یہیں اک جہازِ شکستہ بھی دیکھا
بہت مرد اور عورتیں اس میں دیکھیں
ہر اک کو یقیں تھا کہ بچنے نہیں ہم
کوئی چیختا تھا ۔ کوئی رو رہا تھا
اُسی وقت دہتابیاں کچھ جو چھوٹیں
جو ان میں بیٹھے تھے کچھ جاں پہ کھیلے
جہاز ایک کچھ فاصلے پر کھڑا تھا
تھپیڑے سمندر کی ہر لمحہ کھائے
جہاز شکستہ کے لوگوں نے دیکھا
وہ کشتی کے لوگوں نے مضبوط پکڑیں
اتر جب چکیں وہ تو پھر مرد اُترے
فرشتہ مجھے کشتیاں وہ دکھا کر

ہوا سخت چلتی تھی طوفاں بپا تھا
سرِ چرخ جاتی تھیں اُٹھ اُچھل کے موجیں
ہوا کچھ قیامت کی ایسی چلی تھی
تھپیڑے جو امواج کے کھا رہا تھا
کہ زندہ ہی غرقی جو صورتیں تھیں
بپا سخت کہرام تھا اور ماتم
کوئی آہ بھر بھر کے جاں کھو رہا تھا
تو دو کشتیاں بھی وہاں میں نے دیکھیں
چلے آتے تھے اپنی کشتی دھکیلے
یہ جانباز جرگہ وہاں سے چلا تھا
جہاز شکستہ کے نزدیک آئے
بہت رسیوں کو اِدھر آ کے پھینکا
اتارا اُنہیں پہلے جو عورتیں تھیں
بندھے پشت پر اُن کے پُرخوف بچے
لگا کہنے تو نے بھی دیکھا یہ منظر

تجھے جستجو تھی خدا کس جگہ ہے
خدا اس جگہ ہے خدا اس جگہ ہے

جو بوتے ہیں پھل اُس کا کھاتے بھی ہیں وہ
جو ہیں ڈھونڈتے حق کو پاتے بھی ہیں وہ

کبھی سعی بیکار ہوتی نہیں ہے
دغا ایسی زنہار ہوتی نہیں ہے

یقیں نے جو یوں اپنا جلوہ دکھایا
وہیں اک فرشتہ نظر مجھ کو آیا

برستا تھا نور اُس کے رُخِ نیکو پر
عیاں رحمتِ حق جبین و گلو پر

نگاہوں میں جشمک تھی برقِ جہاں کی
تجلی عیاں جسم سے کہکشاں کی

وہ سانچا بدن اُس کا جسمیں ڈھلا تھا
مگر نور مہرِ درخشندہ کا تھا

مجھے دیکھ کر یوں چکا چوند آئی
کہ بجلی میری آنکھ میں کوند آئی

مکلّف تھی پوشاک بر میں نہایت
اور اُس کا عیاں نور گھر میں نہایت

نہ پوچھو کہ چہرے پہ کیا کامنی تھی
مجسّم کھڑی سامنے شانتی تھی

مرصّع تھا اک تاج بھی سر پہ اسکے
عیاں جسمیں نیرنگ قوسِ قزح کے

تبسّم کی تھی موج لب پر نمایاں
نہایت ہی زیبا نہایت نمایاں

کہا مُسکراتے ہوئے اُسنے مجھ سے
میرے ساتھ چل مہر کرتا ہوں تجھ سے

تجھے دیکھنا ہے خدا کس جگہ ہے
دکھاؤں تجھے چل خدا جس جگہ ہے

فرشتہ چلا اور میں اسکے پیچھے
مکاں ایک آیا نظر چلتے چلتے

یہاں آگ اسطرح سے لگ رہی تھی
کہ سدھ بدھ کسی کو نہیں تھی کسی کی

ہُوا دیکھ کر سخت افسوس مجھ کو
حرارت ہوئی سخت محسوس مجھ کو

زمیں سے تھے شعلے سوئے چرخ جاتے
بہت دور کی ساری چیزیں دکھاتے

مکاں کے حصص شور سے گر رہے تھے
بچے ڈگمگاتے تھے جو جو کھڑے تھے

گروہِ زن و مرد نالاں تھا یکجا
کوئی نعرہ زن کوئی گریاں تھا یکجا

دُہائی کا تھا شور اور کھلبلی تھی
غرض اک قیامت یہاں مچ رہی تھی

یہاں میں نے روتے سنا ایک ماں کو
نکالو کوئی میرے بچے کو جا کر

وہ اوپر کے دالان میں سو رہا ہے
بچاؤ کوئی ہائے کیا ہو رہا ہے

اُسی وقت اک نوجواں کچھ جو آئے
تو زینہ بڑا سا بھی وہ ساتھ لائے

دکانداریوں کے سوا کچھ نہ پایا
سوال آہ لب پر یہ رو رو کے آیا

خدا کس جگہ ہے خدا کس جگہ ہے
وہ ہے اس جگہ پھر یا اس جگہ ہے

پریشان و حیران در در پھرا میں
وطن میں پھرا اور باہر پھرا میں

طلب حق کی تھی لیک حق کو نہ پایا
پھرا چار سو لیک ناکام آیا

ہوئی یاس طاری دل پر تعب پر
ملا مجھ کو حق گھر کے باہر نہ اندر

میں بیٹھا تھا بوسہ گردن جھکائے
مرا فکر جائے تو کس طرح جائے

یہی حال ہوتا ہے دیکھا ہے اکثر
ستاتی ہے جب یاس سالک کو آکر

جسے اپنی معراج حاصل نہیں ہے
وہ غمگین و اندوہگین و حزین ہے

ادھر تو ترقی کا مسدود رستہ
ادھر رنج دنیا سے وہ دل شکستہ

رہا یاں کا نہ واں کا کہاں جائے آخر
سکون دل میں آئے تو کیا آئے آخر

یہی حال تھا میرے دل کا بھی اسدم
بتانے میں آتا نہیں اس کا عالم

دعا کو اٹھا ہاتھ یارب اکبر
مجھے اپنے دیدار سے بہرہ ور کر

کہاں تجھ کو ڈھونڈوں کہاں تجھ کو پاؤں
میں جاؤں تو آخر کہاں آہ جاؤں

دعا کرنے والے کو یہ فائدہ ہے
دعا رحمت و فضل کا مائدہ ہے

نہیں یاس رہتی طبیعت پہ طاری
عیاں ہو کے رہتے ہیں فضل باری

ہوئی میرے دل میں بھی تسکین پیدا
سکوں کا ہوا رنگ روشن ہویدا

سوال اب بھی لیکن وہی دل میں اٹھا
سبب یہ کہ اب تک نہیں حل ہوا تھا

خدا کس جگہ ہے خدا کس جگہ ہے
وہ ہے اس جگہ پھر یا اس جگہ ہے

مگر حالت دل وہ پہلی نہیں تھی
نہ اب وہ قلق تھا نہ اب وہ زبونی

میسر اب طبیعت میں تھا یاس کی جا
یقیں کے تھے انوار وسواس کی جا

یقیں دل میں تھا حق کا دیدار ہوگا
نہ علم و عمل محض بیکار ہوگا

ہوتی ہے - اور تیز خواہش نجات پیدا کرتی ہے - پس ہر ایک انسان کا فرض اہم ہے کہ وہ سوچ بچار سے کام لے - اور اس خواہش کو دل میں جگہ دے - ذرا بھی خواہش نجات دل میں پیدا ہو تو جن وسائل سے وہ پیدا ہوئی ہے - اُن کو اس طرح فروغ دینا چاہیئے - جس طرح کوئی پنکھا جھل کر آگ کو تیز کرتا ہے - جتنا شوق بڑھیگا - اتنی ہی جلدی آدمی گیان کے زینے پر چڑھیگا - یہی خیال میری نظم کے شروع کے دو بندوں میں ظاہر کیا گیا ہے - اور باقی بندوں میں میں نے بتایا ہے کہ آدمی خدا سے ملنا چاہے تو وہ کہاں کہاں تلاش کرے - لیجیئے مہاراج سُنیئے ۔

خدا کس جگہ ہے

کروں جستجو تیری کیونکر خدایا ۔ تجھے میں نے دُنیا میں ڈھونڈھا نہ پایا
کبھی سوئے مسجد کبھی سوئے مندر ۔ کبھی اُنکے باہر کبھی اُنکے اندر
ملا واعظوں سے ملا عابدوں سے ۔ ملا عالموں سے ملا زاہدوں سے
جو دیکھا تو ہر اک کا دعوےٰ جدا ہے ۔ ہر اک زعم میں اپنے اہل ہدیٰ ہے
شریعت تعصب کی روح رواں تھی ۔ طریقت جو دیکھی دکاں ہی دکاں تھی
کہیں معرفت نے نہیں رخ دکھایا ۔ حقیقت کا کوسوں پتا تک نہ پایا
مذاہب کے جھگڑوں سے دق ہو گیا میں ۔ بکھیڑے وہ دیکھے کہ حیران تھا میں
غرض ملتوں کے بھی ڈھنگ دیکھے ۔ جہاں بحث اُٹھی وہاں جنگ دیکھے
مذاہب کو چھوڑا لیا فلسفے کو ۔ یہاں بھی وہ بحثیں تھیں بس کچھ نہ پوچھو
ہر اک بال کی کھال ہی کھینچتا تھا ۔ معانی کو اپنی طرف اینچتا تھا
کتابیں بہت نغز سے نغز دیکھیں ۔ بہت کم مگر اُنمیں پر مغز دیکھیں
کتب محض سوکھی ہوئی ہڈیاں ہیں ۔ چبائے انہیں کون وہ سخت جاں ہیں
بہت کم ملیں مجھ کو زندہ کتابیں ۔ نصیبوں سے ملتی ہیں خالص شرابیں
مقدس مقاموں میں پھرتا رہا میں ۔ کبھی یاں گیا اور کبھی واں گیا میں

کمرِ راہ طلب میں سعی پھل پائیگا ناکام تو شرمسار نہیں آئیگا
گر دھر چلا چلے اسی شوق کے ساتھ ملجائیگا حق ضرور مل جائیگا

شدّہانند نے کہا۔ مہاراج یہ آپ کی اور میرے گورد کی بڑائی ہے کہ مجھے بڑا شاعر بناتے ہیں۔ مجھے کیا آتا جاتا ہے۔ سیدھے سادے بالکل بچّوں کے سے شعر کہتا ہوں۔ نہ تکلف و تصنع ہے نہ تشبیہ و استعارہ ہے۔ ہاں ایک نظم موکشتا ہی کے مضمون پر میں نے لکھی تھی۔ وہ آپ کو سنائے دیتا ہوں ٭

اتنی تمہید ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ میرے گورو مہاراج نے سچ کہا ہے۔ آدمی کو خدا اس وقت ملتا ہے۔ جب لگن لگی ہوئی ہو۔ اور آتش شوق تیز ہو۔ خدا کے ملنے کا راستہ ایک نہیں ہے۔ انیک ہیں۔ جو آگے چل کر ایک مرکز پر مل جاتے ہیں۔ اس واسطے آدمی کو ہمت نہیں ہارنی چاہئے جس راہ پر چلا ہے۔ وہی راہ اس کو منزل مقصود پر پہنچا دے گی۔ نیک اعمال کرنے والوں کے لئے ان کے نیک اعمال رہبر بنتے ہیں۔ یوگیوں اور ارباب ریاضت کے لئے ان کا یوگ اور ابھیاس۔ بھگتوں کے لئے اُن کی بھگتی اور گیانیوں کے لئے اُن کا گیان۔ وجہ یہ ہے۔ کہ کرم۔ یوگ بھگتی۔ اور گیان چاروں سادھن ہیں۔ اور ایشور کی پراپتی آدرش ہے۔ آدمی کرم۔ یوگ یا بھگتی کرتا ہے۔ یا گیان میں محنتیں اُٹھاتا ہے۔ سب سے قلب کا آئینہ مصفّا اور مجلّے ہو جاتا ہے۔ جہاں اس آئینے میں جلا آئی اور نور تجلّی تاباں ہوا۔ پس جتنی کوشش ہے۔ وہ اس صفائی قلب میں ہونی چاہئے ؟

صفائی قلب کا نشان یہ ہے کہ میں اس دنیا کے جھمیلوں سے جھوٹوں۔ من و مائی کے خیال سے نجات پاؤں۔ اور کسی طرح حقیقت کو پہنچ جاؤں۔ صفائی دل اوپر کے چاروں سادھنوں سے حاصل

ہمیں بود بس بر زمینِ خدا — کہ گفتند در گوشش جانش ندا
قبول ست گرچہ ہنر نیستت — کہ جز ما پناہِ دگر نیستت

من کی اس تیز خواہش کو کہ وہ دنیا کے جھگڑوں سے بھاگا چاہتا ہے اور ایشور کا ملاپ چاہتا ہے ممکشتا کہتے ہیں۔ یہی موکش کی اچّھا یعنی نجات کی خواہش ہے۔ جس شخص کے دل میں یہ خواہش ہے۔ لازمی اور لابدی امر ہے کہ وہ اس کے پورا کرنے کے سامان تلاش کرے گا۔ اور وہ اس کے کلّیان کا باعث ہونگے۔ اور کلّیان کرنے والے مہاراج وشنو بھگوان آپ ہیں +

یہ کہتے کہتے وشدّہانند کی آنکھوں سے پریم کا جل بہنے لگا۔ سوامی برہمانند نے ان کی پیٹھ ٹھونکی۔ اور نہایت مہربانی سے کہا۔ وشدّہانند تم ممکشتا کی جیتی جاگتی مورتی ہو۔ تمہیں کسی دن بھگوان وشنو کے درشن ساکشات ہونگے۔ یہ سن کر وشدّہانند اُن کے قدموں میں لوٹ گئے۔ اور گدگد بچن سے بولے۔ مہاراج سچ کہو۔ آپ کا بچن کبھی متھیا نہیں ہوتا۔ مجھے کب درشن ہوں گے۔ یہ کہہ کر زار قطار رونے لگے۔ سادھو یا تو اُن کی سادگی اور بھولے پن پر مسکرا رہے تھے یا دریائے محبّت کو اس طرح جوش زن دیکھ کر بہت سے خود آبدیدہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں جب شانتی ہوئی تو سوامی برہمانند نے شدّہانند سے کہا۔ ہاں بھائی تیرے گورو تجھے بڑا شاعر بناتے ہیں۔ کچھ اپنا کمال دکھا +

چھبیسویں سادھو کی کہانی

ممکشتا۔ کرم یوگ۔ بھگتی اور گیان کے پہلوے نظر سے

تو راہ طلب میں کس لئے گھبرایا — وہ کون ہے لے کے جو نا کام آیا
سنتے آتے ہیں ہم بزرگوں سے مثَل — جسنے ڈھونڈا خدا کو اُسنے پایا

کوشش یہ ہونی چاہیئے۔ کہ ہردے کو شدھ بنائیں۔ ایشور کے رہنے کی جگہ پوتر ہونی چاہیئے۔ دنیا اور دنیا کے خیالات کو باہر کرو۔ کیونکہ یہ ہردے جیسے پوتر ستھان میں دخل پانے کے لائق نہیں ہیں ؂

اشعار

خدا کا گھر ہے دل اسکو نہ بھر عشق مجازی سے
کہ جو ناپاک کر دے پاک کو وہ ہے کمینوں کا

چڑھے تو دیکھ کر چڑھ زینۂ عشق مجازی پر
رہ بام حقیقت بھی ہے ان پیچ زینوں میں

نہ بن لیلیٰ و شیریں کی عارضی خوبی پہ مجنوں بن
تجھے اوروں سے کیا تو آپ ہے محمل نشینوں میں

خودی جبتک کہ ہے دل میں خدا اسے بھی جدا ہے تو
خودی جب اٹھ گئی ہو جائیگا اسرار سینوں میں

عشق کرو تو پرماتما سے کرو۔ پریم کرو تو ایشور سے کرو۔ دنیا اور اہل دنیا کے خیالات چھوڑ دو۔ اور شری وشنو بھگوان سے پرم کا رشتہ جوڑ دو۔ سادھو تمہارے من پریم کے سمندر ہونے چاہئیں۔ یا تمہارے ہردے میں ہر وقت آگ لگی رہنی چاہیئے۔ کہ ہم پرم پیارے پرماتما کو کب کر دیکھیں اور کب دیکھیں۔ جتنی اس اگنی کی جوالا تیز ہو گی۔ اتنے ہی تمہیں درشن نزدیک وہ جلدی ہونگے۔ بھگوان پورن کام ہیں۔ لیکن بھگت کی بھگتی کے بھوکے ہیں تمہارے من میں رات دن یہ بھاو رہنا چاہیئے کہ کسی طرح ایشور تمہیں ملیں اور وہ ملیں گے۔ دیکھو شاعر کہتا ہے ؂

شبے تا سحر صالحے زندہ داشت
سحر دستہا سے دعا بر فراشت

یکے ہاتف انداخت در گوش پیر
کہ بے حاصلی رو سر خویش گیر

شبے دیگر از ذکر و طاعت نخفت
مریدے ز حالش خبر داشت و گفت

چو دیدی کزاں روے بست است در
بہ بیجا حاصلی سعی چندیں مبر

بدیباچہ بر اشک یاقوت فام
بحسرت ببارید و گفت اے غلام

مپندار گردے عناں در شکست
کہ من باز دارم ز فتراک دست

ہتو میدی آنگہ بگردیدمے
ازیں رہ کہ راہ دگر دیدمے

چو خواہندہ محروم گشت از درے
چہ غم گر شناسد در دیگرے

شنیدم کہ راہم دریں کوے نیست
نے ہیچ راہ دگر روے نیست

مست ہوکر بڈھے نے سوال کیا کہ مہاراج آپ نے تو سُو جنموں کے بعد درشن دینے کو کہا تھا۔ آج کیسے بھول کر میرے گھر آ گئے۔ میں تو ہمیشہ اسی تمنا میں رہا کرتا تھا۔

بن بلائے کبھی للّٰہ مرے گھر آ جاؤ
میں بھی تو دیکھوں بلٹتا ہے نصیبہ کیونکر

آج ہی آپ نے میرا خیال سچ کر کے دکھا دیا۔

مہاراج مُسکرائے اور کہنے لگے سُن پنڈت۔ درشن پانے کے لئے خاص بھاؤ اور طبیعت کی خاص حالت درکار ہے۔ جس رفتار سے تو اب تک ترقی کر رہا تھا۔ اِس کے مطابق تجھے ساکشات کار کے لئے سو جنم ہی درکار تھے۔ مگر شوق دل اور خلوص طبیعت سے تو نے اپنی حالت آج ہی ایسی کر لی۔ کہ مجھے درشن دینا لازم آیا۔ میں ہر وقت ہر بشر کے پاس ہوں۔ مگر بردۂ پندار میرے دیدار کا مانع ہے۔ بھگتی کے خلوص با عرفان کے دیدۂ بینا سے جو مجھے دیکھنا چاہتا ہے۔ اس سے میں کہاں چھپ سکتا ہوں۔

آنکھوں میں تری غبارِ پندار کا ہے — مانع یہی معشوق کے دیدار کا ہے
کر سرمۂ معرفت سے پہلے اسے دُور — پھر دیکھ کہ جلوہ ہر طرف یار کا ہے

اس کتھا کو سُنکر سادھو نے کہا تم یہ خیال نہ کرنا کہ یہ ایک پُرانک درشٹانت ہے۔ اور اور بہتیرے پُرانک درشٹانتوں کی طرح محض ایک من گھڑت کہانی ہے۔ اس میں گیان اور بھگتی کے دفتر مخفی ہیں۔ مہاراج! میں آپ کی طرح گیانی نہیں ہوں۔ اس واسطے گیان کے پہلو سے تو آپ موکشتا پر بحث کیجئے گا۔ میں صرف بھگتی کے پہلوے نظر سے اتنا عرض کیا چاہتا ہوں۔ کہ ایشور پریم کا بھنڈار ہیں۔ جہاں من میں پریم کا پرواہ اُمنڈا کرتا ہے۔ وہاں ایشور کا باس ہے۔ چنانچہ مہاراج رام چندر جی نے جہاں رشی سے بن باس کے ایام میں سوال کیا تھا۔ کہ میں کہاں کٹی بنا کر رہوں تو رشی نے مسکرا کر انہیں یہی جواب دیا تھا۔ کہ آپ بھگتوں کے من میں رہئے۔ اسی کو آپ کا استھان بتاتے ہیں اور سچ بتاتے ہیں۔ پس سادھو۔ ہم سب کی

دیا۔ جو آپ فرمائیں بسروچشم تعمیل ارشاد کرنے کو حاضر ہوں +

بڈھے نے آہ سرد بھر کر کہا۔ جس دن تمہیں پھر درشن ہوں۔ مہاراج سے دریافت کرنا۔ کہ مجھ بدبخت کو بھی کبھی آپ کا دیدار نصیب ہوگا۔ آتمانند نے وعدہ کیا اور گرو جی سے رخصت لے کر چلا گیا +

دوسرے روز پھر آیا تو پنڈت نے بڑے اضطراب اور فرط شوق سے پوچھا "کہو بھائی کل کا وعدہ یاد ہے"۔ آتمانند نے گردن تسلیم خم کر کے جواب دیا "مہاراج وعدے سے سبکدوش ہونے ہی کے لئے آیا ہوں۔ مگر آپ کے لئے کچھ بڑی خوش خبری نہیں لایا"۔ یہ سن کر فرط شوق سے پنڈت کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور گڑگڑا کر بولا۔ ایشور کے واسطے کہو۔ جلد کہو۔ زیادہ انتظار کی طاقت نہیں +

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک　　آتش شوق تیز تر گردد

آتمانند نے کہا۔ مجھے کل کے دن۔ بھگوان کے درشن ہوئے۔ اور ان سے جب میں نے آپ کی نسبت دریافت کیا تو فرمایا کہ ہاں تمہارے گوروکو ہمارے درشن تو ہونگے۔ مگر "سو جنموں کے بعد"۔ ابھی وہ اس لائق نہیں +

یہ سن کر بڈھے کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ اور وہ یک مرتبہ ہی جوش مسرت میں اُٹھ کر ناچنے لگا کہ میرے دھنیہ بھاگ ہیں مجھے مہاراج کے درشن ہوں گے۔ اننت کال میں سو جنم سمندر میں پانی کی بوند طرح ہوتے ہی کیا ہیں۔ آخر درشن ہوں گے۔ اوہو میرے دھنیہ بھاگ اوہو میرے دھنیہ بھاگ +

یہ کہتا جاتا تھا اور عالم بے خودی میں ناچ رہا تھا۔ بکایک بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اسی عالم بے ہوشی میں کیا دیکھتا ہے کہ بھگوان وشنو مہاراج سامنے کھڑے ہیں۔ بڈھے نے قدم لئے جو ارمان سالہا سال سے دل میں تھا۔ آج وہ نکلا۔ جس حسرت کی نسبت یہ خوف تھا کہ دل ہی دل میں رہے گی۔ وہ آج پوری ہوئی۔ پریم بھاؤ میں مگن اور بھگتی رس سے

سروانند اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُسے گلے سے لگا کر کہنے لگا۔ کہو پُتر آتمانند خوش ہو۔ آپ کے تو بڑی مدّت بعد درشن دئے کہاں تھے "۔ یہ کہہ کر اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رہنے کے مکان میں لے گیا ÷

آتمانند اس پنڈت کا پُرانا شاگرد تھا۔ اور یہ ان لوگوں میں سے تھا کہ پنڈت سے علم حاصل کر کے اور بھگتی رس میں مگن ہو کر اب تارک الدنیا ہو چکے تھے۔ کبھی کبھی پھرتا پھرا تا پنڈت جی کے درشنوں کو بھی آنکلتا تھا۔ پنڈت کو اس سے الفت بھی تھی اور نہ دل سے اسکی تعظیم و عظمت بھی کرتا تھا۔ کیوں نہ ہو۔ جسے ایشور آپ عظمت دیتے ہیں۔ اُسے سب آنکھوں پر بٹھاتے ہیں ÷

گھر لے جا کر پنڈت نے آتمانند سے بات چیت تو کی مگر دل کا اُداس ہونا اُس سے چھپا نہ سکا۔ آتمانند نے پوچھا "مہاراج! آج آپ اُداس معلوم ہوتے ہیں۔ خیریت تو ہے؟" یہ سُن کر پنڈت کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ÷

راز دل چھپ نہ سکا اشکوں کے بھر آنے سے
بزم میں رونے لگے یاروں کے سمجھانے سے

بولا۔ آتمانند! میرا دردِ دل کیا پوچھتا ہے۔ پچھتر برس سے زیادہ کی عمر ہوئی۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں۔ میرے پڑھائے ہوئے بیسیوں آدمی مدارج اعلےٰ پر پہنچ گئے۔ مگر بس جہاں تھا وہیں ہوں۔ وہی ہنوز روز اول کا مسئلہ چلا جاتا ہے۔ برسوں سے مجھ کو بھگوان کے درشنوں کی تمنا ہے۔ مگر میرے ایسے نصیب کہاں۔ یہ ارمان ہمراہ ہی لے جاؤں گا۔ پُتر آتمانند تمہیں تو مہاراج وشنو کے درشن ہوئے ہوں گے ÷

آتمانند گورو کی یہ حالت زار دیکھ کر بہت افسردہ دل ہُوا۔ اور کہنے لگا۔ ہاں مہاراج۔ آپ کی کرپا و دریا سے مجھے بلاشک بھگوان کے درشن اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سُن کر بوڑھے پنڈت نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ اور یوں گویا ہُوا۔ بیٹے کچھ حق شاگردی بھی ادا کرو گے۔ اُس نے جواب

رموز مخفیہ پڑھتے ہیں +

صدر کے دالان میں پنڈت جی بیٹھے ہیں۔ اور قطاریں باندھے لڑکے نوجوان اور سن رسیدہ آدمی مطالعہ کتب میں مصروف ہیں۔ ایک ودیارتھی پنڈت جی سے سبق لے رہا ہے۔ مگر فلسفے کا شاید کوئی بڑا ہی باریک نکتہ ہے کہ بار بار سمجھانے سے بھی اس کی سمجھ میں نہیں بیٹھتا۔ بار بار اعتراض کرتا ہے۔ اور بڈھا پنڈت اس کے سمجھانے کے واسطے ہر بار طرز نو استعمال کرتا ہے +

مگر پنڈت کو فلسفے پر وہ عبور ہے اور طرز بیان ایسا مستحسن اور پر فع اثر ہے کہ آخر شاگرد کے چہرے پر تبسم کے آثار نمایاں ہونے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نکتۂ باریک کو سمجھ گیا۔ سمجھنے کی دیر تھی کہ اس نے اٹھ کر گورو کے قدم لئے اور ہاتھ باندھ کر صدق عقیدت سے یوں گویا ہوا ''مہاراج! آپ ودیا کے دھنی ہیں اور آپ کے منہ میں سرسوتی بولتی ہے۔ آپ کی لیاقت کا گورو آج اس آریہ ورت میں نہیں ہے''۔ لائق شاگرد کی تعریف سے ایسا استاد کونسا ہوگا کہ جس کا دل باغ باغ نہ ہو جائے اور فرط طرب سے باچھیں نہ کھل جائیں۔ مگر بڈھے پنڈت نے بجائے اس کے کہ خوش ہو دل پر درد سے ایک آہ سرد بھری۔ اور چپکا ہو رہا۔ بھلا کیوں؟ اس کا باعث بتانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ پنڈت فاضل اجل ہے۔ اس کے پڑھائے ہوئے بہت سے گرہستی اور بہت سے سنیاسی یوگ اور گیان کے مدارج اعلےٰ پر پہنچ گئے۔ بعض بھگتی رس میں مگن ہو کر سنسار کے بندھن سے چھوٹ گئے۔ بعض گیانی ہو کر اودھوت بن گئے۔ مگر یہ اسی طرح تعلیم وتعلم میں مصروف ہے۔ اسے آتما کا ساکشات کار نہیں ہوا۔ سچ ہے +

پنڈت اور مشالچی اُن کو سوجھے ناہہ
جگت دکھادیں چاندنا آپ اندھیرے ماہہ

پھر کیا تعجب کی بات ہے اگر شاگرد کی تعریف سے اس کا دل خوش ہونے کی بجائے اور اُداس ہوا۔ پنڈت نے آہ سرد بھری ہی تھی۔ کہ ایک سادھو نے باہر سے آکر اسے ساشٹانگ ڈنڈوت کی۔ وہ اُٹھا تو پنڈت بھی

درخت سایہ افگن ہیں۔ اُن میں سے بعض پھلوں سے لدے ہوئے ہیں بعض میں پھول آئے ہیں اور اُن کی بھینی بھینی خوشبو کی لپٹوں سے ہوا عطر بیز ہے۔ بعض درخت ایسے ہیں کہ پرندوں کے لئے وقف ہیں۔ ان کا سر اوروں سے اونچا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جو بیکسوں کی دستگیری اپنا فرض اولے سمجھتا ہے۔ اُس کا مرتبہ اونچا ہی ہوتا ہے اسی سہانے جھنڈ کے قریب زراعت کے بھی آثار نمایاں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی بھی ہوتی ہے۔ مگر کچھ بہت لمبی چوڑی نہیں۔ شاید کچھ ترکاریاں بوئی تھیں۔ بہت کچھ آثار لی ہیں۔ اور تھوڑی سی جو باقی ہیں وہ روزمرّہ اس مقام کے رہنے والوں کے باورچی خانہ ہیں صرف ہوتی ہیں۔ یہیں مویشی کے رہنے کا بھی کچھ سامان نظر آتا ہے۔ مگر گائے بھینسیں اس وقت جنگل گئی ہوئی ہیں۔

درختوں کی سبزی۔ پھلوں اور پھولوں کی رنگ آمیزی اور آب رواں کے لطف سے یہ مقام نہایت دلکش اور دلفزا معلوم ہوتا ہے گاؤں یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ مگر ایک دو کچّے مکان بنے ہوئے ہیں۔ اور کچھ آدمی چلتے پھرتے بھی نظر آتے ہیں۔ مکانوں کے قریب آئیے۔ تو اور بھی جی خوش ہوتا ہے۔ صحن نہایت فراخ ہے۔ اور اس میں باغچہ لگا ہوا ہے۔ تین جانب لمبے لمبے کچّے دالان ہیں۔ اور ان پر چھپروں کی چھت ہے۔ برابر میں گوسالہ ہے۔ ایک جانب ایک چھوٹا سا کچا مکان اور ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی گرہستی رہتا ہے۔

بےشک یہ ایک بڈھے پنڈت کا سنتھان ہے جس کی عمر پچھتّر برس سے بھی متجاوز ہے۔ ان لمبے لمبے دالانوں میں بدیارتھی یعنی اُس کے شاگرد رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض لڑکے ہیں۔ بعض نوجوان اور بعض سن رسیدہ۔ کچھ سنیاسی بھی ہیں۔ تحصیل علم کے شوق میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اور بڈھے پنڈت سے شاستروں کے

نام بتایا تھا۔

سوامی برہمانند نے کہا۔ آپ نام پر کیوں اٹکے کچھ ہی نام بتا دو۔ اس پر وشدہانند نے اپنی بھینگی آنکھ سے پھر دیوار کو مخاطب کر کے کہا۔ نہیں مہاراج۔ جس کا جو کچھ نام ہو وہی بتانا چاہیئے۔ اور یہ کچھ کیونکر بتا دوں۔ یہ بات انہوں نے اس سادگی سے اور منہ ٹیڑھا کر کے کہی۔ کہ سب سادھو پھر بے اختیار قہقہہ مار کر ہنسے۔ اس قہقہے سے وشدہانند کی گھبراہٹ اور بھی دور ہو گئی۔ اور اُن کی آنکھوں سے حافظے کا نور نمایاں ہوا۔ کہنے لگے شدہانند مجھے یاد آ گیا۔ تو نے اُس پنڈت کے چیلے کا نام آتمانند بتایا تھا۔ بھئی اب میں کہانی کہوں گا۔ ہاں کہیں بھول چوک ہو جائے تو مہاراج برہمانند جی آپ چھما کیجئے گا۔ سادھوؤ! آپ بھی چھما کیجئے گا۔ اور بیٹے شدہانند تم بھی چھما کرنا۔ میں کوئی شاعر تو ہوں نہیں جو تمہاری طرح بات بنا کر کہہ دوں۔

سوامی برہمانند نے کہا۔ مہاراج۔ سب چھما کر بس گے۔ آپ شروع کریں۔ اس پر آپ نے پھر کہا۔ کہ مہاراج بندہ بشر ہے۔ بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ آپ اور سب سادھو چھما کریں۔ اور بیٹے شدہانند تم بھی چھما کرنا۔ بھائی میں تمہاری طرح شاعر نہیں ہوں۔ کہانی کہوں گا تو اسی طرح جس طرح تم نے مجھے سنائی تھی ہاں بھول چوک ہو جائے تو چھما کرنا۔ لو سنو۔

سوامی وشدہانند کی کتھا

تحصیل کیا علم تو کیا ملتا ہے ۔۔۔ کی بحث تو خاک اُس کا صلا ملتا ہے
اخلاص طبیعت کو ذرا پیدا کر ۔۔۔ اخلاص سے اسے مہر خدا ملتا ہے

دریائے گنگا کے کنارے ایک سہانا مقام ہے۔ سال خوردہ

اور سیدھے آدمی ہیں۔ ان کا اُٹھنا تھا کہ ساری منڈلی مُسکرانے لگی۔ جب یہ سوامی برہما نند کے پاس پہنچے تو تھر تھر کانپ رہے تھے برہما نے پوچھا کیا مہاراج آپ کو سردی ستاتی ہے تو ایک مرتبہ ہی گھبرا کر بولے۔ مہاراج سردی وردی تو مجھے نہیں ستاتی۔ بھسا کمپ ہو گیا ہے اس[1] پر فرمایشی قہقہہ پڑا۔ سادھو کچھ دیر ہنستے رہے تو سوامی وشدھانند کا کانپنا دور ہوا اور وہ برہما نند کے پاس بیٹھ گئے۔

کئی سادھو ہم زبان ہو کر بولے مہاراج وشدھانند جی کہانی شروع کیجئے۔ آپ نے کسی کی طرف التفات نہیں کیا۔ ہاں اپنی بھینگی آنکھ سے سوامی برہما نند کی طرف اس طرح دیکھا گویا دیوار کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ آخر اُسی گھبراہٹ کے لہجے میں بولے۔ مہاراج مجھے کہانی وانی نہیں آتی۔ میرا چیلا شدھانند وہ بیٹھا ہے۔ میرے بجائے اس سے کہلوایئے۔ شاعر آدمی ہے اور بات کو بنا کر مزے سے کہتا ہے۔ اس پر کئی سادھو پھر ہم زبان ہو کر بولے۔ شدھانند اپنی کہانی کہے گا۔ آپ اپنی کہئے۔

وشدھانند نے کہا۔ تمہاری زبردستی ہی ہے۔ تو چار و ناچار کہوں گا کیوں بھئی شدھانند کون سی کہانی کہہ دوں۔ چیلا خود مسکرا رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ مہاراج جونسی جی چاہے کہہ دیجئے۔ وشدھانند گھبرا کر بولے ارے بھئی تو میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔ چاہے جونسی کیونکر کہہ دوں۔ مہاتما سادھو تو موکشتا پر کہانی چاہتے ہیں۔ کہہ تو اُس بوڑھے پنڈت کی کہانی کہہ دوں جس کے پاس اُس کا وہ سادھو چیلا آیا تھا۔ ایک دن تو نے مجھے سنائی تو تھی۔ دیکھو کچھ بھلا ہی سا نام تھا۔ چیلے نے کہا۔ مہاراج نشوگرہی ہو گا۔ آپ نے کہا۔ اُس دن تو تو نے کچھ آنند کا سا

---

[1] جن لوگوں کو مجلس میں تقریر کرنے کی عادت نہیں ہے وہ کھڑے ہوتے ہیں تو اکثر کانپنے لگتے ہیں۔ اُسکو سبھا کمپ یعنی سبھا میں کانپنے لگنا کہتے ہیں۔ وشدھانند ایسے گھبرائے ہوئے تھے کہ "سبھا" کو "بھسا" بول گئے۔ قہقہے کی یہ وجہ تھی۔

اسوا ہے ذات مطلق غیر معن ذات ہے — مل رہے ہیں آکے کل عقد اناکان کے یاں

ہے تماشا گاہ عالم ہیں تماشا ہو رہا — دیکھنے والا ہوں میں مجھ کو نہیں سودو زیاں

ایک سمندر ہے مبسوط عالم پر محیط — ایک بہ پورہیں ہے جا گزیں کون مکاں

مہاراج میں نے اس شیکمٹ پر عمل کیا۔ یکسوئی سے حقیقت میں دنیا خواب نظر آنے لگی اور میں جیون مکت بمعنی سمہت ہو کر آتم انند کو پراپت ہوا ؛

کہانی کے خاتمے پر سوامی برہما نند نے کہا۔ سادھوؤ اسمادھاں کے ساتھ شادی کمٹ سمپتی کا مضمون ختم ہوا۔ اب کوئی ادھکاری کے چوتھے سادھن یعنی موکشتا پر کہانی شروع کرو۔ کئی سادھو ہم زبان ہو کر بولے۔ مہاراج موکشتا پر جیسے اچھی کہانی سوامی وشدّھا نند کہیں گے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکیگا۔ انہیں اپنے پاس بلا لیجئے۔ سوامی برہما نند نے کہا تم سچ کہتے ہو۔ وشدّھا نند سے بہتر اور کوئی سادھو اس مضمون کی توضیح نہیں کر سکیں گے۔ آؤ مہاراج وشدّھا نند میرے پاس آبیٹھو؛

چوتھا سادھن موکشتا یا طلب نجات

پچیسویں سادھو کی کہانی

موکشتا بھگتی کے پہلو سے نظر سے

پروانہ وار شمع رخ یار پر فدا — بس وہ ہی جسکے لاگ ہو دلمیں لگی ہوئی

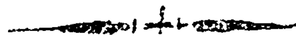
دیدار یار آج ہی ہو جائے تجھ کو مہر — پر شرط ہے کہ آگ ہو دلمیں لگی ہوئی

سوامی برہما نند کا حکم سن کر ایک بوڑھے سادھو جن کی شکل دیکھ کر بے اختیار ہنسی آتی تھی۔ اپنی جگہ سے اٹھے۔ امچور کی پھانک کی طرح جسم دبلا پتلا۔ پستہ قد۔ اور کچھ بھینگے سے بھی معلوم ہوتا تھا بہت بھولے

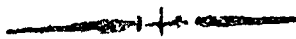
پڑھنے لگا اور شاستر کے سمندر سے پار ہو گیا۔ دھیان اور سمادھی کے آنند کا طریقہ بھی مجھے کوئی بتائے۔ وہ سن کر مسکرائے اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے شاستر فقط پڑھے ان کے معنی پر نہیں گئے یعنی پر جاتے تو یہ سوال مجھ سے آکر ہرگز نہ کرتے۔ بیٹا کسی قسم کا ابھیاس کر کے نہیں کچھ اور بن جانا نہیں ہے۔ تم آپ سچدانند برہم سروپ ہو۔ اور یہ منتھیا جگت تم میں اکارن بھان ہوتا ہے۔ جگت کو خواب کے نقشے کی طرح دیکھو اور اپنے ست۔ چت اور آنند روپ میں مگن رہو۔ مکتی تمہارا اپنا سروپ ہے۔ کہیں باہر سے تحصیل نہیں کرنی ہے۔ غفلت کا پردہ نگاہ بصیرت سے اٹھاؤ اور نہیں کچھ کرنا کرانا نہیں ہے۔ میں نے کہا اس غفلت کے پردے اٹھانے ہی کی سبیل میں آپ سے دریافت کرتا ہوں۔ ورنہ حقیقت میں مکتی تو میرا ذاتی سروپ ہے۔ لیکن کیا کروں مایا نے مجھے اپنا سروپ بھلا دیا ہے۔



بھولے جو عزیزوں کو وہ مستانہ ہے — بھولے جو یگانوں کو وہ بیگانہ ہے
حیرت ہے کہ بھولا ہوں میں خود اپنے تئیں — مجھ سا بھی جہاں میں کوئی دیوانہ ہے



نو عمر کبھی ہوں اور کبھی بڈھا ہوں — نادان ہوں کبھی اور کبھی دانا ہوں
کھویا ہے انانیت کی کثرت نے مجھے — مجھ کو نہیں معلوم کہ میں کیا کیا ہوں



والد پھر مسکرائے اور کہنے لگے پردۂ غفلت اٹھانے کے لئے یہی ابھیاس کافی ہے کہ بیٹھتے اٹھتے سوتے جاگتے کھاتے پیتے یہی خیال طبیعت پر حاوی رکھو کہ یہ سنسار سپنے کی طرح جھوٹا ہے۔ اور فقط تم اُس کے دیکھنے والے سچے ہو۔

قطعہ

مجھ کو یہ دنیا نظر آتی ہے چشم غور سے — مظہر ذات و صفات کردگار دو جہاں

برائے چندے انہیں طاق پر رکھا۔ اور تلسی داس کی راماین جس میں بہت مزا آتا تھا پڑھنی شروع کی۔ جہاں جہاں اس کتاب میں ویدانت کی اصطلاحیں یا مضامین آتے تھے اُن پر نشان کرتا جاتا تھا اور بوقت فرصت دو دو تین تین بار اُن کے معنی پر غور کیا کرتا تھا۔ چونکہ مہاراج تلسی داس کا ویدانت بڑا پیارا ویدانت ہے کثرت مزاولت سے مجھے اس میں مزا آنے لگا۔ اور دھیان جمنے لگا۔ اب میں نے اپنی ویدانت کی پستکیں نکالیں سنسکرت گرنتھ بوجہ اشکال سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ گو پڑھے سب تھے۔ انہیں میں نے ابھی نہ چھیڑا۔ ہندی بچار ساگر۔ برتی پربھاکر۔ تتوانوسندھان وغیرہ کتابیں پہلے پڑھنی شروع کیں۔ چونکہ ان میں سنسکرت کی مشکلات نہ تھیں تھوڑی بہت محنت سے بخوبی سمجھ میں آنے لگیں اور جیسے پہلے طبیعت بھاگتی تھی وہ بات نہ رہی۔ میں کتاب پڑھتا تھا۔ پھر اُس کو بند کر کے مطلب سوچتا تھا۔ بعد میں حافظے سے خلاصہ لکھتا تھا۔ اس میں اوّل اوّل تو جی گھبرایا۔ لیکن کچھ مشق سے مضامین ذہن میں بیٹھنے لگے۔ خلاصے کے لئے پہلے تو بار بار کتاب کھولنے کی ضرورت پڑی لیکن کچھ عرصے میں حافظے سے کرنے لگا؛

سنسکرت کتابوں کی دقتیں حقیقت میں مجھ سے حل نہیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ میں نے ویدانت کے پرستھان تریہ یعنی اپنشدر۔ برہم سوتر اور گیتا شری شنکراچاریہ کے بھاش سمیت اپنے والد سے ازسرنو پڑھے۔ اور کچھ مستند کتابیں مثلاً شری مدھوسودن سرسوتی کی ادویت سدھی کھنڈن کھنڈ کھادیہ وغیرہ بھی دیکھیں۔ چونکہ ہندی کتابیں پہلے اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھیں۔ اب سنسکرت میں وہ دقت محسوس نہیں ہوئی۔ جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ میں آسانی کے ساتھ تمام کتابیں پڑھنے لگا۔ اور اب ایسا مزا آنے لگا کہ گھنٹوں بیٹھا پڑھا کرتا تھا اور وقت معلوم بھی نہ ہوتا تھا؛

اس طرح شاستر پر عبور ہونے سے جب شاستر کی واستا شانت ہونے لگی تو ایک روز میں نے والد سے جا کر کہا۔ کہ اب کتابیں تو میں دل لگا کر

پڑھتا رہا ؛

اس طرح ہفتہ بھر کی مشق سے مجھے اپنے دل کی حالت پہلے سے بدرجہا بہتر معلوم ہوئی۔ میں نے باپ سے اپنی مشق کا حال کہا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ تمہارے آثار اچھے ہیں کچھ گھبرانے کی بات نہیں۔ اب کہو کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ بیرونی اسباب کے رفع ہونے پر مجھے کچھ اندرونی سادھن بتائیں گے۔ باپ نے کہا لو سنو۔ اندرونی موانع جو توجہ میں خلل انداز ہوتے ہیں اس قسم کے ہیں طبیعت پر کسی فکر کا غلبہ ہونا۔ کتاب یا مضمون کا اپنے مذاق کے مطابق دلچسپ نہ ہونا۔ یا ایسا دقیق اور مشکل ہونا کہ اپنی سمجھ میں نہ آئے۔ جب تمہاری توجہ کسی کتاب پر نہ جمے تو سوچنا چاہیئے کہ نہ جمنے کا باعث کیا ہے۔ اگر فکر و افکار کا دل پر ہجوم ہے تو اُن کے دور کرنے کے سامان بہم پہنچانے چاہئیں۔ فکر کی حالت میں نہ کتاب پڑھی جائے گی نہ کسی اور چیز پر دھیان جمیگا۔ اگر مضمون کتاب دلچسپ نہیں معلوم ہوتا اور طبیعت اُس سے بھاگتی ہے تو ایسی کتابوں کو شروع میں طاق پر رکھ دو۔ اور وہ کتابیں پڑھنی شروع کرو جن میں تمہارا دل لگتا ہے۔ جب توجہ دینے کی عادت ہو جائے۔ تو بتدریج غیر دلچسپ کتابوں کو لیتے جاؤ۔ اُن پر بھی توجہ کرنے لگو گے۔ اگر مضمون کتاب مشکل ہے اور تمہاری سمجھ میں نہیں آتا تو تم اُس کو ہرگز نہیں پڑھ سکو گے۔ اوّل آسان کتابیں لو جن کو سمجھ سکتے ہو۔ بعد میں مشکل کتابوں کے مضامین پر غور کرو۔ اب بھی سمجھ میں نہ آئیں اور طبیعت اُن سے بھاگے تو اُنہیں ہمارے پاس لاؤ۔ ہم تمہیں سمجھائیں گے اور تم اُنہیں بھی مزے لے لے کر پڑھنے لگو گے ؛

یہ تینوں نسخے میرے من کو بہت بھائے۔ فکر و افکار کا ہجوم میرے دل پر نہیں رہتا تھا۔ کیونکہ باپ سر پر بیٹھے تھے اور ہر ایک بات کا انتظام وہ خود کرتے تھے۔ اس وجہ سے میں نے اس خیال کو چھوڑا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ویدانت کی کتابیں مجھے غیر دلچسپ معلوم ہوا کرتی تھیں۔ میں نے

کرتا ہوں تمہیں کچھ اندرونی اسباب بتاؤں گا۔ یہ کہہ کر باپ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھر پھیرا۔

یہ باتیں کوئی شام کے پانچ بجے ہوئی تھیں۔ میں والد کے پاس سے اُٹھا تو سوچنے لگا۔ کہ جو باتیں مجھے بتائی گئی ہیں۔ اُن میں کوئی کبھی دقت طلب نہیں ہے۔ عہد کر کے ان سب پر عمل کرو۔ چنانچہ اُسی وقت چھڑی ہاتھ میں لے کر نکلا۔ ہمارے مکان سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ وہاں جا کر گھنٹہ بھر ٹہلتا رہا۔ واپس آیا تو طبیعت میں آلکس کا نام نہ تھا بلکہ دل اندر سے خوش تھا اور بھوک خوب لگی ہوئی تھی لیکن میں نے کھانا معمول سے کم کھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یا تو ہمر شام سے آلکس میرے سر پر سوار ہوتا تھا اور طبیعت چاہا کرتی تھی کہ میں چارپائی پر سوار ہو جاؤں۔ یا آج یہ خواہش ہوئی کہ کتاب لے کر کچھ پڑھئے۔ میری خوابگاہ بالا خانے پر تھی۔ وہاں نہ شور و غل کا اندیشہ تھا نہ زیادہ اسباب تھا نہ کوئی مخل ہوتا تھا۔ چراغ روشن کر کے میں نے پڑھنا شروع کیا۔ اور دنوں کی نسبت طبیعت کو زیادہ متوجہ پایا اور کتاب کے پڑھنے میں مجھے حقیقت میں مزا آیا۔ جب کچھ غنودگی سی آئی تو توجہ اس طرح قائم نہ رہ سکی۔ میں نے کتاب بند کی اور آرام سے سو رہا۔

رات کے وقت چونکہ کھانا بھوک سے کم کھایا تھا۔ میں معمول کے موافق دیر تک نہ سویا۔ بلکہ علی الصباح آنکھ کھل گئی۔ حوائج ضروری سے فارغ ہو کر میں تاروں کی چھاؤں نہایا۔ کیسا سہانا سماں تھا اور اشنان کر کے طبیعت کیسی خوش ہوئی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سندھیا کرنے بیٹھا۔ تو سندھیا میں آج جیسا مزا آیا ایسا پہلے کبھی نہ آیا تھا۔ سندھیا کر کے میں سیر کو باہر چلا گیا اور سیر سے واپس آیا تو دل بہت خوش تھا۔ میں نے کتاب لی اور ایکانت میں بالا خانے پر جا کر پڑھنی شروع کی۔ چونکہ نہ کوئی مخل تھا نہ شور و غل تھا نہ طبیعت تھکی ہوئی تھی بلکہ امنگ اور مسرت دل میں بھری ہوئی تھی۔ کتاب پر زیادہ طبیعت جمی۔ اور میں کھانے کے وقت تک

آنند لے کر پڑھ سکوں اور دھیان کے مزے بھی لے سکوں۔ باپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور ہمّت و حوصلہ بڑھانے کی غرض سے کہا۔ بیٹا! اس خیال کا طبیعت میں پیدا ہونا کہ من کو روک کر سمادھی کی حالت بہم پہنچائی جائے روحانی ترقّی کا پیش خیمہ ہے۔ تمہارے آثار اچھے ہیں۔ کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ سمادھان کی عادت مشق کی تابع ہے۔ طریقہ ہم بتائے دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مشق شروع کر دو۔ ایک دن وہ آ جائے گا کہ ویدانت کی کتابوں میں جس سمادھی کے آنند کا ذکر ہے۔ وہ تمہیں نصیب ہو جائے گا +

میں نے کہا فرمائیے۔ اسی طریقے کی مجھے سخت ضرورت ہے۔ باپ نے کہا۔ جن اسباب سے توجہ قائم نہیں ہُوا کرتی وہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک بیرونی دوسرے اندرونی۔ اول بیرونی اسباب کا علاج کرو۔ کیونکہ یہ بہت آسانی سے علاج پذیر ہو سکتے ہیں۔ بعد میں اندرونی موانع کی روک تھام شروع کرو۔ جتنی مشق بڑھتی جائے گی۔ اتنی ہی ترقی کرتے جاؤ گے +

بیرونی اسباب اس قسم کے ہوتے ہیں کہ جس مکان میں تم بیٹھتے ہو وہاں روشنی یا ہوا کا گزر نہ ہو تو پڑھنے یا دھیان کرنے میں طبیعت جمنے نہیں پائیگی یا شور و غل ہو۔ یا بہت اسباب جمع ہو۔ یا آدمی اکثر آتے جاتے ہوں تو دمبدم توجہ برطرف ہوگی۔ سخت گرمی۔ سخت سردی۔ نیند۔ تکان یا آلکس کا غلبہ یا جسمانی تکلیف ہو تو بھی توجّہ نہیں قائم رہ سکتی۔ بیرونی اسباب میں سب سے اہم بات صحت کا اچھا ہونا ہے۔ تمہاری صحت مجھے اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ گھر میں پرمیشور کا دیا ہُوا سب کچھ ہے۔ تم مقوی غذائیں یعنی مٹھائی۔ دودھ گھی وغیرہ تو خوب کھاتے ہو اور ورزش کچھ کرتے نہیں۔ اس سے آلکسی بندے بن گئے ہو اور ظاہر ہے کہ آلکسی آدمی دھیان نہیں جما سکتا پس آج ہی عہد کر لو کہ پانچ چھ میل روز گشت کر آیا کروں گا۔ مقوی غذائیں ذرا کم کر دو اور بھوک سے کچھ کم کھایا کرو۔ پہلے انہیں باتوں کا ابھیاس شروع کرو۔ چند روز کے بعد کچھ ترقّی کے آثار ظاہر ہوں تو آ کر مجھ سے بیان

بیٹھا ہوں - شاستر پڑھا ہوا ہوں - اور دل کی یہ حالت کہ توبہ ہی بھلی ہے - ہائے اے دل صافی جس کی شاعر تعریف کرتا ہے - تجھے کہاں سے لاؤں +

دلِ صافی

دلِ صافی پہ ہوا اے مہر خدا کی رحمت
گوشۂ عافیت اسکو کہیں تو زیبا ہے
جس طرح شہر سے کچھ دور کوئی معبد ہو
کوئی جائے بھی جو اس جا تو ارادہ کر کے
جائے تنہا ہو مکاں گوشۂ عزلت سا ہو
سایہ افگن ہوں کہن سال درخت اس جا پر
صحن میں آب مصفا کا بڑا حوض بھی ہو
گرد ہیں ہوں روشیں بنیں بہا پتھر کی
سامنے آنکھ کے معبد کا ہو برج سنگیں
غرض ایسا ہو مکاں اور تو واں بیٹھا ہو
تو وہاں بیٹھا ہو آرام سے اور تیرے سوا
دیکھ کر آنکھ میں ہو نور طبیعت میں سرور
ہے یہی حال جو دیکھو تو دلِ صافی کا
وہی ٹھنڈک ہے وہی نور وسرور موفور
میں یہاں بیٹھ کے اے مہر مزے لیتا ہوں

میں نے محسوس کیا ہے بہت آرام یہاں
کیسی تسکین کا ہے کیسے سکوں کا یہ مکاں
شارع عام سے ہٹکر کہ نہ ہو بھیڑ وہاں
یہ نہ ہو ہر کس و ناکس ہو وہاں گشت کناں
جس طرف دیکھو نظر آئے خموشی کا سماں
ایسی ٹھنڈک ہو کہ بس آئے وہاں جان میں جاں
اور وہ ایسا مسکن کہ نہ ہو جس کا بیاں
صفا ایسی کہ نہ تنکا بھی نظر آئے وہاں
جسکی تعمیر کو برسوں ہوئے ہوں یا صدیاں
اور خموشی و سکوں چار طرف ہو عیاں
آدمی زاد کا ڈھونڈھا نہ نظر آئے نشاں
تو یہ سمجھے کہ زمین پر ہے یہی باغ جناں
وہی تسکین و سکوں اور وہی راحت ہے یہاں
ہے یہاں بھی وہی تسکین و خموشی کا سماں
اور سمجھتا ہوں زمین پر ہے یہی باغ جناں

کلام مہر جلد اوّل

ایک دن میں نے اپنا حال زار اپنے والد کو سنایا اور بعجز و الحاح ان سے التجا کی کہ میں من کے ہتھکنڈوں سے تنگ آ گیا ہوں - خدا کے واسطے مجھے یکسوئی کا طریق بتایئے - تاکہ میں شاستر کی کتابیں بھی

سے بڑھا تھا۔ اور چھوٹی بڑی کتابوں پر مجھے عبور حاصل تھا۔ لیکن سمادھی اور انوبھو کا جو آنند ان کتابوں میں جا بجا بیان کیا جاتا ہے وہ مجھے ہرگز نصیب نہ تھا۔ کتاب ہاتھ میں لے کر بیٹھتا تھا۔ تو خیال کے گھوڑے بازار میں دوڑتے پھرتے تھے۔ دھیان کرنے بیٹھتا تھا تو من بندر کی طرح اچھلتا کودتا کہیں کا کہیں جاتا تھا۔ میرے دل کی کیفیت بعینہٖ ان اشعار میں منظوم ہے۔

دلِ مکدّر

نگاہ غور سے دیکھا دلِ مکدّر کو
پڑا ہو جیسے کسی شہر میں کوئی بازار
اِدھر اُدھر ہوں زن و مرد سب پڑے پھرتے
سواریوں سے ہٹو اور بچو کی آئے صدا
اِدھر سے آتی ہو بگھی اُدھر سے یکّا آئے
کسی کو روک نہ ہو آئے جائے بے کھٹکے
غرض ہجوم ہو خلقت کا اور گرد و غبار
خیال تیری طبیعت میں بار بار آئے
یہی ہے حال جو دیکھو دلِ مکدّر کا
کسی کو روک نہیں یاں بھی آنے جانے کی
ہر ایک جا ہے زن و مرد کا ہجوم بہت
یہاں بھی دوڑتے پھرتے ہیں بگھیاں گھوڑے
غرض یہاں بھی اسی طرح شور و غل ہے بہت
مگر خیال کبھی بھر یہ نہیں آتا

نظارہ ایسا تھا حیرت فزا کہ ہو بیان
بہت سوار پیادوں کا ہو ہجوم وہاں
ہر ایک جا ہو خرید و فروخت کا ساماں
پیادہ پا اُسے سنکر ہوں مضطرب سے رواں
جدھر نظر پڑے انساں رواں ہوں اور حیواں
کسی سے کوئی بھی پرسش نکرنے پائے وہاں
وہ شور و غل ہو کہ سن کر ہو آدمی حیراں
الٰہی آن پھنسا گھر کو چھوڑ کر میں کہاں
خیال ہا ہے پریشاں کا ہے ہجوم یہاں
کسی سے کچھ نہیں پرسش کہ آگیا تو کہاں
ہر ایک جا ہے ہر اک قسم کا یہاں ساماں
یہاں بھی گرد ہے ایسی جس کا ہو نہ بیاں
کہ جسکو سن کے تو بازار میں تھا سرگرداں
الٰہی آن پھنسا گھر کو چھوڑ کر میں کہاں

کلام مہر جلد اوّل

مجھے اپنی حالت زار پر رہ رہ کر افسوس آیا کرتا تھا۔ کہ سادھو کا

بجے سب گھر چلے آتے تھے - ایک دیوالی کی رات کا ذکر ہے - لڑکوں نے حسب دستور چوپائیاں گائیں اور مہاراج نے اُن کے ارتھ حسب دستور کئے - کچھ ایسا سماں بندھا کہ وقت معلوم نہیں ہُوا - مہرشی ارتھ کر رہے تھے - اور امرت کا سمندر بہ رہا تھا - ختم کر چکے تو دیکھا کہ گانے والا اور بجانے والا دونوں سو گئے ہیں - فقیر مہر نے گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ رات کے دو بج گئے ہیں لیکن یہ نہیں کھُلا کہ کہاں بیٹھے ہیں اور کتنا وقت گزر چکا - یہ سمادھان کا سروپ ہے +

سن رہا ہوں کس طرح سے میں مضمون نغز   اور سخن کا کیا روانی پر ہے دریا رواں
سن رہا ہوں پر نہیں معلوم کیا اب وقت ہے   سن رہا ہوں پر نہیں معلوم بیٹھا ہوں کہاں

چوبیسویں سادھو کی کہانی

سمادھان کا عملی پہلو

اگر بہرہ تجھے درکار ہے عشق حقیقی سے   تو جل پروانہ ساں آتش زدل عشاق پیدا کر
تجلی نور عرفاں کی نظر کیونکر نہ آئے گی   مجلّا دل کا آئینہ کر اور اشراق پیدا کر
غرض اے مہر سیدھی بات تجھ سے ایک کہتا ہوں   خودی چھوڑ اور خیالِ حق میں استغراق پیدا کر

ایک اور مہاتما بولے - مہاراج! من کو سب طرف سے ہٹا کر ایک طرف لگانے کا نام سمادھان یا یکسوئی ہے - اس کا سروپ یعنی ماہیت آپ سن چکے - میں آپ کے سامنے یکسوئیِ قلب پیدا کرنے کا طریق اپنی کہانی میں بیان کرتا ہوں - کہ میں نے یہ عادت کیونکر سیکھی - کس طرح اس کی مشق کی اور آخر میں کس درجے پر پہنچا +

میں ایک سادھو کا بیٹا ہوں - ویدانت شاستر میں نے اپنے باپ

اس کی علت غائی کیا ہے اور مسئلہ حسن پرستی سے اسے کیا تعلق ہے؟ اس اُدھیڑ بن میں اس طرح مشغول ہوئے کہ بارہ بج گئے دلہن اور اُس کے رشتہ دار گرجا میں پہنچ گئے تھے۔ سب کو فکر ہُوا کہ نوشاہ خیریت سے تو ہیں۔ ایک آدمی دوڑ کر خبر لینے آیا دیکھا تو پتلون کا ایک پائینچہ پہن چکے ہیں اور دوسرا پاؤں میں ڈالے کسی خیال میں محو بیٹھے ہیں۔ یہ سمادھان ہے ٭

۱۶ - سوامی رام تیرتھ مہاراج کے ویدانت کے لکچر میں نے سنے ہیں بسا اوقات یہ دیکھا ہے۔ کہ شاستر کا کوئی بایک رمز بیان کر رہے ہیں۔ لب پر تبسم ہے۔ گلنار چہرہ پھول کی طرح کھلا ہُوا ہے۔ آنکھوں سے فراست برس رہی ہے۔ اور خوش تقریری کا سمندر ہے کہ بہا چلا جاتا ہے۔ یکایک تقریر بند ہو گئی اور منہ اور آنکھیں کھُلی رہ گئیں۔ چیلے اُن کی اس عادت استغراق سے بخوبی واقف تھے۔ گرد و پیش بیٹھے رہتے تھے اور جہاں سوامی جی کو چپ دیکھتے تھے۔ تین چار کھڑے ہو کر پوتر اوم کا اُچارن کرتے تھے۔ اوم۔ اوم کا شبد گونجتا تھا۔ تو سوامی جی کو ہوش آ جاتا تھا۔ لیکن جہاں پھر کوئی رمز کی بات آ جاتی تھی وہی بے خودی پھر طاری ہو جاتی تھی ؛

۱۷ - مہرشی شو برت لعل جی اڈیٹر سادھو کے ہاں آٹھ بجے رات کو ست سنگ ہُوا کرتا تھا۔ کچھ پریمی جن میں فقیر مہر بھی شامل تھا۔ ان موقعوں کو غنیمت جان کر استفادہ حاصل کرنے جا بیٹھتے تھے ایک خوش آہنگ نوجوان تلسی داس جی کی رامائن کی چوپائی گاتا تھا۔ دوسرا ہارمونیم باجے پر اُس کا ساتھ دیتا تھا۔ جب چوپائی ختم ہو جاتی تھی۔ تو مہرشی اس کا ارتھ کہا کرتے تھے اور کچھ نہ پوچھئے کیسا امرت رس کانوں میں پڑا کرتا تھا۔ بالعموم یہ ست سنگ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ نہیں رہتا تھا۔ اور نو دس

دوست عرصے کے بعد ملنے آیا۔ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بڑی دیر تک تپاک سے باتیں کرتے رہے۔ آخر کہا کل دوپہر کو میرے ساتھ کھانا کھانا۔ دوست نے دعوت منظور کر لی۔ لیکن اُن کی عادت استغراق سے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ دوسرے روز جو کھانے کے وقت سے ذرا پہلے آیا تو اول باورچی خانے میں جا کر باورچی سے دریافت کیا کہ کھانا کتنے آدمیوں کے واسطے پکایا ہے۔ معلوم ہوا کہ حسب معمول صرف نیوٹن صاحب ہی کے واسطے پکایا گیا ہے۔ دوست مسکرایا۔ اور چپکے سے صاحب کے کمرے میں آیا۔ یہ مسائل ریاضیہ کے حل میں مصروف تھے۔ خبر بھی نہیں ہوئی کہ کون آیا ہے۔ وہ چپکے سے پیچھے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ملازم کھانے کی قابین لایا اور حسب دستور ایک چھوٹی میز پر لگا کر دبے پاؤں باہر چلا گیا۔ کیونکہ شور وغل سے توجہ برطرف کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوست اٹھا اور اُس نے بے تکلف کھانا کھا کر خوان بر سر پوش ڈھانک دیا اور آپ خاموشی کے ساتھ اپنی جگہ آ بیٹھا۔ نیوٹن صاحب جب حل مسئلہ سے فارغ ہوئے تو کھانے کی میز کا رُخ کیا۔ دیکھیں تو خوان پوش بدستور ڈھکا ہوا ہے۔ مگر قابوں میں سوائے ہڈیوں یا چھوٹے ٹکڑوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ بڑی سادگی سے بولے کیا تماشہ ہے کہ کھانا کھا چکنے کا ثبوت آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور میں بھوکا ہوں۔ دوست یہ سن کر قہقہہ مار کر ہنسا۔ کہ مسٹر نیوٹن کھانا میں نے کھایا ہے۔ تم نے نہیں کھایا۔ یہ سادہ دہانی ہے۔

۵۔ ایک فلسفی کا ذکر ہے کہ حضرت کی شادی کا دن تھا۔ گیارہ بجے گرجا میں جانا تھا۔ ساڑھے نو بجے آپ نے کپڑے بدلنے شروع کئے اور لباس مکلّف سے تن کو آراستہ کرنا شروع کیا۔ آراستگی کے ضمن میں خیال پیدا ہوا کہ دولہا اور دلہن کو مکلّف لباس کیوں پہنایا جاتا ہے۔ یہ آراستگی کب شروع ہوئی۔ کہاں شروع ہوئی۔

تو اُنہیں ہوش آیا کہ مجھے اُترنا کہاں تھا اور چلا کہاں آیا۔ اب بیجرا کہتے ہیں کہ بھائی میں کتاب پڑھ رہا تھا۔ یکسوئیِ طبیعت سے مجھے خیال نہیں رہا کہ کہاں چلا آیا۔ مگر وہ ایک نہیں سنتا۔ اس پر ان کی سیدھی سادی وضع ٹکٹ والے کو گمان ہُوا کہ کوئی دھوکہ باز آدمی ہے ریل کا کرایہ مارا چاہتا ہے۔ فوراً ہاتھ پکڑ کر اُتار لیا اور کہنے لگا۔ زیادہ مت بک بک کر۔ تو بدیا ساگر تو نہیں کہ کتاب پڑھنے میں محو ہو گیا۔ بدیا ساگر کے نام پر یہ مسکرائے۔ اتفاق سے سٹیشن پر ایک واقف آدمی نکل آیا اور اُس نے کہا ہاں بھائی یہی بدیا ساگر ہیں۔ عزت سے اُتارا اور دوسری ٹرین میں واپس روانہ کیا۔ یہ سماں وہاں ہے ۔

۳ - سر اسحاق نیوٹن کی جس نے مسئلہ کشش زمین دریافت کیا ہے۔ عجیب و غریب روایتیں زبان زد عام ہیں۔ انہیں ریاضی کے فروعات مختلفہ میں یدطولے حاصل تھا۔ اور اکثر مسائل ریاضیہ کے حل کرنے میں ایسے مستغرق رہا کرتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک دن نوکر کھانا لایا۔ آپ نے کہا ایک اُبلا ہُوا انڈا اور ایک نارنگی بھی لاؤ۔ کمرے میں آگ روشن تھی۔ نوکر نے گرم پانی چڑھایا۔ اور انڈا اُبالنے ہی کو تھا کہ آپ نے کہا۔ تم بازار سے نارنگی لاؤ۔ میں خود انڈا اُبال لونگا۔ نوکر نے کہا۔ حضور پانی اُبلنے لگے تو انڈا اس میں ڈال دیجئے گا۔ اور پانچ منٹ سے زیادہ نہ اُبالئے گا۔ وگرنہ ہضم کرنے میں دقت ہو گی۔ آپ نے گھڑی نکالی۔ ایک ہاتھ میں وہ لی اور دوسرے میں انڈا۔ پانی کے اُبلنے کا انتظار کرنے لگے۔ کوئی پاؤ گھنٹے کے بعد نوکر نارنگی لے کر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ صاحب کھڑے ہیں اور آگ پر نظر جمائے کچھ سوچ رہے ہیں۔ انڈا بدستور ہاتھ میں ہے۔ مگر گھڑی پانی میں پڑی اُبل رہی ہے۔ یہ سماں دھان ہے ۔

۴ - انہیں صاحب کی ایک اور مزے کی حکایت مشہور ہے۔ ایک روز کوئی

رکھی جا سکتی ہے۔ خیر نواب صاحب نے آگے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ مگر بابا صاحب یوں ہی کھڑے رہے۔ نماز کے بعد نواب نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ بابا نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ خفا ہو کر بولا۔ کیوں درویش تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی۔ بابا صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔ نواب صاحب آپ تو کابل میں گھوڑے خرید رہے تھے۔ میں نماز کس کے پیچھے پڑھتا۔ نواب شرمندہ ہو گیا۔ حقیقت میں اُسے کچھ گھوڑے خریدنے تھے اور چونکہ یہی خیال طبیعت پر حاوی تھا۔ نماز کے وقت بھی حمد و دُعا کی بجائے دل کابل میں گھوڑے ہی خرید رہا تھا یعنی طبیعت کو یکسوئی نصیب نہ تھی۔

تسبیح تیرے ہاتھ میں حوریں نظر میں شیخ — اس پر شکایتیں کہ دُعا میں اثر نہیں

۲۔ ایشور چندر بدیا ساگر جو حال ہی میں کلکتے میں ایک بڑے مصلح قوم مجبّرِ ملک اور عالم فلسفہ ہند ہو گزرے ہیں اپنی سادھان یعنی یکسوئی طبیعت کے واسطے مشہور تھے۔ کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کرتے تھے تو اُنہیں یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ کتنی دیر سے پڑھ رہا ہوں اور کیا پڑھ رہا ہوں۔ مضمون کتاب میں محویت کا درجہ حاصل ہو جاتا تھا۔ ساتھ ہی باوجودیکہ انسپکٹری مدارس سرکاری کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ مگر وضع سیدھی سادی رکھتے تھے۔ وہی بنگالیوں کی دھوتی اور دوپٹہ اور وہی ننگا سر۔ اُن کو دیکھ کر کسی شخص کو خیال تک بھی نہ ہوتا تھا۔ کہ بڑے بھاری پنڈت ہیں یا سرکاری عہدہ دار ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ریل میں بیٹھے کہیں دورے پر جا رہے تھے۔ ریل کے سفر میں دلبستگی کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص کتاب کھول کر پڑھنا شروع کر دیا کرتے ہیں۔ بدیا ساگر نے بھی یہی کیا۔ لیکن مطالعہ کتاب میں ایسے محو ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ جس سٹیشن پر اُترنا تھا۔ اس سے پچاس میل آگے نکل آئے۔ جنکشن سٹیشن پر ٹکٹ چک کرنے والے نے آ کر ٹکٹ دیکھا

کار آمد چیز ہے اور فنون کی تکمیل میں بھی بہت کام دیتی ہے۔ غرض جس پہلو سے نظر ڈالئے سماد ھان ایک نہایت ہی اہم اور باوقعت کیفیت نفس ہے۔ جس کے بغیر دنیا و دین کا سدھار ممکن نہیں۔ عظمائے دنیا کی سوانح عمری پر نظر ڈالئے تو اظہر من الشمس ہوگا۔ کہ معاملات دنیا میں کیا اور ترقی روحانی میں کیا جو شخص عوام الناس سے بڑھ چڑھ کر ہوئے ہیں۔ اُن کی عظمت کا باعث یہی عادت تھی۔ وہ اوروں سے زیادہ اپنی توجہ ایک مرکز پر جما سکتے تھے اور اسی کی وجہ سے اوروں سے گوے سبقت لے گئے ہیں اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں آپ سے کچھ چھوٹے چھوٹے لطیفے بیان کرتا ہوں۔ جو اور مہاتماؤں کی کہانیوں سے بے شک مختلف ہونگے۔ لیکن چونکہ دلچسپ اور معنی خیز ہیں۔ ان سے سماد ھان کے معنی کی بخوبی توضیح ہو جائے گی ؛

ا۔ گورو نانک مہاراج جو سکھوں کے پہلے گورو ہیں بڑے گیانی آدمی تھے اور اس سماد ھان کے معنی سے بخوبی واقف تھے۔ ایک مرتبے کا ذکر ہے کہ آپ کا سیر و سفر کرتے ہوئے ایک نواب کے ملک میں گزر ہوا مرد فقیر جہاں گزرتا ہے۔ وہاں زن و مرد اُس کی زیارت کو آتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے درشنوں کو بھی بہت سے آدمی آئے۔ مسلمانوں کا ملک تھا۔ سب کو یہ دیکھ کر تعجب آیا کہ یہ درویش نماز نہیں پڑھتا۔ رفتہ رفتہ خبر نواب تک پہنچی۔ اُس نے علمائے دربار سے مشورہ کیا اور آخر صلاح یہ ٹھیری کہ اس فقیر سے زبردستی نماز پڑھوانی چاہیئے۔ چنانچہ اُن کو دربار میں طلب کیا گیا اور نماز کے وقت ایما ہوا کہ تم بھی نماز پڑھو ورنہ خیر نہیں۔ بابا صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔ نواب صاحب نماز خدا کی عبادت ہے۔ خدا کی عبادت سے مجھے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ آپ شروع کیجئے میں بھی آپ کے پیچھے پڑھوں گا اور کیوں نہ پڑھوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ نماز نہ دل سے ہو۔ جب امام نے ہی نہ دل سے نماز ادا نہ کی تو جو شخص اُس کے پیچھے کھڑے ہیں اُن سے کیا توقع

چھٹی سمپتی۔ سمادھان یا یک سوئی

تیئیسویں سادھو کی کہانی

سمادھان کی ماہیت

نظر کا کھیل ہے اے مہر حکمتِ نظری
حکیم وہ ہے کہ حاصل ہو اس کو استغراف
خودی کو چھوڑ کے وصل خدا سے ہو بسطرح
کہ مہل آئے نظر تجھ کو لفظِ درد فراق

ایک مہاتما بولے۔ مہاراج! من کا حال بعینہٖ بندر کا سا ہے۔ یہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ جب دیکھئے کبھی اِدھر دوڑتا پھرتا ہے کبھی اُدھر۔ خیالات کے سلسلے اُٹھتے رہتے ہیں۔ جن کا نہ حساب ہے نہ شمار۔ کوئی مسلسل ہیں۔ کوئی بے ربط اور بے ٹھکانے ہیں۔ گویا خیالات پریشان کا ایک دریائے ذخار ہے کہ موجیں مار رہا ہے۔

خیالِ یار دل میں امن سے کب بیٹھنے پایا
تمہاری اے خیالات پریشاں ترکتازی سے

یہ حالت تحصیل علم اور شاستر کے بچاریں سخت سدّ راہ ہے۔ غور و فکر اُس وقت ممکن ہے کہ توجہ سب طرف سے ہٹا کر صرف ایک طرف منعطف کی جائے۔ اس کیفیت نفس کو جس میں توجہ ایک مرکز پر قائم کی جاتی ہے سمادھان یا یکسوئی کہتے ہیں۔

بعض طبائع میں، اوروں کی نسبت یہ وصف زیادہ موجود ہوتا ہے بعض میں کم۔ لیکن مشق بڑی چیز ہے۔ اس سے سمادھان کی عادت طبعی ہو تو اُس کو ترقی دی جا سکتی ہے اور اکتسابی ہو تو اُس کو مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ سالک کو خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ عادت نہایت ضروری چیز ہے۔ نہ اس کے بغیر وہ شاستر کے بچاریں کامیاب ہو سکتا ہے۔ نہ دھیان لگانے میں ترقی کر سکتا ہے۔ تحصیل علوم دنیاوی میں بھی یہ بڑی

ہوتے ہیں ان کا نام مل یعنی کدورت وکشیپ یعنی اضطراب اور آورن یعنی حجاب ہے۔ مل اور وکشیپ نشکام کرم اور اُپاسنا سے دو ہو جاتے ہیں۔ رہا اگیان۔ وہ گیان کی روشنی میں کافور ہوتا ہے۔ یہ گیان کی روشنی آخر کے چھ ادھیاؤں میں ملتی ہے۔ چونکہ گیان کا تھوڑا بہت حصہ مہاتما سادھو اپنی کہانیوں میں بیان کر چکے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ آگے اور کرینگے۔ اس واسطے میں گیتا کے ویدانت کو نہیں لیا چاہتا۔ بلکہ اُن مہاتماؤں پر چھوڑتا ہوں۔ جو گیان یا فلسفے کے رموز ونکات آگے کی کہانیوں میں بیان کرینگے۔ گیتا ویدانت کے پرستھان تریہ یعنی تین بنیادی کتابوں میں سے ہے۔ اس کا ویدانت وہی ہے جو اُپنشدوں اور برہم سوتروں کا ہے اور جس کی تشریح بھگوت پوجیہ پادشری شنکر آچاریہ نے کی ہے۔ اس وجہ سے اس کا موقع ہی پر بیان ہونا مناسب ہے +

کتھا ختم کر کے ان مہاتما نے کہا سادھو میں نے اپنے گورو کی شردھا کا حال تمہیں سنایا ہے کہ انہیں گیتا شاستر سے کسی عقیدت تھی۔ انہیں سے میں نے اس مقدس کتاب میں شردھا پیدا کی ہے۔ میں بھی روز اس کا پاٹھ کیا کرتا ہوں اور اُس کے معانی ومطالب پر غور کیا کرتا ہوں۔ کچھ مضامین تمہیں بھی سنا دئے ہیں۔ کیونکہ سب تو ایک کہانی میں کہاں آسکتے ہیں۔ اس سنانے سے میری غرض صرف اتنی ہے کہ یہ اُتم شاستر کیسی شردھا کے لائق ہے۔ یاد رکھو شاستر میں شردھا نہ ہو تو آدمی کے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔ اُلٹا محروم رہ جایا کرتا ہے۔ اور شردھا یعنی حسن اعتقاد والا آدمی مدارج اعلےٰ پر پہنچ جاتا ہے +

قطعہ

اے حسن اعتقاد تری کیا کروں ثنا | تو وہ ہے تو نے دل مرا ہاتھوں بڑھا دیا
اونچا تھا دسترس سے مری بام معرفت | تو نے ہی مجھ کو دیکے سہارا چڑھا دیا

یہ کہہ کر وہ چپکے ہوئے تو سوامی برہمانند نے کہا۔ مہاتماؤ۔ شردھا کی تشریح تین کہانیوں سے بخوبی ہو چکی۔ اب کوئی سمادھان کا مضمون شروع کرو +



سے ایسے بھم پہنچا۔ یہ بھی نہیں کر سکتا تو اپنے تمام کرم میرے ارپن کر۔ اور اس سے تو مجھ تک پہنچ جائیگا۔ ان شلوکوں میں کس نزاکت اور خوبصورتی سے بھگتی۔ یوگ اور کرم کے تینوں مدارج بیان کر دئے ہیں۔ کہ تمام شاستر کا عطر کھینچ دیا ہے۔ ان کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ انسان دیکھے میں کس درجے کا آدمی ہوں۔ اگر اس میں یہ قابلیت ہے کہ ایشور کو حاوی کل سمجھ کر اُس کی اُپاسنا کرے تو اس راہ پر چلے۔ وگرنہ یوگ بار باصنت کرنی شروع کرے یہ بھی نہیں ہو سکتا تو کرم کرے۔ اور اُن کے نتائج یا تو ایشور پر چھوڑے یا نتیجے کا خیال دل میں آنے ہی نہ دے +

جو بھگت ایشور کے پیارے ہیں۔ اُن میں کیا کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور آدمی کو جد وجہد کر کے اپنی ذات میں کیا کیا فضائل اخلاقی پیدا کرنے چاہئیں۔ ان کا ذکر اسی چھوٹے سے ادھیائے کے اگلے شلوکوں میں بھگوان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ کسی کو بُرا نہ جاننا۔ سب سے دوستی رکھنی۔ رقیق القلب ہونا۔ من ومائی اور انانیت سے پرہیز کرنا۔ دکھ سُکھ کو یکساں جاننا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام خوبیاں اس قبیل کی ہیں کہ ان میں متفق بہم پہنچانا آدمی کو ایشور کا پیارا بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اخیر کے منتر یا شتر میں بھگوان عہد کرتے ہیں کہ جو دھرم کا امرت میں نے اوپر بتایا ہے اس پر جو شخص راسخ الاعتقادی سے عمل کرتے ہیں وہ مجھے نہایت ہی پیارے ہو جاتے ہیں +

اُپاسنا کی انتہا یہ ہے کہ آدمی من کل وجوہ تن من دھن سے ایشور کی شرن اختیار کرے۔ ہر چیز میں اس کی قدرت کا جلوہ ہی نہ دیکھے بلکہ جڑ چیتن سب کو ایشور روپ سمجھے۔ اس سے طبیعت میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور اضطراب و اضطرار قلب رفع ہوتا ہے۔ اسی واسطے شاستر کا لکھا ہے۔ کہ اُپاسنا سے من کا وکشیپ دوش دور ہوتا ہے +

نشکام کرم سے کدورت نفس کا علاج ہو گیا اور اپاسنا سے اضطراب اور بے اطمینانی جاتی رہی تو صرف ایک عیب باقی رہ گیا یعنی اگیان۔ یاد رکھنا چاہیئے انتہ کرن میں تین دوش ہوا کرتے ہیں جو روحانی ترقی کے سدّ راہ

اس کا نام بھوتی یوگ ہے۔ بھوتی کے معنی قدرت کردگار ہیں۔ جس کمال شاعری کے ساتھ دسویں ادھیائے میں ایک ایک چیز میں قدرت کردگار کے نظارے دکھائے گئے ہیں۔ اس کی تعریف محال ہے۔ مگر ترقی کا کمال گیارھویں ادھیائے میں ہے۔ جہاں قدرت سے ایک درجہ اوپر چڑھ کر بھگوان اپنا براٹ روپ ارجن کو دکھاتے ہیں۔ اور وہ ایک مقام پر کھڑا ہوا تمام کائنات کو بھگوان کے جسم میں دیکھ کر گھبرا اور کانپ اٹھتا ہے۔ کسی شاعر کا کمال کسی زمانے اور کسی ملک میں اس انتہائی درجے کو نہیں پہنچا +

بارھویں ادھیائے میں بھگتی رس کی شیرینی ہے۔ اور ایسی کہ آدمی مزے لیتا ہے۔ کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ مجھے سینکڑوں آدمی ملے ہیں جنہیں یہ ادھیائے زبانی یاد ہے اور جن کو میں نے روز بڑی شردھا سے اس کا پاٹھ کرتے دیکھا ہے۔ ارجن وہی پرانا سوال اُٹھاتا ہے۔ کہ شری بھگوان آپ کی مورتی کو دل میں رکھ کر جو شخص آپ کی اُپاسنا کرتا ہے۔ وہ یوگ جاننے والوں میں اُتّم ہے یا وہ شخص جو نرگن برہم کا اُپاسک ہے +

مہاراج جواب دیتے ہیں کہ دونوں بھگت تو مجھے ہی ہیں۔ لیکن جو شخص ایک ذات۔ محیط کل۔ بسیط۔ قائم بالذات۔ بیروں از وہم و خیال بیروں از تقریر و گفتار کی اُپاسنا کرتے ہیں اور نفس و حواس پر ایسا قابو رکھتے ہیں کہ دنیا و مافیہا کو ایک روپ دیکھتے ہیں انہوں نے دشوار گزار راستہ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انسان کے واسطے بے نام و نشاں اور لامکاں ذات احد کا تصوّر کٹھن چیز ہے۔ برعکس اس کے جو لوگ اپنے تمام کرم میرے حوالے کر کے صدق نیّت اور تہ دل سے میرا دھیان کرتے ہیں۔ میں ان کو سنسار ساگر سے جلد تر پار اُتار دیتا ہوں۔ اس کا نفس مطلب یہ ہے کہ بھگتی کا راستہ گیان کے راستے سے زیادہ دلچسپ اور آسان ہے۔ اور انجام میں کیا گیانی اور کیا بھگت دونوں ایک ہی مرکز پر پہنچ جاتے ہیں۔ اسی واسطے بھگوان کا ارجن کو اپدیش ہے کہ مجھ میں من لگا اور مجھی میں اپنی بُدّھی قائم کر۔ کچھ عرصے میں تو مجھ سے واصل ہو گا۔ اگر تجھے میرے دھیان میں بُدّھی کے قائم کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تو مشق پیہم

سمجھنا چاہئے۔ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ خاص خاص دیوتاؤں سے خاص خاص مرادیں مانگتے ہیں اور اس مطلب سے اُن کی خاص خاص طرح پوجا کرتے ہیں۔ یہ سب بھی حقیقت میں مجھے ہی پوجتے ہیں۔ اور ان کی مرادیں بھی میں ہی بر لاتا ہوں۔ لیکن چونکہ اُن کی عقل غرض کے دائرے میں محدود ہے یہ مجھ کو بھی محدود سمجھتے ہیں۔ اس واسطے جو پھل انہیں نصیب ہوتا ہے۔ وہ بھی محدود ہی ہوتا ہے۔ لا انتہا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں جو جیو مایا موہ کو چھوڑ کر مجھے نشکام بھجتے ہیں۔ وہ مجھے پہنچتے ہیں +

مایا کو چھوڑ کر بھگوان کے بھجنے کا کیا طریقہ ہے۔ اس کا بیان اگلے پانچ ادھیاؤں میں ہے۔ دانا جانتے ہیں کہ میں پرکرتی کا ادھشٹھانا بن کر چراچر جگت کو رچتا ہوں۔ لیکن یہ سرشٹی کا کرم میرے بندھن کا باعث نہیں ہوتا۔ میں تمام کرم میں اُداسین رہتا ہوں۔ نادان مجھے اس قالب خاکی میں دیکھ کر محدود سمجھتے ہیں۔ انہیں خبر نہیں ہے کہ تمام بھوتوں کا مہیشور میں ہوں۔ مہاتما لوگ اور سب طرف سے دل ہٹا کر صرف مجھے بھجتے ہیں۔ ہمیشہ میرا ہی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ میرے ملنے ہی کی تجاویز میں سرگرم رہتے ہیں۔ بھگتی کے ساتھ مجھے نمسکار کیا کرتے ہیں اور دھیان میں لگے ہوئے میری اُپاسنا کرتے ہیں۔ بعضے گیان یگیہ سے میری اُپاسنا کرتے ہیں۔ وحدت میں مجھے دیکھتے ہیں۔ کثرت میں مجھے دیکھتے ہیں۔ جو لوگ بالکل میرے آشرے ہو کر میری اُپاسنا کرتے ہیں ان کی ہر ایک بات کا کفیل میں خود ہوتا ہوں۔ جو اور دیوتاؤں کی بھگتی شردھا سے کرتے ہیں۔ اُن کو بھی پھل میں ہی دیتا ہوں ہاں دیوتاؤں کو پوجنے والے دیوتاؤں کو بھجتے ہیں اور جو بھگتی سے پھول پتے یا پانی تک مجھے چڑھاتے ہیں۔ وہ میں خوش ہو کر قبول کرتا ہوں۔ پس اسے ارجن جو کچھ تو کرے یعنی جو کھائے۔ ہون کرے۔ دے اور جو تپ کرے وہ خودی کا خیال دل سے نکال کر میرے ارپن کر +

ایک تو اُپاسنا کا طریق یہ ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ آدمی صنعت میں صانع کو دیکھے۔ دل میں ہے یہ کہ صنعت صانع یہ ہوں نتا کہ بت کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں

اُس پر احسان کیا ہے۔ اس طرح کرم کے کرنے سے نفس کو روکنا پڑتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی کدورت دور ہوتی ہے۔ اسی واسطے شاستر کا لیکھ ہے۔ کہ نشکام کرم کرنے سے من کا مل یا میل دور ہوتا ہے ۔

نشکام کرم سے من شدھ ہوگیا۔ تو آدمی اُپاسنا یعنی ایشور کے دھیان کے لائق ہو جاتا ہے۔ وہ دھیان جس طرح کرنا چاہیئے دوسری چھ ادھیاؤں میں نہایت خوبصورتی اور شاعرانہ و فلسفیانہ کمال کے ساتھ بتایا گیا ہے۔ ساتویں ادھیائے کے شروع میں ہی بھگوان کہتے ہیں۔ کہ میری ماہیت کو پہنچنا سخت مشکل کام ہے ۔

یہ راہ سلوک وہ کٹھن رستا ہے | جس پر کہ ہزاروں میں کوئی چلتا ہے
ان جیسے ہزاروں میں بھی فرزانہ بجھ | جو کنہہ حقیقت کو کبھی پہنچا ہے

مجھ سے ہی کائنات پیدا ہوتی ہے اور پرلے کے وقت مجھ میں ہی لے ہو جاتی ہے۔ آغاز آفرنیش میں مجھ سے دو طرح کی قوتیں ظہور میں آتی ہیں۔ ایک تو وہ جو سانکھیہ کی آٹھ پرکرتیوں کی شکل اختیار کرتی ہوئی مادی دنیا کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور دوسری وہ جو جیو کی شکل اختیار کرتی ہے۔ گویا جڑ اور چیتن دونوں ایشور کے روپ ہیں۔ اسی مطلب کو تلسی داس جی مہاراج نے اپنی راماین میں نہایت نزاکت اور شاعرانہ کمال کے ساتھ بار بار بیان کیا ہے۔ سب جیو ایشور سروپ ہیں۔ لیکن مایا دیوی نے اُنہیں اس طرح موہ لیا ہے اور یہ ست۔ رج۔ تم تینوں گنوں کے پھیر میں ایسے آ گئے ہیں۔ کہ ایشور کو بھول گئے اور اپنی ذات کو بھول گئے۔ مایا سے ترنا مشکل ہے۔ ہاں جو بھگوان کی شرن آتے ہیں وہی اس مایا کو ترتے ہیں ۔

آگے چلکر بھگوان کہتے ہیں کہ میرے بھگت چار طرح کے ہوتے ہیں۔ اول آرت یعنی جو کسی دکھ سے دکھی ہیں اور اس سے پناہ چاہنے کے واسطے مجھ سے التجا کرتے ہیں۔ دویم جگیاسو جسے میری طلب کی تگ و دو لگی ہوئی ہے اور میری تلاش میں سرگرم ہے۔ سویم ارتھارتھی جو کسی خاص غرض کو لیکر مجھے بھجتا ہے اور چہارم گیانی جس کو میرا آتما یعنی ذات خاص ہی

ان میں سے چند یہ ہیں۔ دربیہ یگیہ یعنی محتاجین و مستحقین کو زر خیرات کرنا۔ تپو یگیہ یعنی اوروں کے واسطے یا اپنی روحانی ترقی کے لئے جد وجہد کرنا اور صعوبتیں اٹھانا۔ یوگ یگیہ یعنی ریاضت کرنا۔ سوادھیائے یگیہ یعنی تحصیل علم میں سعی کرنا۔ پران یگیہ یعنی پاس انفاس کی مشق کرنا۔ گیان یگیہ یعنی مسائل فلسفہ و حکمت پر غور وخوض کرنا جس کی انتہا یہ خیال پیدا ہو جانا ہے کہ "برہم ارپن ہے۔ برہم ہوی ہے۔ برہم کی اگنی میں برہم آہتی دیتا ہے۔ اور برہم کرم کی سمادھی یعنی یکسوئی طبیعت سے وہ برہم ہی کو پہنچتی ہے"۔

اس قسم کا کرم جس میں خودی و نفسانیت کا دخل نہیں ہے۔ جس میں نفع و نقصان کا خیال دل میں نہیں آنے پاتا۔ جس میں فتح و شکست کامیابی و ناکامی۔ نتیجہ حاصل ہونا یا نہ ہونا۔ دونوں یکساں ہیں۔ وہ کرم ہے جس کو بھگوان "یوگ" کا نام دیتے ہیں۔ یہ نشکام کرم یعنی عمل بے خواہش کہلاتا ہے۔ جو شخص اس طرح کرم کرتا ہے وہ کرم کرتا ہؤا بھی سنیاسی ہے اور جو سنیاسی دنیا سے بھاگ کر تنہا جنگل میں رہتا ہے مگر لذائذ دنیوی کے خیال میں مستغرق رہتا ہے وہ کرم کا تیاگ کرکے بھی کرم بندھن میں پھنسا ہؤا ہے۔ بس اصلی سنیاس یہ ہے۔ کہ آدمی اپنے فرائض تو ادا کرے لیکن ان سے جو نتائج حاصل ہوں اُن کا خیال قطعی چھوڑ دے۔ ویدانت کی تعلیم کرم کے بارے میں یہ ہے۔ اب اگر لوگ اعتراض کریں کہ ویدانت آدمی کو نکما بنا دیتا ہے تو یہ اُن کی سمجھ کا قصور ہے۔ ویدانت کی تعلیم آدمی کو نکما بنانے کی ہرگز نہیں ہے۔

یہ نشکام کرم بڑا ضبط نفس چاہتا ہے۔ آج کل کے لوگوں کو دیکھئے کہ ذرا سی خیرات کا کام کرتے ہیں۔ تو چاہتے ہیں۔ کہ اخباروں میں اشتہار دئے جائیں۔ لوگ زبانی اُن کی تعریفیں کریں۔ سرکار سے انہیں خطاب مل جائے۔ یہ خیرات نہیں کہلاتی۔ دنیا کے اور سودوں کی طرح ایک نفع کمانے کا سودا ہے۔ خیرات اصلی وہ ہے کہ دایاں ہاتھ دے اور بائیں کو خبر نہ ہو۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ دل میں خیال تک نہ آئے کہ ہم نے کسی کو کچھ دے کر

کرتے ہیں کیونکہ جیسا بڑے آدمی کو کرتے دیکھتے ہیں۔ ویسے ہی چھوٹے آدمی کیا کرتے ہیں۔ سنسار کرم کے پھیلاؤ ہی کا نام ہے۔ انادی اگیان سے انسان کرم کے بند میں گرفتار ہے۔ اس واسطے کرم سے مخلصی بہت مشکل کام ہے۔ کرم کرنا پڑتا ہے اور چاروناچار کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کرنا چاہیئے۔ اور اس سے منہ نہیں چھپانا چاہیئے ÷

یہ تعلیم عجیب معلوم ہوتی ہے۔ تمام زمانہ جانتا ہے کہ کرم بند و گرفتاری کا باعث ہے۔ پھر کسی کو کرم میں لگانے کے کیا معنی ہیں۔ کیا گرفتار کو اور گرفتار کرانا منظور ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بند و گرفتاری کا باعث وہ کرم ہؤا کرتا ہے جس میں اپنی غرض کا حرف درمیان میں آئے۔ جو کرم اوروں کی فیض رسانی کی غرض سے یعنی پراوپکار کے خیال سے کیا جاتا ہے وہ بندھن کا باعث نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بھگوان آپ کہتے ہیں۔ یگیہ کی غرض کے بغیر یہ دنیا کرم کا بندھن ہے۔ یعنی جو کرم پھل کی غرض سے دنیا میں کیا جاتا ہے وہ بندھ کا باعث ہوتا ہے۔ جو یگیہ یعنی پراوپکار کی غرض سے کیا جاتا ہے اور جس میں نفسانیت یا خودی کا شمول نہیں ہے۔ وہ بندھ کا باعث نہیں ہوتا۔ آدمی کا ادھکار کرم میں ہے اس کے پھل میں نہیں۔ یعنی فرض کو فرض سمجھکر کرے اور نتیجے کی خواہش دل میں نہ آنے دے۔ ہر ایک کام کرشن آرپن ہونا چاہیئے۔ آفتاب کی روشنی امیر و غریب کے لئے یکساں ہے۔ بارش بُروں اور اچھّوں سب کے گھر ہوتی ہے۔ ہوا باغ اور خارزار میں یکساں چلتی ہے۔ یہی حال انسان کے اعمال و افعال کا ہونا چاہیئے۔ کہ وہ انہیں محض کام سمجھکر کرے۔ رغبت و نفرت کے دام فریب میں آکر نفسانیت اور خودی کی پھانسی اپنے گلے میں نہ ڈالے۔ اس کا ہر کام یگیارتھ ہونا چاہیئے ÷

یگیہ کے معنی جانوروں کی قربانی یا دہکتی آگ میں اوشدھی اور گھی پھونکنے کے نہیں ہیں۔ بھگوان نے بہت سے یگیہ بتائے ہیں۔

جنگ کرتا ہے اور اُن پر غالب آتا ہے۔ ان سے منہ چھپا کر بھاگ جانے سے کام نہیں بنتا۔ بلکہ مرد میدان بن کر ان کا مارنا ضروری ہے +

غالب آنے کا طریقہ کیا؟ اس سوال کا جواب گیتا کی تمام تعلیم ہے۔ یہ کتاب اٹھارہ ادھیاؤں میں منقسم ہے اور اُن کے چھ چھ کے تین تین حصے ہیں۔ پہلے چھ ادھیاؤں میں کرم کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے چھ میں اُپاسنا یا دھیان کا اور تیسرے چھ میں گیان کا۔ ضمناً اور بہت سے دلچسپ اور نتیجہ خیز مضامین بیچ بیچ میں آتے جاتے ہیں۔ اگر سب پر تھوڑا تھوڑا بھی کہوں تو بہت ہو جائیگا۔ اور ایک کتاب کی کتاب بن جائیگی۔ اس لئے خوف طوالت سے بس صرف کرم۔ اُپاسنا اور گیان ہی کے متعلق گیتا شاستر کے کچھ خیالات آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں +

ارجن کرم یعنی فرائض سے منہ موڑ کر بھاگنا چاہتا ہے اور سنیاس دھارن کیا چاہتا ہے تاکہ گیانی ہو جائے۔ بادی النظر میں یہ خیال مستحسن نظر آتا ہے۔ لیکن بھگوان اُسے کرم میں لگانا چاہتے ہیں۔ کیوں؟ اس واسطے کہ وہ ابھی گیان کا ادھکاری نہیں۔ ابھی اس میں خودی اور دوئی باقی ہے۔ وہ بعض برتیوں کو اچھا اور بعض کو بُرا سمجھتا ہے۔ ایک حالت نفس یعنی ادائے فرائض کو ادنےٰ درجے کی جانتا ہے اور دوسری حالت یعنی گیان کو اعلےٰ درجے کی سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے ابھی اُسے کرم کے میدان میں کام کرنا باقی ہے۔ بھگوان کہتے ہیں۔ کہ نوع انسان میں کوئی فرد بشر بھی ایسا نہیں ہے۔ جو دم بھر کرم سے خالی رہ سکے۔ بقائے جسم کے لئے کرم درکار ہے۔ اور لوک سنگرہ کے لئے یعنی نظام عالم قائم رکھنے اور قابل تقلید مثال قائم کرنے کے لئے کرم کی ضرورت ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گیان کے راستے پر چلنے والا ہزاروں میں کوئی بِرلا ہوتا ہے۔ کرم تمام دنیا کرتی ہے۔ اور کرم ہی سے دنیا قائم ہے۔ بھگوان کو باوجودیکہ کرم کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی

ارجن کی توجہ بے اختیار کھنچتی ہے۔ کہ اس آتم پد کو پہنچنا چاہئے۔ لیکن پہنچنا چاہے تو کیونکر۔ بھگوان جواب دیتے ہیں۔ کہ راستے دو ہیں ایک گیان کا ایک یوگ یعنی کرم کا۔ بادی النظر میں گیان کا راستہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کرنا کرانا کچھ نہیں ہے۔ اور جب ادھیائے کے آخر میں بھگوان گیانی کے اوصاف بیان کرتے ہیں تو ارجن کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ کہ کرم کی نسبت گیان اعلٰے درجے کی چیز ہے۔ چنانچہ تیسرے ادھیائے کے پہلے شلوک میں یہی سوال اٹھاتا ہے۔ کہ جب آپ کے نزدیک کرم سے گیان کا درجہ بڑا ہے تو جنگ وجدال کی کشمکش میں مجھے کیوں ڈالتے ہو ؟

یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ ان میں سے فوقیت کسی کو نہیں ہے۔ بلکہ ادھکاری کی لیاقت کے مطابق رستہ بتایا جاتا ہے۔ ایک کے واسطے گیان اعلٰے درجے کی چیز ہے۔ ایک کے واسطے کرم۔ ہندوؤں میں چار ذاتیں یا ورن آشرم مشہور ہیں۔ لیکن شودر۔ ویش۔ کشتری اور براہمن قوموں کا نام نہیں ہے۔ انسان کی روحانی ترقی کے چار درجے ہیں۔ بچہ جب تک گورو کی سیوا میں پڑھتا رہتا ہے۔ اور خدمت کرتا ہے۔ وہ شودر ہے۔ جوانی میں بیاہ شادی کر کے گرہست کے تمام کام یا بیوہار کرتا ہے اس وقت ویش ہے۔ یان پرہست میں نفس کو جیت کر گیان کی راہ میں چلنا چاہتا ہے اس وقت کشتری ہے اور گیان کی حالت میں پہنچکر اپنے آپ کو برہم روپ دیکھتا ہے اس وقت براہمن ہے۔ ان میں کون چھوٹا کون بڑا۔ ہر ایک اپنے اپنے ادھکار کے مطابق کام کر رہا ہے۔ یہی اُس کا دھرم ہے۔ اسی دھرم پر قائم رہ کر ترقی ممکن ہے۔ یکمرتبہ ہی جو چھلانگ مار کر اڑنا چاہتا ہے وہ منہ کے بل گریگا۔ اسی وجہ سے بھگوان کا اپدیش ہے کہ اپنے دھرم میں مرجانا بہتر ہے۔ دوسرے کا دھرم خوفناک ہؤا کرتا ہے۔ گیان کے راج کا سُکھ وہ سوربیر کشتری بھوگتا ہے۔ جو مردانہ وار نفس سرکش کی تمام کیفیات کے ساتھ

نے اپنے گلے میں ڈال رکھی ہیں ان سب کو توڑ کر وحدت وجود پر پہنچتا ہے +

مہاراج ارجن کی پاس پہ ہنستے ہیں اور کہتے ہیں۔ جن پہ افسوس نہیں کرنا چاہیے اُن پر افسوس کرکے تو اپنے آپ کو دانا ثابت کیا چاہتا ہے۔ کہ میں دیا اور دھرم کے خیال سے دشمنوں کے ساتھ جنگ نہیں کرونگا۔ اے ارجن دانا لوگ مردہ و زندہ دونوں کو ایک نظر دیکھتے ہیں۔ کیا تجھے یہ خیال ہے کہ یہ برتیاں تجھ میں نہ رہیں تو جڑ مول سے ناس ہو جائینگی۔ جس طرح تو خود آتما کا سروپ ہے اسی طرح یہ تمام برتیاں آتما کا سروپ ہیں۔ ازل سے چلی آتی ہیں۔ اور ابد تک چلی جائینگی۔ اخلاق۔ مذہب۔ خاندانی تعلقات باہمی محبت و مروت ہر ایک دنیادار کے ساتھ ہے۔ گیانی نے وحدت کے درجے پر چڑھ کر انہیں چھوڑ دیا تو ان کا دنیا سے تو ناس نہیں ہوگیا۔ کیونکہ برتی کے برقع میں آتما ہے۔ اور آتما وہ چیز ہے جسے نہ تلوار کاٹ سکتی ہے۔ نہ آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی بھگو سکتا ہے۔ نہ ہوا سکھا سکتی ہے۔ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ محیط کل ہے۔ اچل ہے۔ امر ہے۔ یہ تو ایسی چیز ہے کہ ہرگز ہرگز اس کا سوچ کرنا لازم نہیں۔ تو سوچ میں کیوں مرا جاتا ہے +

جن شلوکوں یا اشعار میں بھگوان نے آتما کا سروپ بیان کیا ہے وہ کمال نظم و تصنیف پر دال ہیں۔ سُننے والے کی توجہ بے اختیار کھنچتی ہے۔ کہ آتما کو جاننا چاہیئے۔ اس شلوک پر آکر کمال کی انتہا ہے۔ "کوئی اس آتما کو تعجب سے دیکھتا ہے۔ کوئی اس کو تعجب سے کہتا ہے۔ کوئی اس کو تعجب سے سنتا ہے۔ لیکن سن کر بھی اس کو نہیں جانتا" یہ آتش شوق تیز کرنے کا کمال ہے۔ اور ساتھ ہی بات بھی سچّی ہے۔ آتما کو اشیائے مادّی کی طرح نہ کوئی دیکھ کر بیان کر سکتا ہے۔ نہ کوئی بیان کرنے سے سُن سکتا ہے۔ یہ اشراق یا انوبھو کا کھیل ہے۔ حواس یا تعقل کی جولانگاہ نہیں ہے +

حاصل کرنے کی فکر میں ہے۔ اس کا سب سے بڑا اعتقاد ۔ جو۔ شخص پر چڑھا کر اور خود رتھ بان بن کر اُس کو فتح نصیب کیا جاتا ہے ۔ ایشور روپ گورو ہے۔ اس کے اُپدیش سے انجام میں اس کو فتح نصیب ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے۔ لیکن ابتدا کی کشمکش بلا کی ہے۔

ارجن جب اپنے مقابل میں چچاؤں ۔ بھائی بھتیجوں ۔ سسر سالوں ۔ خورد وں بزرگوں سب کو کھڑا دیکھتا ہے ۔ تو دو ۔ کر اُس کو خیال آتا ہے ۔ کہ ان سب کو مار کر میں نے راج حاصل کیا تو کیا خاک حاصل کیا ۔ اس سے تو بھیک کے ٹکڑے مانگ کر کھالینا بہتر ہے۔ اگر یہ مجھ نہتے کو ماریں تو مارنے دو میں ان کو نہیں مارونگا۔ یہ کشمکش ہر ایک جیو کو پیش آتی ہے ۔ جب وہ گیان کے بام عالی پر چڑھنا چاہتا ہے ۔ اُس کی نظر کے سامنے وہ تمام برتیاں یا کیفیت نفس ہوتی ہیں جنہیں وہ اسی جنم میں نہیں بلکہ جنم جنمانتر سے جان ودل سے عزیز سمجھتا چلا آیا ہے ۔ عزیز و اقارب کی محبت ۔ ننگ و ناموس کا پاس ۔ بزرگوں کا ادب دنیاوی استادوں کی عزت ۔ خاندان اور ملک و قوم کی الفت ۔ غرض کس کس چیز کو کہا جاوے ۔ سب سے منہ موڑنا پڑتا ہے ۔ راہ وحدت میں دوئی کا لگاؤ نہیں ۔ یہاں کا سفر یکہ و تنہا کے لئے ہے ۔ ہر قسم کا دوئی کا خیال چھوڑنا پڑتا ہے ۔ اس سے ہر شخص گھبراتا ہے کہ کیسی سخت مصیبت آکر بنی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ارجن یاس بھرے الفاظ میں شری کرشن سے کہتا ہے ۔ کہ میں بھیشم پتامہ جیسے بزرگ کو جن سے میں نے اخلاق اور مذہب کا سبق لیا ہے اور درونا چاریہ جیسے پنڈت کو جن سے فنون جنگ سیکھے ہیں کیونکر اپنے تیروں کا نشانہ بناؤں ۔ لیکن سالک کو دوئی کا ہر ایک خیال ترک کرنا ہے ۔ کیونکہ جس معراج پر پہنچنا ہے وہ یہ ہے ۔ "تمام دھرموں کو چھوڑ کر مجھ ایک کی پناہ لے ۔ سوچ نہ کر میں تجھے سب گناہوں سے نجات دونگا" عالم اسباب میں جن جن اسباب کی زنجیریں آدمی

اعمال غرض جس جس شخص کو جس جس فضیلت کی اپنے درجے کے مطابق احتیاج ہے سب موجود ہے۔ اور اس طرح موجود ہے کہ اس کی تسکین قلب کو کافی ہے۔ اگر ہر شخص کے پہلو سے نظر سے گیتا پر بحث کی جائے تو ایک دفتر چاہیے۔ اس وجہ سے میں گیانی کے نقطۂ نگاہ سے بعض مضامین آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ یہاں گیان کتھاؤں کا سلسلہ چھڑا ہوا ہے۔ اور حق بھی یہی ہے کہ گیتا میں گیان کے پہلو سے نظر سے جو مزا ہے اور وہ اور کسی پہلو سے نظر سے نہیں۔

پہلا سوال یہی ہے کہ کورو کشیتر کا میدان کیا چیز ہے۔ جہاں مہابھارت کا رن پڑا ہے۔ ارجن کون شخص ہے اور شری کرشن کون مہاتما ہیں۔ لڑائی کا باعث کیا ہے اور لڑنے والے کون ہیں۔ مہاراج کورو کشیتر کوئی خطہ زمین نہیں ہے۔ آدمی کے جسم کا نام کورو کشیتر ہے۔ مہابھارت کی لڑائی کہیں باہر نہیں ہوئی۔ بلکہ گھٹ گھٹ میں روز ہوتی ہے ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہمیشہ ہوتی چلی جائیگی۔ مبارک ہے وہ سوربیر جو ارجن کی طرح اس لڑائی کو جیتتا ہے اور سعادت دارین حاصل کرتا ہے۔ ارجن کوئی خاص شخص نہیں ہے۔ بلکہ جیو کا نام ارجن ہے۔ شری کرشن وہ مہان آتما ہے۔ جو باہر گورو کی شکل میں نمودار ہوکر اپدیش کرتا ہے اور اندر ایشور روپ ہوکر ترقی کی تحریک کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ارجن اور شری کرشن کو نر اور نارائن کا اوتار مانا جاتا ہے لڑائی اندھے اگیان کے سو بیٹوں کے ساتھ ہے۔ جن کے لاؤ لشکر کا حساب نہیں ہے۔ کیونکہ اگیان یا جہل و پن۔ ار سے جو جو برتیاں یعنی کیفیات نفس پیدا ہوتی ہیں۔ اُنہیں کون شمار کرسکتا ہے۔ ان سب نے مل کر جن کا سردار دُریودھن نامی اہنکار یعنی خودی ہے۔ جیو کا راج یعنی آتمانند کا سکھ دبالیا ہے۔ اہنکار کا جیتنا بے شک سخت مشکل ہے۔ اسی واسطے اس کا نام دُریودھن یعنی سخت جنگجو رکھا ہے۔ جیو نے جو اہنکار کے دھوکے میں آکر اپنا راج کھودیا ہے۔ اُس کے پھر

کی بات بیان کر رہا ہوں لیکن اُن کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ میں نہ اُن جیسا پنڈت ہوں نہ اُن کی طرح اظہار معانی و مطالب پر قادر ہوں۔ ہاں اس ویاکھیا کا تھوڑا بہت مضمون جو خیال میں ہے۔ اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں ؞

شری مدبھگوت گیتا ایک عجیب کتاب ہے۔ بیسیوں زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو گیا ہے۔ ہر ایک ملک کا آدمی اس کو پڑھتا ہے۔ سینکڑوں لوگوں نے اس پر شرحیں لکھی ہیں۔ ایک زبان میں نہیں بیسیوں زبانوں میں۔ صرف سنسکرت میں اس کے باون ٹیکے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور ہوں تو کس کو خبر ہے۔ لیکن یقین واثق ہے کہ اور ہیں اور ضرور ہیں۔ اس کتاب کو ننھی سے ننھی گیانی پڑھتے ہیں۔ مبتدی سے مبتدی طالب علم پڑھتے ہیں۔ ویدانتی اس کو پرستھان تریہ یعنی ویدانت کی تین بنیادی کتابوں میں داخل کرتا ہے۔ یوگی اسے نہایت اعلےٰ یوگ کا گرنتھ سمجھتا ہے بھگت اسے دل و جاں سے عزیز رکھتا ہے۔ فلسفی کہتا ہے۔ کہ یہ کتاب خاص میرے لئے لکھی گئی ہے۔ کرم کانڈی کہتا ہے۔ بھگوان کا خطاب مجھ سے ہے۔ غرض جس شخص کو دیکھو یہی سمجھتا ہے کہ گیتا خاص اُسی کے واسطے تصنیف ہوئی ہے ؞

اس کتاب کے سات سو شلوک کیا ہیں۔ عجائبات زمانہ ہیں۔ جن میں کرم یعنی اعمال کے مسئلے کی پوری وضاحت ہے۔ جس کی وجہ سے گرہستی گیتا کا شیدائی ہے۔ اس میں بھگتی یعنی عشق الٰہی کے وہ باریک رموز آتے ہیں کہ بھگت انہیں پڑھتے پڑھتے نہیں تھکتے۔ اس میں یوگ اس طرح کے صاف الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ کہ یوگی سر دھنتا ہے۔ اس میں سانکھیہ اور ویدانت یعنی حکمت فطری کو اس خوبی سے لیا ہے۔ کہ تمام ہی باتیں تو آگئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر درجے کا آدمی اس مقدس کتاب کو مزے لے لے کر پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جیسا گیتا کو میں سمجھتا ہوں اور کوئی نہیں سمجھتا۔ اس میں روحانیت۔ مذہب۔ اخلاق ہے

نے شروع سے آخر تک تمام شلوک زبانی پڑھے اور سب سنتے رہے +
اس طرح کوئی ڈیڑھ پونے دو گھنٹے میں پاٹھ ختم ہوگیا۔ اب بارش بند ہوگئی تھی۔ لیکن تاریکی بدستور چھائی ہوئی تھی۔ میں نے باہر نکل کر دیکھا تو بے شک زور کا مینہ نہ تھا۔ لیکن بوندیں ضرور پڑ رہی تھیں۔ میں پھر کوٹھری میں آگیا اور سوامی جی سے حال کہا۔ اُنہوں نے کہا کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ سادھوؤں میں تنکشا کا ہونا لازمی امر ہے۔ آرام سے بیٹھے رہو اور کتھا بارتا چھیڑو۔ یاں چھ گھنٹے رات کاٹنی کون سی بڑی بات ہے۔ باتوں میں معلوم بھی نہیں ہوگی۔ میں نے کہا۔ مہاراج آپ نے بجا فرمایا۔ ہاں ایک عرض ہے اگر آپ منظور فرمائیں۔ سوامی جی نے کہا۔ کہو کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا۔ گیتا کا پاٹھ تو میں نے آپ کو سنایا۔ آپ روز ویاکھیا یعنی تشریح بھی تو کیا کرتے ہیں۔ دیا کر کے وہ بھی روز کی طرح کیجے۔ اس بات کو سن کر سوامی جی ہنسے اور کہنے لگے۔ تم نے اچھی بات سوچی ہے۔ اس وقت ایک ایک شلوک کے معنی اور مطالب کی تشریح تو ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ تو اُسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب آدمی بار بار کتاب کو دیکھ کر بتاتا جائے۔ ہاں ہم تمہارے سامنے گیتا کا سار یعنی خلاصہ مطلب بیان کرتے ہیں۔ جو باتیں کہیں انہیں غور سے سنتے رہو اور دل میں پتھر کی طرح نقش کرتے جاؤ۔ کیونکہ یہ ایکانت کا سماں ہے کوئی آدمی مخل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کا چہرہ بھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ جو مطالب ہم بیان کرینگے وہ ہمارے دل سے نکلے ہوئے ہونگے +
یہ کہکر سوامی جی نے اپنی ویاکھیا شروع کی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ گیتا شاستر کے بڑے بھاری پنڈت تھے اور روزمرہ کی مزاولت سے اس کتاب کے ہر ایک مضمون پر انہیں ایسی قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ ساتھ ہی اُن کا طرز بیان لاجواب تھا۔ رات بھر مداومت کی برکھا رہی کہ کچھ نہ پوچھئے۔ آج میں آپ سے بیس برس

کسی مندر میں جا ٹھیرتے تھے یا ندی تالاب کے کنارے ڈیرا ڈال دیتے تھے۔ صبح اور شام کو مہاراج گیتا کی کتھا کرتے تھے۔ گاؤں یا شہر کے رہنے والے درشنوں کو آتے تھے۔ کتھا سُن جاتے تھے اور ہمارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کر جاتے تھے۔ جہاں زیادہ شردھا والے آدمی تھے وہ اصرار کر کے ہمیں کچھ عرصے ٹھیرا لیتے تھے۔ اور ست سنگ سے فائدہ اٹھاتے تھے۔

ایک دفعہ کیا اتفاق ہوا کہ ہم ایک گاؤں سے کوئی دس بجے صبح روانہ ہوئے۔ چار بجے تک سفر کرتے رہے۔ آسمان پر ابر محیط تھا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے چلے آئے۔ گھنٹہ بھر کا سفر باقی تھا کہ پہلے تو کچھ ننھی ننھی پھوار پڑی جو نہایت خوشگوار تھی بعد میں موسلادھار مینہ برسنے لگا۔ بعینہٖ وہی حال ہوا جو آج ہوا ہے۔ کچھ دور ایک ٹوٹا سا مکان نظر آتا تھا ہم بھاگ کر وہاں پناہ گزیں ہوئے۔ یہ ایک پرانا مندر راستے کے کنارے واقع تھا۔ لیکن چونکہ عرصے سے بے مرمت پڑا تھا اس کے کچھ حصے منہدم ہو گئے تھے۔ ایک کوٹھے کی چھت اور دیواریں سلامت تھیں ہم پانچوں پنڈے اور چھٹے نراین اس میں داخل ہوئے اور انتظار کرنے لگے کہ بارش میں کچھ کمی ہو تو آگے کا راستہ لیں۔

اس انتظار میں شام ہو گئی لیکن بارش میں کمی کے کچھ آثار نمایاں نہیں ہوئے۔ یہ بھی سوچا کہ جگہ جگہ جل تھل ہو رہے ہیں۔ بارش بند بھی ہو گئی تو بھی رات کی تاریکی میں سفر ناممکن ہے۔ سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا کہ ہم رات اسی جگہ بسر کریں۔ چنانچہ ہم نے سفر کا خیال چھوڑ دیا۔ میں نے سر سے چادر اُتاری اور ہم دو چیلوں نے اندھیرے میں جس طرح ہو سکا، بچھا کر سوامی جی کو اس پر بٹھایا۔ اب ایسی تاریکی ہو گئی تھی کہ ہمیں ایک دوسرے کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ سوامی جی نے حکم دیا کہ کتھا کا وقت گزرا چلا جاتا ہے۔ تمہیں سب کو گیتا زبانی یاد ہے۔ پاٹھ شروع کرو۔ میرا لب و لہجہ اوروں سے بہتر تھا۔ چنانچہ میں

بائیسویں سادھو کی کہانی

شردّھا شاستر میں دوسرا پہلو

دودھ والی گائے ہیں سب اُپنشد | اور گوسالہ ہے ارجن شیر خوار
دہنے والے دودھ کے ہیں کرشن جی | شیر خالص کی شری گیتا ہے دھار
دودیہ جس نے پیا امرت پیا | موت سے خائف نہیں وہ زینہار
پھر آتو بھی یہ امرت پی کہ ہے | جان تازہ اس میں بہر جان زار

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج میں آپ کو شاستر کے بچن پر شردّھا کا دوسرا پہلو دکھاتا ہوں۔ میرے گورو شری مدبھگوت گیتا کے بڑے بھگت تھے۔ یہی مقدّس کتاب خود پڑھتے تھے۔ یہی دوسروں کو پڑھاتے تھے۔ اسی کی کتھا بانچا کرتے تھے۔ اسی کا صبح اور شام پاٹھ کیا کرتے تھے۔ ان کی نظر میں یہ کتاب ہر وقت نئی تھی۔ کبھی اس سے اُکتاتے نہیں تھے۔ اور تماشے کی بات یہ تھی۔ کہ جب اس کی تشریح کیا کرتے تھے۔ سُننے والوں کو ہمیشہ اچھوتے اور نئے خیالات معلوم ہؤا کرتے تھے اُن کا مقولہ تھا کہ اس گیتا شاستر کی شردّھا نے مجھے سنسار ساگر سے تار دیا اور میں کیا ہزاروں آدمی ہزاروں برس سے اس کی برکت سے ترتے چلے آتے ہیں۔ غرض شاستر پر شردّھا رکھنے کی مورتی ساکشات میرے گورو تھے۔ انہیں سے میں نے بھی شردّھا کا وہ سبق سیکھا ہے۔ جس کا پھل کہنے میں نہیں آتا ٭

ایک مرتبے کا ذکر سُنئے۔ کہ گورو مہاراج کے ساتھ میں اور میرے چار گورو بھائی اور تیرتھ جاترا کرتے پھرتے تھے۔ ہم سب کے گیروے کپڑے تھے۔ ساز و سامان کچھ ساتھ نہ تھا۔ ہاتھ میں کمنڈل اور ایک ایک گیتا کی پوتھی تھی۔ پیادہ پا سفر کرتے تھے اور جہاں شام ہو جاتی تھی

کیا نہیں اس بات کی تجھ کو خبر | گر نہیں سن کان دونوں کھول کر
اولیا اطفال حق اند اے پسر | حاضری و غائبی اندر نظر

تجھ کو عرفاں میں نہ ہوگا کچھ حصول | کیونکہ ہے اس علم کا پہلا اصول
گر نہ داری سایۂ پیر اے فضول | بس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

رہزنوں کا راہ عرفاں میں ہے ڈر | راہ طے کب ہو سکی بے راہبر
پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر | ہست پر از آفت و خوف و خطر

نفس ہے اے دوست شیطان شریر | سہل ہے اس کا علاج اور دلپذیر
ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر | دامن آں نفس کش را سخت گیر

بات کا میری ہے مطلب صاف صاف | کچھ تعلی ہے نہ یاں لاف و گزاف
ظلِ پیر اندر زمیں چوں کوہ قاف | روح او سیمرغ و بس عالی طواف

حاجت مرشد نہیں ہے بے سبب | آ سمجھ گر دے تجھے توفیق رب
مرد حجی ہمرۂ حاجی طلب | خواہ ہندی خواہ ترکی یا عرب

پیر کی گر ہو گئی تجھ پر نگاہ | پھر تو کیا کہنے ہیں تیرے واہ واہ
اولیا را ہست قدرت از اللہ | تیر جستہ باز گرداند ز راہ

پائیگا اے مہر تو اپنی مراد | ہے اسی میں بہتری رکھ دل کو شاد
پس رو و خاموش باش از انقیاد | زیر ظلِ امرِ شیخ و استاد

گورو آدرش یا آئیڈیل کا نام ہے جتنی کوئی شخص روحانی ترقی کرتا جاتا ہے۔ اتنا ہی یہ آئیڈیل بلند ہوتا جاتا ہے۔ اور اس بلندی کی انتہا یہ ہے۔ کہ انجام میں گورو پربرہم روپ نظر آتا ہے۔ جس اعلےٰ معراج پر چیلے کو چڑھنا ہے۔

مسلمان صوفی بھی مرشد کی اہمیت سمجھتے ہیں۔ اس واسطے اُن کا پہلا مرحلہ فنا فی الشیخ مشہور ہے۔ بس مہاراج میں اس نظم کو پڑھ کر جس میں مولوی معنوی کے کچھ اشعار پر مصرعے لگائے گئے ہیں۔ اپنی کہانی ختم کرتا ہوں۔

گورو کی مہما

شوق ہے اے مہر گر عرفان کا | آسناؤں قول مردانِ صفا
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا | گو نشیں اندر حضورِ اولیا

ہوں اگر انساں کے گوشِ ہوش وا | غیب سے آتی ہے ہر دم یہ صدا
ہمنشینی ساعتے با اولیا | بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

عظمت مرشد ہے بے حد و حساب | بے عدیل و بے مثال و لاجواب
در بشر روپوش کردست آفتاب | فہم کن واللہ اعلم بالصواب

اس کی عظمت کا بتاؤں کیا سبب | ذات حق خود اس طرح فرمائے جب
در دل مومن بگنجم ایں عجب | گر مرا خواہی از آں دلہا طلب

خانۂ کعبہ ہے دل بس پیر کا | مظہر ذات و صفات کبریا
مسجدے ہست اندر دل اولیا | سجدہ گاہ جملہ ہست آنجا خدا

ہے اس لحاظ سے ادب کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ شروع ہی سے چیلے کو یہ دھارنا لازم ہے کہ گورو ایشور کا روپ ہے۔ اور اس کا بچن وید کی طرح ماننے کے لائق ہے۔ اس سے توہّم کثرت جو بند و گرفتاری کا باعث ہے۔ دل سے دور ہوگا۔ اور ایک مورتی کے دھیان سے خیال وحدت کو استحکام پہنچیگا۔ اسی دوئی کے دور کرنے اور وحدت پر پہنچنے کے لئے گورو کا دھیان کیا جاتا ہے اور اُس کی مورتی ایشور مان کر دل میں رکھی جاتی ہے۔ مہاراج تلسی داس جی گورو کو "کرپا سندھو نر روپ ہری" یعنی انسان کی صورت میں کرپا کا سمندر ایشور بتاتے ہیں۔ کبیر جی جو اعلےٰ درجے کے گیانی ہیں فرماتے ہیں +

گورو کو مانُش جو کہیں چرنامرت کو پان
تے نر نرک کے جائینگے جنم جنم ہوشوان
کبیر تے نر اندھ ہیں گورو کو کہتے اور
ہری کے روٹھے ٹھور ہے گورو روٹھے نہیں ٹھور
گورو ہیں بڑے گوبند تے من میں دیکھ بچار
ہری سرجے تے وار ہیں گورو سرجے تے پار

ترجمہ :- جو گورو کو انسان جانتے ہیں اور اُن کی چرنامرت کو پانی سمجھتے ہیں وہ جنم جنم میں کتّے بن کر نرک یعنی دوزخ میں پڑینگے۔ اے کبیر وہ آدمی اندھے ہیں جو گورو کو کچھ اور بتاتے ہیں۔ ایشور کے روٹھے ٹھکانا ہے لیکن گورو کے روٹھے ٹھکانا نہیں ہے۔ گورو ایشور سے بھی بڑے ہیں۔ ذرا من میں بچار کر دیکھو۔ ایشور کے پیدا کئے ہم سنسار ساگر کے وار رہے یعنی دنیا میں پھنسے رہے۔ گورو کے اپدیش سے تر گئے +

ایک سنسکرت کا شلوک زباں زدِ خلائق ہے۔ جس کے معنی میں اگر نگاہ غور سے دیکھا جائے تو بڑی نزاکت نکلتی ہے +

گورو برہما گورو وشنو گورو دیو مہیشورہ
گورو ساکشات پربّرہمہ تسمئی شری گورو ویے نمہ

یعنی گورو ہی برہما ہے۔ گورو ہی وشنو ہے۔ گورو ہی شو ہے۔ گورو ہی ساکشات پر برہمہ ہے۔ اُس شری گورو کو نمسکار ہے +

یاد رہے۔ کہ گورو کی شخصیت محض انسانی و جسمانی نہیں ہے۔ بلکہ

مہاراج موت کی طرح نظر آئے۔ شہر کے لوگوں نے دونوں بھائیوں کو مردوں کو زیور اور آنکھ میں نور و سرور بخشنے والا دیکھا۔ عورتیں دل میں خوش ہو ہو کر اپنی اپنی خواہش کے مطابق یہ دیکھتی ہیں گویا حسن و زینت نے بے مثال جسم اختیار کیا ہے۔ پنڈتوں نے مہاراج کو براٹ روپ کر کے دیکھا جن کے لاانتہا منہ۔ پاؤں۔ آنکھ اور سر ہیں۔ جنک وغیرہ نے یوں دیکھا جس طرح عزیز واقارب پیارے لگتے ہیں۔ راجہ کے ساتھ رانیاں بھی مہاراج کو اپنے بچوں کی طرح دیکھتی ہیں اور اُن کی محبّت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ یوگیوں نے پرم تتو یعنی حقیقت کی طرح دیکھا۔ جو شانت ہے۔ شدھ یا پاک ہے۔ سم یعنی یکساں یا بے تفریق ہے۔ اور سویم جوتی یا نور مطلق ہے۔ بھگتوں نے دونوں بھائیوں کو اشٹ دیو کی طرح سکھ کا دینے والا دیکھا۔ جس بھاؤ سے سیتا مہارانی نے رام چندر جی کو دیکھا وہ سرورِ عشق بیان میں نہیں آسکتا" +

پرم بھگتی اور گیان میں کچھ فرق نہیں ہے۔ گیانی اہم برہم کہتا ہے یعنی میں ہی سب کچھ ہوں۔ پرم بھگت کے لئے ہر ایک رام کا روپ ہے۔ دونوں دوئی کو چھوڑ کر ایک وحدت پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہی ویدانت کی معراج ہے +

اس اعلےٰ گیان کے ساتھ تلسی داس کی شاعری کا رس بھی ہے۔ وہ اچھوتے مضامین اس کتاب میں نظر سے گزرتے ہیں۔ وہ وہ دلکش تصاویر آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔ اور بندش و زبان کے وہ مزے ہیں کہ بس دل ہی لے سکتا ہے۔ زبان بیان نہیں کر سکتی۔ اس کتاب کو سو دفعہ پڑھ لیجے۔ مگر جب پڑھیگا نئی ہے اور اس میں نیا رس ہے جو دیدہ ہے نہ شنیدہ ہے مجھے اسی کتاب کی شردّھا اور گورو کی شردّھا نے سنسار ساگر سے تار دیا۔ میں اس کتاب کو اپنا ایمان سمجھتا تھا اور گورو بھگوان کو ایشور روپ کر کے دیکھتا تھا +

آج کل لوگ گورو ڈم پر ہنستے ہیں۔ یہ انجان اور ناواقف آدمی ہیں اور اس مسئلے کی رمز خفی کو نہیں پہنچے ہیں۔ گورو چونکہ موکش کا راستہ بتاتا

آکر چار لاکھ چور اسی | جات جیو نبھ جل تھل باسی
سیا رام مے سب جگ جانی | کروں پرنام جور یگ پانی

ترجمہ۔ دنیا میں جڑ۔ چیتن جتنے جیو ہیں ان کو سری رام کا سروپ جانکر سب کے پد کمل کو ہمیشہ ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتا ہوں۔ چار لاکھ چوراسی جونوں میں جتنے جیو ہوا میں۔ پانی میں۔ یا زمین پر رہتے ہیں غرض تمام دنیا کو سیتا رام کا روپ جان کر میں دونوں ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتا ہوں +

جہاں مہاراج رامچندر جی جانکی سویمبر میں راج سبھا میں آکر بیٹھتے ہیں وہاں شاعری اور ویدانت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اور کیا خوب فرماتے ہیں۔ چوپائیاں آب زر سے لکھ لینے کے قابل ہیں :۔

جن کی رہی بھاونا جیسی | پربھو مورتی دیکھی تن تیسی
دیکھے ہیں بھوپ مہارن دھیرا | منہو بیر رس دھرے شریرا
رہے اُسر چھل جو نرپ بیکھا | تن پربھو پرگٹ کال سم دیکھا
پور واسن دیکھے دوٗ بھائی | نر بھوشن لوچن سکھ دائی

ناری بلو کہیں ہرش ہیہ نج نج رُچی انوروپ
جنو سوہت شرنگار دھر مورتی پرم انوپ

بدوشن پربھو براٹ مے دیشا | بہو مکھ کر پگ لوچن شیشا
جنک جاتی اولوکہیں کیسے | سجن سگے پریہ لاگت جیسے
سہت بدیہہ بلوکہیں رانی | شِشو سم پریت نہ جائے بکھانی
یوگن پرم تتو مے بھاسا | شانت۔ شُدھ سم سہج پرکاسا
ہری بھگتن دیکھے دوٗ بھراتا | اشٹ دیو اور سب سکھ داتا
رام ہی چیتو بھاو جم سیّا | سو سنیہ سُکھ نہیں کتھینا

ترجمہ:۔ جن لوگوں کا جیسا اعتقاد تھا اسی کے مطابق اُنھوں نے سری رام کی مورتی دیکھی۔ میدان جنگ کے شیر مرد راجاؤں نے یہ دیکھا کہ بیر رس یعنی دلیری مجسم ہیں۔ جو راکشس راجاؤں کا بھیس بنائے بیٹھے تھے اُنھیں

کا بھائیوں سے تعلق۔ خاوند اور بیوی کا رشتہ۔ نوکر اور آقا کا باہمی سلوک راجا اور پرجا کا سلوک۔ غرض نوع انسان کے تمام باہمی تعلقات جس جس پہلو میں درجۂ کمال کو پہنچنے چاہئیں۔ ان کی نہایت ہی دلکش اور خوبصورت تصویریں اس کہانی میں ملتی ہیں۔ اس کتاب کا کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ کتاب ہمہ گیر اور عالم گیر ہے۔ اسی واسطے شری رامچندر جی کو مریادا پرشوتم اوتار کہتے ہیں یعنی اُن کا ہر ایک کام نوع انسان کی تقلید کرنے کے واسطے نمونہ تھا۔ دوسرے تلسی داس گویا مجسم بھگتی کے اوتار تھے۔ تمام کتاب میں شروع سے لے کر اخیر تک۔ اس طرح بھگتی کا آنند کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ کہ جو شخص پڑھیگا اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیگا +

میں نے شردھا کے ساتھ گورو مکھ سے رامائن پڑھی اور اس بھگتی کے بردان سے مستفید ہوا۔ جو گیان مارگ میں بڑے کام کی چیز ہے۔ ویدانت کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو سوکھا گیان ہے۔ اس کا پڑھنے والا محض استدلال عقلی سے کام لیتا ہے اور منطقی تحلیل و ترکیب سے مدارج اعلےٰ پر چڑھنا چاہتا ہے۔ یہ راستہ دشوار گزار ہے۔ بہت کم آدمی ایسے تیز فہم اور فلسفیانہ دماغ والے ہوتے ہیں۔ دوسرا راستہ جو تلسی داس مہاراج کا ہے وہ دلچسپ بھی بہت ہے۔ آسان بھی بہت ہے۔ اور ہر ایک شخص کے لئے کھلا ہوا ہے۔ بچہ۔ بوڑھا۔ جوان۔ مرد۔ عورت سب اس کتاب کو مزے لے کر پڑھتے ہیں اور اس کی برکت سے زندگی میں خوش رہتے ہیں اور عقبےٰ کا وہ تہیہ کرتے ہیں۔ جو بڑا پھل دینے والا ہے + تلسی داس کی شاعری میں بھگتی رس کی کان ہے۔ اور ان کا ویدانت بڑا پیارا ویدانت ہے۔ یہ خودی کو چھوڑ کر جڑ۔ چیتن۔ درخت۔ آدمی جانور سب کو رام روپ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

جڑ چیتن جگ جیو جے۔ سکل رام مے جان

بندوں سب کے پد کمل سدا جوڑ یگ پان

کرتے تھے۔ یوں تو جو کچھ مجھے ملا انہیں کے قدموں کی برکت سے ملا۔ لیکن دو امور خاص کر قابل ذکر ہیں جیسا اوپر کہہ آیا ہوں کہ یہ بڑے بھگت جن تھے۔ جیسی گورو کی بھگتی اور شردھا میں نے ان میں دیکھی کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے تلسی داس جی کی راماین جیسے مزے لے لے کر یہ پڑھا کرتے تھے اور جس طرح مغز سخن کو یہ پہنچتے تھے کم آدمی وہ رس لے سکتے ہیں۔ مجھے بھی انہوں نے بڑے پریم سے راماین پڑھائی اور کچھ عرصے میں میرا حال بھی بعینہٖ انہیں کا سا ہو گیا۔ یعنی جہاں دو چار چوپائیاں پڑھیں اور پریم کا دریا امڈا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے اور منہ سے لفظ نہیں نکلتے تھے۔ اس متبرک شاعری کا رنگ میری اردو نظم پر بھی چڑھا۔ پہلے بھی میری شاعری مزے کی تھی۔ اب لوگ اس کو سن سنکر حیران ہونے لگے۔

مہاراج یہ تلسی داس جی کی راماین بڑی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے۔ ہم ہندوؤں میں مثل مشہور ہے کہ دو کتابوں کو بردان ملے ہوئے ہیں۔ جو شخص یوگ واسشٹ پڑھتا ہے وہ گیانی ہو جاتا ہے اور جو تلسی کرت رامائن پڑھتا ہے وہ بھگت ہو جاتا ہے۔ یہ مثل غلط نہیں ہے یوگ واسشٹ ایک ایسی کتاب ہے۔ جس میں نہایت ہی اعلیٰ درجے کے ویدانت کا اپدیش ہے اور اس پر لطف یہ کہ طرز بیان ایسا دلچسپ ہے کہ بندی بھی مزے لے کر پڑھتے ہیں اور منتہی بھی۔ ہر شخص کے لئے اس کی لیاقت کے مطابق اس پیاری کتاب میں مصالح موجود ہے۔ اور گیان کے مطالب کو بار بار اس خوبصورتی سے سمجھایا ہے۔ کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن میں بیٹھتے ہیں پر بیٹھتے ہیں اور وہ بتدریج گیان کے بام بلند پر آسانی سے چڑھتا چلا جاتا ہے۔

تلسی داس جی کی رامائن کا اور رنگ ہے۔ یہ کتاب گیان کی بجائے بھگتی رس سے بھرپور ہے۔ اوّل تو رامائن کی کہانی کو لیجئے کیسی پیاری کہانی ہے۔ والدین کی اولاد سے محبت۔ اولاد کی والدین سے الفت۔ بھائیوں

تم چاہو تو چار روز میں لکھنا اور پڑھنا دونوں سیکھ سکتے ہو۔ یہ میرا ذمہ رہا۔ کہ چار روز سے زیادہ نہیں لگینگے۔ پڑھنا آگیا تو کتابوں کے سمجھنے میں دیر نہیں لگیگی۔ ہم ہندو ہیں۔ کوئی عرب یا فارس سے تو نہیں آئے ہیں۔ ہندی ہماری مادری زبان ہے۔ اور صاحب زادے ہندی اور سنسکرت میں جو شاعری اور فلسفے کا مزا ہے۔ وہ کسی زبان میں نہیں ملتا۔ کہو تو کل جمنا جی سے آتا ہؤا تمہارے لئے ایک دو کتابیں دریبے سے خریدتا لاؤں ؛

یہ باتیں اُنھوں نے اس شیریں زبانی اور متانت سے کہیں کہ مجھے یہی کہنے بن آئی کہ کتابیں خرید کر میں کل خود در دولت پر حاضر ہونگا۔ وہ ہنسنے لگے کہ جب تمہیں ہندی آتی ہی نہیں ہے تو جانوگے کیونکر کہ دکاندار نے صحیح کتاب دی یا غلط۔ کتابیں میں خود ہی خریدتا لاؤنگا۔ چنانچہ دوسرے روز میں نہا دھوکر بیٹھا ہی تھا کہ وہ بزرگ دو کتابیں لے کر میرے مکان پر تشریف لائے اور بڑے صبر اور خوش مزاجی سے دو گھنٹے مجھے حروف کا لکھنا اور پڑھنا سکھاتے رہے۔ حقیقت میں چار روز کیا تین ہی دن میں میں معمولی کتابیں اور خط لکھنا سیکھ گیا۔ اول اُنہوں نے روانی کے واسطے مجھے دو تین کتابیں معمولی پڑھائیں جن کا بہت سا حصّہ میں خود سمجھ لیتا تھا۔ بعد میں بچار ساگر شروع کی۔ دلیلوں میں اول اوّل طبیعت اُلجھی پھر مزا آنے لگا۔ ہندی سے مجھے سنسکرت کا شوق ہؤا اور اُنہیں بزرگ سے میں نے چھوٹی بڑی کتابیں پڑھیں۔ اور رفتہ رفتہ خود مزے لے کر پڑھنے لگا ؛

ان بزرگ نے نہ مجھے کسی منتر کا اُپدیش دیا نہ اپنا چیلا بنایا۔ لیکن میں تہ دل سے اُن کا ادب کرتا تھا اور مجھے ان سے وہی شردھا تھی۔ جو چیلے کو گورو سے ہونی چاہیئے۔ چنانچہ جو ہدایت دیتے یا جو حکم کرتے میں بسرو چشم بجالایا کرتا اور تن من دھن سے اُن کی خدمت کیا کرتا تھا۔ یہ بھی مجھ پر بہت مہربان تھے اور بڑے شوق اور محبّت سے بتایا اور پڑھایا

اس طرح کی بیس پچیس رباعیات پڑھیں۔ مشاعرے میں شور مچ گیا۔ ہر طرف سے مرحبا اور جزاک اللہ کی صدائیں آنے لگیں اور لوگوں نے فرمائش کر کر کے ایک ایک رباعی مجھ سے تین تین مرتبہ پڑھوائی۔ استاد میری چال نہیں سمجھتے تھے۔ مجھے بخوبی معلوم تھا کہ غزل میں ہم نور الٰہی نور اور اُن کے شاگردوں سے ہرگز بازی نہیں لے جائینگے۔ اس لئے میں نے رباعیات لکھی تھیں۔ تصوّف کے مضامین اور اُن پر چست بندش اور لطف زبان۔ پھر رباعی کے پھڑکتے ہوئے چار مصرعے۔ جن میں ایک دوسرے سے بڑھتا چلا جاتا تھا۔ سب پھڑک گئے۔ اور کئی آدمی بے اختیار بولے جیت لیا ہے مشاعرہ۔ جیت لیا ہے مشاعرہ۔ استاد نے میری پیٹھ پر دست شفقت پھیرا اور میاں نور جل گئے۔ بعد میں اُن میں اور ہمارے اُستاد میں خوب ہجوا ہجوی ہوئی۔ لیکن چونکہ اس کا تعلق اس کہانی سے نہیں ہے۔ میں زیادہ سمع خراشی نہیں کیا چاہتا +

مشاعرے سے میں گھر چلا تو ایک اور شخص نے بھی میری پیٹھ ٹھونکی۔ یہ ہمارے محلّے کے بزرگ ایک بوڑھے کالیستھ صاحب تھے بڑے بھگت جن تھے اور ہم سب اُن کا ادب کیا کرتے تھے۔ کہنے لگے واہ بھئی صاحبزادے آج تو میدان تمہارے ہاتھ رہا۔ بھئی کیا رباعیات پڑھی ہیں کہ پھڑکا دیا۔ بڑے اعلےٰ گیان کے مضامین تھے۔ شاید تم نے ویدانت پڑھا ہے +

میں نے جھک کر آداب عرض کیا اور کہا جناب میں نے ویدانت تو نہیں پڑھا ہے۔ ہاں۔ حافظ۔ سعدی وغیرہ شعرائے فارسی کا کلام بے شک پڑھا ہے اور کبھی کبھی اسی قسم کے مضامین اردو میں باندھ لیتا ہوں۔ یہ سن کر اُنہیں تعجب آیا اور بولے بڑے افسوس کا مقام ہے۔ تمہارے گھر کا شاستر نہایت اعلےٰ درجے کا ہے۔ تم اُسے چھوڑ کر باہر ٹلکریں مارتے پھرتے ہو۔ اپنا شاستر کیوں نہیں پڑھتے۔ میں نے کہا مجھے نہ ہندی آتی ہے نہ سنسکرت۔ پڑھوں تو کیونکر پڑھوں۔ انہوں نے کہا بھئی ہندی سیکھ لینی کون سی بڑی بات ہے۔ حروف تہجی ایسے ہیں کہ

سب سے پیچھے جا بیٹھا۔ جب شمع میرے سامنے آئی تو میں نے عذر کیا کہ بوجہ عدم فرصت طرح کی غزل نہیں لکھ سکا ہوں۔ اجازت ہو تو کچھ رباعیات سناؤں۔ چونکہ میرا کلام بھی لطف سے خالی نہ ہوتا تھا۔ سب نے کہا فرمائیے فرمائیے۔ استاد میرا منہ دیکھتے رہے اور میں نے پڑھنا شروع کیا؛

اُس نے ہی خدا کا نام لے کر لیا | اُس نے ہی یہاں آن کے کچھ کام کیا
جس نے کہ دعا مفلس و محتاج کی لی | جس نے کچھ ہاتھ سے غریبوں کو دیا

خاطر میں ہے اضطراب بیٹھے ہیں یہاں | چلنے ہی کو اے جناب بیٹھے ہیں یہاں
احباب بہت سے جا چکے پہلے مہر | ہم بھی پا در رکاب بیٹھے ہیں یہاں

دنیا کے لئے دین کو کھویا تو نے | غافل اچھی کمائی دنیا تو نے
لازم ہے کہ سب تیرا تماشا دیکھیں | گھر پھونک کے دیکھا ہے تماشا تو نے

بے خود نہیں ہاں خودی سے بیزار ہوں میں | جام وحدت سے مہر سرشار ہوں میں
دیوانہ مجھے کہیں تو پروا کیا ہے | دیوانہ بکار خویش ہوشیار ہوں میں

کیوں عین وصال میں بھی مہجوری ہے | کیوں عین تقرب میں وہی دوری ہے
کہتے ہو قریب تر ہوں تم رگ سے میں | پھر کیوں یہ حجاب اور مستوری ہے

گر سخت کہے تو بردباری کیجے | گر آپ کو کھینچے خاکساری کیجے
اے مہر یہی شرط وفاداری ہے | جس طرح بنے یار سے یاری کیجے

گر شوق ہے یہ کہ روئے دلبر دیکھو | دیکھو اے دوست تو مقرر دیکھو
یاں شرط ہے یہ نہ جیتے جی گھر دیکھو | ہمت کا تقاضا ہے مر کر دیکھو

اکیسویں سادھو کی کہانی

شردّھا۔شاستر ہیں

ہے مطلع انوار شری رامایئن	اور کاشف اسرار شری رامایئن
پڑھ تو بھی اسے مہر کہ ہو تیرے لئے	عینک پئے دیدار شری رامایئن

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج جیوانند نے گورو بھگتی کا منفی پہلو آپ کو دکھایا ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ جس چیلے کو گورو کے بچن میں شردّھا نہیں ہے۔ اس کو ذلّت و خواری نصیب ہوتی ہے۔ میں آپ کو گورو بھگتی کا مثبت پہلو دکھانا چاہتا ہوں یعنی جس شخص کو گورو کے بچن میں شردّھا ہے اور گورو کی آگیا کا پالن کرتا ہے۔ وہ شاستر کا اُتّم ادھکاری ہوتا ہے اور سنسار ساگر تر جاتا ہے ✣

میں دلّی کا رہنے والا کایستھ ماتھر ہوں۔ آسودہ حالی اور فارغ البالی سے زندگی بسر ہوتی تھی۔ دستور کے موافق میں نے فارسی پڑھی تھی۔ تصوّف کا شوق تھا۔ اردو شعر اچھے کہہ لیا کرتا تھا۔ مشاعروں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ اور اہل علم سے میری صحبت تھی۔ ایک مشاعرے کا ذکر سناتا ہوں کیونکہ اس کا میری کہانی سے تعلّق ہے۔ نواب حمیدالدین خاں کی حویلی میں یوں تو پندرھویں دن شعرائے دہلی جمع ہو کر اپنا اپنا حسن طبیعت دکھایا کرتے تھے۔ لیکن ان ایام میں کچھ نامی گرامی شاعر باہر سے بھی آئے ہوئے تھے اور ایک بڑے معرکے کا مشاعرہ ہونے والا تھا۔ ہمارے استاد کریم بخش کریمؔ کی نور الٰہی نورؔ سے لگتی ہوئی تھی چنانچہ اس مشاعرے کے لئے خاص تیاریاں اور طبع آزمائیاں کی گئی تھیں مشاعرے میں پہلے میاں نورؔ اور اُن کے شاگردوں نے غزلیں پڑھیں بعد میں ہمارے استاد اور اُن کے شاگردوں کی باری آئی۔ میں دانستہ اُٹھ کر

چراغ لئے چلا آتا ہے۔ اور اُن کے گورو برہمانند دروازے میں کھڑے ہیں۔ سوامی جیوانند کے اُٹھنے کی دیر تھی کہ برہمانند نے کان پکڑ کے ایک طمانچہ زور سے اس گال پر رسید کیا اور دوسرا اُس پر۔ جیوانند حیران اور پریشان کہ اسرار کیا ہے۔ برہمانند نے کہا کیوں نالائق جیوانند! میں نے تجھ سے نہ کہا تھا۔ کہ عورتوں کا سنگ اچھا نہیں ہے۔ تو نے گورو کی آگیا کا پالن نہیں کیا۔ تجھے گورو کے بچن میں اعتقاد نہیں رہا۔ دیکھ کیا ذلت اُٹھائی ہے۔ کام دئی کوئی عورت نہیں تھی۔ دھنی رام کا بیٹا لکھپت ہی جو پرلے درجے کا شیطان ہے عورتوں کے کپڑے پہنکر میرے ساتھ آیا اور وہ پھوہڑ گنواری نوکرانی میں تھا۔ ہمارے عورتوں کے کپڑے اس بقچے میں بندھے رکھے ہیں۔ اب تیری سزا یہ ہے کہ شیطان لکھپت سارے شہر میں تیری بدنامی کا ڈھنڈورا پیٹے اور تجھے کسی کو منہ دکھانے کو جگہ نہ رہے +

جیوانند گورو کے قدموں میں پڑا اور رو رو کر معافی مانگی۔ سوامی جی نے جب دیکھا کہ اُس کی پشیمانی سچی ہے اور اپنے کئے پر سخت نادم ہے تو اُسے معاف کر کے سر پر دست شفقت پھیرا اور کہا بیٹا اس تبدیل لباس سے ہم تمہیں گورو کے بچن میں بشواس رکھنے کا سبق دینے آئے تھے۔ تم جوان آدمی ہو اور تمہارا عورتوں کے سامنے کتھا کہنا مناسب نہیں ہے۔ آج سے تم ہمارے ساتھ رہو اور اس ستھان کو چھوڑ دو۔ چنانچہ دوسرے روز سے جیوانند گورو کے ساتھ ہو لیا۔ جو جو وہ کہتے تھے وہی کرتا رہا۔ گورو خوش ہوئے اور اپنی کرپا سے گیان کا وہ اپدیش دیا کہ وہ شانت پد میں ستھت ہو گیا۔ یہ کہکر بھگتی بھاو سے پریمی سادھو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور گدگد بچن سے بولا۔ مہاتمائے یہ بتانا شاید ضروری نہیں ہے کہ وہ جیوانند میں ہی ہوں اور سوامی برہمانند آپ کے سامنے بیٹھے ہیں +

آواز آئی۔ جیسے کوئی ڈرتا ہے۔ پھر کچھ باہم سرگوشی کی سی آواز آئی۔ جیسے کوئی بہت دبی آواز سے باتیں کرتا ہے۔ سوامی جی نے پھر کھٹ کھٹایا اور پکارا کہ میں سوامی جیوانند ہوں تم دونوں کو باہر بلاتا ہوں۔ کام دئی نے سہمی سی آواز سے جواب دیا کہ تو سوامی جیوانند نہیں ہے۔ بھوت ہے ہم ہرگز باہر نہیں آئینگے۔ اب سوامی جی ہیں کہ کبھی سمجھاتے ہیں۔ کبھی گڑگڑاتے ہیں۔ کبھی دھمکاتے ہیں۔ اور کام دئی ہے کہ اندر سے کہے جاتی ہے۔ جا بھائی بھوت اپنے گھر جا کر آرام کر۔ تو ہمیں کھانا چاہتا ہے اور ہمیں جان پیاری ہے ہم نہ باہر نکلینگے نہ دروازہ کھولینگے۔

آخر جیوانند نے جھنجلا کر کہا۔ تم دروازہ نہ کھولوگی تو میں لاتیں مار مار کر اس کو توڑ ڈالوں گا اور زبردستی اندر چلا آؤنگا۔ اس پر کام دئی نے قہقہہ مارا اور کہا بھائی بھوت۔ کواڑ مضبوط ہیں۔ تو نے لاتیں چلائیں تو تیرے ہی پاؤں کو تکلیف ہوگی سوامی جیوانند نے طیش میں آکر زور زور سے تین چار لاتیں دروازے پر ماریں۔ لیکن حقیقت میں انہیں کے پاؤں میں چوٹ لگی دروازے پر کچھ اثر نہ ہؤا۔ آخر ایک اور تجویز سوچی۔ دیہاتی کچے مکانوں میں اکثر کڑیاں باہر بھی نکلی ہوتی ہیں۔ انہوں نے ایک بیلچہ دانتوں میں دبایا اور رسی لے کر اور باہر جا کر ایک کڑی میں ڈالی اور چھت پر چڑھے۔

پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب ۔۔۔ سچ ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے

بارش اب بند ہوگئی تھی اور کچی چھت کی مٹی چونکہ تر تھی۔ بیلچے سے تھوڑی دیر میں اتنا سوراخ ہوگیا کہ یہ اندر کود سکیں۔ جو پتلے پتلے تختے چھت کو سہارے تھے۔ وہ انہوں نے زور سے کھینچے۔ کچھ کھرونچیں لگیں کچھ ہاتھ زخمی ہوئے۔ لیکن آخر یہ سوراخ سقف میں سے کودے۔ گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

کودا کوئی یوں گھر میں ترے دھم سے نہ ہوگا ۔۔۔ جو کام ہؤا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

اُن کا کودنا تھا کہ دروازہ چٹ سے کھلا اور کوئی جھپٹ کر باہر گیا۔ ابھی یہ اُٹھنے نہ پائے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان باہر دالان میں سے

دونوں کو کھا جائیگا +

عورتوں نے کچھ خوف کے آثار ظاہر کئے۔ لیکن کوٹھڑی میں جاکر اور دروازہ بند کر کے قفل لگا لیا۔ باہر سے جیوانند نے زنجیر دے دی اور ایک کتاب ہاتھ میں لے کر چراغ کی روشنی میں پڑھنے لگے۔ لیکن آنکھیں کتاب کے حروف پر تھیں اور کان میں کام دئی کی دلفریب باتوں اور دلربا ہنسی کی آواز گونج رہی تھی۔ خیال میں اس کا لاثانی حسن وجمال اور بے مثال ادا و انداز تھے سوامی جی بار بار دل کو ملامت کرتے تھے۔ کہ کیا ناپاک خیالات سے پالا پڑا ہے۔ لیکن ہر پھر کر وہی خیالات پھر عود کرتے تھے اور جیسے بندر والا بندر کو نچاتا ہے ویسے ہی من سوامی جی کو نچاتا تھا۔ آخر سوامی جی اُٹھ کھڑے ہوئے اور کٹی سے باہر نکل کر صحن میں ٹہلنے لگے۔ برسات کی ٹھنڈی ہوا سے آتش شوق اور تیز ہوئی۔ اور کام کی ایسی ترنگیں من میں اٹھنے لگیں کہ بیان سے باہر ہے۔ ہر چند من کو ملامت کرتے تھے۔ کہ کمبخت تو نے گورو کی آگیا کا پالن نہیں کیا۔ یہی تیرا قصور بڑا بھاری ہے۔ اب مجھے کیوں ستاتا ہے۔ مگر چنچل من ہاتھ سے نکلا جاتا تھا۔ اور بار بار کہتا تھا۔ کام دئی کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلواؤ۔ اس کی صورت دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس کے کلام کا امرت رس کان میں ڈالو +

کوئی نصف شب تک یہی کش مکش کی حالت رہی۔ آدھی رات کے بعد بارش ہونے لگی۔ تو سوامی جی اندر گئے۔ بستر بچھا کر لیٹے مگر نیند کب آتی تھی۔ انہیں خیالات میں سرگردان تھے۔ پڑے پڑے گھنٹہ بھر ہو گیا۔ آخر اُٹھے اور پھر کتاب لے کر بیٹھے لیکن ایک لفظ نہ پڑھ سکے۔ گھنٹہ بھر کے بعد جب سخت پریشان ہو گئے تو دل کی مجبوری سے انہوں نے چار ناچار کوٹھڑی کا دروازہ زنجیر سے کھٹ کھٹایا اور کہا۔ کام دئی دروازہ کھول اور اپنی نوکرانی کے ساتھ باہر آ۔ میری نیند اُڑ گئی ہے۔ میں کتھا سناؤنگا اور تم دونوں سننا۔ بار بار کے کھٹ کھٹانے سے ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے کوئی نیند سے اُٹھ کر جماہی لیتا ہے۔ ساتھ ہی ایک ہلکی چیخ کی سی

شرماتی ہے۔ اور دیکھو تو شرم کے مارے کیسا منہ لپیٹے لیتی ہے۔ یہ کہہ کر کام دئی بے تحاشا قہقہہ مار کر ہنسی۔ اس کی ہنسی کی دلربا حرکت سوامی جی کو بہت بھائی اور خود ہنسکر کہنے لگے۔ کام دئی! تجھے تو شرم نہیں آتی۔ کیسے منہ کھولے باتیں کرتی اور ہنستی ہے۔ کام دئی نے مسکرا کر جواب دیا۔ مہاراج مجھے آپ سے شرم کاہکی۔ آپ سنیاسی ہیں۔ اور سنیاسی کی نظر میں تمام عورتیں بیٹی بہنیں ہیں۔ پھر میں آپ کے گورو بھائی کی رشتہ دار۔ آپ سے شرم کرے تو یہ پھوڑ گنواری بڑھیا کرے۔ یہ کہکر پھر اُس نے قہقہہ لگایا *

ابھی یہ دونوں کھڑی تھیں۔ بیٹھنے نہ پائی تھیں۔ کہ جیوانند کے دل نے پھر کہا۔ دیکھ گورو مہاراج کہہ گئے ہیں کہ سنیاسی کے واسطے عورتوں کا سنگ اچھا نہیں۔ ابھی بارش نہیں آئی۔ چل انہیں پاس کے مندر میں پہنچا آ۔ لیکن اپنے دل کو دھوکا دینا کسے نہیں آتا۔ خیال پیدا ہؤا۔ کہ گورو مہاراج عورتوں سے بچنے کو کہہ گئے ہیں۔ تم اس حسینہ کو رات کو یہیں رکھو اور صبح فخریہ گورو سے کہو۔ کہ نوجوان حسین عورت رات بھر کٹی میں رہی۔ لیکن ہم ایسے نفس کش ہیں۔ کہ دل میں ذرا بھی دغدغہ پیدا نہ ہؤا۔ بایں ہمہ جیوانند تھے سمجھدار آدمی۔ سوچنے لگے کہیں ایسا نہ ہو۔ میری نیت میں حقیقت میں ہی فرق آجائے۔ کچھ ایسی تجویز کرنی چاہئیے جس میں سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ یہ سوچکر اُنہوں نے کوٹھڑی کھولی اور اپنا بستر نکال کر کام دئی سے کہا۔ بہن تم دونوں اس کوٹھڑی میں آرام کرو۔ یہ قفل لو۔ اندر سے لگا لینا۔ باہر سے میں دروازہ بند کرکے زنجیر لگا لیتا ہوں۔ دیکھو خبردار خبردار جب تک صبح یہاں ست سنگی جمع نہ ہوجائیں دروازہ نہ کھولنا۔ اس مکان میں ایک بھوت رہتا ہے۔ وہ تم سے کچھ کہے بھی اور اپنا نام جیوانند بتائے بھی تو بھی تم اُس کے فریب میں نہ آنا۔ یہ کوٹھڑی منتروں سے کیلی ہوئی ہے۔ بند دروازے میں کوئی بھوت نہیں جاسکتا۔ ہاں تم نے غلطی سے کھول دیا تو وہ تم

عورت کو دیکھ کر سوامی جیوانند حیران رہ گئے۔ سولہ سترہ برس کا سن وسال تھا اور بلا کا حسن وجمال۔ گورے رنگ پر سونے کے زیور خوبصورتی کو دوبالا کیئے دیتے تھے۔ لباس خوش رنگ پہنے ہوئے تھی اور جامہ زیبی اُس پر ختم تھی۔ معلوم ہوتا تھا کسی شریف گھرانے کی لڑکی ہے اور جانی پہچانی صورت ہے۔ چنانچہ سوامی جیوانند نے اس سے پوچھا۔ دیوی تم کون ہو اور رات کے وقت اس سنسان جنگل میں کس مطلب سے پھر رہی ہو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے تمہیں پہلے دیکھا ہے ۰

حسینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ہاں مہاراج۔ میں اپنی ماتا کے ساتھ کئی دفعہ آپ کے ست سنگ میں کتھا سن گئی ہوں۔ آپ کے گرہستی گورو بھائی دھنی رام کے خاندان میں سے ہوں۔ اور کام دئی میرا نام ہے۔ پاس گاؤں میں سسرال ہے۔ میکے یعنی باپ کے گھر جاتی تھی۔ کام دھندے میں وقت گزر گیا۔ دیر کر کے چلی تھی۔ مگر خیال تھا شام تک گھر جا پہنچونگی۔ میری یہ نوکرانی بوڑھی ہے۔ بہت ہولے ہولے چلتی ہے۔ راستے میں کالی گھٹا گھر آئی اور اندھیرا چھا گیا۔ میں نے سوچا سوامی جی کے ہاں کچھ ست سنگی ابھی ہونگے۔ وہ مجھے گھر پہنچا دینگے۔ اکیلے جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن سب ست سنگی چلے گئے ہیں۔ اور مینہ سر پر کھڑا ہے۔ سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ آج رات کو مجھے آپ اسی پوتر استھان میں ٹھیرنے دیں۔ آپ سادھو جن ہیں اور بیکسوں کی امداد آپ کا فرض ہے ۰

حسینہ کی آواز نہایت شیریں تھی اور طرز کلام ایسا دلربا اور خوش انداز تھا کہ جیوانند متحیر ہو گئے۔ کہنے لگے ہاں دیوی تمہاری صورت دھنی رام کے لڑکے لکھپت رائے سے بہت مشابہ ہے۔ دھنی رام ہمارے گورو بھائی ہیں۔ اس کٹی کو اپنا گھر سمجھو اور تم اور یہ بوڑھی نوکرانی شوق سے یہاں رہو۔ پھر بوڑھی عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ کیوں مائی تو کچھ کیوں نہیں بولتی۔ کام دئی نے ہنس کر کہا۔ مہاراج یہ پھوہڑ گنواری ہے بولتے

پر بھی چوٹ لگی۔ لیکن ساتھ ہی صبح کی گورو کی باتیں بھی یاد آئیں۔ کہ سنیاسی کے گھر عورت کا آنا اچھا نہیں ہے۔ دل نے کہا کٹی کا دروازہ نہ کھولو اور آپ ہمراہ جا کر ان عورتوں کو یا تو شہر میں پہنچا دو۔ یا راستے میں جو مندر دس منٹ کی راہ ہے وہاں چھوڑ آؤ۔ یہ اس پس و پیش میں تھے کہ وہی شیریں آواز پھر کان میں آئی۔ مہاراج کیا سوامی جیوانند تم ہی ہو۔ تمہارا گیان اور مہماں نوازی دور دور مشہور ہے ہم غریب عورتوں پر رحم کرو۔ ہمیں کوئی اس سنسان جگہ مینہ بوندی میں لوٹ نہ لے یا ہماری عزّت نہ خراب کرے۔ جیوانند کے دل نے پھر کہا۔ دیکھ تو سنیاسی ہے رات کے وقت سنیاسی کی کٹی میں عورت کا کیا کام۔ ابھی وقت ہے انہیں اور جگہ پہنچا آ۔ گورو مہاراج بھی عورتوں کے سنگ سے منع کر گئے ہیں۔ پھر وہی شیریں آواز آئی۔ مہاراج بولتے کیوں نہیں +

اس وقت یہ شیریں آواز کفایت کر گئی۔ جیوانند نے کہا۔ ہاں میں ہی جیوانند ہوں۔ ٹھیرو دروازہ کھول کر چراغ روشن کرتا ہوں۔ یہ کہکر دروازہ کھولا اور کٹی میں آکر چراغ روشن کیا۔ کٹی ایک بڑے احاطے میں تھی۔ جس کے چاروں طرف کچّی مٹّی کی دیوار تھی اور اس میں دروازہ تھا۔ شمال رویہ ایک بڑا دالان تھا جس میں کتھا ہؤا کرتی تھی اور ست سنگی آکر بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے پہلو میں ایک کوٹھری تھی۔ دالان کھلا ہؤا مکان تھا۔ مگر کوٹھڑی میں کواڑ تھے اور قفل لگایا جا سکتا تھا۔ اس میں سوامی جی کا اسباب بھی رکھا رہتا تھا اور جاڑے میں سونے کے کام بھی آتی تھی +

چراغ روشن ہؤا تو سوامی جی نے دالان کی دہلیز پر دو عورتوں کو کھڑا پایا۔ ایک ان میں سے بوڑھی معلوم ہوتی تھی اور اس کے لباس سے عیاں تھا کہ ملازمہ ہے۔ اس کے کندھے پر کپڑوں کا ایک بقچہ تھا۔ کچھ اُس کے باعث اور کچھ اُس کی میلی چادر کے باعث جس میں اس کا چہرہ کچھ کچھ چھپا ہؤا تھا اس کی صورت صاف نظر نہیں آتی تھی۔ دوسری

شام کے وقت جیوانند نے روز کی طرح کتھا کہی اور حسب دستور غروب آفتاب سے کچھ پہلے ختم کردی تاکہ لوگ رات سے پہلے گھر جا پہنچیں۔ جب سب سننے والے چلے گئے تو جیوانند اُٹھ کر باہر ٹہلنے لگے۔ بڑا سہانا سماں تھا اور اس سے بھی سہانا ان کا استھان تھا۔ کٹی کے قریب ہی ایک خوشنما پختہ تالاب بنا ہوا تھا اور اس کے کنارے کہن سال درخت سایہ افگن تھے۔ ان میں سے کسی میں پھول آتے تھے کوئی پھلوں سے لدے ہوئے کھڑے تھے۔ ٹھنڈی خوشبودار ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور جانور درختوں پر بیٹھے نغمہ خوانی کر رہے تھے۔ یہ بہت دیر تک اپنے باغیچے اور باہر کے درختوں کے جھنڈ میں گلگشت کرتے رہے اور غروب آفتاب کی بہار دیکھتے رہے۔ جانب مشرق سے ابر سیاہ اٹھتا آتا تھا۔ لیکن مغرب کے بادل نیرنگہائے شفق سے رنگین ہو رہے تھے۔ اور درختوں کی پھننگ پر ابھی سونا سا منڈھا ہوا نظر آتا تھا +

رفتہ رفتہ ہوا زیادہ تیز ہوتی گئی اور آناً فاناً میں کالے کالے بادل تمام آسمان پر چھا گئے۔ جیوانند ٹہلتے ٹہلتے کٹی سے کچھ فاصلے پر نکل گئے تھے۔ جلد جلد واپس آئے کہ کہیں بارش نہ آ جائے۔ یہ قدم اُٹھائے چلے آتے تھے کہ سامنے سے ایسی آواز آئی۔ جیسے کوئی عورت پاؤں میں زیور پہنے چلی آتی ہے۔ کٹی قریب ہی تھی ادھر تو یہ پہنچے۔ اُدھر دروازے کے قریب ہی زیور کی جھنکار کان میں آئی۔ اُنہوں نے پوچھا کون ہے۔ کیونکہ اب تاریکی میں صورت نہیں نظر آتی تھی۔ ایک نہایت ہی دلگداز اور شیریں آواز گوش زد ہوئی۔ کیا سوامی جیوانند کی کٹی یہی ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہاں یہی ہے۔ تم کون ہو۔ اسی شیرینی کے ساتھ جواب ملا کہ دو مسافر عورتیں ہیں۔ مینہ آیا چاہتا ہے اور ہم شہر جایا چاہتی ہیں۔ راستے میں آ گیا تو مصیبت ہوگی۔ کٹی میں پناہ گزیں ہونے کو آئی ہیں +

آواز نہایت ہی شیریں اور دلگداز تھی۔ اس سے جیوانند کے دل

کو لائق چیلے کا یہ انکسار بہت پسند آیا صدق دل سے اس کی سعادتمندی اور لیاقت کی داد دی۔ اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے +

جب لوگ چلے گئے اور یہ دونوں گورو چیلے اور سوامی برہمانند کے دو تین گرہستی چیلے جو اسی شہر میں رہتے تھے رہ گئے تو وہ جیوانند سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ بیٹے جیوانند تمہاری کتھا کی تعریف ہم سے اکثر لوگ کیا کرتے تھے۔ آج ہم نے اپنے کانوں سے سنی۔ اور حق یہ کہ جیسی تعریف لوگ کرتے ہیں اُس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیا صبح شام روز ایسی ہی بھیڑ یہاں رہتی ہے۔ جیوانند نے کہا۔ مہاراج صبح مرد اور عورتیں زیادہ آتی ہیں اور شام کو کم۔ کیونکہ یہاں سے شہر کا فاصلہ دو میل سے کچھ زیادہ ہے۔ ہاں شام کے وقت بھی کچھ مرد اور بعض عورتیں روز آ ہی جاتی ہیں +

سوامی برہمانند بولے۔ دیکھو بیٹے۔ تم نوجوان نوعمر آدمی ہو تمہاری کٹی میں نوجوان عورتوں کا دونوں وقت آنا مناسب نہیں ہے۔ یہ کام یعنی جذبہ نفسانی ایک بڑی طاقتور چیز ہے۔ عورتوں کا سنگ سنیاسی کے لئے نازیبا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ تمہارا سنیاس کا برت بھنگ ہو جائے اور پشیمانی اُٹھانی پڑے۔ جیوانند کے گورو بھائی بھی اس بات پر مسکرائے۔ لیکن خود جیوانند کو گورو کا بچن اور گورو بھائیوں کا مسکرانا تلخ گزرا۔ ہاں پاس ادب سے صرف اتنا کہا۔ کہ مہاراج میں ان عورتوں کو گھر بلانے نہیں جاتا۔ اپنی سردھا سے کتھا سننے چلی آتی ہیں۔ اب تک آپ کی کرپا سے کام نے مجھے کبھی نہیں ستایا۔ آئندہ سے اور احتیاط رکھونگا۔ سوامی برہمانند چیلے کی بے رخی کو تاڑ گئے کیونکہ ایک زمانہ دیدہ اور سنجیدہ آدمی تھے۔ خیر بات آئی گئی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد برہمانند کے گرہستی چیلوں نے کہا۔ مہاراج شہر چلئے۔ جیوانند نے کہا مہاراج یہیں ٹھیرئے۔ کچھ دیر کی قیل وقال کے بعد آخر فیصلہ یہی ہؤا کہ برہمانند اپنے گرہستی چیلوں کے ساتھ شہر چلے گئے اور کہتے گئے کہ صبح پھر درشن دینگے +

جاتی ہیں +

گورو کے بچن پر شردھا کی ایک کہانی میں آپ کو سناتا ہوں۔ شاستر کے بچن پر شردھا کی کہانی کوئی اور مہاتما سنائینگے۔ چونکہ شردھا وان آدمی ہوں۔ اس واسطے کوئی من گھڑت قصّہ آپ کے سامنے بیان نہیں کرونگا بلکہ سچّا نتیجہ خیز واقعہ سناؤنگا +

ایک سادھو شہر سے دو میل کے فاصلے پر ایک جنگل میں کُٹیا بناکر رہتے تھے۔ اُن کا نام جیوانند تھا۔ پچیس چھبیس برس کا سن وسال۔ کشیدہ قامت خوش اندام آدمی تھے۔ شاستر میں اچھا دخل تھا اور قوّت تقریر نہایت اچھی پائی تھی۔ صبح شام کتھا بانچا کرتے تھے اور اور اُس کی شہرت دور و نزدیک پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے پریمی بھگت کیا مرد اور کیا عورتیں سننے آیا کرتی تھیں۔ صبح کے وقت زیادہ اور شام کو کم۔ وجہ یہ تھی کہ جہاں ان مہاتما کی کٹی تھی۔ وہاں ایک خوبصورت تالاب بھی تھا۔ صبح لوگ چلے جاتے تھے وہیں اشنان کرتے تھے اور ٹھیر کر کتھا سنتے تھے۔ عورتوں کی شردھا ہندوستان میں مشہور ہے۔ بہت سی دیویاں صدق عقیدت سے مہاتما سادھو کے درشنوں کو جاتی تھیں اور کتھا کا امرت رس پان کرتی تھیں +

ایک دن کا ذکر سنئے کہ یہ مہاتما کتھا بانچ رہے تھے کہ ایک بوڑھا سادھو آیا۔ اور وہ بھی سننے والوں کے حلقے میں بیٹھ گیا۔ جیوانند کا دھیان کتاب کی طرف تھا۔ اُنھوں نے اُسے نہ دیکھا اور بڑی فصاحت وبلاغت سے خوش کلامی کے ساتھ کتھا کہتے رہے۔ جب ختم کر چکے اور لوگ اُٹھے۔ اس وقت اس سادھو پر ان کی نظر پڑی۔ یہ ان کے گورو تھے۔ جن کا نام آپ کے اسم مبارک کی طرح برہمانند تھا۔ جیوانند چوکی پر سے اُتر کر گورو کے قدموں پر گرے اور معافی چاہی کہ مجھے آپ کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ کتاب کی طرف ایسا دھیان تھا کہ آپ آکر بیٹھ گئے اور میں پڑھتا اور تشریح کرتا رہا۔ چوکی پر بیٹھے رہنے کی معافی چاہتا ہوں۔ گورو

آنکھیں بند کرکے گورو یا شاستر کی ہر ایک بات خواہ اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے آمنّا وصدّقنا کہہ کر اندھوں کی طرح مانتا چلا جائے۔ بلکہ دونوں جگہ دلیل عقلی کے لئے میدان کھلا پڑا ہے اور بحث کی جتنی چاہیے گنجائش موجود ہے۔ لیکن دلیل و بحث ایک تو محض جاہلانہ ہوتی ہے۔ جس میں بحث و دلیل صرف بحث و دلیل کی خاطر کی جاتی ہے اور دوسری اس غرض سے کہ اس بحث و دلیل سے کسی نتیجے پر پہنچنا ہے۔ پہلا شخص لفظی ہیر پھیر کے دائرے میں محدود رہتا ہے اور دوسرا مغز سخن کو پہنچکر تسلّی اور تسکین قلب حاصل کرتا ہے۔ پس ایسی بحثوں اور دلیلوں سے پرہیز لازم ہے جن کا نتیجہ سوائے سر کھپانے کے اور کچھ نہیں۔

یہاں شردّھا یعنی خوش اعتقادی درمیان میں آتی ہے اور آدمی کو کجروی سے بچا کر سیدھے راستے کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی کو شردّھا کا سبق بچّے سے لینا چاہئے۔ اس سے کہتے ہیں۔ پڑھ الف۔ وہ کہتا ہے الف اور پہچان کر اس کو یاد کر لیتا ہے۔ اگر وہ شروع ہی سے یہ اعتراض کرے کہ اس حرف کا نام میں الف کیوں کہوں کچھ اور کیوں نہ کہوں تو وہ نعمت علم سے محروم رہ جائیگا۔ شری بھگوان کرشن نے گیتا میں کہا ہے کہ گیان شردھا والے آدمی کو نصیب ہوتا ہے اور گیان سے وہ پرم شانتی کو پہنچتا ہے۔ یہ مقولہ من وعن درست ہے اور اس کی وجہ اظہر من الشمس ہے۔ گیان کا راستہ کٹھن ہے اور گیان مشکل چیز ہے۔ مبتدی شروع کرتا ہے تو اُس کی سمجھ میں نہ پوری طرح گورو کی بات آتی ہے نہ شاستر کا لیکھ آتا ہے۔ لیکن اپنا قصور فہم وہ گورو اور شاستر کے سر پر رکھا چاہتا ہے اور اپنی غلط فہمی اور نادانی کا اعتراف نہیں کیا چاہتا۔ اس ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر شردّھا سے کام لینا چاہئے۔ اور بھروسا رکھنا چاہئے کہ گورو اور شاستر سچ بات کہتے ہیں۔ آج میری سمجھ میں نہیں آتی کل آئیگی۔ ایسی شردّھا والے آدمی سے گورو خوش ہوتا ہے۔ شوق سے بتاتا اور سمجھاتا ہے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا پردۂ جہالت و تاریکی دور ہو کر گیان کی آنکھیں کھُل

اور بعد میں انہیں سے ہم نے سنیاس لیا تھا۔ مہاراج یہ میری تتکشا کی کہانی ہے اسی تتکشا نے مجھے شاستر کا شوق دلایا۔ اس نے مجھے گیان کتھا سنوائی۔ اسی نے مجھے مہاتماؤں کے درشن کرائے اور اسی نے گورو کے چرنوں کی برکت سے مجھے سنسار سے تار دیا۔

یہ کہکر شانتی گری خاموش ہوئے تو سوامی برہمانند نے کہا۔ تتکشا کا اُنگ صاف ہوگیا۔ اب کوئی مہاتما شردھا پر کہانی شروع کرو۔

پانچویں سمپتی۔ شردھا یا اعتقاد

بیسویں سادھو کی کہانی

شردھا۔ گورو میں

درکار ہے راہ گیر کو راہنما	اپنا خود آپ ہی نہ ہو راہنما
عرفاں کے ہیں پیچدار رستے ان میں	چل راہ وہی چلائے جو راہنما

کر قول بہ ارباب ہدایت کے یقیں	یہ قول ترے واسطے ہے حبل متیں
تاثیر دوا نہیں ہو تو کیونکر ہو مہر	بیمار کو اعتقاد ہی جبکہ نہیں

ایک مہاتما بولے۔ مہاراج۔ شردھا کے معنی اعتقاد یا یقین کے ہیں۔ اصطلاح میں شردھا گورو یا شاستر کے بچن میں اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں۔ یعنی گورو نے جو کچھ کہا ہے یا شاستر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ٹھیک ہے۔ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو سمجھ کا قصور ہے۔ گورو یا شاستر کا قصور نہیں۔ جہاں اس اعتقاد کے ساتھ تعلیم لی جاتی ہے۔ وہاں بہترین نتائج حاصل ہوا کرتے ہیں۔ جہاں یہ خوش اعتقادی نہیں ہے۔ وہاں آدمی کے پلّے کچھ نہیں پڑا کرتا۔ الٹا محروم رہا کرتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں۔ کہ آدمی

یہ بھی منظور نہ ہو۔ تو میری رخصت کی عرضی کو میرا استعفا سمجھیں۔ میں گھر جاتا ہوں۔ لیکن دفتر میں کام کرنے کو نہیں جاؤنگا +

یہ سن کر صاحب کے کان کھڑے ہوئے۔ میں کلارکوں میں سب سے زیادہ باقاعدہ کام کرنے والا اور حاضر باش آدمی تھا۔ اور مجھ سے سب خوش تھے۔ صاحب کو بھی میرا حال بخوبی معلوم تھا۔ متعجب ہوکر کہنے لگے۔ شانتی نراین مجھے تم سے ایسی باتوں کی ہرگز توقع نہ تھی۔ خیر میں بڑے صاحب سے ذکر کرونگا۔ میں نے کہا۔ میرے تو چھوٹے صاحب اور بڑے صاحب دونوں آپ ہیں۔ میں بڑے صاحب کو نہیں جانتا۔ جب تک آپ مجھ سے گھر جانے کو نہیں کہینگے۔ میں اس کمرے سے نہیں جاؤنگا۔ یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا۔ اچھا جاؤ۔ آج سے تمہاری تین ماہ کی چھٹی منظور ہے۔ تنخواہ کے بارے میں چٹھی تمہارے مکان پر پہنچ جائیگی۔ اصل میں کلارکوں کو چھٹی دینا اسی کے اختیار میں تھا۔ چنانچہ اُسی روز شام کو مجھے چٹھی پہنچی کہ تمہاری تین ماہ کی رخصت استحقاقی بلا وضع تنخواہ منظور ہے +

میں دس بجے ہی دفتر سے چلا آیا تھا۔ اور راہ میں عہد کرتا آیا تھا۔ کہ دھوپ ہو یا مینہ ٹھیک بارہ بجے گھر سے چل کر سادھو مہاتما کی سیوا میں پہنچا کرونگا۔ پہلے روز جب گھر سے چلا تو بارش ہو رہی تھی۔ رستے میں خوب زور کا مینہ برستا رہا۔ لیکن میں نے پروا نہ کی۔ بھیگتا چلا گیا۔ جاکر مہاتما جی سے سارا حال کہا۔ وہ میری شردھا اور نشٹھا سے خوش ہوئے اور مجھے پہلا سبق ایشو پنشد کا دیا۔ دوسرے روز سخت دھوپ تھی اور بارش کے بعد انتہا کی گرمی تھی۔ میں نے اُس کی بھی پروا نہ کی اور ٹھیک اس وقت گھر سے چل کر مندر میں پہنچا۔ اسی طرح برابر تین مہینے روز جاتا اور اپنشد پڑھتا رہا۔ اس پڑھنے اور سادھو مہاتما کے اپدیش سے میری آنکھیں کھلیں اور میں شانت پد کو پہنچا۔ یہی مہاتما کچھ سال بعد پھر ہمارے شہر میں آئے تھے۔ اس وقت میں اور انندی پرشاد دونوں اُن کے چیلے ہوئے تھے

سادھو کے بھی درشن کرینگے۔ راستے میں سے ایک دکاندار سے کچھ آم خریدے اور میں جمنا کے کنارے مندر میں پہنچا۔ شام کو میری طرح بہت سے ست سنگی جمع ہوا کرتے تھے۔ اس وقت ایکانت اور شانتی تھی۔ مہاتما مجھے دیکھ کر خوش ہوئے میں نے آم تواضع کیئے جو انہوں نے ایک دو رکھ کر باقی پرشاد کے طور پر بانٹ دئیے۔ بہت دیر تک گیان چرچا ہوتا رہا اور وہ مجھے اپنشدوں کی باریک باتیں سمجھاتے رہے۔ مجھے ایسا آنند آیا کہ میں نے اُن کے قدم پکڑ لیئے اور کہا مہاراج مجھے آپ ایک دو اپنشد پڑھاویں۔ انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ لیکن میں صبح یا شام کے وقت ہی آسکتا تھا اور یہ دونوں وقت ایسے تھے کہ یہاں بھیڑ رہا کرتی تھی +

گھر آکر میں نے سوچا کہ پڑھنا ایکانت میں ہوا کرتا ہے۔ اور ان مہاتما کی ایکانت دوپہر ہی میں ممکن ہے۔ دفتر سے دو تین مہینے کی چھٹی لے لو۔ پوری تنخواہ پر مل گئی تو واہ واہ ہے۔ نہیں تو نصف یا کل تنخواہ پر لے لو۔ کیا ہوا دو تین مہینے روپے کی تنگی بھگت لینگے۔ تھوڑا بہت روپیہ تو آخر موجود بھی ہے۔ چنانچہ دوسرے روز میں نے دس بجے جاتے ہی تین مہینے کی درخواست ہیڈ کلارک کے سامنے پیش کی۔ یہ ایک انگریز تھا۔ پہلے ہی سوال کیا۔ تمہیں کام کیا ہے۔ میں نے سچ سچ کہہ دیا کہ ایک سادھو سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ کہ تم کوئی لڑکے نہیں ہو۔ پڑھنے کی چھٹی کیسی۔ میں بہتیرا کہتا رہا۔ مگر صاف جواب دیتا رہا۔ آخر کہنے لگا۔ جاؤ اپنا کام کرو +

مجھے غصہ بے شک آیا لیکن تکشا کی عادت تھی۔ ضبط کیا اور کہا۔ صاحب میں کام کرنے نہیں جاؤنگا۔ آپ کو معلوم ہے۔ میں نے برسوں سے کبھی چھٹی نہیں لی۔ بیماری اور تندرستی میں برابر دفتر آتا رہا ہوں۔ آج آپ سے درخواست کی ہے یہ موقع محض اتفاق اور خوبیٔ قسمت سے مجھے ملا ہے۔ اگر میں نے نہیں پڑھا اور اسے ہاتھ سے کھو دیا۔ تو تمام عمر پچھتاؤنگا آپ پوری تنخواہ پر چھٹی نہ دیں نصف پر دیں یا بے تنخواہ دیں۔

بتائی یا طرح دے گئے لیکن میں نے تتکشا سے کام لیا اور بعجز وادب کہا کہ میں آپ کی لیاقت کا امتحان لینے نہیں آیا۔ بلکہ متلاشئی حق ہوں۔ مجھے ادھکاری سمجھ کر کچھ بتاتے اور گیان کا اپدیش دیجئے۔ اس طرح ایک دو روز کی ملاقات کے بعد یہی دیکھا کہ ہر شخص التفات کرنے لگا۔ اور مجھے شوق سے بتانے لگا ٭

اس طرح میرا کتابی مرحلہ بہت کچھ طے ہو گیا۔ اصطلاحات زبان پر چڑھ گئیں۔ بحثیں سمجھ میں آنے لگیں۔ تقریر کا نفس مطلب ذہن میں بیٹھنے لگا۔ غرض میں شرون یا علم الیقین کے درجے پر پہنچا۔ لیکن ویدانت کی کتابوں میں جس گیان کے آنند کا جگہ جگہ ذکر آتا ہے۔ ابھی میں اُس سے کوسوں دور تھا۔ باربار دل میں خیال آتا تھا۔ کہ تم نے ابھی کتابوں کے لفظ پڑھے ہیں۔ کسی برہم نشٹ مہاتما کو ڈھونڈھو۔ وہ تمہیں رستا بتائیگا۔ اور گیان کے بام عالی پر چڑھائیگا۔ ابھی اور تتکسا درکار ہے۔ اس تلاش میں مہینوں کیا برسوں گذر گئے ٭

مہاراج جو ینامہ پابندہ مشہور ہے۔ برسات کا موسم تھا۔ اس موسم میں سادھو سفر نہیں کیا کرتے۔ بلکہ جس شہر میں ہوتے ہیں چار مہینے وہیں قیام کیا کرتے ہیں۔ دہلی میں جمنا کے کنارے ایک مندر میں سادھوؤں کی ایک منڈلی آکر ٹھیری۔ چونکہ میں بھی ست سنگی تھا۔ مجھے بھی اطلاع ہوئی۔ اور میں بھی پہنچا۔ یہ کوئی دس بارہ سادھو تھے جو ایک بڑے مہاتما کے چیلے تھے۔ میں نے بھی ان مہاتما کے درشن کئے۔ بڑے بھاری پنڈت تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ سارے شاستر کا سار ان کی ہتیلی میں تھا۔ بات چیت کرکے نہایت طبیعت خوش ہوئی اور میں شام کو دفتر سے آکر ان کے پاس جانے لگا ٭

ایک دن دفتر میں تعطیل تھی۔ دوپہر کے وقت ابر ہو رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ غرض بڑا سہانا سماں تھا طبیعت میں امنگ تھی کہ باہر سیر کرنے چلیئے۔ چنانچہ چھڑی لے کر جمنا کا رُخ کیا۔ خیال آیا کہ مہاتما

کیا۔ کتاب میں سے صفحہ دو صفحے پڑھے اور پھر اُس کو بند کرکے دل میں مطلب سوچنا شروع کیا۔ کہ تم نے کیا پڑھا اور اُسے کیا سمجھے۔ اوّل اوّل اس محنت سے طبیعت بھاگی۔ لیکن بعد میں مزا آنے لگا ؛

پنڈت کوئی تین مہینے کتھا کہتا رہا۔ اس عرصے میں میری بیچار ساگر تقریباً ختم ہو گئی اور اُس کی گیتا کی تشریح مطالب سے بھی مجھے بہت کچھ امداد پہنچی۔ چونکہ اُس کی لڑکی کی شادی تھی۔ اُسے دو تین مہینے کے واسطے باہر جانا ضروری تھا۔ چنانچہ کتھا ختم کرکے وہ چلا گیا۔ جب یہ ست سنگ کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو میرا دل گھبرایا۔ میں نے دوستوں اور اہل محلہ سے کہا۔ بھائیو تین مہینے کیسا آنند رہا ہے۔ سب ایک جگہ مل بیٹھتے تھے اور گیان کا امرت رس کان میں پڑتا تھا۔ کوئی اور کتھا بٹھاؤ تو کیسی اچھی بات ہے۔ مندر کی شوبھا اسی میں ہے۔ کہ وہاں گھڑی دو گھڑی لوگ جا بیٹھا کریں اور گیان کی باتیں سنا کریں ۔

مہاراج اس بات سے بعض تو سنتے ہی کانوں پر ہاتھ رکھ گئے کہ روز کون جھمیلے میں پڑے اور کہاں سے چڑھاوا چڑھائے۔ بعض کچھ نیم راضی ہوئے۔ دو تین نے رضامندی بھی ظاہر کی۔ میں نے کانوں پر ہاتھ رکھنے والوں کی طعن و تشنیع سنی۔ نیم راضی لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑے۔ راضی لوگوں کی ہمت بڑھائی۔ غرض سب کی خوشامد درآمد کرکے دوسرے ہی روز ایک اور پنڈت سے اسی مندر میں لوگ واسشٹ کی کتھا شروع کرا دی ۔ چنانچہ وہ روزانہ ست سنگ کا سلسلہ اور اُس کا آنند۔ برابر اسی طرح جاری رہا۔ منقطع نہ ہونے پایا ؛

ساتھ ہی میں ایسا بھی کرتا رہتا تھا۔ کہ جہاں کسی لائق پنڈت یا سادھو کو یہ سنا کہ شہر میں آیا ہے۔ فوراً اس کے درشنوں کو گیا کچھ مٹھائی یا پھل تحفے کے طور پر لے گیا۔ نمسکار کرکے بیٹھا اور ادب سے اپنی انہیں سنائی اور اُن کی سنی۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے یا دوسرے روز انہوں نے زیادہ التفات نہیں کیا۔ بلکہ بعض نے میرے سوالات پر مجھے ڈانٹ بھی

اور انگریزی خوانوں کو تو اور بھی دقّت روبکار ہوتی ہے۔ پرانے خیالات جن میں تمام عمر گزری ہے دل سے نکالنے پڑتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے خیالات قائم کرنے پڑتے ہیں۔ یہ آسان بات نہیں ہے۔ بہت مشکل ہے۔ اور بہتیرے غریب چونکہ اس دقّت کا سامنا نہیں کر سکتے۔ شاستر شروع کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور ادھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔ بھائی شانتی نراین کہیں تمہارا بھی یہی حال نہ ہو۔ اس لئے ہمت کی کمر باندھو۔ اور شاستر کے مضمون سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے میں تتکشا سے کام لو۔ لیکن دل نے کہا کام لو تو کس طرح لو۔ مجھے گیتا کا وہ شلوک یاد آیا جہاں بھگوان کہتے ہیں کہ گیان سیکھنا ہو تو آدمی گیانیوں کی خدمت میں انکسار ظاہر کرے۔ اُن کی خدمت کرے۔ اُن سے جا کر پوچھے۔ خوش ہو کر وہ اُسے بتائینگے +

ہمارے محلّے کے مندر میں ایک پنڈت گیتا کی کتھا بانچتے تھے۔ میں نے عہد کیا کہ بلا ناغہ روز سننے جایا کرونگا۔ چنانچہ جس روز تک وہ ختم ہوئی میں برابر جاتا رہا۔ روز جو مطالب وہ سمجھاتے تھے میں گھر آکر انہیں سوچا کرتا تھا اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھیں دوسرے روز اُن سے پوچھا کرتا تھا۔ اس طرح کچھ عقدے حل ہوئے۔ پنڈت نے مجھے یہ صلاح دی تھی کہ تم ویدانت کا کوئی گرنتھ پڑھ لو تو گیتا کو اچھی طرح سمجھ سکو گے۔ چنانچہ اسی پنڈت سے میں نے بچار ساگر شروع کر دی۔ صبح آدھ گھنٹے پڑھ آتا تھا۔ اس کے مطالب سوچا کرتا تھا۔ اور جو سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ دوسرے روز جا کر اُس پر بحث کیا کرتا تھا۔ لیکن شاستر سمجھ میں آتے سے ہی آتا ہے۔ اعتراض طبیعت میں بہت اُٹھتے تھے اور اور جوابوں سے پوری پوری شانتی نہیں ہوتی تھی۔ میں گھبرایا نہیں۔ بلکہ اُسے اپنے فہم کا قصور سمجھا۔ چنانچہ میں نے ایک کاپی بنائی۔ اور اس میں بچار ساگر کے مطالب کا خلاصہ لکھنا اور اُسے یاد کرنا شروع کیا۔ اس سے طبیعت پر زور پڑا۔ مطالب کتاب پر غور و خوض کرنے کی عادت ہوئی۔ اور اصطلاحات و مطالب دل میں کچھ بیٹھنے لگے۔ ساتھ کے ساتھ ایک اور عمل کرنا شروع

خدا نے ہم کو دیا اختیار و آزادی | کیا نہ خلق ہمیں مثل مجرمانِ اسیر

جو مجھ سے پوچھو تو نیکی کا راستہ ہے وسط | نہ رہتی یہ ہے یہ اور نہ اُس کی ہیچ تقریر
کچھ ایسے کام ہیں وابستہ ہیں مقدر سے | کچھ ایسے ہیں کہ ہیں محتاجِ ناخنِ تدبیر
سبب جو پوچھو تو فکرِ معاش و فکرِ معاد | جہاں میں ہوتے ہیں دو آدمی کے دامنگیر
زبسکہ فکر ہیں دو چاہئیں علاج بھی دو | علاج ایک ہے تدبیر دوسرا تقدیر
معاش کا جو تفکر ہے چھوڑ دو اس کو | معاش چیز ہی کیا ہے کہ ہو قلیل و کثیر
جو دیکھو کھود کے شاہ و گدا کی قبروں کو | سوائے خاک نہ دیکھے گی خاک چشم بصیر
غرض تفکرِ دنیا و فکرِ مال و منال | بغیر فکر کے کر دو حوالۂ تقدیر
رہی معاد سو یہ چیز جاودانی ہے | بجا ہے اس میں جو ہو صرف ہمتِ تدبیر
یہاں ہے کام جو تدبیر کا ہے کام کہیں | یہاں ہے چارۂ تدبیر نسخۂ اکسیر

کلام مہر جلد اول

اسی اصول پر میں نے کارسندی شروع کی۔ دل کو سمجھایا کہ بھائی دنیا کے چھوٹے چھوٹے معاملات سے دق ہونا مناسب نہیں ہے۔ کھانے پینے رہنے سہنے اور عیش و آرام کے اسباب جو کرموں کے پھل ہیں خود بخود مل جاتے ہیں۔ ان میں کیا ہائے ہائے کرنی۔ تم سے گائے۔ بھینسیں بدرجہا بہتر ہیں۔ کہ کھونٹے سے بندھی کھڑی رہتی ہیں۔ اچھا چارہ ملا اچھا کھا لیا۔ بُرا ملا بُرا کھا لیا۔ نہ کسی سے دکھڑے رونے جاتی ہیں نہ کسی سے شکوہ و شکایت کرنے جاتی ہیں۔ اس کھانے پینے۔ رہنے سہنے بن تنکنا کا سبق ان سے سیکھو۔ رہا روحانی سدھار فکر کرو تو اس میں کرو۔ سعی کرو تو اس میں کرو۔ کوشش ہو تو اس میں ہو۔ محنت اٹھاؤ۔ تکلیف گوارا کرو۔ اور جس طرح ہو سکے عاقبت سدھارو دنیا میں کیا رکھا ہے ایک دن مر جانا ہے۔ اور تمام مال و اسباب جس کے لئے اتنی سختیاں سہتے ہو۔ سب یہیں چھوڑ جانا ہے +

میں نے کچھ ویدانت سنا سنایا تھا۔ لیکن شاستر کا مضمون کٹھن ہے

سے انہیں کیوں نہیں دبا سکتے۔ دانا آدمی عقل سے کام لیتے ہیں۔ اور جن حالات اور تعلقات میں پرانے کرموں نے انہیں لا ڈالا ہے۔ ان سے بلند تر اٹھنا چاہتے ہیں۔ جو دنیاوی عظمت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ دنیاوی حالت سدھار لیتے ہیں۔ جو عقبےٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ عقبےٰ سدھار لیتے ہیں۔ آدمی بالذات آزاد ہے۔ کیونکہ اُس کی ذات نوری ہے خاکی نہیں۔ یہ سچ آنند برہم روپ ہے۔ مایا کا غلام نہیں۔ کرم کے بندھن میں پھنسنا خود اسی کا قصور ہے کسی اور کی طرف سے مجبور نہیں۔ گیان کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ اپنی ذات کو پہچانے اور تمام کرم کی بیڑیاں توڑ ڈالے اس لحاظ سے انسان پر نظر کیجئے تو وہ آزاد محض ہے +

ہم نے سوچنے والی طبیعت پائی تھی اور ان دونوں مسئلوں۔ یعنی مجبوری و آزادی پر خوب غور و خوض کیا تھا۔ حضرت مہر علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا ہے +

تدبیر و تقدیر

جہاں میں آدمی ملتے ہیں دو طرح کے مہر
مقولہ ایک کا یہ ہے ہر ایک فردِ بشر
مشیّت ازلی میں جو ہو چکا مرقوم
اگر ارادۂ انساں پہ حصر کام کا ہو
اسی سبب سے ہے کل سعی سعیٔ لاحاصل

وہ کون قائلِ تدبیر و قائلِ تقدیر
خدا نے خلق کیا محض بستۂ زنجیر
مجال کس کی ہے جو کر سکے اُسے تغییر
تو حرف آتا ہے بر قدرتِ خدائے قدیر
کبھی جبیں کی مٹائے نہیں مٹی تحریر

فریقِ ثانیہ کو اتفاق اس سے نہیں
نہ کیجے سعی تو بے سعی کام کیونکر ہو
نہ کامیاب ہوا انسان اگر ارادے میں
کھلی ہے راہ ترقی جہاں میں چار طرف

وہ مانتے ہیں کہ ہے مایۂ ظفر تدبیر
بلا دوا نہیں ہوتا مرض علاج پذیر
تو یوں سمجھ لو کہ کوتاہ اس کی تھی تدبیر
کوئی نہ اس پہ چلے تو اُسی کی ہے تقصیر

اس کو خداوند کریم کی رحمت سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ سے ایک کرم کا بھوگ ختم ہوتا ہے اور انسان کے لئے ترقی کا راستہ کھلتا ہے۔

اے مہر حکیم دے اگر تلخ دوا | بیجا ہے مریض کی شکایت بیجا
حکمت ہیں شدے حکیم مطلق کی فعل | شاید کہ مصائب ہی میں ہو تیرا بھلا

خالی نہیں حکمت سے کبھی فعل حکیم | پھر اس پہ حکیم بھی کریم اور رحیم
کیوں تلخ دوائے غم سے گھبراتا ہے | نادان کہاں گئی تری طبع سلیم

یہاں جبر و اختیار کا مسئلہ اٹھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا انسان آزاد ہے یا محض کرموں کے بندھن میں گرفتار ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی۔ بادی النظر میں یہ دونوں باتیں باہم متضاد نظر آتی ہیں۔ لیکن نگاہ غائر سے دیکھئے تو بالکل سچ ہیں۔ خاص کرموں نے ہمیں خاص حالات اور تعلقات زندگی میں لاکر جنم دے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات اور تعلقات کے بند سے نکل کر سو میں سے ننانوے آدمی بھی نمایاں کارنامے نہیں دکھا سکتے۔ اور ایسا ہی دیکھنے میں بھی آتا ہے۔ مثلاً جو شخص افغانستان کی کسی وحشی قوم میں پیدا ہوتے ہیں ان میں سے تقریباً ہر ایک کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی زندگی وحشیانہ ہی گزریگی۔ مدارج علم و ہنر میں ترقی نہیں کر سکینگے۔ ماسوا اس کے بعض اعمال ایسے طاقتور بھی ہونگے کہ انسان کیسی ہی تدبیر سے کیوں نہ کام لے اور اعمال اُن کو دبا نہیں سکینگے اور وہ اپنا پھل دئے بغیر نہیں رہینگے۔ یہ عاقل اور جاہل دونوں کی صورتوں میں یکساں کام کرتے نظر آئینگے۔ بس سو میں سے ننانوے آدمی کرم کے بندھن سے نہیں نکل سکتے۔ اور روزمرہ کا تجربہ بھی اسی امر کا شاہد ہے اس لحاظ سے آدمی مجبور یعنی بندۂ اعمال ہے۔ لیکن عقل چاہتی ہے کہ چونکہ پرانے کرم ہمارے ہی کرم ہیں ہم اور بہتر کرموں کے ذریعے

انّیسویں سادھو کی کہانی

تتکشا۔شاستر کی تحصیل میں

رستہ ہے معرفت کا دشوار گزار   سعی و محنت ہے ہر اس میں درکار
منزل پہ پہنچ جائیگا ہولے ہولے   اے مرد خدا ذرا تو ہمت مت ہار

شانتی گری بولے۔مہاراج تتکشا کا جو پہلو آنند گری جی نے آپ کو دکھایا وُہ معمولی دنیا دار کی نظر سے دکھایا ہے۔میں آپ کو گیان کی راہ میں تتکشا کا رنگ دکھاؤنگا۔اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے کہ تتکشا کے ابتدائی مراحل اسی طرح طے کئے جاتے ہیں جس طرح آنند گری نے کئے ہیں۔جو لوگ تسلیم و رضا کے مسلک پر گام زن ہو کر اپنے دنیاوی معاملات تقدیر پر چھوڑ دیتے ہیں۔اُن کی زندگی بڑی خوشی سے گزرتی ہے ؎

کارساز ما بہ فکر کارِ ما   فکر ما در کارِ ما آزار ما

جن بُرا نے اعمال نے ہمیں یہ جنم دیا ہے وہ کسی کے اعمال نہیں ہمارے ہی اعمال ہیں۔پس ان کا ثمرہ بھی ہمیں بھوگنا پڑیگا رو کر بھوگیں یا ہنسکر بھوگیں۔ان سے گریز نہیں۔پس شکوہ و شکایت لاحاصل ہے۔صبر و تحمل سے کام لینا چاہئیے اور مارے مارے نہ پھرنا چاہئیے۔

بے سود تگ و دو کے نو چکر میں ہے   ملجائیگا جو تیرے مقدّر میں ہے
دیے جاتے ہیں خود کارکنان تقدیر   باہر ہے کہ گھر آدمی گھر میں ہے

سعی و تدبیر تو ہے اپنی اپنی   لیکن ملتا ہے جو مقدر ہے وہی
اے ہر سمندر میں لگا کر غوطہ   کوڑی لاتا ہے کوئی موتی کوئی

اس لئے جو مصیبت آدمی پر پڑے اس کا خوشی سے استقبال کرنا چاہئیے اور

عادت نہیں۔ تکلّف کی دعوتیں ہم سے نہیں بن آئیںگی۔ ہاں زیورسا اور کپڑا حیثیت کے مطابق دینگے۔ چونکہ دونوں سمدھیانوں کی رائے کے مطابق شادی ہوئی تھی۔ کسی بات میں ذرا بھی گفت وشنید کی نوبت نہیں آئی۔ ہاں رشتہ دار اور بعض اہل برادری نے ہمیں کچھ صلواتیں سنائیں۔ وہ ہم نے خندہ پیشانی سے سن لیں اور سن کر چپکے ہو رہے ٭

اچھوں کو بُرا اور بُروں کو بھی بُرا | کہنے آئے ہیں لوگ دنیا کے سدا
تو مان بُرا نہ ان کی باتوں کا مہر | ان کو یوں چین ہے نہ ووں چین ذرا

مہاراج یہ میری تنکشا کی کہانی ہے۔ اس تنکشا کا ایک پہلو میں آپ سے کہنا بھول گیا۔ کہ میں نے اور میرے بھائی نے یہ بھی عہد کر لیا تھا کہ جو آمدنی ہمیں ہوگی۔ اس میں سے دو پیسہ فی روپیہ ایشور کے نام کا نکالینگے اور محتاجین اور مستحقین کو خیرات کیا کرینگے۔ ایشور کے نام پر دینے میں کبھی گھاٹا نہیں ہے۔ ہماری آمدنی روزمرہ بڑھتی چلی گئی اور ہم ہمیشہ خوش رہے۔ اس تنکشا سے مجھے شانتی نصیب ہوئی اور طبیعت مطمئن رہنے لگی۔ میں نے اپنے لڑکوں کو بھی یہی چلن سکھایا چنانچہ آج وہ بڑے آدمی ہیں اور خوش گزران کر رہے ہیں۔ میں کتھاؤں اور سادھو سنگوں میں بھی برابر جاتا رہتا تھا۔ اس سے مجھے ویدانت شاستر کا شوق ہؤا۔ پہلے کچھ کتابیں شانتی نراین سے پڑھیں۔ بعد میں ایک مہاتما سادھو آگئے۔ اُن سے ہم دونوں پڑھتے رہے۔ پچپن سال کی عمر میں جب تمام دنیوی مرحلے طے کر چکے تو انہیں مہاتما کے ہاتھوں ہم نے سنیاس دھارن کیا۔ شانتی نراین اب شانتی گری کہلاتے ہیں۔ دیکھئے وہ بیٹھے ہیں۔ چونکہ تنکشا کا سبق انہوں نے ہی مجھے سکھایا ہے۔ یقین ہے۔ کہ وہ آپ کو بھی ابھی تنکشا کا کوئی اور پہلو دکھائینگے ٭

سوامی پرہمانند شانتی گری سے مخاطب ہو کر بولے۔ ہاں۔ بھائی تنکشا کا کوئی اور پہلو دکھاؤ سب سادھو منتظر ہیں ٭

نہیں ہے +

میرا بھائی انٹرنس میں پاس ہوگیا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے جو اس پر بہت مہربان تھے مدرسے میں تیس روپے ماہوار پر نوکر کرا دیا اور ایک لڑکے کے پڑھانے پر بھی مقرر کر دیا۔ ادھر وہ چالیس روپے مہینہ لانے لگا۔ اُدھر مجھے دس روپے کی ترقی مل گئی۔ اسّی روپے مہینے کے مہینے گھر میں آنے لگے۔ ایک روز میں نے اور میرے بھائی نے پھر باہم مشورہ کیا کہ ابھی اسی طرح غریبانہ زندگی بسر کئے جاؤ اور باپ کا قرض جو ہمارا فرض ہے پہلے اُسے اُتارو پھر بہن کی شادی کرو بعد میں دیکھا جائیگا۔ ماں چھوٹی بہن کی شادی کے لئے کہتی رہی کہ گیارھویں سال ضرور کر دینی چاہئے۔ لیکن ہم نے برادری میں ناک رکھنے کی پروانہ کی اور یہی کہا کہ تیرھویں یا پندرھویں سال میں کرینگے ہم بچپن کی شادی کے سخت مخالف ہیں۔ عورتیں زیور اور کپڑوں کو کہتی رہیں لیکن ہم نے قرض کا اُتارنا فرضِ اہم سمجھا۔ پندرہ روپیہ ماہوار مجھے بچتا تھا۔ چالیس پینتالیس روپے بھائی لے آتا تھا۔ چھ مہینے کے عرصے میں قرضہ بیباق ہوگیا۔ جس روز میں ساہوکار سے باپ کا تمسک لے کر گھر آیا تھا مجھے ایسی خوشی ہوئی تھی کہ گویا بادشاہت مل گئی۔ چنانچہ میں نے سارے گھر کو مٹھائی بانٹی اور آپ بھی خوب کھائی +

اگلے دو سال میں ہمارا خرچ بے تنک بڑھا اور ہمیں ایک نوکر بھی رکھنا پڑا لیکن ہم نے عہد کر لیا تھا۔ کہ کم از کم تیس روپے ماہوار تنخواہ میں سے بچائینگے اور جو اور زائد آمدنی ہوگی وہ بھی بچائینگے۔ چنانچہ ان دو سالوں میں تقریباً ایک ہزار روپیہ بچا اس میں سے پانسو روپے بہن کی شادی کے لئے رکھ لئے شادی کے بارے میں ہم نے صرف نائی اور برہمنوں پر انحصار نہ رکھا۔ بلکہ خود اپنی مرضی کے مطابق گھر اور لڑکا دیکھ کر شادی کی۔ سمدھیوں سے پہلے خود ملے اور اچھی طرح اُن کے ذہن نشین کر دیا کہ ہم شادی میں اندھا دھند روپیہ نہیں لٹائینگے۔ نمائش اور دنیا دکھاوا ہماری

ہوئی ہے۔ مہاراج لوگ ہوا وہوس میں مرے جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہوس کے پورے ہونے سے جو خوشی ہوتی ہے وہ اعلےٰ درجے کی ہے۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اپنی ذات پر تکلیف اُٹھاکر اوروں کے فیض پہنچانے سے جو سرورِ قلبی حاصل ہُوا کرتا ہے۔ وہ بے نظیر و بے مثال ہے ؏

خیر دس روپے تو میں نے بھائی کو دیدئے۔ لیکن جاڑے کے کپڑوں کے فکر میں تھا۔ پہلے سوچا کچھ کم داموں کا کشمیرا خرید لاؤں اس میں شک نہیں کم قیمت کشمیرے بہتیرے بکتے ہیں۔ لیکن ان میں یہ عیب ہے کہ نہ تو دوسرے سال کسی کام کے رہتے ہیں نہ جاڑا جاتا ہے۔ میں نے وضعداری پر لعنت کی۔ بازار جاکر دو تھان موٹی ململ کے خرید لایا اور انہیں رنگوا کر سارے گھر کے روئی کے کوٹ گھر میں عورتوں سے سلوالئے۔ کرتوں کے لئے موٹا گاڑھا خریدا۔ یہ فلالین سے زیادہ گرم۔ نرم اور پائیدار چیز ہے۔ اس طرح ہم سب گرم ہوگئے۔ میں دفتر جاتا تو روئی کا کوٹ نیچے پہن جاتا اور اوپر دہری گرمی کا گجراتی کپڑے کا کوٹ۔ جوتا موٹا ہندوستانی پہن لیا جو تین روپے کے انگریزی بوٹ کی بجائے صرف ایک روپے میں مل گیا۔ دفتر کے کئی کلارکوں نے مجھے نگاہ حقارت سے دیکھا اور بعض نے آوازے بھی کسے کہ روپیہ تو لالہ انندی پرشاد جمع کرتے ہیں۔ لیکن میں سب کی باتوں کو پی گیا اور کسی کو جواب نہیں دیا ؏

میری اس تنکشا سے گھر میں بہبود کی صورت نظر آنے لگی۔ ہم موٹا کھاتے تھے۔ موٹا پہنتے تھے اور خوش رہتے تھے۔ انہیں باتوں پر ہمارے انگریزی خواں بابو جن کی معاشیں بالعموم قلیل ہیں عمل کریں تو ان کی زندگی کیسی خوشی سے بسر ہو سکتی ہے۔ لیکن ظاہری ٹیپ ٹاپ پر لوگ ایسے مرتے ہیں کہ اپنی زندگی تلخ کر لیتے ہیں۔ دفتر کے بابو لوگوں کی دیکھا دیکھی مجھے سگرٹ نوشی اور دو بجے کی ٹفن کا شوق ہوگیا تھا۔ وہ بھی میں نے چھوڑا۔ اور صبح شام پیٹ بھر کر روٹی کھانے لگا۔ مہاراج بھوک میں آدمی سوکھی روٹی بھی کھائے تو اس سے زیادہ میٹھی اور لذیذ چیز کوئی دنیا میں

دھونے آتی تھی۔ ان کو دو روپے ماہوار دئے جاتے تھے۔ ایک برہمنی دو روپے ماہوار پر دونوں وقت روٹی پکا جاتی تھی۔ آج کل کی عورتوں کا حال سب کو معلوم ہے کہ اُنھوں نے بالکل ہاتھ پاؤں چھوڑ دئے ہیں بیمار رہتی ہیں مگر ورزش کرنے سے جی چراتی ہیں اور آپ جانیں عورتوں کی ورزش یہی ہے کہ گھر کے کاروبار میں ہاتھ پاؤں سے کام لیں۔ میں نے اپنے بھائی سے صلاح کرکے ایک دن ماں اور سب عورتوں سے کہا کہ چار روپے مہینہ دینے کی اس قلیل معاش میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم دونوں بھائی پاس کے کنوئیں پر نہانے جاتے ہیں دو دو کلسے پانی بھی لیتے آیا کرینگے۔ روٹی اور برتنوں کا بندوبست تم کرو۔ اس سے تمہارے ہاتھ پاؤں بھی کھلینگے اور خرچ میں بھی بچت ہوگی۔ جب مردوں نے پانی بھرنا منظور کر لیا تو عورتیں روٹی پکانے سے کیونکر انکار کر سکتی تھیں۔ سب نے منظور کر لیا۔ اور اس طرح چار پانچ روپے ماہوار بچنے لگے۔

دہارا سر پر چلا آتا تھا اور ہم غریبوں کے پاس پچھلے سال کا کیا کپڑا دھرا تھا جو پہنتے قرض لے کر بنوانے کا ارادہ تھا لیکن کچھ بچت ہوئی کچھ مجھے اجرت پر کام مل گیا۔ دیوالی کے بعد پچیس روپے میرے پاس تھے۔ اپنے واسطے میں کشمیرے کا سوٹ اور انگریزی بوٹ خریدنا چاہتا تھا۔ کیونکہ دفتر میں سب کلارکوں کی یہی وردی تھی اور میرا جوتہ بھی پُرانا ہوگیا تھا اور کوٹ بھی پھٹ گیا تھا۔ سوچا یہ تھا کہ دس بارہ روپے اپنے لئے صرف کروں گا اور باقی کنبے کے کپڑوں پر۔ ایک روز چھوٹے بھائی نے مجھ سے کہا کہ امتحان کے لئے دس روپے فیس کے درکار ہونگے ان کا بندوبست پہلے سے ضروری ہے۔ وقت پر کہیں منہ دیکھنے نہ رہ جائیں۔ میں نے اپنے پرانے گجراتی کپڑے کے کوٹ اور ٹوٹے جوتے پر نگاہ حسرت ڈالی اور کہا بھائی اس وقت دس روپے موجود ہیں تو لے جا کر کسی کے پاس جمع کرادے خرچ ہوگئے تو حقیقت میں وقت پر کیا کرینگے۔ چنانچہ وہ روپے میں نے دیدئے۔ اس ایثار سے بھی نہ پوچھئے کہ مجھے کیسی خوشی

مگر میں مسکرا کر ٹالتا رہا۔ تین بجے بھائی آیا تو دیکھ کر حیران ہؤا اور چار بجے شانتی نراین آئے تو وہ اس سے بھی زیادہ حیران ہوئے۔ آج شانتی نراین کو بخار نہیں آیا تھا۔ ہم دونوں نے میرے مکان پر مونگ کی دال اور روٹی کھائی۔ بعد میں بیٹھ کر میں نے اپنا حال سنایا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ اسی پہ کاربندی کرو۔ اور ہر ایک بات کو نگاہ غور سے دیکھتے رہو۔ رفتہ رفتہ عادت ہو جائیگی۔ اور جن باتوں سے دق رہا کرتے ہو۔ وہ میری طرح تمہیں بھی معمولی باتیں ہو جائینگی۔ رات کو ہم کتھا میں گئے۔ اور میں نے عہد کر لیا کہ روز بلا ناغہ اسی طرح جایا کرونگا +

بخار کا موسم تو تھا ہی۔ میں اچھا ہؤا تو چھوٹی بہن کو آنے لگا بچوں کی بیماری گھر والوں کے لئے مصیبت ہوا کرتی ہے۔ دوا پیتے نہیں۔ کھانے پینے پر جھگڑتے ہیں۔ تکلیف میں روتے چلّاتے ہیں۔ پہلے بھی جب کبھی یہ بیمار ہو جاتی تھی تو مجھے سخت مصیبت معلوم ہؤا کرتی تھی۔ اب کی دفعہ میں نے طبیعت کو ضبط کیا اور پیار سے اُسے دلاسا دیتا رہا۔ دو روز ماں نے جو دوا کھی پلائی۔ تیسرے روز فائدہ نہ ہؤا تو بید سے دوا لایا۔ بچی کی عمر کوئی نو برس کی تھی۔ اڑ کر بیٹھ گئی۔ کہ بھائی تو مجھے مار یا پیٹ میں دوا نہیں پیونگی۔ پہلے میں نے بیماری میں اس دوا نہ پینے پر ہی کئی بار اسے مارا پیٹا تھا۔ لیکن اس دفعہ نہایت پیار چمکار کر کہا۔ میں تجھے مارونگا نہیں۔ بید جی سے آپ جا کر میٹھی دوا لایا ہوں۔ اور پی لیگی تو دیکھ یہ گڑیا دونگا۔ یہ کہکر چینی کی گڑیا جیب سے نکالی۔ بہن بیچاری نے ایسی الفت کی باتیں مجھ سے کہاں سنی تھیں۔ جھٹ آنکھ بند کر کے دوا پی لی۔ میں نے گڑیا بھی دی دو پیسے بھی دئے۔ اور کہا انہیں جمع کرتی جا۔ اچھی ہو جائیگی تو جو کچھ کہیگی لا دونگا۔ بچی خوش ہوگئی اور محبت کے جوش میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے پیار کیا اور بیان نہیں کر سکتا مجھے کیسی خوشی ہوئی +

بیماری سے فرصت پائی تو میں نے اور طرف توجہ کی۔ میری معاش قلیل تھی۔ مگر اس پر بھی ایک پنہارا گھر میں پانی بھرتا تھا اور ایک کہاری برتن

اس تقریر نے میرے دل پر بڑا اثر کیا۔ شانتی نراین مجھے گھر تک پہنچا گئے۔ لیکن تمام راستے میں یہی سوچتا چلا آتا تھا کہ اب تک میری زندگی کیسی غلطی کی زندگی رہی ہے۔ میں ہمیشہ قسمت کو روتا رہا۔ تکلیفوں سے گھبرایا کیا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے دکھ اٹھایا کیا۔ مجھے اپنی زندگی میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ قسمت میرے ہی اعمال ہیں انہیں اور بہتر اعمال سے کیوں نہ دباؤں اور آپ تکلیف سہ کر اوروں کو فائدہ کیوں نہ پہنچاؤں اس سے تقدیر بدل جائیگی اور بہتری صورت دکھائیگی *

گھر آیا تو ماں۔ بیوی۔ بھائی سب انتظار کر رہے تھے کہ آنندی پرشاد ہائے ہائے کرتے آتے ہونگے اور آتے ہی سارے گھر کا دم ناک میں کر ڈالینگے مجھے مسکراتا دیکھ کر سب کو حیرت ہوئی۔ ماں نے کہا۔ بیٹا اب جی کیسا ہے کچھ کھائیگا۔ میں نے کہا میں بھلا چنگا ہوں۔ کھانا شانتی کے ساتھ کھا آیا ہوں۔ تم سب آرام سے سوؤ۔ خیر سب سو سلا رہے۔ دوسرے دن کی چھٹی میں دفتر سے لے آیا تھا۔ صبح بھائی نے پوچھا کہ کہو تو مدرسے نہ جاؤں تمہارا دل پھر کہیں نہ گھبرائے لیکن میں نے مردانہ وار کہا کہ بخار چڑھا بھی تو بھی میں آج نہیں گھبراؤنگا۔ تم بے شک مدرسے جاؤ۔ دوا میں نے آنکھ بند کر کے خوشی سے پی لی اور وقت پر مونگ کی دال اور روٹی مزے سے کھالی۔ گھر والوں کو تعجب تو بہت ہوا۔ لیکن کسی نے منہ سے کچھ نہیں کہا۔ کیونکہ مجھ سے سب ڈرتے تھے *

وہی کل کے وقت یعنی دوپہر کو مجھے انگڑائیاں اور جمھائیاں آنی شروع ہوئیں۔ ماں نے بچھونے بچھانے کا فکر کیا۔ لیکن میں نے کہا۔ میں لیٹونگا نہیں۔ چوسر نکالو ہم سب کھیلینگے۔ میں اور میری چھوٹی بہن ایک طرف ہوئے اور دونوں بھویں اور ماں دوسری طرف۔ بخار کل سے آج خفیف تھا۔ اس پر چوسر کا کھیل۔ دھیان چونکہ بخار کی طرف نہ تھا اس وجہ سے تکلیف بہت ہی کم محسوس ہوئی۔ عادت کے مطابق کبھی کبھی میرے منہ سے ہائے بے شک نکلی اور ماں نے ایک دو بار کہا بھی کہ تھوڑی دیر لیٹ رہو۔

پر چڑھتے ہیں۔ اور نجات حاصل کرتے ہیں۔ اس مطلب کی تشریح پنڈت نے فاضلانہ طور سے کی۔ میں چونکہ شاستر سے واقف نہ تھا بہت سا حصّہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن آواگون یا تناسخ کے متعلق جو باتیں اس نے بتائیں۔ ان میں سے بعض میرے دل میں بہت کھبیں۔ وہ یہ تھیں +

آدمی کے کرم یعنی اعمال تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک "سنچت" یعنی اعمال مجتمع جو جنم جنمانتر سے جمع ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو اعمال ہم کرتے ہیں وہ فنا نہیں ہوجاتے۔ بلکہ قائم رہتے ہیں اور اُن کے مجموعے کا نام سنچت کرم ہے۔ دوسرے "پرار بدھ" یعنی اعمال شروع کردہ شدہ۔ یہ سنچت کرم کا وہ حصّہ ہیں۔ جنھوں نے آدمی کو یہ جنم دیا ہے۔ انہیں قسمت یا تقدیر یا رضائے الٰہی جو چاہے کہ دو۔ اصل میں یہ آدمی کے پہلے کرموں کا جو جنم جنمانتر سے جمع ہیں۔ ایک حصّہ خفیف ہیں۔ تیسرے "آگمی" یا اعمال مستقبل۔ جو وہ اس جنم میں کر رہا ہے اور جو آئندہ سنچت بنینگے اور پرار بدھ ہوکر اُسے اور جنم دینگے +

پس ہمارا جو موجودہ جنم ہے۔ وہ پہلے جنموں کے کرموں کا پھل ہے۔ ہم نے اچھّے کرم کئے ہیں تو سکھ بھوگتے ہیں۔ بُرے کرم کئے ہیں تو دُکھ بھوگتے ہیں۔ ایک قانون قدرتی کام کر رہا ہے۔ دُکھوں سے دُکھی ہونا جوانمردی کی شان کے لائق نہیں۔ دکھ کو سہ لینا چاہئے کیونکہ ہر ایک دکھ خدا کی رحمت ہے۔ اس کے ساتھ ایک کرم کا بھوگ ختم ہوتا ہے اور آئندہ ترقی کی راہ کھلتی ہے +

اے بلا آ کہ تو بہبود کی صورت ہوگی
تجھ میں مخفی مرے معبود کی رحمت ہوگی

جو لوگ اس جنم میں دُکھ سے گھبراتے ہیں انہیں گیان کی آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے اور عقل سے کام لے کر سوچنا چاہئے ؎

پرار بدھ پہلے بنی پاچھے بنا شریر
تلسی یہ اشچرج ہے من نہیں مانے دھیر

دے گیا ہے اس پر غصّہ کر رہا ہے ہیں ہنسا کہ تم اسے دس من بوجھ اُٹھا دینے والا پہلوان بتاتے ہو۔ اس سے تو ایک بات کا بھی بوجھ نہیں سہارا جاتا۔ پہلوان کیسا یہ تو محض کمبخت آدمی ہے۔ پس دکھ میں گھبرا جانا کوئی فخر کی بات نہیں بلکہ کمینگی ہے۔ سہن شیل آدمی رفیع الشان پہاڑ کی مانند ہوا کرتا ہے *

اے کوہ مبارک ہو تحمل تجھ کو | دے اور خدا شان و تجمل تجھ کو
گرم و سرد زمانہ سہ لیتے ہیں | ہوتا ہی نہیں کبھی تامل تجھ کو

مہاراج بات سچّی تھی میرے بھی من کو بھائی۔ میں نے شانتی نراین سے کہا۔ یہ نسخہ تو بہت اچھا ہے۔ لیکن میں تنکشا کی عادت کیونکر ڈالوں اُنہوں نے کہا۔ عادت برتتے ہی سے پڑا کرتی ہے۔ ایک دو روز میں نہیں جن باتوں سے تمہیں گھبراہٹ پیدا ہوا کرتی ہے۔ انہیں دھیان میں رکھتے جاؤ۔ گھبرانے سے پہلے عقل سے کام لے کر سوچا کرو۔ اور اچھے آدمیوں کے ستسنگ میں جایا کرو۔ تاکہ آنکھیں کھلیں۔ تمہیں معلوم ہے۔ یہیں محلے میں ایک پنڈت آج کل گیتا کی کتھا بانچ رہا ہے۔ اور اچھی کہتا ہے آؤ چلو وہیں چل کر بیٹھیں۔ یہاں کیا کر رہے ہیں *

شانتی نراین کی ماں منع کرتی رہی۔ لیکن وہ مجھے کتھا میں لے گئے۔ حقیقت میں پنڈت کا طرز بیان نہایت دلچسپ تھا مقام وہ تھا جہاں ارجن چھٹے ادھیائے میں سری کرشن بھگوان سے یہ سوال کرتا ہے۔ کہ جن لوگوں کی ریاضت یعنی یوگ درجہ کمال کو نہیں پہنچا اور موت نے انہیں آگھیرا ان کا کیا حال ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نہ دنیا کے رہے نہ دین کے کہیں اس طرح تو فنا نہیں ہو جاتے جس طرح اکیلا بادل کا ٹکڑا نہ ابر بنتا ہے نہ برستا ہے بلکہ جوف خلا ہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ بھگوان جواب دیتے ہیں۔ کہ اچھی راہ پر چلنے والوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچا کرتا۔ یہ لوگ اونچے لوگوں کے بھوگ بھوگ کر راجاؤں یا یوگیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اپنے پرانے سنسکاروں کو تازہ کر کے پھر یوگ کے مدارج اعلےٰ

بیٹھ کر ہم دونوں باتیں کرنے لگے +

میں نے شانتی نراین سے پوچھا کہ کیا باعث ہے۔ ہم دونوں قبیلہ دار آدمی ہیں اور آمدنی یکساں ہے۔ تم ایسے خوش اور شانت رہتے ہو اور میں کیا میرا سارا گھر روز قسمت کے دکھڑے رویا کرتا ہے۔ وہ اسی طرح مسکرا کر بولے۔ بھائی تکلیف کا قاعدہ ہے کہ اس پر زیادہ دھیان نہ دو۔ تکلیف تمہیں ہرگز نہیں ستائیگی۔ مثلاً بارش کی بوندوں میں باہر جاؤ اور بوندوں کی طرف دھیان دو۔ تو وہ سخت ناگوار گزریگی۔ ان کی طرف دھیان نہ دو تو معلوم بھی نہیں ہونگی۔ گویا مینہ اس بات کو جانتا ہے کہ یہ شخص میری پروا نہیں کرتا۔ مجھے اس پر بوندیں برسا کر کیا لینا ہے۔ چلو اور کسی کو دق کریں۔ پس

سہ لے رنج اور غم کو سہ لے غافل | دکھڑے رونے سے کچھ نہیں ہے حاصل
الٹی تکلیف اور ہوتی ہے سوا | رہتا ہے اسی طرف ربس دا مائل

میں نے ویدانت شاستر پڑھا ہے۔ ہمارے ہاں دکھ اور سکھ دونوں آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ اس واسطے نہ میں سکھ سے خوش ہو کر آپے سے باہر ہوتا ہوں۔ نہ دکھ سے بیتاب ہو کر کراہنے لگتا ہوں۔

راحت گزراں ہے رنج بھی ہے گزراں | دونوں اے مہر اس لئے ہیں یکساں
شادی سے نہ شاد ہو نہ غم سے غمگیں | ہیں شادی و غم جہاں میں توام ناداں

اس سہارگت کی طاقت کو ہمارے شاستر میں تکشنا کہتے ہیں۔ میں نے اس کی عادت ڈالی ہے۔ بھائی انند ی پرشاد اس سہ لینے میں جو مزا ہے۔ اس کا لطف سہن شیل آدمی ہی جانتے ہیں۔ تم بھی اس کی عادت ڈالو اور دیکھو کس خوشی سے تمہاری زندگی بسر ہوتی ہے۔ گلستان میں سعدی کی وہ حکایت تمہیں یاد ہوگی۔ جہاں لکھا ہے۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ غصّے سے اُس کے منہ میں جھاگ آرہے ہیں اور تن بدن کانپ رہا ہے۔ میں نے پوچھا۔ یہ کون ہے۔ لوگوں نے کہا بڑا بھاری پہلوان ہے۔ دس من بوجھ بے تکلف اُٹھا لیتا ہے۔ اس کو کوئی گالی

شانتی اور شادمانی رہا کرتی تھی۔ میری ماں نے انہیں دیکھ کر کہا۔ بیٹا شانتی تونے بڑا اچھا کام کیا جو آ گیا۔ دیکھ تو آنندی کیسا گھبرا رہا ہے۔ بچارا کیا کرے۔ بچپن ہی سے گھبراہٹ کا سبھاؤ ہے۔ بید جی اور شانتی نراین کو دیکھ کر میری طبیعت بھی کچھ شانت ہوئی۔ بید نے کچھ گولیاں دیں اور نسخہ لکھا جو میرا بھائی اسی وقت بازار سے لے آیا۔ میرے لئے اس دوا کے قدح کا پینا بھی مصیبت تھا۔ آنکھیں بند کر کے اور بار بار شکایت کر کے جوں توں زہر مار کیا۔ شام کے قریب بخار اُترا اور میری جان میں جان آئی۔

بید کھانے کے واسطے مونگ کی دال اور روٹی بتا گیا تھا۔ اور کہہ گیا تھا اور کچھ نہ دینا۔ میں نے منہ کڑوا ہونے کے باعث صاف انکار کر دیا۔ کہ میں کچھ نہیں کھاؤنگا۔ میری والدہ اور شانتی نراین بہتیرا سمجھاتے رہے لیکن میں نے نہیں مانا۔ آخر شانتی نراین نے کہا۔ کہ ہمارے گھر چلو۔ وہیں کھانا بھی کھا لینا اور بات چیت میں دل بھی بہلانا۔ میں اُٹھ کر ان کے ساتھ گیا۔ لیکن قدم قدم پر شکایت کرتا جاتا تھا۔ کہ پاؤں نہیں اُٹھتا اور سر میں چکر آتے ہیں۔ جب شانتی نراین کے مکان پر پہنچا۔ تو ان کی ماں بولیں۔ شانتی آج تین بجے سے کہاں رہا۔ سات دن سے تو روز بخار آتا ہے اور اس طرح پھرے چلے جاتا ہے۔ بیٹا کہیں تکلیف نہ بڑھ جائے ٭

یہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے کہ ہیں! تمہیں سات روز سے بخار آتا ہے۔ اوہو۔ میں نے اب دیکھا۔ کیسے زرد اور کمزور ہو رہے ہو۔ واہ۔ مجھے خبر تک بھی نہیں کی۔ شانتی نراین نے مسکرا کر کہا۔ کون سی خوشی کی بات تھی۔ جو خبر کرتا۔ تم تو ایک ہی دن کے بخار میں ایسے گھبرا گئے اپنے بخار کا حال کہتا تو شاید اور بھی گھبرانے لگتے۔ لو آؤ کھانا کھاؤ۔ تمہارے سر کے عکے ہمارے رہینگے۔ ہم دونوں بیٹھے۔ کھانا یہاں بھی وہی مونگ کی دال اور روٹی تھی۔ لیکن شرم حضوری سے میں نے طبیعت کو روکا۔ اور دو روٹی کھا کر پانی پیا تو حقیقت میں وہ چکر رفع ہو گئے اور نشست میں

ہے۔ رات بہت گئی سو رہو۔ لیکن مجھے نیند کب آتی تھی۔ آخر وہ غریب سو رہی۔ اور میں صبح تک انہیں مایوسی کے خیالات میں غلطاں و پیچاں جاگتا رہا۔

ان دنوں موسمی بخار کا زور تھا۔ اس شب بیداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے روز مجھے دفتر میں بخار چڑھ آیا۔ جوں توں کر کے بمشکل تمام میں نے گھر لیا اور آتے ہی صحن میں ایک ٹوٹی سی چھوٹی کھاٹ پڑی تھی اس پر پڑ رہا۔ ماں دوڑی ہوئی آئی کہ بیٹا کیا ہوا۔ دیکھے تو بدن گرم ہے۔ اور بخار چڑھا ہوا ہے۔ سر پر دست شفقت پھیرنے لگی اور بولی۔ بچپن سے تیری عادت گھبرانے کی ہے۔ مگر بیٹا گھبرا مت۔ بخار آجکل سب کو ہی آتا ہے۔ دم بھر میں اُتر جائیگا۔ میری بیوی نے جلد جلد ایک بڑی سی چارپائی پر بچھونے بچھائے۔ اور میں ماں اور بیوی کے سہارے سے اس پر جا کر لیٹا۔

ماں نے سچ کہا تھا۔ میری عادت بچپن سے گھبرانے کی تھی۔ تھوڑی دیر میں بخار کی حرارت جو زیادہ ہوئی۔ تو میں ہائے وائے کرنے لگا۔ ماں سرہانے بیٹھی سر دباتی تھی اور میرا یہ حال تھا کہ دمبدم پکارے جاتا تھا۔ ہائے مرا۔ ہائے مرا۔ ارے کوئی حکیم کو لاؤ۔ ارے کوئی دوا بلاؤ۔ تین بجے بھائی مدرسے سے آ۔ وہ مجھے پہلے بھی کئی بار بخار میں اسی طرح کراہتے دیکھ چکا تھا۔ مسکرانے لگا کہ بھائی صاحب گھبراؤ نہیں۔ میں محلے کے بید کو لاتا ہوں۔ لیکن اتنے میں وہ جائے اور بید آئے۔ میں نے گھر کو سر پر اُٹھا لیا۔ کہ کمبختو۔ میں مرا جاتا ہوں اور تم میں سے کسی کو خیال تک بھی نہیں۔ اگر مجھے موت آگئی۔ تو بھیک مانگ کر کھاؤ گے۔

تھوڑی دیر میں بید جی آئے اور اُن کے ساتھ میرے ایک دوست شانتی نراین بھی آئے۔ جن سے مجھے بہت محبت تھی۔ یہ حقیقت میں بڑے شانت سبھاؤ آدمی تھے۔ میری ہی طرح ایک دفتر میں تیس روپلے کے نوکر تھے۔ لیکن ہمارے گھر روز قسمت کو کوسا جاتا تھا اور ان کے ہاں

ہے۔ پرماتما خیر کریں۔ بس اُٹھ بیٹھا اور ماں کو چارپائی پہ بٹھایا۔
اُنہوں نے ذکر چھیڑا کہ نند رانی یعنی میری چھوٹی بہن بڑی
ہوتی جاتی ہے۔ اس کی شادی کا فکر کرنا چاہیئے۔ میں نے پوچھا ماں اس کی
عمر کیا ہوگی۔ کہا بیٹا لگتے پھاگن اسے گیارھواں برس شروع ہوگا۔ شادی
اسی گیارھویں برس میں ہو جانی چاہیئے۔ وگرنہ برادری میں ناک کٹیگی۔
اس بات پر چھوٹا بھائی مسکرایا اور کہنے لگا بھائی صاحب میں نے
انہیں بہتیرا سمجھایا ہے کہ تیرھویں یا پندرھویں برس شادی کریں تو کیا
حرج ہے مگر انہیں ناک کٹنے کا ایسا خوف ہے کہ کچھ نہیں سنتیں۔ میں
نے کہا۔ ماں۔ بات تو اچھی ہے۔ برس دو میں شویر شاد یعنی میرا چھوٹا
بھائی بھی کمانے لگیگا۔ پہلا قرضہ اُتر جائیگا اور لے کر شادی کر لینگے۔ اس
پر ماں نے کہا تم سب انگریزی پڑھے ہوئے لڑکوں کا ایک سا حال ہے۔ بھلا
کہیں تیرہ تیرہ اور پندرہ پندرہ برس کی لڑکیاں گھر میں بٹھائی جا سکتی
ہیں۔ اس پر بات میں سے بات نکلی۔ دو گھنٹے بحث ہوتی رہی۔ آخر
ماں رونے لگی اُسے دیکھ کر میری بیوی رونے لگی اور مجھے یہی کہتے بن آئی
کہ خیر آج ہی تو شادی نہیں ہوئی جاتی۔ میں دوستوں اور رشتہ داروں
سے مشورہ کرتا ہوں۔ سب نے اسی سال شادی کو کہا۔ تو میں اکیلا
سب کی مخالفت کیونکر کر سکتا ہوں۔ شادی کرونگا اور چار و ناچار کرونگا
لیکن اہم سوال یہ درپیش تھا کہ کرونگا تو کیونکر کرونگا۔ ماں اور
بھائی تو جا کر سو رہے لیکن فکر سے میری نیند اڑ گئی۔ چارپائی پر پڑا پڑا
سوچا کیا کہ ہے پرماتما میں کروں تو کروں کیا۔ پہلے ہی مقروض ہوں۔
بھائی کو پڑھانا ہے۔ بہن کی شادی درپیش ہے۔ آمدنی کا یہ حال ہے
کہ گزارہ بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ نہ پیٹ کو روٹی ہے نہ تن کو کپڑا ہے۔
ہائے کیسی پھوٹی قسمت لے کر دنیا میں آیا ہوں۔ نہ دنیا کا سکھ دیکھنا
نصیب ہوا نہ میں نے دین سدھارنے کا کچھ فکر کیا۔ مجھ سا بد نصیب
دنیا میں اور کون ہوگا۔ بیوی نے مجھ سے کئی بار کہا۔ فکر کرنے سے کیا ہوتا

تک پڑھا تھا۔ گھر کا گزارہ چونکہ عسرت اور تنگ حالی سے ہوتا تھا۔ انٹرنس پاس کر کے میں نے بھی کچھ عرصے تو کالورام کی طرح دفتروں میں ٹکریں ماریں آخر ایک جگہ بیس روپے ماہوار کا نوکر ہو گیا۔ جن ایام سے میں اپنی کہانی شروع کرتا ہوں یہ وہ وقت ہے کہ میرے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ میرا بھائی انٹرنس میں پڑھتا تھا۔ ہم دونوں کی شادی ہو چکی تھی اور میرے گھر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی اولاد تھی۔ ہماری دو بہنوں میں سے ایک بیاہی جا چکی تھی اور دوسری شادی کے لائق تھی۔ والدہ حیات تھی۔ غرض بھرا گھر تھا۔ اور کمانے والا میں اکیلا آدمی تھا۔ مجھے دوبار ترقی مل کر اب تیس روپے ماہوار ملتے تھے۔ لیکن گھر کے اخراجات بس چٹنی ہو جاتے تھے۔ کچھ پس انداز ہوتا تو درکنار گزارہ بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔ والد نے ورثے میں مکان یا روپیہ چھوڑنے کی بجائے دو سو روپے کا قرضہ چھوڑا تھا۔ وہ ادا کہاں سے ہوتا۔ الٹا سود بڑھتا جاتا تھا ؛

جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ ایک چھوٹا سا پرانا بوسیدہ کرائے کا مکان تھا۔ روٹی پکنے کے دھوئیں سے گھر بھر جاتا تھا اسباب اور سامان کا یہ حال تھا کہ گھر میں پورے برتن بھی نہیں تھے۔ مرمت ہونے ہوتے ہمارے سونے کی ماں کی چارپائیاں اتنی چھوٹی ہو گئی تھیں کہ بعض پر تو پاؤں پھیلا کر سونا بھی مشکل تھا۔ غریب عورتوں کے پاس چاندی کا کچھ زیور بے شک تھا جو شادی میں ملا تھا۔ باقی پر سونے کا ملمع تھا۔ کپڑے بنوانے کا وقت جب آتا تھا تو میرے ہی دل سے پوچھئے کہ کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ادھر بھائی کی پڑھائی کا خرچ وبال جان تھا۔ اُدھر اگر کوئی بیمار ہو جاتا تھا۔ تو آفت آ جاتی تھی۔ غرض میری زندگی بڑی مصیبت کی زندگی تھی۔ مجھے ہی قسمت کی شکایت نہ تھی۔ بلکہ کیا مرد کیا عورتیں سب ہر وقت نالاں رہتی تھیں۔ کہ ہمسا بدبخت کوئی نہ ہو گا ؛

ایک روز شام کے وقت دفتر سے آ کر میں کھانا کھا کر لیٹا تھا۔ کہ میری ماں اور چھوٹا بھائی دونوں پاس آ کر بیٹھے میرا ماتھا ٹھنکا کہ کوئی تازہ

چوتھی سمپتی - تتکشا یا تحمل

اٹھارہویں سادھو کی کہانی

تتکشا - عملی پہلو

اے مہر ستائے جب ہجوم آلام	لے صبر سے کام اور تحمل سے کام
بیجا ہے مصیبتوں میں گھبرا جانا	کیا جانئے کیا ہے حکمت رب انام

دنیا میں مصائب کا ہے سہنا اچھا	اور دل میں شکایت کا نہ رہنا اچھا
سہ لو چپکے سے گر کوئی ہو تکلیف	کہنے سے ہے غافلو نہ کہنا اچھا

ایک سادھو جن کا نام آنند گری تھا بولے - مہاراج تتکشا کے معنی سہار گت یا سہ لینے کے ہیں - روزمرہ تجربے میں آتا ہے - کہ دو شخصوں کو یکساں بیماری کی شکایت ہے - ایک درد سے کراہتا ہے اور گھر کو سر پر اُٹھا لیتا ہے - دوسرے کو گو تکلیف تو اتنی ہی ہے - لیکن کراہتا اور ہائے ہائے نہیں کرتا - ان میں سے پہلے میں تتکشا یعنی سہار گت نہیں ہے - دوسرے میں یہ وصف موجود ہے - اسی پر دنیا کی اور مصائب اور اُن کے سہ لینے کو قیاس کر لیجے - ویدانت شاستر کے ادھکاری میں تتکشا کا ہونا بھی ایک لازمی امر ہے - وگرنہ وہ اس اُتّم شاستر کے آنند کو حاصل نہیں کر سکتا - میں آپ کو آپ بیتی کہانی سناتا ہوں کہ میں نے تتکشا کیونکر سیکھی اور کیونکر اُس کی عادت ڈالی - مجھے کامل یقین ہے کہ میرے تجربات اور ادھکاری پرشوں کے حق میں مفید ثابت ہونگے - اس وجہ سے بیان کرتا ہوں ٭

میں ایک معمولی غریب گرہستی آدمی کا بیٹا ہوں - میرے والد ایک دفتر میں پچیس روپے ماہوار کے نوکر تھے - میں نے بمشکل تمام انٹرنس

چکر سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اور یہ کس کے لئے سخت تکالیف کا باعث نہیں +

اس آواگون کے چکر نے ہی مجھے دیولوک کے بھوگوں سے اُپ رت کر دیا۔ مانا یہ بھوگ بڑے دلکش اور دلفریب ہیں۔ لیکن جب انہیں قیام اور دوام نہیں تو کس کام کے ہیں۔ ایک روز وہ آتا ہے پر آتا ہے۔ جس روز بڑے بڑے کرم کانڈی اور بڑے بڑے نیک اعمال والوں کو بھی دیولوک سے دھکے دے کر نکال دیا جاتا ہے +

جلنا ہے رہنا نہیں چلنا بسوے بیس
ایسے سہج سہاگ پر کون گندھاوے سیس

آدمی خوشی لایزالی چاہتا ہے۔ اور لایزالی خوشی اپنے سروپ کا آنند ہے۔ جو گیان سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کرم سے۔ کرم کے نتائج ہمیشہ فانی ہیں۔ ان میں دلبستگی کیسے۔ الٹا اُپ رت ہونا چاہئے +

جب تک ہے خودی ساتھ ہیں اسکے اعمال | اعمال کے ساتھ ہے تناسخ کا وبال
اس دور مسلسل سے رہائی کے لئے | درکار ہے پھر ذات اصلی کا خیال

لِو مہاتماؤ! تم نے اس لوک کے بھوگ بھی دیکھ لئے اور اونچے لوکوں کے بھوگ بھی دیکھ لئے۔ دونوں ناشوان ہیں۔ اور ناشوان چیزوں میں دانا لوگ دل نہیں پھنسایا کرتے۔ جو بھوگ آج بھوگا جاتا ہے کل وہ خواب کی سی بات ہو جاتی ہے۔ بس بھوگوں سے سیری ہی بھلی ہے۔ اسی کا نام اُپ رتی ہے۔ اور یہ دیولوک پر ہی عاید نہیں بلکہ اس سے بھی اونچے لوک یعنی ہستی کے طبقے اور کارن اوستھا یا آنند مے کوش پر بھی عائد ہے۔ جہاں اہنکار یا فردیت نہیں ہے بلکہ آنند کا بھان ہے۔ جس کا کچھ کچھ اندازہ یوگی کی سمادھی سے ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں بھی آتم پد نہیں ہیں اس واسطے چھوڑنے ہی کے لائق ہیں +

سادھو یہ کہکر خاموش ہوا تو سوامی برہما نے کہا۔ سادھو! اُپ رتی کی توضیح تین کہانیوں سے بخوبی ہو چکی۔ اب کوئی مہاتما تتکشا پر کوئی کہانی سناؤ +

یہ دنیا نہیں مزرع آخرت ہے
تجھے شکر لازم ہے کیوں رو رہا ہے
یہاں ہم کو لائی ہے رحمت خدا کی
مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

نکال اپنے دل سے خیال جہالت
ترقی کا یہ اور موقع ملا ہے
ترقی کی پھر راہ کھلتی ہے تجھ پر
مقام خوشی ہے یہاں تیرا آنا
سپاس خدا کہ ہوئی تجھ پہ رحمت
عطا پھر ہوا ہے تجھے دست قدرت
رہے دل میں تیرے سرور و مسرت
مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

مری بات سن کر ہے تو مسکراتا
ترا مسکراتا ہے کس درجہ شیریں
دہن ہے ترا یا کوئی غنچۂ گل
اسی طرح گزرے تری مسکراتے
کہا میرا گویا سمجھتا ہے جاتا
کہ مجھ کو ہے وہ جان اور دل سے بھاتا
مجھے دیکھ کر ہے عجب لطف آتا
مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

یہ دنیا نہیں ہے مسرت کی جا ہے
جنہیں رہ کے یاں فکر عقبیٰ ہے کرنا
ادائے فرائض کا ہے شوق جن کو
غرض ہے خوشی ہی خوشی اس جہاں ہیں
خوشی کی ہے جا عیش و عشرت کی جا ہے
وہ دلشاد ہیں کیا ہی عبرت کی جا ہے
کریں شوق سے لطف و الفت کی جا ہے
مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

یہاں تو جو آیا ہے وہ کام کیجو
ترا نام ہاں محو ہونے نہ پائے
رہے نام باقی رہے کام باقی
یہی جنم لینے کا ہے فائدہ بھی
کہ دنیا میں اس کام سے نام کیجو
ورق پر زمانے کے ارقام کیجو
سحر محنتیں کیجیو شام کیجو
مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

مہاراج - اس میں کسی طرح کا شک نہیں کہ انسان کے یہاں آنے میں خود اس کی بہتری اور بہبود ہے - لیکن آنا اور جانا - آنا اور جانا اس

تو روتا ہے پر دل ہمارا ہے یوں خوش — کہ ہیں پھولکر سب ہی جامے سے باہر
تو روتا ہے سب ہنس رہے ہیں خوشی سے — مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

نہ رو پیارے بچے خوشی کا سماں ہے — یہ شادی کا گھر ہے خوشی کا مکاں ہے
تو گریاں ہے کیوں جبکہ ہم سب ہیں شاداں — الم تجھکو کس بات کا میری جاں ہے
یہاں آن کر کیا تجھے دھیان آیا — کہ تو پہلے کس جا تھا اور اب کہاں ہے
تجھے یاد کس کی ستاتی ہے کہ تو — مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

یہ مانا کہ تو اونچے لوکوں سے آیا — مگر ٹھیرنے واں سدا کون پایا
یہ مانا کہ اسباب دلبستگی کے — جو واں تھے نہیں کوئی یاں ساتھ لایا
یہ مانا کہ آرام بھی واں تھا ایسا — کہ ملتا نہیں اس جگہ اس کا سایا
مگر وہ بھی مایا کا تھا کارخانہ — مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

نہ رو پیارے بچے کہ دنیا ہے فانی — ہر اک چیز ہے اس جگہ آنی جانی
نہ رو گرچہ خواب شبینہ کا نقشہ — جہاں میں ہے ہر شخص کی زندگانی
نہ رو گرچہ ہر ایک کام اس جگہ کا — فسانہ ہے کہنے کو یا اک کہانی
نہ رو رونا دھونا ہے بے سود سارا — مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

کرم کا زمانے میں قانون اٹل ہے — کبھی ٹالا ٹلتا نہیں ہے اٹل ہے
کئے ہیں جو اعمال پہلے جنم میں — جنم آکے لینا یہاں ان کا پھل ہے
خوشی سے قبول اس کو لازم ہے کرنا — کہ یہ حکمت رب عزّ و جل ہے
نہ رو کیونکہ دونوں ہی ہیں لوک یکساں — مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

کرم کا ہے قانون حکمت پہ مبنی — یہاں اس میں بہتری میری تیری
یہاں جنم لیتے ہیں ہم اس غرض سے — کہ آکر کریں ہر طرح کی ترقی

دوسرا غبی و مجہول۔ ان اختلافوں کا کیا باعث ہے تو سوائے اس کے کچھ کہتے نہیں بن آتی کہ خدا کی مرضی یوں ہی تھی۔ گویا خدا نامنصف مزاج ہے کیسا حیرت کا مقام ہے غلطی اپنی عقل کی اور الزام خدا کی عقل پر۔

مادہ پرست اور دہریے لوگ جو سائنس کو اپنا رہنما بتاتے ہیں اس سوال کا جواب اور بھی لغو دیتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ بچے کا بیمار یا تندرست پیدا ہونا محض مسئلہ وراثت پر مبنی ہے۔ جیسے والدین ہونگے ویسا بچہ ہوگا۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیوں بھائی۔ خاص بچے مفلس یا بیمار والدین کے گھر کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ والدین مفلس و بیمار سہی۔ بچوں پر یہ آفت کیوں آئے۔ تو اس کا کچھ جواب ان کے پاس نہیں ہے۔ یہاں چار و ناچار کرم کا قانون ماننا پڑتا ہے۔ یہ قانون اٹل ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کرم کا قانون ظالمانہ قانون ہے۔ اپنی کرنی آپ بھرنی زمانے میں مشہور ہے۔ کرم کا چکّر انسان کو اس دنیا میں لاتا ہے تو یوں سمجھئے کہ اس میں خود انسان کی بہتری ہے۔ یہاں جنم لینا کیا ہے گویا اس کو ترقی کا اور موقع ملنا ہے۔ اسی مضمون کو ایک ماں بچے کی لوری میں گاتی ہے جس کے کچھ بند میں آپ کو سناتا ہوں۔

نوزائیدہ بچّہ

طرب کے ترانے کہو ماں سے گالے	کہو باپ سے شادیانے بجالے
عزیز و اقارب سے کہدو کہ ہر اک	جو دل میں بھری ہیں اُمنگیں نکالے
کہو گھر کے ہر ایک چھوٹے بڑے سے	خوشی کا ہے دن آج خوشیاں منالے
مبارک ہے یہ دن کہ پیدا ہوا تو	مرے پیارے بچے مرے بھولے بھالے

تو روتا ہے پر تیری آواز سن کر	ہے دلشاد سارے کا سارا گھر
تو روتا ہے لیکن صدا ہیں ہے وہ رس	کہ سُر میں ہو جو ہے خوب اور خوشتر

کا بھوگ ختم ہوتا ہے۔ آدمی کو چار و ناچار دیولوک چھوڑنا پڑتا ہے اور کام لوک میں ہوتا ہوا اس عالم فانی میں آکر جنم لیتا ہے +

پنچ اگنی ودیا جس کا چھاندوگیہ اور برہدارنیک اپنشد میں ذکر آتا ہے جیو کے دیولوک میں سے اس ستھول لوک آنے کی شاعرانہ کہانی ہے اپنشدکار دیولوک۔ ابر۔ زمین۔ باپ اور ماں کو اگنی قرار دیتا ہے۔ جس میں جیو کی آہتی دی جاتی ہے۔ دیولوک میں دیوتا سرددھا کی آہتی دیتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ دیولوک میں جیو کا سترپر شرددھا یعنی من کی ایک برتی روپ ہے۔ اس کی آہتی دی جاتی ہے۔ یعنی اس کا منومے اور اس کے بعد کام مے شریر بنتا ہے۔ کیونکہ دیولوک اور کام لوک دونوں دیوتاؤں کے لوک ہیں۔ کارن شریر دیولوک میں جوں کا توں تھا۔ منومے اور کام مے نیا بنتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جیو قدرتاً ایسے لوگوں کی طرف کھچیگا جن کے خیالات اس سے ہم آہنگ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاص ملکوں۔ خاص قوموں خاص خاندانوں میں خاص خاص قابلیتوں کے اشخاص پیدا ہوتے ہیں +

اس طرح آواگون کا چکر چلتا رہتا ہے۔ پرانی آتے ہیں اور جاتے ہیں۔ جاتے ہیں اور آتے ہیں +

بائع آتا ہے مشتری آتا ہے | لے جاتا ہے اور جنس عمل لاتا ہے
گزری ہے مگر یہ جہاں گزراں | تار آنے جانے کا یاں چلا جاتا ہے

اسی چکر سے نظام عالم قائم ہے۔ تناسخ نظم عالم کا ایک قدرتی اور اٹل قانون ہے جس سے گیانی ہی کو رہائی ہو سکتی ہے۔ اور کسی کو نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہم تناسخ کے قائل نہیں۔ یا جو اصحاب ردّ تناسخ میں شدّ و مدّ سے رسالے لکھا کرتے ہیں وہ اپنی جہالت کے باعث ایک اہم قانون قدرت سے منکر ہیں۔ اختلاف طبائع انسانی۔ اختلاف قوتہائے نفس۔ اختلاف حالات انسانی کی کوئی کنجی اُن کے پاس نہیں ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ بھائی ایک بچہ امیر کے گھر پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا فقیر کے گھر۔ ایک بچّے کے اعضا اور قوتہائے نفس صحیح و سالم ہیں۔ اور دوسرے کے ناقص۔ ایک ذہن کا تیز و طرار ہے

محبت اور عشق کو اپنا راہنما بنایا ہے وہ یہاں اوروں کی نسبت زیادہ قیام کرتا ہے۔ خود غرض۔ خود پسند۔ خودی کے بندے کام لوک میں ٹکریں مارا کرتے ہیں ؎

دیولوک میں آکر پرانی من ماتر رہ جاتا ہے۔ اپنشدوں میں جو یہ رمز آتی ہے کہ نیک اعمال والے دیولوک میں پہنچتے ہیں تو دیوتا انہیں بھکشن کر جاتے یعنی کھا جاتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ دیوتا نیک اعمال والے اشخاص کو اس طرح چبا جاتے ہیں جس طرح گائے بھینس گھاس چرتی ہیں۔ بلکہ کہنے کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ جس طرح غذا جزو بدن بن جاتی ہے اور بدن سے کوئی علیحدہ چیز نہیں رہتی۔ اسی طرح دیولوک میں پہنچکر آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ من ماتر ہوکر دیو بھاؤ کو پراپت ہوجاتا ہے یعنی دیوتا بن جاتا ہے۔ یہاں وہ قوتیں اور قابلیتیں پیہم مشق و تکرار سے استوار ہوتی ہیں جو اس نے اس عالم فانی کی زندگی میں پیدا کی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جیو پھر جنم دھارن کرتا ہے تو اس میں خاص قابلیتیں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض بچے شروع ہی سے ریاضی میں تیز ہوتے ہیں۔ بعض ایسے کوڑھ مغز کہ اُن سے ریاضی چلتی ہی نہیں۔ پہلے بچے کو پورب جنم کا سنسکار ہے جو وہ خوب استوار کرکے آیا ہے۔ اور جو اُس کے کارن شریر میں مستحکم ہے۔ دوسرے میں یہ سنسکار موجود نہیں ہے۔ پس بچے کا رجحان دیکھتے رہنا چاہیئے۔ اور جدھر اس کا رجوع ہو وہی تعلیم اُس کو دینی چاہیئے۔ بہت جلد ترقی کریگا۔ اور آخر کو درجہ کمال پر پہنچیگا ؎

دیولوک کے نظارے نہایت دلفریب اور یہاں کے بھوگ بہت من لبھانے والے ہیں۔ یہاں سے نکلنے کو کسی کا جی نہیں چاہتا۔ میں نے بھی بڑے بڑے عجیب اور دلکش تماشے مشاہدہ کیئے ہیں اور میرا دل بھی ان میں بہت پھنسا ہے۔ لیکن شرتی بھگوتی کہتی ہے کہ جیسے یہ لوک فانی ہے ویسا ہی دیولوک بھی فانی ہے۔ میں نے انہیں تماشوں کو دیکھ دیکھ کر من کو سمجھایا کہ ان لوکوں میں دلبستگی اچھی نہیں کیونکہ انہیں دوام نہیں ہے۔ جب کرم

سنتا ہے لیکن ایسی سریلی آوازیں کبھی کان میں نہیں پڑیں۔ یہاں وہ ذائقہ لیتا ہے۔ لیکن ایسے رس کبھی زبان کو نصیب نہیں ہوئے۔ غرض جو بات ہے اُس کے وہم وگماں سے باہر ہے +

اس لوک میں کام دھینو کی طرح خواہش کے ساتھ ہر ایک شے مہیا ہو جاتی ہے۔ بھگتوں کو اپنے اشٹ دیو کے ساکشات درشن ہوتے ہیں اور اُن کے آنند کا ٹھکانا نہیں رہتا۔ ارباب علم۔ اصحاب عقل۔ اہل مذاق وغیرہ کا کمال جس جس درجے کا ہے۔ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہر ایک بات ملتی ہے۔ دوستوں کو دوست۔ عاشقوں کو معشوق۔ ماں باپ کو بچے رشتہ داروں کو عزیز واقارب۔ بہتر سے بہتر صورت میں ملتے ہیں۔ کوئی غیر جنس مخل نہیں ہونے پاتا۔ ہر ایک کی خوشی کدورت سے خالی اور بہتر ین صورت میں ملتی ہے۔ دیولوک میں دکھ کا لیش بھی نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خوشی روحانی نہیں ہے۔ بلکہ محض نیک اعمال کا ثمرہ اور دنیا کی اور خوشیوں کی طرح ہے۔ یہ دوام کے واسطے بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا قیام اعمال کی خوبی پر ہے۔ جب اعمال ثمرہ دینے سے وقت پر قاصر ہو جاتے ہیں تو آدمی کا دیولوک کا بھوگ ختم ہو جاتا ہے۔ اور وہ نیچے کی طرف راجع اور دوبارہ جنم لینے کے واسطے تیار ہوتا ہے +

دیولوک من کا لوک ہے۔ یہاں زیادہ تر وہ آدمی ملتے ہیں۔ جنہوں نے خودی اور نفس پرستی کو چھوڑ کر محبت اور ایثار کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جو شخص اپنے اوپر تکلیف گوارا کرتا ہے۔ لیکن اپنے گھر والوں۔ رشتہ داروں یا دوست واحباب کو آرام پہنچاتا ہے۔ وہ دیولوک کا بھاگی ہے۔ جو اپنی قوم وملت پر بے غرضانہ مٹا ہؤا ہے اور اوروں کے لئے خود مصیبتیں اُٹھاتا ہے وہ پہلے قسم کے لوگوں سے بھی زیادہ مستحق ہے۔ جس شخص کے دل میں کل نوع انسان وحیوان کی محبت کا دریا جوش زن رہتا ہے۔ وہ ان دونوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ غرض جس شخص نے خودی کے بند سے نکل کر پریم۔

حافظہ۔ تصوّر۔ تعقل سب من میں داخل ہیں۔ من کی ادراک کرتا ہے۔ یاد رکھتا ہے۔ تصوّر اور تعقّل کرتا ہے۔ لیکن من مادّی چیز ہے۔ کیونکہ اس کی کیفیات ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔ اور جہاں تبدیلی ہے وہ سب مادّہ ہے۔ پس جیسا کام مادّہ ہے ویسا ہی من بھی مادّہ ہے۔ جس طرح کام کے سات لوک ہیں۔ اسی طرح من کے بھی سات لوک ہیں۔ جو لطیف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلے چار سروپ یعنی باصورت کہلاتے ہیں۔ اور پچھلے تین اروپ یا بے صورت۔ اروپ من۔ بدّھی اور مایا کا شریر سنتھر ہے اس کو کارن شریر کہتے ہیں۔ اس کے خول میں آتما رہتا ہے۔ یہی جیو ہے۔ سروپ من۔ کام۔ پران اور ستھول شریر بدلتے رہتے ہیں ؂

یہی من کے طبقے جنہیں ہندو دیو لوک۔ بودھ دیواچن اور تھیوسوفسٹ منٹل پلین کہتے ہیں اصلی سورگ یا بہشت ہیں۔ جن کو اور مذاہب کے لوگ اپنے ذہن میں بہشت سمجھے ہوئے ہیں وہ کام لوک کے طبقے ہیں اور نیچے درجے کی چیزیں ہیں جن کا ذکر سوامی چدانند کر چکے ہیں۔ میں ان ساتوں طبقوں کا حال آپ کو نہیں سنانا چاہتا۔ گو میں نے سیر سب کی کی ہے۔ کام لوک کے ساتوں طبقوں پر انہیں بھی قیاس کر لیجئے۔ ہاں کام لوک سے یہ لوک بہت زیادہ لطیف ہیں اور یہاں کے بھوگ ان سے بہت بڑھ چڑھ کر سوکشم اور آنند دائیک ہیں ؂

پرانی کا جب ساتویں کام لوک میں شریر چھوٹتا ہے۔ تو وہ کچھ عرصے تو اسی طرح بے ہوش رہتا ہے جس طرح جسم خاکی کو چھوڑ کر کام لوک میں جانے سے پہلے ہوا تھا۔ بعد میں اسے ہوش آتا ہے۔ تو طبیعت میں وہ سرور موفور اور دل میں وہ آنند محسوس کرتا ہے جو احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں آنند کے سمندر میں مگن ہوں۔ اور آنند بھی وہ جو کبھی وہم وگمان میں نہ آیا تھا۔ یہاں وہ رنگ دیکھتا ہے لیکن ایسے خوشنما رنگ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ یہاں وہ صورتیں مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن ایسی حسین صورتیں پہلے کبھی نظر سے نہیں گزریں۔ یہاں وہ آوازیں

شاستر کے مریادا کے مطابق ابھیاس کرے +

کام کے طبقات جن کا حال سوامی جیانند آپ کو سنا چکے ہیں آدمی کی شُدّھی کے لئے ضروری ہیں۔ جن لوگوں نے جیتے جی اپنے جذبات کو نہیں دبایا بلکہ ان کے غلام بنے رہے ہیں۔ انہیں اعلےٰ لوک نصیب نہیں ہو سکتے پہلے کام کے جذبات سے مخلصی لازمی امر ہے۔ کام کے شریر جب تک گر نہیں چکتے دیولوک میں داخلہ ممکن نہیں۔ اس واسطے برائی کو کام کی پُشٹی کے مطابق کام لوک کے ہر طبقے میں وقت خاص گزارنا پڑتا ہے۔ جیسے اس مادّی دنیا میں گزارنا پڑتا ہے اسے عمر کہتے ہیں۔ پس کام لوک کے ہر طبقے میں آدمی اسی دنیا کی طرح پیدا ہوتا اور مرتا رہتا ہے۔ وہاں بھی مرنا جینا جان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جب ساتواں شریر بھی گر چکتا ہے تو یوں سمجھئے کہ کام لوک کا بھوگ ختم ہو گیا۔ اور آدمی اس اعلےٰ لوک یعنی دیولوک میں جانے کے لائق ہو گیا۔ جن آدمیوں کے من شدھ ہیں انہیں کام لوک میں بہت کم ٹھیرنا پڑتا ہے۔ جن کے اشدھ ہیں۔ انہیں سینکڑوں برس گزارنے پڑتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو دیولوک میں جانے اور وہاں کے بھوگ بھوگنے کا موقع ملنا برابر ہے۔ ہاں دیولوک میں کم یا زیادہ قیام ہونا آدمی کے نیک اعمال پر منحصر ہے۔ پہلے لوگ ریاضتیں کرتے تھے۔ کرم کانڈ کرتے تھے۔ شاستر بدھی سے واقف تھے۔ اس وجہ سے ہزاروں برس دیولوک میں آنند بھوگا کرتے تھے۔ اب کے لوگوں میں اتنا پراکرم کہاں رہا ہے۔ جاتے ہیں کچھ بھوگ بھوگتے ہیں اور تھوڑے سے عرصے میں واپس چلے آتے ہیں +

دیولوک من کا طبقہ ہے۔ آپ روزمرہ دیکھتے ہیں بعض لوگوں کی قوت ادراک تیز ہے۔ دیکھتے ہی بات کو گرفت کر لیتے ہیں۔ بعض کا تصوّر تیز ہے۔ جہاں کوئی حال پڑھا یا بات سنی فوراً آنکھ کے سامنے تصویر کھنچ گئی۔ بعض کا حافظہ تیز ہے۔ کسی بات کو کبھی نہیں بھولتے۔ بعض کی قوت تعقل تیز ہے۔ بات کو سمجھتے اور اس پر رائے صحیح جلد قائم کر لیتے ہیں۔ یہ ادراک

سے بھی اُپ رت کر دیا۔ میں انہیں مہاتما کا چیلا ہو گیا۔ انہوں نے مجھے ویدانت سمجھا لیا اور اب میں شانت پد میں ستھت ہوں ؂

سترھویں سادھو کی کہانی

اُپ رتی۔ اونچے سے اونچے لوک سے

جس طرح کہ بعد خواب بیداری ہے | بیداری سے پھر خواب کی تیاری ہے
اے مہر اس طرح سے تاحدِ نجات | آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے

دنیا ہے مہر ایک بازار لگا | آنے جانے کا ہے یہاں تار لگا
خواہش ہے کہ سب کو کھینچ کر لاتی ہے | خواہش میں دل کو تو نہ زنہار لگا

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج سوامی چدانند نے آپ کو صرف کام لوک کا حال سنایا ہے۔ کام لوک کے اوپر لوک اور بھی ہیں۔ کیونکہ کام یعنی تاثرات خواہشات یا جذبات فطرت انسانی کا ایک حصہ ہے۔ جو جسم مادی کے اوپر ہے۔ اور لطیف مادے کا بنا ہوا ہے۔ مادہ اور بھی لطیف ہو سکتا ہے۔ انسان میں ہم دیکھتے ہیں صرف کام ہی نہیں ہے۔ بلکہ من۔ بدھی وغیرہ کے اعلےٰ طبقات بھی ہیں۔ جیسا مانش بنڈ یعنی جسم انسانی کا حال ہے۔ ویسا ہی برہمانڈ کا ہے۔ پس من اور بدھی کے لوک بھی کام لوک کی طرح قرین قیاس ہی نہیں بلکہ لازم ولابد طور پر عقل کو ماننے پڑتے ہیں۔ شاستر ان کی ہستی بتاتا ہے۔ اور مہاتماؤں کا انوبھوان کو سدھ کرتا ہے۔ اگر ان سب باتوں سے قطع نظر کی بھی جائے۔ تو سہل نسخہ یہ ہے۔ کہ آدمی خود ابھیاس کرے۔ کچھ عرصے کی مشق کے بعد وہ ان لوکوں کے مشاہدے کے لائق ہو جائیگا۔ ہاں یہ شرط ہے۔ کہ اُس کی زندگی نہایت پاک ہو اور لائق استاد کی نگرانی میں

جنہوں نے جیون حیات میں محض عقلی ترقی نہایت ہی کی ہے۔ یا جن کی تحصیل علم بہت وسیع ہے۔ یا جو خاص خاص فروعات علم و فن کی ایجاد و دریافت میں ہمہ تن مصروف و مشغول رہے ہیں۔ میں نے یہاں بڑے بڑے کتبخانے دیکھے اور ان میں آدمی بیٹھے دیکھے جو برابر پڑھے جاتے ہیں۔ پڑھنے سے سیر نہیں ہوتے اور اپنے حال میں مست ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے دیکھے جن میں اپنے حال میں مست لوگ بیٹھے ہوئے ایجاد و دریافت میں مشغول ہیں اور کلوں کے کل پرزے بناتے بناتے کبھی نہیں تھکتے۔ بڑے بڑے ہسپتال دیکھے۔ جن میں ارباب طب اپنا تجربہ بڑھا رہے ہیں۔ کوئی جسم حیوانی کے حالات دیکھ رہا ہے۔ کوئی دواؤں کی تاثیر یا ترکیب کو بہ نگاہ غور دیکھ رہا ہے۔ بڑے بڑے مدرسے دیکھے جہاں عقلی دلائل منطقی اور مسائل فلسفہ پر نہایت دقیق بحثیں یا لکچر ہوتے ہیں یہ سب لوگ اپنے اپنے مشغلوں میں ہمہ تن اس طرح مصروف رہتے ہیں۔ کہ سینکڑوں برس گزر جاتے ہیں۔ لیکن انہیں خبر نہیں ہوتی۔ یہ بھی جب دوبارہ جنم لیکر یہاں آئینگے تو دنیا میں بڑا نام پائینگے ؛

کام لوک کے جو حالات میں نے آپ سے بیان کئے ہیں وہ میرے چشم دید ہیں۔ یوگ ابھیاس سے میں ان لوکوں کی سیر کیا کرتا تھا اور مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ اتفاق سے ہمارے گاؤں میں ایک ویدانتی سادھو آ نکلے اور مہینہ بھر کے قریب گیتا کی کتھا بانچتے رہے۔ میں بھی اس میں جایا کرتا تھا۔ چونکہ یہ مہاتما بڑے ہی شانت تھے ان کی ویاکھیا نہایت پراثر ہوتی تھی۔ میرے دل پر بھی اس کا بڑا اثر ہؤا۔ رہ رہ کر خیال آیا۔ کہ لوکوں کی سیر اور اس یوگ ابھیاس سے اب تک تم نے کیا لیا اور آگے کیا لوگے۔ جیسے یہ جہان فانی ہے۔ جیسے یہاں آنا جانا لگا ہؤا ہے۔ جیسے یہاں کسی شے کو قیام نہیں ویسا ہی کام لوک کے ہر ایک طبقے کا حال ہے جہاں بھوگ ختم ہؤا اور آدمی نکالا گیا۔ پھر اسی دنیا میں دھکے کھانے کو آتا ہے۔ اس خیال نے مجھے دنیائے فانی سے ہی نہیں بلکہ اعلے لوکوں

ہیں سرگرم ہیں۔ کوئی سوشیل ریفارم کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اُن کی باتیں سن سن کر اور کارنامے دیکھ دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ لیکن یہ لوگ ہیں۔ کہ خوشی کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ دنیا میں غریبوں کو کامیابی میسّر نہیں ہوئی۔ یہاں جی کھول کر جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہم جو کام کر رہے ہیں، وہ کسی سے ہوُا ہی نہیں۔ دوبارہ جنم لیکر یہ لوگ انہیں اصلاحی کاموں کو پھر اس دنیائے مادّی میں اُٹھائینگے اور اپنی لیاقت کے مطابق کامیابی حاصل کرینگے۔

ان مصلحان قوم وملک اور ساکنان بہشت کا انجام ایک ہے۔ یعنی جب کرموں کا بھوگ ختم ہو جاتا ہے۔ تو انہیں یہ لوگ چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور پھر دھکّے کھانے کو دنیائے مادّی میں چلے آتے ہیں۔

کام لوک کا چھٹا طبقہ بھی پانچویں طبقے کا نمونہ ہے لیکن اس سے لطیف زیادہ ہے۔ یہ ارباب حسن ومذاق اور اعلےٰ درجے کے اصحاب ملت ومذہب کا گھر ہے۔ جن لوگوں کو فنون لطیفہ سے بہرہ حاصل ہوُا ہے۔ یعنی شاعری۔ مصوّری۔ سنگ تراشی۔ موسیقی میں مہارت پیدا کی ہے۔ یا جو علم وعقل میں ترقی کرتے رہے ہیں۔ یا ملت ومذہب میں جن کے خیالات نسبتاً کچھ بلند رہے ہیں۔ لیکن ان پاک مشغلوں کو ذاتی اغراض کے پورا کرنے میں کام میں لاتے رہے ہیں۔ وہ یہاں آکر رہتے ہیں۔ میں نے اس جگہ نہایت دلکش نظارے دیکھے ہیں۔ وسیع سرسبز وشاداب میدان۔ بہتے ہوئے ندی نالے۔ سربفلک برف سے مستور پہاڑ۔ حسین مرد وعورتیں۔ خوشنما رنگ اور صورتیں دلپسند۔ باجوں کے سُر اور گانے کی آوازیں۔ غرض پرستان کا عالم جگہ جگہ رونما ہوتا ہے۔ یہاں اصحاب ملت ومذہب کے خیالات بھی زیادہ صاف وروشن پائے جاتے ہیں۔ اور انہیں یہ امید رہتی ہے۔ کہ ہم ابھی اور اعلےٰ طبقوں میں پہنچینگے۔ اس طبقے کے آدمی دوبارہ جنم لیکر دنیا میں مذاق۔ علم و عقل اور مذہب وملت کے اعلےٰ خیالات پھیلایا کرتے ہیں۔

کام لوک کا سب سے اعلےٰ یعنی ساتواں طبقہ ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے

تیسرا اور چوتھا طبقہ بھی دوسرے ہی طبقے کا نمونہ ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ لطیف زیادہ ہے۔ اور یہاں صرف ویسے بیہودہ۔ سڑیلے پست خیال آدمی نہیں ہیں۔ جیسے دوسرے درجے میں ہیں۔ بلکہ وہ آدمی ملتے ہیں جنہیں تعلیم سے بہرہ حاصل ہے اور جن کے خیالات نسبتاً کچھ عالی ہیں۔ لیکن ہیں یہ سب بھی محض بندۂ دنیا۔ روحانی ترقی کے پاس تک نہیں پھٹکے۔ میں نے ان کی باتیں سنیں۔ وہی معمولی تعلیم یافتہ اور پڑھے لکھے آدمیوں کی معمولی باتیں ہیں۔ جن میں کوئی بات نہیں نکلتی۔ ان لوگوں کے خیالات بھی مائل دنیا ہیں۔ اور کسی دنیاوی معاملے کا شور وغل زیادہ مچتا ہے۔ تو یہ بھی خاص معمولوں کے ذریعے فوراً دنیا کی طرف کھنچ آتے ہیں۔ غرض اس طبقے اور یہاں کے رہنے والوں کی باتیں وہی ہیں۔ جو آپ روز دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کوئی خاص امر قابل ذکر نہیں +

پانچواں طبقہ کامیوں کی بہشت یا سورگ لوک ہے۔ جو لوگ دنیا میں دھرم کے کام مثلاً خیرات کرنا۔ مندر۔ مسجد۔ سرائے۔ کنوئیں شفاخانے بنوانا وغیرہ اس غرض سے کرتے ہیں۔ کہ اُنہیں سورگ کے بھوگ ملیں۔ وہ انہیں یہاں ملتے ہیں۔ مسلمان۔ عیسائی اور عام ہندوؤں کے جو خیالات بہشت کی نسبت ہیں۔ وہ یہاں من وعن صورت اختیار کرتے ہیں۔ یہاں دلفزا باغ ہیں۔ ان میں دل کش مکانات ہیں۔ حور۔ غلمان۔ اپسرا سب یہاں دستہ خراماں رہتے ہیں۔ لذیذ کھانے اور شرابیں جیسی چاہو مہیا ہیں۔ ناچ گانا ہے۔ خوشی اور چہل کے جلسے ہیں۔ غرض جیسی طبیعت کی امنگ لے کر کامی پرش آتا ہے۔ وہ پوری ہوتی ہے +

ان کے علاوہ یہاں ایک اور قسم کے لوگ بھی ملتے ہیں۔ یہ ریفارمر یعنی مصلح ملک وقوم ہیں۔ میں نے بہتیرے آدمی دیکھے۔ کوئی مدرسوں میں اپنے خیال کے بموجب نئے طریق تعلیم سے پڑھا رہے ہیں۔ کوئی نئی قسم کے مندروں۔ مسجدوں۔ گرجاؤں میں اپنے خیال کے مطابق نئی طرح کے وعظ کر رہے ہیں یا عبادت کرا رہے ہیں۔ کوئی نئی قسم کی میونسپل کمیٹیوں

بات نہیں سنی ہوگی۔ چونکہ یہ ارواح اہل دنیا کی طرح بن۔ دنیا ہیں سنب و روز گرفتار رہتی ہیں۔ جہاں انہیں کوئی معمول اپنے مطلب کا ملا اور یہ فوراً اڈّی دنیا کی طرف کھنچیں۔ یہاں ایسے آدمی بھی کثرت سے ملتے ہیں جن کے دل پر کسی دنیاوی راز سربستہ کا بوجھ ہے اور وہ اپنے اقارب سے کہا چاہتے ہیں۔ مثلاً اپنا روپیہ کہاں گاڑا ہے یا کوئی ضروری کاغذ کہاں رکھا ہے۔ غرض یہاں جس کو دیکھا کف افسوس ملتے دیکھا۔ جو زندگی ہیں حال تھا بعینہ ویسا یہاں پایا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں نہ ہم پر بھوت بھتنوں کا کچھ اثر ہوتا ہے۔ نہ ہم اُن کی ہستی کے قائل ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر ہنسی آیا کرتی ہے۔ بھوتوں کا خاص اشخاص پر اثر نہ ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ بہتیرے آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ لیکن بھوتوں کی ہستی سے انکار کرنا سخت حماقت ہے۔ بھوت روح بے قالب کا نام ہے جو عالم سفلی سے اعلےٰ طبقے کی مخلوقات ہے۔ جو شخص اعلےٰ لوکوں سے منکر ہیں اُن سے کہنا چاہئے۔ کہ مرکر آدمی کا کیا حال ہوتا ہے۔ آیا وہ جڑ مول سے ناش ہوگیا؟ اگر ایسا ہوا تو۔ جو اعمال اس نے کئے تھے اُن کی سزا و جزا کہاں گئی۔ عمل بے ثمرہ وہم و خیال میں بھی نہیں آسکتے۔ اگر عمل کی سزا و جزا نہ ہو تو نظام عالم ایک روز بھی نہیں چل سکتا۔ کیونکہ نیکی و بدی دونوں یکساں ہوجائینگی۔ دوسرا خیال بھی درست نہیں ہے کہ قیامت تک آدمی غفلت کی نیند۔ قبر میں پاؤں پسارے سویا کرتے ہیں اور روز قیامت اُن کو ابدالآباد کے لئے یا تو جہنم کی آگ میں جلائے جانے کا حکم ہوجاتا ہے۔ یا بہشت میں شراب اور حوریں مل جاتی ہیں۔ بھلا خدا کا یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ کہ غریب انسان کو پچاس ساٹھ برس کے اعمال کی جزا و سزا ابدالآباد کے لئے دیدی جائے۔ یہ قیامت تک کا خواب غفلت تناسخ کے مسئلہ فلسفی کے سامنے بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ جو نیرنگئے عالم کا سب سے بہتر ثبوت ہے۔ خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ کام لوک کے اور طبقات کا حال سنئے۔

تحریر ہوتے ہیں۔ وہ واقعی سچے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سچے بھی ہیں اور جھوٹے بھی۔ حقیقت میں کام لوک کے اس طبقے میں نہ آگ روشن ہوتی ہے اور نہ لوگ اس میں زندہ جلائے جاتے ہیں۔ نہ فرشندگان معذب کسی کو عذاب اور عقوبت دیتے ہیں۔ ہاں پیروان ملت و مذہب نے ان سزاؤں کا حال کتابوں میں پڑھا ہے اور واعظان مذہب کے درس اور وعظوں میں سنا ہے یہ بدبخت گنہگار چونکہ دل بگڑا ہوتا ہے اپنے من کی کلپنا یعنی اپنے ہی تصوّر سے اپنے لئے مصیبت کھڑی کر لیتے ہیں۔ بعینہٖ خواب کا سا حال ہے۔ کوئی شخص نہ اپنے لئے بُرے خواب بنانا چاہتا ہے۔ نہ اُن سے تکلیف اُٹھانے کا خواہشمند ہے۔ لیکن آنچہ در آوند ہست مے تراود۔ جیسے دل میں خیالات ہوتے ہیں وہی خواب کی صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ پس جو خیالات زندگی میں طبیعت پر مسلّط ہوتے ہیں۔ وہی کام لوک میں آکر اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے نہیں بلکہ سینکڑوں برسوں کے واسطے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان کو اپنی زندگی پاکیزہ بنانے کی کیسی بڑی بھاری ضرورت ہے۔

میں اس دوزخ کے طبقے پر پردہ ڈالتا ہوں اور کام لوک کے اگلے طبقوں کا حال آپ کو سناتا ہوں۔ دوسرے طبقے کو بعینہٖ یہ سمجھئے کہ مادّی دنیا کا عکس ہے۔ جیسے یہاں لوگ دنیا اور دنیا کے معاملات میں غرق ملتے ہیں۔ بالکل ویسا ہی حال اس طبقے کا ہے۔ جدھر دیکھئے بندۂ دنیا کھچا کھچ مارے مارے پھرتے ہیں۔ مر کر بھی ان کمبختوں کو دنیا کی ہوس نہیں چھوڑتی۔ وہی چھوٹی چھوٹی باتوں کے رونے روئے جاتے ہیں۔ کسی کو بال بچوں اور عزیز و اقارب کا فکر دامنگیر ہے۔ کسی کو مکان۔ سامان۔ زمین۔ باغ وغیرہ وغیرہ کا تفکّر ہے۔ وہی ان کی روزمرہ کی بے سروپا باتیں ہیں۔ جن کا نہ آغاز ہے نہ انجام۔ وہی ان کے پست اور کم حوصلہ خیالات ہیں۔ جن میں نہ کبھی کوئی بات نکلی ہے نہ نکلیگی۔ بھوت بھتنے جو لوگوں کے سروں پر آکر کھیلا کرتے ہیں۔ اسی طبقے کے ارواح ہیں۔ ان سے کسی شخص نے کبھی کوئی لیاقت کی

کی پاداش سے بچنے کے واسطے خودکشی کر لیتے ہیں۔ وہ سخت جاہل ہیں۔ اُن کا دل پکڑا جاتا ہے۔ اور وہ بدبخت گنہگار ضمیر کے ہاتھوں جرم کی سزا یہاں کام لوک میں آکر روز بھوگتے ہیں +

شراب خواروں کو دیکھا کہ بوتلوں میں سے شراب بھر بھر کر جام منہ سے لگاتے ہیں اور حسرت وارمان کے ساتھ پھر رکھ دیتے ہیں۔ پینے کی ہوس نے دل میں آگ مشتعل کر رکھی ہے۔ لیکن چونکہ سیری کا ذریعہ یعنی جسم خاکی نہیں ہے۔ آسٹرل شراب آسٹرل جسم کے ذریعے سے ہوس کو بجھا نہیں سکتی۔ ان کی اذیت سے بڑھ کر اور کون سی اذیت ہو سکتی ہے۔ آخر یہ کمبخت کام لوک سے دنیائے مادّی کی طرف کھنچتے ہیں۔ کلال خانوں اور شراب کی دکانوں میں شراب پینے والوں کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ اور کسی کو بے ہوش پاتے ہیں تو اُس کے جسم میں حلول کر کے اپنی ہوس کیا بجھاتے ہیں اور عذاب جان کو لگاتے ہیں۔ کلال خانوں کی بھیانک صورت اور قابل نفرت ہوا میں ان ناپاک ارواح کا بھی بہت کچھ حصہ ہوتا ہے۔ یہی حال اور نشوں اور خراب عادتوں کا ہے۔ عیاشوں اور اوباشوں کے حالات دیکھ دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ مجرموں کی عادات جرم اور بداخلاقوں کی بداخلاقیاں یہاں من وعن سب کھلے بندوں دیکھتے ہیں۔ کام لوک میں آدمی کیفیات نفس چھپا نہیں سکتا۔ بلکہ جو اس کے دل میں ہوتا ہے وہ جسم سے صاف صاف نظر آتا ہے۔ میں نے شہوت پرستوں کو وحشی جانوروں کی طرح پھرتے دیکھا ہے۔ غیظ و غضب اور رشک وحسد والوں کا اُن کے اصلی رنگ میں مشاہدہ کیا ہے۔ بدباطنوں کی بدباطنی آئینہ کی طرح صاف دیکھی ہے +

بہت سے بدبخت آگ میں زندہ جلتے دیکھے۔ بہتوں کو دیکھا کہ خاک وخون میں لیٹتے ہیں۔ بہتیرے ایسے دیکھے کہ فرشتگان معذب اُن کو ایسے عذاب اور عقوبتیں دے رہے ہیں۔ جن کے خیال سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ پوچھینگے کیا مذہبی کتابوں میں دوزخ کے جو حالات

معینہ کے لحاظ سے عمر بسر کرنی پڑتی ہے۔ اور جب تک ان ساتوں تسریوں کا تیاگ نہیں ہوتا وہ اعلےٰ طبقوں یعنی بہشت بریں میں داخل نہیں ہو سکتا جن لوگوں نے جیون حیات میں جذبات سفلی اور شہوات کو روکا ہے۔ ان کا کامی سنر پرپسنٹ نہیں ہوتا اور وہ بہت جلد کام لوک کے بندھن سے نکل جاتے ہیں۔ برعکس اس کے جو شہوات کے غلام بن کر کامی شریر کو پسٹ کرتے رہتے ہیں انہیں کام لوک کے سات طبقوں میں سینکڑوں برس کاٹنے پڑتے ہیں۔ اور اعمال کے مطابق سخت اذیتیں اُٹھانی پڑتی ہیں +

کام لوک کے سات طبقوں میں پہلا سب سے زیادہ کثیف ہے۔ یہ ان لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے جو اپنی زندگی میں جرائم کبیرہ اور گناہائے عظیمہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہاں خونی قاتل۔ ڈاکو۔ خودکش۔ عیاش۔ اوباش انتہا درجے کے شراب خوار۔ جواری۔ دغاباز۔ مکار۔ غرض ہر طرح کے مجرم ملتے ہیں۔ یہاں کے نظارے سخت عبرتناک اور بھیانک ہیں۔ ہوا نالہ و فریاد سے بھری ہوئی ہے۔ رنج و غم کی جاں فرسا صدائیں کانوں میں آتی ہیں۔ آنکھ وہ سانحے دیکھتی ہے کہ دل پھٹا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جسے ہندو نرک اور مسلمان دوزخ کہتے ہیں۔ کچھ نظارے جو میں نے یہاں دیکھے ہیں۔ آپ کے بھی گوش گذار کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ یاد رکھنے کی باتیں ہیں +

ہمارے محلے میں ایک شخص بڑی بے رحمی سے ایک آدمی کو مار کر فرار ہو گیا تھا۔ آخر گرفتار ہوا۔ اور انفصال مقدمہ کے بعد پھانسی دیا گیا۔ اس شخص کو میں نے کام لوک میں دیکھا۔ کمبخت ہر روز اسی قتل کا مرتکب ہوتا تھا اور ہر روز ہی پھانسی پر چڑھایا جاتا تھا۔ غرض اس مصیبت میں مبتلا تھا کہ دیکھ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ ایک شخص نے لوگوں کا روپیہ مار کر خودکشی کر لی تھی۔ اُسے دیکھا کہ قرض خواہ اور پولیس پیچھے بھاگی چلی آتی ہے۔ اور وہ بے حواس بھاگا ہوا آتا ہے اور دھم سے کوئیں میں جا پڑتا ہے۔ ایک دن نہیں ہر روز یہی حال رہتا ہے۔ مہاراج جو لوگ جرم

ہم سے پہلے مر چکے ہیں۔ سب ملتے ہیں۔ غرض مرنے پر آدمی اس عالم میں آتا ہے تو وہ اپنے تئیں مردہ نہیں سمجھتا۔ یہی جانتا ہے کہ میں زندہ ہوں یہاں بیماریاں نہیں ہیں۔ کیونکہ بیماری جسم خاکی میں ہوتی ہے۔ یہاں جسم کثیف کا بوجھ کھینچے کھینچے پھرنا نہیں پڑتا۔ اسی لئے آدمی آزاد ہوتا ہے کہ جہاں چاہے چشم زدن میں چلا جائے۔ اس جسم کو کھانے پینے کی احتیاج نہیں ہے۔ ہاں دنیا کے کثیف چیزیں جو استہائیں۔ خواہشات کثیف اور شہوات ہم نے اپنی جان کے ساتھ لگا رکھی تھیں ان کی ہوس بہ نسبت یہاں کے زیادہ زور کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ شراب یا نشئی اشیا کی تیز خواہش۔ جذبات حیوانی کا غلبہ۔ حسد۔ رنج۔ تکلیف۔ غضب وغیرہ تمام ایسی کیفیات ہیں۔ جن کے مرکز جسم کثیف میں نہیں ہیں۔ بلکہ جسم لطیف یعنی کامی شریر میں ہیں۔ جو آدمی جیتے جی ان جذبات کے غلام رہتے ہیں وہ اپنے کامی شریر کو یوں سمجھئے موٹا تازہ بنا رہے ہیں۔ کامی شریر میں انہیں جذبات کا ہوتا ہے کامی شریر جتنا قوی ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ عرصے تک انسان کو کام لوک میں رہنا اور مرنے کے بعد دکھ سہنا پڑیگا۔ جب تک آدمی اس جہان فانی میں حیات ہے۔ اس کا فرض اہم ہے کہ سفلی جذبات پر قدرت حاصل کرے۔ اس سے اس کا کامی شریر شدہ ہوگا۔ اور کام لوک کی زندگی اور تکلیفات سے بچیگا ؁

جسم کثیف اور پران مے کوش کے چھوڑنے کے بعد کام لوک میں بود و باش کرنے کے لئے پرانی کا شریر از سر تو نئی ترتیب پاتا ہے گویہ جسم لطیف جسم کثیف کے اندر حین حیات میں بھی رہتا ہے لیکن ستھول شریر کے ٹھوس مائع اور گیسی یعنی ہوائی حصوں کی مطابقت سے اس کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے۔ کام لوک کے سات طبقات ہیں اور ان ساتوں میں، کثافت و لطافت مادہ کے لحاظ سے فرق ہے۔ مرنے کے بعد ہر ایک طبقے کا مادہ جدا جدا مرتب ہو جاتا ہے۔ اور آدمی کے سات جسم بن جاتے ہیں۔ یا یوں سمجھو کہ سات خول ہیں۔ ایک ایک طبقے میں ایک ایک خول یا شریر کے ذریعے آدمی کو مدد تمہارے

صرف کثافت و لطافت کا فرق ہے۔ اس عالم لطیف کو ہندو شاستروں میں پتری لوک کہتے ہیں۔ بودھوں نے اس کا نام کام لوک رکھا ہے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے دوزخ۔ اعراف اور بہشت کے بہت سے درجے اسی میں ہیں۔ تھیوصوفیکل سوسائٹی والے اسے آسٹرل پلین یا عالم نورانی کہتے ہیں +

جس جسم کے ذریعے سے انسان اس عالم میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا نام سوکشم شریر۔ کامی شریر۔ جسم لطیف یا آسٹرل باڈی ہے۔ اس جسم کا تجربہ ہمیں ہر روز عالم خواب میں ہوتا ہے۔ یہ جسم ایسا لطیف ہے کہ پتھر کی دیوار میں سے گزر سکتا ہے۔ فاصلہ طے کرنا اس کے نزدیک کچھ بات نہیں ہے۔ دم کے دم میں سرعت خیال کی طرح کوسوں طے کر جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شاستر کا حکم ہے کہ سوتے آدمی کو یکدم بھول کر نہ جگاؤ۔ بلکہ ہمیشہ ہولے ہولے جگاؤ۔ بعض دفعہ ایسا اتفاق ہوا ہے۔ کہ سوتے ہوئے شخص کو جو ایک دم ہی جھنجھوڑ ڈالا ہے تو وہ سوتے کا سوتا رہ گیا۔ جسم لطیف پھر کر اس میں نہیں داخل ہو سکا اور علیحدہ ہی رہ گیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص مر گیا +

آپ پوچھینگے کہ یہ پتری لوک یا کام لوک کہاں واقع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جیسے پتری شریر ہمارے جسم میں ہی ہے۔ کہیں باہر نہیں ہے۔ اسی طرح سے پتری لوک اسی نظام شمسی میں ہے۔ اس سے باہر نہیں۔ ہر ایک کثیف سیارے مثلاً زمین کے ساتھ ہی پتری لوک ہے۔ فرق صرف کثافت اور لطافت کا ہے۔ مثلاً خواب میں ہم سب پتری لوک میں ہوتے ہیں۔ لیکن خواب کی لطیف دنیا اس کثیف دنیا میں ہے۔ کہیں باہر نہیں ہے ہم اُسے اس وجہ سے نہیں دیکھ سکتے کہ کثافت کا پردہ ہم نے اپنی آنکھوں پر ڈال رکھا ہے۔ اور جسم و جسمانیات کے ایسے بندے بن گئے ہیں کہ لطیف عالم ارواح کو دیکھنا تو درکنار اُن کی ہستی سے بھی منکر ہیں +

پتری لوک کو یوں سمجھ لیجئے کہ خواب کی طرح اسی دنیا کی لطیف صورت ہے۔ یہاں مرد و زن کی تمیز ہے۔ زبانوں کا فرق ہے۔ ہمارے دوست آشنا جو

پیٹنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اس سے متوفی کی توجہ برطرف ہوتی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی زندگی سے عمدہ سبق حاصل کرے الٹا اور دنیوی جذبات میں پھنستا ہے۔ جو آگے چل کر اس کے حق میں باعث تکلیف ثابت ہوتے ہیں۔ اس وقت رونے پیٹنے کی بجائے اگر اُس کے رشتہ دار صدق دل سے اُس کے حق میں دعائے خیر کریں یا اُس کی طرف نیک خیالات بھیجیں تو اُن کا اثر بہت ہی اچھا ہوتا ہے۔ اور مردے کو شانتی نصیب ہوتی ہے*

اگر مردے کے جسم کو شمشان میں لے جا کر جلادیں تو پران مے جسم بھی فوراً ناش ہو جاتا ہے۔ اور دونوں جسموں سے متوفی کو جلد تر خلاصی ہو جاتی ہے۔ برعکس اس کے مردے کو دفن کر دیا جائے یا بہا دیا جائے تو جب تک گوشت پوست وغیرہ باقی ہے۔ پران مے جسم باقی رہتا ہے اور گلتا سڑتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے قبرستان ایسے بھیانک۔ بدبو۔ اور بے روپ نظر آیا کرتے ہیں۔ مردہ جسم کے ساتھ سب سے بہتر سلوک اُسے جلا دینا ہے۔ اور شخص متوفی کے ساتھ سب سے بہتر سلوک یہ ہے کہ اس کے احبّا و اقربا اُسے نہ تو روز روئیں پیٹیں اور نہ حسرت و افسوس کے ساتھ یاد کریں۔ بلکہ جب یاد کریں تو اس کے حق میں یا تو دعائے خیر کریں۔ یا نیک خیالات بھیجیں۔ خود غرضی سے مردے کو اس طرح یاد کرنا کہ وہ ہوتا تو ہمیں یہ آرام ملتا یا خود اس کو یہ آرام ملتا۔ اس غریب کو ہوا و ہوس دنیاوی کی بیڑیوں میں جکڑ کر پھر اسی عالم فانی کی طرف کھینچنا ہے۔ وہ تمہارے پاس آئیگا۔ لیکن چونکہ تم سے مل جل نہیں سکتا اور بات چیت نہیں کر سکتا۔ اس وجہ سے اور پریشان خاطر اور مضطرب اور بیتاب رہیگا*

دونوں جسموں سے آزاد ہو کر انسان کا وہ جسم باقی رہتا ہے۔ جس کا تجربہ ہر شخص کو ہے۔ یہ وہی جسم ہے۔ جس سے ہم عالم خواب کے تماشوں کا نظارہ کرتے ہیں۔ عالم بیداری کی طرح خواب بھی ایک عالم ہے۔ عالم بیداری کثیف ہے عالم خواب لطیف ہے۔ دونوں عالم بے شک مادّی ہیں۔

ہے۔ آفتاب اس نظام شمسی کی روح رواں ہے اس میں سے پران یعنی قوت کی دھاریں شعاعوں کی صورت میں نکل نکل کر ہر ایک ذیحیات کو مایۂ حیات بخشتی ہیں۔ انسان کا پران ہے جسم جسم کثیف کے نمونے پر بنا ہوا ہے۔ اور نہایت ہی چھوٹے چھوٹے گلابی ذروں سے مرکب ہے۔ جو خوردبین سے بھی نظر نہیں آ سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ خوردبین عناصر کثیف سے بنی ہوئی چیزوں ہی کو دکھا سکتی ہے اجرام لطیفہ کو نہیں دکھا سکتی۔ مسمرزم کا عامل کمزور بیمار کو جو طاقت پہنچایا کرتا ہے۔ وہ اسی اپنے پران کو بیمار میں منتقل کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے عمل مسمرزم کے بعد وہ خود مضمحل نظر آیا کرتا ہے۔

جسے ہم موت مانتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایک تبدیلی کا نام ہے۔ جیسے بچہ تبدیل ہو کر جوان بن جاتا ہے۔ جوان بڈھا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب یہ کالبد خاکی ضعف یا بیماری سے ناکارہ ہو جاتا ہے تو اصلی انسان جس کے اس جسم خاکی کی طرح اور بھی کئی اجسام لطیف ہیں اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا نام مرنا ہے۔ لیکن مرنا ڈرنے کی بات نہیں ہے ایک بالکل طبعی امر ہے۔ مرتے وقت انسان کو مطلق تکلیف نہیں ہوا کرتی۔ وہ اس جسم خاکی کی جانب سے بالکل بے ہوش ہوا کرتا ہے۔ اس کے پاس بیٹھنے والے چونکہ سانس کی آمد و شد میں تکلیف دیکھتے ہیں انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اسے سخت تکلیف ہے۔ حالانکہ جسم کی کل بگڑ جانے سے سانس لینے میں دقت ہوتی ہے۔ مرنے والے کو بیہوشی کے باعث کچھ خبر نہیں ہوا کرتی۔ یہ خداوند کریم کی حکمت بالغہ اور رحم و کرم ہے۔

جب انسان مر جاتا ہے تو قالب خاکی خاک پر پڑا رہ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے اجسام لطیف میں اس کے پاس کھڑا ہوا اپنی زندگی کے تمام نیک و بد افعال پر ایک نظر ڈالتا ہے۔ ساری زندگی کی مکمل تصویر اس کی نظر کے سامنے ہوتی ہے اور یہ ایک بڑا اچھا موقع اعمال سے تجربہ حاصل کرنے کا ہے۔ پس جو لوگ مرتے والے کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں۔ انہیں رونے

ایک اور سادھو بولے۔ مہاراج ان مہاتما نے اس دنیا کے بھوگوں سے اُپ رتی یعنی سیری کا رنگ دکھایا ہے۔ میں آپ کو اُس دنیا کے بھوگوں سے سیری کی کہانی سناتا ہوں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بہشت و دوزخ فقط کہانیاں ہیں چنانچہ یہ شعر زبان زد عام ہے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

لیکن یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ جس طرح اجسام کثیف کی یہ دنیا ہے کثیف ہے اسی طرح اجسام لطیف کی اور لطیف دنیائیں ہیں۔ سلسلہ کائنات انسان پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ جیسے ادنےٰ درجے کے کیڑوں سے شروع ہو کر سلسلۂ ذی حیات مینڈکوں۔ مچھلیوں۔ پرند و چرند سے ارتقا کرتا ہوا انسان پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح اور مخلوق انسان سے زیادہ لطیف۔ اعلےٰ اور مکمل بھی ممکن ہے۔ جن دنیاؤں میں یہ رہتی ہے انہیں عالم بالا یا اونچے لوک کہتے ہیں۔ عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ شاستر بھی کہتا ہے۔ اور تجربے سے بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ کچھ عرصے کی مشق سے آدمی یہ قدرت بہم پہنچا سکتا ہے۔ کہ جیتے جی ان لوکوں کی سیر کر سکے اور وہاں کے رہنے والوں سے مل جل کر وہاں کے تمام حالات بچشم خود دیکھ سکے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے عالم بالا دیکھا ہے۔ چنانچہ جو حالات میں آپ سے بیان کرونگا وہ چشم دید ہونگے۔ گرہست کے عالم میں میں نے ہندو شاستر بھی پڑھا تھا اور یوگ ابھیاس بھی کرتا تھا۔ طبیعت رسا تھی تھوڑے عرصے کی مشق میں اس لائق ہو گیا کہ اس کالبد عنصری کو جب چاہوں چھوڑ دوں اور قالب لطیف سے عالم بالا کی سیر کر آؤں۔ لیجئے میرے تجربات اور سیر کا حال سنئے۔

ہمارا جسم صرف یہی جسم کثیف نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اندر کئی اور جسم ہیں۔ جو لطیف و لطیف تر و لطیف ترین ہیں۔ اس کالبد خاکی کے بعد پہلا جسم پران کا ہے۔ جسے ہمارا شاستر پران مے کوش کہتا ہے۔ کالبد خاکی اسی پران کے سہارے قائم ہے۔ اور یہ پران ہمیں جرم آفتاب سے بہم پہنچا

اعمال ہی ساتھ جائینگے اے غافل	کچھ ان کی بھی قدر تو نے پہچانی ہے

ہے جان و دل سے بندۂ دنیا تُو	معشوق ہے دنیا تیری اور شیدا تُو
اس طرح سے مائل تجھے دیکھا میں نے	کھو بیٹھا ہے اُسکے شوق میں غفلے تُو
دنیا نے مگر ساتھ دیا ہے کس کا	چھوڑ اس کا ساتھ ہے اگر دانا تُو
آخر یہ چھوڑنی پڑیگی اک دن	خود چھوڑ دے اس میں تجھکو آسانی ہے

اے مہر ہوس بُری ہے بھولو نہ کبھی	اس کو چھوڑو یہی ہے شرط مردی
رہنا نہیں دنیا میں تمہیں جلنا ہے	موت ایک نہ ایک دن ضرور آئیگی
دانائی اسے کہتے ہیں گر میری سنو	اُس دن کے لئے آج سے ہو تیاری
جب وقت گزر گیا تو پچھتاؤ گے	بے فائدہ اس وقت پشیمانی ہے

کلام مہر جلد ثانی

ان خیالات نے مجھے شانتی دی۔ اور چونکہ میرا بڑا لڑکا برسرِکار تھا۔ اور بیوی کے نہ رہنے سے اب گھر سے سروکار نہ رہا تھا۔ میں نے اپنے گورو کی آگیا سے سنّیاس دھارن کیا۔ اب میں آزادانہ زندگی بسر کرتا ہوں۔ بچار نے مجھے اُپ رتی کی نعمت بخشی۔ اُپ رتی نے مجھے شانتی دی۔ اور شانتی نے جیون موکش کا پد بخشا +

سولھویں سادھو کی کہانی

اُپ رتی عالم بالا سے

جس طرح کہ عالم ہے یہاں کا جھوٹا	عالم ہے اسی طرح وہاں کا جھوٹا
اے مہر ہمارا تو عقیدہ یہ ہے	سودا ہے بہشت جاوداں کا جھوٹا

اے طبع رواں تیری روانی ہے غلط	سچ کہتا ہوں یہ رام کہانی ہے غلط
آنا جانا یہاں بھی ہے واں بھی ہے	سودائے بہشت جاودانی ہے غلط

مرقد میں تجھے کھائینگے اک دن کیڑے انجام میں یہ کھانا ہے یہ پانی ہے

کیا فائدہ گر تو نے فراہم کیا مال کچھ سوچ تو اس مال کا کیا ہوگا مآل
آیا تھا تو دونوں ہاتھ خالی تھے ترے جائیگا تو خالی ہیں پھیرا ہے فرخ فال
دلاتی ہیں کوئلوں کی یوں کالے ہاتھ کیا کرتا ہے یہ خیال ہی دل سے نکال
مفلس کی طرح امیر کو بھی اک دن دو گز چادر کفن کی مل جانی ہے

کیا فائدہ گر مل بھی گئی عزت و جاہ یوں دست ہوس میں ہو نہ ہر گز گمراہ
وہ بھولے ہیں راہ پہنچے کب منزل پر ہے ایسے مناظر پہ فقط جن کی نگاہ
یہ جاہ و مناصب نہیں کام آئینگے جب نزع کے وقت ہو گیا حال تباہ
ہوں اہل مناصب کہ ہوں نااہل و رذیل دنیا دونوں کے واسطے فانی ہے

ہے ناز شرافت کا سراسر بے جا میں نے دیکھا ہے اس کو یکسر بے جا
یاں کون شریف اور ہے کون ذلیل اے دوست تو دعوے نہ کیا کر بے جا
ہوگا معلوم خاک ہو کر اک دن یہ فخر تجھے قبر کے اندر بے جا
جب خاک میں خاک ملگئی دونوں کی تو ایک گدا و ظل سبحانی ہے

تو نے سمجھا ہے جن کو اپنا احباب ہونگے وہی اک روز تیری جاں کو عذاب
یہ یار نہیں ہیں بوالہوس ہیں عیّار انکے ہیں فقط یار شراب اور کباب
مطلب کا زمانہ ہے غرض کا بندہ تو اپنی زندگی نہ کر ان میں خراب
کیوں حق سے جدا ہے جھکے تو انکی طرف جو یار ہے تیرا دشمن جانی ہے

اولاد و اقارب سے ہے تجھ کو اُلفت سمجھا ہے کہ یہ کرتے ہیں مجھ پر شفقت
آ آکے کیا کرتے ہیں گو تجھ کو سلام پر ہے یہ سلام روستائی حضرت
سب تا لب گور چھوڑ آئینگے تجھے ہے اتنی رفاقت کی فقط ماہیت

کچی بنیاد اس عمارت کی ہے	روز اول سے یاں مرا پانی ہے

***

یوں ناز نہ کر حواس کی صحت پر	ہیں آج صحیح کل کی ہے کس کو خبر
آنکھیں روشن ہیں آج تاروں کی طرح	کل ضعف بصارت سے نہ آئیگا نظر
دندان و زبان و گوش آج اچھے ہیں	لیکن کل ہوگا حال ان کا ابتر
ہے ان کی بھی مثلِ جسم بودی بنیاد	امید قرار سخت نادانی ہے

***

کیوں رہتا ہے تجھکو فکرِ تعمیرِ مکاں	آخر اک روز چھوڑ جانا ہے یہاں
گزرا یہ خیال بھی کبھی دل میں ترے	یعنی ہے جہان پنجروزہ گزراں
کیا سر پہ مکاں اٹھا کے لیجائیگا	جس روز ہوا کوچ کا یاں سے ساماں
تو جائیگا تو۔ ساتھ نہ گھر جائیگا	رہتی پھر کس لئے پریشانی ہے

***

سازو ساماں کا شوق ہے لاحاصل	اس کی جانب کبھی نہ کر دل مائل
اسباب پریشانئے خاطر کا ہے	اسباب تیرے مکاں کا اے جاہل
کیا کرتا ہے جمع چھوڑ جانا ہے سب	تنہا چلنا ہے تجھ کو سوے منزل
آیا تھا تو کچھ ساتھ نہ لایا تھا یہاں	جائیگا تو پھر بے سر و سامانی سے

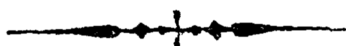
***

اچھا نہیں شوقِ جامہ زیبی ناداں	یہ کوٹ یہ پتلون نہیں نفع رساں
جب موت نے گھر پہ آن کر دستک دی	کام آئیگی کچھ نہ تیری کپڑے کی دکاں
دو گز کفن انجام میں مل جائیگا	انجام یہی ہے جامہ زیبی کا یہاں
وہ بھی کیڑوں کا ہوگیا جب لقمہ	تو گور میں تو ہے اور عریانی ہے

***

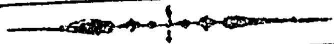
اچھا نہیں ہے محض ہوسِ شوقِ طعام	یہ شوق ہے وہ جس سے ہو انسان بدنام
کھاتا ہے تمام دن نہیں ہوتا سیر	بھرتا نہیں پیٹ صبح بھرتا نہیں شام
بکری ہے کہ تو بیل ہے یا گھوڑا ہے	چرنے کے سوا تجھ کو نہ دیکھا کچھ کام

پہلا سا عمر کارخانہ نہ رہا	وہ مہر و محبت کا زمانہ نہ رہا
بیگانہ نما ہیں آشنا ہیں جتنے	دنیا میں مگر کوئی یگانہ نہ رہا



بیوی کے مرنے کا مجھے سخت رنج ہؤا تھا۔ لیکن میں نے بچار سے کام لیا۔ اور سوچا کہ سنسار سپنا ہے۔ ایشور نے اسے رچا ہے۔ سب زن و مرد خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ میرے تو نہیں۔ خدا نے ہی تمہیں بیوی دی تھی خدا نے ہی لے لی۔ کیوں میرا تیرا کر کے رنج اُٹھاتے ہو۔ ایک روز خود تمہارا جسم اسی طرح لکڑیوں میں جلتا ہوگا۔ جس طرح بیوی کی لاش آپ پھونک کر آئے ہو۔ اس جسم خاکی کا پندار بھی چھوڑ دو اور اس سے بھی اُپ رت ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا کی اور چیزوں کی طرح یہ بھی فانی ہے۔ غرض مہاراج جس جس چیز میں موہ اور ماو منی کا امکان تھا۔ میں نے سب کو نگاہ تعمق و عبرت سے دیکھا اور یہی دیکھا کہ نہ کسی کو قیام ہے نہ کسی کو دوام ہے۔ ان گزشتنی اور گزاشتنی چیزوں میں کیا دلبستگی کرنی۔ ہوس کا دامن دراز ہے۔ اس کو جس طرح بنے سمیٹنا چاہیئے۔ شاعر کہتا ہے:

تنبیہ اہل ہوس



دنیا کی ہوس بکمال نادانی ہے	اس میں اے بوالہوس پریشانی ہے
دیکھا جسے ہم نے اُسکو آئینہ کی طرح	بس یہ دیکھا کہ سخت حیرانی ہے
کیا حرص و ہوا سے فائدہ ہی اے دوست	انجام میں حسرت ہے پشیمانی ہے
پیشانی میں ہر شخص کی لکھا ہے یہی	موت ایک نہ ایک روز پیش آنی ہے

جسم خاکی میں کب بجا ہے پندار	یہ تیری انانیت کریگی تجھے خوار
کیوں وہم خودی ہے قالب خاکی میں	رہنے کا مکاں کہیں نہیں ہے تیرا
گر جائیگا ایک دن یہ مٹی کا گھر	قائم نہ رہیگا کر تدابیر ہزار

دولت کسے روز بیٹھ کر کھائیگا	یا ساتھ اسے باندھکے لے جائیگا
کیا کرتا ہے صندوق میں کے اغافل بند	کر راہ خدا میں خرچ پھل پائیگا

اس طرح زر کی بندگی سے طبیعت کو آزاد کیا۔ خیرات کرنی شروع کی۔ محتاجوں کو امداد دی۔ اس سے دل میں شانتی سی آنے لگی اب جاہ۔ مرتبہ اور عزت کی طرف توجہ کی۔ ہمارے محلے میں ایک اعلے افسر سرکاری رہتے تھے۔ یہ بڑے معزز اور صاحب رتبہ شخص تھے۔ ہر روز ان کے مکان پر مجمع رہتا تھا۔ امیر و رئیس آیا کرتے تھے۔ اُن کا مزاج ایسا آسمان پر رہتا تھا کہ ہم جیسے متوسط درجے کے لوگوں کا تو سلام بھی نہیں لیتے تھے۔ اتفاق سے ایک مقدمے میں پھنس گئے۔ پولیس کے سپاہی آکر اور ہتکڑیاں ڈال کر لے گئے۔ دم کے دم میں وہ منصب اور عزت سب خاک میں مل گئی۔ بعد میں یہ تین برس کے لئے جیل خانے بھیجے گئے۔ میں نے صفحۂ دل پر لکھ لیا۔ کہ عزت ناش ہونے والی چیز ہے۔ دلبستگی کے لائق نہیں +

عزت کچھ چیز ہے نہ ذلت کچھ چیز	کچھ بھی نہیں فرق ان میں اے یار عزیز
جب موت نے خاک کر دیا دونوں کو	ہوتی نہیں شاہوں کی گداؤں سے تمیز

مہاراج اسی طرح ہوا و ہوس اور مادمنی کی اور باتیں میں نے لیں اور سب پر غور و فکر کر کے من کو اُپ رت کیا۔ اگر سب کا بیان کروں تو ایک دفتر درکار ہے۔ اس وجہ سے اپنی آخری بپتا کے سنانے پر اکتفا کرتا ہوں۔ شہر میں وبا پھیلی ہوئی تھی۔ اور اسی میں میری پیاری بیوی کا واقعہ ہوگیا۔ خویش۔ اقارب اور احباب میں سے کسی نے آکر منہ بھی نہیں دکھایا۔ کچھ تو بیوی کے مرنے کا رنج۔ کچھ ان لوگوں کی رکھائی۔ میں دنیا اور دنیا کے لوگوں سے سیر ہوگیا۔ اور میں نے سوچا +

اپنا دیکھا ہے اور پرایا ہم نے	سو بار ہے سب کو آزمایا ہم نے
اے مہربنی کا ہے زمانہ ساتھی	بگڑی کا کوئی یار نہ پایا ہم نے

میں ہے۔ وہ تکلفات میں ہرگز نہیں ہے ٭

اس طرح کچھ کچھ اطمینان رونما ہوا تو میں نے سوچا۔ اب دیکھو اور کس چیز سے آپ رتی یا سیری درکار ہے۔ مال و دولت کا خیال ہر شخص کے دل پر حاوی رہتا ہے۔ اور میں بھی بندۂ زر تھا۔ اتفاق سے ہمارے محلے میں ایک بڈھا برہمن رہتا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ یہ مال دار آدمی ہے۔ لیکن ایسا منحوس اور کنجوس تھا کہ ججمانوں کے گھر سے کھانا اور کپڑا مانگ لاتا۔ اسی میں گزارا کرتا اور دمڑی پاس سے نہ نکالتا۔ پھر تماشہ یہ کہ اکیلی جان۔ جورو نہ جاتا اللہ میاں سے ناتا۔ ایک رات اُس کے ہاں چور آئے۔ اور کوڑی کوڑی لے گئے۔ صبح بیٹھا رو رہا تھا۔ میں نے بھی دیکھا اور صفحہ دل پر لکھ لیا کہ مال اعتبار کے لایق چیز نہیں ہے۔ جو شخص اس میں دلبستگی کرتا ہے وہ بڑی غلطی پر ہے ٭

تحصیل کیا تو ہے تحفظ کا خیال | محفوظ رہا تو صرف کا ہے جنجال
آنے میں بھی رنج اور جانے میں بھی رنج | لعنت تجھ پر ہزار لعنت اے مال

لکھ پتی ساہوکاروں کے دیوالے نکل جاتے ہیں۔ امیر کبیر آدمی بھیک مانگنے لگتے ہیں۔ بھائی گیان آنند۔ دولت کس کی ہوئی اور کس کی ہوگی ٭

جاہت دولت کی محض رسوائی ہے | تو نے کس سے طبیعت اٹکائی ہے
آغوش میں آج اسکی ہے کل اُسکی ہے | اے مہر یہ بیسوا تو ہرجائی ہے

دولت کا فائدہ صرف اتنا ہے کہ آدمی کی اپنی ضروریات پوری ہو جائیں یا وہ خیرات کر کے مستحقین اور محتاجین کی ضروریات پوری کرے ٭

کام آئیگی خیرات جو کر جائیگا | خیرات سے گھٹ نہ تیرا نہ زر جائیگا
پیاسا پانی جو پی لے دریا سے مہر | پانی دریا کا کیا اُتر جائیگا

صندوق میں بند ہے اگر کیسۂ زر | یا اس میں مقفل ہے بڑا سا پتھر
دونوں یکساں ہیں آنکھ میں میری مہر | محتاج کو دے تا کہ کھُلے قیمت زر

جاکر حلوائی سے سب مٹھائیاں جو مجھے مرغوب تھیں ٹوکری بھرواکر لایا۔ ایکانت میں بیٹھ کر کھانی شروع کیں۔ پہلے پہلے تو بہت لذیذ معلوم ہوئیں۔ لیکن کہاں تک آخر من بھر گیا اور شکم بھی سیر ہو گیا۔ طبیعت نے چاہا کہ ہاتھ کھینچ لو۔ مگر میں نے کہا نہیں اور کھاؤ۔ چنانچہ کھائے گیا۔ لقمہ منہ میں نہیں چلتا تھا۔ مگر چبائے گیا۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ ابکائی آئی۔ میں نے پروا نہ کی۔ اور ایک لڈو اور منہ میں ڈالا۔ اس کا ڈالنا تھا کہ قے شروع ہوئی۔ میں کلی کر کے پھر بیٹھا اور کھانا شروع کیا۔ پھر قے ہوئی۔ اور میں پھر بیٹھا۔ اس طرح قے کرتا کرتا دیوانہ ہو گیا۔ تو میں نے من سے کہا۔ لے بھائی مٹھائی ابھی اور باقی ہے کھانی ہے تو اور کھالے۔ کل نہیں ملیگی۔ مہاراج وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کھانے کے لذیذ یا غیر لذیذ ہونے کا خیال میرے پاس نہیں پھٹکنے پاتا۔ جو کچھ ملتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ بُرا ہو یا بھلا۔ اُسی کو کھا کر شکر کرتا ہوں اور خوش رہتا ہوں ٭

کھانے کا علاج تو میں نے کیا۔ میری خوش پوشی اور خوش باشی کا علاج خدا کی طرف سے ہؤا۔ میرا کمرہ نہایت آراستہ و پیراستہ رہتا تھا اور مکلّف کپڑوں کی الماریاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ کہ شیشے کا ایک بیش قیمت لیمپ میز پر سے گر کر پھوٹ گیا اور مٹی کا تیل بھڑک اٹھا۔ بہتیری کوشش کی مگر آگ روکے نہ رکی اور وہ سامان آرائش اور کپڑے سب جل کر خاکستر ہو گئے۔ خیریت یہ ہوئی کہ مکان بچ گیا۔ میں نے اس روز سے عہد کیا۔ کہ کپڑے اور سامان آرائش سب ناش ہونے والی چیزیں ہیں ان میں دلبستگی چھوڑو۔ گزارے کو چھوٹا سا مکان کافی ہے۔ بڑے مکان کا کیا کرنا ہے۔ سامان ضروری درکار ہے نہ کہ دنیا بھر کا۔ اور کپڑے معمولی پہن لینے کافی ہیں جن سے گرمی سردی کا بچاؤ ہو۔ نہ کہ زنان بازاری کی طرح مرد صورت ہو کر بناؤ سنگار میں مصروف رہا کرو۔ چنانچہ میں نے اپنا بڑا مکان تو کرائے پر دے دیا اور خود ایک مختصر مکان میں جا بسا۔ صرف ضروری چیزیں ساتھ رکھیں۔ تجربے سے معلوم ہؤا کہ جو لطف اور اطمینان طبع سادگی کی زندگی

دل لگانے کے لائق نہیں ۔

میں نے ویدانت پڑھا تھا۔ لیکن شانتی نصیب نہیں ہوئی۔ آخر میں نے سوچنا شروع کیا۔ کہ جو آنند۔ ویدانتی کو نصیب ہونا چاہیئے اور جس کا کتابوں میں جگہ جگہ ذکر پایا جاتا ہے۔ مجھے کیوں نہیں ملتا۔ اس میں شاستر کا قصور ہے یا میرا ہے۔ مہاراج اس نیت کا آسرا لے کر آدمی سوچنا شروع کیا کرتا ہے۔ تو اصلی حال اس سے چھپا نہیں رہتا۔ چنانچہ میرے دل نے گواہی دی۔ کہ تم نے صرف کتب ویدانت کے الفاظ پڑھے ہیں۔ انوبھو کرنے کی کوشش نہیں کی۔ دنیا کی چیزوں میں جیسی تمہیں پہلے دلچسپی تھی ویسی ہی اب بھی ہے۔ تم خوش خور۔ خوش پوش۔ خوش باش آدمی جیسے آگے تھے۔ ویسے آج ہو۔ روپے کی وہی ہوس ہے۔ جاہ و مناصب۔ عزت و حرمت اور نام و شہرت وغیرہ پر جس طرح پہلے جان دیتے تھے ویسے ہی اب دیتے ہو۔ زن و فرزند اور اقارب و احباب میں جو ماومنی پہلے تھی وہی اب ہے۔ بھائی گیان آنند۔ چالیس برس کی عمر ہونے آئی برابر لیتے بھوگتے رہتے ہو اور تمہیں سیری نہیں ہوتی۔ اُپ رتی پیدا کرو۔ اُپ رتی ۔

اس خیال کے ساتھ دل نے گواہی دی۔ تمہیں لذیذ چیزیں کھانے کا بڑا شوق ہے۔ روز کھاتے ہو اور سیر نہیں ہوتے۔ کیا جانوروں کی سی عادت ڈالی ہے۔ کھایا اور ہگ دیا۔ کھایا اور ہگ دیا۔ شاعر کہتا ہے ۔

اندروں از طعام خالی دار	تا دراں نورِ معرفت بینی
تہی از حکمتی بعلتِ آں	کہ پُری از طعام تا بینی

لیکن معدے کو خالی رکھنا اور نور معرفت دیکھنا تو درکنار۔ تم تو اس شعر کے مصداق ہو ۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن ست　　تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن ست

پہلے اس کھانے ہی کا علاج کرو۔ دیکھو کس چیز پر طبیعت بہت دوڑتی ہے۔ بازار میں ایک حلوائی مٹھائی نہایت نفیس بناتا تھا اور آتے جاتے دل للچاتا تو میں اکثر خرید لایا کرتا تھا۔ آج میں نے دو روپے جیب میں ڈالے اور

ایک جو حسن آج ہے کل خواب ہے — اس پہ شیدا ہے تو دیوانہ ہے تو
خواب کا نقشہ ہے یہ سارا جہاں — اس نمود بود پر مرتا ہے تو
یاں کسی شے کو نہیں ہے مستقل قیام — ان میں کیا دلبستگی کرتا ہے تو
سخت زنجیریں ہیں تیرے خواہش — ان میں بیٹھے سب بنا کے گیا ہے تو
پھر توڑ ان کو کہ تو آزاد ہے — خواب ہیں یہ دیدۂ بینا ہے تو
روک ان کو اور دیکھ اسرار حق — کیوں عبث حیرت زدہ بیٹھا ہے تو

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

کلام مہر بلند ناتھ

تیسری ہمیتی - اُپ رتی یا سیری

پندرھویں سادھو کی کہانی

اُپ رتی - عملی پہلو

اے مہر یاد رکھ کہ ہے دنیا گزشتنی — تو اس میں پھنس گیا تو بس اندھیر ہو گیا
منظر بدلتے رہتے ہیں یاں خواب کی طرح — میرا تو دیکھ دیکھ کے دل سیر ہو گیا

نظم کے ختم ہونے کے بعد ایک سادھو نے کہا - مہاراج - اُپ رتی کی کتھا میں شروع کرتا ہوں - اُپ رتی یا اُپرام کے لغوی معنے خاتمے کے ہیں - اصطلاح میں اُپ رتی من کی اُس حالت کا نام ہے - جس میں کیا اس لوک کے اور کیا اُس لوک کے سب بھوگوں کی تمنّا انسان سیر ہو کر چھوڑ دیتا ہے - اور اُسے یقین واثق ہو جاتا ہے کہ سب ہیچ ہے - اس وجہ سے دلبستگی کے لائق نہیں - بیراگ میں چیز کو دوش درشٹی سے دیکھا جاتا ہے یعنی محض اس نظر سے کہ یہ بُری ہے اس سے پرہیز لازم ہے - اُپ رتی میں اُسی چیز کو بھوگ کر اور اُس سے سیر ہو کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ہمارے

راز حق تجھ پر ہو کیونکر منکشف
کام ان تینوں سے کیا تو نے لئے

چشم بند و گوش بند ولب بہ بند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

آنکھ کی خوبی ہے یہ اے خوش خصال
اُس کو ہر شے میں نظر آئے خدا
کان میں خوبی ہے کوئی تو ہے یہ
جو صدا ہو وہ صدا ہو یار کی
ہو زباں پر ذکر حق اور نام حق
کلمۃ الحق منہ سے نکلے ہر زماں
نام ہے اس ضبط کا ضبط حواس

شوق ہو دلدار کا دیکھے جمال
بائے ایسی اس کی حق بینی کمال
ہو صدائے حق پہ ہر آواز دال
دے صدائے غیر کانوں سے نکال
ماسوا کا ہو نہ ہرگز اشتمال
اور باقی ہیچ سمجھے قیل و قال
مشق کر بس اسکی اے فرخندہ فال

چشم بند و گوش بند ولب ببند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

خارجی دنیا میں کیا ہے اے امیر
شکل و آواز و کلام خارجی
تو نے دنیائے دلی دیکھی نہیں
تو نے اندر کی صدائیں کب سنیں
دل میں ہے سرچشمۂ آب حیات
دل ہے دنیائے کبیرہ اے عزیز
خارجی دنیا سے روک اپنے حواس

تو جو اُس کا ہے دل و جان سے اسیر
داخلی سے کب ہیں بڑھکر دل پذیر
وہ ہے دنیائے مثال و بے نظیر
ہے طیور خلد کی جس میں صفیر
تو نے اس کو کب لیا مانند شیر
تو سمجھ اس کو نہ دنیائے صغیر
جیز ہے یہ خارجی دنیا حقیر

چشم بند و گوش بند ولب ببند
گر نہ بینی سرِ حق بر من بخند

لذتوں کا آہ متوالا ہے تو
اور محسوسات پر شیدا ہے تو

ہیں انہیں دیکھوں تو ہو مجھ کو سرور	اور لذّت سے ہوں لذّت آشنا
کان کو مس گرچہ صورت سے نہیں	لیک ہے آواز خوش پر یہ فدا
چاہتا ہے وہ صدا ہو گوش زد	جس میں امرت کی طرح ہو رس بھرا
ہے فدا شیریں کلامی پر زباں	یا کہ چٹخاروں کا ہے لپکا پڑا
چاہتی ہے چاٹتی رہ جاؤں میں	آئے وہ ہر بات میں تازہ مزا
اے کہ عرفاں کا تجھے ہے اشتیاق	وہ بھلا ان لذّتوں میں کب ملا

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

آنکھ گر خوش ہو ہر اک شے دیکھ کر	اس کو کہنا چاہیئے اہل نظر
لیک ناخوش ہے بُری صورت سے وہ	داغ ہے یہ سخت اُس کے نام پر
کان خوش ہوتا جو ہر آواز سے	تھا حواسوں میں بہشتی یہ۔ مگر
ہے بُری آواز سے نفرت اسے	حرف یہ آتا ہے اس پر سخت تر
ہر زماں گر ہو زباں شیریں کلام	کیسی خوش خوش زندگانی ہو بسر
عیب جو ہے اور غیبت گو بھی یہ	عیب یہ دیکھا گیا ہے بیش تر
الغرض پُر عیب ہیں تیرے حواس	ان کو قابو کر ذرا اے بے خبر

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

تجھ کو یہ آنکھیں ملی تھیں اس لئے	صنعت صانع کا نظارہ کرے
غور سے ہر چیز پر کر کے نظر	دیکھے جلوے قدرتِ اللہ کے
کان کا یہ فرض تھا اے عزیز	نغمۂ توحید تو ہر دم سنے
جو صدا ہو وہ نوا ہو زار کی	اور سرِّ مخفی تجھ پر کھلے
تھا زباں کا مدعا حمد و ثنا	یا کہ ذکر و طاعت و اوراد تھے
کام تھا لینا خدا کے نام کا	تذکرے کرنے خدا کی شان کے

انہوں نے پڑھنا شروع کیا*

سرِّ حق

ایک عارف سے کیا میں نے سوال
کس طرح وارد ہؤا کرتا ہے حال
قال کے جھگڑے سے میں نکلا نہیں
گرچہ بحثوں میں بہت کی قیل و قال
فلسفہ میں نے پڑھا دل کھول کر
اور کی ہے شاستر کی دیکھ بھال
جتنا میں پڑھتا گیا کھلتا گیا
دور ہے مجھ سے بہت اوج کمال
ہیں کتابوں میں فقط الفاظ خشک
ان سے ہو کشف حقیقت ہے محال
مجھ کو رہتی ہے بہت سرگشتگی
دمبدم آتا ہے دل میں یہ خیال
سرِ حق کیونکر ہو مجھ پر منکشف
سُن کے بولا وہ کہ اے فرخندہ فال

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

سرِّ حق سے آگہی گر چاہیئے
کچھ ریاضت اے ہنرور چاہیئے
لوث دنیائے دنی اچھّی نہیں
شغل تجھ کو اس سے بہتر چاہیئے
ہیں حواس ظاہری ظاہر پسند
ان کو ہر دم تازہ منظر چاہیئے
تابع لذّات ہیں دل اور حواس
لذّت ان کو خوب و خوشتر چاہیئے
دوڑتے ہیں جیسے گھوڑے بے لگام
اُن کو آزادی برابر چاہیئے
لیک آزادی سے کب پورا پڑا
روکنا ان کو مقرر چاہیئے
کنج تنہائی میں ہو خلوت گزیں
اے کہ تجھ کو سرِّ اکبر چاہیئے

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

آنکھ کی خواہش یہی ہے دائما
اچھی اچھی صورتیں ہوں رونما

نہیں۔ میں نے غلطی کی۔ تم دو روز کھانا نہ کھاؤ گے تو بہت ہو اُڈبلے ہو جاؤ گے۔ میں دُبلا آدمی ہوں۔ تین روز کے فاقے سے شاید میری جان ہی نکل جائے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

پائے مسکین پیادہ چند رود	کز تحمل ستوہ شد بختی
تا شود جسم فربہے لاغر	لاغرے مردہ باشد از سختی

تمام سادھو یہ سن کر ہنسنے لگے۔ سوامی برہمانند بھی ہنسے اور کہنے لگے یہ اندریہ دمن کا مضمون دلچسپ ہے۔ کوئی اور مہاتما اس پر کوئی اور کہانی سنائے۔

چودھویں سادھو کی کہانی

دم۔ شاعرانہ پہلو

اے ضبط حواس تو ہے اعجوبہ چیز	ہیں جان و دل سے تجھکو رکھتا ہوں عزیز
مجھ پر ہی نہیں حصر کہ دنیا بھر کے	دلدادہ ترے ہیں صاحب عقل و تمیز

وہیں موتے مہاتما بولے۔ مہاراج پریم آنند نے کہانی لاجواب کہی ہے۔ اگر یہ کوئی معمولی کہانی کہتا تو ہم سب اب کیا اور کل کیا اس کی جان کو آجاتے۔ یہ سب پر ہنسا کرتا ہے۔ ہم ہنس ہنس کر اس کے پران لے ڈالتے۔ لیکن اس وقت سوائے تعریف کے اور کچھ بن نہیں آتا۔ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ میں یا کوئی اور سادھو بنا کر کہانی کہیں یا آپ بیتی یا جگ بیتی سنائیں تو ہرگز ہرگز اس سے بازی نہیں لے جائینگے۔ اس وجہ سے اندریہ دمن پر اور کہانی سنانی ایسی ہنسی کرانی ہے۔ مجھے نظم پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ بھائی پریم آنند تو بھی غور سے سُن۔ تونے جدت فکر نثر میں دکھائی۔ میں اسی اندریہ دمن کے مضمون ہر نظم میں اپنے حالات سناتا ہوں۔ یہ کہہ کر

راجہ کو یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا۔ اس نے راج دھانی میں آکر یہ تجویز کی کہ ہماری سلطنت میں جہاں جہاں مندر رہیں۔ وہاں اہل محلہ کا یہ فرض ہوگا۔ کہ مفت خورے پجاریوں کو مجبور کر کے اپنشد۔ بھگودت گیتا۔ یوگ واسشٹ۔ بھاگوت یا رامائن کی کتھا بٹھائیں اور شام کو سب اہل محلہ کتھا بھی سنیں اور گانے اور بھجن کا بھی آنند لیں۔ مندروں کا یہی فائدہ بھی ہے یہ متبرک ستھان پجاریوں کے بھنگ اور چرس پینے کے واسطے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اس پر کچھ عرصہ عملدرآمد ہوتا رہا۔ بعد میں زیادہ لوگ راجہ کے پاس آنے لگے۔ یہ بدیہہ نگر سے ہیرا لاتے تھے اور راجہ کو دکھاتے تھے۔ ہیرا ایسا بیش بہا ہوتا تھا کہ اُن کی تمام عمر نہایت خوشی اور خورمی سے بسر ہو جاتی تھی +

یہ کہانی سنا کر پریم آنند نے کہا۔ مہاراج۔ وہ بدیہہ نگر ہمارا جسم ہے۔ اور بیش بہا ہیرا شبدھ من ہے جسے یہ مل جاتا ہے۔ اس کی زندگی بڑی ہی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ لیکن یہ ملتا ہے اس شخص کو جو اندریوں کو لشیوں میں نہ پھنسنے دے بھگوان نے گیتا میں کہا ہے۔ کہ اندری جب لشے کی طرف جاتی ہے تو راستے میں دو چور پڑتے ہیں جن کا نام نفرت اور رغبت ہے۔ دانا آدمی کو اُن کے بس میں نہیں آنا چاہئے۔ پس اگر آدمی اندریوں کو اُن کے عمل کرنے دیتا ہے تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ اندریاں اپنا اپنا کام حسب معمول کرینگی۔ حرج اس وقت واقع ہوتا ہے۔ جب ہم اندریوں کے بس میں آکر اور نفرت و رغبت کے بندے ہو کر لشیوں میں پھنس جائیں۔ اس بات کی کہ جس نے احتیاط کی اُس نے اندریوں کو جیت لیا۔ یہی "دم" یعنی اندریہ دمن کہلاتا ہے۔ یہ کہہ کر پریم آنند خاموش ہو گئے +

دہی موٹے مہاتما کہنے لگے۔ پریم آنند۔ کہانی تو نے لاجواب کہی۔ بھئی میں دو روز بھوکا رہ جاؤنگا اور اپنی روٹیاں تجھے انعام دے دونگا۔ یہ سن کر پریم آنند نے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا کہ واہ کیا داد ملی ہے۔ اور کیا انعام تجویز کیا ہے۔ مہاتما تم کہو تو میں تین روز بھوکا رہ جاؤں اور اپنی روٹیاں تمہاری نظر کردوں۔ مگر نہیں

سوتی۔ ریشمی۔ چرمی ہر طرح کے کپڑے والوں کی دکانیں بہت تھیں۔ زرتاری اور زردوزی کے کارخانے تھے۔ بنے بنائے خوش وضع سوٹ اور بوٹ بکتے تھے۔ انہیں دکانوں کی طرح کوٹھوں پر زنان بازاری کی بھی بڑی کثرت تھی۔ اور ایک سے ایک بڑھکر معشوقہ طنّاز اور سراپا تصویر ناز و انداز۔ راجہ نے ان پر ایسی توجہ نہ کی جیسی ان لوگوں پہ کی جو نیم کی ٹہنی ہلاتے پھرتے تھے۔ اور ان لوگوں پر بہت ہنسا جو مکلف لباس کے دلدادہ تھے۔ اس کی نظر میں یہ لوگ ایسے معلوم ہوتے تھے۔ جیسے آدمی سوانگ بنائے پھرتا ہے ؛

پچھیٹے روز راجہ اور وزیر نے مشورہ کیا۔ کہ جو لوگ بدیہہ نگر میں آنے ہیں تابع حواس بنکر یہیں پھنس رہتے ہیں۔ انہیں کیونکر نکالنا چاہئے اور ہیروں کے لینے کا شوق کیونکر دلانا چاہئے۔ تجویز ہوئی۔ کہ چلو انہیں اُپدیش دیں۔ چنانچہ بازاروں میں جاکر لوگوں کو مجتمع کیا اور نصیحت کرنی شروع کی کہ بوالہوسو! تم بدیہہ نگر میں کس مطلب کے واسطے آئے تھے۔ حواسوں کی لذتوں میں پھنس گئے۔ بدبختو! تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ یہاں ہیرے کی کان ہے۔ ایک ہیرا لے لو تو ساری عمر خوشی اور خورمی کے ساتھ بسر کر سکو گے ان لذات میں کیا رکھا ہے ؛

محسوس کیا ہے آج جن کو لذّات | کل پھر تصوّر میں ہے وہ خواب کی بات
دونوں یکساں ہیں اس لئے اے غافل | لذّات ہیں یا تصوّر محسوسات

حواسوں کا کام ہے اپنے بشیوں کا علم حاصل کرنا۔ آنکھ دیکھتی ہے دیکھنے دو۔ کان سنتا ہے۔ سننے دو۔ تم ان بشیوں میں پھنسے کیوں جاتے ہو۔ اس اُپدیش پر بہتوں نے تو توجہ ہی نہیں کی۔ ہاں کچھ لوگ راجہ اور وزیر کے ساتھ ہیرے کی کان کی طرف گئے۔ ان میں سے بہت سے تو رستے کی نظر فریبیوں سے وہیں رہ گئے۔ کچھ کان کے احاطے میں پہنچے۔ لیکن کھود کر ہیرا نکالنے میں انہیں اتنی محنت معلوم ہوئی۔ کہ ہمت ہار کر واپس چلے آئے۔ تھوڑے سے آدمیوں نے راجہ اور وزیر کے ساتھ محنت سے زمین کھودی اور ایک ایک ہیرا لے کر پھرے ؛

روحِ بشر کو دیکے سہارا اسی طرح	تو بھی بلند کرتا ہے اسے راگ ایک بار
یاں تک کہ اوج عشق حقیقی پہ چڑھ کے وُہ	ہوتی ہے جا کے شاہد اصلی سے ہم کنار
البشر کو سُر میں دیکھتے ہیں صاحبِ نظر	سُنتے ہیں سَب یہ ہم کو جو پائے وصل یار

ایک جلسے میں جو جا کر جمے تو اُٹھنے کو دل گوارا نہیں کرتا تھا۔ وزیر نے وہی کل کی نصیحت آج بھی کی اور کہا۔ مہاراج۔ صدا کو سن لینا کان کا کام ہے لیکن ان صداؤں پر فریفتہ ہو کر انہیں کا ہو رہنا شایان دانائی نہیں +

دلکش ہے حسن چشم بینا کے لئے | دلکش آواز گوش شنوا کے لئے
لذات ہیں تابع حواس اے غافل | سپنے کی سی باتیں دل دانا کے لئے

دونوں جلسے میں سے اُٹھ کر شہر کے باہر آئے اور تیسرے روز تیسرے دروازے سے داخل ہوئے۔ یہ بازار بھی بڑی رونق کا تھا۔ لیکن یہاں جو چیزیں دل کو بے اختیار کھینچتی تھیں۔ وہ حلوائیوں۔ میوہ فروشوں۔ شربت سازوں اور شراب فروشوں کی دکانیں تھیں۔ ہر طرف نعمتہائے لذیذ کے انبار چنے ہوئے تھے اور ہر جانب زبان کے وہ چٹخارے تھے کہ منہ میں پانی بھرا آتا تھا۔ راجہ اور وزیر دونوں نے خوب سیر ہو کر خوش ذائقہ کھانے کھائے۔ لیکن چونکہ اب راجہ ہوشیار ہو گیا تھا اس نے ایسے کھانوں میں دل نہ لگایا۔ بلکہ ایسے لوگوں پر ہنستا رہا جو کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے تھے۔ یا جنہیں شراب خواری کی کثرت سے طرح طرح کے مرض لاحق ہو گئے تھے +

چوتھے روز چوتھے بازار کی سیر کی۔ یہاں گندھیوں کی دکانیں بکثرت تھیں۔ اور خوشبو نفیس عطر اور پھلیل بہت بکتا تھا۔ کہیں گلدستے فروخت ہوتے تھے۔ کہیں مشک کے نافے۔ یہاں باغ اور باغیچے بھی نہایت دل کش تھے۔ راجہ کو بھی گلہائے خوش رنگ وخوش بو بہت پسند آئے۔ لیکن یہ سمجھکر کہ سب گزشتنی و گزاشتنی ہیں۔ وہ سیر کر کرا کے خوش خوش واپس ہی چلا آیا۔ زیادہ عرصہ ٹھیرا نہیں +

پانچویں روز پانچویں دروازے سے شہر میں پہنچے۔ اس بازار میں اونی۔

اے راگ تجھ سے باقی ہے تسکین جان زار
اے راگ تو ہے مرہم زخم دل فگار
تجھ کو غذائے روح بتاتے ہیں نکتہ سنج
تو ہے برائے طبع حزیں قوت و قرار
دست قضا نے سوز بھرا تجھ میں کوٹ کر
جس دل کو تجھ سے سانحہ ہے جلتا ہے شمع وار
شعلہ ہے دل میں آگ لگانے کے واسطے
خلقت ہے تیری آگ سے سرہیں ترے شرار
ساتوں عجائبات ہیں تیرے ہی ست سُر
کیسی عجائبات عماراتِ روزگار
اعجوبۂ زمانہ ہے دنیا میں ایک تو
تخصیص ملک ہے نہ خصوصیت دیار
شیرینیاں وہ تجھ میں ہیں قربان تجھ پہ دل
رنگینیاں وہ تجھ میں ہیں سو دل سے جاں نثار
جادو بھرا ہؤا ہے صدا میں تری مگر
ہر ذی حیات ہے جو ترا اس طرح شکار

طاؤس رقص کرتا ہے تیرے سرود پر
رم بھولتا ہے سُن کے تجھے آہوے تتار
ماہی کو کھینچتی ہے کشش تیری آب سے
تیرے سُروں کو سن کے اُٹھاتا ہے پھن کو مار
انساں کا دل ہے تجھ پہ یہاں تک فریفتہ
مصروفیت ہو کیسی ہی کیسا ہی کاروبار
بے اختیار بھاگتا ہے سب کیا چھوڑ کر
جب گوش زد ہوئی تری آواز خوشگوار
دلدادہ تیری حور ہے تجھ پر فدا ملک
کرّوبیاں ہیں تجھ پہ دل وجان سے نثار
واللہ تو ہے نعمت عظمٰے بہشت میں
واں گرچہ نعمتوں کی نہ حد ہے نہ کچھ شمار
یہ انتہا ہے گر تیری مدح وثنا کی ہے
تجھ سے خدا بھی خوش ہے یہ ہے اور درکنار
تو جزو ہے عبادت پروردگار کا
تو لازمہ ہے بہرِ حضوریِ کردگار
آغاز تجھ سے کرتے ہیں انجام تجھ پہ ہے
ہے مذہبوں میں اہل عبادت کا یہ شعار

تو دلپسند مذہب وملت ہے اس لئے
ہوتا ہے دور تجھ سے طبیعت کا انتشار
دیتا ہے تیرا فیض خیالات کو علو
آتا ہے تجھ کو سُن کے دل زار میں قرار
حمد خدائے پاک میں توڑالتا ہے روح
ہوتی ہے تیرے دم سے مناجات زوردار
حیرت ہے تیرے حال پہ ارباب قال کو
ارباب حال قال پہ تیرے ہیں دل فگار
سُن سُن کے تجھ کو دھنتے ہیں سر صوفیانِ مست
سُن سن کے تجھ کو وجد میں آتے ہیں ہوشیار
اونچی جگہ چڑھاتے ہیں بچے کو جس طرح
انگلی پکڑ کے تاکہ نہ دقت ہو روبکار

آبسوں۔ یہاں کے نظارے ایسے دلفریب ہیں کہ جانے کو دل گوارا نہیں کرتا۔
وزیر مسکرایا اور کہنے لگا۔ مہاراج۔ آپ گھر سے عہد کر کے چلے ہیں۔ کہ میری نصیحت پر عمل کرینگے۔ سنئے۔ جس رنگ اور حسن پہ آپ فریفتہ ہوئے ہیں۔ وہ دور روزہ ہے۔ یہ پھول جو آپ کھلے دیکھتے ہیں۔ موسم خزاں میں مرجھا جاتے ہیں۔ حسین نوجوان عورتیں جو آج یہاں نظر آتی ہیں۔ کل بوڑھی ہو جائیگی۔ چہروں پر جھریاں پڑ جائینگی۔ نہ منہ میں دانت رہیں گے۔ نہ پیٹ میں آنت۔ یہ عالیشان محل اور مکان کسی دن کھنڈر پڑے ہونگے۔ ایسی ناپائیدار چیزوں میں کیا دلبستگی کرنی۔ چلئے یہاں سے اور سنبھالئے سلطنت کے کاروبار۔ یا عقبےٰ کا فکر کیجئے۔ آپ نے تماشا دیکھنا چاہا تھا دیکھ لیا۔ آنکھ کا کام ہے دیکھنا۔ اس کو دیکھنے دیجئے لیکن مناظر میں پھنس جانا داناؤں کا کام نہیں ہے۔ وزیر کی نصیحت نے راجہ کے دل پر اثر کیا۔ واپس ہوتے وقت اُنہوں نے نظارے تو ویسے ہی خوبصورت دیکھے لیکن بس دیکھے ہی۔ دل ان میں نہ پھنسایا۔ حسین عورتوں نے ناز و انداز دکھا کر انہیں اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن یہ سب کو دیکھتے اور مسکراتے ہوئے دروازے سے باہر آ گئے +

دوسرے روز دوسرے دروازے سے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ بازار بھی ویسی ہی رونق کا تھا۔ جیسا کل دیکھا تھا۔ لیکن وہاں رنگ اور حسن کے جلوے تھے۔ یہاں ہر جانب سے کان میں رس پڑتا تھا۔ کہیں دلکش باجوں کی صدائیں آتی تھیں۔ کہیں گانے کی سریلی آوازیں دل لبھاتی تھیں۔ خوش گلو پری چہرہ عورتیں ایک ایک تان سے دل کھینچے لیتی تھیں۔ باکمال سفید ریش گویئے راگوں کا پھیلاؤ دکھا دکھا کر اپنے حسن کمال کی داد چاہتے تھے۔ کہیں لکچر ہو رہے تھے۔ کہیں تقریریں ہو رہی تھیں۔ یہاں جو مرد و زن ملے بڑے شیریں کلام تھے۔ اور اُن کی باتوں میں وہ رس تھا کہ سن کر طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی۔ راجہ کا یہاں کل سے بھی زیادہ دل لگا۔ کیونکہ موسیقی کی تاثیر کون نہیں جانتا +

اُن کے رنگوں میں تھے سب قوس قزح کے نیرنگ | اُن کی خوشبو میں تھے سب مشکِ ختن کے آثار
واہ رے حسن کہ خیرہ ہوئی جاتی تھی نظر | واہ رے رنگ کہ بالیدہ تھا نور البصار

یاں سے جاتی نہ تھی گر بادِ صبا آتی تھی
اس قدر بوجھ تھا خوشبو کا کہ دب جاتی تھی

وسط گلشن میں بڑا حوض تھا اک خوش منظر | جو کٹورا سا چھلکتا تھا پڑا سرتاسر
آب سے اس کے خجل ہوتی تھی موتی کی آب | اللہ اللہ۔ وہ پانی کی مصفّا چادر۔
اس میں فوّارے تھے چاندی کے ہزاروں جاری | چھوٹتے تھے تو برس جاتے تھے لاکھوں گوہر
عکس مہتاب کا اور تاروں کا لہراتا تھا | آسماں زیر زمیں آتا تھا لوگوں کو نظر
وسط میں حوض کے اک برج کھڑا تھا اسطرح | جھیل کے بیچ میں جس طرح گل نیلوفر
چار برج اور تھے اس حوض کے کونوں پہ کھڑے | برج افلاک سے بھی مرتبے میں بڑھ چڑھ کر
گرد میں تھیں روشیں بیش بہا پتّھر کی | اُن کی نور اور صفا پر نہ ٹھہرتی تھی نظر
کہیں چینی کہیں شیشے کے بلوریں گملے | ایسے زیبا تھے کہ رکھ لیجئے بس آنکھوں پر
اُن میں جو پھول تھے خوشرنگ تھے اور خوشبو | عطر آگیں تھا مشام اور فزوں نور بصر
رنگ اور بو کا وہ انبوہ تھا اللہ۔ اللہ | کہ صبا کو بھی نہ ملتی تھی وہاں راہ گزر

ایک ایوان لب آب نظر آتا تھا
لحن داؤد سے واں کوئی غزل گاتا تھا

راجہ اس باغ کی سیر کرتا رہا۔ آخر ایوان کی چھت پر چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے۔ شہر کے بیچوں بیچ ایک وسیع میدان ہے۔ جو نہایت ہی مصفا اور دلکش ہے۔ اس کے گرد جنگلا لگا ہوا ہے اور دروازے پر بہت جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ ہیرے کی کان لیکن کوئی ادھر نہیں جاتا۔ سب اپنے اپنے کاروبار یا سیر و تماشے میں مصروف ہیں۔ چھت سے اتر کر دونوں نیچے آئے۔ اور دلکش باغ میں گلگشت کرنے لگے۔ ٹہلتے ٹہلتے راجہ نے وزیر سے کہا۔ یہ شہر نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہے۔ میرا بھی ارادہ ہے کہ یہیں

کرتے تھے۔ لیکن نہ تو بدھ نگر چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہتے تھے۔ نہ کان میں سے ہیرا لینے کی ہمت کرتے تھے۔ یہ سیر و تماشہ دیکھتے دیکھتے ایک دل کش باغ میں پہنچے ۔



وہ جو آگے بڑھے اک باغ کا دروازہ تھا
منتظر چشم کی مانند جو بالکل وا تھا

بے تکلف وہ ہوئے باغ کے اندر داخل
باغ کیا گلشن فردوس کا سب نقشہ تھا

صاف ستھری روشیں پاک و مصفا سڑکیں
کہیں تنکا بھی پڑا واں نہ نظر آتا تھا

سنگ مرمر کی تھی نہر اور اِدھر اور اُدھر
دونوں اطراف میں چھوٹا ہوا کچھ رستہ تھا

پاسبانی کے لئے سرو کھڑے تھے لبِ راہ
ڈر عروسان چمن کو نہ کسی شے کا تھا

گھن کی تھی چھاؤں درختوں کے تھے ہر جا جھرمٹ
یاں کشادہ سے اگر تھے تو وہاں غنچہ تھا

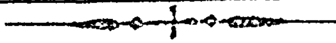
قد کشیدہ تھے جو پودے تو معمر تھے درخت
گرم اور سرد جنہوں نے کہ بہت دیکھا تھا

آم کرتا تھا بلندی میں فلک سے باتیں
ہم قرانوں میں نہ جامن کا بھی سر نیچا تھا

سبز پتوں میں وہ گلنار اناروں کے پھول
پھول کہنے کو ہر اک شعلۂ جوالہ تھا

ناشپاتی تھی وہاں فالسہ تھا گوندنی تھی
الغرض فصل کا جو چاہئے سب میوہ تھا

کوئی بے بر تھے کسی میں ابھی پھول آتے تھے
کوئی پھل پھول کے بوجھوں سے جھکے جاتے تھے



شاہ رہ سے روشیں کٹتی تھیں ہر سمت ہزار
جو صفائی میں تھیں جوں عارض یار

تھی کناروں پہ کہیں نہر رواں پانی کی
کنگرے تھے کہیں سنگیں کہیں مہندی کی قطار

بیچ میں ان کے تھے پھولوں کے مصفا تختے
ان میں گلبن تھے کہ تھی جن کی نہ حد اور نہ شمار

ان کے بوٹے سے قد اور سبز چمکتے پتے
یوں کھڑے تھے کہ کھڑے ہوں بنے ہر صفت نگار

گل شبو تھا کہیں اور کہیں نافرماں
کہیں صد برگ کہیں لالۂ پرخوں پہ بہار

موتیا اور چمیلی سے مہکتا تھا باغ
تھا گلاب اور بنفشہ سے چمن رشکِ تتار

ترزباں تھی کہیں شبنم کی صفت میں سوسن
چشم حیراں سے تھی نرگس کہیں محوِ دیدار

رنگ اور حسن کا جلوہ تھا ہر اک تختے میں
اور یہ خوشبو تھی کہ ہر جا تھی دکان عطار

ہیرا دے گئے اور کہہ گئے۔ مہاراج ہمیں اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی ٭

راجہ حیران تھا۔ کہ اتنی خلقت بدیہہ نگر میں جا بسی۔ وہاں سے واپس آنے کو کسی کا دل گوارا نہیں کرتا۔ اس میں اسرار کیا ہے۔ اور کیا وجہ ہے کہ یہ سادھو اور گرہستی ایسے بیش بہا ہیرے مجھے دے جاتے ہیں اور کہہ جاتے ہیں کہ ہمیں اُن کی ضرورت نہیں۔ آخر ایک دن اُس نے وزیر سے کہا کہ بدیہہ نگر ہمیں بھی دکھاؤ۔ وزیر نے کہا چلئے لیکن پہلے یہ عہد کر لیجئے۔ کہ جیسا میں آپ کو سمجھاؤنگا۔ اسی کے مطابق آپ کو عمل کرنا ہوگا۔ وگرنہ وہاں جاکر کہیں آپ بھی اوروں کی طرح قیام پذیر نہ ہو جائیں ٭

راجہ نے یہ شرط منظور کر لی اور دونوں چلے۔ شہر حقیقت میں نہایت خوبصورت اور عالی شان تھا۔ اس میں پانچ دروازے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ان دروازوں کے اندر بڑے بڑے شان دار بازار ہیں۔ راجہ اور وزیر دونوں ایک دروازے سے داخل ہوئے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ بازار کیا ہے بجائے خود ایک شہر ہے۔ اس میں خوبصورت باغ ہیں۔ جن میں خوشنما درختوں میں خوش رنگ پھول کھل رہے ہیں اور خوش رنگ پرند اڑتے پھرتے ہیں۔ نہریں۔ جھیلیں اور تالاب ہیں۔ کہیں سبزہ زار ہے کہیں سیر کہسار ہے فراخ بازاریں دور ویہ نہایت دل کش دکانیں ہیں۔ اور اُن میں قسم قسم کا اسباب بڑے سلیقے سے چنا ہؤا ہے۔ بیچ بیچ میں چوک ہیں کہیں تماشہ ہو رہا ہے۔ کہیں میلا لگا ہؤا ہے کہیں تھیٹر ہیں۔ ہر طرف عالیشان عمارتیں ہیں۔ کوٹھوں پر حسین عورتیں بیٹھی من کو لبھاتی ہیں۔ بازار میں چلتے پھرتے زن و مرد اپنے حسن دلکش سے دل کو فریفتہ کئے لیتے ہیں۔ غرض ہر طرف حسن اور رنگ کا وہ عالم تھا کہ نگاہ اُٹھائے نہیں اُٹھتی تھی۔ یہاں انہیں بہتیرے آدمی ملے جو پہلے واقف تھے۔ کسی نے کسی زن بازاری سے آشنائی کر لی تھی۔ کسی نے کوئی دکان یا کارخانہ کھول لیا تھا۔ کسی نے کچھ اور کام شروع کر دیا تھا۔ غرض ہر قسم کے کاروبار اور محنت شاقہ ہر قسم کے لوگ کرتے تھے۔ مصیبتیں اُٹھاتے تھے۔ یہاں تک کہ بھیک مانگ کر گزارہ

ایک ایک کیوں نہ دیا جائے۔ تاکہ سب خوشی اور خورمی کے ساتھ زندگی بسر کرسکیں اور میرا نام نیکی کے ساتھ یاد رہے +

وقت گزراں عمر گزر جاتا ہے | انسان آتا ہے آکے مرجاتا ہے
ہے زندۂ جاوید وہی نیک انجام | جو آن کے کچھ کام بھی کرجاتا ہے

وزیر نے کہا مہاراج آپ کا خیال تو بہت اچھا ہے۔ لیکن غیر مستحق اور نالائق آدمیوں کے ہاتھ یہ دولت پڑیگی۔ تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان پہنچائیگی راجہ نے کہا۔ تو کچھ تجویز ایسی نکالنی چاہئے۔ کہ اس کان کی اطلاع تو سب کو ہوجائے۔ لیکن ہیرا صرف ادھکاری یعنی مستحق آدمیوں کو ملے۔ اُن کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی لائق بننے کی کوشش کرینگے۔ وزیر نے سوچ کر جواب دیا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ میں یہاں حضور کے نام سے ایک شہر بساتا ہوں۔ اور اذن عام کر دیتا ہوں۔ کہ حضور کے ملک میں سے جو شخص چاہے۔ اس شہر میں آکر بسے یا ایک ہیرا لیکر جہاں چاہے چلا جائے۔ بایں ہمہ حضور دیکھینگے کہ بہت کم آدمی ہیرے لینے کی کوشش کرینگے۔ راجہ نے اس رائے کو منظور کرلیا۔ دونوں اس قسم کی باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔ کہ فاصلے سے ایک نرسنگھے کی آواز کان میں آئی۔ وزیر نے پہچانا کہ یہ میر شکار کا نرسنگھا ہے۔ فوراً اُدھر کا رخ کیا۔ آخر میر شکار اور کئی آدمی مل گئے اور سب رات ہونے سے پہلے پہلے راجہ کو جنگل سے باہر لے آئے +

دوسرے ہی دن سے وزیر نے ایک شہر بدیہہ نگر کی بنیاد ڈالی اور جب شہر تیار ہوگیا تو تمام ملک میں منادی پھروادی کہ جو شخص چاہے۔ وہاں جا بسے یا ایک ہیرا لے کر جہاں چاہے چلا جائے۔ ایک ہی ہیرا ایسا بیش بہا ہوگا کہ لینے والے کی تمام عمر خوشی و خورمی کے ساتھ گزر جائیگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جو ہیرا لائے وہ پہلے راجہ کو دکھا جائے۔ جوق جوق آدمی راجدھانی اور مضافات میں سے بدیہہ نگر دیکھنے گئے۔ اُن میں سے اکثر تو اُسی شہر میں جا بسے۔ بعض پھر کر آئے۔ لیکن ہیرا ساتھ نہیں لائے۔ کچھ سادھو اور گرہستی ایک ایک ہیرا لائے۔ لیکن وہ ایسے اُداسین یا مستغنی ہوگئے تھے۔ کہ راجہ کو

نظر سے غائب ہو گیا۔ اور یہ حیران کھڑے رہ گئے۔ راستہ معلوم نہیں تھا جائیں تو کہاں جائیں۔ کبھی ادھر کا رخ کرتے تھے کبھی اُدھر کا رخ کرتے تھے۔ شام قریب تھی۔ اس وجہ سے بڑی پریشانی کے عالم میں تھے۔ کہ جنگل میں رات ہو گئی تو کیونکر بسر کرینگے۔ اس مایوسی کے عالم میں اُنھوں نے جناب باری میں دستِ دعا بلند کیا۔ کہ یا دلیل للتحیرین تو ہی گم کردہ راہ کو راستہ دکھانے والا ہے۔ ہمارے حال پر رحم کر اور ہمیں راستہ دکھا۔ دعا کا قاعدہ کلیہ ہے کہ طبیعت میں شانتی پیدا کرتی ہے۔ ان دونوں کی بھی گھبراہٹ دور ہوئی اور توکل بہ خدا ایک طرف چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک جگہ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ زمین پر کوئی سفید چیز پڑی ہے اور دھوپ کی شعاعوں میں جگ مگ جگ مگ کر رہی ہے۔ وزیر نے گھوڑے پر سے اتر کر اُسے اُٹھایا اور راجہ کو دکھایا۔ یہ ایک بیش بہا ہیرا تھا۔ راجہ بڑا خوش ہوا۔ وزیر کو علمِ زمین میں دخل تھا۔ اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور کہنے لگا۔ مہاراج یہاں تو ہیروں کی کان ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ایسے بے شمار ہیرے اس میں ہیں۔ حضور بھی اس مقام کو یاد رکھیں اور میں بھی کچھ نشانیاں قائم کرتا ہوں۔ یہ کہکر اور بڑے بڑے درختوں پر نشان کرتے دونوں آگے بڑھے ٭

راجہ نے وزیر سے مشورہ کیا۔ کہ اس کان کا کیا انتظام کرنا چاہیے ایک ایک ہیرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ امیر کبیر ہو کر اپنی زندگی نہایت فراغبالی کے ساتھ بسر کر سکتا ہے۔ وزیر نے کہا۔ مہاراج۔ آپ کا خزانہ بھرپور ہے۔ ملک میں امن ہے اور فی الحال روپے کی ضرورت نہیں۔ کان کی خبر کو مخفی رکھئے۔ اور سوائے ولی عہد کے کسی کو نہ بتائیے۔ وہ اپنے لڑکے کو بتائے اس طرح راجہ اور اس کے بیٹے کے علاوہ یہ راز کسی پر ظاہر نہ ہو۔ اور سوائے اشد ضرورت کے ان ہیروں کو نہ نکالا جائے۔ یہ سن کر راجہ نے جو بڑا دھرماتما آدمی تھا کہا۔ بے شک نیتی یعنی تمدن سلطنت کی بات تو یہی ہے۔ جو تم نے کہی۔ لیکن میری نگاہ میں میری سب رعیت میرے ہی لڑکے بالے ہیں۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اس کان میں بیشمار ہیرے ہیں۔ تو سب کو

کیوں پریم آنند۔ یہ چڑیا ساٹھ کوس چلنے والے گھوڑوں سے بھی تیز رہی یا نہیں۔ وہاں چین کی ملکہ نے کچھ عجیب و غریب واقعات کے بعد راجہ کے سر میں سے کیل نکالی۔ وہ پھر آدمی بن گیا۔ ملکہ سے اس کی شادی ہوئی اور دونوں بڑی بھاری فوج لے کر آئے۔ وزیر کو پھانسی دی گئی۔ اور راجہ رانی راج کرنے لگے ؛

یہ سن کر سب سادھو ہنسنے لگے۔ پریم آنند خود بھی ہنسے اور بولے! واہ یہ کہانی تو تمہیں آتی ہے۔ اس لئے میرا وزیر راجہ کے سر میں کیل ٹھونک کر اُس کو چڑیا ہرگز نہیں بنائیگا۔ بلکہ کچھ اور ہی نرالی کارروائی کریگا۔ یہ سن کر ایک موٹے سے مہاتما نے کہا۔ تمہارا وزیر کریگا تو نرالی کارروائی۔ لیکن یہاں گیان کتھائیں ہو رہی ہیں۔ راجہ اور وزیروں کی عجیب و غریب کارروائیوں سے کیا بحث ہے۔ پریم آنند نے کہا۔ مہاراج! راجہ اور وزیر کی اسی کارروائی میں سے اندریہ دمن کی نتیجہ خیز باتیں نکلیں اور تم خوش ہو جاؤ تو کچھ انعام بھی دو گے یا نہیں۔ انہوں نے مسکرا کر کہا بھائی۔ میرے پاس زر و جواہر تو انعام دینے کو ہے نہیں۔ ہاں۔ کل جو دو روٹیاں مجھے کھانے کو ملینگی۔ ان میں سے ایک تجھے دیدونگا۔ میں آدھے پیٹ کھا لونگا۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا۔ کیونکہ یہ مہاتما بڑھ پیٹو اور کھاؤ بڑے تھے ؛

سوامی برہمانند نے کہا پریما۔ ان ٹھٹھول باتوں کو چھوڑ بھی۔ گیان کتھاؤں کا کیا رنگ جما ہوا تھا۔ تو نے سب کو ہنسانا شروع کر دیا۔ پریمانند نے انہیں موٹے سادھو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مہاراج میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ لیکن پچھلی کتھاؤں کے سننے سے انہیں شاید سمادھی کا آنند آنے لگا اور یہ اونگھنے لگے۔ میں نے سوچا۔ پریمانند۔ اگر یہ گوشت کا پہاڑ تیرے اوپر گرا۔ تو بھائی۔ تیری ہڈیاں پسلیاں پس جائینگی۔ اس لئے تو اُٹھ سادھو نیند کے متوالے ہو چلے ہیں۔ ذرا ہنس بول لینگے۔ تو سادھان اور ہوشیار ہو جائینگے۔ یہ لیجئے۔ کہانی میں شروع کرتا ہوں ؛

راجہ اور وزیر جب جنگل میں بہت دور نکل گئے۔ تو ہرن تو حسب دستور

دمن پر میں کہانی سناؤں۔ برہمانند۔ اور سب نے کہا بے شک سنائیے۔ لیکن سب مسکرا رہے تھے۔ کہ یہ کوئی ہنسی کی بات ضرور کہینگے۔ پریم آنند بولے۔ کہانی تو سناؤں لیکن ایک بات خیال میں آئی ہے۔ پہلے وہ کہتا ہوں۔ میں بڑے غور سے اِن مہاتماؤں کی کہانیاں سنتا رہا ہوں۔ یہ تو بس کہنے ہی کی کہانیاں تھیں۔ کسی نے اپنی سوانح عمری بیان کر دی۔ کسی نے کوئی نظم پڑھ دی۔ کسی نے اپنے گرو کے ساتھ اپنا مکالمہ سنا دیا۔ یہ کہانیاں تو نہیں کہلاتیں +

میری رائے میں تو کہانی اس طرح کی ہونی چاہیئے۔ جیسی میں سناتا ہوں۔ سنئے مہاراج! ایک تھا راجہ اور ایک تھا اُس کا وزیر۔ یہ بڑا بھاری راجہ تھا اور اس کی بڑی بھاری سلطنت پر حکمرانی تھی۔ ایک روز راجہ نے وزیر سے کہا۔ وزیر۔ اس نے کہا۔ کیوں مہاراج۔ کہا۔ سلطنت کے کاروبار کرتے کرتے میں تھک گیا ہوں۔ کل شکار کو چلو۔ بس حکم کی دیر تھی۔ میر شکار نے ہر قسم کی تیاری کی اور صبح امرا وزرا اور سب لوگ جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ راجہ نے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا۔ آگے آگے ہرن اور پیچھے پیچھے راجہ بڑی دور نکل گئے +

اس پر ایک سادھو نے ہنسکر پوچھا۔ پریم آنند۔ بھلا کتنی دور نکل گئے ہونگے۔ پریم آنند۔ نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا۔ بھائی۔ پہلے زمانے میں گھوڑے صبا رفتار ہوتے تھے۔ گھنٹوں میں دنوں کا سفر طے کر جاتے تھے۔ سمجھ لو پچاس ساٹھ کوس نکل گئے ہونگے۔ اور میں اُن کے پیچھے کوئی جریب لئے فاصلہ ماپتا ہوا تو آتا ہی نہیں تھا۔ کہ تمہیں ٹھیک ٹھیک بتا دوں۔ اس پر ایک فرمائشی قہقہہ پڑا +

ایک اور مہاتما بولے۔ پریم آنند۔ آگے تیری کہانی میں کہوں۔ جب بڑی دور نکل گئے۔ تو ہرن نظر سے غائب ہو گیا اور وزیر نے موقع پا کر راجہ کے سر میں ایک کیل ٹھونک دی۔ جس سے وہ چڑیا بن گیا۔ وزیر نے اس چڑیا کو پکڑنا چاہا۔ مگر وہ اڑی۔ اور اڑتے اڑتے سمندر پار چین میں پہنچی

یہ کہکر سوامی جی تو خاموش ہو گئے اور ہمیں وہ آنند حاصل ہؤا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ان کی نصیحت پر ہم نے عمل کیا اور ہمیں پورن شانتی حاصل ہو گئی۔ رتن چند کی پچاس سال کی عمر ہوئی تو اس کی بیوی اور سوامی جی دونوں کا دیہانت ہو چکا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا اس کی جگہ بنک میں مقرر ہو گیا۔ اور یہ سنیاس دھارن کر کے ہمارے ساتھ آملا۔ اس وقت سے ہم تینوں ساتھ ہیں۔ اور آنند اور شانت رس میں مگن رہتے ہیں۔ سوامی برہمانند نے کہا۔ سادھو من کی شانتی کے اپائے ان تینوں گورو بھائیوں نے بڑی وضاحت سے بیان کئے۔ اب کوئی اندریہ دمن کے مضمون پر کہانی سناؤ۔

تیرھویں سادھو کی کہانی

دوسری سمپتی دم یا ضبط حواس فلسفیانہ پہلو

دلکش ہے حسن چشم بینا کے لئے
دلکش آواز گوش شنوا کے لئے
لذات ہیں تابع حواس اے غافل
سپنے کی سی باتیں دل دانا کے لئے

اے مہر حواسوں کا نہ مانو کہنا
ورنہ تمہیں۔ رنج و غم پڑیگا سہنا
ٹھگ ہیں رہ معرفت کے یہ پانچ حواس
ہشیار تم ان سے راستے میں رہنا

سوامی برہمانند کا ارشاد سن کر ایک سادھو اُٹھ کر اُن کے پاس آئے۔ ان کے چہرے پر تبسم تھا اور وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ ہنسنے ہنسانے والے آدمی ہیں۔ حقیقت میں یہ وہی مہاتما تھے۔ جنہوں نے بارش سے پہلے یہ کہا تھا۔ کہ ملار گانے سے ست جگ میں میند برستا ہوگا۔ آج کل کلجگ ہے۔ ان کا نام پریم آنند تھا۔ بیٹھ کر کہنے لگے۔ مہاراج آپ کی آگیا ہو۔ تو اندریہ

یہاں بالذّات قائم ہے تو بس اک جوہرِ ذاتی
اضافی کل وجود ما سوا ہستی سے عاری ہے

نمودی ہے طلسم ماسوا کی بود اے غافل
نہ سچّا جان اس کو گر اُمید رستگاری ہے

حجاب شاہد اصلی ہیں اسما و صور دونوں
چھپانے کو اُسے یہ سب طلسمی نقش کاری ہے

تماشہ گاہ عالم میں تماشے گو بکثرت ہیں
یہ کثرت ہی مگر آئینۂ توحید باری ہے

نہیں جز آب گرداب و حباب و موج کی ہستی
کہ گو جنبش ہیں یہ لیکن وہی اک آب جاری ہے

نہیں جز ذات بینا مظہرات عالم امکاں
کہ ہستی خواب ہیں کی خواب کی ہستی میں ساری ہے

تماشہ گر ہے خود محو تماشہ کیا تماشہ ہے
پھر اُس پر محویت ایسی کہ بیہوشی سی طاری ہے

کہاں وہ عالم نور و سرور و ہستیٔ مطلق
کہاں یہ عارضی اوہام میں زاری و خواری ہے

خودی سے تجھ کو اے غافل ہوئی ہے خود فراموشی
شراب بیخودی پی یہ ہے دار و بہر مدہوشی

تماشائی ہے تو غافل تماشا گاہ کثرت میں
تماشائی مگر وہ جو ہے محویت کی حالت میں

بساط عالم رویا جہاں کی نقش بندی ہے
خرد بار بک بینی پر بھی مستغرق ہے غفلت میں

بہارستان امکاں کے طلسمی کارخانے ہیں
تحیر صورت تصویر اُن سے خود ہے حیرت میں

گلستان ظہور اپنا عجب کچھ رنگ رکھتا ہے
غضب نیرنگیاں ہیں کارگاہ نام و صورت میں

یہ جلوے یہ تماشے اور یہ نیرنگیاں لیکن
نمود ظاہری سے ہیچ ہیں چشم حقیقت میں

نمودی ہے وجود اس عالم کثرت کا اے غافل
حباب آسا نمایاں بحر بے پایانِ وحدت میں

تعین اور تقید کا ہے پندار خودی مرکز
نہیں ممکن تعین لیک نور بے نہایت میں

حقیقت میں ہے تو نور و سرور و ہستیٔ مطلق
تعین نے ڈبویا تجھ کو دریائے جہالت میں

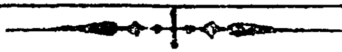
خلا ہے پیش و پس پائیں و بالا راس و چپ لیکن
تجھے کیونکر نظر آئے کہ تو ہے خواب غفلت میں

طبیعت سے ذرا کر دور یہ اسرار انانیت
ذرا سرمہ لگا عرفان کا چشم بصیرت میں

نہ ہستی غیر کی کچھ ہے نہ ہستی ماسوا کی ہے
فقط اک ہستیٔ مطلق ہے وحدت اور کثرت میں

عبث وہم انانیت سے تو اے مہر گمرہ ہے
کہ دنیا میں جدھر دیکھو اُدھر اللہ ہی اللہ ہے

یہ من سمجھوتی زیادہ تر اشیائے دنیوی کے لحاظ سے ہے۔ جس قدر دنیا تمہیں تمہارے من کا کھیل معلوم ہوتی جائیگی۔ اسی قدر تمہارا من شانت ہوتا چلا جائیگا اور جو بکھیڑے اور آدمیوں کو وبال جان معلوم ہوتے ہیں۔ اور اُن سے وہ ہائے وائے کرتے نظر آتے ہیں۔ تمہاری نگاہ میں ایک گزران تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھینگے۔ من کی جب یہ کیفیت ہو جائے تو گیان کے زینے پر اور قدم رکھو۔ اور حضرت **مہر** کی طرح اپنے آپ کو اس طرح سمجھانا شروع کرو +



تری اے مہر کیوں چشم بصیرت وا نہیں ہوتی — تجھے کیوں حق و باطل کی تمیز اصلا نہیں ہوتی
پھنسا رہتا ہے تو کیوں اس طرح اوہام باطل میں — وسیلہ مغفرت کا بوالہوس دنیا نہیں ہوتی
ہوس دنیائے دوں کی ہے کہ تجھ کو خوار کرتی ہے — ولے ارباب باطن کو ہوس زیبا نہیں ہوتی
جہاں گزران ہے اور جو چیز ہے اس میں وہ گزران ہے — تجھے اس بات کی لیکن ذرا پروا نہیں ہوتی
کھلی ہے بے ثباتی ہستئ موہوم کی جس پر — اُسے فرصت برائے خندۂ بیجا نہیں ہوتی
تجھے مصروفیت اُلٹی ہے وہ دنیائے فانی میں — نظر بھولے سے بھی تو جانب عقبےٰ نہیں ہوتی
کیا ہے اختیار اس طرح فانی کو جو باقی پر — تمیز اپنے بھی نیک و بد کی تجھ کو کیا نہیں ہوتی
فنا لازم ہے اُس شے میں بقا جس کا نتیجہ ہو — فنا فانی میں اچھی اے دلِ دانا نہیں ہوتی
نہیں جز نام و صورت یہ طلسم عالمِ امکاں — مگر صورت کبھی ماہیتِ اشیا نہیں ہوتی
نہ جان صورتوں پر خواب کی سی صورتیں ہیں ثبت — نہ بھول اس کو کہ سچی خواب کی دنیا نہیں ہوتی
ظہور شاہد اصلی بھی گو مظہر میں مضمر ہے — مگر اس پر نگاہ دیدۂ بینا نہیں ہوتی

خودی نے پردۂ غفلت تری آنکھوں پہ ڈالا ہے
نظر آتا نہیں تجھ کو اندھیرا یا اُجالا ہے



کہاں وہ اے دل ہشیار تیری ہوشیاری ہے — تجھے کیا ہو گیا کیوں اسقدر غفلت شعاری ہے
خیال ذات کو خاطر سے زائل کر دیا تو نے — صفات عارضی سے بسکہ ہر دم سازگاری ہے
فنا لازم ہے اُس شے میں بقا جس کا نتیجہ ہو — عوارض کو کہیں ناداں ثبات و استواری ہے

کیا تمنا ہے تجھے یہ کہ مری ہو عظمت — وسعت قدرت سے عطا ہو تجھے دست قدرت
اے مرے دل تجھے لازم نہیں ایسی غفلت — تو ہی سرچشمہ عظمت ہے تجھے ہو برکت

تجھ میں موجود ہے عظمت کا خزانہ سارا
کس لئے چھانتا پھرتا ہے زمانہ سارا

کیا یہ خواہش ہے تجھے علم کروں میں تحصیل — میرا دنیا میں نہ ہمسر ہو کوئی اور نہ عدیل
علما میں ہو مرے علم کو حاصل تفضیل — اور ایسی کہ کسی کو نہ رہے قال نہ قیل

اے مرے دل تو ہے خود علم و ہنر کا چشمہ
تجھ سے نکلا ہے عمل اور نظر کا چشمہ

کیا تمنا ہے تجھے یہ کہ بھلائی کیجے — آئے دنیا میں تو کچھ نیک کمائی کیجے
اس طرح رہ کے یہاں کارروائی کیجے — ہم بھی نیکوں میں ہوں پیدا وہ رسائی کیجے

شوق سے کر تجھے روکا ہے خدارا کس نے
تجھ میں نیکی ہے وہ پایا ہے کنارا کس نے

کیا تجھے یوگ کے درجوں پہ ہے چڑھنا منظور — منکشف تا کہ ہوں اسرار خفی و مستور
راز مخفی ہے وہ کیا جس کا ہے گھر تجھ سے دور — روشنی ڈال نہیں سکتا کہاں تیرا نور

تجھ کو درکار ہے ہاں اے مرے دل کس کا یوگ
تو وہ یوگی ہے کہ ہوتا ہی نہیں تجھ کو بیوگ

کیا تجھے شوق ہے یہ مرشد کامل مل جائے — اور وہ اپنے کرم سے رہ عرفاں دکھلائے
شوق ہے رہبر کامل کوئی کینہ کر سمجھائے — یہ سمجھ تجھ کو جو آجائے تو تو راہ پہ آئے

تیرا محتاج ہے مرشد نہ کہ تو اس کا ہے
بے خطر بڑھ رہ حق میں تجھے ڈر کس کا ہے

کیا تجھے گیان کا ہے فکر تو خود گیانی ہے — اور گیانی بھی وہ بس گیان میں لاثانی ہے
کرتا ہے دان ترے نام پہ جو دانی ہے — کرتا ہے دھیان ترا دھرین جو دھیانی ہے

سچدانند ہے تو آپ پرے مایا سے
دیکھ تو پھر ذرا ہٹ کے سمجھ اس چھایا سے

ہاں اگر فکر کرے دور تو اب ملتی ہے

کیا تجھے سیر کا ہے شوق تو خود ہے گلزار　　آپ تو دشت و جبل آپ تو بحر ذخّار
تجھ میں اتنے ہیں مناظر کہ نہیں اُن کا شمار　　ہائے دیکھی ہی نہیں تو نے کبھی اپنی بہار

جو تماشے کہ دل صاف کے اندر دیکھے
وہ نہ آنکھوں نے ہماری کبھی باہر دیکھے

کیا تجھے حسن سے ہے شوق تو ہے آپ حسیں　　مہر رخسارۂ روشن ترا اور ماہ جبیں
تجھ میں وہ حسن ہے جو آنکھ نے دیکھا ہی نہیں　　تجھ میں وہ نور ہے جس سے ہے جہاں نور آگیں

ماہ و خورشید ہیں واللہ ضیا تیری ہے
چشمک برق میں چشمک کی ادا تیری ہے

کیا تمنّا تجھے اولاد کی ہے اے ناداں　　تو ہے خلّاق ہے خلقت ہے تری کون و مکاں
جانور حور و ملک جن و پری و انساں　　تو نہ ہوتا تو کسی کا نہ تھا ہرگز امکاں

اے مرے دل تجھے اولاد کا غم رہتا ہے
اور حیرت ہے کہ مجمع یہ بہم رہتا ہے

کیا تمنّا ہے تجھے یہ کہ بہم ہو ساماں　　اور رہنے کو محل تجھ کو ملے جائے مکاں
اے مرے دل نہیں دیکھا کوئی تجھ سا ناداں　　ہے زمیں فرش ترا سقف ہے چرخ گرداں

یہ مکاں جس کا ہو اور ایسا ہو ساماں جس کا
سوچ کر کہہ تو ذرا فکر ہو اس کو کس کا

کیا تجھے شوق ہے یہ تجھ کو ملے دولت و مال　　اور وہ مال کہ دیکھے نہ کبھی روئے زوال
سونے چاندی کی تو اے دل ہے خود اپنی ٹکسال　　کہ جسے دیکھ کے معدن کو بھی ہوتا ہے ملال

جس کو کہتے ہیں امیری متعلق ہے بہ دل
اور دعوے ہیں امیری کے فضول و باطل

کیا تمنّا ہے تجھے جاہ و مناصب پاؤں　　سر ہوں تسلیم کو خم آؤں جدھر یا جاؤں
سہل تدبیر مجھے یاد ہے آ بتلاؤں　　غور سے گوش کر اس کو جو تجھے سمجھاؤں

اپنے ہاتھ اپنی ہے عزّت جو تو میری مانے
رکھ عزیز آپ کو پھر کون نہ تیری مانے

جیسی مت ہوتی ہے۔ اس کی ویسی ہی گت ہوتی ہے۔ تمہارے من کے کھیل کے علاوہ تمہاری دنیا اور کچھ نہیں ہے۔ من ہی بیرونی دنیا کی شکل اختیار کر کے سکھ اور دکھ پیدا کرتا ہے۔ من ہی بندھ اور موکش کا سبب ہے۔ پس بجائے اس کے کہ یہ خیال کرو۔ ہم دکھی ہیں۔ ہم گنہگار ہیں۔ ہم اشانت ہیں۔ ہم بندھن میں گرفتار ہیں۔ یہی کیوں نہیں خیال کیا کرتے۔ ہم سکھی ہیں۔ ہم معصوم محض ہیں۔ ہم شانت ہیں۔ ہم سدا مکت ہیں۔ من کا سمجھانا اور پھر اپنے من کا سمجھانا کون سی بڑی بات ہے۔ تمہارا دل اشانت ہو کر باہر کی طرف دوڑتا ہے۔ تم اس کو سمجھا بجھا کر اندر کی طرف متوجہ کرو۔ اس کا حال ایک چنچل بندر یا بچے کا سا ہے۔ پیار چمکار کر راہ پر لاؤ۔ اس طریق میں نہ کرم کا جھگڑا ہے۔ نہ اپاسنا کا بکھیڑا ہے۔ نہ یوگ کی محنت و مشقت ہے۔ اپنے دل سے کہو:

اے مرے دل

اے مرے دل تجھے درکار ہے کیا مجھ کو بتا تو عطیات الٰہی کا ہے خود سرچشمہ	کون سی شے ہے وہ جس سے نہیں تجھ کو بہرہ تجھ میں سامان جہاں کا ہے مہیا یکجا

کس لئے دوڑتا پھرتا ہے تو باہر باہر
جو تجھے چاہئے موجود ہے تیرے اندر

کیوں تو اس عالم اکبر کا تماشائی ہے اے مرے دل مری نظروں میں تو سودائی ہے	اس کے نظاروں پہ کس واسطے شیدائی ہے تجھے کچھ اپنی حقیقت کی بھی سدھ آئی ہے

بات کیا عالم اکبر میں کرامات کی ہے
تو ہے خود عالم اصغر کمی کس بات کی ہے

کیا تجھے اے دل ناداں خوشی کی ہے تلاش راز مخفی نہیں یہ ہیں جو کروں پردہ فاش	ترے اندر ہے وہ باہر نہیں اے نیک معاش تو سرور آپ ہے ہاں شاد بزی خوش باش

گر خوشی چاہئے وہ فکر سے کب ملتی ہے

جاتے ہیں۔ شہر اجڑ کر ویرانے ہو جاتے ہیں۔ ویرانوں میں شہر بس جاتے ہیں بچے جوان ہو جاتے ہیں۔ جوان پیر فرتوت ہو جاتے ہیں۔ بوڑھے مر جاتے ہیں۔ ایسی ناپائیدار دنیا میں کون دلبستگی کرے +

اشعار

تماشہ دیکھنے لائق تماشہ گاہ کثرت ہے
یہاں جو صورتیں ہیں خواب کی سی اُنکی صورت ہے

قیام اصلا نہیں ہے ایک حالت پر کسی شے کو
ابھی کچھ حال ہے اور دم کے دم میں اور حالت ہے

بہت دیکھے امیر اب بھیک بھی مانگے نہیں ملتی
بہت دیکھے فقیر اُن کو صدارت اور امارت ہے

جنہیں عزت کے دعوے تھے وہ ہیں خاک مذلت میں
ذلیل و خوار تھے جو آج اُن کو جاہ و عزت ہے

جہاں تھے شہر پہلے اب ہیں وحشت خیز ویرانے
جہاں میدان تھے واں آج شہروں کی عمارت ہے

بزرگ اب وہ کہاں ہیں جن کو پہلے تو نے دیکھا تھا
جواں اب وہ کہاں ہیں یاد جن کا قد و قامت ہے

احبا اقربا خویش و بیگانہ دوست اور دشمن
جہاں دیکھو وہاں تبدیل صورت اور ہیئت ہے

زمانہ اس طرح بدلا ہے پہچانا نہیں جاتا
ہوا پلٹی ہے ایسی دیکھنے والے کو حیرت ہے

کبھی خود تو بھی بچہ تھا جوانی تو نے پھر دیکھی
ضعیفی اب آگے اور بھی تغیر حالت ہے

تماشا گاہ عالم میں بہت پردوں کے بعد آخر
تماشہ آخری یہ ہے کہ اس دنیا سے رحلت ہے

طلسمی کارخانہ ہے غرض دنیائے فانی کا
بدلتی صورتیں ہیں یوں کہ گویا خواب غفلت ہے

	تجھے اس خواب حیرت ناک سے حیرت نہیں ہوتی وہی دلبستگی دنیا میں ہے عبرت نہیں ہوتی	کلام مہر جلد اول

مجھے رہ رہ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ آدمی اس آنی جانی دنیا میں کیونکر اس طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص دنیا سے متنفر ہو کر سنیاسی ہو جائے۔ تو ایک قدرتی امر ہے۔ کیونکہ دنیا ناپائدار ہے۔ اس میں کیا دلبستگی کرنی۔ ہاں تعجب یہ ہے۔ کہ جن لوگوں کی اس میں دلبستگی ہے انہوں نے کیا سوچکر یہاں دل لگایا ہے اور کیا سمجھ کر دنیا پر مٹے ہوئے ہیں +

دیکھو ایک آدمی پانسو روپے کماتا ہے اور ہر وقت روتا رہتا ہے۔ کہ میرا گزارہ نہیں ہوتا۔ اسی کا نوکر پانچ روپے مہینا پاتا ہے اور خوش ہے۔ دونوں کی دنیا علحدہ علحدہ ہے۔ یہ سنسار سارا من کا کھیل ہے۔ جس کی

میں نے کہا- مہاراج اس صورت میں تو من میں شانتی پیدا کرنا اور گیان کا ادھکاری بننا سخت مشکل کام ہے- میں کرم شروع کروں- یا کوئی اپاسنا شروع کروں- یا یوگ ابھیاس شروع کروں- یہ جھگڑے تو جنم جنمانتروں کے ہیں- کب چت شدھ ہو اکب میں گیان کا ادھکاری بنا- اور کب مجھے موکش حاصل ہوئی- مجھے تو کوئی سیدھا راستہ بتائیے کہ بے تکان چلا جاؤں- اور سب سے پہلے گیان کی منزل پر جا پہنچوں +

سوامی جی نے کہا وہ سب سے سیدھا اور آسان طریقہ یہی ہے- جسے بھگوان پتنجلی یوگ سوتر میں اور شری کرشن بھگوان گیتا میں بیراگ کے نام سے پکارتے ہیں- یہاں نہ کرم کا جھگڑا ہے- نہ اپاسنا کا بکھیڑا ہے- نہ یوگ کی محنت و مشقت ہے- اس لحاظ سے تو یہ بہت ہی آسان ہے- لیکن سخت دقت یہ ہے- کہ ہزاروں میں سے کسی ایک کی سمجھ میں بیٹھتا ہے- پڑھنے کو لوگ ویدانت کی کتابیں پڑھتے ہیں- اور کہنے کو ایک زمانہ جگت کو جھوٹا اور اپنے تئیں سچدانند برہم بتاتا ہے- لیکن سوال یہ ہے- کہ کتنے آدمی جو پڑھتے یا کہتے ہیں- اسے ویسا ہی محسوس بھی کرتے ہیں +

میں نے پوچھا- پھر محسوس کرنے کا کیا طریقہ؟ پڑھی تو میں نے بھی ویدانت کی بہت سی کتابیں- لیکن شانتی نصیب نہیں ہوئی- سوامی جی نے کہا- بھائی وہ طریقہ یہی بیراگ ہے- اور کوئی دوسرا نہیں- گیان کی آنکھیں کھولو اور چاروں طرف نگاہ غور سے دیکھو- میں نے کہا- مہاراج- مجھے تو وہ گیان کی آنکھیں آپ ہی کرپا کر کے دیں تو شاید اس طرح دیکھ سکوں جس طرح شری کرشن بھگوان نے ارجن کو دیبہ چکشو (چشم روحانی) دے کر اپنا وسوروپ دکھا دیا تھا +

اس پر سوامی جی مسکرائے اور کہنے لگے- روحانی یا طلسماتی آنکھوں کی ضرورت نہیں- صرف عقل سے کام لے کر دیکھو کہ دنیا کی جو چیز ہے- ناپائیدار ہے- جو چیز ہے فانی ہے- جو چیز ہے ناشوان ہے- دولتمند بھیک مانگنے لگتے ہیں- عزت دار بے عزت ہو جاتے ہیں- طاقتور بے طاقت بن

کرم یعنی عمل کی ضرورت ہے۔ بیراگ میں عمل کی ضرورت نہیں عقل کی ہے۔ یہ گیان کا راستہ ہے۔ دیکھو بھائی۔ تمہارا ابھی تجربہ نہیں ہوگا۔ کہ آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بالطبع کرم کی طرف مائل ہیں دوسرے وہ جو گیان کے شیدا ہیں +

کرم کی صورتیں مختلف ہیں۔ مثلاً آج کل اس بات پر زور دیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہے پراوپکار ہے۔ ایسے لوگوں کو کوئی سمجھانا چاہے۔ کہ تمام کرم مایا میں داخل ہے اور تم چونکہ سچدانند برہم روپ ہو تمہیں کوئی کرم کرنا نہیں ہے۔ تو اُن کی سمجھ سے باہر بات ہے۔ وہ ہرگز اس کو تسلیم نہیں کرینگے۔ بحثیں کرینگے۔ مباحثے کرینگے۔ اور یہی ثابت کرنا چاہینگے کہ پراوپکار کے علاوہ اور سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ حالانکہ پراوپکار کو دیکھو تو تپ کی ایک صورت ہے۔ اور پراوپکاری آدمی صرف "دونیم" کے درجے میں ہے۔ سمادھی اور شانتی کا گھر ابھی بہت دور ہے۔ اسی طرح دیوتا پوجن یا اپاسنا کرنا دھیان یا دھیان میں داخل ہیں۔ یوگی ان سب سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ اور اپنے سروپ میں قیام کرکے سمادھی کا بے مثال آنند حاصل کیا چاہتا ہے +

میں نے کہا۔ مہاراج کیا پراوپکار اور اپاسنا کو یوگی نیچے درجے کی چیزیں خیال کرتا ہے۔ اور یوگ کو اعلےٰ درجے کی شے جانتا ہے۔ اس پر سوامی جی مسکرائے اور کہنے لگے۔ بھائی۔ نیچا اور اونچا درجہ تم کیسے سمجھ رہے ہو۔ اُن آدمیوں پر نظر کرو جو ابھیاس کرتے ہیں۔ اپنے اپنے درجوں کے مطابق سب اونچے درجے گئے ہیں۔ بچہ چھٹانک بھر مٹھائی سے سیر ہو جاتا ہے۔ نوجوان سیر بھر کھا سکتا ہے۔ ان میں اونچا اور نیچا درجہ کس کا۔ اپنی اپنی بھوک کے مطابق دونوں کھا کر سیر ہو گئے۔ تمام ابھیاس یعنی کرم اپاسنا۔ اور یوگ کا مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ من شانت اور شدھ ہو جائے۔ کسی نے کسی طریقے سے کیا۔ کسی نے کسی طریقے سے کیا۔ یہ سب راستے آگے جا کر ایک مرکز پر مل جاتے ہیں۔ جو من کی شانتی ہے۔ جہاں من شانت ہو گیا آدمی خود بخود گیان اور موکش کا ادھکاری ہو جاتا ہے +

یہ کہکر سوامی جی بولے۔ یوگی ریاضت سے شانت پد کو پہنچتا ہے۔ گیانی کو راستہ کچھ اور ہے۔ اور وہ ہم تمہیں کل سنائینگے۔ سو مہاراج جو گفتگو دوسرے دن ہوئی۔ وہ میرے گورو بھائی پرمانند آپ کو سنائینگے۔ کیونکہ ہم تینوں ہی گیان کے راستے پر چلتے رہے ہیں +

بارھویں سادھو کی کہانی

شم۔ گیان کا پہلو

دنیا ہے ہیچ اس کا ہر اک کاروبار ہیچ — یہ نقش خواب مہر ہے انجام کار ہیچ
منظر بدلتے رہتے ہیں ہر لحظہ مثل خواب — ہے گلشن جہاں میں خزان و بہار ہیچ
جس شے پہ میرے دیدۂ بینا نے کی نظر — ثابت ہوئی وہ تجربہ سے بار بار ہیچ
گزراں جہان ہے یاں ہے ہر اک شے گزشتنی — دریا و شہر و بحر و بر و کوہسار ہیچ
کیوں پھنس رہا ہے رغبت و نفرت کے دام میں — یاں ناگوار ہیچ ہے اور خوشگوار ہیچ

پرمانند نے کہا مہاراج! دوسرے روز ہم تینوں گورو بھائی شام کو پھر جمع ہوئے۔ اور میں نے سوامی جی سے کہا۔ کل آپ نے من کی شانتی کے دو طریقے بیان فرمائے تھے۔ ایک ابھیاس۔ دوسرا بیراگ۔ ابھیاس کے ضمن میں آپ نے یوگ کے آٹھوں انگ ہم کو بتائے۔ اب کرپا کر کے بیان فرمائیے کہ بیراگ سے کیا غرض ہے۔ ابھیاس اور بیراگ میں کیا فرق ہے۔ ابھیاس کن لوگوں کے لئے ہے اور بیراگ کن لوگوں کے لئے۔ اور بیراگ سے من میں شانتی کیونکر آتی ہے +

سوامی جی نے کہا۔ ابھیاس من کی شانتی کا وہ طریقہ ہے۔ جس میں

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

آپ ہے تو گلشن و باغ و بہار
تجھ میں ہے مستور سیر کوہسار
آپ شہر و دشت و کوہ و لالہ زار
تجھ میں مخفی بحر ناپیدا کنار

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

طاقتیں تجھ میں ہیں بیحد و حساب
دل نہیں تیرا۔ ہے قدرت کی کتاب
قوتیں ہیں بے مثال و لاجواب
اے شہ والا نسب عالی جناب

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

منعکس آئینے میں چرخ بریں
یہ خلا اور یہ ملا سب بالیقیں
اندر آئینے کے ہے باہر نہیں
ہے تجھی میں تو ہے کیوں اندوگیں

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

تو نے دنیائے دلی دیکھی نہیں
باں کی کیفیت کبھی دیکھی نہیں
سیر اس گلزار کی دیکھی نہیں
ایکہ تو نے روشنی دیکھی نہیں

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

دیکھنا ہے گر تو دیکھ اپنے تئیں
دیکھ اپنا رخ کہ ہے کیسا حسیں
تجھ سے باہر دیکھنے کی شے نہیں
دیکھ اپنا حُسن اے ماہ مبیں

ہے تماشہ گاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

کیوں ہے شیدا عالم مثال کا
چھوڑ بھی جنجال قیل و قال کا
یہ تماشہ سا ہے اندر جال کا
تیرا درجہ ہے ہمیشہ حال کا

ہے تماشہ گاہ عالم گاہ تو

دھیان۔ دھارنا کو متواتر و متوالی اس طرح جاری رکھنے کا نام ہے۔ جس طرح تیل کی دھار برابر ایک رس جاری رہتی ہے۔ گویا دھارنا ایک نقطہ ہے اور دھیان خط ہے +

سمادھی۔ نفس کی اُس حالت کا نام ہے جس میں علم و عالم دونوں کا خیال دور ہو کر صرف معلوم باقی رہ جاتا ہے۔ یوں سمجھو کہ دھارنا میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس پر چت قائم کیا ہے۔ یہ معلوم ہے۔ دوسری معلوم کرنے کا عمل۔ جسے علم کہتے ہیں۔ اور تیسری معلوم کرنے والا جو خود چت ہے۔ دھیان میں معلوم کرنے والا نہیں رہتا صرف شے معلوم اور علم رہ جاتا ہے۔ سمادھی میں علم بھی محو ہو جاتا ہے اور صرف شے معلومہ باقی رہ جاتی ہے۔ گویا سمادھی میں چت خود شے معلومہ بن گیا۔ اور کچھ باقی نہیں رہا +

اتنا کہہ کر سوامی جی بولے۔ دیکھو بھائی یہ اشٹانگ یوگ ہے۔ ہم نے تمہیں صرف لب لباب بتایا ہے۔ اگر زیادہ تشریح کے شائق ہو۔ تو یوگ سوتر دیکھو۔ سنسکرت میں عمدہ سے عمدہ شرحیں موجود ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں ملتا ہے اور ہندی میں بھی اور اردو میں بھی۔ یہ یوگ شاستر اعلےٰ درجے کا نظری اور عملی فلسفہ ہے۔ چونکہ اُس کی بنیاد فلسفہ سانکھیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ عقلی فلسفہ ہے۔ اور چونکہ اس میں اعلےٰ درجے کے اخلاقی اصول کی مشق بھی شامل ہے۔ اس واسطے یہ عملی اور اخلاقی فلسفہ بھی ہے۔ جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں۔ انہیں وہ استغراق اور لطف حاصل ہوتا ہے۔ کہ اندرونی دنیا کے مقابلے میں انہیں بیرونی دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے۔ وہ دنیا ئے خارجی کے تماشوں کی بجائے بیٹھے ہوئے اپنا تماشہ دیکھا کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ حضرت مہر فرماتے ہیں +

کیوں ہے تجھ کو سیر دنیا دل پسند ۔ کیوں اُٹھاتا ہے تو زحمت اور گزند
ہے تماشوں کے عبث بھنڈول میں بند ۔ آسائیں تجھ کو ہیں اے دست مند

ناڑیوں میں روکتا ہے۔ یہ تو انتہائی درجہ ہے۔ ابتدا سانس کے روکنے سے کی جاتی ہے۔ اور یہی پاسِ انفاس پرانایام کے نام سے زباں زدِ خاص و عام ہے۔ آسن کی طرح پرانایام بھی طرح طرح کی ہے اور مختلف گھرانوں میں اس کی مختلف مشقیں مروج ہیں۔ سب سے عام وہ طریقہ ہے جو ہم ہندو لوگ سندھیا کرتے ہوئے عمل میں لاتے ہیں۔ اس سے بھی آسان اور نہایت ہی دلچسپ طریقہ ایک میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ایکانت میں آنکھ بند کرکے بیٹھ جاؤ اور طبیعت کو یکسو کرکے تصور کرنا شروع کرو کہ حلق کی نالی میں ہوا اسی طرح بھرتی اور خالی ہوتی ہے۔ جس طرح پمپ سے پانی بھرتے یا خالی کرتے ہیں۔ اوّل اوّل طبیعت الجھے گی اور دھیان نہیں دیا جا سکیگا لیکن ہمت نہ ہارو۔ روزمرہ کئے جاؤ۔ دھیان جمنے لگے گا اور چمکارے ہونے لگینگے۔ اس عمل کا فائدہ یہ ہے کہ طبیعت یکسو ہونی لگتی ہے اور یکسوئی سے شانتی پیدا ہوتی ہے۔

پرتیاہار کے معنی تبدیلی کے ہیں۔ یعنی اندریوں کو قلب ہیت کرکے من کی صورت بنا دینا۔ اندریوں کا قاعدہ ہے کہ بشیوں کی طرف دوڑا کرتی ہیں۔ لیکن اگر توجہ کسی اور طرف ہو تو سامنے آدمی آ کھڑا ہو۔ یا پاس بندوق چھٹ جائے۔ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے۔ کہ من اندریوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اگر مزا و لذت کی جائے اور باہر کی چیزوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے ہم اندر کی طرف متوجہ رہنے کی مشق بہم پہنچائیں۔ تو یہ حالت ہونے لگیگی۔ کہ آنکھیں کھلی ہیں اور ہم چیزوں کو نہیں دیکھتے۔ کان کھلے ہیں مگر ہم آواز کو نہیں سنتے۔ گویا ہماری اندریاں تبدیل ہیئت کرکے من بن گئیں۔ اسی حالت کو پرتیاہار کہتے ہیں۔ یہ سب سے اعلےٰ درجے کا ضبط حواس ہے۔

دھارنا۔ چت کو ایک مقام پر قائم کرنے کا نام ہے۔ مثلاً چت کو سب طرف سے ہٹا کر ہم صرف ناک کے سرے پر لگائیں۔ اور غور سے بس ناک کا سرا ہی دیکھے جائیں۔

قوتیں پیدا کر دیتی ہے۔ اسی کو سدّھی کہتے ہیں۔ مثلاً جس شخص کی طبیعت میں اہنسا کی فضیلت درجہ کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اس کے سامنے آدمی کیا جانور بھی بیر یا دشمنی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور شیر بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگتے ہیں۔ اسی طرح اور فضائل کی مشق سے انسان میں اور معجزے اور کراماتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو معمولی آدمیوں کو عجیب و غریب معلوم ہوا کرتی ہیں مثلاً گھر بیٹھے سینکڑوں کوس کا حال من دعن دیکھ لینا ؏

میں نے کہا مہاراج کیا معجزے اور کراماتیں ممکن الوقوع ہیں۔ لوگ تو انہیں خلاف قانون قدرت بتاتے ہیں۔ سوامی جی ہنسے اور کہنے لگے جو شخص ان معمولی باتوں کو خلاف قوانین قدرت بتاتے ہیں۔ اُن سے پہلے یہی پوچھو۔ کیا بھائی قدرت کے تمام قوانین تمہیں معلوم ہیں۔ جو اس شد و مد سے ہر ایک بات کو خلاف قانون قدرت کہہ دیتے ہو۔ سو برس پہلے ریل اور تار اور قوت برقی کے اور سینکڑوں کام سب کو خلاف قدرت ہی معلوم ہوتے تھے لیکن اب بچّہ بچّہ ان کو آنکھوں سے ممکن الوقوع دیکھتا ہے۔ اسی طرح یوگ کی سدّھیاں اور شکتیاں سب قوانین قدرت کے اندر ہیں۔ گو عوام کی دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن سمجھ دار آدمی ان سدّھیوں سے ہمیشہ بچ کر چلا کرتے ہیں۔ اگر ان کے دام فریب میں آ گئے۔ تو یوں سمجھو کہ تمام ریاضت اکارت گئی۔ اب تم یم اور نیم سمجھ گئے تو یوگ کے باقی چھ انگ سنو۔

آسن۔ طرز نشست کو کہتے ہیں۔ ریاضت یا دھیان کرنے کی غرض سے آدمی کو بیٹھنا پڑتا ہے۔ جس طرز نشست پر وہ بیٹھے اُس کو آسن کہتے ہیں آسن طرح طرح کے ہیں۔ وجہ یہ کہ کوئی کسی طرح بیٹھنا پسند کرتا ہے کوئی کسی طرح۔ جس طرح بیٹھنے میں تمہیں آرام معلوم ہو۔ اور تکان پیدا نہ ہو وہی تمہارے لئے سب سے بہتر آسن ہے۔ اس میں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ؏

پرانا یام۔ کے معنی پرانوں کا روکنا ہے۔ پران وہ قوت ہے۔ جس سے ہمارا جسم قائم ہے۔ یوگی اس قوت کی دھاروں کو خاص خاص مقاموں یا

کے نام بالترتیب شوئچ۔ سنتوش۔ تپ۔ سوادھیائے اور ایشور پرندھان۔ "شوئچ" کے معنی ہیں پاکیزگی۔ بہت سے آدمی اپنے ذہن میں یہ سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ نہانا دھونا۔ صاف اور اجلے کپڑے پہننا۔ اور چوکے میں بیٹھ کر بھوجن کرنا ہی شوئچ ہے۔ یہ غلطی ہے۔ دل میں خیالات پاک رکھنا۔ زبان سے الفاظ پاک بولنا۔ اور ہاتھوں سے کام پاک کرنا اصلی شوئچ ہے "سنتوش" قناعت کو کہتے ہیں۔ جو کچھ ملتا ہے اس پر صبر کرنا اور حرص وحسد سے دل پاک رکھنا سنتوش کہلاتا ہے۔ "تپ" بھوک پیاس۔ سردی گرمی وغیرہ کے سہ لینے کا نام ہے۔ اپنی طبیعت پر جبر کرنا اور اوروں کو فائدہ پہنچانا سب سے اعلےٰ تپ ہے۔ "سوادھیائے" کے اصلی معنی وید پڑھنے کے ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانے کے لوگوں کی سنسکرت میں اتنی لیاقت نہیں ہوتی۔ اس لئے روزمرہ شاستر گرنتھوں کا بچار کرتے رہنا ہی سوادھیائے ہے۔ اُپ نشد یا بھگوت گیتا کا پاٹھ یا یوگ وششٹ۔ بچار ساگر۔ تلسی داس کی راماین کا پڑھنا۔ یا مہاتما شوبرت لال کی تصنیفات کا مطالعہ کرتے رہنا سب سوادھیائے میں داخل ہے۔ "ایشور پرندھان" خدا پر توکل رکھنے کا نام ہے۔ یہ مسئلہ تسلیم ورضا ہے۔ جس میں اپنی رضا کو خدا کی رضا کا تابع بنا دیا جاتا ہے۔ یہ پانچ نیم ہیں۔ نیت کر کے روزمرہ ان کی مزاولت کرنی چاہئے۔ مزاولت یم کی ہے یا نیم کی ہے آدمی کو شانت بنا دیتی ہے۔ اور وہ دنیا کے جھگڑوں میں رہتا ہوا بھی خوش خوش عمر بسر کرتا ہے *

میں نے کہا۔ مہاراج یموں کے طرح نیم بھی اعلےٰ درجے کے اخلاقی اصول ہیں۔ لوگوں کا خیال تو یہ ہے۔ کہ یوگ شاستر میں ریاضت کے طریق بتائے گئے ہیں۔ جن سے آدمی مدارج روحانی پر ترقی کرتا ہے اور اُسے خاص سدّھیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ بھائی۔ یہ یم اور نیم ابتدائی مرحلے ہیں۔ ریاضت کا ذکر بھی میں کرتا ہوں۔ لیکن یاد رکھو کہ جتنا ابھیاس ہے سب ریاضت ہے اور یم نیم بھی چونکہ ابھیاس میں اس سے یہ بھی ریاضت ہی کی صورتیں ہیں۔ ریاضت کا خاصہ ہے کہ کرنے والے میں خاص قسم کی

اپنے لئے مقرر کرنی چاہئیں اور سعی کر کے اُن پر عملدرآمد کرنا چاہئے۔ بھگوان تپنجلی پانچ یم بتاتے ہیں یعنی اہنسا۔ ستیہ۔ استیہ۔ برہمچریہ اور اپریگرہ۔ "اہنسا" کے معنی ہیں کسی ذی حیات کو آزار نہ پہنچانا۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ بعض شخص جب قصاب کی دکان کے پاس سے گزرتے ہیں۔ تو ہرے رام ہرے رام کہنے لگتے ہیں۔ لیکن یہی لالہ جی سود اور مول کے وصول میں اپنے ہمجنسوں کا خون پی جانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ بعض اصحاب گوشت خواروں کو تو بُرا کہتے ہیں۔ لیکن اپنی درشت کلامی اور دریدہ دہنی سے دوستوں تک کا جی دکھلانے سے باز نہیں آتے۔ یہ اہنسا نہیں کہلاتی۔ اہنسا کسی ذیحیات کو خیال۔ قول یا فعل تینوں سے آزار نہ پہنچانے کا نام ہے۔ اسی طرح "ستیہ" کے معنی ہیں۔ سچی بات کہنا۔ سچا خیال دل میں رکھنا۔ سچا عمل اس پر کرنا۔ جہاں قول کچھ ہے۔ فعل کچھ ہے۔ عمل کچھ ہے۔ وہاں ستیہ نہیں ہے "استیہ" کے معنی ہیں۔ چوری نہ کرنا۔ یعنی جو شے اپنی ملکیت ہے۔ اسی پر اپنا استحقاق سمجھنا۔ دوسرے کی چیز من کرم بانی سے جاننا کہ ہماری نہیں ہے "برہمچریہ" کے معنی ہیں قول فعل اور خیال سے شہوانی جذبات سے پرہیز کرنا اور غیر کی عورت کو ماں بہن کے برابر سمجھنا۔ "اپریگرہ" کے معنی ہیں روپے پیسے۔ یا مال واسباب کا لالچ نہ کرنا۔ جتنا اپنے پاس ہے اس پر صابر و شاکر رہنا۔

میں نے کہا مہاراج یہ اصول تو نہایت اعلےٰ درجے کے اخلاقی اصول ہیں۔ لیکن ان پر کماحقہ عمل کرنا بہت مشکل کام ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ بھائی۔ ابتدا میں ہر ایک چیز پہاڑ معلوم ہوا کرتی ہے۔ لیکن آدمی شروع کرے۔ ہولے ہولے ترقی کرے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں عادت ہو کر سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح روزانہ مشق سے ان یموں کی عادت ڈالو۔ اور قلیل عرصے میں تم ان کی مدد سے چت کے غلام رہنے کی بجائے اس پر غلبہ پا جاؤ گے۔ اب نیم کو لو۔

نیم کے معنی عہد کے ہیں۔ یعنی یہ عہد کہ خاص خاص باتیں ہم ضرور باضرور کیا کرینگے۔ بھگوان تپنجلی یموں کی طرح نیم بھی پانچ ہی مقرر کرتے ہیں۔ جن

جوں جوں دنیا کی ہوا لگتی جاتی ہے۔ اس پر اور کیفیات حاوی ہوتی جاتی ہیں۔ مثلاً غصّہ۔ حسد وغیرہ۔ جو محض عوارض ہیں۔ چت کی ذات کا حصہ نہیں ہیں۔ یہی کشپت۔ موڑھ یا وکشپت برتیاں ہیں۔ ان کو دور کر دیں۔ تو ایکاگر اور نرودھ برتیاں باقی رہ جائینگی۔ جو چت کی اصلی حالت سے قریب تر ہیں۔ پس وہ مبدم متبدل ہونا یا رنج و راحت سے متاثر ہونا غیر قدرتی جذبات ہیں نہ کہ نرودھ کی عالت۔ نرودھ تو چت کی قدرتی حالت کا نام ہے۔ اور ہر ایک ابھیاسی کا فرض اہم ہے کہ اس حالت کو بہم پہنچائے۔

میں نے پوچھا کہ نرودھ کی حالت بہم پہنچانے کے وسائل کیا ہیں۔ سوامی جی نے کہا یہی اشٹانگ یعنی آٹھ حصّے والا یوگ۔ جس کی تشریح بھگوان پتنجلی نے اپنے درشن میں کی ہے۔ یوگ کا فلسفہ نہایت عملی اور اخلاقی فلسفہ ہے اور حق یہ کہ اس میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ شارحوں نے طول دے دے کر بعض سیدھی سادی باتوں کو بڑھا دیا ہے اور ناحق پیچیدہ و مشکل کر دیا ہے۔ یہ پیارا فلسفہ تو بڑا ہی عام فہم ہے اور پڑھنے یا ابھیاس کرنے والے کو جلد تر اخلاقی اور روحانی ترقی کی راہ دکھا دیتا ہے۔

میں نے کہا۔ مہاراج۔ ہم سنتے تو یوں چلے آئے ہیں۔ کہ یوگ بڑی کٹھن چیز ہے۔ اور ہندوستان میں یوگ فلسفے کے جاننے والے یا اُس پر عمل کرنے والے رہے ہی نہیں۔ آپ اسے پیارا اور آسان و عام فہم فلسفہ بتاتے ہیں۔ سوامی جی بولے۔ لو بھائی سنتے جاؤ۔ یوگ فلسفہ کا لب لباب میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ اس سے تم خود نتیجہ نکال لوگے۔ بھگوان پتنجلی جس یوگ کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ اشٹانگ یعنی آٹھ حصّے والا یوگ کہلاتا ہے۔ ان آٹھوں انگوں کے نام بالترتیب یہ ہیں۔ یَم۔ نیم۔ آسن۔ پرانایام۔ پرتیاہار۔ دھارنا۔ دھیان۔ سمادھی۔ اب میں ہر ایک انگ کا مختصراً بیان کرتا ہوں۔

یَم کے معنی روکنے کے ہیں۔ یوگی کو سب سے مقدم کچھ روکیں

عمل وغیرہ کی ہوس۔ "موڑھ" برتیاں ایسی ہوتی ہیں جیسی نیند آلکس۔ بے ہوشی وغیرہ۔ "وکشپت" برتیاں وہ ہیں جو من کو دھیان یا سمادھی سے ہٹا کر باہر کی طرف کھینچ لے جاتی ہیں۔ مثلاً آدمی پوجا کر رہا ہے یا دعا کر رہا ہے یا دھیان لگانا چاہتا ہے۔ لیکن من ہے کہ کابل میں گھوڑے خرید رہا ہے۔ یا گھر کے کاروبار کے فکر میں ہے۔ "ایکاگر" برتی یکسوئی کو کہتے ہیں۔ جس میں سب طرف سے توجہ ہٹا کر صرف ایک طرف لگائی جاتی ہے۔ "نرُدھ" برتی وہ ہے۔ جس میں چت تمام کیفیات کے رُک جانے سے اپنی ذاتی حالت میں قائم ہوتا ہے۔ یہی ترقی پا کر سمادھی کی حالت بن جاتی ہے۔ ابھیاسی کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ پہلی تین قسم کی برتیوں سے چت کو ہٹا کر ایکاگر اور نردّھ حالت میں لا ڈالے +

یہاں میں رکا اور کہنے لگا۔ مہاراج اس موقعے پر عام اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ جب چت کا سبھاؤ ہی یہ ہے۔ کہ وہ ہر دم اس میں کیفیات تازہ اُٹھتی رہتی ہیں۔ تو وہ نردّھ ہو کر ایک حالت سمادھی میں کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔ کبھی رنج سے رنجیدہ ہونا۔ کبھی خوشی سے خوش ہونا۔ چت کا طبعی خاصہ ہے۔ رنج وراحت دونوں حالتوں کو ہٹا کر نفس کو پتھر بنا دینا خلاف قانون قدرت ہے۔ پس جو شخص نرودھ کی حالت پیدا کرنے کے فکر میں ہے وہ قدرتی طریقے پر نہیں چل رہا ہے۔ اس وجہ سے اُس کی سعی لاحاصل ہے +

سوامی جی یہ اعتراض سن کر مسکرائے اور کہنے لگے۔ بھائی۔ تمہارا اعتراض تو ہمارے کلام کے مناقض ہونے کی بجائے الٹا تائید کرتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ چت کی حالت ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ اس بدلتے رہنے کے لفظ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ چت کی اپنی بھی کوئی خاص حالت ہے۔ جو بیرونی اسباب کے اثر سے قائم نہیں رہتی۔ بلکہ متبدل ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً شیر خوار بچے کو لو۔ چونکہ وہ دنیا کے افکار اور ہوا و ہوس سے ہنوز آزاد ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ اس کا چت اصلی حالت میں ہے۔

اگر تم کہو تو ہم تمہیں من کی شانتی کی اور بھی تجویزیں بتائیں +

ہم تینوں گورو بھائیوں نے کہا۔ مہاراج اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ مثل ہے اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ سوامی جی نے کہا۔ من بڑی چنچل چیز ہے۔ اس کا روکنا اسی طرح مشکل ہے۔ جس طرح ہوا کا مٹھی میں بند کرنا۔ لیکن آچاریوں نے نفع رسانیٔ خلائق کی غرض سے طریقے بتائے ہیں اور وہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ من دو طریقوں سے رکتا ہے ان میں سے ایک ابھیاس ہے اور دوسرا بیراگ۔ ابھیاس میں یوگ کا ہر ایک طریقہ شامل ہے۔ اور چونکہ یہ بیراگ سے جو محض گیانیوں سے متعلق ہے آسان اور دلچسپ ہے۔ اس وجہ سے اکثر آدمی اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ہم بھی تمہیں پہلے ابھیاس کا ہی اُپدیش کرتے ہیں +

یوگ کی تعریف بھگوان پتنجلی نے اپنے درشن میں یہ کی ہے۔ کہ یوگ کیفیات نفس یعنی چت کی برتیوں کے روکنے کا نام ہے۔ چت میں دمبدم طرح طرح کی برتیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی کیفیات نفس بدلتی رہتی ہیں۔ ہر شخص کا تجربہ شاہد ہے کہ نفس ایک حالت پر کبھی نہیں رہتا۔ خیالات کے سلسلے کے سلسلے اُٹھتے رہتے ہیں۔ کسی ایک بات پر من جمانے کی کوشش کرو۔ دیکھو گے کہ ابھی اُس بات کو سوچ رہے ہو۔ ابھی من ہے کہ بندر کی طرح اُچھل کر وہ گیا اور کہیں کا کہیں پہنچا۔ آدمی کو خود ہنسی آیا کرتی ہے۔ کہ میرا دھیان کہاں ہے۔ یہ تو تعقل کی کیفیات ہیں۔ اس کے علاوہ نفس کی کیفیات اور طرح کی بھی ہیں مثلاً غصّہ حیا۔ نیند۔ بے ہوشی وغیرہ اُن کی تحلیل کی جائے۔ تو تمام کیفیات پانچ قسموں میں منقسم ہو جائینگی جن کے بالترتیب یہ نام ہیں کشپت۔ مُورڈھ۔ وکشپت۔ ایکاگرا اور نِروّدھ +

"کشپت" برتی میں تمام دنیاوی خیالات شامل ہیں۔ جن سے من چنچل رہتا ہے۔ مثلاً بھوک پیاس۔ غصہ و رنج۔ عزّت و دولت علم و

سامنے رکھنی شروع کی تھیں اور اُن کے ذریعے سے روحانیت کے میدان میں قدم بڑھانا شروع کیا تھا۔ آج کل لوگوں نے وہ اصلی غرض تو بھلا دی ہے۔ اور مورتوں کی کچھ اور ہی طرح پوجا کرنے لگے ہیں۔ جس سے اصلی مطلب حاصل نہیں ہوتا۔

اوپر جتنی باتیں میں نے بیان کی ہیں۔ ان سب سے میری من کی اشانتی دور ہو گئی اور میں نے شانتی کی راہ میں بہت کچھ ترقی کر لی۔ میری زندگی اب بڑی شانتی کے ساتھ بسر ہونے لگی اور میں کیا گھر میں کیا باہر خوش و خورم رہنے لگا۔ ابھی ابھیاس کر رہا تھا کہ دو تین مہینے کے بعد میرے گرو مہاراج تشریف لائے۔ میں درشنوں کو گیا۔ تو انہوں نے میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنی تمام کہانی سنا کر کہا کہ آپ نے مجھے اپدیش کرنے کو فرمایا تھا۔ وہ وعدہ پورا کیجئے۔ رتن چند جب یہاں تک پہنچا تو اُس کے گورو بھائی رامانند نے کہا۔ بس بھائی آگے کا حال مجھے کہنے دو۔

گیارھویں سادھو کی کہانی

شم۔ یوگ کا پہلو

ہے مہا اشانتی کا گر تجھ کو روگ
من کا ٹھیراؤ یوگ سے حاصل کر۔

کر بہر شانتی تو ابھیاس اور یوگ
ایسا کہ نہ ہونے پائے پھر اُس سے بیوگ سا

رامانند نے کہا۔ جس وقت سوامی جی نے رتن چند کا حال سنا۔ تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ رتن چند یوگ کا مطلب تو سمجھا ہے اور عملی طریق سے یوگ کے اصول پر کاربند ہو کر تو نے شانتی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پرماتما تیرا کلیان کرینگے۔ یہی یوگ کے ابتدائی مرحلے ہیں۔ یہیں سے شروع کر کے آدمی سمادھی کی حالت بہم پہنچاتا ہے۔

تلسی داس جی کی راماین ہوتی تھی۔ وہاں جا بیٹھا۔ گانے کا بھی مزا تھا۔ اور پنڈت جی تشریح بھی خوب دلچسپ کرتے تھے۔ اس پر تلسی داس جی کی لطیف اور بھگتی رس سے بھری ہوئی شاعری۔ وہ مزا آیا کہ صبح جمنا جی سے آتے ہوئے ایک ٹیکہ والی راماین خرید تا لایا۔ میں نے کچھ سنسکرت کالج میں پڑھی تھی۔ اُس کی مدد سے اور ٹیکے کی مدد سے مضمون سمجھ میں آنے لگا۔ جو دقتیں رہتی تھی وہ انہیں پنڈت جی سے دریافت کر آتا تھا۔ اس طرح تھوڑے عرصے میں لطف لے لے کر یہ لاجواب کتاب میں پڑھنے لگا۔ اور اوروں کو اُس کے پڑھنے کا شوق دلانے لگا۔ مہاراج ہم ہندو ہیں۔ کوئی عرب یا فارس سے یہاں نہیں آئے۔ ہندی ہماری مادری زبان ہے۔ اگر چاہے تو ہر ایک ہندو ذرا سی محنت سے اپنی گھر کی شاعری کا مزا لے سکتا ہے۔ جس کی برابر نہ دنیا کی کوئی شاعری میٹھی ہے نہ عالی خیال۔ لیکن کیسے افسوس کی بات ہے۔ کہ ہم بجائے اس کے مخرب اخلاق میر حسن کی مثنوی یا داغ کا دیوان پڑھا کرتے ہیں۔ اور سر دُھنا کرتے ہیں۔

میں تلسی داس کی راماین جتنی زیادہ پڑھتا گیا۔ اتنا ہی میں نے اس کتاب کو لاجواب پایا۔ میرے دل کو اس کی باتیں ایسی پیاری لگیں۔ کہ اسی معراج پہ پہنچنے کی میں نے بھی کوشش کی۔ راماین میں جو مضمون پڑھتا۔ رات کو ایکانت میں بیٹھ کر اسی تصویر کا دھیان کرتا۔ مثلاً جہاں مہاراج کے گنگا سے اترنے کی کیفیت بیان کی ہے۔ میں نگاہ تصور میں اس تصویر کو جماتا کہ رام چندر جی۔ سیتا جی اور لچھمن جی چلے آتے ہیں۔ نشاد ساتھ ہے۔ سامنے گنگا بہ رہی ہے۔ وہاں ملاح کشتی پر بیٹھا انتظار کر رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے ابھیاس میں مجھے بڑا آنند آنے لگا۔ مہاراج مورتی پوجا کی اصلی غرض بھی یہی ہے۔ چنچل من کا قاعدہ ہے۔ کہ ادھر اُدھر بھٹکتا پھرا کرتا ہے۔ اُسے روکنے کے واسطے اور ایک مرکز پر قائم کرنے کی غرض سے مورتی کا دھیان کیا جاتا ہے۔ اس دھیان کی عادت ڈالنے کے واسطے بزرگوں نے سندر منوہر مورتیں نگاہ تصور کے

تھا۔ بیوی بیٹھی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ بچے ہنس رہے تھے۔ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ یا آپس میں محبت سے بول رہے تھے۔ پھر بڑے لڑکے نے کتاب میں سے ایک دو کہانیاں سنائیں اور میں نے ان کا مطلب سمجھایا بیوی ہندی پڑھی ہوئی تھی۔ اس نے ہندی کتاب میں سے دو کہانیاں سنائے، آخر تھوڑی دیر میں بچے سب سو رہے اور میں اُٹھ کر ایک دوست کے پاس اس کی نشست میں جا بیٹھا +

اس طرح کئی روز عمل کرتا رہا۔ دفتر کی طرح گھر میں بھی شانتی آگئی اور اس شانتی سے میرا من بھی شانت رہنے لگا۔ اب بڑے دن کی تعطیلات ہو گئی تھیں۔ چونکہ دفتر کا کام ایسا باقاعدہ بن گیا تھا کہ مجھے گھر پر لانا نہیں پڑتا تھا اس وجہ سے پہلے ہی چھٹی میں دل نہ لگنے سے میں گھبرا گیا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ خالی بیٹھے شیطان سوجھتا ہے۔ کہیں پھر تمہیں اشانتی نہ ستائے کچھ دلبستگی کا سامان پیدا کرنا چاہئے۔ اتفاق سے ایک دوست آگئے۔ یہ ستار بہت اچھا بجاتے تھے۔ اور مجھے بھی اس لطیف باجے کے سر بہت پیارے معلوم ہوتے تھے۔ باتوں باتوں میں میں نے ان سے پوچھا کہ مجھے بھی ستار سکھا دوگے۔ انہوں نے کہا شوق سے چنانچہ اسی روز سے سیکھنا شروع کر دیا اور چونکہ کان رسیلے تھے قلیل ترعرصے میں سُر اور تال سمجھ کر بجانے لگا۔ مشغلہ بھی بہت لطیف تھا اور پھر آپ جانیں راگ سے زیادہ کوئی چیز طبیعت کی شانت کرنے والی نہیں ہے۔ تھوڑے دنوں میں وہ رس کان میں پڑنے لگا۔ کہ میں بھی حضرت مہر کا ہم کلام ہو کر گانے لگا +

مجھ کو بھی، تو بتا ترے قربان جاؤں میں
آواز کس کی تونے اُڑائی ہے اے ستار
باجے کو، سب ہے یہ لحن خوش ادا
کب چھیڑنے سے یوں مترنم ہوئے ہیں تار
پردہ نشیر لیں پردہ ہے جا گزیں
پردوں سے اس کے آتی ہے آواز خوشگوار
سنوائی: طرح سے ہے تونے صدائے دوست
دکھلا بھی دے مجھے کبھی ظالم جمال یار

ورد روز ستار بجانا ناممکن تھا۔ شام کو میں نے یہ کیا۔ کہ محلے میں

میں نے گھر کی طرف توجہ کی +

ترقی ملنے کے دن طبیعت بہت خوش تھی۔ دفتر سے چلا تو سوچتا جاتا تھا کہ جیسے دفتر میں شانتی ہوگئی ہے۔ اسی طرح گھر پر کیونکر پیدا کروں۔ دل نے کہا دیکھو بھائی۔ بال بچوں کا گھر ہے۔ اس میں شور وغل ہونا ایک معمولی بات ہے۔ بچے نچلے نہیں بیٹھا کرتے۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتے ہیں۔ قصور خود تمہارا ہے۔ تم اُن کی دل بستگی کا کچھ سامان پیدا نہیں کرتے۔ اس طرح وہ لڑ جھگڑ کر اور مار پیٹ اور رو دھو کر اپنے کام کرنے کے شوق کو پورا کرتے ہیں۔ پس کچھ تجویز ایسی کرنی چاہئے۔ جس میں ان کا دل لگے اور وہ ہنسی خوشی سے وقت گزاریں۔ یہ سوچتا ہُوا آتا تھا کہ ایک کتب فروش کی دکان آئی۔ میں نے اس سے دو چار کتابیں کچھ تصویروں کی اور کچھ کہانیوں کی خریدیں۔ ایک حلوائی سے مٹھائی لی۔ کچھ پھل لئے۔ اور گھر آیا +

لڑکے بالے یا تو میری صورت سے ڈرتے تھے۔ یا مجھے اتنی چیزیں لاتا اور مسکراتے ہوئے آتا دیکھ کر سب دوڑ دوڑ کر میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے لالہ جی کیا لائے ہو۔ میں نے چھوٹے بچوں کو پیار کیا۔ بڑوں سے ان کے مدرسے اور پڑھائی کا حال پوچھا۔ اور سب سے کہا۔ آج ہمیں ترقی ملی ہے اور ہمارا دل بڑا خوش ہے۔ دیکھو غل یا دنگا نہ کرنا اور لڑنا بھڑنا مت۔ سب کو مٹھائی اور میوے کھلائینگے۔ کتاب میں سے تصویریں دکھائینگے اور کہانیاں سنائینگے۔ بچے چاؤ چاؤ میں مسکرانے اور ہنسنے لگے۔ میں نے کپڑے اتارے۔ اور کھانا کھانے بیٹھا۔ چھوٹے بچوں کو اپنے ہاتھ سے لقمے بنا بنا کر دئے۔ پھر ہم سب نے مٹھائی اور پھل کا تنقل کیا۔ بعد میں میں نے تصویروں کی کتاب نکالی اور ایک ایک تصویر انہیں سمجھانی شروع کی۔ کس شوق سے سنتے تھے۔ کیسے بھولے بھالے سوال کرتے تھے اور اُن کے چہروں سے کیسے خوشی کے آثار نمایاں تھے کہ کچھ نہ پوچھئے۔ وہی گھر جو دفتر سے آکر مجھے دوزخ معلوم ہُوا کرتا تھا۔ آج بہشت کا نمونہ

ایک دن میں اتنا کام ہوگیا۔ کہ دفتر میں تین دن میں بھی اتنا نہیں ہوا کرتا تھا۔ وہ شام کو گھر چلے گئے۔ تو میں نے سوچا کہ نرمی اور خوش مزاجی سے جیسا کام نکلتا ہے۔ ویسا سختی سے نہیں نکلتا کل دفتر میں بھی اسی طرح برتاو کرینگے ٭

دوسرے روز دفتر میں میں نے اپنے ہاتھ سے ہر ایک کلارک کو کام دیا۔ اور پہلے ہی سمجھا دیا کہ اس طرح کرنا۔ میں تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھتے جاؤ۔ میں کسی پر خفا نہیں ہونگا۔ بیچارے کلارکوں نے میری تیوری ایسی سیدھی کب دیکھی تھی۔ سب نے دل لگا کر کام کیا۔ جس کو جو دقت پیش آئی۔ مجھ سے آ کر پوچھتا گیا اور میں خندہ پیشانی کے ساتھ سب کو مدد دیتا رہا۔ دو بجے کے قریب اٹھا تو دیکھا سب محنت سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ میں نے دو روپے کی شیرینی اور میوہ جات منگوائے۔ اور آدھ گھنٹے کی چھٹی منا کر ہم سب نے کھائے۔ پھر شام تک بیٹھے کام کرتے رہے ٭

دفتر کے آدمیوں نے میرا اس طرح مزاج بدلا ہوا دیکھ کر حقیقت میں دل لگا کر کام کیا اور سال تمام کے کاغذات یا تو دن کے دن بھی تیار نہیں ملتے تھے یا پانچ روز پہلے تیار کر دئے۔ اور سب صحیح اور صاف ستھرے۔ مینجر بڑا خوش ہوا تعریف کرتا ہوا دفتر کے کمرے میں چلا آیا میں نے کہا۔ صاحب تعریف کا فقط میں مستحق نہیں ہوں۔ کام ان سب نے بھی کیا ہے۔ اس سال اتفاق سے بنک میں اور سالوں کی نسبت فائدہ زیادہ ہوا تھا۔ مینجر نیک بخت آدمی تھا کام سے خوش ہو کر اس نے دو دو چار چار روپے سب کلرکوں کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا اور تیس روپے مجھے ترقی دی۔ مثل ہے کہ مزدور خوش دل کند کار بیش۔ ترقی ملنے سے سب کام جی توڑ کر کرنے لگے اور یا تو ہم سب شام تک بیٹھے ٹکریں مارا کرتے تھے اور میں کام میں پسا جاتا تھا۔ یا اب گھنٹہ بھر دفتر میں فرصت ملنے لگی۔ اس طرح دفتر کا کام اطمینان سے ہونے لگا تو

جائیے۔ عہد کرلو۔ کہ علے الصباح روز جمنا جی کے اشنان کر آیا کرینگے۔ چنانچہ روز جمنا نہانے کا میں نے عہد کیا۔

گھر آیا تو بیوی بچاری انتظار میں بیٹھی تھی۔ کہ دیکھئے میاں واپس آتے ہیں۔ یا صبح اُن کی لاش کسی کوئیں میں سے نکلتی ہے۔ مجھے دیکھ کر اُسے بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اُسے اپنا عہد سنایا۔ وہ کہنے لگی کہ جگا تو میں تمہیں صبح کے تاروں کی چھاؤں دونگی لیکن قسم کھاؤ کہ تم جمنا میں ڈوب تو نہیں مروگے۔ میں نے اسے دلاسا دیا اور کہا۔ جس طرح میں اب صحیح وسالم آگیا ہوں۔ اسی طرح صبح جمنا اشنان کرکے آجاؤنگا۔ چنانچہ صبح اُس نے علے الصباح مجھے جگا دیا اہا ہا۔ کیا ہی دل کش اور دلفریب سماں تھا مجھے یہ رباعی یاد آئی :۔

تسبیح میں مصروف ہیں مرغانِ سحر
اور وجد میں جھومتے ہیں گلشن کے شجر
ہے صبح کا وقت یاد حق کر اے مہر
کیا اینڈ رہا ہے تو پڑا بستر پر

میں دھوتی لے کر چلا۔ ابھی آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ بڑا سہانا سماں تھا میری طرح اور بہت سے مرد وزن رام کا نام لیتے اور ایشور بھگتی کے بھجن گاتے چلے جارہے تھے۔ طلوع آفتاب کے وقت میں جل میں کھڑا نہا رہا تھا۔ جمنا سے واپس آیا تو طبیعت بڑی خوش تھی۔ میں نے رات کا عہد از سر نو تازہ کیا کہ روز بلاناغہ جمنا نہانے جایا کرونگا۔

کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ دفتر کے پانچ کلارک آگئے۔ ان میں سے چار کو تو میں نے بلایا تھا۔ کیونکہ سالتمام کے نقشجات بنانے تھے۔ اور پانچواں وہ شخص تھا۔ جو کل مجھ سے مقابلے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آج آکر ہاتھ پاوں جوڑنے لگا۔ میری طبیعت اس وقت خوش اور مسکّن تھی۔ میں نے اس شرط پر معاف کر دیا کہ آیندہ سے اپنا کام احتیاط اور محنت کے ساتھ کرو۔ آج باوجودیکہ اتوار تھا۔ لیکن کثرت کار کے باعث ہم شام تک بیٹھے کاغذ پیٹتے رہے۔ میں خود بھی لکھتا رہا۔ ان کلارکوں کو بھی بتاتا رہا۔ اور چونکہ نہ کسی پر خفا ہوا نہ کسی کو دھمکایا۔ ہنسی خوشی

سی بات بتائے جاتا ہوں۔ اس پر عمل کرو۔ دیکھو بھائی۔ مریض حکیم کے پاس علاج کو جاتا ہے۔ تو حکیم یہ دیکھا کرتا ہے کہ مرض کا اصلی باعث کیا ہے۔ اس باعث کو دور کر دیتا ہے تو مریض اچھا ہو جاتا ہے۔ تمہیں اشانتی کا مرض ہے۔ اُسے دور کرنا چاہتے ہو تو ان باعثوں کو پہلے دور کرو جن سے اشانتی پیدا ہوتی ہے۔ پھر خود بخود شانتی آجائیگی۔ یہ کہکر وہ سوار ہو گئے اور کہتے گئے۔ کہ اس نصیحت پر عمل کرنا اور جب میں واپس آؤں تو اپنی کیفیت سنانا۔

میں گھر کی طرف واپس چلا۔ رات کا وقت تھا۔ تاروں بھری رات تھی۔ ہوا درختوں میں سرسراتی تھی۔ ٹھنڈک تھی۔ خاموشی تھی۔ غرض ہر طرف شانتی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سماں تھا کہ شاعر کہتا ہے:-

جبکہ گجر بجتا ہو آدھی یہ رات | خواب سرمست ہو کل کائنات
تارے ہوں چھٹکے ہوئے افلاک پر | نور برستا ہو سرِ خاک پر
رات بھی وہ ہو کہ ہو تاروں بھری | چلتی ہوا آہستہ سے باد شبی
ایسی کہ پتا بھی نہ کھڑکے کہیں | محو خموشی ہوں زمان و زمیں
چار طرف ہو وہ خموشی کا زور | چلنے میں دیتا ہو صدا پائے مور
چھوڑ کے سب محنت فردا پہ کام | نین کے لیتے ہوں مزے خاص و عام
اور مسافر کہ ہوں ہارے تھکے | سوتے سراؤں میں ہوں آرام سے
بھول کے سب راہ کا رنج و محن | دیکھتے غربت میں ہوں سیر وطن
پس یہ سماں جبکہ ہو راحت افزا | میں ہوں اُسے دیکھ کے خوش ہو رہا

میرے مکان کا فاصلہ زیادہ تھا۔ اس ہوا خوری سے طبیعت بہت خوش ہوئی۔ گرو کے بچنوں کو سوچتا چلا آتا تھا کہ اشانتی کے باعث کیا ہیں اور اُنہیں کیونکر دور کرنا چاہیئے۔ ایک تو یہی سمجھ میں آیا۔ کہ تم کام تو بہت کرتے ہو اور ورزش کچھ بھی نہیں کرتے۔ اس سے اعصاب بھڑکتے ہیں اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔ کل سے دو چار میل صبح ہی گشت کر آیا کرو۔ لیکن ممکن ہے کہ بے غرض اور بے مطلب گشت سے شاید طبیعت اُکتا

اس کے بھی دو طمانچے رسید کروں۔ اور یہ بھی روتا ہوا گھر میں جائے۔ لیکن دوست کے لحاظ سے چپکا اس کے ساتھ چلا آیا۔ بیوی نے کہا کھانا تیار ہے۔ خیر میں نے کھانا کھایا۔ سیر ہو کر آدمی کی طبیعت شانت ہوتی ہے۔ میں بیٹھکر سوچنے لگا۔ کہ رتن چند تم بہت ہی چڑچڑے ہو گئے ہو۔ آپ بھی دق رہتے ہو اور اور آدمی بھی تم سے دق رہتے ہیں۔ بھائی چلو گرو مہاراج سے چل کر کچھ اُپدیش لو +

یہ سوچ کر میں نے چھڑی اُٹھائی اور جوتا پہن کر چلنے کو تیار ہوا ہی تھا۔ کہ بیوی نے آکر ہاتھ پکڑ لیا اور لگی زار قطار رونے۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے۔ کیا تمہاری ماں کی سناؤنی تو نہیں آگئی۔ اُس نے روتے روتے کہا۔ کہ سناونی آجائے تو منظور مگر تم خدا کے واسطے باہر نہ جاؤ۔ میں حیران کہ ماجرا کیا ہے۔ کہنے لگی بتاؤ تو کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا کہیں نہیں۔ بولی نہیں تم تو کوئیں میں ڈوبنے جاتے ہو۔ اب مجھے یہ عقدہ کھلا کہ میرا لڑکا دوست کے پاس سے مجھے کیوں گھسیٹ کر لایا تھا۔ میں مسکرانے لگا اور کہا۔ کہ میں اپنے چڑچڑے مزاج سے خود دق ہوں۔ اور اس کا علاج پوچھنے گرو مہاراج کے پاس جاتا ہوں۔ بیوی نے اپنی قسم دلائی۔ سب بیٹوں کی قسم دلائی۔ اس وقت کہیں جا کر مجھے جانے دیا +

گُردوارے پہنچا تو دیکھا۔ کہ دروازے کے باہر گاڑی کھڑی ہے اور میرے گورو بھائی اس پر اسباب لاد رہے ہیں۔ گرو مہاراج بھی باہر نکل آئے تھے۔ میں نے نمسکار کیا تو عُذر کرنے لگے۔ کہ بھائی رتن چند۔ میرا ارادہ یکایک ہردوار جانے کا ہو گیا۔ اس وجہ سے کسی کو اطلاع نہیں کر سکا۔ تمہیں کیونکر خبر ہوئی۔ میں نے کہا۔ مجھے تو آپ کے جانے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اپنے مطلب کو آیا تھا۔ پوچھا وہ کیا مطلب ہے۔ میں نے کہا مہاراج میں اشانت بہت رہتا ہوں۔ کچھ من کی شانتی کا اُپائے بتاتے جائیے۔ گرو جی بولے۔ یہ وقت لمبے چوڑے اُپدیش کا تو ہے نہیں۔ گاڑی تیار ہے اور ریل میرے لئے ٹھیری نہیں رہیگی۔ ہاں ایک چھوٹی

میں اُس کلرک کی جان کو آ گیا۔ اس پر پہلے بھی جرمانہ ہو چکا تھا۔ بیچارہ سمجھا کہ اس دفعہ موقوفی ہے۔ تنگ آمد بجنگ آمد۔ دو بدو مقابلہ کرنے لگا۔ جس میں میری بڑی ہتک ہوئی۔ لیکن دفتر بند ہونے کا وقت تھا۔ اور دوسرے روز تعطیل تھی۔ میں نے کہا اچھا بچہ سوموار کو دفتر کھلنے تو میں تجھے موقوف کراؤنگا۔ کلرک نے کہا۔ تو کوئی خدا تو نہیں ہے۔ یہاں سے موقوف ہو کر میں کہیں اور مزدوری کر کے کما کھاؤنگا۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔ کر لیجو جو تجھ سے ہو سکے۔ خیر میں گھر آیا۔ بال بچوں کا گھر تھا۔ ایک بچہ رو رہا تھا اور اُس کی ماں خفا ہو رہی تھی۔ میں پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا۔ یہ شور و غل نہایت ناگوار گزرا۔ اور میں نے اُٹھ کر اس روتے بچے کے منہ پر دو طمانچے مارے۔ وہ بجائے اس کے کہ چپکا ہو اور چلّانے لگا۔ مجھے مارتے پیٹتے دیکھ کر اور بچے بھی رونے لگے۔ وہ کہرام مچا کہ میں دق ہو گیا اور کہنے لگا کمبختو تم نے گھر کو دوزخ بنا رکھا ہے۔ تمام دن دفتر میں مرتا رہتا ہوں۔ شام کو گھر آتا ہوں تو یہ مصیبت۔ الٰہی میں کہاں نکل جاؤں فقیر ہو جاؤں یا کوئیں میں ڈوب مروں۔ یہ کہکر میں گھر سے باہر نکل آیا۔

برابر کے مکان میں ایک دوست رہتے تھے۔ وہ دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ کہنے لگے۔ لالہ رتن چند تمہارے گھر میں تو روز خوب رول چول رہتی ہے۔ میں نے اُن سے اپنا دُکھڑا رونا شروع کیا۔ کہ کیا کہوں۔ دن بھر تو دفتر میں بیل کی طرح پلتا ہوں۔ شام کو گھر آتا ہوں تو چین نہیں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ وہ کہنے لگے۔ بھائی بال بچوں کو پیار سے رکھا کرو۔ دیکھو ہمارے گھر بھی تو بچے ہیں۔ کبھی کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔ تم تو جیوانند جیسے شانت سبھاؤ مہاتما کے چیلے ہو۔ اُن سے کچھ شانتی کی تدابیر کیوں نہیں پوچھتے۔ وہ یہ بات کہہ رہے تھے۔ کہ میرا بڑا لڑکا آیا اور کہا۔ تمہیں امّاں بلاتی ہیں۔ میں نے کہا ٹھیر بات کر رہا ہوں۔ چلتا ہوں وہ ہاتھ پکڑ کر گھسیٹنے لگا کہ ابھی چلو۔ میرے دل میں تو آیا کہ کان پکڑ کے

ایک مہاتما بولے۔ "مہاراج بیراگ کا قدرتی نتیجہ شم و غیرہ کی چھ طرح کی تحصیلات ہیں۔ جب آدمی سمجھ لیتا ہے کہ دنیا ناپائدار ہے۔ تو قدرتاً اس کا من شانت ہونے لگتا ہے۔ اسے شم کہتے ہیں۔ اندریاں بشیوں کی طرف نہیں دوڑتیں یعنی حواس منضبط ہو جاتے ہیں۔ اسے دم کہتے ہیں۔ طبیعت دنیا و عقبیٰ دونوں سے سیر ہو جاتی ہے۔ یہ اُپ رتی ہے۔ آدمی دکھ سکھ سہ لیتا ہے اور شکوہ شکایت نہیں کرتا۔ یہ تتکشا ہے۔ شاستر اور گورو کے بچن میں یقین پیدا ہوتا ہے اس کا نام شردّھا ہے۔ اور آخر اسے ویدانت کے بچار میں استغراق حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ سمادھان ہے۔ میں نے مختصراً یہ تعریفیں عرض کر دی ہیں۔ جو جو مہاتما آگے کتھائیں کہینگے۔ وہ ایک ایک کی تشریح کرتے جائینگے۔ میں صرف شم کے مضمون کو لیتا ہوں۔ اور جس طرح مجھے من کی شانتی نصیب ہوئی وہ بیان کرتا ہوں +

میں سوامی جیوانند کا چیلا ہوں اور دہلی کا رہنے والا ہوں۔ میرے گورو بھائی رامانند۔ اور پرمانند بھی اس مجمع میں تشریف فرما ہیں۔ یہ بچپن سے سنّیاسی ہیں اور میں نے پچاس سال کی عمر میں سنیاس دھارن کیا ہے۔ گرہست کے عالم میں میں ایک بنک میں ہیڈ کلرک تھا اور تیس چالیس آدمی میرے ماتحت کام کرتے تھے۔ کام بہت تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ ہمارے کرنے کا طریق ایسا ناقص تھا۔ کہ ہم سب ہمیشہ نالاں رہتے تھے۔ میں نے دو تین آدمی موقوف کرائے۔ کئی پر جرمانہ کرایا۔ لوگ مجھے تند مزاج اور سخت گیر بتاتے تھے۔ گھر میں بیوی بچوں پر بھی اکثر خفا ہوتا رہتا تھا۔ نوکر چاکروں کو ڈانٹ بتایا کرتا تھا۔ وہ نوکری چھوڑ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور مجھے دوگنی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ اس سے مزاج میں اور چڑچڑاپن پیدا ہوتا تھا۔ غرض میری زندگی بڑی اشانتی کے ساتھ گزرتی تھی +

ایک روز ایک کلرک نے غلطی سے سو روپیہ کی جگہ ایک آدمی کو پچاس روپے کا منی آرڈر بھیج دیا۔ تین چار روز کے بعد اُس کی شکایت آنی ہی تھی۔

کرو عمر گرامی کو بسر تو پارسائی سے — گزارو زندگی اپنی تو پاکی اور صفائی سے
تم اس دنیا میں رہکر کام رکھو بس بھلائی سے — بچو یہ سوچ کر ہر وقت اور ہر دم بُرائی سے
عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

کرو کوشش کہ جب تک ہے تمہارا دم میں دم باقی — رہے دنیا میں نام نیک سے اپنا کرم باقی
چلے جائیں یہاں سے تو رہیں نقش قدم باقی — یہاں سے کوچ جب ٹھیرا تو ہوگے تم نہ ہم باقی
عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

نہ تم ارمان و حسرت اور خیال خام یاں چھوڑو — نہ اوروں کی طرح مر کر درم اور دام یاں چھوڑو
جنہیں کرتے رہیں سب یاد ایسے کام یاں چھوڑو — جسے عزت سے لیں یہ سوچکر وہ نام یاں چھوڑو
عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

صدا ہے مہر کی دنیا جسے کہتے ہیں فانی ہے — جو دیکھا غور سے خواب شبینہ زندگانی ہے
نہ جو رو کے رکے عمر رواں میں وہ روانی ہے — کرو کچھ فکر عقبےٰ موت اک دن پیش آنی ہے
عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

کلام مہر جلد ثانی

نظم کے ختم ہونے پر سوامی برہمانند نے کہا۔ سادھو۔ بیراگ کی توضیح تین کہانیوں میں اچھی طرح ہو چکی۔ اب تیسرے سادھن شمادی کھٹ سمپتی کو شروع کرو اور کوئی مہاتما شم یعنی تسکین قلب کے مضمون پر کہانی سناؤ ۔

شمادی کھٹ سمپتی یعنی چھ تحصیلات

دسویں سادھو کی کہانی

پہلی سمپتی۔ شم یا تسکین قلب۔ عملی پہلو

دنیا میں جھمیلے ہیں وہ بیزار ہوں میں — یاں روز و شب شکار افکار ہوں میں
مجھ کو تسکین قلب ڈھونڈھی نہ ملی — اے مہر مصیبت میں گرفتار ہوں میں

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

پڑے سوتے ہو کیا غفلت کی نیند و تمہیں ذرا جاگو
تمہیں سولی پہ نیند آئی ہے کیسی واہ وا جاگو
گیا وقت گرامی قدر و عمر بے بہا جاگو
ذرا ہشیار ہو میری سنو کہتا ہوں کیا جاگو

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

اجل سر پر کھڑی ہے اور تم دنیا پہ مائل ہو
غضب ہے آنکھ پر یوں پردۂ پندار حائل ہو
خدا سے بھی مناجاتوں میں بس دنیا کے سائل ہو
غضب ہے اس طرح دل سے خیال مرگ زائل ہو

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

تمہیں غفلت سی غفلت ہے الٰہی کیا ٹھکانا ہے
بسانِ عالم رویا جہاں کا کارخانہ ہے
خیال آتا نہیں مطلق کہ اک دن یاں سے جانا ہے
جسے تم زندگی سمجھے ہو وہ جھوٹا فسانہ ہے

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

ملا جامہ تمہیں انسان کا اچھا اس کا پھل پایا
فنا کے گھر میں کیوں دھوکا بقا کا اس طرح کھایا
گئی لہو و لعب میں رائگاں عمر گرانمایہ
نہیں دم کا بھروسا دم ہے آیا یا نہیں آیا

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

طبیعت پر نہیں کچھ فکر عقبیٰ سے ملال آتا
مزا دنیا میں ہے وہ بے دلیل و قیل و قال آتا
نہیں دل میں تمہارے خوفِ ربِّ ذوالجلال آتا
کہ بھولے سے نہیں اس بات کا مطلق خیال آتا

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

جہاں گزران ہے اور اس کا طلسمی کارخانہ ہے
ہوا ہے کس کا پہلے اور اب کس کا زمانہ ہے
یہاں آیا ہے جو اک دن اُسے دنیا سے جانا ہے
یہاں ہے رہرو رفتن سب کا اس کو سب نے مانا ہے

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

کسی سے رکھ کے کین بے سبب لینا ہے کیا تم کو
دعا یہ کیجے وہ توفیق دے رب العلےٰ تم کو
کسی سے دشمنی کر کے ملیگا کیا بھلا تم کو
کہ رہ رہ کر خیال آتا رہے اس بات کا تم کو

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

مقام شکر ہے جب تک بہم یاروں کی صحبت ہے
بھلائی آؤ کچھ کر لو کہ مہلت اور فرصت ہے
خدا کا فضل ہے تم پر خدا کی تم پہ رحمت ہے
اجل کا وقت کیا جو دم گزر جائے غنیمت ہے

عزیزو وہ بھی دن ہوگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

ہمیں معلوم ہے کب بدر کو آئیگا زوال یعنی جب فصل سنہری یہاں ہو جائیگی	کب پرندے آئینگے اس ملک میں زحمت ناک لیک یہ کون بتائے کہ تو کب آئیگی
کیا ترا وقت ہے وہ بادِ بہار آکے کرے یا خزاں آگئی ہو پھول ہوں پژمردہ جب	کان میں پھولوں کے سرگوشیاں آہستہ سے اُن کا مضمون ہے وقت اور ترے وقت ہیں سب
تو وہاں ہے جہاں طوفوں کی بلائیں آئیں گھر کے آرام کدے میں کبھی آجاتی ہے	تو وہاں ہے جہاں گانے کی صدائیں آئیں کبھی مجلس سے ہمیں کھینچکے لے جاتی ہے
تو وہاں ہے کہ جہاں یار ملے یاروں سے تو وہاں ہے کہ عدو سے ہے عدو کی پیکار	یعنی گلشن میں شجر ہائے ثمر در کے تلے شوق شہنائی سے چلتی ہے کھٹا کھٹ تلوار

کلام مہر جلد اوّل

صورت حال یہ ہے تو وقت فرصت غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ آدمی کو لازم ہے کہ جب تک حیات مستعار باقی ہے۔ ایسے کام کرے جن سے بہتری اور بھلائی متصوّر ہے۔ دین کی اور دنیا کی۔ یہاں کی اور وہاں کی۔ معاش کی اور معاد کی۔ کیونکہ نہیں معلوم کس وقت کوچ کا نقارہ بجے اور وہ تمام حسرت وارمان ساتھ لئے یہاں سے چلا جائے۔ اس لئے خیال مرگ کو دل میں ہمیشہ جگہ دینی چاہیئے۔ ایک روز وہ آنا ہے۔ کہ یہاں نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے۔ شاعر کہتا ہے:

خیال مرگ

جہاں ہے بے ثبات اسباب کب تک ہم ہونگے ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے احباب کم ہونگے	اجل جب آگئی خوشیاں نہ یاں ہونگی نہ غم ہونگے غم احباب میں کیا دیدۂ احباب نم ہونگے

ہر خویش و اقربا و یگانہ بدل گیا
ہم دیکھتے رہے کہ زمانہ بدل گیا

ہستی ہر ایک شے کی بسانِ حباب ہے
دم بھر ہیں حال خوش بھی تو حال خراب ہے
انساں کی زندگی نہیں موجِ سراب ہے
گویا تمام ہستیِ موہوم خواب ہے

اس خواب سے کھلی نہیں لیکن کسی کی آنکھ
جب تک کہ بند ہو نہ گئی آدمی کی آنکھ

تیری بھی آنکھ مہر کھلی یا ابھی نہیں
بیجا ہے خوف خوف سے یاں مخلصی نہیں
یہ یاد رکھ کہ موت تجھے بخشتی نہیں
بس ایک خواب اُس کو سمجھ زندگی نہیں

جس طرح صورتوں کو نہیں خواب میں قیام
یہ صورتِ حیات بھی بدلے گی لا کلام

کلام مہر جلد اول

دنیا میں رہ کر آدمی کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ دنیا ناپائدار ہے اور حیات مستعار۔ دم کا کیا بھروسا ہے آیا آیا نہیں آیا نہیں آیا۔ اس وجہ سے موت کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔ کیونکہ موت ہر شخص کی جان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اور اس پر غضب یہ ہے کہ اس کا وقت معین نہیں ہے۔ چاہے جس آدمی کو چاہے جس وقت چاہے جس جگہ آکر دبا لیتی ہے اور کسی کی پیش نہیں جاتی۔

موت کی گھڑی

برگِ اشجارِ چمن وقت پہ جھڑ جاتے ہیں
وقت مخصوص پہ چھپ جاتے ہیں تارے یکسر
وقت پر پھول بھی گلزار میں کملاتے ہیں
تیرا ہر وقت ہے اے مرگِ مفاجات مگر

دن بنا اس لئے ہم کام کریں محنت سے
شب ہے آرام کو اور خواب کو اور بہرِ دعا
شام اس واسطے گھر آن کے لیں گھر کے مزے
کون سا وقت ہے اے موت نہیں جو تیرا

یکساں ہیں انبیا اسے یکساں ہیں اولیا
کوئی رشی بچا ہے نہ کوئی منی بچا
اُس کی صلائے عام یہ نزدیک دور ہے
آیا ہے جو یہاں اُسے جانا ضرور ہے

برحق ہے ایک موت ہی اس کارگاہ میں
مرنا ہے ایک دن یہ ہے سب کی نگاہ میں
انساں ہے حالِ خوش میں کہ حالِ تباہ میں
چلنا ہے یاں سے کوئی نہیں اشتباہ میں
یاں گر ہے کوئی امرِ یقینی تو موت ہے
جو جو ہے ذی حیات وہ اک روز فوت ہے

باقی ہر ایک شے کی ہے موہوم کائنات
جس جس پہ غور کیجے وہ ہے محض بے ثبات
حیرت ہے مجھ کو نام ہے کس چیز کا حیات
جو آج ہے وہ پاؤ گے کل خواب کی سی بات
عبرت کی جا یہ کارگہِ اعتبار ہے
کس کو یہاں ثبات و قیام و قرار ہے

صحت کا اعتبار نہ دولت کا اعتبار
منصب پہ کچھ ہے حصر نہ عزت پہ کچھ مدار
شہرت کو ہے قیام نہ اولاد کو قرار
ہر حالِ خوش ہے یاں متبدل بحالِ زار
صورت ہر ایک شے کی بدلتی ہے اس طرح
سوتے میں دیکھتا ہے کوئی خواب جس طرح

تبدیلیاں ہیں اپنی ہی حالت میں سب عیاں
چہرے پہ اب ہیں عالمِ پیری کی جُھریاں
باقی نہیں ہے پہلی اُمنگوں کا کچھ نشاں
وہ طفلی و شباب و جوانی گئی کہاں
جو کل تھی آج خواب کی سی بات ہو گئی
بس دم کے دم میں ختم کرامات ہو گئی

ہوش و حواس ہمرہِ فہم و ذکا گئے
طغیان و جوشِ طبع نہ ٹھیرے ذرا گئے
جن جن پہ تھا خیال کہ ہیں دیرپا گئے
دندان و چشم و گوش گئے سب قویٰ گئے
گزری مگر یہ دہر سرِ رہگزار ہے
کس کو یہاں قیام ہے کس کو قرار ہے

آنکھوں کے سامنے سے وہ احباب اُٹھ گئے
پہلے تھے جو بزرگ وہ باقی نہیں رہے
کچھ آگے جا چکے ہیں تو پیچھے ہیں کچھ چلے
بدلے ہیں رنگ دہر نے کیا کیا نئے نئے

نوعمر و نوجواں ہے کوئی صاحبِ ذکا
بس ایک سال اور ہے وہ ختم اب ہوا
محنت سے تین سال سے کالج میں پڑھ رہا
باعلم کے لئے ہر اک در کھلا پڑا
مرگیا پدر سے لیک وہ اب خستہ حال ہے
ہاں اے امیدِ خام تیرا یہ مآل ہے

یا گھر پہ پڑھ کے آیا کوئی نوجوان ہے
دل شاد ہیں عزیز ہر اک کو گمان ہے
خوش ہے وہ خود کہ مجھ پہ خدا مہربان ہے
اس کا فروغ بہترئ خاندان ہے
پر خانداں کی آنکھ ہے جس پر لگی ہوئی
ہے موت کی نگاہ بھی اس پر لگی ہوئی

تصنیفِ اہلِ فضل ابھی ناتمام ہے
صنّاع کا اگرچہ ادھورا ہی کام ہے
جوگی ہنوز اپنی ریاضت میں خام ہے
شہرہ نہ گو کہ طالب شہرت کا عام ہے
کرتی نہیں کسی کا مگر موت انتظار
پورا ہو کام یا نہ ہو سب اس کے ہیں شکار

اس کو نہیں خیال کہ رقت کی جا ہے یہ
پروا نہیں اسے کہ رعایت کی جا ہے یہ
اس کو نہیں لحاظ کہ رحمت کی جا ہے یہ
یہ دیکھتی نہیں کہ مروت کی جا ہے یہ
میدان گاہ دہر میں اک قتلِ عام ہے
ہر ذی حیات کو یہ اجل کا پیام ہے

لڑکا تڑپ رہا ہے مرا باپ مر گیا
بیوی ہے نوحہ گر مرا شوہر کدھر گیا
سر پیٹتا ہے باپ کہ لختِ جگر گیا
خاوند بھی رو رہا ہے اجڑ ہائے گھر گیا
چاروں طرف سے نالہ و شور و بُکا ہے یہ
دنیا کو میں سمجھتا ہوں ماتم سرا ہے یہ

دنیا فنا کا گھر ہے خدا اُس کا ہے علیم
بیوہ کا دل ہے فرطِ الم سے اگر دو نیم
یاں نوحہ گر اسیر ہیں ماتم کناں یتیم
خانہ خرابیوں سے ہیں احباب بھی الیم
دل میں اجل کے رحم ذرا بھی مگر نہیں
اس سے کبھی بچا کوئی فرد بشر نہیں

ہے بادشاہِ ملک کہ درویش بے نوا
زردار ہے امیر کہ محتاج ہے گدا

احباب سب ماتمی بدلِ سوگوار ہیں

گھر بھر رہا ہے ایک کماؤ ہے آدمی
بیوی جواں ہے پود ہے اطفال کی نئی
پیرانہ سال ماں ہے ضعیفی ہے باپ کی
بیوہ بہن کا ایک سہارا ہے بس یہی
اس شخص پہ غضب ہے کہ برقِ اجل گرے
کچھ جائے دم زدن نہیں انسان کیا کرے

اب اَور گھر کو لیجے کہ بچے ہیں خورد سال
ہے باپ واں قلیل معاش اور تنگ حال
ماں پہ ہے حصر ماں کو ہے ہر بات کا خیال
وہ مر گئی غضب ہوا۔ ہونا ہے کیا مآل
صاحبدلوں کے واسطے عبرت کی جا ہے یہ
دیکھو تو آنکھ کھول کے کیا ہو رہا ہے یہ

موئے سفید ہو گئے جس وقت زیب سر
حق نے دیا ہے لاکھ اُمنگوں سے اک پسر
اُس چار سالہ طفل پہ شیدا ہے سارا گھر
منہ دیکھتے ہی رہتے ہیں بس مادر و پدر
وہ ہے مریض اور دوا میں اثر نہیں
ماں باپ بیٹھے ہیں کہ لختِ جگر نہیں

لڑکی ہے یا حسین کوئی ماں کی لاڈلی
اور اُس کو پیار کرتا ہے بھائی بھی باپ بھی
صورت بھلی ہے ساتھ ہی سیرت بھی ہے بھلی
تجویز اُس کے بیاہ کی درپیش تھی ابھی
ناگاہ آیا پیکِ اجل اُس کو لے گیا
ماتم میں اقربا ہیں کہ کیا داغ دے گیا

اخلاص یا کہ شوہر و زن میں کمال ہے
مفتوں وہ اِس پہ اُس پہ یہ آشفتہ حال ہے
بس ایک دوسرے ہی کا اُن کو خیال ہے
ہے دورِ جامِ عیش کہ دورانِ سال ہے
افسوس یہ زمانِ خوشی دیرپا نہیں
وہ رو رہا ہے ایک رہا دوسرا نہیں

اپنا ہے یا کہ خاص کوئی یارِ غم گسار
دیرینہ دوست اہلِ محبت وفا شعار
ہوتا ہے جبکہ دل پہ ہجومِ الم کا بار
صحبت سے اُس کی پاتی ہے تسکین جانِ زار
اُس کی اجل دراپنی ہی آنکھوں کے سامنے
کیا کیجئے مگر نہ کچھ اپنا جو بس چلے

ہے۔ لیکن آنکھ سے کوئی آنسو نہیں گراتا۔ کہ بیمار کو مایوسی نہ ہو۔ کیشو ہے کہ بات کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن سب کو برابر دلاسا دیتا رہتا ہے۔ گھبراؤ نہیں میں کل سے آج اچھا ہوں۔ پرماتما کرپا کرینگے۔ تھوڑے عرصے میں اُٹھ کھڑا ہونگا +

آخر وہ دن بھی آ گیا۔ کہ کیشو نے دو تین ہچکیاں لیں اور ٹھنڈا ہو گیا۔ میں اس وقت موجود تھا۔ کچھ نہ پوچھئے کیسی رقت کا سماں تھا۔ بوڑھے ماں باپ سرہانے کھڑے رو رہے تھے۔ ہائے بیٹا ہمیں تو پہلے چلے جانے دیا ہوتا۔ بیوی پاؤں پکڑے چلا رہی تھی ہائے پتی مجھے اور بچوں کو کس کے حوالے کر چلے۔ بیوہ بہن بسور رہی تھی۔ ہائے بھائی مجھ بیکس بیوہ کا اب کون سہارا ہے۔ بھائی ماتم کر رہا تھا کہ مجھے اس شوق سے پڑھایا تھا۔ میرا بھی تو کچھ سکھ بھوگا ہوتا۔ میرے پتا اور میں گو دونوں گیانی پنڈت تھے۔ لیکن برابر ٹپ ٹپ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ مہاراج اس واقعہ کو تیس برس گذر رے۔ لیکن اب تک وہ سماں میری آنکھوں میں پھرتا ہے۔ طبیعت میں تیز بیراگ پیدا ہوا کہ دنیا ہیچ ہے۔ سدانند ایک دن تو بھی اسی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوگا اور تجھے بھی لوگ شمشان میں لے جا کر پھونک آئینگے +

سب جگ جلتا دیکھ کر ہوئے کبیر اُداس ہاڑ جلے جوں لاکڑی کیس جلیں جوں گھاس

جو بیراگ اس وقت پیدا ہوا تھا۔ وہ برابر اب تک اسی طرح چلا جاتا ہے۔ مجھے موت کے نظارے سے بیراگ ہوا تھا اور موت اب تک میرے دھیان میں ہے۔ یہ موت کا نظارہ اور خیال وہ چیز ہے کہ ہر ایک شخص کی آنکھیں دنیا کی بے ثباتی پر کھول سکتا ہے۔ کیونکہ موت سے کون بچا ہے۔ حضرت مہر فرماتے ہیں :-

دل میں اجل کے رحم کا مطلق پتا نہیں	کرتی کبھی کسی کی رعایت ذرا نہیں
اس کے لئے کہیں کوئی رقت کی جا نہیں	ٹل جائے ٹالنے سے جو۔ یہ وہ بلا نہیں

برنا و طفل و پیر سب اس کے شکار ہیں

بار بار ایک خاص آواز سے کھانستا تھا۔ میں نے اور میرے والد نے پوچھا یہ چھ مہینے میں کیا صورت بنالی۔ کہنے لگا۔ کوئی تین مہینے سے ہلکا ہلکا سا بخار کبھی کبھی ہو جاتا تھا۔ دو مہینے تک تو کچھ پروا نہ کی۔ مہینہ پندرہ روز سے روز ہونے لگا۔ پوچھا علاج کس کا ہے۔ کہا فلاں بید کا ہے۔ میرے والد کو بھی بیدک میں کچھ دخل تھا۔ کہنے لگے اس بید کو کیا آتا ہے دیکھو کل میں دو ایک لائق بیدوں اور ڈاکٹروں کو بلاکر تمہیں دکھلاؤنگا کیشو چلا گیا۔ تو میرے والد نے مجھ سے کہا۔ سدانند اس لڑکے کو تپ دق معلوم ہوتی ہے۔ اور مرض بڑھ گیا ہے۔ پرمیشور اپنی کرپا کریں۔ میرے ہوش جاتے رہے اور چاہا کہ کیشو کے پاس اس وقت جاؤں۔ لیکن والد نے منع کیا۔ کہ خبردار اس کے سامنے تپ دق کا نام نہ لینا۔ اور کل میرے ساتھ ہی چلنا۔ دوسرے روز میرے والد نے ایک لائق بید۔ اور ایک حکیم کو جو اُن کے معتقدین میں سے تھا بلایا اور ایک نامی انگریز ڈاکٹر کو بھی سولہ روپے فیس دے کر طلب کیا۔ تینوں کی یہی رائے قرار پائی۔ کہ مرض تپ دق ہے اور روز بروز ترقی پر ہے۔ اسے کسی خشک پہاڑی جگہ لے جاؤ۔ کیشو کے بھائی کا چونکہ تعلیم کا حرج متصور تھا۔ اُس کی جگہ میں ساتھ ہوا اور اُس کے باپ ہمراہ ہوئے۔ پہاڑی ہوا میں پانچ سات روز تو افاقہ معلوم ہوا۔ لیکن مرض بڑھ چکا تھا۔ دست آنے لگے۔ اور روز بروز تکلیف بڑھنے لگی ناچار وہاں کے ڈاکٹر کی صلاح سے پھر لاہور واپس لے آئے۔

لاہور میں ایک ہفتے میں یہ حال ہو گیا کہ صاحب فراش بن گیا۔ مجھے اپنا دوست جان سے زیادہ عزیز تھا۔ ہر وقت میں بھی پاس موجود رہتا تھا۔ اس درد بھری داستان کو کیونکر بیان کروں۔ کیشو بستر مرض پر دراز ہے۔ بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ چہرا تمتمایا ہوا ہے۔ بخار کی شکایت ہے۔ کھانسی کی شکایت ہے۔ دستوں کی شکایت ہے۔ لیکن آواز کرارہی ہے۔ میں پٹی پکڑے بیٹھا ہوں۔ باپ بیٹھا ہے۔ ماں بیٹھی ہے۔ بیوہ بہن اور بیوی گھڑی گھڑی آکر دیکھ جاتی ہیں۔ سب کے چہروں پر پژمردگی چھائی ہوئی

شری گنگا جی کے اشنان کو لے جانے کا ارادہ ہے۔ اسی طرح سے اور کئی نیک ارادے اُس نے ظاہر کئے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت ہی اچھی طبیعت کا آدمی ہے +

اتوار کے روز کتھا ہوئی۔ بڑے پریم سے پرساد بنایا تھا۔ کتھا کے بعد ہم سب نے وہیں کھانا کھایا۔ گھر کی روح رواں کیشو تھا۔ باپ نے اب ضعیفی کے باعث دکان چھوڑ دی تھی۔ بھائی ہنوز پڑھتا تھا۔ ایک بہن بیوہ ہوگئی تھی۔ وہ بھی انہیں کے ہاں رہتی تھی۔ خود کیشو کا ایک لڑکا تھا اور ایک چھوٹی لڑکی تھی۔ ماں اور اپنی اور بھائی کی بیویاں دونوں آج کل یہیں تھیں۔ نیک دل نوجوان سب کی ناز برداری کرتا تھا۔ اور اپنی قوت بازو سے سب کا سہارا تھا۔ مسکرا کر سب سے بولتا اور سب اُس سے محبت کرتے۔ غرض گھر ہرا بھرا اور ہر شخص خوش تھا +

اس کتھا کے ہفتہ بھر بعد میرے والد کا ارادہ تیرتھ جاترا کرنے کا ہُوا۔ کیشو ہمیں ریل پر بٹھانے آیا اور کہنے لگا۔ دوست دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ سیر و سفر کروں۔ لیکن کیا کروں۔ قبیلہ دار آدمی ہوں۔ میں نے کہا۔ فکر کی کیا بات ہے۔ یار زندہ و صحبت باقی۔ پھر کبھی ہم تم دونوں چلینگے۔ خیر ہم روانہ ہوئے اور چھ مہینے تک ہندوستان کے مشہور۔ مقدس مقاموں میں پھرتے رہے۔ کیشو کی محبت بھری چٹھیاں اس عرصے میں برابر مجھے ملتی رہیں۔ لیکن پچھلے دو ماہ میں جو خطوط آئے۔ اُن سے طبیعت میں فکر پیدا ہُوا۔ ہر ایک خط میں لکھا ہوتا تھا کہ مجھے ہلکا ہلکا بخار اکثر ہو جاتا ہے ..

چھ مہینے کے بعد ہم واپس آئے تو سارے محلے کے ساتھ کیشو بھی ملنے آیا۔ ہم دونوں بڑی محبت سے بغلگیر ہوئے۔ لیکن میں نے دیکھا۔ کیشو وہ پہلے کا کیشو نہیں رہا تھا۔ اب اس کی عمر کوئی ستائیس سال کی ہوگی۔ چھ مہینے پہلے میں نے اُسے سرخ رنگ۔ پھرتیلا اور طاقتور دیکھا تھا۔ اب رخسارے اندر کو پچکے ہوئے تھے۔ بدن مضمحل اور لاغر و کمزور تھا۔ چہرہ تمتمایا ہُوا تھا اور

غرض نہایت ہی حسین لڑکا تھا۔ اور طبیعت نہایت شگفتہ پائی تھی۔ بڑے ہو کر اس نے تو مدرسے میں تعلیم پائی اور میں اپنے پتا سے گھر پر شاستر پڑھتا رہا۔ سنسکرت کا اسے بھی شوق تھا۔ مدرسے میں بھی پڑھتا تھا اور میں گھر پر بھی پڑھا دیا کرتا تھا۔

اس کے باپ ایک کھتری دکاندار تھے۔ لیکن معاش کچھ زیادہ اچھی نہ تھی۔ بس گزارہ ہوئے جاتا تھا۔ لڑکے لڑکیوں کی شادی میں قرض لے لیا کرتے تھے اور ہولے ہولے اتار دیتے تھے۔ غرض اس خاندان کی زندگی معمولی گرہستی گھرانوں کی زندگی تھی۔ کیشو نے ایف اے تک کالج میں پڑھا۔ زیادہ پڑھانے کی باپ میں استطاعت نہ تھی۔ لیکن کالج چھوڑ کر اسے ساٹھ روپے ماہوار کی نوکری مل گئی۔ اور اب گھر کا گزر پہلے سے اچھا ہونے لگا۔ باپ کی چونکہ ضعیفی آتی جاتی تھی یہ اکثر ان سے کہا کرتا تھا کہ دکان چھوڑ دو۔ لیکن وہ ہمت کے آدمی تھے۔ جب تک ہاتھ پاؤں چلتے رہے برابر دکان بھی چلاتے رہے۔ تین لڑکیوں کی شادی کی۔ دونوں بیٹوں کا بیاہ رچایا اور روز کا الن چلن اچھی طرح نباہا۔

میری ان کی گھر میں آمدورفت تھی۔ کچھ تو اس باعث سے کہ بچپن سے کیشو کے ساتھ دوستی تھی اور کچھ اس باعث سے کہ ان کے ہاں کوئی پوجن یا ست نارائن کی کتھا وغیرہ ہوتی تھی تو مجھے ہی لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کیشو ہنستا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا لو دوست مبارک۔ آج مجھے پندرہ روپے کا اضافہ ملا اب پچھتر روپے مہینہ تنخواہ ملا کرے گی۔ میری ماتا کو بھی بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ان کا ارادہ اتوار کو ست نارائن کی کتھا کہلوانے کا ہے۔ تمہیں کہنا۔ میں نے کہا۔ سر آنکھوں سے۔ ایسی خوشی کے موقعے پر بھی میں شریک نہ ہوا تو مجھ سے زیادہ کون بدنصیب ہوگا۔ بعد میں اور باتیں ہونے لگیں۔ کیشو نے کہا۔ میرا چھوٹا بھائی بی۔ اے کی جماعت میں پڑھتا ہے۔ لیکن دم میں دم ہے تو اسے ایم۔ اے پاس کرا کے وکیل بناؤں گا چھوٹی بہن کے خاوند کو بھی اپنے پاس رکھ کر پڑھاؤں گا۔ ماں باپ کو

نکی کچھ سعی تو نے وقت تھا جب اور طاقت تھی
نتیجہ اس کا اب مایوسی و اندوہ و حرماں ہے
نہیں فرصت ہے باقی کوئی دن دنیا میں اے غافل
کہ مایوسی ہے اور وقت و داغِ قالب و جاں ہے

ابھی سے کر اگر کرنی ہے کچھ اس دن کی تیاری
اجل سر پر کھڑی ہے چھوڑ یہ جھوٹی ہوس کاری

نہیں ہے دور وہ دن بھی کہ تیرا کوچ ہے یاں سے
جدا ہو جس طرح مرغ گلستانی گلستاں سے
ابھی تک ارتباطِ قالب و جاں تو نے دیکھا تھا
مگر اب دیکھنی ہو گی جدائی جسم کی جاں سے
جواب صاف تجھ کو سب اطبا دے چکے ہونگے
مریضِ موت کو ہوتا نہیں کچھ سود درماں سے
ترے بستر کے گرد اگرد ہونگے اقربا سارے
کوئی خاموش کوئی اشک ریزاں چشم گریاں سے
بہم سرگوشیاں ہونگی کہ کیسا حال ابتر ہے
امید زندگی بے سود ہے گھڑیوں کی مہماں سے
دکھائیگا کوئی آئینہ کوئی نبض دیکھیگا
کہ جبتک سانس ہے جینے کی بھی ہے آس انساں سے
بدن کا رنگ ہوگا زرد ہلدی کی طرح تیرا
بہت رک رک کے آتا ہوگا دم حلقوم بریاں سے
تشنج تیرے اعضائے بدن کو توڑتا ہو گا
دلِ پُر درد پُر ہو گا ترا اندوہ و حرماں سے
بھیانک ہو گی صورت اور ابتر حال ترا ایسا
کہ لیں یہ ہوش بھی عبرت سر حال پریشاں سے
نہ ہو گی کچھ خبر لیکن تجھے ہرگز کسی کی بھی
سوا اس کے کہ اب ہے کوچ اس دنیائے گذراں سے
نہ ہوگا کوئی ساتھی جبکہ تو دم توڑتا ہو گا
فقط اعمال ہونگے ساتھ انبوہِ عزیزاں سے

غضب ہے سامنے یہ دن ہے اور یوں عمر جاتی ہے
تجھے اے بیخبر شعلی یہ سیج میں نیند آتی ہے

میرے دل میں چونکہ موت کا ہی ایک نظارہ دیکھ کر بیراگ پیدا ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہی واقعہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔ میں ایک پنڈت کا بیٹا ہوں۔ میرے پتا ایک مندر کے پجاری تھے۔ اور یہ مندر لاہور کے ایک محلے میں واقع تھا۔ میں بچہ سا تھا۔ محلّے کے لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکے سے بہت دوستی ہو گئی تھی۔ اس کا نام کیشو تھا۔ گورا رنگ۔ چھریرا پھرتیلا بدن۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ ہنستا ہوا چہرہ

اشعار

نہیں ہے دور وہ دن جب ترا قامت جھکا ہوگا
سہارے کیلئے ہاتھوں میں موٹا سا عصا ہوگا

ذرا سی دور بھی چلنے میں ٹانگیں کانپتی ہونگی
ذرا سی دیر بھی تو بیٹھنے میں ہانپتا ہوگا

نظر آتی نہ ہوگی کوئی بھی شے چشم بینا کو
غبار اور دھندکا وہ آنکھ پر پردہ پڑا ہوگا

گرانی کر رہی ہوگی ترے کانوں میں سرگوشی
کہ میں بارِ گرانِ سخت ہوں تونے سنا ہوگا

بھیانک جس طرح ہو خانۂ ویراں کا دروازہ
دہن دنداں سے خالی یونہی بیرونق ترا ہوگا

حواسِ ظاہری ہوگا ہر اک بیکار اور مختل
حواسِ باطنی پر پردۂ غفلت پڑا ہوگا

قوٰے سب مضمحل ہونگے بدن درماندہ و عاجز
نہ کھانے میں مزا ہوگا نہ پینے میں مزا ہوگا

سمجھ لیا جن عزیزوں پر تجھے تھا با وفائی کا
ہر اک ان میں سے ثابت بیحیا و بیوفا ہوگا

نہ ملنے حال پوچھینگے نہ یونہی بات پوچھینگے
کسی کو بھی نہ ہرگز فکر تیرے حال کا ہوگا

بہت یاران ہمدم مرچکے ہونگے ترے آگے
بہت دل پر ترے داغِ وفاتِ اقربا ہوگا

ہجومِ یاس میں رہ رہ کے پچھتاوا یہ آئیگا
گئی سب رائیگاں عمرِ عزیز انجام کیا ہوگا

نہ آئیگا تجھے کچھ لطف ہرگز زندگانی سے
کہ دل ہوگا ہراساں خوفِ مرگِ ناگہانی سے



اندھیری کوٹھری ہے موت اس کا راز پنہاں ہے
جسے کہتے ہیں ہم ملکِ عدم ملکِ خموشاں ہے

عدم کے رہنے والو تم کو اتنا تو بتانا تھا
گزرتی کیا ہے تم پر حال کچھ سن ہے کہ ما پریشاں ہے

قیامت تک پڑے سوتے ہو تم غفلت کی نیند و یا نہیں
کہ جانتے ہی جہنم ہے وہاں یا باغ رضواں ہے

بہشت و دوزخ و اعراف سب جھوٹے فسانے ہیں یا
کہ انکی کچھ حقیقت بھی ہے اس میں عقل حیراں ہے

اگر ہو خواب غفلت موت سے بہتر نہیں حالت
غم و رنج و الم اور درد کا غفلت ہی درماں ہے

مگر اچھے برے اعمال کا ثمرہ بھی ملنا ہے
خیالِ خوابِ غفلت اس لئے خوابِ پریشاں ہے

کئے ہیں جو عمل وہ پھل بھی اپنا لازمی دینگے
جزا اعمال کی تجھ کو نہ ہو کب امن کا امکاں ہے

تجھے لائیگی تیری گردشِ اعمال پھر یاں پر
وہی تیرے لئے پھر گردشِ گردونِ گرداں ہے

غرض لا انتہا یہ سلسلہ آواگون کا ہے
یہ ہے وہ سلسلہ اس سے نکلنا کارِ مرداں ہے

نویں سادھو کی کہانی
بیراگ۔ موت کے پہلو سے نظر سے

جو آئے یہاں بسکہ تھے فانی نہ رہے	دنیا ہے چیز آنی جانی نہ رہے
اے مہر ہماری تو حقیقت کیا ہے	گیانی نہ رہے جہان میں دھیانی نہ رہے

بے سود ہے کبر ہیچ سب مستی ہے	سر مہر ابھارتے ہی یاں پستی ہے
دنیا میں ہے انسان حباب لب جو	بس آنکھ کھلی کہ کالعدم ہستی ہے

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج! میں بوڑھا آدمی ہوں۔ پُرانے آدمیوں کو پرانی ہی باتیں پسند ہُوا کرتی ہیں۔ میری رائے میں طبیعت میں بیراگ پیدا کرنے کے لئے سب سے اچھا وہ طریق ہے۔ جو ہمارے ہاں ڈھائی ہزار برس سے چلا آتا ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کی کتھا کس نے نہیں سنی ہے۔ یہ ایک راجہ کے لڑکے تھے۔ ایک روز اُنہوں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ بیماری سے دردمند ہے اور انہیں اُس کی تکلیف سے تکلیف ہوئی۔ بعد میں ایک ضعیف آدمی کو دیکھا اور دل پر تیر لگا کہ میرا بھی ایک روز یہی حال ہونا ہے۔ پھر ایک شخص کی لاش دیکھی اور چشم عبرت کھلی۔ کہ جو آدمی اس دار ناپائیدار میں آیا ہے اُسے ایک دن یہاں سے جانا بھی ہے۔ جس طرح ان تین باتوں سے مہاتما بدھ کو بیراگ ہُوا اور وہ نروان پد کو پہنچ گئے۔ اسی طرح سب آدمی انہیں کی طرح موکش حاصل کر سکتے ہیں۔ بیماری۔ ضعیفی اور موت کہنے کو تین لفظ ہیں۔ لیکن انہیں میں بیراگ کی داستانیں کی داستانیں مخفی ہیں۔ اور ایسی پر تاثیر کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ پھر سوچنے اور غور کرنے کے لائق یہ بات ہے۔ کہ تینوں ہر ایک آدمی کی جان کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ حضرت مہر فرماتے ہیں۔

جامہ زیبوں کے نظر آتے تھے یاں غول کے غول | اور یاں تھی بڑا بھاری خود آرائی مول
متعدد یہاں سامان تھے آرائش کے | فرنیچر بکتا تھا اور بکتے تھے بگھی گھوڑے
میں نے بکتے ہوئے دیکھے یہاں بہتیرے مکاں | پختہ کاری کا مگر اُن میں نہ تھا نام ونشاں
ان مکانوں میں بہت ہوتی تھی لکچر بازی | اور تقریریں ہُوا کرتی تھیں لمبی چوڑی
اکثر ان جلسوں میں اصلاح کا نام آتا تھا | اور یہ نام بہت وقت پہ کام آتا تھا
گرچہ تقریر بہت چست ہر اک کرتا تھا | پر عمل کرنے میں کچھ سُست تھا اور ڈرتا تھا
کام ہوتے تھے بُرے آڑ میں سب کی بہت | مَتیں پلٹی ہوئی اُلٹی ہوئی تھیں سب کی بہت
مصلح قوم بہت گرچہ تھے کہلانے کو | دانت ہاتھی کی طرح ان کے تھے دکھلانے کو
اشتہاروں کی یہاں گرچہ بہت کثرت تھی | جنس جو ملتی تھی ہوتی نہ تھی ہرگز اچھی
کارخانوں سے نکلتا تھا نرا کھوٹا مال | پھر ملاوٹ تھی دکانداروں کی اک اور وبال
روغن قاز مگر ملتے تھے وہ ہر اک چیز | نظر آتی تھی بہت دلکش و مرغوب و عزیز
ایک ہی شے کو نظر آتا تھا ہر سمت فروغ | اور اس چیز کا گر پوچھئے تو نام دروغ

کان میں پڑتا تھا اس جا بھی غل و شور بہت | اور تکراروں کا آپس میں تھا یاں زور بہت
ایک جرگہ میں زیادہ سی جو تکرار ہوئی | ناگہاں خواب پریشاں سے مری آنکھ کھلی
اُٹھ کے دیکھوں تو نہ بازار کہیں ہے نہ دکاں | نہ خریداروں کا جمگھٹ نہ کہیں نام ونشاں
اپنے کمرے میں اکیلا ہوں میں بستر پہ دراز | پاس کوئی نہیں جس سے کہوں اس خواب کا راز
لیکن اس طرح کے تھے خواب کے سارے نقشے | جاگ اُٹھا تھا نگاہوں میں مگر پھرتے تھے
میں نے سوچا کہ نہیں خواب بشارت ہے یہ | مجھ کو بیراگ کی اے مہر اشارت ہے یہ

کلام مہر جلد اول

نظم ختم کرکے سادھو نے کہا۔ مہاراج۔ اس طومار ہوس میں کون سی چیز آدمی کی دلبستگی کے لائق ہے۔ مال و دولت۔ عزت و شہرت۔ کھانے پہننے کا شوق۔ شہوت پرستی۔ بیہودہ مشاغل۔ اولاد۔ نمائش اور دنیا دکھاوے کا خیال۔ سب ہی تو ایسی چیزیں ہیں۔ کہ چشم بینا کی نظر میں بے حقیقت ہیں اور دل دانا کے خیال میں ہیچ و پوچ۔ میں نے ان کے مآل پر غور کیا اور نتیجہ یہ ہُوا کہ طبیعت میں تیز بیراگ پیدا ہو گیا

اقتباسات تھے یا ترجمہ تھا یا تقلید
اور ملکوں کی تصانیف تھیں ان سب کی کلید

مشغلے اور بھی بہتیرے تھے بے حد و شمار
ان کی تفصیل میں تو صرف ہے زبانِ گفتار

مگر اس بات کو میں دیکھ کے حیران ہوا
یعنی جس شخص کا جو شغل تھا یا مشغلہ تھا

تھی اُسی کو یہ شکایت کہ نہیں لگتا دل
سعی تھی اس کی شب و روز کی سب لاحاصل

شائقوں کی نظر آئی مجھے جب یہ حالت
میں بڑھا آگے کو ان شغلوں پہ کرتا لعنت

اور بہتیری دکانیں تھیں مگر سب کا حال
شرح اور بسط سے لکھئے تو ہے اک امر محال

کوئی اولاد کی شیدا تھا خریداری پر
جان دیتا تھا کوئی دوستی دیاری پر

یہ بہت چاؤ سے اجناس تو لے جاتے تھے
اکثر ان میں سے مگر روتے ہوئے آتے تھے

ان کی خواہش تھی یہی پھیر دیں سودا اُلٹا
یہ وہ سودا تھا مگر جو کہ نہ پھر سکتا تھا

بعض عادات و مشاغل کی اُلٹ پھیر میں تھے
کوئی آمادہ نہ تھا کرنے کو سودا ان سے

اپنی اجناس یہ ہر سمت لئے پھرتے تھے
دیکھتے تھے جہاں گاہک کو وہاں گرتے تھے

بعض لسّانوں کی تقریر سے دھوکا کھا کر
مول لیتے تھے عقائد کہ تھے جھوٹے اکثر

ان کو دعوےٰ تھا مگر یہ کہ کھرا ہے یہ مال
اور جو ہم نے خریدا ہے وہ سستا ہے کمال

شائقِ علم بھی آتے تھے نظر سرگرداں
کبھی جاتے تھے یہاں اور کبھی جاتے تھے وہاں

پڑھ لیا بہتوں نے جو علم وہ کچھ نغز نہ تھا
دیکھا جب اُن کی کتابوں کو تو کچھ مغز نہ تھا

دیکھتا بھالتا یہ سیر میں آگے جو بڑھا
ایک انبوہِ کثیر ایک دکان پر دیکھا

یہ دکاں وہ تھی کہ بکتی تھی نمائش اس جا
یعنی ہر قسم کا دنیا کا دکھاوا یاں تھا

چوک تھا چونکہ فراخ اور کشادہ بازار
یاں پہنچنے میں کسی کو نہ تھی دقت زنہار

یہی باعث تھا خریدار بکثرت تھے یہاں
اور ہر ایک خریداری پہ اپنی نازاں

جنس جو لیتا تھا ایک ایک کو دکھاتا تھا اسے
مدّعا یہ تھا کہ ہر اک مری تعریف کرے

کوئی کچھ کار نمایاں تھے دکھاتے اپنے
کوئی باغات و مکانات بناتے اپنے

کوئی ہر کام میں دیتے تھے برابر چندے
تاکہ یاد اُن کو کریں لوگ برائے چندے

کوئی شادی میں لٹا دیتے تھے دولت اپنی
اور عدالت میں کوئی ثروت و حشمت اپنی

یہاں بگڑے ہوئے بننے کے لئے آتے تھے | ایسے بنتے تھے کہ پہچانے نہیں جاتے تھے
آئینہ اور بُرش آتے تھے لے کر باہر | اپنے کپڑوں کو کیا کرتے تھے سب صاف اکثر
کوٹ پتلون صفائی سے جو گھس جاتے تھے | پھر وہی میلے کچیلے یہ نظر آتے تھے
خرچ پوشاک کی رہتی تھی شکایت سب کو | خرچِ خوراک تھا کم تھی یہ کفایت سب کو

ان دکانوں میں سے اکثر یہ تھے بالاخانے | حسن اور ناز و کرشمے کے تھے جو کاشانے
کہیں باجے کی سُریلی سی صدا آتی تھی | خوش گلو کوئی پری چہرہ کہیں گاتی تھی
تھی کہیں لعلِ فسوں ساز کی معجز گفتار | چشمِ اعجاز نما تھی کہیں محوِ دیدار
غور سے دیکھا تو اس کوچے میں جو باتیں تھیں | دلربائی کی وہ بے ساختہ سب گھاتیں تھیں
دولت و عزت و انعام جو لے جاتے تھے | ان میں اکثر اسی کوچے میں چلے آتے تھے
جب نکلتے تو نہ زر پاس تھا کھانے کے لئے | ہاتھ میں نیم کی ٹہنی تھی ہلانے کے لئے

دل لگی کے بھی مشاغل کی یہاں کثرت تھی | جوق جوق اس جگہ تھے جمع تماشائی بھی
کہیں گھڑدوڑ کا چکر تھا کہیں پولو کا | ہار جیت اس میں تھی لاکھوں کی مگر تھا نہ جوا
تاش کے کھیلوں میں ایک ایک سے اعلیٰ نکلا | پر دغا بازی سے بہتوں کا دوالا نکلا
کھیلنے والوں کی نظروں میں تو تھا یہ بھی قمار | اور اس رائے سے ہمرائے تھے اکثر زردار
پانسے بھی پھینکتے تھے لوگ یہ گھبرائے ہوئے | روز کی ہار سے دل سب کے تھے مرجھائے ہوئے
مرغ بازی بھی کہیں اور کہیں اڑتے تھے تنگ | اور جما تھا کہیں کشتی کے اکھاڑے کا رنگ
جابجا چوسر و گنجیفہ و شطرنج تھی واں | اور پہروں ہی نظر آتے تھے سب فکر کناں
تھے تھیئٹر بھی بہت گرچہ وہ ناکارہ تھے | ان میں جو جاتے بہت ان میں سے آوارہ تھے
سین تھے فحش ڈراما تھا تصنّع سے بھرا | شاعری کا نہ تھا کچھ لطف زباں کا نہ مزا
راگ کا ناس بُری طرح سے گو کرتے تھے | انہیں باتوں پہ مگر لوگ وہاں مرتے تھے
شغل علمی بھی تھے پر کام کی کچھ بات نہ تھی | کہیں پڑھتے تھے فسانے کہیں تھی کچھ بجنی
ایک کمرے میں تھے اربابِ تصانیف کئی | نظم و نثر ان کی مگر دیکھی تو رہی پھیکی
نہ کچھ آزاد تفکّر نہ کچھ آزاد خیال | اُن کی تصنیف نہ تھی بلکہ چرایا ہوا مال

آگے بڑھتا تھا اگر ایک تو دس پیچھے سے | اس سے تھے دست و گریباں کہ وہ آگے نہ بڑھے
جو نکلتا تھا کوئی چیز دکان سے لے کر | حسد و رشک کا بنتا تھا نشانہ اکثر
مال کو اُس کے بُرا کہتے تھے سب ایک زباں | سود تھا اس کا ہر اک شخص کی آنکھوں میں زیاں
اکثر ان میں سے تھے وہ دیتے تھے جو کھوٹے دام | مار لاتے تھے مناصب و خطاب و انعام
ان کو لے لے کے اکڑتے ہوئے وہ چلتے تھے | ان پہ ہنستے تھے کوئی اور کوئی جلتے تھے
میں نے بہتوں کو اکڑتے ہوئے چلتے دیکھا | کفِ افسوس مگر بعض ہیں ملتے دیکھا
ایک انبوہِ کثیر ان کے کھڑا تھا پیچھے | اس میں اکثر تھے ادھیڑ اور بہت سے بڈھے
نوجوانوں کی خریدوں پہ وہ ہنستے تھے سب | خندۂ زیرِ لبی کا تھا فقط یہ مطلب
ایک کہتا تھا کہ شادی میں اُڑائے لاکھوں | ایک کہتا تھا غمی میں ہیں مٹائے لاکھوں
کوئی کہتا تھا کہ دعوت سے تو بس میں نے کی | لاٹ صاحب نے ولایت میں نہ کھائی ہوگی
فخر تھا ایک کو حکّام کی یاری کا بہت | ایک کو دشمنِ مغرور کی خواری کا بہت
عہدہ دار اپنی حکومت پہ بہت تھے نازاں | اہلِ منصب تھے مناصب پہ بہت فخر کناں
ساتھ ہی شور تھا پیچھے کہ یہ سب ہیں جھوٹے | ان سے ہم اچھے ہیں ہم اچھے ہیں ہم ہیں اچھے
میں نے سوچا کہ فقط ڈھول کے اندر ہے پول | آؤ آگے بھی بڑھو کون لے یہ سودا مول

ہوٹلیں بھی تھیں یہاں کھانے کی اور پینے کی | شرط سے بیٹھے ہوئے تھے جن کو بہت جینے کی
تاؤ دیتے ہوئے موچھوں پہ یہاں جاتے تھے | ہلکی ہو جاتی تھی کچھ جیب تو پھر آتے تھے
باہر آ آکے بہت ڈون کی وہ لیتے تھے | اور جو پیٹ میں ہوتا تھا وہ کہہ دیتے تھے
یعنی کھانے میں ہے جو لطف کسی شے میں نہیں | اور جنت میں مزا وہ نہیں جو مے میں نہیں
یہ تو باتیں وہ بناتے تھے نکل کر باہر | توند چھاتی سے مگر ہوتی تھی گز بھر باہر
ان کے اعضا میں نہ چستی تھی نہ چالاکی تھی | اور چہروں سے عیاں سستی و ناپاکی تھی
ڈاکٹر سید حکیم ان کے بہت شائق تھے | کیونکہ یہ ان کے شکاروں میں بہت لائق تھے

ایک جانب تھیں دکانیں وہاں پوشاکوں کی | اُن پہ کچھ اور دکانات سے کم بھیڑ نہ تھی
تازہ تر فیشنوں کے سوٹ یہاں بکتے تھے | اور نئی وضع کے سب بوٹ یہاں بکتے تھے

ان میں ہو جاتی تھی اس بحث میں اکثر تکرار
اور کبھی دولہ پہنچی تھی بہت نوبتِ کار
اس سے بازار بھیانک بھی نظر آتا تھا
سہم بھی جاتا تھا جو شخص وہاں جاتا تھا
ٹھٹ کے ٹھٹ ایک خریداروں کے واں آتے تھے
اور جو جاتے تھے آن کے لے جاتے تھے
دور سے میں نے بہت دیر تماشا دیکھا
شوق آخر کو مجھے کھینچ کے واں لے ہی گیا

ایک دُکاں پہ آتی تھی نظر بھیڑ بہت
قابلِ دید تھی واں خلق خدا کی کثرت
جو بشر تھا وہ اُدھر ہی کو جھکا جاتا تھا
بھیڑ میں گرچہ ہر ایک شخص پسا جاتا تھا
میں بھی لڑ بھڑ کے بڑھا دیکھوں تو آسرا ہے کیا
چشمِ بینا نے وہاں طرفہ تماشا دیکھا
یہ دکاں وہ تھی جہاں بکتا تھا مال و دولت
یہی باعث تھا کہ تھی خلق خدا کی کثرت
جنسِ اعمال کی احباب یہاں لاتے تھے
تھیلیاں کندھوں پہ رکھ رکھ کے چلے جاتے تھے
مال ملتا تھا کسی شخص کو آسانی سے
اور کسی شخص کو دقت و پریشانی سے
پہنچنے کوئی دکاں پر بھی نہیں پاتا تھا
بھیڑ ایسی تھی کہ بس پس کے ہی رہ جاتا تھا
بعض لڑ بھڑ کے پہنچتے تو وہاں جاتے تھے
یہ ہجوم ایسا تھا کچھ لینے نہیں پاتے تھے
جن کو کم ملتا تھا حسرت انہیں ہوتی تھی بڑی
گالیاں دیتے تھے اوروں کو دکاندار کو بھی
دیکھتا تھا میں یہ نظارہ پریشان کھڑا
کہ پس پشت مرے شور بہت سا اُٹھا
مڑ کے دیکھوں تو نظر آتا ہے اک جمِ غفیر
صورتِ حال مگر سب کی زبوں اور حقیر
پہلے بیچ گئے تھے مال اڑا آئے ہیں
عوض اسکے لئے اب رنج و بلا آئے ہیں
قرض میں کوئی گرفتار مرض میں کوئی
سب کو افسوس کہ کیا مفت ہے دولت کھوئی
اب یہ پھر لینے کو آئے ہیں یہاں سے دولت
یاوری گر کرے تدبیر کوئی یا قسمت
مال کے ملنے کو پر چاہئے نقدِ اعمال
یہ نہیں جیب میں جس دم تو ملے کیونکر مال
آتشِ یاس میں ان لوگوں کو جلتے دیکھا
کفِ افسوس صد افسوس کہ ملتے دیکھا
میں بڑھا آگے کہ کس کام کا مال و دولت
جس کا انجام ہے مایوسی و رنج و حسرت

پاس سے آگے کی دکان پر بھی وہی تھی کثرت
نام بکتا تھا یہاں بکتی تھی عزت شہرت
وہی یاں بھی دھکا پیل وہی تھی تکرار
ایک سے ایک اسی طرح نہایت بیزار

بُھولے سے بھی دنیا کی تجھے چاہ نہ ہو ✣ دل میں ایسا خیال للّٰلہ نہ ہو
سر پھر پٹک پٹک کے مر جائیگا ✣ جنگل ہے ہوس اس میں تو گمراہ نہ ہو

ایک اور مہاتما بولے۔ مہاراج! کروڑی مل کی داستان حقیقت میں نہایت عبرتناک ہے۔ لیکن اس میں دولتمندوں کی زندگی کا صرف ایک پہلو دکھایا گیا ہے۔ یعنی بُری صحبت کی وجہ سے آدمی کا اوباشی اور عیّاشی میں پڑجانا اور بعد میں متنبہ ہونا۔ میں آپ کو ایک بازار طلسم کی سیر کراتا ہوں۔ جس میں دولت ہی نہیں۔ بلکہ عزت و شہرت۔ جاہ و مناصب۔ خوراک و پوشاک۔ دل بستگی کے مشاغل سب ہی کی بے ثباتی اور ناپائداری آئینے کی طرح صاف نظر آئیگی۔ اور اہل نظر دیکھینگے کہ بندۂ دنیا۔ جن جن چیزوں پر دنیا میں جان دیتے ہیں۔ وہ کیسی ہیچ و پوچ ہیں۔

بازارِ طلسم

کل عجب عالمِ رویا میں تماشہ دیکھا ✣ جو نہ دیکھونگا کبھی اور نہ حاشا دیکھا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک شہر بڑا بھاری ہے ✣ مینا بازار کی اس شہر میں تیاری ہے
جابجا چوک فراخ اور کشادہ بازار ✣ سیرگاہوں کی وہ کثرت کہ حساب اور نہ شمار
شامیانے ہیں کھنچے اور قناتیں ہیں کھڑی ✣ جس طرف دیکھئے بازار میں زینت ہے بڑی
دونو جانب ہیں دکانیں یہ ہے نقشہ ایسا ✣ اک طلسمات کا عالم ہے پرستاں کیسا
ان میں اجناسِ نفیسہ کے بھرے ہیں انبار ✣ جن کی تفصیل میں قاصر ہے زبانِ گفتار
لیکن جو جنس دکانوں میں تھی وہ ایسی تھی ✣ کہ مری چشمِ ہنر بیں نے نہیں دیکھی تھی
جوق کے جوق تھے ہر سمت خریداروں کے ✣ جو مزے واں تھے نہیں دیکھے وہ بیوپاروں کے
مضطرب لیک خریدار نظر آتے تھے ✣ کچھ پریشان سے آثار نظر آتے تھے
چاہتا تھا یہ ہر اک شخص کہ میں پہلے بڑھوں ✣ اور جو جنس ہے دُکّان پہ ساری لے لوں

تھی اور رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ کروڑی مل خدا نے دولت جیسی نعمت تجھے عطا کی تھی۔ اس سے تو حاجتمندوں کی مدد کر سکتا تھا۔ مدرسے۔ شفا خانے یتیم خانے کھول سکتا تھا۔ دھرم کے کام کر سکتا تھا۔ تو نے اسے اوباشیوں میں اُڑا دیا۔ اب فقیری کے سوکھے ٹکڑے کھا۔ اور ترقی کا جو دوسرا موقع ملا ہے اُسے ہاتھ سے نہ گنوا +

میں تمام شب چلتا رہا۔ لیکن نہ تکان محسوس ہوئی نہ نیند نے غلبہ کیا۔ صبح ہوئی تو سڑک کے کنارے ایک مندر دیکھا۔ یہاں سادھوؤں کی ایک منڈلی ٹھیری ہوئی تھی۔ اور یوگ واسشٹ کی کتھا ایک مہاتما بانچتے تھے۔ میں بھی بیٹھ کر سننے لگا۔ مقام وہی تھا۔ جہاں مہاراج رام چند جی اپنے بیراگ کا حال بیان کرتے ہیں۔ سُن سُن کر مجھ پر رقت طاری ہوئی۔ مہاتما سادھو کتھا کہتے رہے اور میں روتا رہا۔ سب سمجھے کہ یہ لالہ کوئی بڑے پریمی بھگت ہیں۔ کتھا ختم ہو چکی تو میں ان مہاتما کے چرنوں میں گر پڑا اور رو رو کر اُن کو تمام حال سنایا۔ انہیں رحم آیا اور مجھے اپنا چیلا بنا کر ویدانت پڑھایا۔ اس سے میرا بیراگ اور بھی تیز ہوا۔ ہاں جس قدر میں گیان کی راہ میں بڑھتا گیا اُسی قدر شانتی آتی گئی۔ میں نے نوع انسان کی نفرت سے ویدانت شروع کیا۔ اور اب میں سب کو برہم روپ کر کے دیکھتا ہوں اور شانت ہوں۔ مہاراج یہاں یہ کہنا ضرور نہیں۔ کہ وہ مہاتما آپ تھے۔ جنہوں نے مجھے سنسار سے پار اُتارا ہے +

آٹھویں سادھو کی کہانی

بیراگ۔ طومار ہوس سے

رسوا مجھے کو بکو لئے پھرتی ہے ہر سمت برنگ بو لئے پھرتی ہے

اے جذبِ منافع کی ہوس دردیں پھرتا نہیں بلکہ تو لئے پھرتی ہے

خبر پھیل گئی۔ کہ افسر پولیس مجھے جیل خانہ لے گیا۔ چچا اور ان کا بیٹا ابھی تک دونوں گھر نہیں پہنچے تھے۔ میں ایک کوٹھڑی میں جا بیٹھا۔ اور اپنے حال زار پر آٹھ آٹھ آنسو رویا۔ بار بار خیال آتا تھا۔ کیا تھا کیا ہوگیا۔ اب جینا ہیچ ہے۔ زہر کھالو یا کوئیں میں ڈوب مرو۔ آخر چچا کی چھوٹی لڑکی جس سے ان ایام میں مَیں بہت مانوس ہوگیا تھا آئی۔ اور ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لائی کہ چلو نہاؤ۔ یہاں کوٹھڑی میں کیا کر رہے ہو۔ میں نے کپڑے اتارے اور نہایا نہا کر اس بچے سے باتیں کرنے لگا تو کچھ غم غلط ہوُا اور وہ خودکشی کے خیالات دل سے دور ہوئے۔ اتنے میں چچا صاحب اور اُن کے صاحبزادے تشریف لائے +

مجھے دیکھتے ہی چچا نے اپنے سر پر ایک دوہتّڑ مارا۔ کہ نالائق تو نے ہمارے خاندان کے نام میں بٹا لگا دیا۔ لاکھ کا گھر خاک میں ملا دیا۔ جا اپنے رنڈی بھڑوؤں میں۔ میرے گھر تیرا کیا کام ہے۔ اپنے باپ کا بیٹا ہے تو پھر مجھے منہ نہ دکھائیو۔ چچا یہ صلواتیں سناتے جاتے تھے۔ اور میری آنکھیں کھلتی جاتی تھیں۔ کہ باپ بیٹے دونوں کیسے بدمعاش آدمی ہیں۔ وہ بنک کے نام گمنام چٹھی اُنھوں نے ہی لکھی تھی۔ بنک کا روپیہ لکھنؤ کی جائداد سے دینے کو اُنھوں نے ہی منع کیا تھا۔ الہ آباد یہی مجھے کھینچ کر لے گئے تھے۔ اور شہر میں دیوالہ کی خبر اُنھوں نے ہی اُڑائی تھی۔ دوران مقدمہ میں میری جو خاطر و تواضع یہ کرتے تھے۔ وہ صرف ہبہ نامے پر میری شہادت کی غرض سے تھی۔ کہ اگر یہ باپ کی وصیّت سے مکر گیا۔ تو ہمیں کچھ نہیں ملیگا +

ان خیالات سے ایک تیر ہوائی دل پہ لگا اور دنیا نظر میں تیرہ و تار ہوگئی۔ کہ الٰہی یہاں کہیں بھی سچ ہے یا سب جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ میں نے چچا کو سلام کیا اور کہا جائداد تمہیں مبارک۔ یہ میرے کون سے کام آئی ہے جو تمہارے آئیگی۔ ہاں پرماتما کریں۔ تمہارا کیا تمہارے سامنے آئے۔ یہ کہکر ننگے سر ننگے پاؤں فقط دھوتی پہنے چل کھڑا ہوُا۔ شہر سے باہر ایک سڑک ملی اس پر ہولیا۔ بیراگ کی تیز آگ دل میں لگی ہوئی

لنکا یعنی سب آشنا نا آشنا بن کر کانوں پر ہاتھ رکھ گئے +

دوسرے روز لکھنؤ کی کوٹھی کا یہ تار ہم کو ملا کہ فوراً چلے آؤ۔ دیوالے کی خبر شہر میں مشہور ہو گئی ہے۔ چنانچہ رات ہی کو ہم روانہ ہو گئے۔ صبح میری کوٹھی میں اژدہام عام تھا۔ لوگ مغلظ گالیاں دے رہے تھے۔ اور میرے خون کے پیاسے پھرتے تھے کہ اس بدمعاش نے شراب خواری رنڈی بازی اور بد اطواری میں ہمارا روپیہ برباد کر دیا۔ ہنگامے کے خوف سے پولیس اور کلکٹر صاحب بھی آئے۔ مینیجر بنک بھی تھا۔ دونوں میں کچھ گٹ پٹ ہو کر مکان میں پولیس کا پہرہ ہو گیا۔ اور دروازوں پر مہریں لگا کر بند کر دیا گیا۔ میں چچا کے مکان پر چلا گیا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مجھے آنکھ کے تارے کی طرح رکھا۔ یہی کہتے رہتے تھے گھبرانا نہیں۔ تمہارا دو لاکھ روپیہ موجود ہے۔ اور ہم تمہارے رشتہ دار نہیں۔ پرانے نمک خوار ہیں۔ مجھے دنیا کے لوگوں کی خود غرضی اور نفسانیت سے ایسی نفرت ہو گئی تھی کہ ان کا یہ ایثار اور ہمدردی عجیب چیز معلوم ہوتی تھی اور بار بار میں یہی کہتا تھا۔ چچا صاحب تم آدمی نہیں دیوتا ہو اور میرے لئے تو پرمیشور ہو +

مجھے دیوالیہ قرار دئے جانے کا مقدمہ کئی مہینے ہوتا رہا۔ اثنائے مقدمہ میں میرے جدی مکان اور والدہ کے زیور کا معاملہ بھی پیش ہوا۔ چچا نے ہبہ نامہ دکھایا اور میں نے شہادت دی کہ والد ماجد کی وصیت کے مطابق یہ ہبہ نامہ لکھا گیا ہے۔ مجھے دونوں چیزوں سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ چنانچہ مکان اور زیور دونوں چچا کو مل گئے۔ گھر آ کر چچا نے مجھے گلے سے لگایا اور میری بہت کچھ تعریف کی۔ اخیر روز فیصلہ سنایا گیا۔ لوگوں کو دینا تقریباً سوا کروڑ تھا۔ اور کل جائداد منقولہ و غیر منقولہ ایک کروڑ بھی نہ تھی۔ عدالت کے باہر سینکڑوں آدمی جمع تھے اور ایک کہرام برپا تھا۔ فیصلہ سنایا جا چکا۔ تو چچا اور اُن کا لڑکا دونوں پہلے اُٹھ کر اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ حالانکہ روز ہم سب ساتھ جایا کرتے تھے۔ مجسٹریٹ کو میرے حال پر رحم آیا۔ ایک افسر پولیس کو ساتھ کیا اور وہ مجھے چچا کے گھر پہنچا گیا۔ شہر میں یہ

آنکھوں سے دے دینا۔ حالانکہ میں بخوبی جانتا تھا کہ صرف لکھنؤ کی کوٹھیوں اور بنکوں میں اس کا دس لاکھ سے زیادہ روپیہ جمع ہے۔ مجھے اس کی بے ایمانی اور احسان فراموشی سے نفرت ہوئی۔ اور اُٹھ کر چلا۔ لیکن جوتا پہن رہا تھا۔ کہ اپنے بیٹے سے میں نے اس کو یہ سرگوشی کرتے سنا کہ ایک دو روز میں لالہ کروڑی مل کا دیوالہ ہے +

ایک اور دوست جو لکھ پتی تھے اور میرے ہندو بھائی تھے۔ اُن کے پاس گیا اور حال سنایا۔ انہوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم اپنا روپیہ جوکھوں میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ اس طرح جن جن رئیسوں اور امیروں سے مدد کی امید ہو سکتی تھی اور جو اپنے تئیں میرا یار جانی اور دوست لاثانی بتایا کرتے تھے۔ سب کو آزما دیکھا۔ لیکن جہاں گیا جواب صاف پایا۔ مجھے رہ رہ کر اشعار ذیل یاد آئے +

نہ رکھ ہرگز توقع دوستوں سے دوستداری کی | کہ نادانی ہے عیاروں سے یہ امید یاری کی
زمانہ ساز اے غافل ہے یہ انبوہ مساراں | تجھے امید مبازوں سے ہے الفت شعاری کی
زباں پر اور کچھ ہے دل میں لیکن اور ہی کچھ ہے | نہ جا باتوں پہ انکی کیونکہ یہ باتیں ہیں خواری کی
موافق دوست ہیں جبتک زمانہ بھی موافق ہے | زمانہ پھر گیا پھر کس نے تجھ سے سازگاری کی
مگس کی طرح سب ہیں جمع دسترخوان پر تیرے | سمجھ اس نکتۂ باریک کی نادان باریکی
اُٹھا جب خوان نعمت یہ بھی اُڑ جائینگے دم بھر میں | بس اتنی انتہا ہے دوستوں کی دوستداری کی

آخر شام کو چچا سے تمام حال کہا۔ ان کے فوارۂ اشک حسب معمول اُمڈے۔ کہنے لگے۔ میرے ساتھ الہ آباد چلو۔ وہاں تمہارے والد کے اور میرے دوست موجود ہیں۔ دیکھو وہاں کچھ بنے۔ میں نے کہا۔ یہاں کے دوست دیکھ لئے۔ یہاں کیا خاک بنا ہے جو وہاں بنیگا۔ ابھی وقت ہے۔ صبح مینجر بنک سے کہ دیتے ہیں۔ کہ آپ ہماری جائداد رہن یا بیع کر لیں۔ نالش نہ کریں۔ دونوں باپ بیٹوں نے پاؤں پڑ پڑ کر اور قسمیں دلا دلا کر مجھے اس ارادے سے باز رکھا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ گرو اور رہن کا معاملہ تو عین وقت پر بھی ہو سکتا ہے۔ ابھی سے کیوں جوکھوں میں پڑے۔ چار و ناچار ہم رات کو الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن دو روز تک ٹکریں ماریں اور نتیجہ وہی ہیچ

حسن آرا کا وہ عشق و محبت کا اظہار۔ کہاں یہ مکاری و دمبازی کے اسرار۔ ہائے میں کیسا دام فریب میں پھنسا۔ جتنی محبت تھی نفرت سے بدل گئی اور میں نے کہا ذرا بنک کا معاملہ طے ہو جائے تو میں ان سب بدمعاشوں کو جیلخانے بھجواؤنگا۔ لیکن بنک کا معاملہ طے ہو تو کیونکر ہو۔ لکھنؤ میں میرے بہتیرے لکھ پتی دوست ہیں جو دانت کاٹی روٹی کھاتے ہیں۔ سب سے میں نے آڑے وقت سلوک کیا ہے۔ کیا وہ میری امداد نہ کرینگے۔ دل نے کہا۔ حسن آرا کا حال دیکھا۔ اگر وہ سب بھی ایسے ثابت ہوئے تو کیا کروگے۔ لکھنؤ کی جائداد فروخت کردو اور بنک کو روپیہ بھجوا دو۔ لیکن اگر سب لین دار بھی آ کھڑے ہوئے۔ تو پھر کیا۔ دل نے کہا دیوالہ اور کچھ نہیں۔ انہیں خیالات میں غلطاں پیچاں کوئی تین بجے کے قریب آنکھ لگی۔ تو خواب بھی ویسے ہی بھیانک نظر آئے۔ لین داروں کا کوٹھی میں ہجوم ہے۔ کوئی رو رہا ہے۔ کوئی مجھے کوس رہا ہے +

صبح اُٹھا تو رات کی بے خوابی سے طبیعت پریشان تھی۔ خیر۔ نہا دھو کر نواب ناصر علی خاں کے مکان پر پہنچا۔ نواب صاحب نہایت تپاک سے ملے۔ میری خیریت پوچھ کر کہنے لگے۔ کیا حسن آرا کو بھی ساتھ ہی کلکتے لے گئے تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ وہ تو وطن گئی ہے۔ پھر ادھر اُدھر کے اذکار چھڑے آخر میں حرف مطلب زبان پر لایا۔ نواب تین لاکھ روپے کا نام سن کر چونکا۔ میں نے کہا بھائی گھبراتے کیوں ہو۔ میری دس لاکھ کی جائداد لکھنؤ میں کھڑی ہے۔ تمہارا روپیہ مارا تو نہیں جاتا۔ دو سال ہوئے۔ تم پر آڑا وقت پڑا تھا۔ میں نے دو لاکھ روپیہ نکال کر دے دیا تھا یا نہیں۔ آج مجھ پر بُرا وقت ہے۔ میری مدد کرو +

دوست مشمار آنکہ در نعمت زند لاف یاری و برادر خواندگی
دوست آن دانم کہ گیرد دست دوست در پریشاں حالی و درماندگی

مہاراج یہ بے ایمان شخص میرے سامنے خدا کی قسم کھا گیا۔ سر پر ہاتھ رکھ کے بیٹے کی قسم کھا گیا۔ کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے وگرنہ سر

راہ ورسم تھی۔ چونکہ نواب صاحب میرے ہمدم رفیق اور ہمراز شفیق تھے
اور ساتھ ہی امیر کبیر آدمی تھے۔ خیال آیا کہ اُن سے کچھ روپیہ قرض لے کر
بنک کو دیدوں۔ چلو اس دوست کو لے کر اُن کے مکان پر چلیں۔ تحقیق
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہمارے مہربان دوست ایک جعلی چک پر جعلی
دستخط کرنے کے جرم میں حوالات میں ہیں۔ یہ سن کر میرا ماتھا ٹھنکا اور
میں نواب عیش دوست خاں کے دولت خانے پر گیا معلوم ہوا کہ نواب
صاحب تو کوئی پچیس روز ہوئے۔ خدا جانے کہاں چلے گئے۔ مکان دار
مجھے دیکھ کر آیا اور کہنے لگا۔ میرا چھ مہینے کا کرایہ لے کر بھاگ گیا۔ سیٹھ جی
وہ کرایہ تمہیں بھرنا پڑیگا۔ لیکن میں نے اس کی بات نہیں سنی۔ بیتاب
بگھی دوڑاتا ہوا اُس باغ میں پہنچا جہاں حسن آرا کے لئے کوٹھی بنوائی تھی ✦

وہاں باغبان اور دربان بے شک تھے۔ لیکن حسن آرا اور مردوزن
ملازم جو وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ سب پچیس روز ہوئے روانہ ہوگئے تھے۔
دربان نے کمروں کے دروازے کھولے۔ میں نے دیکھا کہ میز کرسی اور معمولی
سامان آرائش تو بے شک بدستور مکان میں ہے۔ لیکن زیور اور بیش
قیمت کپڑے۔ چاندی سونے کے برتن۔ گراں بہا چھوٹا سامان آرائش
سب نادارد ہے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ عیش دوست اور حمید الدین
کوئی نواب نہ تھے۔ بلکہ بدمعاش میراثی تھے۔ ساتھ ہی حمید الدین کا وہ
بھوپالی کا گانا اور میراثی کے لفظ سے جھینپنا یاد آیا۔ آہ یہ حرامزادے حسن آرا
کو میرے ہی ٹھگنے کے لئے پڑھا سکھا کر لائے تھے۔ اب کہیں اور جا کر کچھ
اور چال کھیلینگے۔ لیکن پولیس میں اطلاع کرتا ہوں تو اوّل نقصان مایہ
و دیگر شماتت ہمسایہ۔ الٹی میری ہی جگ ہنسائی ہوگی۔ لہو کا سا گھونٹ
پی کر چپکا ہو گیا۔ دربان نے پوچھا بی صاحب کب واپس آئینگی۔ میں
نے کہا کوئی مہینہ بھر میں۔ مجھ سے دو مہینے کی اجازت لے کر وطن گئی ہیں۔
جو دریافت کرے یہی اُس سے کہ دینا ✦

رات کو گھر میں جا کر بستر راحت پر دراز ہوا تو نیند اُڑ گئی۔ کہاں

بڑتال سے معلوم ہوا کہ تین لاکھ روپیہ ایک بنک کا دینا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ مختلف ساہوکاروں اور دکانداروں کا۔ بیس لاکھ کے قریب لوگوں کا جو روپیہ سود پہ جمع تھا۔ وہ لکھنؤ۔ کلکتہ اور الہ آباد کی کوٹھیوں میں مختلف معاملات میں پھنسا ہوا ہے۔ میرے دوستوں کے نام لاکھ دو لاکھ روپیہ دکھایا ہوا تھا۔ اور اُن کی دستاویزات موجود تھیں۔ لیکن وصول کیا خاک ہونا تھا +

غرض بنک کے تین لاکھ روپیہ کا بندوبست کرنے کے لئے یا تو مجھے لکھنؤ کی جائداد پر قرض لینا ضروری تھا یا اس کو فروخت کرنا۔ تجربہ کار جہاں دیدہ چچا نے کہا۔ بے شک جائداد فروخت یا گرو کرکے بنک کا روپیہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے شہر میں یہ خبر پھیل جائیگی۔ کہ تمہارے پاس روپیہ نہیں ہے۔ اور جتنے لین دار ہیں۔ سب آ کھڑے ہونگے۔ اس وقت سوائے دیوالہ نکالنے کے چارہ نہ ہوگا۔ اس واسطے قرض و گرو کا نام لکھنؤ میں نہ لو۔ چپکے سے کلکتے چلے جاؤ اور جس طرح ہو وہاں سے روپے کا بندوبست کر لاؤ۔ یہ کہہ کر چچا پھر آبدیدہ ہونے لگے۔ میں اُن کے پاؤں میں گرنے لگا۔ کہ حقیقت میں آپ کی رائے درست ہے۔ میرے باپ زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی اس سے بہتر تجویز نہ بتا سکتے +

شام کو بی حسن آرا نے میرے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے تو سبب دریافت کیا۔ میں نے باتوں میں ٹالنا چاہا اور کہا کل کلکتے کا پھر عزم ہے۔ تمہاری جدائی کا غم و الم ستاتا ہے۔ عورت سمجھ دار تھی۔ سمجھ گئی کہ پھر کوئی بڑا خسارہ اُٹھایا ہے۔ صبح میں نے بی حسن آرا کو خدا کے سپرد کیا اور خود کلکتے گیا۔ یہاں تین ہفتے ٹکریں مارتا پھرا۔ مگر روپے کا بندوبست نہ ہو سکا۔ ساہوکارے کا پہلے ہی تین لاکھ روپیہ دینا تھا۔ اب کون اور روپیہ قرض دیتا تھا۔ جب لکھنؤ واپس آیا۔ تو مقدمے دایر ہونے کی میعاد میں صرف تین چار دن باقی رہ گئے تھے۔ ریل سے اترتے ہی پہلے اس دوست کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔ جس نے عیش دوست خاں سے میری ملاقات کرائی تھی۔ اُس کی نواب ناصر علی خاں کے ہاں بھی بہت

کا ابھی سے بندوبست کرنا چاہیئے۔ بات نہایت معقول تھی۔ اور اُنہوں نے ایسی دلسوزی اور ہمدردی سے کہی تھی۔ کہ میرے جی کو لگی۔ اور میں نے کہا آپ ہی بتائیے کیا کیا جائے ۔

چچا کہنے لگے۔ ہر ایک ساہوکار کا یہ بھی فرض ہؤا کرتا ہے۔ کہ وہ کچھ جائداد اس طرح علیحدہ رکھ لے۔ کہ دوالے کی صورت میں اس کا گزر شریفانہ طور پر ہوتا رہے۔ جدّی مکان جو لاکھ روپے سے زیادہ ملکیّت کا ہے اور تمہاری ماں کا زیور جو پشتہا پشت سے خاندان میں چلا آتا ہے۔ اور پچاس ساٹھ ہزار روپے سے کم کا مال نہیں۔ دونوں کو بہتر ہے کسی ایسے شخص کے نام کر دو جس پر تمہارا اعتبار ہو۔ دوالہ نکالنا پڑا تو ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ تو تمہارے پاس رہیگا۔ مہاراج یہ دونوں گو بہت دور کے رشتہ دار تھے لیکن ہمارے پرانے نمک خوار تھے۔ اور اب تک اُن کے خاندان سے کوئی دغا نہیں دیکھی تھی۔ بلکہ ہمیشہ نیک صلاح ملتی رہی تھی۔ میں نے کہا۔ چچا صاحب میں تمہیں اپنے باپ کی جگہ سمجھتا ہوں۔ تم سے زیادہ اور کون معتبر آدمی ہوگا۔ یہ سن کر وہ جوش محبّت سے آبدیدہ ہوگئے اور مجھے گلے سے لگالیا۔ اُسی وقت ہبہ نامہ لکھوایا گیا۔ اور احتیاط مزید کے خیال سے اس میں یہ فقرہ بھی درج کیا گیا۔ کہ پشتہا پشت کی نمک حلالی کے صلے میں میں اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق یہ زیور اور مکان چچا کے نام ہبہ کرتا ہوں ۔

ان ایام میں بڑے دن کی تعطیلات تھیں۔ آٹھ دس روز کے بعد بنک کھلا۔ تو منیجر نے مجھے طلب کیا اور کہا۔ تمہارے ذمے بنک کا تین لاکھ روپیہ ہے۔ اس کی ادائیگی کا فکر کرنا چاہیئے۔ چونکہ ہمارا آپ کا برسوں کا لین دین ہے۔ ہم سختی نہیں کرنی چاہتے۔ بلکہ مہینے بھر کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر مہینہ بھر بعد روپیہ ادا نہ ہؤا تو چاروناچار نالش کرنی پڑیگی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ بنک کی نالش ہوتے ہی میرا دوالہ ہے۔ دوڑا ہؤا اپنے مہربان چچا کے گھر آیا۔ وہ اس متوحّش خبر کو سن کر گھبرا گئے۔ اور مجھے گلے سے لگا کر رونے لگے۔ میں نے کہا گھبرانے سے کیا ہوتا ہے۔ چلو حساب کتاب دیکھیں۔

نہ ہونے کے باعث وہاں کئی معاملات میں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ آخر جب بہت تقاضے کے خطوط اور تار آئے تو چار و ناچار مجھے خود وہاں جانا پڑا ۔ حساب کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ میری نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے تین لاکھ روپے کا نقصان ہے۔ میں نے گماشتے اور منیبوں کو برطرف کیا اور ان کی جگہ لکھنؤ سے قابل اعتبار آدمی بلائے۔ لیکن کیا ہونا تھا۔ وقت از دست رفتہ و تیر از شست جستہ باز نمے آید۔ نقصان جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ ابھی ہماری ساکھ قائم تھی۔ بنکوں اور ساہوکاروں سے روپیہ قرض لے کر لین داروں کو دیا۔ اور کچھ روز ٹھیر کر وہاں کا انتظام درست کیا۔ جب لکھنؤ واپس آیا تو وہی میرے دوست تھے۔ وہی حسن آرا اور وہی آئے دن کے اخراجات کثیر۔ جن کا کچھ ٹھکانا نہیں رہا تھا۔ چھ مہینے میں یہاں بھی تین چار بار بنک سے روپیہ منگانا پڑا +

اب سنئے الہ آباد میں بھی ہماری کوٹھی تھی۔ اور وہاں ایک دور کے رشتہ دار گماشتے تھے۔ جنہیں میں چچا کہا کرتا تھا۔ میں نے اور ان کے بیٹے نے ساتھ کھیلا اور پڑھا تھا اور میں نے ہی اُن کے بیٹے کو شہر کے ایک بنک میں ہیڈ کلرک کرا دیا تھا۔ چچا ان دنوں لکھنؤ آئے ہوئے تھے۔ ایک روز دوپہر کو دونوں باپ بیٹے میرے مکان پر آئے۔ ان کے چہرے سے فکر کے آثار نمایاں تھے۔ میں نے پوچھا خیریت تو ہے۔ کہنے لگے خیریت کہاں۔ یہ کہکر ایک چٹھی دکھائی جو بنک کے مینجر کے نام اور گمنام تھی۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ سیٹھ کروڑی مل کا کام بگڑے کا بگڑا ہے۔ مینجر بنک کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ چچا نے نہایت دلسوزی سے کہا۔ دیکھو بھائی۔ میں تمہارے باپ کو بڑا بھائی کہتا تھا۔ تم میرے لڑکے کے برابر ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی بات ہے کہ ہم تمہارے پشتینی نمک خوار اور ملازم ہیں۔ مینجر کے ہاتھ ابھی یہ چٹھی نہیں پڑی ہے۔ لڑکا پہلے تمہارے پاس لایا ہے۔ کیونکہ نمک حلالی نوکر کا فرض ہے۔ تم اپنا حساب کتاب دیکھو۔ اگر بنک کی طرف سے نالش ہو گئی تو تمام لین دار ایک دم سے جھک پڑینگے اور تمہیں دوانہ نکالنے ہی بن آئیگی۔ اس لئے آس دن

لے گئے تھے۔ یہ باغ انہیں دوست کا تھا جنہوں نے عیش دوست خاں سے میری ملاقات کرائی تھی۔ کوئی دو ہزار روپے سے زیادہ ملکیت کا نہ ہوگا۔ لیکن مجھے سات ہزار روپے دے کر خریدنا پڑا۔ باغ لے لیا تو بی جان کی فرمائش ہوئی کہ اس میں ویسی ہی کوٹھی بنے۔ جیسی ہمارے وطن میں نواب حمیدالدین کی تھی۔ عیش دوست خاں نے وہ کوٹھی دیکھی تھی۔ انہیں کی زیر نگرانی تعمیر کا کام بھی شروع ہؤا اور سامان آرائش بھی خرید اگیا۔ ہر مہینے مکلف پوشاکوں کے ایک دو جوڑے تیار ہوتے تھے۔ اور قیمتی زیور خریدے جاتے تھے۔ لیکن مجھے روپے کا کبھی خیال نہیں ہوتا تھا۔ چھ مہینے جب تک کوٹھی تیار ہوئی اور چھ مہینے بعد تک ہر روز روز عید تھا اور ہر شب شب برات۔ شراب کباب۔ ناچ گانے۔ شعر شاعری کے جلسے ہوتے۔ میلے تماشے دیکھتے۔ سیر وسفر کرتے۔ غرض ایسا وقت خوش گزرتا تھا گویا میں اسی دنیا میں بہشت میں ہوں +

آپ سادھو لوگوں کو تعجب آتا ہوگا۔ کہ یہ بندۂ ہوس ہماری متبرک منڈلی میں اتنی دیر سے کیا بیہودہ بکواس کر رہا ہے۔ لیکن مہاراج یہ مضمون ختم ہو گیا ہے۔ اور اب میں وہ مضمون شروع کرتا ہوں۔ جس نے میری طبیعت میں بیراگ پیدا کیا۔ جو خرچ میں نے اپنے سر باندھ رکھے تھے ان کے لئے قارون کا خزانہ بھی کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں تو ہندوستان کا ایک ساہوکار تھا۔ حسن آرا اور اس کے باغ۔ کوٹھی۔ آرائش اور زیور کپڑے میں کوئی دو ڈھائی لاکھ روپے کے پھیر میں آگیا تھا۔ اتنا نقد روپیہ گھر میں نہ نکلا اور کئی بار مجھے بنکوں کو رقعے لکھ لکھ کر قرض لینا پڑا۔ میری آمدنی اب وہ نہیں رہی تھی جو باپ کے سامنے تھی۔ وہ خود کوٹھیوں کا انتظام کرتے تھے اور میں عیش وعشرت میں پڑ گیا تھا۔ سارا کارخانہ گماشتوں اور منیبوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایسی نگرانی نہ ہو تو ساہوکارے کے کاموں میں بڑے بڑے نافع کیونکر ہو سکتے ہیں +

کلکتے میں بھی ہماری ویسی ہی بڑی کوٹھی تھی۔ جیسی لکھنؤ میں تھی۔ نگرانی

غصہ کس بات کا۔ اگر کل وہ نوکری چھوڑ کر اور جگہ کر لے تو آپ کیا کر سکتے ہیں۔ نواب صاحب نے کہا۔ وہ بغیر میری مرضی کے نوکری چھوڑ نہیں سکتی خود اس کا اقرار نامہ میرے پاس موجود ہے۔ اور میں یہ کبھی گوارا نہ کرونگا۔ کہ وہ کسی اور کے پاس نوکر رہے۔ یہ کہکر دونوں صاحب بلا سلام بن گی چلے گئے +

تین روز کے بعد ایک دوست کے ہاں نواب عیش دوست خاں مجھ سے ملے۔ اور کہنے لگے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ تمہارا دل حسن آرا پر آگیا ہے اور وہ بھی تم پر جان دیتی ہے۔ لیکن نواب حمید الدین نہیں مانتے خیر کچھ اندیشے کی بات نہیں ہے۔ نواب مقروض ہے۔ کئی ڈگریاں ہو چکی ہیں۔ چار و ناچار اسے ماننا پڑیگا۔ تم اپنی شرط پر قائم رہنا۔ میں نے کہا نواب صاحب جس طرح بنے حسن آرا کو مجھے دلوا دو۔ ہمیشہ ممنون احسان رہونگا۔ خیر دوسرے تیسرے روز نواب عیش دوست خاں میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ بھائی تیس ہزار روپیہ جیب سے نکالو تو حسن آرا معہ اقرار نامہ تمہارے پاس آتی ہے۔ میں نے کہا پانچ ہزار روپے اور سہی۔ روپیہ کیا میں اپنے ساتھ باندھ کر عالم عقبےٰ کو لے جاؤنگا۔ زندگی کا لطف جیتے جی نہ اُٹھایا۔ تو حسرت ہی حسرت رہ جائیگی۔ آخر تیس ہزار روپیہ دیکر اقرار نامہ اور حسن آرا دونوں مجھے مل گئے۔ وہ شب مجھ احمق کی نظر میں شب قدر تھی جس شب حسن آرا میرے گھر آئی +

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مہینہ پندرہ دن میں نے بڑے عیش و عشرت میں گزارے۔ حسن آرا کی ہر ایک بات سے یہ ٹپکتا تھا کہ مجھ سے عشق صادق رکھتی ہے۔ اور میں تو دل و جان سے اُس پر فدا ہی تھا۔ لیکن یہ زنان بازاری روپے کی یار ہوتی ہیں۔ ایک دن کہنے لگی۔ ہمیں تو شہر کی نسبت باغ میں رہنا زیادہ پسند ہے۔ میں نے کہا۔ ایک چھوڑ ہمارے تو کئی باغ ہیں۔ جہاں چاہو۔ چل رہیں۔ کہا نہیں۔ مجھے تو وہ باغ پسند ہے جس میں تم فلاں۔ وز مجھی میں بٹھا کر

رکھا ہے۔ پانسو روپے ماہوار محض اسی وجہ سے انہیں دیتا ہوں کہ ان
کا سُر بڑا شُستہ ہے۔ یہ سن کر بی حسن آرا نے چیں بجبیں ہو کر کہا۔ بس
نواب صاحب مجھ میں آپ نے فقط شُستہ سُر کی ہی خوبی دیکھی ہے اور
کچھ تو نہیں۔ پھوٹی میری قسمت۔ آپ نے کیا داد دی ہے۔ یہ کہہ کر
میری طرف نگاہ حسرت سے دیکھنے لگی۔ جس کے معنی یہ تھے کیوں نہ کہتی
تھی کہ یہ نواب مجھ سے خاک محبت نہیں رکھتا اور میں تم پر فدا ہوں۔
میرے دل پر چوٹ لگی اور میں نے کہا۔ نہیں بیوی تمہارا کیا خیال ہے۔
تم تو مجموعۂ خوبی ہائے بے پایاں ہو۔ تھوڑی دیر بعد ہم سب سوار ہوئے
اور شہر کے باہر کچھ رات گئے تک پھرتے رہے۔

اس کے بعد چند روز تک یہ ہوتا رہا کہ ایک روز میرے ہاں مجلس
جمتی اور دوسرے روز نواب صاحب کے ہاں۔ ہر مجلس میں بی حسن آرا
بھی ضرور شامل ہوتیں۔ اور اپنے حسن بے مثال اور آواز دل کش سے میرا
دل لبھاتیں۔ ایک روز دوپہر کے وقت نواب عیش دوست اور حمید الدین
میرے مکان پر آئے اور کہنے لگے۔ ہمیں آپ سے کچھ لین دین کی بات کہنی
ہے۔ وہ بات یہی تھی کہ حمید الدین مقروض ہیں اور قرض خواہ تنگ کرتے
ہیں۔ آپ پچیس ہزار روپیہ قرض دے دیں۔ جو سود اور جو شرائط
چاہیں ہمیں منظور ہیں۔ میں نے کہا دیکھو بھائی قول مرداں جاں دارد۔ جو
شرط کہوں وہ منظور کرو گے۔ جواب دیا۔ ہاں۔ میں نے کہا پچیس ہزار
روپے میں آپ کو دینے کو تیار ہوں۔ اور سود بھی نہیں مانگتا۔ لیکن جائداد
وغیرہ گرو رکھنے کے بجائے یہ چاہتا ہوں کہ آپ حسن آرا کو گرو کر دیں۔ یعنی
بجائے اس کے کہ وہ آپ کی نوکر رہے۔ میری نوکر ہو جائے۔

یہ سن کر نواب حمید الدین کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور نہایت
غضبناک ہو کر کہا۔ نہ ہوئی تلوار۔ ورنہ ابھی اس گستاخ۔ زباں دراز سیٹھ
کا سر اُڑا دیتا۔ عیش دوست خاں نے اُن کا ہاتھ پکڑا کہ آپ کیا فرماتے
ہیں۔ حسن آرا ایک زنِ بازاری آپ کی ملازمہ ہے کوئی منکوحہ بیوی تو نہیں

نے کہا۔ بی حسن آرا میں تو نگاہ اوّلین ہی میں تمہارا عاشق زار ہو گیا ہوں۔
بی جان مسکرائیں اور بولیں :-

دل را بدل رہبست درین گنبد سپہر ۔ از سوے کینہ کینہ واز سوے مہر مہر

سیٹھ جی! میرا بھی حال اپنا ہی سا سمجھو۔ خدا کے واسطے مجھے اس نواب کی قید سے چھڑاؤ اور اپنے سایۂ عاطفت میں لو۔ میں نے کہا اس کی سبیل کیا ہے۔ کہنے لگی۔ نواب مقروض بہت ہے۔ اسے روپے کا لالچ دو۔ میں نے پوچھا۔ کتنا روپیہ مانگیگا۔ کہا یہی بیس پچیس ہزار۔ کیا عاشق زار کو بیس پچیس ہزار روپیہ مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟ میں نے کہا۔ تم پر میری جان نثار ہے۔ روپیہ کیا چیز ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ زینے میں کھڑ کا سا ہوا۔ بی حسن آرا نے فوراً بلند آواز کر کے کہا۔ واہ سیٹھ جی۔ بھوپالی راگنی میں نکھاد کیوں نہیں لگتی برابر لگتی ہے۔ تمہارے لکھنؤ میں نہیں لگاتے ہونگے۔ ہم تو برابر لگاتے رہتے ہیں۔ میں نے اس عورت کی عقل پر آفرین کی۔ کہ کیا نیا چرتر کھیلا ہے۔ اتنے میں دونوں نواب اوپر آ پہنچے۔ حمید الدین نے کہا بی سیٹھ جی سے اس گرما گرمی سے کیا بحث ہو رہی ہے۔ کہنے لگی۔ سیٹھ جی کہتے ہیں۔ بھوپالی میں نکھاد نہیں لگتی اور میں کہتی ہوں لگتی ہے۔ نواب صاحب فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے +

نواب صاحب نے مسکرا کر کہا۔ بیوی فیصلہ مجھ پر چھوڑتی ہو تو ایسا کر دوں جس میں تم دونوں ناراض نہ ہو۔ سچی بات یوں ہے۔ کہ پکّے گانے میں نکھاد چھوڑ دیتے ہیں۔ غزل ٹھمری والے لگا دیتے ہیں۔ یہ کہکر ایک دھرپد گایا اور بڑی خوبی سے اُس میں دکھایا کہ نکھاد نہیں لگی۔ پھر ایک شعر گایا۔ اور اُسی خوبی سے اس میں نکھاد لگا کر دکھا دی۔ میں سن کر حیران رہ گیا۔ چونکہ مجھے موسیقی میں اچھّا دخل تھا۔ داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا کہ واہ نواب صاحب آپ نے تو میراثی کلاونتوں کو بھی مات کر دیا۔ میراثی کے لفظ سے نواب صاحب جھینپے۔ لیکن مسکرا کر کہنے لگے کہ اس موسیقی کے شوق نے ہی مجھے بی حسن آرا کا غلام بنا

نصف شب کے بعد ہم گھر آئے۔ ہر ایک راہ میں یہی کہتا آتا تھا۔ ایسی خوبصورت عورت میں نے نہیں دیکھی۔ میں گھر آکر پلنگ پر لیٹا تو رہ رہ کر خیال ہؤا جس طرح ہو بی حسن آرا کو تم نوکر رکھو۔ دوسرے دن نواب عیش دوست خاں آئے تو میں نے دریافت کیا کہ نواب حمید الدین کب تک ٹھہرینگے۔ وہ ہنسنے لگے کہ یوں کیوں نہیں پوچھتے بی حسن آرا کب تک ٹھیرینگی۔ کہو تو آج شام کو غریب خانے پر پھر جلسے کی ٹھیرے۔ میں نے کہا واہ نواب صاحب نیکی اور پوچھ پوچھ۔ بندہ بسر و چشم حاضر ہوگا۔ چنانچہ رات کو پھر وہی کل کا رنگ جما۔ آج میں نے دیکھا۔ کہ بی حسن آرا کل سے بھی زیادہ میری طرف مائل تھیں۔ بار بار دزدیدہ نگاہوں سے میری طرف خدنگِ نظر چلاتی تھیں۔ باتوں سے دل لبھاتی تھیں اور گھاتوں سے مجھے والہ و شیدا بناتی تھیں۔ اب کیا تھا۔ مجھے یقین واثق ہو گیا کہ میں ہی عاشق زار نہیں ہوں۔ یہ عورت بھی مجھ پر جان و دل سے نثار ہے +

نصف شب کے بعد جب میں رخصت ہونے لگا۔ تو عیش دوست خاں نے مجھ سے کہا۔ سیٹھ جی کل بی حسن آرا کو لکھنؤ کے باہر کی سیر کرانے کا ارادہ ہے۔ کوئی پانچ بجے گاڑی بھیج دیجیگا۔ میں نے کہا بھیج دیجیگا کے کیا معنی۔ میں خود لے کر حاضر ہونگا۔ نواب صاحب نے کہا۔ زہے سعادت۔ لیکن ہمیں ایک دوست کی ملاقات کو بھی جانا ہے۔ اگر میں یا حمید الدین یا ہم دونوں گھر میں نہ ہوں تو آپ چلے نہ جائیے گا۔ بلکہ ہمارا انتظار کیجئے گا۔ تھوڑی دیر میں ہم آجائینگے +

دوسرے روز میں پورے پانچ بجے پہنچا۔ دونوں نواب گھر پر نہ تھے۔ ہاں بی حسن آرا بیٹھی ہوئیں پان لگا رہی تھیں۔ سلیقہ شعار عورت نے اُٹھ کر سرو قد تعظیم دی اور کہا تشریف رکھئے نواب صاحب ابھی آئے جاتے ہیں میں بیٹھ گیا۔ باتوں باتوں میں معلوم ہؤا کہ حسن آرا پانسو روپے ماہوار پر نواب حمید الدین کے ہاں سال بھر سے نوکر ہے لیکن حمید الدین سے نہ اُسے عشق ہے۔ نہ محبت ہے۔ کیا کرے پیٹ بُری بلا ہے۔ غربا بڑی ہوئی ہے۔ میں

گئے تھے۔خیر دور شراب ارغوانی شروع ہوا۔اور تھوڑی دیر میں بی حسن آرا طلب ہوئیں +

مہاراج حقیقت یہ ہے میں ایسی حسین اور نازک اندام عورت میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی۔اور آواز ایسی خوش آیند تھی کہ دل لٹو ہوا جاتا تھا۔ اس پر بناؤ سنگار کا کچھ نہ پوچھئے۔وہ جو کمرے میں آکر بیٹھی یوں سمجھئے چاندنی کھل گئی۔اللہ اللہ کیا نور تھا +

وہ جو بیٹھے ہیں تو کیسی روشنی سی گھر میں ہے   تاب عارض سے مکان آئینہ خانہ ہو گیا
ہے پیام موت اس سفاک کا تیر نظر   ہائے وہ کمبخت جو اس کا نشانہ ہو گیا

میں عالم حیرت میں دیر تک ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔نواب عیش دوست خاں نے جو مجھے یوں محو نظارہ پایا۔تو بولے۔سیٹھ جی یہ مال کچھ اور ہے اس پر بی حسن آرا نے تیکی چتون کر عجیب لہجے سے یہ شعر پڑھا:۔

کب لگاتا ہے کوئی اس دل بے حال کا مول   سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول

یہ شعر ایسا برمحل تھا کہ میں پھڑک گیا اور بے ساختہ کہا۔واہ بی صاحب تم اور مفلس کا مال۔واللہ۔دولت جوانی سے مالا مال ہو اور اس پر یہ حسن و جمال بھئی کمال ہے کمال۔اس پر بی صاحب کا کیا تمام حاضرین جلسہ کہنے لگے۔سیٹھ جی کمال کرتے ہو۔نثر میں نظم کا مزا۔اس طرح ضلع جگت ہوتی رہی اور اس سے گزر کر فحش اور پھکڑ بازی تک نوبت پہنچتی رہی۔ بی صاحب کو ایک دو جام پی کر سرور ہوا تو الاپنے لگیں۔آواز نہایت شیریں اور گلا پھرتا ہوا تھا۔پہلا ہی سُر جو الایا تو میں بولا:۔

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک   شعلہ سے چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

اس پر مرحبا اور جزاک اللہ کی صدا بلند ہوئی۔کئی ٹھمریاں اور غزلیں اُس نے گائیں اور اس طرح گائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے جس طرح بار بار میری نظر اس معشوقہ پر پڑتی تھی۔اسی طرح بار بار میں نے اس کو بھی اپنی جانب نظر کرتے دیکھا۔میں بھی ایک وجیہ نوجوان تھا۔خیال ہوا کہ تم ہی اس پر عاشق نہیں ہوئے۔اس کا بھی تم پر دل آگیا ہے +

...ی کے مرنے سے مجھے اور بھی آزادی مل گئی اور میں خوب کھل کھیلا انہیں دنوں میں میرے ایک دوست میرے پاس ایک پنجابی رئیس کو لائے - جو دراز قد - وجیہ اور گورے رنگ کے آدمی تھے - یہ ایک ہیرا فروخت کرنا چاہتے تھے - میں نے اس کو دیکھا کوئی پانچ ہزار کی مالیت کا ہوگا - مگر چونکہ فروشندے سے واقفیت نہ تھی خریدنا منظور نہیں کیا - وہ شاید انہوں نے کہیں اور بیچا - ایک دن پھر وہی دوست آیا اور کہنے لگا - انہیں پنجابی رئیس کے ہاں آج جلسہ ہے - آپ کو بھی تکلیف کرنی پڑیگی - یہ کہکر نواب صاحب کا رقعہ جیب سے نکالا - معقول نظم میں لکھا ہؤا تھا - میں نے تعریف کی دوست کہنے لگا - سیٹھ جی کچھ نہ پوچھو - یہ نواب خدا کی قسم محفل کی جان ہے - فلاں فلاں صاحب بھی مدعو کئے گئے ہیں - آپ بھی ضرور بالضرور تشریف لائیگا - چنانچہ شب کو میں وہاں گیا - گانا بجانا نہایت معقول تھا - لیکن سب سے حیرت انگیز بات یہ دیکھی - کہ خود نواب صاحب بلا کے آدمی تھے - بات بات میں شعر اور لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی - میں بہت ہی محظوظ ہؤا اور اس طرح نواب عیش دوست خاں سے میری دوستی ہوگئی - اور وہ میرے ہاں آنے جانے لگے - چونکہ بہت ہی بامذاق طبیعت پائی تھی - اُن سے مل کر میں ہمیشہ خوش ہوتا تھا ؛

اس جلسے کے کوئی دو مہینے بعد ایک روز جو عیش دوست خاں میرے مکان پر آئے - تو کہنے لگے - آج شام کو غریب خانے پر جلسہ رہا میرے ایک دوست پنجاب سے آئے ہوئے ہیں - اور اُن کے ساتھ معشوقہ بھی ہے - بھئی نہ میں نے ایسا حسن وجمال دیکھا نہ گانے میں ایسی آواز سنی - میں نے خوشی خوشی منظور کرلیا - نواب صاحب نے اپنے دوست سے میری ملاقات کرائی اور ہم ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے - معلوم ہؤا کہ اُن کے دوست نواب حمید الدین بڑے رئیس آدمی ہیں اور سیر و سفر کرتے لکھنؤ بھی آنکلے ہیں - دس پانچ روز یہیں قیام کرینگے - نواب عیش دوست خاں نے اس روز کسی اور طوائف یا گویّے کو نہیں بلایا تھا - اور جلسے میں آدمی بھی بہت کم مدعو کئے

ہوں مگر اُن دنوں میں ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔ اور جھوٹی خوشامد و تعریف کو سچّا جانتا تھا +

جو جلسے پہلے گاہے ماہے ہوتے تھے اب وہ روزمرہ ہونے لگے۔ اور سیٹھ کروڑی مل کے جلسوں کی شہر میں دھاک بندھ گئی۔ اچھے سے اچھا کھانا پینا اچھے سے اچھا ناچ گانا۔ پھر اکابر اور ارباب کمال کا لطف صحبت۔ سب چیزیں دل کی لبھانے والی تھیں۔ رنڈی پہلے ایک نوکر تھی۔ اب کئی کو تنخواہ دی جاتی تھی۔ اور یہ تو ایک معمولی بات تھی کہ کسی رقّاصہ کی کوئی بات پسند آئی اور یار دوستوں میں کسی نے ہمزبان ہوکر تعریف کی۔ فوراً سو پچاس روپے انعام دے دیئے۔ میں نے پہلوان نوکر رکھے۔ ہر قسم کے اسناد فراہم کئے جو تمام "بازیوں میں" طاق تھے۔ نئے فیشن کا ولائتی سامان آرائش خریدا۔ گاڑی بگھی انگلستان سے بنوا کر منگوائیں۔ مکان کو سجا کر طلسم خانہ بنا لیا۔ اس میں شراب کے جلسے ہوتے تھے۔ اور میں اکثر مدہوش ہو جاتا تھا +

ایک شب کا ذکر ہے۔ کہ مجھے اس حالت مدہوشی میں دیکھ کر میری بیاہتا بیوی جو نہایت حسین اور نیک عورت تھی کہنے لگی۔ تم نے بُرا رنگ بدلا ہے۔ پہلے کوٹھی کا کام دیکھا بھالا کرتے تھے۔ اب وہ بھی مہینوں سے چھوڑ دیا ہے۔ نیب اور گماشتے اُدھر لوٹتے ہیں۔ تمہارے بد اطوار دوست اِدھر لوٹتے ہیں۔ یہی حال رہا تو لاکھ کا گھر خاک میں مل جائیگا۔ روز کے جلسے اور ان میں ایسا مدہوش ہو ہو کر گھر آنا اچھی باتیں نہیں۔ میرے سر پر شراب کا جن سوار تھا۔ نصیحت سننے کی تاب کہاں تھی۔ بے ساختہ بولا چپ۔ کیا بکتی ہے۔ تیری باتیں میرے دل میں تیر سی لگتی ہیں۔ یہ کہکر میں نے اُس کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ غریب دوسرے ہی روز اپنے باپ کے گھر کانپور چلی گئی۔ اور وہیں غم میں گھُل گھُل کر مر گئی۔ میرے خسر صاحب نے مجھ سے یہ بدلا لیا۔ کہ پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کا جو زیور وہ ساتھ لے گئی تھی سب ہضم کر لیا اور رسید تک نہ دی +

صلاح دی تھی۔ کہ اردو کی شاعری اچھی جبھی ہو سکتی ہے۔ کہ شاعر زنانِ بازاری کی حرکات و سکنات۔ رمز و کنایہ۔ گفتگو و محاورہ اور بالعموم ہر قسم کے چوچلوں سے آشنا ہو۔ چنانچہ قبول صورت۔ خوش کلام اور دلغریب و دلربا رنڈیوں کے کوٹھوں پر مجھے میرے احباب لے گئے۔ اور کچھ پنچی سا ہونے کا بیٹا سمجھ کر ہر ایک نے دام فریب میں پھنسانا چاہا۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔ ایک معشوقہ طنّاز کے دام میں مَیں آ بھی گیا۔ اور خفیہ طور پر اُسے معقول مشاہرے پر نوکر رکھ لیا۔ شام کو ہوا خوری کرنے جاتا تو کبھی کبھی اُس کے پاس بھی چلا جاتا تھا۔ وہ دمباز ہجر و فراق کے پھڑکتے ہوئے اشعار مجھے سناتی اور بار بار کہتی۔ میں تمہاری جدائی میں دلفگار رہتی ہوں۔ تم روز کیوں نہیں آتے۔ لیکن مجھے والد کا بھی خوف رہتا تھا۔ اور عزّت کا بھی خیال تھا۔ ہر قسم کے عیب بے شک کرتا تھا۔ مگر خفیہ خفیہ۔ ابھی کُھل کھیلنے کی مجھ میں ہمت نہ تھی +

جب والد کا انتقال ہو گیا تو کچھ روک ٹوک نہ رہی۔ جتنے میرے ہمنشین اور ہم صحبت پہلے تھے۔ اب اُن سے دس گنے بڑھ گئے۔ ان میں سے شہر کے رئیس امیر۔ ارباب جاہ و مناصب۔ اور اہل علم و فضل بھی تھے۔ متوسط درجے کے آدمی بھی تھے اور چھوٹے درجے کے بھی۔ سب آ آ کر اور خوشامد کر کر کے میرا دماغ آسمان پر چڑھاتے تھے۔ میری شاعری کی تعریف کرتے تھے۔ میرے حسن مذاق کی داد دیتے تھے۔ میری نوجوانی۔ نیک نامی۔ سیر چشمی اور سخاوت و خیرات کے مدح سرا تھے۔ جو آتا تھا یہی کہتا تھا۔ کہ اور آدمیوں میں ایک دو وصف ہوتے ہیں۔ میں مجموعۂ حسنات ہوں۔ لیکن اس گروہ دمبازاں کی مدح سرائی کی جڑ میں خود غرضی تھی۔ کوئی اپنا مکان میرے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ کوئی قرض کا خواہاں تھا۔ کسی کی لڑکی یا لڑکے کی شادی تھی اور مجھ سے امداد مانگتا تھا۔ مہاراج میں نے رشتہ داروں کو خود غرض پایا۔ دانت کاٹی روٹی کھاتے ہوئے یاروں کو خود غرض پایا۔ ملازموں کو خود غرض پایا۔ جس کو دیکھا اپنی غرض کا بندہ دیکھا۔ یہ باتیں میں اس وقت آپ سے کر رہا

یہ اشعار مستند استادوں کے ہیں۔اسی طرح کے اشعار جس اردو شاعر کے دیوان سے فرمائیں۔ دستہ دستہ چن سکتا ہوں۔میں انہیں پڑھا کرتا تھا۔ اور اسی قسم کی شاعری کی اُدھیڑ بن میں خود رہا کرتا تھا۔ فرمائیے۔ جو نوجوان ایسے مخرب اخلاق مضامین شب و روز دیکھتا رہے اُس کا انجام کیا ہونا ہے۔ شاعری ایک مبترک اور مقدس جذبۂ انسانی ہے۔ جو دل کو ابھارا اور خیالات کو علو بخشتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگوں نے اسے امردوں۔ رنڈیوں اور بھڑووں کا کھیل بنا دیا ہے۔ میں چونکہ امیر کبیر آدمی کا بیٹا تھا۔ مشاعرے میں میری غزلوں کی وہ داد ملتی تھی کہ کچھ نہ پوچھئے۔ میں نے شعر پڑھا اور ہر طرف سے مرحبا و جزاک اللہ کی صدا بلند ہوئی۔ یہ نعرۂ تحسین بلند کرنے والے لوگ میرے دست نگر۔ بذلہ سنج۔ لطیفہ گو۔ خود اسی قسم کے شعر کہنے والے آدمی تھے۔ جن کے ساتھ میں روپے پیسے سے سلوک کرتا رہتا تھا۔ اور جو بیجا تعریف اور خوشامد کر کر کے مجھے آسمان پر چڑھاتے رہتے تھے *

میرے ہم صحبتوں اور ہم نشینوں کا ایک جرگہ تو یہ تھا۔ ان کے علاوہ احباب کا ایک مجمع کثیر اور تھا۔ ان میں سے بعض موسیقی کے شائق یا اُستاد تھے۔ بعض کبوتر باز۔ پتنگ باز۔ مرغ باز۔ قمار باز یا اور کچھ باز تھے۔ بعض کھانا پکانے اور نعمتہائے لذیذ بنانے میں استاد تھے۔ اور شراب کے جلسوں کی جان تو تقریباً سب ہی تھے۔ احباب کے جلسے اکثر ہوتے۔ اُن میں شعر خوانی۔ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی ہوتی۔ مل کر میلوں میں جاتے۔ سفر کرتے۔ سیر سپاٹے کا دم بھرتے۔ تھیٹروں۔ دنگلوں۔ گھڑدوڑوں میں شریک ہوتے۔ بھاری بھاری شرطیں لگاتے اور اُن میں خوب ہار جیت ہوتی۔ اس قسم کے جلسوں کا خرچ کثیر میرے ہی سر پر پڑا کرتا تھا۔ لیکن لازمۂ امیری سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے خیال بھی نہیں آتا تھا۔ کہ یہ خرچ بے جا ہے۔ یا حد اعتدال سے متجاوز ہے *

والد کی عین حیات میں بعض جلسے اُن کی اجازت یا حکم سے ہوتے تھے۔ اور بعض میں کہیں چھپے چوری شریک ہؤا کرتا تھا۔ میرے ہمنشینوں نے مجھے

میرا نام کروڑی مل ہے اور میں لکھنؤ کے ایک امیر کبیر آدمی کا بیٹا ہوں۔ ہمارے گھرانے میں پشتہا پشت سے ساہوکاری ہوتی تھی۔ لاکھوں کا لین دین کرتے تھے۔ لاکھوں کی جائداد تھی۔ لاکھوں روپیہ نقد گھر میں رہتا تھا۔ چنانچہ میں نے بڑے اللے تللے سے پرورش پائی ہے۔ نوکر چاکر۔ گاڑی سواری پوشاک خوراک۔ مکان اور سامان۔ غرض ہر چیز شہزادوں کی طرح میرے لئے مہیا رہتی تھی۔ ہنڈی پرچے کا کام اور ہندی مہاجنی سیکھنا تو میرا فرض ہی تھا۔ لیکن لکھنؤ کا بسیا تھا۔ وہاں کی زبان اردو کا بھی رسیا تھا۔ مزے لے لے کر اردو شعرا کا کلام پڑھا کرتا تھا۔ اور خود بھی اُسی رنگ میں شعر کہتا تھا۔ آپ سادھو لوگ ہیں۔ چونکہ آپ کو یہ علم نہیں ہے۔ کہ شعرائے اردو کے خیالات کس قسم کے ہوتے ہیں۔ اس لئے کچھ نمونے کے اشعار پڑھتا ہوں:۔

پندِ واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے
کیا عبادت کو ہمیں ہیں سب فرشتے مرگئے

مے پی تو سہی توبہ بھی ہوجائیگی زاہد
کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی

داغ

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

مومن سوے شرق اُس بُت کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے

مومن

قرض کی پیتے تھے مے پر دل میں کہتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایک دن

دھول دھپا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشدستی ایک دن

غالب

پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب
سچ ہے حرامزادے کی رسّی دراز ہے

دروازہ میکدے کا نہ کر بند محتسب
ظالم خدا سے ڈر کہ درِ توبہ باز ہے

ذوق

صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے
شب دلارام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

دوسرا سادھن - بیراگ یا نفرت از دنیا

ساتویں سادھو کی کہانی

بیراگ دولت اور یار دوستوں سے

گریہ دیکھا ہے اور خندہ دیکھا　　دنیا کا عجیب ہم نے دھندا دیکھا
مطلب کا یار ہے زمانہ اے مہر　　جس کو دیکھا غرض کا بندہ دیکھا

ہوتا ہے یہاں مہر کوئی کب اپنا　　مطلب ہاں ڈھونڈتے ہیں ہم سب اپنا
ہم نے سب آشنا غرض کے پائے　　سچ ہے دنیا ہے اور مطلب اپنا

جس سادھو سے خطاب کیا گیا تھا۔ اُس نے اپنی داستان اس تمہید سے شروع کی۔ مہاراج وویک ویدانت کا پہلا سادھن ہے۔ اس کی ابتدا آدمی کو ویدانت پڑھنے کے لائق بناتی ہے۔ اور اس کی انتہا پورن گیان اور جیون مکتی کا حصہ دار کرتی ہے۔ بیراگ دوسرا سادھن اور وویک کا قدرتی نتیجہ ہے۔ جہاں آدمی کو یہ تمیز ہونے لگی۔ کہ ست چیز ایک آتما ہے۔ باقی سب جگت جھوٹا ہے۔ اُسے دنیا اور دنیا کی چیزوں میں دلبستگی نہیں رہنی چاہئے۔ اسی دلبستگی نہ رہنے کا نام بیراگ ہے۔ جتنا یہ بیراگ طبیعت میں استوار ہوتا جائیگا۔ اُتنا ہی آدمی دنیا سے ہٹتا جائیگا اور ترقی روحانی کرتا جائیگا۔ کیونکہ جو شخص دنیا کو بے ثبات مانتا ہے۔ یہاں کے تماشے اس کو عالم رویا کے تماشوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر کوئی شخص خواب کے نظاروں کو سچا مان کر اُن میں نہیں پھنسا کرتا۔ پس ترقئے روحانی کے لئے بیراگ ایک لازمی چیز ہے۔ چونکہ میرا حال بڑا عبرتناک ہے۔ اس وجہ سے سناتا ہوں۔ مجھے کامل امید ہے کہ اس سے ہر شخص نیک سبق حاصل کریگا +

حیرتِ محسوس کرتا رہا۔ حقیقت میں مجھے صاف صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ عالم بیداری میں جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ وہ سب خواب کا سا نقشہ ہے۔ تمام پڑھنا پڑھانا۔ تمام بحث ومباحثے۔ تمام کاروبار غرض ہر ایک بات خواب کی صورتوں کی طرح چشم تصور کے سامنے آتی ہے۔ اور کچھ دیر ٹھیر کر غائب ہو جاتی ہے۔ ہاں میں دیکھنے والا جوں کا توں قائم رہتا ہوں۔ آخر میں اُٹھ کر بڈھے پنڈت جی کے چرنوں میں پڑا۔ انہوں نے مجھے اٹھایا اور پوچھا کہ بات تو بتاؤ کیا ماجرا ہے۔ میں نے سارا خواب سنایا ٭

حقیقت یہ ہے کہ سادھو کے ساتھ جو بحث میں نے آپ کے گوش گزار کی ہے۔ وہ صبح پنڈت جی کے ساتھ ہوئی تھی۔ پنڈت جی میرا خواب سن کر بڑے حیران ہوئے۔ کہنے لگے۔ بتاؤ اب تو سمجھ گئے۔ کہ وویک کیا چیز ہے۔ میں نے کہا مہاراج خوب سمجھ گیا۔ یہ جگت کی بدلتی ہوئی صورتیں تمام خواب کی طرح است ہیں اور ان کا دیکھنے والا میں آتما ست ہوں آج سے میں آپ کا چیلا ہوں۔ مجھے گیان کا اپدیش دیجئے۔ میں کسی سادھو کے درشن کو نہیں جانا چاہتا۔ پنڈت جی نے اس روز سے مجھے پڑھانا شروع کیا۔ چونکہ شاستر اور گورو کے بچنوں میں شردھا ہو گئی تھی۔ میں جلد جلد گیان کے زینے پر چڑھتا چلا گیا اور جس دن پنڈت جی کا دیہانت ہوا۔ اسی روز سنّیاس دھارن کر کے گھر سے نکل گیا ٭

اس کہانی کو سن کر سب سادھو نہایت محظوظ ہوئے۔ کہ کیسی دقیق باتوں کو کس مزے سے نباہا ہے۔ سوامی برہمانن نے بھی تعریف کی اور پھر ایک سادھو کی طرف اشارہ کر کے بولے بھائی کروڑی ایک روز تم نے ہمیں کچھ اپنا حال سنایا تھا۔ وہی سب کو سناؤ۔ وویک کی توضیح خوب ہو چکی۔ تم بیراگ کا مضمون شروع کرو۔ جو ویدانت کے سادھن چتشٹے میں سے دوسرا سادھن ہے ٭



ہے۔ مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے کہا۔ مورکھ تو ہے جو سچے جگت کو جھوٹا بتا رہا ہے کیا تیرے پاس جو یہ سوٹا رکھا ہے۔ میرے سر پر مارے تو میرا سر نہیں پھٹیگا۔ اس میں سے خون نہیں نکلیگا۔ مجھے تکلیف نہیں ہوگی ؟

یہ الفاظ میں نے اس سخت کلامی سے کہے تھے کہ سادھو کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ کہنے لگا۔ ارے مایا میں پھنسے ہوئے جیو تجھے خبر نہیں کہ تو شدھ سچدانند برہم ہے۔ ایک تو ہی ست ہے۔ اور باقی سب جگت است ہے۔ تجھے نہ آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی گلا سکتا ہے۔ نہ ہوا سکھا سکتی ہے۔ نہ ہتیار کاٹ سکتا ہے۔ دیکھ میں تیرے سوٹا مارتا ہوں۔ نہ تیرا سر پھٹیگا نہ خون نکلیگا۔ نہ تجھے کچھ تکلیف ہوگی +

یہ کہکر اس بے رحم سادھو نے حقیقت میں اپنا موٹا سوٹا زور سے میری طرف کھینچ مارا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ ادھر تو میرے دوست نے اُس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ ادھر میں وار بچانے کو ایک درخت کی طرف جھکا۔ سچ کہتا ہوں۔ اگر وہ سوٹا لگتا تو سر پاش پاش ہو گیا ہوتا۔ لیکن پھر بھی ادھر تو وہ اچھٹتا ہؤا میری پیشانی سے مس کرتا ہؤا گیا۔ ادھر میرا سر ایک درخت سے ٹکرایا۔ ایسی تکلیف محسوس ہوئی کہ میں بے اختیار چونک اُٹھا +

دیکھوں تو نہ کہیں باغ ہے نہ کہیں سادھو ہے۔ اپنے گھر پر بیٹھا ہوں حقہ پیتے اونگھ گیا تھا۔ اور حقے کی نے پیشانی پر لگی تھی۔ جو مجھے سادھو کا سوٹا محسوس ہوئی۔ درخت کی بجائے گھر کی دیوار سے میرا سر ٹکرایا تھا۔ پنڈت جی اور میرے دوست دونوں آ پہنچے تھے اور سرہانے کھڑے ہنس رہے تھے۔ آخر پنڈت جی بولے۔ واہ لالہ پربھودیال۔ جاڑے کے دنوں میں دوپہر کو ایسے غافل ہو کر اونگھتے ہو کہ سر دیوار سے ٹکراتا ہے۔ لو اٹھو۔ چلو سادھو مہاراج کے درشن کریں۔ مجھ میں فرط حیرت سے بولنے کی تاب نہ تھی دونوں صاحبوں کو اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ بیٹھ گئے اور مجھے نگاہ حیرت سے دیکھنے لگے +

میں بہت دیر تک اپنے خواب کو سوچتا رہا۔ اور سوچ سوچ کر دگنی

کو قیاس کر لو۔ تعجب ہے تمہیں یہ صورتیں خواب کی طرح بدلتی نظر نہیں آتیں۔ میں نے کہا۔ مہاراج خواب من کا کھیل ہے۔ بیداری عالم اسباب ہے۔ یہاں جب تک خاص اسباب جمع نہ ہوں کوئی ظہور نہیں ہو سکتا۔ خواب میں بغیر اسباب کے ہر چیز ممکن ہے۔ بھلا بیداری میں ہاتھی کا گھوڑا بنتا کس نے دیکھا ہے؟

سادھو بولا۔ اچھا بھائی۔ بیداری میں چیزوں کا پیدا ہونا تو مانتے ہو۔ میں نے کہا بیشک بالکل اسی طرح جیسے بیج سے خاص اسباب کی مدد پا کر درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ کہا پیدا ہونے کے معنی تو ہمیشہ وہی رہیں گے جیسے خواب کی صورتوں کے پیدا ہونے کے ہیں۔ میں نے کہا وہ کیونکر کہا ستو۔ جس طرح عدم سے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہستی سے بھی کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ جہاں پیدا ہونا مانا گیا سب مایا کا تماشا مداری کا کھیل اور من کی کرتوت ہے۔ عدم سے کوئی شے وجود میں نہیں آ سکتی۔ کیونکہ سوال پیدا ہوتا ہے وہ آئی تو آئی کہاں سے اور اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اسی طرح۔ جو شے ہست ہے۔ اس سے یہ کہنا اور شے ہست ہوئی ایک ہی لفظ کی مکرر تکرار ہے۔ اور بے معنی محض ہے۔

میں نے کہا۔ آپ کا کہنا سراسر لغو ہے۔ ہست میں سے ہست چیز کیوں نہیں پیدا ہو سکتی۔ لغو کا لفظ سن کر سادھو کو غصّہ آیا اور کہنے لگا۔ ارے مورکھ مجھے بتا تو جس ہست چیز کو تو یہ کہتا ہے کہ پیدا ہوئی کیا وہ پیدا ہونے سے پہلے ہست نہ تھی۔ اگر ہست نہ تھی تو نیست ماننی پڑے گی اور نیستی سے ہستی لازم آئے گی جو سراسر لغو ہے پس ہست چیز جسے تو کہتا ہے پیدا ہوئی وہ پیدا ہونے سے پہلے بھی ہست ہی تھی۔ ہست چیز میں سے ہست چیز کا پیدا ہونا لغو نہیں تو اور کیا نِرا اسرہے۔ تو بڑا مورکھ ہے اتنی سی بات نہیں سمجھتا۔

مہاراج! میں دلیل میں برابر ہارتا چلا آرہا تھا۔ ہارا کھسیانا مشہور

لے جائے گی کوئی اُدھر ریل کر لے جائے گی کسی طرح کا انتظام قائم نہیں رہ سکے گا۔ لیکن دنیا میں ہر طرف انتظام نظر آتا ہے اور انتظام بھی کیسا نہایت مکمل۔ پس مادّے کے ساتھ کام کرنے والی شکتی ضرور بالضرور چیتن ماننی پڑے گی ۔

میں نے کہا اچھا کیا مضائقہ ہے۔ دو چیزیں مان لیجئے۔ ایک جڑ مادہ دوسری چیتن شکتی۔ لیکن دونوں چیزیں ست ماننی پڑیں گی۔ ویدانت تو صرف آتما کو ست مانتا ہے اور جگت کو اسّت کہتا ہے اور اس کو آپ وویک کہتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے۔ سادھو نے کہا۔ اب تم راہ پر آتے جاتے ہو۔ پہلے صرف مادّے کو مانتے تھے۔ اب مادّے کے ساتھ ایک چیتن شکتی بھی تسلیم کرتے ہو۔ یہ آثار اچھے ہیں۔ جب تم نے چیتن شکتی مانی تو یہ بھی لازمی ولابدی طور سے ماننا پڑے گا کہ جس کو تم نے مادّہ مانا ہے۔ اس کا گیان اس چیتن شکتی کو ہوگا۔ میں نے کہا بے شک ہوگا۔ سادھو بولا جب گیان ہونا مانتے ہو۔ تو جن جن اشیائے خارجی کا گیان ہوگا۔ وہ بعینہٖ اسی طرح ہوگا۔ جیسے خواب کی اشیا کا ہوتا ہے۔ اور گیان ہونے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ خواب تم روز دیکھتے رہتے ہو۔ ہاتھی سامنے کھڑا ہے۔ دم بھر میں وہ غائب اور گھوڑا پیدا ہو گیا۔ اس کی جگہ آدمی پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ خواب کی صورتیں جو دمبدم پیدا ہوتی رہتی ہیں ست ہیں یا اسّت میں نے کہا بے شک اسّت۔ لیکن عالم بیداری میں تو یہ بات نہیں ہے کہ ایک چیز ہٹی اور دوسری پیدا ہو گئی ۔

سادھو نے کہا۔ کیوں ہے کیوں نہیں۔ عالم بیداری میں کیا تم پیدا ہوتی چیزیں نہیں دیکھتے۔ عورت کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے بیج سے درخت بن جاتا ہے۔ درخت کی لکڑی سے آگ پیدا ہوتی ہے۔ آگ میں آٹا پک کر روٹی بن جاتی ہے۔ دیکھو یہ بالکل مداری کا تماشا یا نہیں۔ کہاں بیج۔ کہاں درخت۔ اسی پر اور چیزوں

سب میں بھی گیان ہے۔ کیونکہ اگر ان چیزوں میں گیان نہیں۔ تو آدمی میں جو گیان پیدا ہوا وہ کہاں سے آیا۔ یہاں تیسم معلول ہے۔ اور شنشا علت ہے۔ اب دیکھو آدمی حیوانات۔ نباتات اور جمادات سب یہ چیزیں کھاتا ہے۔ اور انہیں کھا کھا کر اس کا جسم بنتا ہے۔ جب تک ان سب چیزوں میں گیان نہ ہو۔ تو کھانے والے آدمی میں گیان کہاں سے پیدا ہوسکتا ہے۔ گیان شکتی پیدا ہوگی تو انہیں چیزوں میں سے نکل کر پیدا ہوگی۔ جن سے آدمی کا جسم بنا ہے۔ ورنہ آئی کہاں سے۔ عدم سے تو کوئی شے وجود میں نہیں آسکتی۔ تم تو عقل پر چلنے والے ہو۔

مہاراج بات معقول تھی۔ میں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ چیتن شکتی بالقوے ہر ایک چیز میں موجود ہے۔ ورنہ انسان و حیوان وغیرہ میں ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی۔ سادھو نے کہا۔ تو لو بھائی۔ اب بجائے صرف مادّے کے تم نے ایک چیتن شکتی بھی اس میں مانی۔ میں نے کہا شکتی کے ماننے میں نہ مجھے پہلے انکار تھا۔ نہ اب ہے۔ اور جسے آپ چیتن شکتی کہ رہے ہیں وہ شکتی ہی کی ایک صورت ہے۔ یہ سن کر سادھو نے زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ اور کہا۔ اوہو! تم مادّے کی تعریف یوں کرتے ہو۔ کہ مادّہ وہ چیز ہے جس میں چیتن شکتی ہو۔ واہ واہ! دیکھو بھائی۔ مادّے کی یہ تعریف تو عجائب خانے میں رکھے جانے کے لائق ہے۔

میں نے کہا دیکھئے مہاراج۔ میں نے مادّے کے ساتھ شکتی کہی ہے۔ چیتن شکتی اپنی طرف سے نہ بڑھایئے۔ سادھو مسکرا کر بولا۔ چیتن شکتی کو تم نے شکتی ہی کی ایک صورت کہا ہے۔ پس اس میں اور تمہاری مانی ہوئی شکتی میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ اگر مادے کے ساتھ فقط شکتی مانو گے۔ تو عالم کا نظام و انتظام تمہارے مت میں کیونکر قائم رہ سکے گا۔ اگر مادّے میں فقط شکتی ہی کام کرے تو اس منتظم نظم دنیا کی بجائے اندھا مادہ چاروں طرف پھیلا ہونا چاہیئے۔ اندھی ہی قوتیں اس میں کام کرتی نظر آئیں گی۔ کوئی مادّے کو ادھر دھکیل کر

ان کی بُدھی بڑی تیز ہو گئی ہے۔ صبح گھنٹہ بھر اس طرح بحث کی کہ میرا مغز چاٹ لیا۔ اور نتیجہ بالکل ہیچ +

سادھو میری طرف متوجہ ہؤا کہ بھائی کیا بحث تھی۔ میں نے کہا مہاراج پنڈت جی مجھے وویک کے معنے سمجھا رہے تھے۔ کہ وویک کہتے ہیں تمیز کو یعنی اس بات کی تمیز کو کہ آتما تو ست ہے اور جگت است ہے۔ سادھو بولا۔ ہاں سچ تو کہتے تھے۔ تمہیں کیا اعتراض ہے۔ میں نے کہا۔ میں نہ آتما کو مادّے سے علیحدہ کوئی چیز مانتا ہوں نہ جگت کو جھوٹا ماننے کے لئے تیّار ہوں۔ سادھو نے کہا۔ اوہو تم ناستک چارواک ہو۔ ہم سے بہت سے انگریزی خوان بحثیں کرنے آئے۔ جیسے دیکھا دہریہ ہی دیکھا۔ کیا تم لوگوں کو مذہب اور روحانیت کی تعلیم ہی نہیں ہوتی۔ میں نے کہا مہاراج روحانیت کوئی چیز ہو تو اُس کی تعلیم ہو۔ جہاں عقل کی کسوٹی پر کسی گئی اور روحانیت گئی +

یہ سن کر سادھو نے قہقہہ لگایا۔ اور کہا تمہارے اور بھی بہتیرے بھائیوں نے مجھ سے یہی بات کہی ہے۔ کیا تمہاری رائے میں جسم اور روح میں کچھ فرق نہیں ہے۔ میں نے کہا۔ جسے آپ روح سمجھ رہے ہیں وہ مادّے ہی کا ایک خاصہ ہے۔ چربی گوشت خون اعصاب وغیرہ کا جہاں نظام ہے وہاں گیان اس طرح پیدا ہو جاتا ہے جس طرح گُڑ کو سڑا کر کشید کرنے سے شراب بن جاتی ہے۔ اور اُس میں نشہ پیدا کرنے کی خاصیت آجاتی ہے۔ سادھو بولا بہت اچھا۔ تو گویا گیان مادّے سے پیدا ہؤا۔ میں نے کہا بیشک۔ کہا دیکھو بھائی اس بات کو تم مانو گے۔ کہ جو کچھ علّت میں ہوتا ہے وہی معلول میں ہوتا ہے۔ مثلاً لوہے کی جو چیز بنے گی وہ لوہا ہی ہوگی۔ روئی یا آم یا شربت نہیں بن جائے گی۔ میں نے کہا بیشک سچّی بات ہے۔ کہا جب تم یہ مانتے ہو کہ آدمی میں جو گیان شکتی ہے وہ مادّے سے پیدا ہوئی۔ تو تمہیں یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ جن چیزوں کو کھا کھا کر آدمی کا جسم بنتا ہے۔ اُن

تھے۔ کہنے لگے مہاراج! نہ ایک دن میں سارا ویدانت آپ انہیں سمجھا سکیں گے۔ نہ یہ سمجھ سکیں گے۔ باقی بحث کل پر رکھئے۔ چنانچہ ہم دونوں مسکرا کر چپ ہو رہے۔ باتوں باتوں میں یہ بھی ذکر آیا کہ شہر کے باہر باغ میں ایک سادھو اُترے ہوئے ہیں اور بڑے بھاری پنڈت ہیں۔ پنڈت جی نے کہا میں اُن سے دو تین بار ملا ہوں۔ حقیقت میں نہایت لائق آدمی ہیں۔ لالہ پربھو دیال تم بھی اُن کے پاس چلو۔ مگر یاد رکھنا۔ وہ کرودھی یعنی غضبناک بڑے ہیں۔ اگر ایسی ہی فضول بحثیں تم نے اُن سے کیں۔ تو وہ تمہارے سر پر سوٹا رسید کرینگے +

میرے دوست نے بھی سادھو کی لیاقت کی تعریف کی۔ مجھے بھی شوق ہوا اور یہ صلاح ٹھیری کہ جاڑے کے دن ہیں بارہ بجے کے بعد کھانا کھا کر چلیں گے۔ خیر میں گھر آیا۔ اور کھانا کھا کر پنڈت جی اور اپنے دوست کا انتظار کرنے لگا۔ کھانا کھانے کے بعد آدمی کی طبیعت شانت ہوتی ہے مجھے پنڈت جی کے ساتھ اپنی بحث کا خیال آیا۔ اور گو میں ضد کے باعث سے اُن کی دلیلوں کو کاٹتا رہا تھا۔ مگر اس وقت دل نے گواہی دی۔ کہ اُس نے بہت سی باتیں ایسی کہی ہیں جو حقیقت میں سچّی اور اچھّی تھیں اور اب تک فرنگستانی فلسفے میں میری نظر سے نہیں گزری تھیں۔ حقّہ میرے منہ سے لگا ہوا تھا۔ میں سوچتا جاتا تھا۔ اور حقّہ پیتا جاتا تھا۔ کھانا کھا کر بیٹھا تھا۔ کچھ غنودگی سی معلوم ہونے لگی۔ اور آنکھیں جھپکنے لگیں +

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ پنڈت جی اور میرے دوست چلے آتے ہیں۔ میں اُٹھ کر باہر گیا اور اُن کے ساتھ سادھو کے ستھان کی طرف چلا۔ باغ بڑی رونق کا تھا اور شانتی کی جگہ تھی۔ سادھو باہر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ پنڈت جی اور میرے دوست کو دیکھ کر خوش ہوا۔ ہم سب نے نمسکار کیا اور بیٹھ گئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ پنڈت جی نے مسکرا کر میری طرف اشارہ کیا اور کہنے لگے۔ مہاراج انگریزی شاستر پڑھ پڑھ کر

خود میں پائے جاتے ہوں جنہیں سادھن چتشٹے کہتے ہیں۔ اُن میں سے پہلا سادھن وویک ہے۔ وویک کے لغوی معنی ہیں تمیز۔ اصطلاح میں وویک ست اور است یعنی ہست و نیست کی تمیز کو کہتے ہیں۔ آتما ست چیز ہے اناتما یعنی کل کائنات است چیز ہے یعنی سچا آتما خواب دیکھنے والا سچا ہے۔ خواب کی دنیا جھوٹی ہے۔

یہاں میں رکا۔ میں نے کہا بیشک خواب کا دیکھنے والا سچا ہے اور خواب کی دنیا جھوٹی ہے۔ لیکن کیا عالم بیداری کی کائنات کو بھی ویدانت خواب کی طرح جھوٹا مان کر آتما یعنی صرف روح کو سچا مانتا ہے۔ پنڈت جی نے کہا بیشک۔ میں بولا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ دنیا کو جھوٹا کس دلیل سے کہتے ہیں۔ لاکھوں برس کی دنیا جسے ہر ملک میں لاکھوں آدمی سچا مانتے ہیں۔ آپ کے یا بچار ساگر والے کے کہنے سے جھوٹی کیونکر ہو سکتی ہے۔ میرے دوست کی طرح پنڈت جی بھی بڑے شانت آدمی تھے۔ کہنے لگے۔ دیکھو بھائی۔ خواب اور بیداری میں تم کیا فرق سمجھتے ہو؟ جس طرح خواب میں آدمی اپنی آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ مان کر باہر کی چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے۔ اور اس علم کے ذریعے سے خواب کے تمام جھوٹے کاروبار یا خیالات کرتا ہے اور اُن سے سکھ یا دکھ بھوگتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال بیداری کا ہے۔ وہ چھوٹا خواب ہے۔ بیداری بڑا خواب ہے۔ میں نے کہا۔ مہاراج آپ نے صرف ایک تمثیل یا تشبیہ دی ہے یہ دلیل نہیں کہلاتی۔ پنڈت جی بولے۔ تشبیہ بھی ہمارے ہاں تو پرمان مانا جاتا ہے اور تمہیں بھی ماننا پڑیگا۔ اس پر ماتوں پر بحث شروع ہوئی۔ پھر ہم خواب و بیداری پر آئے۔ غرض گھنٹہ بھر بحث ہوتی رہی اور نتیجہ خاک نہیں نکلا۔

بڈھا پنڈت گھبرا گیا۔ اُسے آج تک ایسا حجتی چیلا کوئی نہیں ملا تھا۔ بیچارے نے معقول دلائل دیں اور ہر پہلو سے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن میں اپنی ضد پر قائم رہا اور برابر یہی کہتا رہا۔ کہ آتما کوئی چیز نہیں ہے۔ جو کچھ ہے مادہ ہے جس میں مختلف ظہور ہوتے رہتے ہیں۔ آخر وہ ضعیف آدمی تھا۔ بولتے بولتے ہانپنے لگا۔ میرے دوست بھی ساتھ

نسک وسبھان روزمرہ پڑھنے گئے۔ اور آخر کو اور بہتیرے طالب علموں کی طرح میں کالج سے نکلا تو خاصہ دہریہ یا ناستک تھا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے فرنگستانی فلسفہ روحانیت کے رنگ سے خالی ہے۔ زیادہ تر عقلی بحثیں ہیں جن سے عقل بے شک تیز ہو جاتی ہے۔ دلیل کرنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن مذہب۔ روحانیت اور شانتی کا کوسوں پتہ نہیں ملتا +

مجھے اپنے علم پر ناز تھا۔ ہر شخص سے بحث کرنے کو تیار رہتا تھا اور اپنی اعلیٰ لیاقت اور منطقی تقریر سے ان بحثوں میں غالب بھی میں ہی رہا کرتا تھا۔ یہ بحثیں اکثر ایک دوست سے ہوا کرتی تھیں۔ جو عمر و وڑا بہت ہندوستان کا فلسفہ پڑھے ہوئے تھے۔ چونکہ ان کا علم کچھ زیادہ نہیں تھا میں اُنہیں دبا لیا کرتا تھا۔ ہاں اس میں کسی طرح کا شک نہیں۔ کہ یہ بڑے شانت آدمی تھے۔ بحث میں ہار جاتے تو ہرگز بُرا نہ مانتے۔ بلکہ صاف کہ دیتے میرا علم کچھ زیادہ نہیں ہے اور میں تمہارے اعتراضوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن اور بہتیرے شاستر جاننے والوں کے سامنے تم پانچ منٹ بھی نہیں بول سکو گے۔ بھائی پربھو دیال ان بحثوں کو چھوڑ کر تم اپنے گھر کا شاستر کیوں نہیں پڑھتے۔ جو تمہیں شانتی دے گا اور بے سود بحث و مباحثے کے بندھن سے نکال دے گا۔ بارہا اس قسم کی باتیں ہم دونوں میں ہوتیں۔ ان کے روزمرہ کے کہنے سننے سے مجھے بھی آخر خیال آیا۔ کہ تم نے فرنگستانی فلسفہ تو بہت پڑھا۔ کیا مضائقہ ہے ہندو فلسفہ بھی دیکھو +

ہمارے محلے میں ایک بوڑھے پنڈت رہتے تھے۔ جن سے میں نے ایف۔ اے میں سنسکرت کورسوں کے پڑھنے میں کچھ مدد لی تھی۔ ایک روز میں اور میرے دوست اُن کے پاس گئے۔ پنڈت جی نے خوشی سے مجھے پڑھانا منظور کر لیا۔ اور میں نے بچار ساگر شروع کی۔ منگلا چرن کے بعد ادھکاری کی بحث چھڑی۔ پنڈت جی نے کہا ادھکاری کے معنی ہیں مستحق۔ ویدانت پڑھنے کا ادھکاری یعنی مستحق وہ شخص ہے جس میں خاص

ہے اور میں اس سپنے کا دیکھنے والا ہوں۔ اسی کو وویک کہتے ہیں۔ آتما ست ہے جگت است ہے ۔

یہ کہ کر سادھو چپکا ہوا تو سوامی برہمانند بولے۔ تمہاری کہانی دلچسپ بھی بہت ہے اور اس سے تم نے وویک کے معنی کی بھی خوب توضیح کی۔ اب کوئی مہاتما وویک کی مسلسل اور مدلل تشریح کہانی کے ذریعے سے کریں ۔

چھٹے سادھو کی کہانی

وویک فلسفیانہ نظر سے

مانا تجھ میں ہے بڑے استدلال　　کرتا رہتا ہے تو بہت قیل و قال
پہنچا دیتا ہے راہ حق پر لیکن　　تیرا اچھا اگر کریں استعمال

ایک سادھو آگے بڑھے اور کہنے لگے۔ مہاراج میں آپ کو کوئی کہانی نہیں سنانی چاہتا۔ آپ بیتا سچا واقعہ گوش گزار کرتا ہوں اور حقیقت یہ کہ سچے واقعات میں جو لطف آتا ہے وہ بنائی ہوئی کہانیوں میں نہیں آتا۔ یہ وویک کا لفظ مجھے بہت پیارا ہے۔ اسی سے میں نے ویدانت شروع کیا۔ اور اسی کے ذریعے سے میں سنسار تر گیا ۔

میں پنجاب یونیورسٹی کا ایم۔ اے ہوں اور میں نے یہ اعلیٰ امتحان فلسفے میں اول نمبر پر پاس کیا ہے۔ مجھے فلسفے سے طبعی شوق تھا۔ پڑھانے والے لائق آدمی ملے تھے۔ محنت سے تحصیل علم کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے کالج میں سب سے اچھا طالب علم شمار ہوتا تھا۔ میرا حصر کالج کی کتابوں ہی پر نہ تھا۔ بلکہ یونان۔ اٹلی۔ جرمنی وغیرہ کی کتب فلسفہ بھی دیکھا کرتا تھا۔ لیکن اس تعلیم و تعلّم سے مجھے شانتی نصیب نہیں ہوئی

روپیہ پیدا کیا۔ مکان بنوائے۔ تمام ہندوستان کی جاترا کر آیا۔ غرض ایک عمر بسر کر چکا۔ ناظرین غور تو کرو پینسٹھ برس کتنا عرصہ ہوتا ہے۔ بہتوں کو تو اتنی عمر نصیب بھی نہیں ہوتی۔ یہ پینسٹھ برس اور ایک چشم زدن میں بسر ہو جائیں +

کال انت ہے اس میں انسان کی زندگی چشم زدن سے زیادہ عمر نہیں رکھتی اور یہ بیوہار مثلاً شادی۔ اولاد۔ مکان۔ دوست دشمن۔ کرم اور جاترا وغیرہ کیا ہیں۔ اس چشم زدن میں خواب کی سی صورتیں ہیں۔ جس وقت تک نظر کے سامنے ہیں۔ اُس وقت تک اُن کا وجود ہے۔ جب نظر ہٹی پھر کہاں +

چشم بینا کی نظر میں ہے فقط ان کا وجود
پھر کہاں صورت نہ دیکھے جبکہ صورت آشنا

ہم اس مایا جال کو سچا سمجھ کر اس میں مٹے جاتے ہیں۔ ناحق روز مرّہ تکلیفیں سہتے ہیں۔ دُکھ درد میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جتنے تعلقات ہیں سب خواب کے سے تعلقات ہیں۔ گیانی رام آج تو یوگ وششٹ کا مطلب سمجھا۔ اس کا نام دو بک ہے۔ ایک تو دیکھنے والا ست ہے باقی تمام کائنات خواب کے نقشوں کی طرح است ہے۔ اسی خیال کو بار بار کی مشق اور تکرار سے دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ اس روز سے سوتے جاگتے۔ چلتے پھرتے۔ اُٹھتے بیٹھتے میں نے یہ خیال کرنا شروع کیا۔ کہ دنیا خواب ہے اور میں اُس کا دیکھنے والا ہوں۔ ان تماشوں میں میرا نفع و نقصان کچھ نہیں ہے۔ روز مرّہ کی مشق سے حقیقت میں دنیا خواب ہی ہو گئی اور میں شانت پد کو پہنچ گیا +

سیٹھ نے اپنی کہانی ختم کی تو میں نے بھی اس کی باتوں کو دل میں جگہ دی اور ارادہ کیا کہ میں بھی یہی ابھیاس یا مشق کیا کروں گا یہاراج سیٹھ کے اصرار سے میں اس کے مکان پر مہینہ بھر ٹھیرا اور روز و شب کی مشق سے مجھے بھی حقیقت میں یہی نظر آنے لگا۔ کہ یہ سنسار میرا سپنا

ہیں کثیر الاولاد مشہور ہوں میرے سات لڑکے ہیں اور پانچ لڑکیاں۔ سب کی شادی بیاہ ہو گئے۔ پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں اس کثرت سے ہیں کہ مجھے کسی کا نام یاد نہیں رہتا۔ عمر کا بھی تقاضا ہے۔ میں نوّے برس کا ہونے آیا۔ مایا بھی تقریباً اسی برس کی ہوئی۔ کہاں وہ اُس کا حسن شباب اور کہاں آج کل کی صورت۔ پہلے اُس کے رخسار گلاب کی طرح سُرخ اور اُبھرے ابھرے تھے۔ اب اندر کو پچک گئے ہیں اور جھریاں پڑ گئی ہیں۔ مُنہ میں ایک بھی دانت نہیں رہا۔ ضعف بصارت بدرجۂ غایت ہے۔ لیکن مایا کی حالت کا کیا کہنا میرا خود بھی حال ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مایا سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے اور میں الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی ہوں۔ اس کا بھی ایک نتیجہ یہ ہے کہ گٹھیا کے مرض میں برسوں سے مبتلا ہوں۔ گھٹنے اور کہنیاں اکثر سوج آتی ہیں اور درد کی ایسی چیسیں اُٹھتی ہیں کہ بے تاب ہو جاتا ہوں۔ چلا نہیں جاتا۔ لکڑی کے سہارے چلتا ہوں لیکن ہمیشہ گرنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

گرنے کے خیال کے ساتھ ہی میں گرا اور اُسی گھٹنے کے بل جس میں درد تھا۔ اس بلا کی چیسیں اُٹھی کہ میں نے بے تاب ہو کر بے اختیار چیخ ماری۔ ملازم جو پنکھا کھینچ رہا تھا۔ وہ دوڑا آیا کہ لالہ جی کیا ہوا؟ میں دیکھوں تو نہ خان پور کوئی گاؤں ہے نہ مایا میری بیوی ہے۔ نہ وہ سات لڑکے پانچ لڑکیاں اور اس کی لا انتہا اولاد ہے۔ اُسی گاؤں میں اپنی دکان کے اندر کی کوٹھڑی میں اسی طرح بیٹھا ہوں۔ یوگ واسشٹ کھلی ہوئی میرے زانو پر رکھی ہوئی ہے۔ ہاں ایک موٹا چیونٹا زور سے میرے گھٹنے کو کاٹ رہا ہے میں نے اُسے گوشت سے چھٹایا۔ اور ملازم سے پوچھا میں کتنی دیر سے سوتا اور خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔ آج آپ سوئے تو نہیں۔ ہاں کچھ جھپائیاں لے رہے تھے۔ اور ابھی ذرا کی ذرا اونگھ گئے تھے۔

مجھے کیسی حیرت ہوئی ہے کہ ذرا کی ذرا اونگھ گیا تھا۔ اور اس چشم زدن میں میں نے خان پور میں پینسٹھ سال بسر کیے۔ شادی کی۔ اولاد ہوئی۔

ملہ میں سرحدی گاؤں اور اُن کے خطرات سے واقف ہوں۔ میں نے اس چھوٹے سے قصبے کی حفاظت کے واسطے انہیں بہت سی تجویزیں بتائی ہیں اور اس طرح سے توپیں چڑھائی ہیں اور بندوقچیوں کے واسطے اس طرح کے کنگرے تجویز کئے ہیں کہ ہمیں دشمنوں سے کسی طرح کا خوف نہیں رہا ہے۔ علاقے میں کچھ سڑکیں نکالی ہیں کچھ نہریں کاٹی ہیں۔ مدرسے اور شفاخانے کھولے ہیں۔ غرض قرب وجوار میں یہ علاقہ حسن انتظام کی وجہ سے مشہور ہوتا جاتا ہے ٭

لیکن مجھے ان باتوں سے ایسی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ جیسی گھر آکر مایا کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے اور لطف سخن سے ہوتی ہے۔ ہم گھڑیوں باغ میں ٹہلا کرتے ہیں۔ یا کنار دریا بیٹھ کر لطف سبزہ و آب رواں اُٹھاتے ہیں۔ شاستر اور گیان دھیان کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ مایا ہندی اور سنسکرت بخوبی سمجھ لیتی ہے۔ اور اکثر کتابیں پڑھا کرتی ہے۔ میری طرح اُسے بھی یوگ وا سشٹ سے بہت اُنس ہوگیا ہے۔ ہماری زندگی نہایت آسودگی اور خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ مایا کا شیل سبھاؤ۔ گن کرم۔ رنگ روپ ایسا ہے کہ تعریف کرتے میرا مُنہ تھکتا ہے۔ ہم دونوں کو آپس میں سچی محبت ہے اور پریم ساگر میں ہر وقت مگن رہتے ہیں ٭

شادی کے تین سال بعد مایا کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اس کی تقریب میں خاں صاحب۔ لالہ رتی رام اور میں نے مل کر بڑی دھوم دھام کے جلسے کئے۔ میرا ساہوکارا ترقی روز افزوں پر ہے۔ اور اب میں پہلے سے بھی زیادہ مالدار آدمی بن گیا ہوں۔ سال آتا ہے اور جاتا ہے اور ہمیں پہلے سے زیادہ خوشحال پاتا ہے۔ ایک دفعہ ارادہ ہوا آؤ تیرتھ جاترا کریں۔ چنانچہ کدارناتھ۔ ہردوار۔ بدری نارائن۔ پریاگ۔ کاشی۔ جگناتھ اور سیتبندرامیشور سب تیرتھوں کی ہم نے جاترا کی۔ لائق لائق سادھو سنت اور پنڈتوں سے ملے۔ اور بہت سا دان پن کر کے خان پور واپس آئے ٭

گاؤں والے بیسیوں زندہ تھے۔ جو مجرموں کو شناخت کر سکتے تھے۔ ان میں سے سرغنوں کو پھانسیاں ہوئیں۔ اور مختلف مجرم مختلف سزاؤں کے مستحق گردانے گئے۔ مجھے نقد روپیہ تو کیا خاک ملنا تھا۔ ہاں زیور۔ کپڑے۔ برتن اور کچھ اسباب و جانور مل گئے جن کا زیادہ تر حصہ میں نے پشاور ہی میں اچھے نفع پر فروخت کر ڈالا +

بعد انفصال مقدمہ میں اپنے گاؤں یعنی بھوانی نگر میں آیا۔ لٹیروں نے تمام گاؤں جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا۔ میری املاک کی کہیں کہیں دیواریں بے نشان باقی تھیں۔ باقی اور خاک نہ تھی۔ لیکن اس نقصان کا معاوضہ تھوڑا بہت ہمیں سرکار کی طرف سے ملا۔ خاندان تمام مقتول ہو ہی چکا تھا۔ گاؤں میں جا کر میری طبیعت سخت پریشان ہوئی اور بے ثباتیٔ دنیا کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ میں نے زمین بیچنے کا انتظام کیا۔ یہ سودا بھی خاصے نفع پر ہو گیا۔ اور میں کئی ہزار روپیہ لے کر خان پور میں واپس چلا آیا ؛

شادی سے تین چار روز پیشتر میں خان پور پہنچا تھا۔ سب میرے ایسے آنے سے بڑے خوش ہوئے لیکن جو خوشی خود مجھے اور رما کو ہوئی وہ کسی کو کیونکر ہو سکتی تھی۔ ہم دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ دور دور سے بڑے بڑے آدمی بلائے گئے۔ اور کئی روز تک خوب دعوتیں اور جلسے رہے۔ خان صاحب لالہ رتنی رام کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ اور چونکہ ان کی ایک ہی لڑکی تھی۔ خان اور دیوان دونوں نے مل کر نہایت تکلف سے ہر قسم کا اہتمام کیا۔ اور کوئی نکتہ فروگزاشت نہیں کیا +

شادی کے بعد میں نے خان پور میں لالہ رتنی رام کے مکان میں ہی سکونت اختیار کی۔ یہ مکان گاؤں کے کنارے واقع ہے۔ پاس ہی ایک پہاڑی نالہ بہتا ہے۔ ساتھ ایک خانہ باغ ہے۔ جس میں انگور کی بیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ بادام کے درخت ہیں اور خوش رنگ اور خوشبودار پھولوں کے قسم قسم کے پودے ہیں۔ خان صاحب مجھ پر بڑی مہربانی فرماتے ہیں

ضرورت ہو تو وہ کر دیا کروں - ساتھ ہی یہ اجازت دے دی کہ جس طرح بھوانی نگر میں تم بنج بیوپار اور ساہوکارا کرتے تھے - اسی طرح یہاں خانپور میں اپنی کوٹھی جاری کر دو - چنانچہ دوسرے روز سے میں اپنی متعلقہ خدمات انجام دینے لگا - اور خاں صاحب اور لالہ رشی رام نے جو امدادِ زر عطا کی اُس سے کوٹھی جاری کر دی - پنڈتوں نے مایا سے میری شادی کا مہورت تین ماہ بعد کا تجویز کیا - یہ تین مہینے مجھے نہایت شاق گزرتے - لیکن اور وجہ سے اس طرح گزر گئے کہ معلوم بھی نہیں ہوئے ۔

دوسرے روز جو میں خاں صاحب کے درِ دولت پر حاضر ہوا - تو اُنہوں نے اخبار انگریزی کے ساتھ عدالت پشاور کی کچھ چٹھیاں بھی دیں ان میں مرقوم تھا کہ ڈاکو محمد خاں اور اُس کے رفقا سخت تلاش و تجسس سے سو سے زیادہ گرفتار ہو گئے ہیں - گیانی رام کا بھی بغرض گواہی شناخت مجرمان پشاور میں حاضر ہونا ضروری ہے - خاں صاحب نے حفاظت راہ کے لئے پانچ سوار میرے ہمرکاب دئے اور دوسرے ہی روز میں اپنے آقائے نامدار اور رشی رام اور مایا سے رخصت ہو کر پشاور کی طرف روانہ ہوا - مایا سے میں نے بار بار کہا کہ پیاری جدائی مجھے شاق ہے - لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات ہے - مایا معاملات کو بخوبی سمجھتی تھی - اس نے کوئی بات زبان پر ایسی نہ آنے دی نہ کسی حرکت سے یہ ظاہر ہونے دیا کہ میری جدائی اُس کے لئے باعث اضطراب ہوگی - کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ایسا کرنے سے میرا فکر و اضطراب اور بڑھے گا - ہائے اے دیوی استری! تو نے کیسے کیسے اور بے ظاہر کئے اپنے اوپر کیا کیا تکالیف اُٹھا لینی ہے - تاکہ جو تجھے پیارے ہیں انہیں تکلیف نہ ہو ۔

پشاور میں دو ماہ برابر مقدمہ ہوتا رہا - محمد خاں سے ہمارا باپ مارے کا بیر تھا - میرے والد ماجد نے اُس کے لیٹرے باپ کو کیفر کردار کو پہنچایا تھا - پٹھانوں میں پشتینی دشمنیاں جاری رہتی ہیں - اور نسلاً بعد نسلٍ عوض لئے جاتے ہیں - مقدمہ صاف تھا - مجرم مع مال گرفتار ہوئے تھے - ہمارے

اعضا ہیں اس طرح متناسب کہ کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ پھر اس پہ لطف یہ کہ تناسب ہے لاجواب
صورت تمام نور کے سانچے میں ہے ڈھلی ۔۔۔ سارا بدن ہے نسخۂ خوبی کا انتخاب
تاب و مجال کس کی کہ انگشت رکھ سکے ۔۔۔ اس انتخاب میں نہیں اک حرف ناصواب
یہ ہے کمال صنعت رب کریم کا ۔۔۔ اور وہ کمال جس کی نہ حد ہے نہ کچھ حساب
اس کو بنا کے صانع مطلق کو ناز ہے ۔۔۔ اور کیوں نہ ہو کہ صنع ہے بےمثل و لاجواب
شاباں ہے دیکھ دیکھ کے چومے گر اپنے ہاتھ ۔۔۔ صنّاع کون یوں ہوا صنعت میں کامیاب

میں نے رشی رام کے قدم پھر پکڑے - اور کہا آپ مجھے من مانگی مراد دیتے ہیں - گویا اندھے کو آنکھیں دیتے ہیں مفلس کو روپیوں کی تھیلی دیتے ہیں اور پھر پوچھتے ہیں تم منظور کرتے ہو یا نہیں - میں منظور کرتا ہوں - میرا ایشور منظور کرتا ہے - آج سے میں آپ کا غلام ہوں - یہ سنکر لالہ رشی رام نے مایا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور کہا میں نے تم دونوں کا بیاہ کر دیا - وید وکت شادی بزرگوں کی رسم کے مطابق جس وقت خاندان کے پروہت یا گرو اجازت دیں گے ہو جائے گی - اس وقت جو خوشی ہم دونوں کو ہوئی وہ دل ہی محسوس کر سکتا ہے - زبان نہیں ادا کر سکتی - یہ خبر آناً فاناً گھر میں - گھر سے محلے میں محلے سے تمام گاؤں میں پھیل گئی - اور رفتہ رفتہ خاں صاحب تک جا پہنچی - چنانچہ رات کے وقت جب وہ دعوت میں شریک ہوئے - تو میری بھی طلبی ہوئی - مجھے خلعت عطا کیا - اور مسکرا کر رشی رام سے کہنے لگے - شادی سے پہلے نوشاہ کو ایک شرط ہماری ماننی پڑیگی - میں نے کہا دل و جان سے حاضر ہوں - کہا وہ شرط یہ ہے - کہ تم لالہ رشی رام کے خانہ داماد بن کر یہیں سکونت اختیار کرو - میں مایا پر ایسا فریفتہ اور رشی رام کا ایسا دلدادہ تھا - کہ میں نے بھری مجلس بآواز بلند اس شرط کو منظور کر لیا ؞

خاں صاحب نے سو روپے ماہوار میری تنخواہ مقرر کر دی جو انگریزی علاقہ کے تقریباً پانسو روپے ہوتے ہیں - اور مجھے خدمت یہ سپرد کی کہ انگریزی اخبارات انہیں سنایا کروں - اور اگر انگریزی میں خط و کتابت کی

یہ سن کر لالہ رشی رام مسکرائے اور کہنے لگے۔ گیانی رام! تم ویدانتی ہو کر نراس ہوتے ہو۔ تمہارا تن بھلا چنگا ہے اور قلیل ترعرصے میں تم پہلے کی طرح بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔ من میں اُمنگ رکھنی اپنی ہمت پر منحصر ہے مایوس ہونا ہرگز سزاوار نہیں ہے۔ دھن آدمی جہان کو سنتش کرسے پیدا کر سکتا ہے۔ پس اگر تم ہماری سیوا کرنی چاہتے ہو تو تینوں طرح کر سکتے ہو۔ بولو تیار ہو۔ جو بات کہیں مانو گے۔ میں یہ سن کر اُچھل پڑا۔ کہ ماننا کیا سر اور آنکھوں سے بجا لاؤں گا۔ رشی رام نے کہا لاؤ ہاتھ قول مرداں جاں دارد۔ میں نے جس خوشی اور صدق دل سے ہاتھ دیا وہ میں ہی جانتا ہوں۔ کیونکہ تہ دل سے چاہتا تھا۔ کہ مجھ سے ان باپ بیٹی کی جو خدمت بن آئے۔ اُس میں جان تک بھی جائے تو دریغ نہ کرونگا۔

میری خوشی کی انتہا اس وقت نہ پوچھئے۔ جس وقت لالہ رشی رام نے مجھ سے یہ کہا کہ ہم تم سے فقط یہ قول لیا چاہتے ہیں کہ تم ہماری مایا سے بیاہ کر لو۔ میں! بیاہ کر لو کے کیا معنی۔ مایا تو جہاں زمین پر پاؤں ٹیک کر کھڑی ہو۔ میں اُسے پلکوں سے صاف کرنے کو تیار ہوں۔ اور خود مایا کا باپ مجھ سے اُس کے ساتھ شادی کو کہتا ہے۔ حیرت میں تھا۔ کہ الٰہی ماجرا کیا ہے؟ سوتا ہوں یا جاگتا ہوں۔ اس حیرت کے عالم میں چونکہ جواب میں تاخیر ہوئی۔ باپ اور بیٹی دونوں نے مجھے نگاہ حسرت سے دیکھا۔ آہ مایا! تیری وہ حسرت آلودہ نگاہ میرے دل سے نہیں جاتی۔ پیاری کیا تجھے یہ خیال تھا کہ میں کسی دینی یا دنیوی وجہ سے انکار کر دوں گا۔ میں کہ روز اوّل سے پروانے کی طرح تیرے شمع جمال پر فدا تھا۔

اور کیوں نہ ہوتا۔ خداوند کریم نے تجھے حسن بے مثال اور جمال بے نظیر عطا کیا تھا۔ گویا یہ اشعار تیری ہی شان میں لکھے گئے ہیں:۔

اشعار

آجائے دیکھتے ہی۔ جبکہ چندا اُس کا رُخ | انساں تو چیز کیا ہے؟ اگر دیکھے آفتاب
گورا بدن ہے اور بھبوکا سا رنگ ہے | ایسا کہ اُس سے مہر کرے نور اکتساب

کہ محمد خاں کے علاقہ میں جانے آپ کے علاقے میں چلے آئے۔ تاکہ جگہ کاٹ کر گھر چلے جائیں۔ لیکن تقدیر نے آپ کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔ اب ماریئے یا چھوڑیئے ٭

ہمارے خاں صاحب سرکار انگریزی کے ہوا خواہ ہیں۔ انہوں نے ان بدمعاشوں کو تو علاقۂ انگریزی میں بھیجنے کا انتظام کیا اور تم کو مجھے سپرد کیا۔ میں بھی تمہاری طرح اونچی ذات کا کھتری ہوں۔ پہلے ہمارے اور تمہارے خاندانوں میں رشتہ داریاں ہوئی ہیں۔ لیکن تمہارے بزرگ علاقہ انگریزی میں جا بسے اور ہم یہیں رہے۔ اس گاؤں میں کیا تمام سرحدی گاؤں میں یہاں تک کہ امیرِ کابل کے تمام علاقے میں جا بجا ہندوؤں کی آبادی ہے۔ پہلے یہ تمام ملک گاندھار دیش کہلاتا تھا۔ اور یہاں ہندو ہی آباد تھے۔ اب مسلمانوں کا دور دورا ہے۔ لیکن پھر بھی سب جگہ ہندو ملتے ہیں۔ میں تمہارے نام سے واقف تھا۔ خوشی خوشی تمہیں گھر لے آیا۔ محاسبت اور طبابت میں مجھے اچھا دخل ہے۔ اسی وجہ سے خاں صاحب میری عزت کرتے ہیں۔ اور دیوانی کا عہدہ عطا کر رکھا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ میری طبابت تمہارے کچھ کام آگئی ؛

پہلے روز جب تم آئے تھے تو خون جانے سے تمہارا حال ایسا ابتر ہو گیا۔ کہ مجھے تمہارے بچنے کی امید نہیں رہی تھی۔ مایا تمہیں دیکھ کر روتی تھی کہ ایشور نے ہمارے گھر مہمان تو بھیجا۔ لیکن ایسا کہ اس کی زندگی کے لالے پڑ رہے ہیں۔ لیکن دوسرے روز بہتری کے آثار نظر آنے لگے۔ تم روز افزوں ترقی کرتے رہے۔ اب پرماتما کی کرپا ہے۔ میں نے یہ داستان سن کر لالہ رسی رام کے پاؤں پکڑ لئے۔ کہ آپ میرے پتا ہیں۔ آپ نے مجھے دوبارہ زندگی بخشی۔ میں تن سے من سے دھن سے آپ کی سیوا کروں گا۔ لیکن کیا کہوں۔ تن میں زخموں نے جان نہیں چھوڑی۔ من میں خاندان کی تباہی اور اپنی بے کسی سے اُمنگ باقی نہیں رہی۔ رہا دھن وہ محمد خاں لوٹ کر لے گیا۔ آپ کی سیوا کروں تو کیونکر کروں ٭

مہینہ بھر سے کچھ زیادہ ہُوا۔ہمارے خاں صاحب گھاٹی سے طاہُوا جو میدان ہے وہاں شکار کھیلتے گئے تھے۔شام ہونے کو آئی تو واپس پھرے راستے میں تمہارے چاروں محافظوں سے مٹ بھیڑ ہوئی اور تمہاری چارپائی اور ان چاروں بدمعاشوں کو وہ یہاں لے آئے محافظوں سے بہتیرا پوچھا لیکن جب وہ نہ بولے تو حکم دیا کہ ان کے کوڑے مارنے شروع کرو۔مار کے آگے بھوت ناچتا ہے آخر ان میں سے ایک کھلا اور کہنے لگا۔ہم محمدؐ خاں کے علاقے کے پٹھان ہیں۔آج ہم نے علاقہ سرکاری میں بھوانی نگر پر دھاوا کیا۔گاؤں والوں نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ہمارے سینکڑوں آدمی کاٹ دئے۔لیکن ہم نے اپنی دانست میں عورت اور بچے تک کو بھی نہیں چھوڑا۔یہ گیانی رام ساہو کا ہے۔ اس نے خان کے بیٹے کو جان سے مارا تھا۔خان اس کی تلاش میں تھا۔کہ اسے کشتوں میں پڑا ہُوا دیکھا۔بیہوش بے شک ہو گیا تھا۔ لیکن مرا نہیں تھا۔خان کے دل پر لڑکے کا صدمہ تھا۔کہنے لگا اسے باندھ کر لے چلو۔پہلے علاج کرائیں گے۔اچھا ہو جائے گا تو سخت عذابوں سے ماریں گے۔اس کی بیوی بچے اور رشتہ دار سب نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے ہیں۔

ہم سے جتنا مال سمیٹا گیا سمیٹا اور پھر وہاں سے بھاگے کیونکہ سرکاری کمک پہنچنے کا اندیشہ لگا ہُوا تھا۔اگر ہم لوٹ میں زیادہ وقت ضائع نہ کرتے تو ممکن تھا کہ سرکاری فوج کے آنے سے پیشتر اپنے ٹھکانوں پر جا پہنچتے۔لیکن لالچ بُری بلا ہے۔ہم بہت عرصہ دراز تک لوٹ مار میں مصروف رہے۔چنانچہ جب گاؤں کو آگ لگا کر نکلے۔ اور کچھ دُور گئے تو معلوم ہُوا کہ کمک آ پہنچی۔راستے میں سرکاری سواروں سے مٹ بھیڑ ہوئے۔جب گولا چلا ہم میں سے کچھ تو بھاگے اور کچھ پکڑے گئے۔محمدؐ خاں کا ہمیں حکم تھا کہ گیانی رام کو صحیح وسالم میرے پاس پہنچانا۔ہم بھاگ کر گھاٹی میں داخل ہو گئے۔اور بجائے اسکے

حسنِ وجمال اوّل تو یوں ہی بے مثال تھا۔ اس پر خوشی کی ترنگ۔ چہرہ یوں چمکتا تھا کہ چاند کو شرماتا تھا ۔

نہ مہر روشن کا ایسا عارض نہ ماہِ تاباں کی یہ جبیں ہے
زمیں تو کیا چیز ہے فلک پر بھی تیرا ثانی کوئی نہیں ہے

اس پر پاکیزہ لباس۔ زیور۔ اور سنگار۔ میرے دل میں اس مہان دیوی کی محبّت اوّل تو اسی وجہ سے بہت تھی۔ کہ اُس نے بیماری میں مجھے موت کے مُنہ میں سے نکالا تھا۔ دوسرے اُسکے مزاج کی خوبیوں نے اوروں کی طرح مجھے بھی اپنا غلام بنالیا تھا۔ تیسرے حسن وہ شے ہے کہ میں تو آدمی تھا فرشتہ بھی ہوتا تو دل وجان سے فدا ہو جاتا ۔

قطعہ

تیرے چہرے کی ضیا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ
نور دیکھا نہیں اس طرح ہویدا ہونے

آدمی چیز ہے کیا؟ عالم بالا سے اگر
دیکھ لیتے جو ملائک بھی تو سجدا ہونے

دوپہر کے وقت لالہ رشی رام آیا اور میں تینوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں میں نے رشی رام سے کہا۔ کرپا کر کے آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں یہاں کیونکر آیا۔ اُنہوں نے یہ کہکر بات کو ٹالنا چاہا کہ آج خوشی کا دن ہے اس ذکر کو پھر کسی موقع پر موقوف رکھو۔ لیکن میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ اپنے خاندان کی تباہی مجھے معلوم ہے میری بیوی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر بے رحم وحشی ڈاکو میرے سامنے زیور اتار کر لے گئے۔ میرے دیکھتے دیکھتے میرے بچوں کو اُنہوں نے مارا۔ میرے دوست رشتہ دار اور عزیز میرے سامنے قتل ہوئے۔ مجھے یہ بھی خیال ہے کہ شاید میرا گھر جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا۔ آپ کو مجھے کچھ بتانے میں کیوں عذر ہے۔ لالہ رشی رام کو یہ سُن کر سخت حیرت ہوئی۔ وہ شاید یہ سمجھے ہوئے تھے۔ کہ مجھے یہ باتیں معلوم نہیں ہیں۔ اسی واسطے مجھے رنج پہنچانا نہیں چاہتے تھے۔ کہنے لگے جو کچھ یہاں گاؤں میں معلوم ہوا ہے۔ وہ میں سب بتا دیتا ہوں ۔

کوئی نہیں دیکھی تھی۔ جب بولتی تھی تو اُس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جب کام کرتی تھی تو مناسب اعضا کی حرکات سے دیکھنے والے کا من موہ لیتی تھی۔ کیا لالہ رشی رام اور کیا گھر کے نوکر چاکر سب اُس کو گھر کی لکشمی سمجھتے تھے۔ اور شب و روز اُسی کا مُنہ دیکھا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ بابا کی ماتا کا بہت عرصہ ہُوا انتقال ہو گیا ہے۔ گھر میں ملازموں کے سوا اور کوئی عورت نہیں تھی۔ ہاں محلے کی ایک دو ہندو عورتیں اور بہت سی مسلمان عورتیں اکثر گھر میں آتی رہتی تھیں اور سب اُس کو بیٹی کہہ کر پکارتی تھیں ٭

مجھے اس گھر میں رہتے تقریباً مہینہ بھر ہو گیا۔ تو میری حالت پہلے سے بدرجہا بہتر ہو گئی۔ اب میں کچھ چل پھر بھی سکتا تھا۔ میرے زخم تقریباً بھر گئے تھے۔ اور شکر کا مقام ہے کوئی زخم ایسا کاری نہیں آیا تھا۔ کہ کسی عضو کو بیکار کر دے۔ لالہ رشی رام کی طبابت میرے حق میں کیمیا ثابت ہوئی اور مجھے کامل یقین ہو گیا کہ قلیل تر عرصے میں پہلا سا ہٹا کٹا اور صحت ور جوان ہو جاؤں گا۔ اپنی تباہی خاندان اور بربادی جائیداد کا بھی اکثر خیال آتا تھا۔ کئی بار اس معاملے میں مَیں نے رشی رام بابا اور اُن کے ملازموں سے پوچھنا چاہا۔ لیکن ہر شخص بات کو ٹال گیا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ میرے رنج کو تازہ نہیں کیا چاہتے ٭

میرے غسل صحت کے روز لالہ رشی رام نے حقیقت میں نہایت تکلف کیا۔ تمام ملازمین اور گھر والوں نے نفیس پوشاکیں پہنیں۔ گھر کو منگل سامگری سے سجایا۔ غریبوں کو خیرات بانٹی اور شام کو دعوت احباب کا سامان کیا۔ جس میں اُن کے آقائے نامدار یعنی خان صاحب نے بھی آنے اور شریک ہونے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں نے غسل صحت کر کے کپڑے بدلے۔ سب کو خوش دیکھ کر میرا دل بھی باغ باغ ہُوا جاتا تھا۔ اور چہرے پر کچھ سُرخی کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن اس روز جیسی بابا اور رشی رام کو خوشی تھی شاید اور کسی کو نہیں تھی۔ بابا کا

کے بعد میں اس لائق ہو گیا۔ کہ سہارے سے تکیہ لگا کر بیٹھ سکتا تھا۔
یہ جمعہ کا دن تھا۔ مایا کے باپ کو آج خاں صاحب کے پاس تمام دن حاضر رہنے کی مجبوری نہ تھی۔ چنانچہ وہ صبح جا کر جلد ہی واپس چلا آیا اور میرے پاس آکر کہنے لگا "ایشور کی کرپا سے تمہاری حالت اب روزمرہ اچھی ہوتی جاتی ہے آج تمہارا بدن صاف کر کے کپڑے بدلتا ہوں" آدمی پانی لائے اور بدن تر انگوچھوں سے پونچھ کر مجھے سفید کپڑے پہنائے۔ بالوں میں شانہ کیا۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد مایا دودھ لائی۔ میں اسے پیتا تھا اور حسین لڑکی نظر بچائے ہوئے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کا والد جس کا نام مجھے بعد میں معلوم ہوا رشی رام ہے ہنس کر کہنے لگا۔ "لے مایا اب گیانی رام موت کے منہ میں سے نکل آیا۔ کوئی مہینہ بھر میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گا۔ تو غسلِ صحت کا جلسہ کریں گے۔"
مایا یہ سن کر اس طرح مسکرائی گویا اندر سے اس کا دل باغ باغ ہے۔ اور خوشی سے پھولا نہیں سماتا +

میں نے باپ اور بیٹی دونوں کا ہاتھ جوڑ کر دھنیاد کیا کہ تم نے میری جان بچائی۔ دونوں نے کہا رام رام کیا بات کہتے ہو۔ ایشور سب کے مالک ہیں جو کچھ کرتے ہیں وہی کرتے ہیں۔ آدمی کا بچ میں بہانہ ہوتا ہے ہم نے کیا کیا اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔ میں دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا تھا۔ کہ دونوں کیسے شانت سبھاؤ اور سرل چت ہیں۔ کہ نہ کبھی تیوری پر میل آتا ہے۔ نہ نفسانیت کسی بات سے ظاہر ہے۔ گویا ان مہاتماؤں کی زندگی ہی اوروں کی خدمت کے لئے وقف ہے اور ان میں سے خودی کا بیج تک اٹھ گیا ہے +

زندگی اس کی ہے جو جیتا ہے اوروں کے لئے
اس کا جینا ہیچ ہے جینا ہے جو اپنے لئے

مایا دیا اور دھرم کی گویا ساکشات مورتی تھی۔ اس پر حسن وہ پایا تھا۔ کہ عالمِ تصویر نظر آتی تھی۔ میں نے ایسی حسین عورت آج تک

اب میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔ اور مجھے اچھی طرح ہوش آگیا تھا۔ خوش رو جوان نے مجھے سہارا دے کر بٹھایا۔ اور مایا نے دودھ کا گلاس میرے مُنہ سے لگایا۔ میں نے دو روز سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ انتہا درجے کی گرمی اور پیاس محسوس ہوتی تھی۔ وہ دودھ مجھے امرت کا مزا دیتا تھا۔ میں پیتا جاتا تھا اور تسکین اور خوشی کے آنسو میری آنکھوں میں بھرے آتے تھے۔ پی چکا تو بے اختیار میری زبان سے نکلا "دیکھیا یہ مکان سوُرگ ہے۔ مہاراج آپ اندر ہیں اور یہ کنیا دیوی ہے، اور آپ مجھے امرت پلا رہے ہیں؟" یہ سن کر باپ بیٹی دونوں ہنسے اور کہنے لگے "تم مرے نہیں ہو اور ہم دیوتا نہیں ہیں۔ تمہاری طرح آدمی ہیں۔ لیکن ابھی تم کمزور بہت ہو۔ بات چیت کرنے سے تمہیں تکلیف ہوگی۔ کچھ عرصہ اور صبر کرو اور چپکے بے حس و حرکت لیٹے رہو"۔

حقیقت میں میں نہایت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ مجھے بات کرنی بھی محنتِ شاقّہ معلوم ہوتی تھی۔ دودھ پی کر میری جان میں جان آئی۔ اور میں تھوڑی دیر کے بعد سو گیا۔ یہ شام کے وقت کا ماجرا ہے۔ صبح تک میں سُکھ کی نیند سویا۔ صبح مایا کا باپ میرے پاس آیا۔ مرہم پٹی کی۔ دودھ پلایا۔ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن انگلی کے اشارے سے اُس نے منع کیا اور کہا ذرا بدن میں جان آجائے پھر جی کھول کر جتنی باتیں چاہو کرنا۔ اس کے بعد وہ تو چلا گیا۔ لیکن میرے سامنے مایا سے کہتا گیا دودو تین تین گھنٹے کے بعد دودھ دیتی رہو۔ شام کو خاں صاحب کے پاس سے آکر میں پھر پٹیاں کھولونگا۔ اور مرہم بدلونگا۔ لیکن خبردار یہ نہ بات کرے نہ ہلے جلے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ زخم پھر ہرے ہو جائیں۔

چنانچہ اسی طرح تین چار روز متواتر گزرے۔ مایا اور گھر کے نوکر چاکر میرے پاس آتے جاتے تھے۔ ہر طرح کی احتیاط رکھتے تھے لیکن نہ مجھ سے کوئی بات چیت کرتا نہ مجھے ہلنے جلنے کی اجازت تھی۔ چار روز

ہوتا تھا کہ کوئی بڑا خان ہے۔ اُس نے محافظوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو اور اس مجروح نوجوان کو اس طرح چارپائی پر باندھے کہاں لئے جاتے ہو۔ ایک محافظ دوسرے کا منہ تکتا رہا۔ لیکن زبان سے کوئی نہ بولا اس عرصے میں خان کے اور ملازم بھی آپہنچے۔ سب نے یہی رائے دی۔ کہ محافظ اور قیدی دونوں کو بستی میں لے چلو۔ وہاں پہنچ کر تمام حالات دریافت کرلیں گے۔ رات ہوتی جاتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو ان کی جمعیت آجائے اور ہم سب گرفتار ہو جائیں؟

میری چارپائی پھر حرکت میں آئی اور مجھے ایسی تکلیف معلوم ہوئی کہ پھر حالت بیہوشی طاری ہوگئی۔ اب کی دفعہ جو میری آنکھ کھلی تو نظارہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پختہ مکان کا سنگین دالان ہے میں ایک نرم اور صاف ستھرے بستر پر لیٹا ہوا ہوں۔ میرے جسم پر کئی جگہ پٹیاں بندھ رہی ہیں۔ ایک خوش رو جوان جس کی وضع سے فراست اور رحمدلی ٹپکتی ہے۔ میری پٹیاں کھول رہا ہے۔ اور ایک نوجوان سِن لڑکی مرہم کے پھائے لگاتی جاتی ہے۔ میں نے نہایت ہی سبزرس اور سُریلی آواز سے اُسے یہ کہتے سُنا "پتاجی ہولے ہولے پٹی کھولو۔ اوہو اس بچارے کو کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔ دیکھو تو سہی کیسا بدن کا بیننا ہے۔" شاید زخم سے پٹی ہٹانے کی تکلیف سے ہی مجھے بیہوشی سے ہوش آیا تھا۔

وہ حسینہ بولی۔ پتاجی یہ آنکھیں کھولنی چاہتا ہے۔ دیکھو ذرا ذرا کھولیں۔ اس سے بولو۔ خوش رو جوان نے میرا نام لے کر پکارا "گیانی رام ہوش میں آؤ۔ دو روز میں ہی تمہیں بہت فائدہ ہوگیا ہے۔ تمہارے گھاؤ بھرنے آتے ہیں۔ ایشور نے بڑی کرپا کی کہ کوئی زخم کاری نہیں تھا۔ ہوش میں آؤ گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد اچھے اور بھلے چنگے ہو جاؤ گے ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ" "بابا! دیکھو بیٹی تھوڑا سا دودھ لاؤ"

میں لے جاتے ہیں۔ بندوقیں شاید سرکاری سپاہیوں نے سرکی ہیں۔ میں نے جنگی چوکی پر کچھ آدمی اطلاع کے لئے بھیجے تھے۔ وہ کمک لے کر پہنچے ہیں دل کو ڈھارس بندھی کہ آزادی دینے والے آ پہنچے لیکن میرے لے جانے والے قدم اٹھائے چلے جا رہے تھے اور بندوقوں کی آواز لمحہ لمحہ دھیمی سنائی دیتی تھی۔ گویا اس کا فاصلہ مجھ سے برابر بڑھتا جاتا ہے تھوڑی دیر میں وہ آواز بالکل سنائی دینے سے رہ گئی ؛

اب غروب آفتاب کا وقت تھا۔ درختوں۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں مہر روشن کی شعاعیں اس طرح پڑتی تھیں۔ گویا سب جگہ سونا پگھلا کر بچھا دیا ہے۔ آسمان پر قوس قزح کے رنگ بادلوں میں نمودار تھے اور ان کے کناروں پر بھی سنہری گوٹہ لگا نظر آتا تھا۔ ہوا میں بھی وہ پہر کی سی حدت نہ تھی اور کھلی پہاڑی ہوا دل و دماغ کو تازہ کرتی تھی۔ لیکن میں اس نظارۂ قدرت کا لطف نہیں لے سکتا تھا۔ دل خاندان کی تباہی کا دھیان کر کر کے بیٹھا جاتا تھا۔ اور بدن زخموں سے چور تھا۔ اس پر لے جانے والوں کے تیز تیز چلنے سے چارپائی کو جو حرکت ہوتی تھی۔ اس سے زخموں میں اور بھی ٹیسیں اٹھتی تھیں اور میں درد سے بے تاب ہوا جاتا تھا ؛

ابھی رات کی تاریکی نے زمین و آسمان کو کالی چادر نہیں اڑھائی تھی کہ ہم گھاٹی سے نکل کر میدان میں آئے۔ لیکن ساتھ ہی کچھ گھوڑوں کی ٹاپوں کی صدا کان میں آئی۔ میرے محافظ کچھ ٹھٹکے۔ اس ٹھٹکنے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ سوار ان کی جمعیت کے آدمی نہیں ہیں۔ اگر ان کا بس چلتا۔ تو وہ میری چارپائی پھینک پھانک پھر گھاٹی میں فرار ہو جاتے۔ لیکن سوار فوراً ان کے سر پر آ پہنچے۔ اور تلواریں نکال کر کہا۔ کہ ٹھہر جاؤ۔ اگر ایک قدم بھی بڑھایا تو سر قلم کر دیں گے چنانچہ میری چارپائی زمین پر رکھوائی اور چاروں محافظوں کی مشکیں کسی گئیں ؛

سواروں کا سردار شکیل اور رشان دار آدمی تھا۔ وضع سے معلوم

نے وہ ہاتھ دکھائے کہ جو لوگ اس مکان میں آئے تھے وہ سب کاٹ دئے انہیں میں سرغنہ دشمن کا نوجوان لڑکا بھی تھا۔ سردار نے اُسے میرے ہاتھ سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا اور خود بھاگ کر جان بچائی۔ میرے بدن پر بھی کئی زخم آئے۔ میری بیوی اور بچے زار قطار رو رہے تھے۔ رشتہ داروں کی عورتیں چلا رہی تھیں۔ مجروح لڑنے والے چیخ رہے تھے کہ اتنے میں وہی سردار۔ اور اُس کے ساتھ بہت سے جوان نعرے مارتے ہوئے آئے ہم نے جان توڑ کر اُن کا مقابلہ کیا۔ لیکن اوّل تو جمعیت تھوڑی۔ دوسرے تمام زخمی، اور گھائل۔ میرے گرد بیسیں بہت سے ہمراہی کٹ کٹ کر گرے۔ ہم نے بہتیرے دشمن بھی گرائے۔ لیکن تا کجا۔ ایک ریلے میں میں خود بھی گرا اور بہت سا خون جانے اور ناتوانی سے ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھا گیا۔

میری بیوی مجھے اُٹھانے کو آگے بڑھی لیکن ہنگامے میں عورت اور مرد کی تمیز کون کرتا ہے زخم کھا کر ماری گئی۔ اور اسی کے ساتھ لڑکا اور لڑکی بھی دونوں کام آئے۔ یہ دلخراش اور جان فرسا سانحہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ لیکن کیا کر سکتا تھا۔ مجھے ہاتھ پاؤں ہلانے کی بھی طاقت نہ تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ دشمن میرا گھر لوٹ رہے ہیں اور میری بیوی کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر زیور اُتار رہے ہیں۔ یہ تصویر میری نظر کے سامنے ہے۔ اس کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ آخر ایشور پرماتما نے میرے حال زار پر رحم کیا اور یا تو اب تک میں ہوش میں تھا یا بے ہوشی طاری ہوئی۔ اور مجھے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہی۔

بیہوشی سے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک چارپائی پر دراز ہوں۔ میرے ہاتھ اور ٹانگیں کسی ہوئی ہیں اور مجھے چار آدمی تیز تیز ایک پہاڑی گھاٹی میں سے لے جا رہے ہیں۔ اسی وقت کچھ فاصلے پر بندوقیں چلتی ہوئی سنائی دیں۔ پٹھانوں کے گاؤں پر حملہ کرنے کی تصویر میری نظر میں پھر گئی۔ اور سمجھا کہ مجھے گرفتار کر کے یہ لوگ اپنے پہاڑی علاقہ

باہر تھا۔ ہمارے گاؤں والوں کے حق میں یہ امر بھی سخت مخالف پڑا اور یا تو وہ دلیرا اور شیر ہو کر تعاقب میں مارتے دھاڑتے گئے تھے۔ یا اب خود انہیں پیچھے بھاگنا پڑا۔ بھاگنے میں ترتیب اور صف بندی کہاں قائم رہ سکتی ہے۔ ادھر تو وہ گاؤں میں داخل ہوئے پیچھے سے دشمن بھی ساتھ ہی پہنچا۔ اب اس ناکے پر دشمن کا روکنا امر محال تھا۔ میں نے تمام بندوقچی اور جتنے آدمی آس پاس تھے سب کو جمع کیا۔ اور جس بازار میں میری دکان تھی اس کے سرے پر آکر صف جما دی اتنے میں ہمارے بھاگنے ہوئے ہمراہی بھی آ پہنچے۔ ان کو ہم نے صفوں کے پیچھے جگہ دی لیکن بھاگنے والوں کی ابتری بھی انہیں کے ساتھ ہماری صفوں میں جگہ پا گئی۔ دشمن کا ابتدائی ہلّہ تو جوں توں کر کے ہم نے روکا لیکن دوسرے ہلّے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ کر مکانوں میں پناہ گزین ہوئے ؂

یہ مکان سب میرے تھے اور اُن میں آمد رفت کی راہیں تھیں۔ چنانچہ ہماری باقی ماندہ جماعت دو دو چار چار کر کے میرے رہنے کے مکان میں مجتمع ہوئی۔ ہم چھتوں پر چڑھ گئے۔ عورتیں ہمیں اینٹیں پتھر دیتی جاتی تھیں اور ہم دشمنوں پر برسا رہے تھے۔ گولی بارود بہت کم پاس رہ گئی تھی۔ اس کو سخت ضرورت کے موقع پر استعمال کرنے کا ارادہ تھا۔ کچھ دیر اس طرح لڑائی ہوتی رہی۔ اتنے میں برابر کے مکان میں سے دشمنوں کا نعرۂ جنگ بلند ہوا۔ چونکہ مکان سب ملحق تھے دشمن کسی مکان میں سے ہو کر اور روکنے والوں کے نہ ہونے سے یہاں تک آ پہنچے تھے ؂

اب ہمارے لئے سوا اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ کہ نیچے اُتر کر یا تو اطاعت قبول کریں یا کچھ دشمنوں کو تہ تیغ کر کے آپ بھی ملک عدم کا راستہ لیں۔ ہماری آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ جوش سے دیوانے ہو رہے تھے۔ کچھ دیکھنا نہ تھا۔ دھم دھم کرتے چھت سے نیچے اُترے اور میرے رہنے کے مکان میں جو دشمن گھس آئے تھے۔ اُن پر جھک پڑے ہم

کے ساتھ جم کر کھڑے تھے۔ جو دل چلے دشمن اوروں سے آگے بڑھ کر وار کرتے تھے وہ اکثر کھیت رہتے تھے۔ ہمیں بڑا بھاری فایدہ یہ تھا کہ ہم چھتوں پر سے گولیاں اور پتھر برسا رہے تھے اور سڑک پر بھی دیواروں اور مکانوں کی آڑ تھی۔ دشمن کئی بار بڑے کشت و خوں کے ساتھ پس پا ہوئے۔ لیکن اس مرتبہ انہوں نے بڑے جوش میں آکر حملہ کیا۔ بے باکانہ بڑھتے چلے آئے گولیوں اور پتھروں سے بہتیرے خاک و خون میں سوئے۔ لیکن مردانہ وار ڈٹے رہے اور بڑھتے گئے۔ لوہے سے لوہا بج رہا تھا۔ بندوقوں کی دھائیں ہو رہی تھی۔ زخمی اور ادھ موئے تکلیف سے چیخیں مار رہے تھے۔ دونوں طرف سے جنگ کے نعرے بلند تھے۔ ہماری صفوں میں کچھ کھلبلی سی مچ گئی لیکن ہمت والے تجربہ کار جنگ آزمودہ دلیروں نے للکارا کہ خبردار پیچھے نہ ہٹنا۔ مرو اور مارو ؎

گر مرد ہو اعدا کو نہ تم پشت دکھانا ہمت کا تقاضا ہے یہ مرجاؤ کہ مارو
یہ خوں میں نہانے کیلئے آئے ہیں ان میں تلوار کے گھاٹ آؤ انہیں سب کو اتارو

یہ سن کر ہمارے گاؤں والوں کا جوش بڑھا اور اس طرح دشمن پر پل پڑے کہ انہیں پیچھے ہٹتے ہی بن پڑی۔ اُن کا پیچھے ہٹنا تھا کہ ہماری ہمت اور بڑھی۔ ہم نے دیواروں اور مکانوں کی آڑ چھوڑی اور دشمن کو مارتے ہوئے گاؤں کے باہر میدان میں نکل آئے۔ یہی بڑی غلطی تھی۔ دشمن کی تعداد اتنی تھی۔ کہ کھلے میدان میں ہم مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ میں بندوق لیئے چھت پر کھڑا یہ تمام ماجرا دیکھ رہا تھا۔ دشمن اوّل تو پیچھے مُنہ کرکے بھاگے لیکن میدان میں جا کر پلٹ پڑے۔ ہمارے گاؤں والے جو اُن کے تعاقب میں چلے آتے تھے۔ یہ دیکھ کر سٹ پٹا گئے۔ دشمن تین طرف سے اُن پر پل پڑے اور دم کے دم میں بہتوں کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دیا +

اب جس مقام پر لڑائی ہو رہی تھی۔ وہ ہماری بندوقوں کی زد سے

میں کچھ پریشانی اور گھبراہٹ نہیں ہے - بلکہ آہستہ آہستہ آ رہے ہیں - گویا نہیں اپنی تعداد پر پورا پورا بھروسہ ہے کہ ہمارا مقابلہ کون کر سکتا ہے - دل کھول کر لوٹیں گے اور جتنے آدمی چاہیں گے اپنے ساتھ گرفتار کر کے لے جائیں گے میں نے اس قسم کے کئی حملے دیکھے تھے - لیکن اتنی تعداد کثیر کبھی نہیں دیکھی تھی - میرے بھی اوسان خطا ہوئے - لیکن گاؤں میں سب سے دولتمند میں تھا - سب سے زیادہ پڑھا لکھا آدمی میں تھا - ساتھ ہی جوش جوانی کی ترنگیں تھیں - دل مضبوط کر کے ہمّت باندھی اور لڑنے مرنے کو مستعد ہو کر نیچے اُترا +

گاؤں میں داخل ہونے کا راستہ صرف جانب شمال سے تھا - اس ناکے کو روکنا ہمارا فرض اہم تھا - چنانچہ کچھ آدمی تو ہم نے بازار کی حفاظت کو چھوڑے اور باقی سب شمالی کوچے کی حفاظت کو بڑھے - جو اونچے اور نیچے مکان وہاں تھے ان پر بندوقچی بٹھائے اور شہزور جوان ادھیڑ اور کچھ تن و توش والے بڈھے سڑک پر مقابلہ کرنے کو کھڑے ہوئے - اتنے میں دشمن بھی بندوق کی زد تک آ پہنچے - ان میں سے ایک کشیدہ قامت جوان نے صف سے آگے بڑھ کر باواز بلند کہا - اے بھوانی نگر والو! مقابلہ بے سود ہے - اگر تم ہم سے مقابلہ کے ساتھ پیش آئے تو یاد رکھنا بچّہ بچّہ تک مارا جائے گا - اس لئے مقابلے سے باز آؤ اور ہمیں لوٹنے دو - ہمارا گیانی رام سے باپ مارے کا بیر ہے ہم اسی کا گھر لوٹینگے - اور اس کو ہی پکڑ کر لے جائیں گے - اور گاؤں والوں سے ہمیں کچھ سروکار نہیں ہے +

ہم سب جانتے تھے - کہ یہ وعدے قابل اعتبار نہیں ہیں - چنانچہ اس کے جواب میں ہم نے نعرۂ جنگ بلند کیا - اُسی وقت میری بندوق کی گولی اس کشیدہ قامت جوان کے سینہ پر لگی اور وہ اُچھل کر اور چیخ مار کر گرا - اب کیا تھا دونوں طرف سے دار و گیر کی صدا بلند ہوئی - پٹھان جوش و خروش کے ساتھ جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے تھے - ہم استقلال

چار تند کشیدہ نوجوانوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر کہا۔ ساہ جی ہم چار بھائی اپنے کھیت میں جو گاؤں سے نصف میل کے فاصلے پر واقع ہے ہل چلا رہے تھے۔ دور سے ہمیں ڈھول اور شہنائی کی صدا سنائی دی۔ میں ایک اونچے درخت پر چڑھا اور دیکھنے لگا کہ کہیں دھاڑ تو نہیں آئی دیکھتا کیا ہوں کہ فاصلے پر پٹھانوں کا ایک جم غفیر چلا آتا ہے۔ یہ لوگ مسلح ہیں۔ اور ہمارے گاؤں کی طرف چلے آتے ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں کبھی دھاڑ نہیں آئی۔ اکثر لوگوں کے پاس چھوے یا لٹھے ہیں۔ لیکن کچھ بندوقیں بھی چمکتی نظر آتی تھیں۔ ہم سب بے تحاشا بھاگے کہ چل کر گاؤں والوں کو اطلاع کر دیں کہ سب ہوشیار ہو جائیں؟

میں چونکہ گاؤں کا پشتینی ساہوکار تھا۔ سب میرا ادب اور عزت کرتے تھے۔ ماسوا اس کے چونکہ طاقتور نوجوان بھی تھا۔ اس وجہ سے مجھ سے توقع بھی کی جاتی تھی کہ بچاؤ کی تجاویز میں سب سے زیادہ حصہ لوں۔ گاؤں میں سب سے محفوظ حصہ بھی مقام تھا۔ جہاں میری دکان واقع تھی۔ اور محلوں سے عورتیں اور بچے بھاگے چلے آتے تھے۔ ہم نے انہیں اپنے مکانوں میں جگہ دی۔ چن چن کر مختلف مقامات پر آدمی کھڑے کئے اور جتنے ہتھیار گاؤں میں سے مل سکے وہ تقسیم کئے میرے ہاں چار بندوقیں تھیں۔ چار پانچ اور گاؤں میں سے ملیں۔ ایک میں نے خود لی۔ اور باقی کچھ تیر اندازوں کو دیں۔ یہ انتظامات ابھی ختم ہونے میں نہیں آئے تھے کہ ڈھول اور شہنائی کی آواز ہمارے گاؤں میں آنے لگی۔ جب کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہیں رہا۔ تو ہم نے تین مختلف راستوں سے تین آدمیوں کو جنگی چوکی پر اطلاع کرنے کے واسطے روانہ کیا۔ اور کچھ آدمی چھتوں پر چڑھ کر دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔

کیا دیکھتا ہوں سینکڑوں آدمی لٹھ چھریاں اور بندوقیں لئے چلے آتے ہیں۔ آگے آگے کئی ڈھول اور شہنائی والے ہیں۔ اس جماعت

کہاں آتی ہے اکثر بیٹھا ہُوا یوگ واسشٹ کا ہی مطالعہ کیا کرتا ہوں۔ یہ وقت بھی فرصت کا ہوتا ہے۔ کاروباری آدمی زیادہ تر صبح یا شام کو آتے ہیں۔ اس وقت کوئی مخل نہیں ہوتا مزے سے بیٹھا ہُوا پڑھا کرتا ہوں اور خوب لطف لیا کرتا ہوں ۔

ایک دن گرمی سخت تھی۔ میں اندر بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اور ملازم پنکھا کھینچ رہا تھا۔ شاید گرمی کا باعث تھا۔ کہ کتاب پر طبیعت نہیں جمتی تھی ایک شلوک کو میں بار بار پڑھ چکا۔ لیکن نفس مطلب نہیں کھلا۔ مجھے جھپکی سی آئی کتاب ہاتھ میں تھی۔ اور شلوک سوچ رہا تھا۔ کہ یکایک شور و غل کی سی آواز کانوں میں آئی۔ میں یکایک گھبرا کر اُٹھا کہ کیا معاملہ ہے ۔

اندر کی کوٹھڑی سے نکل کر باہر کی دکان میں آیا۔ یہ ہمارے مختصر سے بازار کے بیچوں بیچ واقع تھی۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ پریشان حال بھاگے چلے آتے ہیں۔ اُن کے چہروں سے خوف اور گھبراہٹ برستی ہے اور ایسے سٹ پٹائے ہوئے ہیں گویا کوئی سانحہ عظیم پیش آیا ہے یا آنے والا ہے۔ یہ سب میری ہی دکان کی طرف بھاگے چلے آتے تھے۔ گویا مجھے کسی واقع کی اطلاع دینے آتے ہیں۔ جب کچھ آدمی دکان کے قریب آکر ٹھیرے تو میں نے اُن سے پوچھنا چاہا کہ ماجرا کیا ہے۔ لیکن بھاگتے بھاگتے ان کا دم چڑھ گیا تھا اور صاف طور سے بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اتنے میں کچھ اور آدمی بھی آ گئے۔ وہ بھی اسی طرح سے پریشان حال تھے ۔

سب ساتھ کے ساتھ شور و غل مچاتے تھے۔ اس وجہ سے بات ایک کی بھی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ہاں اتنا سمجھ میں آیا۔ کہ سرحدی پٹھان دھاڑ مارنے آئے۔ میں نے بمشکل تمام اس طوفان بدتمیزی میں خاموشی کا حکم دیا۔ اور گاؤں کے نمبردار سے جو میرے سامنے بدحواس سا کھڑا تھا پوچھا کہ خاں صاحب بات تو بتاؤ کیا ہے۔ اُس نے تین

تھوڑے سے الفاظ میں اتنا مضمون بھرا ہوتا ہے اور اس خوبی اور عمدگی سے کہ شلوک پڑھ پڑھ کر طبیعت پھڑک جاتی ہے زبان کی شیرینی بندش کی چستی اور طرز ادا کی خوبصورتی ایسی ہے کہ داد نہیں دی جا سکتی اور گیان کا تو کیا کہنا ہے۔ بہت ہی اعلےٰ درجے کا ہے وسشٹ جی "درشٹی سرشٹی واد" کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی یہ دنیا جس کو معمولی آدمی سچا اور واقعی جانتے ہیں۔ گیانی کی نظر میں محض خواب کا سا نقشہ ہے۔ جب تک نظر کے سامنے ہے اس وقت تک معلوم اور محسوس ہوتی ہے۔ جب اس سے نظر ہٹی مثلاً سپنے یا سشپتی میں تو یہ بھی غائب ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ من میں واسنا باقی رہتی ہے۔ بیدار ہو کر پھر وہی صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ حالانکہ بیدار ہونے پر جو دنیا محسوس ہوتی ہے وہ پہلی دنیا نہیں ہوتی بلکہ من نئی پیدا کرتا ہے ٭

جو لوگ فلسفۂ ویدانت سے آشنا نہیں ہیں انہیں یہ باتیں شاید حیرت انگیز معلوم ہوں لیکن میں نے یہ فلسفہ پڑھا ہے۔ اس پر غور کیا ہے۔ اور اس میں استغراق حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ باتیں عجیب معلوم نہیں ہوتیں بلکہ اظہر من الشمس اور نہایت معقول معلوم ہوتی ہیں۔ اور سچ پوچھو تو جو رس مجھے ان خیالات میں آتا ہے۔ وہ اور خیالات میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ ویدانت کی پستکوں کے سوا اور کتابوں میں دل بھی نہیں لگتا۔ اور اصحاب مضامین مختلفہ کی کتابوں کو کیسی ہی لیاقت کی کیوں نہ سمجھیں۔ میری نظر میں وہ بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں ٭

چونکہ یوگ واسشٹ میں زبان۔ شاعری اور گیان تینوں کا لطف بہت اعلےٰ ہے۔ اس وجہ سے یہ کتاب میرے مطالعہ میں اکثر رہا کرتی ہے۔ یہاں گرمی کے موسم میں سخت لو چلتی ہے۔ دوپہر کے وقت تو زمین اور آسمان ایسے تپتے ہیں کہ الاماں الامان۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم بھاڑ میں تپ رہے ہیں۔ ہمارا گاؤں چونکہ دامن کوہ میں واقع ہے۔ یہاں طپش اور بھی بلا کی ہوتی ہے۔ دوپہر کے وقت میں دکان پر ہی ہوتا ہوں اگرچہ اندر کی کوٹھڑی میں بیٹھتا ہوں اور ملازم برابر پنکھا کھینچتے رہتے ہیں لیکن گرمی میں نیند

تو دور کنار انہیں اکثر زک دی ہے۔ کئی بار بہتیرے ڈاکو پکڑ کر جیلخانے بھی بھجوائے ہیں۔ پس ڈاکے کا خوف ہمارے واسطے کچھ باعث خطر نہیں ہے بلکہ ایک معمولی سی بات ہے۔ اور ہم اس کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ اس سے ہماری زندگی میں کچھ نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ کھاتے پیتے ہیں۔ کام کاج شادی بیاہ کرتے ہیں۔ غرض جیسی اور لوگوں کی زندگی گزرتی ہے اسی طرح ہماری بھی گزرتی ہے۔

میری شادی بچپن میں ہوئی ہے۔ بیوی اچھے گھرانے کی نہایت نیک معاش اور خوبصورت عورت ہے۔ ہم دونوں بڑی محبت اور خوشی کے ساتھ رہتے سہتے ہیں۔ اولاد میں ایک لڑکا اور چھوٹی سی لڑکی ہے میرے والد کے انتقال کو کچھ عرصہ ہوا دکان کا کاروبار اور ہنڈی پرچے کا بیوپار میں خود کرتا ہوں۔ لڑکے کی نسبت کے پیغام کئی آچکے ہیں۔ لیکن میں نے ابھی کہیں منظوری نہیں دی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے والد نے مجھے انگریزی بھی پڑھائی تھی۔ میں چھوٹی عمر کی شادیاں پسند نہیں کرتا ہوں۔ میرا ارادہ لڑکے کو انگریزی پڑھانے کا ہے۔ ابھی وہ پٹنا در میں پڑھتا ہے۔ انٹرینس پاس کر لیا تو میں اس کو لاہور کے کسی کالج میں داخل کرا دوں گا۔ میں نے خود بھی کالج میں تعلیم پائی ہے لیکن انگریزی سے مجھے ایسا انس نہیں ہے۔ جیسا سنسکرت سے ہے۔ یہ مقدس زبان میں نے کالج میں ہی نہیں پڑھی۔ بلکہ گھر پر پنڈت سے پڑھتا رہا ہوں۔ میرے والد بھی سنسکرت میں خوب ماہر تھے۔ اور ویدانت پر تو دل وجان سے فدا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں سنسکرت کی کتابوں اور خاص کر ویدانت کی پستکوں کا بہت اچھا ذخیرہ ہے۔ میں بھی مزے لے لے کر ویدانت کے گرنتھ پڑھا کرتا ہوں۔

ان میں سے یوگ واسشٹ سے مجھے خاص الفت ہے۔ بلحاظ شاعری کے یہ کتاب نہایت اعلیٰ درجے کی ہے۔ مضامین کی جدت اور فکر کی ندرت قابل دید ہے۔ اس پر بندش ہے کہ لاجواب اور نایاب ہے۔

دیر بعد وہ مجھ سے مخاطب ہُوا اور کہا۔ بابا جی! فرمائیے کیا چاہیئے۔ میں نے کہا واہ سیٹھ جی۔ خوب یوگ واسشٹ پڑھتے ہو۔ بھائی یہ آتما تو پورن کام ہے۔ اسے کیا چاہیئے ÷

یہ سن کر سیٹھ نے کہا۔ آپ پنڈت معلوم ہوتے ہیں۔ آئیے بیٹھئے۔ ہمارے دھنیہ بھاگ ہیں۔ کہ گھر بیٹھے مہاتماؤں کے درشن ہوئے۔ مہاراج میں بیٹھا اور گیان کی باتیں چھڑیں ان میں ایسا رس آیا کہ شام ہوگئی۔ اور ہم دونوں کو خبر نہ ہوئی کہ وقت کیونکر گزرا۔ سیٹھ نے اصرار سے مجھے اپنے مکان پر ٹھہرایا۔ رات کو پھر وہی حرف حکایت درمیان میں آئی۔ میں نے پوچھا سیٹھ جی۔ تم امیر آدمی ہو۔ اس پر شاستر کی یہ تحصیل اور پھر لطف یہ کہ جو بات کہتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارا دل اسے محسوس کرتا ہے۔ ہمیں بھی تو اس کا بھید بتاؤ۔ ہم پنڈت ہیں۔ لیکن ہمارے پاس لفظوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سیٹھ ہنسا اور کہنے لگا۔ میری زندگی میں ایک دفعہ ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آیا۔ کہ میں کرتارتھ ہوگیا۔ سنیئے مہاراج آپ کو سناتا ہوں ÷

گیانی رام کی عجیب سرگزشت

میرا نام گیانی رام ہے۔ اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ کھتری ہوں۔ میں ہمارا گھرانا آس پاس کے گاؤں میں مشہور ہے۔ ہم عزت دار لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ اور پرمیشور کی کرپا سے کھاتے کماتے آدمی ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں سے ہمارا لین دین ہے۔ ساہوکاروں میں ہماری ساکھ ہے۔ دکان اچھی چلی ہوئی ہے۔ غرض ہم ہر طرح آسودہ حال ہیں ÷

اس میں شک نہیں۔ کہ ہمارا گاؤں سرحد سے زیادہ فاصلہ پر واقع نہیں ہے اور میری ہی یاد میں کئی بار سرحدی افغانوں نے اس پر حملے کئے ہیں۔ لیکن ہم بھی تو آخر سرحد ہی کے رہنے والے ہیں۔ ڈاکہ آیا ہے تو ہم نے جان توڑ کر مقابلہ کیا ہے۔ اور ڈاکوؤں سے ہارنا

سوامی برہمانند کا ارشاد سن کر ایک سادھو نے کہا - مہاراج چاروں سادھنوں میں وویک سب سے پہلا سادھن ہے - اور حق سے باطل کی تمیز کو وویک کہتے ہیں - جس شخص نے یہ سمجھ لیا - کہ آتما ست ہے - اور یہ دنیا نمودی خواب کی طرح جھوٹی ہے - اُسے وویکی یا باتمیز کہتے ہیں - یہ تعریف کہنے کو دو لفظ اور ایک بات ہے - لیکن اس کا سمجھ میں بیٹھانا مشکل کام ہے - پڑھنے کو تو یہ لفظ میں نے سو دفعہ ویدانت کی کتابوں میں پڑھا تھا مگر اس کے معنی مجھ پر برسوں میں جا کر منکشف ہوئے +

میں ایک سادھو کا بیٹا ہوں - میرے باپ بڑے پنڈت آدمی تھے - دور دور سے لوگ ان کے پاس شاستر پڑھنے آتے تھے - اس لئے ویدانت ہمارے گھر کا علم تھا - میں نے بھی اپنے باپ سے یہ شاستر تمام و کمال پڑھا - لیکن میں علم الیقین ہی کے درجے میں رہا - حق الیقین اور عین الیقین کے مدارج پر نہیں چڑھا - میرے پتا اکثر مجھے کہا کرتے تھے کہ بیٹا ویدانت کی کتابیں پڑھ لینے سے کچھ حاصل نہیں ہے - انوبھوا یا کیفیت نفس حاصل کرو - ان باتوں سے میرے دل پر چوٹ لگتی تھی - لیکن انوبھو ہوتے ہی سے ہوتا ہے - کرتا تو کیا کرتا - جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کی جگہ میں پڑھانے لگا - لیکن

آدمی آدمی میں انتر ہے کوئی ہیرا ہے کوئی کنکر ہے
اُس سے مل جو ہے رہ کا واقفکار خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

میں اوروں کو پڑھاتا تو تھا - مگر اپنی حالت پر مجھے افسوس آتا تھا - کہ اس طرح طوطے کی مانند لفظ رٹ لینے سے کیا فائدہ ہے - آخر میں نے باپ کے ایک لائق چیلے سے کہا - بھائی یہ مندر اور پڑھانا تم سنبھالو - میں کچھ عرصے تیرتھ یاترا کرونگا - چنانچہ گھر سے نکل کر سال بھر تک جگہ جگہ پھرتا رہا لیکن شانتی نصیب نہیں ہوئی - پھرتے پھراتے میرا گذر پشاور سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں بھوانی نگر میں ہوا یہاں بازار میں ایک دکان پر ایک سیٹھ یوگ واسشٹ پڑھ رہا تھا - میں بھی کھڑا ہوگیا تھوڑی

یعنی تمیزِ ہست و نیست - دویم برآگ یعنی نفرت از دنیا - سوم شمادی کھٹ سمپتی یعنی شم وغیرہ چھہ تحصیلات جن میں شم یا تسکین قلب - دم یا ضبط حواس - اُپ رتی یا سیری از جسم و جسمانیات - تِتکشا یعنی تحمّل - شردھا یا اعتقاد اور سمادھان یا استغراق شامل ہیں - اور چہارم مموکشنا یعنی شوق نجات ہے+

یہ ہیں نے مختصراً ان اصطلاحات کے معنی بیان کر دئے ہیں -

سادھوؤ اتم ایسی کہانیاں شروع کرو - جن سے چاروں سادھنوں کی بخوبی تشریح ہو جائے - اور ہر شخص کو آئینے کی طرح مطلب صاف نظر آئے - ساتھ ہی اُن کتھاؤں کے ضمن میں ایسی عملی باتیں بیان کرو - جن سے کیا مبتدی کیا منتہی دونوں کو یکساں فائدہ پہنچے اور اُن پر عمل کرنے سے ہر ایک شخص کو ان اعلےٰ درجے کی عقلی اور اخلاقی فضائل میں دسترس بہم پہنچے - یاد رکھو کہ تعلیم اچھی وہی ہوتی ہے - جس سے عملی نتائج معتدبہ حاصل ہوں - جب تمہاری کتھائیں ختم ہو جائینگی - تو ہم بھی ان چاروں سادھنوں پر اپنے خیالات ظاہر کریں گے ۱۰

باب دوم - سادھن چتشٹے

پہلا سادھن - وویک یا تمیزِ ہست و نیست

پانچویں سادھو کی کہانی

وویک معمولی نظر سے

ہمت کی نگاہ میں ہے مشکل کیا چیز — چڑھ بام معرفت پہ اے یارِ عزیز
دنیا ہے نیست ہست ہے تیری ذات — بس ہست و نیست میں ہے اتنی ہی تمیز

میں پھر ہاتھ اُٹھا کر کہتا ہوں۔ کہ سادھوؤں کی نسبت گرہستیوں میں ویدانتی زیادہ ملتے ہیں۔ جو لوگ گرہست کے فرائض بھی ادا کرتے ہیں اور گیان کے کوچے میں بھی داخل ہیں۔ اُن کے لئے دنیا اور دنیا کے دھندے ایسے تکلیف دہ نہیں جیسے عوام النّاس کے لئے ہوتے ہیں۔ یہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے الگ ہیں۔ شانتی اور آنند سے عمر بسر کرتے ہیں۔ خوش خوش جیتے ہیں۔ خوش خوش مرتے ہیں۔ غرض اس دارِ عبرت میں آنے کا جو پھل ہے وہ انہیں ہی نصیب ہوتا ہے ؏

پس سادھوؤ۔ ایسے اُتم شاستر کو چھوڑ کر جو ہماری میراث آبائی ہے جو آنند کا بھنڈار ہے۔ جو دنیا کا سب سے اعلےٰ فلسفہ ہے۔ اگر ہم سنسار کے دکھوں میں ہائے ہائے کیا کریں تو قصور ہمارا ہی ہے اور کسی کا نہیں۔ میری صلائے عام ہے۔ آؤ ویدانت کی راہ میں تمہیں شانتی نصیب ہو گی۔ آؤ ویدانت کے کوچے میں تم سرورِ لایزالی سے بہرہ ور ہو گے۔ یہاں شانتی ہے۔ یہاں سکھ ہے۔ ایک کے واسطے نہیں سب کے واسطے۔ سب اس شاستر کے پڑھنے کے ادھکاری بن سکتے ہیں۔ کسی کو روک ٹوک نہیں ہے۔ اور ادھکاری بن کر یہ شاستر پڑھ لیا۔ تو دنیا کے بندھن سے چھوٹ گئے اور اُس آنند میں مگن ہو گئے۔ جس کی مثال اور نظیر نہیں ہے ؏

ویدانت کا ادھکاری وہ شخص ہے جس میں ویدانت پڑھنے کی لیاقت ہے۔ اور یہ لیاقت خاص اوصاف کی مزاولت و مشق کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر ایک علم کی تحصیل کے لئے خاص خاص قسم کی تیاری ضروری خیال کی جاتی ہے۔ جس کے بغیر اس علم کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ اُس کو سادھن کہتے ہیں۔ ویدانت پڑھنے کا ادھکاری وہ شخص خیال کیا جاتا ہے جس نے چار طرح کے سادھنوں میں مشق بہم پہنچائی ہو۔ اُن کے نام مندرجۂ ذیل ہیں۔ اوّل وویک

پکار پکار کر رہی ہے کہ مہاجوگیشور سری جی شری کرشن مہاراج جنہوں نے گیتا کہی ہے۔ راج کاج اور کرم دھرم میں برابر مصروف و مشغول رہتے تھے +

ویدانت کی نسبت اس قسم کے غلط خیالات بالکھنڈیوں کے پھیلائے ہوئے ہیں۔ کہ یہ شاستر آدمی کو معطل و بیکار بنا دیتا ہے۔ یہ اعلےٰ درجے کا شاستر تو کاروبار کرتے ہوئے لوگوں کو جیون مکتی کی راہ دکھاتا ہے اور اعلےٰ سے اعلےٰ مدارج روحانی پر پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے۔ ہاں اسے پڑھ کر بہت ہی بیراگ ہونے کے باعث کوئی برلا آدمی گیروے کپڑے پہن کر جنگل میں جا کر رہنے لگے۔ تو اسے اختیار ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں میں سے ایسے شخص کتنے ہوتے ہیں +

لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہندوستان گیروے کپڑے پہننے والوں سے بھرا ہوا ہے۔ جو خود تو کام کرتے نہیں۔ اوروں کی روٹیاں توڑنے والے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کیا یہ گیروے کپڑے پہننے والے اور کہلانے والے سادھو گیانی پنڈت یا ویدانتی ہیں۔ ان میں سے سو میں سے ننانوے آدمی ایسے ملیں گے جو جاہل مطلق ہیں۔ اور جنہوں نے اپنے پیٹ پالنے کو رنگے سابوں کی طرح یہ بستر دھارن کئے ہیں جیسے اور پیشوں سے آدمی پیٹ بھرتے ہیں۔ انہوں نے گداگری پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ قصور ان لوگوں کا ہے۔ جو ان پیشہ ور بھیک منگوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیں۔ تو یہ اس طرح نکھٹے ہرگز نہ رہنے پائیں +

ویدانت پڑھے ہوئے سادھو تو ہزاروں میں تھوڑے سے ہی ملتے ہیں اور پھر ایسے جو سنسار کو چھوڑ کر من کی برکت ہونے سے بیراگی ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد تو بہت ہی تھوڑی ہے۔ ان لوگوں کو کسی کے آگے ہاتھ پسارتے ہوئے کبھی نہ دیکھو گے۔ ان کی طرف تو قدرت کی تمام قوتیں خود کھینچی ہیں۔ کہ یہ کچھ ہم سے گرہن کر کے ہمیں پوتر بنائیں۔ انہیں کہیں جانا ضرور نہیں +

گیان کے یہ معنی ہیں آدمی سوچے میں کیا ہوں - یہ دنیا کیا ہے اور خدا کیا ہے؟ یہی تین سوال حل کرنے کے لائق ہیں - جس نے انہیں حل کر لیا - اُس کے لئے کچھ کرنا باقی نہیں رہا - اور ان کا حل جیسا ویدانت شاستروں میں ہے دنیا کے کسی فلسفے میں نہیں ہے - یہ اُتم شاستر آدمی کو بتاتا ہے کہ حقیقت میں وہ کیا چیز ہے - اور اس صفائی اور عمدگی سے کہ جتنا وہ پڑھتا جاتا ہے - شک و شبہات مٹتے جاتے ہیں اور گیان کے بام بلند پر چڑھتا جاتا ہے - اسی کو فکر عقبےٰ کہتے ہیں - باقی تمام فکر عقبےٰ فسانہ یا کہانی ہے ؂

ہر ایک موقعے سے فائدہ اُٹھا کر آدمی کو دنیا سے ہٹنا اور فکر عقبےٰ میں مصروف ہونا چاہیئے - دنیا سے ہٹنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب گیروے کپڑے پہن - سر منڈا - کان پھاڑ - فقیر بن جائیں - اصلی سنیاس دل سے ہونا ہے - نہ بیرونی ٹیپ ٹاپ سے ؂

جو ہر ساعت از تو بجائے رود دل ‌‌ ‌ ‌ بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
ورت مال و جاہست و زرع و تجمل ‌ ‌ ‌ چو دل باخدا ئیست خلوت نشینی

سعدی کا اسی مضمون کا یہ قطعہ بھی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ؂

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع ‌ ‌ ‌ خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار
حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست ‌ ‌ ‌ درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ دنیا و ارنا پائیدار ہے اور اس سمجھ سے نیک اعمال - ایشور بھگتی - یوگ یا گیان میں مصروف ہوتا ہے وہ گرہست کے کام کرتا ہُوا بھی پورا سنیاسی ہے - ویدانت کی یہ تعلیم ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ اس شاستر کے پڑھنے والے اپنے فرائض سے منہ موڑ کر جنگل میں جا بیٹھیں - مہاراجہ جنک جو گیانیوں کے سرتاج ہیں - ایک وسیع سلطنت کے راجہ تھے - یاگیہ ولکیہ جو ویدانت کے بڑے بھاری آپدیشٹا ہیں - گرہستی تھے - وسشٹ مہاراج جن کی کتاب یوگ واسشٹ ویدانت کا خزانۂ عامرہ ہے - مہاراجہ دشرتھ کے پروہت تھے - مہابھارت

جائے گی۔ تو اعلےٰ مدارج خود بخود ان لوگوں کی نظر میں آتے چلے جائینگے،
دوسرا قدم یوگ یا ریاضت ہے۔ اس میں یکسوئے طبیعت کے وسائل اور ذرائع پر عمل کیا جاتا ہے اور آدمی طرح طرح کے ابھیاس یا ریاضتیں یا مشقیں کرتا ہے۔ جن کی مختلف گھرانوں میں مختلف صورتیں ہیں۔ مگر سب کا مآل یا معراج ایک ہے۔ یعنی خاص قسم کی مشق کے وسیلے سے دل کو اور سب چیزوں کی طرف سے ہٹاتا اور ایک نقطۂ معینہ پر لگانا۔ کثرت مزاولت سے انسان کو یہ قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ دھیان جمنے لگتا ہے اور آنند آنے لگتا ہے +
تیسرا قدم بھگتی یا عشق الٰہی ہے۔ جس میں انسان بندِ خودی سے آزاد ہو کر اور اپنی ذات کو ہیچ سمجھ کر اپنے سب کام رضائے الٰہی پر چھوڑتا ہے۔ ہر ایک چیز کو خدائے کریم کی حکمت و رحمت جانتا ہے اور اس کے دل میں دریائے محبت اس طرح جوش زن ہوتا ہے۔ کہ جو ذرا ذرا سی باتیں معمولی آدمیوں کو محض معمولی معلوم ہوتی ہیں۔ انہیں سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ دل بیتاب ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات حالت وجد طاری ہو جاتی ہے +
گیان یا معرفت انتہائی درجہ ہے۔ اس میں حجابِ دوئی اُٹھ جاتا ہے اور عبد اپنے تئیں ذات معبود محسوس کر کے آنند کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے۔ یہ انتہا ہے جس کے واسطے پہلے تین درجے زینوں کا کام دیتے ہیں۔ کرم۔ یوگ۔ اور بھگتی من کے شدّھ کرنے کے ذریعے ہیں۔ جو آدمی کو گیان کا ادھکاری بنا دیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ایک آدمی ان تینوں درجوں میں سے گزر کر ہی گیان کے بام پر پہنچے بعض کو ایک درجے میں سے گزرنا کافی ہوتا ہے۔ بعض کو دو میں سے۔ اُتّم ادھکاری کو کسی درجے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مردانہ وار سیدھا گیان کے بام پر چڑھ جاتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ انتہائی درجہ ہے گیان۔ باقی اور سب وسیلے یا ذریعے ہیں +

موجزن ہوتے ہیں۔ اکثر آدمی تو گھر آکر پھر ویسے ہی دنیا کے دھندے میں پھنس جاتے ہیں۔ مگر بعض اس تیز اثر سے متاثر ہو کر اپنے سُدھار کا فکر کرنے لگتے ہیں ٭

میرے دوستو! ان موقعوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ یہ گویا قدرت کی طرف سے روحانی ترقی کی تحریک ہوئی ہے۔ ان خیالات کو دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ سوچ بچار سے مستحکم کرنا چاہیئے۔ ست سنگ۔ سادھو سیوا۔ اور کتابوں کے ذریعے سے طبیعت میں استوار رکھنا چاہیئے۔ یوں سمجھو کہ تمہیں دولت عظمےٰ ملی ہے۔ دولت کو رائیگاں نہ گنواؤ۔ بلکہ کام میں لاؤ۔ اور اس سے اپنی بہتری کی راہ نکالو۔ مانش جنم دُرلبھ چیز ہے جنہوں نے یہ چولا پہنکر بھی روحانی ترقی نہیں کی اُنہوں نے دنیا میں آکر کیا لیا عمر رائیگاں کھو دی اور جیسے جانور آئے تھے ویسے ہی چلے گئے ٭

مدرسے میں دہر کے رو بر قفا بیٹھے تھے ہم
بس اٹھے ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے

ترقی کی راہ ہر شخص کے واسطے کھلی پڑی ہے اور یہ ایک نہیں بہت ہیں۔ ہندو دھرم کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ یہ چھوٹے بڑے۔ انجان اور سمجھ دار۔ جاہل اور عالم سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا۔ بلکہ جس درجے کا آدمی ہے اُس درجے کا لحاظ رکھ کر اُس کو ترقی کرنے کا راستہ بتاتا ہے۔ بے ثباتئے دنیا پر آدمی کی آنکھ کھلتی ہے۔ تو سب سے اول یہ خیال اس کے دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ نیک اعمال کرنے چاہیئں۔ یہی مغفرت کا ذریعہ بنینگے۔ اس کو کرم مارگ یا راہ اعمال کہتے ہیں۔ یہی پراوپکار ہے۔ جس کا چرچا آج کل چاروں طرف سبھاؤں اور سوسائیٹوں میں اس زور و شور کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ کرم پہلا قدم ہے جو انسان ترقئے روحانی کے زینے پر رکھتا ہے اور چونکہ اور اعلےٰ مدارج اکثر اصحاب کی دسترس سے اُونچے ہیں۔ وہ اسی کرم کو ابتدائی اور انتہائی مرحلہ خیال کر لیتے ہیں۔ یہ بات اعتراض کے قابل نہیں ہے۔ کرم کی غرض جب تکمیل کو پہنچ

کچھ کرنا ہے یا نہیں۔ سوچتے سوچتے اس نتیجے پر پہنچا۔ کہ کائنات کے تمام مناظر بدلتے رہتے ہیں۔ لیکن میں قائم بالذات ہوں کبھی نہیں بدلتا۔ پہلے بچہ تھا۔ پھر نوجوان ہُوا۔ ترقی کر کے پختہ کار ہُوا۔ اب بوڑھا ہوں۔ جسم میں تبدیلیاں بے شک ہوئیں۔ مگر وہ "میں" جوں کا توں رہا۔ اسی طرح نہ ازل سے مجھ میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی نہ ابد تک ہوگی۔ میری ذات صمدی ہے۔ میں ہی سچدانند برہم ہوں۔ غرض اسے ایک رات کے بچار میں گیان ہوگیا۔

یہ اُتم ادھکاریوں کا حال ہے۔ ان کے دل ایسے صاف اور شدھ ہوتے ہیں کہ گیان کی دیا سلائی لگی اور آگ فوراً بھڑک اُٹھی لیکن ایسے آدمی ہزاروں میں ایک دو ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تعداد دیکھو۔ تو ان آدمیوں کی ہے جنہیں سخت تحریکات کی ضرورت ہے۔ جن سے اُن کی آنکھیں کھلیں اور وہ اپنے سدھار کا فکر کرنے لگیں یہ موقعے ہر شخص کو ملتے ہیں۔ دنیا کے پردے پر کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جس کی زندگی میں ایسے واقعات پیش نہ آتے رہتے ہوں۔ جو اُسے دنیا سے ہٹاتے ہیں اور فکر عقبےٰ کی طرف مائل کرتے ہیں۔

بے ثباتی جہانِ فانی کی ۔۔۔ بے بسی اپنی زندگانی کی
کون ہے وہ کھلی نہیں جس پر ۔۔۔ تجربہ کب نہیں گواہِ بشر
کون مُردہ کیساتھ جاتا ہے ۔۔۔ اور غم سے بھرا نہ آتا ہے
کس نے دیکھا نہ زلزلہ و وبا ۔۔۔ اور دل خوف سے نہ کانپ اُٹھا
کس نے جھیلی نہ سخت بیماری ۔۔۔ اور دل پرنہ غم ہُوا طاری

جتنے آدمی مُردے کے ساتھ شمشان میں جاتے ہیں سب گیان کے سمندر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ سب آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ دنیا اور اس میں دلبستگی ہیچ ہے۔ ایک دن ہمیں بھی اسی طرح دھکتی چتا پر جلنا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس دن کی تیاری ہم نے کچھ نہیں کی۔ اس قسم کے خیالات ہر ایک آدمی کے دل میں ضرور بالضرور

جلسہ تھا محض اتفاقی نہ رہا | محفل نہ رہی اور وہ ساقی نہ رہا
بزم دنیا سے اٹھ گئے یوں احباب | دنیا میں نشان یا بھی باقی نہ رہا

مو ہائے سفید کی نموداری ہے | دنیا سے بس اب چلی تیاری ہے
ہیں صبح رحیل کے ستارے یہ بال | ہشیار رہو سحر وقت ہشیاری ہے

تیرا آسودگی ٹھکانا نہ ملا | چھانا ہے ہم نے اک زمانہ نہ ملا
تو چیز ہے ایسی کہ جہاں تیتی ہے | واللہ ہمیں وہ کارخانہ نہ ملا

اعمالِ ریاضت اور عشقِ عرفاں | ساماں نجات میں سے کچھ بھی نہیں یاں
روتی ہے تیری جاں کو گھڑی نو میدی | اے عمر گذشتہ تجھکو ڈھونڈھوں میں کہاں

چل آ بے اگر تجھے ہے کچھ ہمت و جوش | رستہ عرفاں کا پوچھ مت آ ذی ہوش
جو بول رہا ہے اُس نے دیکھا ہی نہیں | جس نے دیکھا ہے ہو گیا ہے خاموش

ظاہر ہی میں رنج و غم سے مجبور ہیں ہم | یا راحت و آرام سے مسرور ہیں ہم
یہ راحت و رنج قاعدے نفس کے ہیں | اور نفس سے غافل و بہت دور ہیں ہم

کر ترک خودی کہ خود خدا ہے تو ہی | بندہ نہیں ذات کبریا ہے تو ہی
دنیا متحرک ہے رضا سے جس کی | اے دوست وہ صاحب رضا ہے تو ہی

کلام مہر جلد اول

راجہ ان مضامین کو سن کر دنگ رہ گیا۔ باغ سے محل میں آگیا۔ در..بر سے کہا آج شام کو میں دربار نہیں کروں گا۔ ایک علیحدہ کمرے میں جاکر دروازہ بند کر لیا۔ اور تمام شب بیٹھا ہوا سوچتا رہا۔ کہ میں کیا ہوں اور مجھے

کافی ہوتی ہے۔ اگر در خانہ کس است۔ حرفے بس است۔

کسانیکہ ایزد پرستی کنند ؎ بآوازِ دولاب مستی کنند

تم نے لالہ بابو کا حال سنا ہوگا۔ جن کا مندر بندرابن میں مشہور ہے۔ یہ ایک بڑے بھاری ساہوکار تھے۔ اور کنارِ دریا ایک عالیشان مکان میں رہا کرتے تھے۔ ایک روز سرِ شام کوٹھے پر ٹہل رہے تھے۔ نیچے دریا میں سے ملاح نے حسبِ معمول آواز دی۔ لو بھائی پار اُترنے والو آجاؤ۔ پھر میں کشتی باندھ کر گھر چلا جاؤں گا۔ یہ بات لالہ بابو کے کلیجے میں تیر سی لگی۔ ووں ہی ننگے سر ننگے پاؤں بھاگے۔ اور آکر اس سے کہنے لگے مجھے پار اُتار دے۔ ملاح حیران ہُوا کہ سیٹھ جی اس ہیئت کذائی سے کہاں چلے۔ پوچھا۔ مہاراج کہاں جاؤ گے۔ کہا تجھے اس پوچھنے سے کیا سروکار ہے۔ مجھے پار اتار دے۔ اس غریب کی کیا طاقت تھی جو نافرمانی کرتا۔ کشتی میں بٹھا کر پار لے گیا۔ اُتر کر سیٹھ جی نے بندرابن کی راہ لی۔ گھر والے پیچھے دوڑ کر آئے۔ بہتیرا سمجھاتے رہے۔ لیکن انہوں نے ایک نہیں مانی۔ یہی کہا کہ میں تو سنسار پار ہوگیا۔ تم چاہو تو بندرابن میں مندر بنوا دو۔ اس میں سدابرت بانٹو۔ لیکن مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں۔ غرض باقی عمر ٹکڑے مانگ کر کھائے اور آنندکند شری کرشن چند مہاراج کی بھگتی میں لگ رہے۔ غور کرو تو جس شخص کا لاکھوں روپے کا مندر کھڑا ہے۔ اور ہزاروں روپے ماہوار کا سدابرت بٹتا ہے۔ اُس کی خود یہ حالت کیسا پامردی کا کام ہے۔

ایک اور راجہ کا ذکر ہے۔ شام کے وقت محل کے پاس باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے پیچھے مندر تھا۔ اور وہاں کچھ سادھو ٹھیرے ہوئے تھے۔ سندھیا کے سمے میں ایک ایک سادھو نے ایک ایک سنسکرت شلوک پڑھا جس کا مضمون کچھ کچھ مندرجۂ ذیل رباعیات سے ملتا جلتا ہے۔

ہو سکتے جو آدمی محض جسم و جسمانیات کے بندھن میں گرفتار رہے - اُسے سمجھ لو - کہ بغیر پوچھ اور سینگ کا جانور ہے - اس طرح کے انسان صورت بہائم سیرت آدمی تم سب کے تجربے میں ہزاروں آئے ہونگے - روز دنیا میں رنج سہتے ہیں - دکھ بھوگتے ہیں - ہائے وائے کرتے ہیں - لیکن یہ سگ دنیا دُنیا کے ٹکڑے نہیں چھوڑتے - مبارک ہیں وہ لوگ جنہیں دنیا میں آکر عقبےٰ کا بھی فکر ہوتا ہے - اور آواگون کے بندھ سے چھوٹ کر موکش اور نروان پد حاصل کیا چاہتے ہیں ؛

سوال یہ ہے کہ یہ روحانی ترقی کا خیال دل میں پیدا ہو تو کیونکر ہو - اس کا جواب ان چاروں مہاتماؤں نے اپنی دلچسپ کہانیوں میں دیا ہے - ہر شخص کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں - جن سے اُس کی آنکھیں کھلیں اور وہ دنیا کو بے ثبات و ناپائیدار خیال کر کے اپنے سُدھار کا فکر کرے - اس میں کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ اہل دنیا کے واسطے دنیا دُکھ کا گھر ہے - ویدانت یہیں سے شروع ہوتا ہے - ہر ایک شخص کی زندگی میں ایسے واقعات ضرور بالضرور پیش آتے ہیں - جن کے ذریعے سے اُسے اس دار فانی سے نفرت پیدا ہوتی ہے - اور سکھ کی تلاش میں وہ مال و زر - جاہ و منصب - طاقت و صحت مکان و اسباب اور زن و فرزند کے بندھوں سے نکل کر اور طرف چلنا چاہتا ہے - یہ گیان کے زینے کا پہلا قدم ہے ؛

مختلف آدمیوں کی زندگی میں مختلف طرح کے واقعات آنکھوں کے کھولنے والے ہوتے ہیں - نتیانند کے لئے کانگڑے کا زلزلہ کافی ہُوا - کالورام کے واسطے تمام عمر کی تکلیف درکار تھی - شیام بہاری کی آنکھیں ایک میلے کے خاتمے نے کھول دیں - آتمانند کے لئے ایک خواب کا دیکھنا ہی بہت تھا - اس طرح کوئی قاعدہ کلیہ قائم نہیں کیا جا سکتا - جیسا ادھکاری ہوتا ہے ویسی ہی اُس کی ضرورت ہوتی ہے - جو اعلےٰ درجہ کے ادھکاری ہیں - انہیں بعض مرتبہ ایک بات

کھل جاتی ہیں اور وہ روحانی ترقی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ میرے دوستو! اس دنیا میں آدمی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بالکل دنیا کے بندے ہیں اور دوسرے وہ جنہیں دنیا میں رہتے ہوئے عقبےٰ کا بھی خیال ہے اور اس خیال سے اپنے سدھار۔ اُدھار یا روحانی ترقی کے بھی فکر میں ہیں +

اگر آدمی محض بندۂ دنیا ہے تو اُس کی ہستی اور جانوروں کی ہستی میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔ جس طرح جانور کھاتا ہے۔ پیتا ہے۔ سنے بھوگ کرتا ہے۔ جسمانی سُکھ کا طالب ہے۔ بیماری اور دُکھ سے بھاگتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال آدمی کا ہے۔ انجام میں موت بھی دونوں کے ساتھ یکساں لگی ہوئی ہے۔ اگر کہو کہ آدمی اپنی عقل و ذہانت سے اپنے لئے جسمانی آرام کے زیادہ سامان مہیّا کر لیتا ہے۔ تو میری رائے میں تم غلطی پر ہو۔ آرام اپنی ماہیت ذاتی کے لحاظ سے دونوں صورتوں میں یکساں ہے اور اس میں سرِمو بھی فرق نہیں ہے کسی نے لڈّو پیڑے کھائے۔ کسی نے سُوکھا بھُس کھایا۔ گرسنگی کی اذیت کے رفع ہونے سے دونوں صورتوں میں سیری کا اطمینان یا آرام یکساں ہے۔ تم نے سنا ہوگا۔ بھوک میں کواڑ پاپڑ ہوتے ہیں۔ یہی حال سورہنے کا ہے۔ کوئی مخمل کے بچھونوں پر سویا کوئی سخت زمین پر سویا۔ نیند کا سُکھ دونو حالتوں میں یکساں ہے +

چو آہنگِ رفتن کند جانِ پاک　　　چہ بر تخت مُردن چہ بر روئے خاک

اسی پر انسان و حیوان کے باہمی مقابلے کی اور جس بات کو چاہو۔ قیاس کر لو۔ کوئی بدیہی فرق نظر نہیں آئے گا +

پس جسم اور جسمانیت کے لحاظ سے آدمی اور جانوروں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ فرق ہے تو اس بات کا ہے۔ کہ آدمی روحانی ترقی کر سکتا ہے۔ اور جانور نہیں کر سکتا۔ آدمی شبھ کرم۔ ایشور بھگتی۔ یوگ اور گیان جس طرف چاہے چل سکتا ہے۔ جانوران راستوں میں گام زن نہیں

تیرے لئے اے موت میں تیار نہیں تھا
جس وقت دم آخر میں کھینچ رہا تھا
پر سامنا تجھ سے ہی تھا یہ دیکھ مقدر
کرنے لگے میرے حال یہ سب نوحہ سرائی

اے بیخبر و موت نہیں حالتِ غفلت
آنکھوں میں خلاصہ تھا حیاتِ گزراں کا
وہ نیک و بد افعال وہ اچھے بُرے اعمال
نظّارہ کچھ ایسا تھا مہیب اور خطرناک
مگر نظر آئی مجھے کچھ طرفہ حقیقت
اس وقت ہُوا کرتی ہے انسان کو عبرت
وہ خوف وہ رنج اور وہ خوشیاں وہ ندامت
میں خواب سے چونکا کہ بلا کیا نظر آئی

نیند اُڑ گئی میری کہ یہ کیا سحر یہاں ہے
میری بھی گذرتی ہے اسی طرح شب و روز
دنیا میں رہا لیک کبھی میں نے نہ سوچا
کھولیگی تیری آنکھ بھی جب موت تو اے مہر
یہ زندگی کس شخص کی تھی اب وہ کہاں ہے،
کچھ فرق نہیں خواب ہے یہ صاف عیاں ہے،
کس شے میں مرا سود ہے کس شے میں زیاں ہے،
پچھتائیگا کیا عمر ہے بے سود گنوائی

کلام مہر جلد اول

سوامی برہمانند کی پہلی وپاکھیا

خیال نجات پر فلسفیانہ نظر

کوشش بقدر وسع - پائیگا مراد
مایوس نہ ہو خدا سے رکھ دل کو شاد
جو اپنی مدد آپ کیا کرتے ہیں
ملتی ہے مہر اُن کو غیبی امداد

جب چار سادھو اپنی کہانیاں سنا چکے - تو سوامی برہمانند بولے - بھائیو! اب مجھے کچھ کہنے کی اجازت دو - ان چاروں مہاتماؤں نے گیان کتھاؤں کا سلسلہ بہت ہی اچھا اُٹھایا ہے - ان کا نفس مطلب یہ ہے کہ ہر ایک شخص کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ اگر وہ اُن پر غور کرے تو دنیا کی بے ثباتی پر اُس کی آنکھیں

ہے حضرتِ انساں کا خمیر آبِ خودی سے
وہ شخص فرشتہ ہے نہ کہئے اسے انسان
گر ہو نہ خودی اِس میں تو کیا بات ہے اِسکی
دل میں نہ اُٹھے حس کے خیالِ من و مائی

دنیا میں خودی نے ہے زبس رنگ جمایا
دمبازوں کی باتوں میں بہت آیا ہوں میں بھی
ان باتوں سے خفت بھی اٹھانی پڑی اکثر
ہاں کہنا تھا جسو نت کوئی جی شد بڑی سی
ایک ایک سے بڑھ کر نظر آتا ہے سوایا
دھوکا ہے کئی بار بڑا مینے بھی کھایا
ان دھوکوں سے نقصان بھی بہت مینے اٹھایا
لگتا تھا دلِ زار پہ اک تیر ہوائی

دنیا ہے دنی اسکی ہے ہر بات کمینی
آلام ہیں افکار ہیں آزار ہیں اس جا
اٹھتے تو ہے ایسے خیالات ولیکن
کہنے سے کسی کے کبھی چھوٹی نہیں دنیا
چھوڑو بھی اسے آؤ کرو گوشہ نشینی
دنیا میں بہت رہ چکے اب لو رہِ دینی
دنیا کتنی دہی میری وہی بیہدہ بینی
جبتک نہ ہوا ہے فکر رسا تیری رسائی

اس تجربہ کاری نے دکھایا اثر اپنا
دندان گئے آنکھیں گئیں اور گوش ہوئے کر
اول ف جواب آ کے دیا مجھ کو تو اسنے
فسن مجھے سرکار نے دی ایک وہ پنشن
ایک ایک سپید آہ ہوا موے سر اپنا
ہوتا تھا بس اوروں کے سہارے گزر اپنا
گویا کہ نہ یہ جسم کبھی تھا مگر اپنا
میں ایسا تھا بدبخت بہت مینے نہ کھائی

بیکار پئے اعضا سے ہوئے سخت کچھ آزار
معلوم تھا سب کو مرض الموت ہے مجھ کو
ہر شخص کو یہ روز سبہ آئے گا در پیش
تھا قابلِ عبرت وہ مرا حالِ پریشاں
ایسے کہ مداوا تھا بہت مشکل و دشوار
تھا اسلئے بس محض دکھاوے ہی کا تیمار
ہاں بوالہوس اس دن سے خبردار خبردار
انگشت بدنداں تھے پسر خواہر و بھائی

دوزخ سے بھی بدتر تھا مجھے نزع کا بستر
کام آئے جو اس وقت ۔ وہ کام کیا تھا
رہتی تھی بس اک یاس سی چھائی ہوئی دلپر
بیہودگیوں میں تھی کٹی عمر سراسر

محسوس ہوئے پہلے تو اک بار گراں وہ — عادت سی مگر ہو گئی گزرے جو مہ و سال
کرنے لگا ہر کام ہوا غم جو غلط سا — چلنے لگا جو چال کہ دنیا نے چلائی

بچوں کی خبر داریٔ بیماری و صحت — نگرانیٔ تعلیم و نگرانیٔ صحبت
تہوار و تقاریب پہ برتاؤ چلن کا — تھا گرچہ یہ برتاؤ مجھے سخت مصیبت
دن بھر تو وہ دفتر میں گزرنا بصد آزار — اور شام کو گھر آ کے وہی فکر معیشت
دنیا کے وہ دھندے تھے کہ توبہ ہی بھلی ہے — رستہ نہیں دیتا تھا نکلنے کو دکھائی

جتنی کہ بڑھی عمر بڑھے ساتھ ہی افکار — افکار بھی ایسے کہ میں ہوتا تھا دل افگار
اولاد کی شادی میں ہوا صرف اثاثہ — آخر کو ہوا قرض کے نیچے میں گرفتار
تعلیم سے فارغ ہوئے لڑکے تو مجھے فکر — رہنے لگا ہر وقت کہ یہ بیٹھے ہیں بیکار
خلجان میں رہتی تھی غرض جان شب و روز — ہر روز تھی مشکل کی نئی عقدہ کشائی

گو کام کسی کا نہ رکا ہے نہ رکے گا — ہے وقت پہ موقوف ہر اک کام کا ہونا
انسان نے پائی ہے طبیعت مگر ایسی — صبر اُسکو کسی حال میں دم بھر نہیں آتا
پاتا تھا سرا یوں تو ہر اک کام سر انجام — پر فکر سے خالی دل ناشاد نہیں تھا
ہو جاتا تھا کام ایک تو تھا دوسرے کا فکر — افکار کی تھی آٹھ پہر جلوہ نمائی

کاوش و کاہش کا تھا گھر میرے لئے گھر — باہر تھا کچھ اس سے بھی سوا حال زبوں تر
محکوم مجھے دیکھتے تھے چشم حسد سے — حاکم کے بدلجاتے تھے ہر بات پہ تیور
رستے میں رہی تھے جو سمجھتے تھے بہت دور — امید نہ تھی جن سے دغا دے گئے اکثر
ہم چشموں کی آنکھوں کو بدلتے ہوئے دیکھا — جب وقت پڑا کوئی بھتیجا تھا نہ بھائی

اک بات عجیب اور مری آنکھ نے دیکھی — گر پوچھئے انسان کی وہ خود غرضی تھی
دیکھا جسے پایا اُسے مطلب ہی کا بندہ — جو بات سُنی حرفِ غرض سے نہ تھی خالی

جولانیوں پر رہتی تھی طبعِ سخن آرا | کرتا تھا میں اکثر گہرِ نظم کبھی تنظیم
ڈگری بھی نظر میں سندِ حسنِ لیاقت | بھولا نہ سمایا تھا مجھے جب ہاتھ وہ آئی

کالج سے نکلنا تھا اور اک عہدہ کا پانا | تنخواہ بھی معقول اور اچھا تھا ٹھکانا
تھا علم پہ غرّہ مجھے اور طبع پہ اپنی | صحت پہ بھروسا تھا کہ تھا جسم توانا
آرام سے ایام گزرتے تھے بہت خوب | معلوم نہ ہوتا تھا کہ بدلے گا زمانا
دیوانی ہے کہتے ہیں جوانی سو بجا ہے | جنت نظر آتی تھی خدا کی یہ خدائی

اس طرح گزرتی تھی کہ حق نے دیا فرزند | پہلے سے بھی اس بار خوشی ہو گئی دہ چند
تقریب مبارک تھی وہ جلسے کئے پینے | تعریف میں احباب کے لب ہونے لگے بند
اولاد ہوئی اور تو تازہ تھی خوشی اور | تھا فضلِ الٰہی سے تکرّر مجھے ہر چند
بشگفتہ رہا کرتا تھا بس غنچۂ خاطر | جو دل میں تھی امید سمجھتا تھا بر آئی

دنیا کا ابھی کوئی طمانچہ نہ لگا تھا | جو کھولدے آنکھوں کو وہ جلوہ نہ ہوا تھا
ناگاہ پدر کو مرے امراض نے گھیرا | امراض نہ کہیے کہ وہ پیغامِ قضا تھا
جب نزع کی حالت تھی اور احوال پریشاں | میں پاس کھڑا حالتِ غم دیکھ رہا تھا
دنیا تھی نگاہوں میں مری تیرہ و تاریک | یہ موت ہے کیا گھر میں مرے کس لئے آئی

پھونکا تو سہی نعش کو شمشان میں ہم نے | گھر کر لیا لیکن دلِ بیتاب میں غم نے
ہر چند کہ سمجھایا محبّوں نے بہت سا | آنکھوں میں مگر اشکِ رواں پائے نہ تھمنے
رہتا تھا زبس آٹھ پہر ایک تصوّر | دیوانہ بنایا مجھے رنج بیٹے ہم نے
تسکین جو ہوتی بھی تو کس طرح سے ہوتی | پہلی ہی تھی یہ چوٹ دلِ زار نے کھائی

میرے دلِ مضطر کا حسینوں تھا یہ حالی | پھیلایا تھا دنیا نے مگر چار طرف جال
جو کام تھے والد کے وہ کرنے پڑے مجھ کو | یہ کام مری جان کو تھے اور بھی جنجال

سننے تھے بہت چاؤ سے باتیں مری ماں باپ | گو بات کا کرنا تھا مرے واسطے مشکل
شک کا دل صافی میں کہیں زنگ نہیں تھا | جو بات کسی نے کہی باور مجھے آئی

اس ناز و نعم میں ہوئے جب ختم کئی سال | میں مدرسے جانے لگا تھا گرچہ بُرا حال
لڑکا تھا جماعت کا ہر اک بچۂ شیطاں | اُستاد کا تھا جور مری جان کو جنجال
حیران بہت تھا کہ کہاں آن پھنسا میں | بھاگا بھی کئی بار پہ بےسود تھی یہ چال
پڑھتا رہا میں گرچہ نہ لگتا تھا مرا دل | ابجد تھی مجھے روز پہاڑوں کی چڑھائی

آخر کو یہ منزل بھی ہوئی طے بصد آزار | اُستاد جماعت میں سمجھنے لگا ہشیار
تھا شوق مجھے اوروں سے بڑھ چڑھ کے ہوں میں | اس واسطے محنت سے تھا ہر وقت سروکار
کرتا ہوا اس طرح بتدریج ترقی | میں علم کے زینے پہ چڑھا کام تھا دشوار
انعام کے ملنے کی خوشی مجھ کو بہت تھی | جب ممتحن آتا تھا سننے تاکہ پڑھائی

اس طرح جو اعلیٰ تھی جماعت وہاں پہنچا | انعام کبھی اور وظائف کبھی لیتا
دی علم کی تحصیل نے دل کو مرے وسعت | ورزش نے کئے چست و توانا مرے اعضا
پیدا کئے کچھ یار بنائے کئی دشمن | تعلیم جماعت کا زبس خاتمہ یوں تھا
اس روز مجھے شاہی تسلیم ملی تھی | جس روز کہ میں نے سند داخلہ پائی

شادی کیلئے میری اب آنے لگے پیغام | شادی ہوئی پُر تھا مئے عشرت سے مرا جام
بچپن تھا زبس کھیل تھا یہ بھی سرے نیک | وہ چہل وہ جلسے وہ خوش آئندہ ہر اک کام
وہ پہلے بزرگوں کی رسومات کا برتاؤ | وہ طرفہ تقاریب کہ آغاز نہ انجام
پھرتے ہیں نگاہوں میں وہ نقشے مرے اب تک | اور اُنمیں ہے اب تک وہی رنگ اور صفائی

شادی نہ ہوئی میرے لئے مانع تعلیم | کالج کے مدارج میں رہی عزت و تکریم
وسعت میں بڑھا اور مرا دائرۂ علم | برجستہ تھی تقریر تو شگفتہ تھی ترقیم

کرنی نہ تھی جو بہنے وہ کی منت بے سود
کرنی نہ تھی جو بہن نے وہ کی گریہ وزاری
ہنستا رہا سن سن کے وہ اور اس کی عوض میں
بیہوش ہوا میں وہ دوا مجھ کو سنگھائی

ہوش آیا تو دیکھا کہ ہے اک کلبۂ احزاں
اس کے در و دیوار سے ہے یاس نمایاں
یہ یاس فقط میری نگاہوں میں ہے ورنہ
شادی سی ہے اس گھر میں اک شخص ہے شاداں
باہر ہیں مبارک و سلامت کی صدائیں
کچھ بیبیاں اندر بدل شاد ہیں خنداں
اس گھر میں ہر اک شاد ہے گریاں ہوں فقط میں
سنتا نہیں پر کوئی مری ہائے دہائی

بیکس ہوں نہیں اور ساتھ ہی بے بس ہوں ہیہات
کروٹ بھی بدلنے کی نہیں جسم میں طاقت
رو دیتا ہوں از بس مرا چلتا نہیں کچھ بس
جب بھوک کی اور پیاس کی ہوتی ہے اذیت
ہے باعث تکلیف ہر اک شے کا مجھے لمس
پر کہہ نہیں سکتا دل بیتاب کی حالت
حاجات جتانے کا ہے آلہ مرا رونا
سونے سے اگر مینے ہے فرصت کبھی پائی

ابعاد ثلثہ کے نہیں علم سے بہرہ
آنکھوں میں مری محض تصاویر ہیں اشیا
حرکات ہیں اعضا کی بہت غیر معین
بڑھتا ہے کہیں ہاتھ کہیں قصد ہے اپنا
ہے بعد بعیدی بھی قریبی مرے نزدیک
میں چاند کے لینے کو زمیں سے ہوں لپکتا
کھینچے لئے پھرتے ہیں مجھے گود میں بچے
کہتے ہیں انہیں سب یہ بہن ہے یہ ہے بھائی

جتنے رہا اس طرح میں گودوں کا کھلونا
یا بستر راحت تھا پنگوڑے کا بچھونا
دانتوں کی اور آنکھوں کی لگا لیتی تھیں اکثر
خسرے کا کبھی تھا کبھی چیچک کا تھا رونا
چوٹیں بھی لگا کرتی تھیں چلنے میں بہت سی
تھا کار اہم صبح کو منہ ہاتھ کا دھونا
کھانے کی شبا روز پڑی رہتی تھی مجھ کو
اور کھانے میں مطلوب تھی مرغوب مٹھائی

معصوم تھا اس عالم طفلی میں مرا دل
جس بات پہ میں چاہتا ہو جاتا تھا مائل
ملجاتا تھا اچھا سا کھلونا جو کسی روز
ہوتی تھی خوشی وہ کہ نہ ہو شاہ کو حاصل

رہا کرتا تھا جس طرح کوئی خواب دیکھتا ہو۔ یہ خیال طبیعت پر ایسا مسلط ہوا کہ ایک رات میں نے اپنی تمام و کمال زندگی خواب کی صورت میں دیکھی۔ یہ خواب کیا میرے لیئے ایک بشارت غیبی تھی جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ چونکہ اس کا بیان لطف سے خالی نہیں۔ اس لیئے گوش گزار کرتا ہوں سنیئے مہاراج!

خواب زندگی

کل رات عجب خواب دیا مجھ کو دکھائی
حیرت میں ہوں وہ خواب تھا یا شانِ خدائی
ہے چشم دلِ حیراں میں وہ عالم ابھی تک
پھرتی ہے نگاہوں میں وہ نقشوں کی صفائی
ہر چند کہ سوچا دل دانا نے بہت سا
یہ بات تھی باریک سمجھ میں نہیں آئی
ہے ہدیۂ احباب میرا خواب شبینہ
تعبیر میں درکار ہے دانش کی رسائی

کیا دیکھتا ہوں باغ ہے اک دلکش و مرغوب
انہار رواں اور عمارات خوش اسلوب
نعمت ہے ہر اک قسم کی موجود و مہیا
واں کوئی بھی شے ہے نہ کسی شخص کو مطلوب
ہر روز ہے عید اور ہر اک شب ہے شب قدر
آرام سے ایام گزرتے ہیں بہت خوب
یاد آیا ہے وہ عالم تسکین و سکوں جب
مایوسی حسرت میری آنکھوں میں ہے چھائی

اس عالم راحت میں گزرتی ہے کہ اک پیر
آتا ہے مرے پاس نہ ہے خوبیٔ تقدیر
بستر سے برستا ہے پڑی شان جلالی
چہرے سے عیاں نور جمالی کی ہے تنویر
ہے زیر قضا اس کی نگاہ غضب آلود
اور آنکھ ہے بس صولت اجلال کی تصویر
وہ آکے مرے پاس یہ کہتا ہے کہ اے شخص
تو یاں سے نکل تیری تھی اتنی ہی کمائی

سکتے کا سا عالم ہوا دل پر مرے طاری
یہ سن کے کہ معیاد ہوئی ختم ہماری
میں اس پیر کے پاؤں میں بڑا بخشیئے لللہ
حضرت کو خدا رحم کی دے حضرت باری

چوتھے سادھو کی کہانی

بچار سے دنیا کی بے ثباتی

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے ۔ پیری کا بھی سب عذاب دیکھا ہم نے
ہستی ہے تہر مثل امواج سراب ۔ یا جیسے رات خواب دیکھا ہم نے

ایک مہاتما جن کا نام آتما نند تھا کہنے لگے - مہاراج! شیام بہاری کی آنکھیں ایک میلے کے خاتمے نے کھول دیں - یہ ایک محض اتفاقیہ امر تھا - اسی پھول والوں کی سیر میں اور بھی ہزاروں آدمی تھے - ان کی طبیعت میں میلے کا خاتمہ دیکھ کر بیراگ پیدا نہیں ہوا - شام بہاری کے پچھلے جنموں کے کرم بہت اچھے سمجھنے چاہئیں - کہ ایک ایسے واقعے سے جس کا اثر اوروں کے دل پر کچھ بھی نہیں ہوا یہ کرتارتھ ہوگئے - پس میری صلائے عام ہے کہ دنیا کی بے ثباتی کو دل میں جگہ دینے کے واسطے ایسا طریق اختیار کرنا چاہئے جو ہر شخص کی دسترس میں ہو - اور جس سے ہر ایک آدمی یکساں فائدہ اٹھا سکے - خاص واقعات کا اثر خاص طبیعتوں پر بیشک اچھا ہوا کرتا ہے - لیکن ہمیں ایک ایسے اصول عامہ کی تلاش لازم ہے - جو عوام النّاس اور خواص دونوں کے لئے ہی یکساں فائدہ بخش ثابت ہو ۔

یہ انسان کی زندگی ہے - جو بچپن سے لگا کر پیری تک خود ایسی چیز ہے کہ ہر ایک کی آنکھیں کھولنے کے واسطے کافی ہے - ہاں چشم بینا اور دل دانا درکار ہے - کنج تنہائی میں بیٹھ کر آدمی ذرا غور سے سوچے اور نگاہ غور سے دیکھے تو اسے اپنی ہی حیات کا نقشہ بالکل خواب کا سا نقشہ معلوم ہوگا - کسی حالت کو قیام نہیں کسی حال کو دوام نہیں - ہر ایک چیز اس طرح بدلتی ہے - جس طرح کوئی خواب دیکھ رہا ہو - میں نے شروع سے سمجھنے والی طبیعت پائی تھی - اور زندگئ گذراں کے مناظر مختلفہ کو اسی طرح دیکھنا

اس خیال سے دل میں کچھ شانتی آئی - اب شام ہوتی چلی تھی - میں پہاڑی راستے سے لاٹھ کے قریب آیا - یہاں بھی یا تو وہ اژدہام تھا یا اب سنسان اور ہو حق میدان تھا - ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا - اور پھر وہی رقت کا عالم مجھ پر طاری ہوا - خدا جانے کتنی دیر بیٹھا رہا - جب آنکھ کھلی تو ایک سادھو کو دیکھا کہ شانہ ہلا ہلا کر مجھے پکارتا ہے - شیام بہاری! شیام بہاری! اس سادھو سے دہلی میں میری کئی دفعہ ملاقات ہوئی تھی - اور یہ ایک اعلےٰ درجے کا گیانی اور شانت آدمی تھا - میں اُٹھ کر اُس کے قدموں پر گر پڑا - اور زار و قطار رونے لگا - اس نے میرا حال پوچھا - اور میں نے بے کم و کاست تمام و کمال کہ سنایا - سادھو نے مجھے دلاسا دیا - اور اپنے ساتھ جوگ مایا کے مندر میں لایا - تقریباً تمام رات ہم گیان دھیان کی باتیں کرتے رہے - صبح جب سادھو نے دیکھا کہ میرا سنیاس لینے کا مستقل ارادہ ہے تو مجھے منتر اور گیروے بستر دئے *

میں نے اپنا تمام حال دوسرے روز خط میں بھائی کو لکھا - اور کہ دیا کہ میری تلاش نہ کرنا - میں دنیا سے بیراگی ہو گیا ہوں - اور ہرگز ہرگز دوبارہ گرہست میں نہیں پھنسنا چاہتا - ہم دونوں گورو چیلے دیش ودیشانتر میں برسوں پھرا کئے - گورو نے مجھے ویدانت پڑھایا اور ست ایدیش دیا - اس سے مجھے شانتی نصیب ہوئی - اب یہ دنیا حقیقت میں مجھے خواب کا سا تماشا معلوم ہوتی ہے - اور میرے من کی شانتی میں خلل انداز نہیں ہوتی - میں جانتا ہوں کہ میں سچدانند آتما ہوں - سدا شدھ اور مکت سروپ ہوں - نہ مجھے کبھی پہلے بندھن ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا ؛

دنیا نظر آتی ہے مجھے مثل سراب
میرا یہی تصور ہے کہ صورت آب
بیخوف ہوں بیخوف ہوں بیخوف ہوں میں
جو کچھ ہے سراب ہے عدم ہے یا خواب

دنیا ہے کہاں اور اُسکے آلام کہاں
وہ فکر کہاں گئے وہ اوہام کہاں
جس بحر میں غرق ہیں اسکا تھہر
آغاز کہاں ہے اور انجام کہاں

پڑی رہتی ہیں - گھنشیام بہاری! تم نے کیا اعمال اکٹھے کئے جو تمہارے ساتھ چلیں گے - یہ شراب - یہ ناچ رنگ - یہ شراب پینے والے دوست - یہ رنگ لیاں بس یہی تمہارے اعمال ہیں یا کچھ اور بھی - تم نے دنیا میں آ کر کیا کیا؟

مہاراج! یہ خیالات میرے دل میں تھے - کہ ہم نواب صاحب کے مکان کے زینے پر پہنچے - یہاں دوسرے زینے پر قدم رکھتے ہی انہوں نے ٹھوکر کھائی - دو ملازموں نے بمشکل سنبھالا اور جوں توں کر کے اندر لے گئے - وہ مجھے پکارتے جاتے تھے - لیکن میں نے ایک نوکر سے کہا - انہیں اور شراب نہ دینا اور لو میں رخصت ہوتا ہوں - یہ کہ کر میں جھرنے کی طرف بڑھا اور دل میں سوچنے لگا - اس نواب کی حالت بالکل جانوروں کی سی ہے - لیکن بھائی شیام بہاری تم اس سے کس بات میں بہتر ہو - فرق صرف اتنا ہے - کہ ایں سرگراں است و تو نیم مست - تم میں اور جانوروں میں کیا فرق ہے - جیسے تم کھانے پینے اور سو رہتے ہو - بعینہ وہی حال جانوروں کا ہے - دنیا کا میلا ایک دن ختم ہو جاتا ہے - تم نے عقبیٰ کا کیا سامان کیا - ہائے عمر جیسی بے بہا چیز کھو دی - مانش جنم جیسا ورلبھ رتن اکارتھ گنوا دیا - یہ باتیں کلیجے میں ایسی لگیں - جیسے تیر لگتا ہے - قریب تھا کہ میں بیہوش ہو کر گر پڑوں بمشکل سنبھلا اور جھرنے کی پہاڑی میں پہنچا۔

یہاں اب نہ آدمی تھا نہ آدم زاد - سناٹا بیت رہا تھا - جو براگ طبیعت میں پیدا ہوا تھا - آ سے اور اشتعالک ہوئی - میں ایک پہاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا اور زار و قطار رونے لگا - کہ ہائے میرا جنم ہی رائگاں گیا - اب کروں تو کیا کروں - عقل کہتی تھی اپنے اعمال سدھارو - لیکن جس صحبت میں میری نشست و برخاست تھی اس میں سدھار کا کوسوں گمان تک نہ تھا - آخر سوچا کہ دنیا کو چھوڑ دو - تمہارا بھائی نیک ہے - ایک لڑکا بڑا اور ہوشیار ہے دونوں مل کر چھوٹے لڑکے کو سنبھال لیں گے - روپیہ پیسہ خدا کا دیا بہتیرا ہے - ماں باپ اور بیوی مر چکی ہے - ان کا کچھ فکر نہیں ہے - چلو کسی سادھو کی سیوا کرو - اور اس سے سنسار ساگر سے ترنے کا بھید لو -

ہیں باندھ باندھ کر کس رہے تھے۔ مکان اور دکانیں خالی ہوتی جاتی تھیں غرض ہر طرف کوچ کا نظارہ دکھائی دیتا تھا۔ ہمارا ارادہ بھی گیارہ بجے سوار ہونے کا تھا۔ اور ملازموں کو حکم دے دیا تھا کہ اسباب باندھنا شروع کر دو۔

گھر پر ہم کھانا کھا کر چلنے کو تیار تھے کہ نواب صاحب کیوں نہ آ جائیں آتے ہی بولے۔ کیوں صاحب کوچ بول دیا۔ اور ہمیں نہ کچھ کھلایا۔ نہ پلایا میں بہتیرا کہتا رہا۔ چلو مقبرے پر چل کر کھائیں پئیں گے لیکن انہوں نے ایک نہ سُنی۔ اور اپنے آدمی کو حکم دیا کہ جاؤ کچھ بوتلیں ہمارے مکان سے لے آئے۔ لالہ شیام بہاری کو شاید ہم سے روپیہ زیادہ پیارا ہے۔ میرے دوستوں نے ایک بوتل نکالی۔ لیکن نواب صاحب دریا نوش آدمی۔ ایک بوتل سے کیا ہوتا تھا۔ دوسری نکلی۔ تیسری پر جب نوبت پہنچی۔ تو دوستوں نے کہا بھائی ہمیں جانے دو۔ تم نواب صاحب کے ساتھ آ جانا۔ چنانچہ میرے لڑکے اور دوست سب سوار ہو گئے۔ اور میں نواب صاحب کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جب انہیں زیادہ نشہ ہو گیا تو کہنے لگے بلاؤ منّی جان کو۔ میں نے کہا۔ یہاں سے سب اسباب چلا گیا بیٹھنے کا ٹھیک ٹھکانا نہیں ہے۔ بہتر ہے آپ کے دولت خانے پر چلیں۔ یہ بات انہوں نے مان لی۔ اور ہم دونوں بازار میں آئے۔

اب تین چار بجے ہوں گے۔ بازار میں سنّاٹا ہوتا جاتا تھا۔ خلقت سب چلی گئی تھی۔ کچھ دکاندار اسباب باندھ رہے تھے۔ کہاں وہ اژدہام اور رونق۔ کہاں یہ بے رونقی۔ مہاراج میرے دل پر چوٹ لگی۔ کہ یہ میلا کیا ہے۔ دنیا کا میلا ہے۔ آدمی آتا ہے۔ کیا کیا سامان اکٹھے کرتا ہے۔ کس کس رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ کیا کیا سیر تماشے دیکھتا ہے۔ لیکن انجام کیا۔ ایک دن اسی طرح چلا جاتا ہے۔ جس طرح میلے میں سے چلا گیا۔ یہ دکاندار مال و اسباب بیچ کر نقد روپے لے چلے ہیں۔ دنیا کے میلے میں سے فقط نقد اعمال ساتھ جاتا ہے۔ اور سب چیزیں یہیں

لنگوٹے کس کر تیار ہو گئے۔ نواب صاحب کا مکان شمسی تالاب کے کنارے واقع تھا۔ منڈیر پر سے جو یوں سمجھو کہ چار منزلے مکان کے برابر اونچی تھی۔ ہم سب بے تکلف کود سے اور تیر کر کوئی پاؤ میل کے فاصلے پر برج میں پہنچ گئے۔ یہاں جام چلنے لگا۔ اور بی منی جان نے ملار الاپنی شروع کی۔ برج پر سے ہم بار بار کودنے اور تیرنے کے جوہر دکھلاتے تھے۔ اور پھر چڑھ کر جلسے کا لطف اٹھاتے تھے۔ دو بجے تک یہی کیفیت رہی اور اگرچہ نواب صاحب اب بھی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن میں اصرار کر کے گھر واپس آیا۔ کہ میرے ساتھ دوست اور بچے ہیں۔

تین چار بجے ہم کل کی طرح پھر سیر کو نکلے۔ آج خلقت کا اژدھام کل سے بھی زیادہ تھا۔ اور رونق دگنی تھی۔ کیونکہ مسلمان زیادہ تر جمعرات کو میلے میں آتے ہیں۔ آٹھ نو بجے شب تک ہم بازار میں پھرتے رہے۔ پھر گھر آ کر پنکھا دیکھا اور وہی کل کے سے جلسے پھر شروع ہوئے۔ جو دو بجے رات تک جاری رہے۔ آپ سادھو لوگوں کو میری کہانی سن سن کر حیرت ہوتی ہو گی۔ کہ یہ شخص گیروے کپڑے پہنے کیسی ہوس کاروں کی سی باتیں مزے لے لے کر کر رہا ہے۔ لیکن مہاراج مجھے آپ کو یہی تو دکھانا ہے کہ گرہستیوں کی زندگی کیسی پیٹنے رس کے آدھین ہوتی ہے اور رشیوں کے ناپائے دار سکھ میں ہی وہ کیسے لولین ہو کر اپنے آپ کو سکھی مانتے ہیں۔

دوسرے روز یعنی جمعہ کو میلا دوپہر سے پہلے ہی ختم ہو جاتا ہے اور لوگ صبح کا کھانا کھا کر سوار ہو جاتے ہیں۔ تین چوتھائی آدمی جمعرات کی شب کو ہی دہلی واپس چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ٹھیرنے کا ٹھکانا میلے میں کہاں۔ صبح ہم نے جھرنے پر کشتیاں دیکھیں۔ اور نو دس بجے وہاں سے واپس پھرے۔ تو ہر ایک شخص کو رواروی میں پایا۔ وہ رونق جو بدھ اور جمعرات کو دیکھی تھی۔ اب اس کا پتا نہ تھا۔ کہیں گاڑیوں میں لوگ سوار ہو رہے تھے۔ کہیں دکاندار اپنا مال و اسباب چھکڑوں اور بہلیوں

بنے ہوئے ہیں۔ جن کا بیان باعث طوالت ہوگا۔ اس لئے صرف باؤلی، کا ذکر کرتا ہوں۔ جو نہایت گہری اور بڑی ہے اور اس میں مکان کی منزلوں کی طرح کئی منزلیں ہیں۔ جن پر سے لوگ کودتے تھے۔ سینکڑوں آدمی کود رہے تھے۔ لیکن دو چار تو غضب ڈھاتے تھے۔ آخری منزل سے دھما دھم جست لگاتے تھے۔ ٹانگیں خوب چوڑائے ہوئے لیکن جتنا نیچے پہنچتے تھے اُنہیں سکیڑتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ پانی کے قریب آکر دونوں پاؤں جوڑ لیتے تھے۔ اور تیر کی طرح اندر چلے جاتے تھے۔

ہم یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔ کہ پیچھے سے نواب کلب علی خاں نے آکر مجھے آواز دی۔ واہ لالہ شیام بہاری کل سے آئے ہوئے ہو اور ہم سے آج تک نہیں ملے۔ یہ نواب صاحب شہر کے رئیس تھے اور میری ان سے دوستی تھی۔ میں نے عذر کیا کہ معاف فرمائیے۔ آپ سے ملے وہ جسے اپنا میلا کھونا ہو۔ آپ کے ہاں تو میلا اور ہی شے کا ہونا ہے۔ یہ سن کر ہنسے اور لوگوں کو کودتا دیکھ کر کہنے لگے۔ کہو تم بھی جھرنے میں کودے۔ میں نے کہا نواب صاحب خدا خدا کرو۔ کہیں عزّت دار آدمی بھی لنگوٹا کس کے اس طرح کودا کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ بھائی ہمارا تو دل بہت چاہتا ہے۔ خیر جھرنے میں نہیں شمسی تالاب میں سہی۔ میں ڈونگا بھی لایا ہوں۔ بی منّی جان بھی آئی ہیں۔ آؤ آج شمسی تالاب کے برج میں جلسہ رہے۔ چونکہ مجھے بھی تیرنے سے بہت شوق تھا۔ میں نے کہا منظور۔ مگر کس وقت۔ کہنے لگے۔ ابھی چلے چلو۔ اس سے بہتر کیا وقت ہوگا۔

دوستوں نے مجھ سے پوچھا۔ کھانے کے لئے آپ کا انتظار کریں۔ نواب صاحب ہنسنے لگے۔ کہ بھائی تم سب وہیں چلو۔ خدا رازق ہے بھوکا اٹھاتا ہے سلاتا نہیں۔ لیکن میرا کوئی دوست ہمراہ نہیں آیا۔ نواب صاحب کے کئی مسلمان اور ہندو دوست پہلے ہی سے موجود تھے۔ اور سب لنگوٹ لے لے کر آئے تھے۔ ہم نے بوتلیں۔ کھانے کا سامان اور بی منّی جان اور ان کے سازندوں کو تو کشتی میں بٹھایا۔ اور آپ سات آٹھ آدمی لنگر

سے سننے والوں کے کانوں میں امرت رس ڈالتے ہیں۔ دلی کی نفیری مشہور ہے۔ اور اس شہر میں اب بھی بڑے بڑے باکمال ہیں۔ یہ جلوس بہت ہی آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ نفیری والے قدم قدم پر ٹھیر کر نفیری بجاتے ہیں۔ اور سننے والے انہیں دوانیاں چوانیاں انعام دیتے ہیں جو وہ ایسی تنگ آستینوں میں بھرتے جاتے ہیں۔ ہم نے بھی پہلے سے انتظام کر رکھا تھا۔ سب کو انعام دیا۔ اور سب سلام کر کر کے رخصت ہوئے۔ یہ پنکھے نصف شب کے بعد جوگ مایا جی کے مندر میں پہنچیں گے۔ اور وہاں چڑھا دیے جائیں گے۔

شب کو ہمارے ہاں جلسہ تھا۔ جس میں ناچ رنگ اور شراب کا دور بھی ایک لازمی امر تھا۔ بہت سے احباب جو ہماری طرح میلا دیکھنے آئے تھے۔ ہمارے جلسے میں شریک ہوئے۔ اور خوب لطف صحبت رہا۔ بعد ازاں ہم اُن کے ساتھ گئے اور اُن کے مکان پر بھی لطف رہا۔ اسی طرح آدھی رات سے زیادہ گزر گئی اور ہم کئی دوست سرور میں جھومتے جھامتے جوگ مایا جی کے مندر میں پہنچے۔ یہاں روشنی ایسی ہو رہی تھی۔ کہ شب تار میں روز روشن کا مزا آتا تھا۔ ہم نے پنکھے چڑھنے کا لطف اور روشنی کی سیر دیکھی اور چونکہ یہاں بھی کچھ احباب فروکش تھے۔ اُن کے ساتھ جلسے کا حظ اُٹھایا۔ کوئی دو بجے گھر واپس آئے۔ لیکن جگہ جگہ ناچ گانے اور مغنیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ سب ہماری طرح میلا منا رہے ہیں۔

صبح ہم نے نہا دھو کر نئے جوڑے بدلے۔ اور مندر میں درشن کرنے گئے۔ یہاں سے لاٹھ کے نیچے آئے۔ مخلوقات جوق جوق جمع تھی۔ اور وہی کیفیت آ رہی تھی جو اوپر بیاں کر آیا ہوں۔ میرے لڑکے اور احباب لاٹھ پر چڑھے۔ لیکن چونکہ میں کل چڑھ چکا تھا۔ اس لئے آج نہ چڑھا۔ بلکہ ان کے انتظار میں ادھر اُدھر میلے کا لطف دیکھتا اور گشت لگاتا رہا۔ جب وہ تماشہ دیکھ کر اترے تو ہم سب خواجہ صاحب کی درگاہ میں آ گئے۔ یہاں متعدد مکان

اور یہیں سے انہیں اٹھاتے ہیں۔ ایک پنکھا نکل کر باہر آیا۔ تو ہم بازار میں چلے آئے۔ کیونکہ پنکھے کی کیفیت بازار میں ہے نہ کہ جھرنے پر۔

بازار میں میلے کا تنت تھا۔ میں اوپر کہہ آیا ہوں۔ کہ اس سال برسات بہت اچھی ہوئی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ سیر بہت بڑھ کے ہوگی۔ چنانچہ گو آج پہلا ہی دن تھا۔ لیکن چلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ اور کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ اس وقت بھی ابر تھا اور پھوار پڑ رہی تھی۔ جو اس میلے کی جان ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ تمام شہر اُمڈ آیا ہے۔ جس کو دیکھو مکلف لباس پہنے بانکا رچھا معلوم ہوتا تھا۔ امیروں اور زنان بازاری نے قمقمہ وغیرہ اور شیشہ آلات سے اپنے کوٹھے آراستہ کیے تھے۔ اور لوگوں کے کوٹھوں پر گو یہ آرائش نہ تھی۔ مگر مکلف فرش بچھے تھے اور خوش لباس جامہ زیب رسیا لوگ بیٹھے ہوئے بازار کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ نیچے دکانیں اس خوبی سے آراستہ تھیں۔ کہ طلسم کا عالم آنکھوں میں پھرا جاتا تھا۔ پتنگ والے۔ تنبولی۔ چھلے انگوٹھی والے۔ حلوائی۔ میوہ فروش۔ عطر فروش۔ کھلونے والے۔ غرض کس کس کا نام بتاؤں۔ پھر سب خوش پوش اور شیریں کلام دکانیں صاف اور اُجلی۔ جن میں اسباب کی ترتیب سے سلیقہ اور حسن مذاق ٹپکتا تھا۔ جس دکان پر جا کر کھڑے ہو جئیے۔ یہی جی چاہتا تھا۔ کہ یہیں سے جو کچھ چاہئے لے لو۔ آگے جانا لا حاصل ہے۔

ہم نے بازار کا ایک چکر لگایا تھا کہ پنکھے بھی بازار میں آ پہنچے۔ اس وقت جو ہجوم خلائق تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی تھالی پھینکتا۔ تو تمام بازار میں لوگوں کے سروں ہی پر جاتی۔ زمین پر گرنے نہ پاتی۔ ہم اپنے مکان پر آئے۔ اور برآمدے میں بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگے۔ میں بھی شہر کا رئیس تھا ہر ایک پنکھے والے کا فرض تھا کہ وہ میرے کوٹھے کے نیچے کچھ ٹھیرے۔ پنکھوں کے آگے تاشہ مرفہ ہوتا ہے۔ پھر ڈنڈے والے پٹہ باز اور بنوٹی باز۔ ان کے پیچھے کچھ لوگ خوانوں میں گلدستے سجائے آتے ہیں۔ پھر نفیری والے جو اپنے سریلے راگوں اور پرپیچ میٹھی تانوں

یہ ایک حوض ہے۔جس میں گدائی کا لطف ہے۔ اسی کے پاس چار حوض اور بنے ہوئے ہیں۔ اور ایک تنگ نہر سے جو ایک برج کے نیچے سے گزرتی ہے یہ جھرنے سے ملے ہوئے ہیں۔ برج میں بادشاہ بیٹھتے تھے اور گدائی کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ چاروں حوض اور نہر بیگمات کے نہانے اور جل بہار کے واسطے بنوائی گئی تھیں۔ گدائی خوب دھما دھم ہو رہی تھی ایک پہلوان کو دیکھا کہ دو نوجوان اس کے کندھوں پر سوار ہیں۔ ایک پشت پر چڑھا ہوا ہے۔ دو لڑکے ٹانگوں سے لپٹے ہوئے ہیں۔ سب کو لے کر کوٹھے سے چھلانگ مارتا تھا۔ اور ہوا میں سب الگ الگ ہو کر پانی میں جا پڑتے تھے۔ ہم کچھ دیر یہ تماشا دیکھتے رہے۔ پھر باہر نکل کر امرئیوں میں آئے۔ جہاں کہسار۔ سبزہ زار۔ آب رواں اور آم کے درختوں کی بہار ہے۔ جھرنے کے سامنے ایک بڑے ترچھے پتھر پر سے آدمی پھسل رہے تھے۔ بڑے بڑے درختوں میں جھولے پڑے ہوئے تھے۔ اور طاقت ور جوان ایسی پینگیں لیتے تھے کہ درخت کی پھننگ چھو آتے تھے۔

تمام پہاڑوں پر خلق اللہ ٹھیری ہوئی تھی۔ نیچے دکانیں تھیں۔ سودے والے اپنی دلکش صدائیں لگاتے تھے۔ میاں بہشتی اپنا کٹورا کھڑکاتے تھے۔ کہیں کوئی ملار گا تا تھا۔

جھولا کن ڈالو رے امریاں

رین اندھیری تال کنارے مرلا جھنگارے بادل کارے

بُندیاں پڑیں بُجھیاں بُجھیاں

جھولا کن ڈالو رے امرئیاں

ہم بہت دیر تک امرئیوں میں پھرتے اور وہاں کے تماشے دیکھتے رہے بچوں کو ہنڈولوں میں بٹھا کر جھلایا۔ ٹپکے کے آم خریدے اور دہیں چوسے۔ خوب مرچ مصالحے کے کچالو کھائے۔ آخر نفیری کی آواز کان میں آئی۔ یہ اس بات کا اعلان تھا۔ کہ پنکھے اُٹھنے کا وقت آ پہنچا۔ چنانچہ ہم پھر جھرنے پر آئے۔ یہیں ایک دالان میں پھول والے پنکھے بناتے تھے

چھوٹے چھوٹے کھلونے سے نظر آتے تھے۔ دہلی کا فاصلہ یہاں سے گیارہ میل ہے۔ لیکن جامع مسجد کے مینار اور جمنا کی دھار صاف نظر آتی تھی۔ کھیتوں کے ہرے۔ اور پیلے رنگ۔ عمارتوں کی نیرنگی اور ساخت خلا و ملا کی وسعت دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھی۔ ہم یہ نظارہ حیرت فزا دیکھ رہے تھے۔ کہ دو آدمی ایک پتنگ لے کر اوپر آئے۔ اس پر وقت تاریخ اور اُڑانے والے کا نام لکھا ہُوا تھا۔ اور اس شخص کو دو روپے انعام کا وعدہ تھا جو پتنگ اڑانے والے کے مکان پر دہلی میں پہنچا دے۔ انہوں نے ہم سے بھی اس تحریر پر دستخط کرائے اور بعد میں پتنگ اڑا کر چھوڑ دیا۔ خدا جانے وہ کس گاؤں میں کتنے کوس پر جا کر گرا ہوگا۔

ہم کوئی گیارہ بجے کے قریب اُتر کر نیچے آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے بچّے اور دوست بھی پہنچ گئے۔ ہم اپنی فرودگاہ میں جا کر ٹھیرے ملازموں نے مکان کو پہلے ہی سجا رکھا تھا۔ ہم نے کپڑے اُتارے۔ کھانا کھایا۔ اور چونکہ میں تھک کر چور ہو گیا تھا۔ گھنٹہ بھر کے واسطے آرام سے سو رہا۔ دو بجے مجھے میرے بچّوں نے جگایا کہ چلو جھرنے کی سیر کو چلیں۔ میں اٹھا۔ جو مُکلّف جوڑے بنوا کر لائے تھے۔ ان میں سے ایک ایک سب نے نکالا اور پہن کر بیٹھے۔ قسم قسم کے عطروں سے مکان پڑا مہکتا تھا۔ اور نئے کپڑوں کی سرسراہٹ کانوں کو نہایت ہی اچھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکے غل مچا رہے تھے۔ کہ سیر کو چلو۔ لیکن مجمع دوستاں بے رنگ بغیر رنگ چڑھے کیونکر چلنا۔ ایک صاحب نے اُٹھ کر اندر سے بوتل اور پیالہ نکالا اور دوسرے نے گزک کی ایک دو رکابیاں۔ ایک ایک جام نوش کر کے کچھ سرور آیا۔ تو سب اُٹھے اور جھرنے کی طرف چلے۔

راستے میں شمسی تالاب جو شمس الدین التمش کے نام سے مشہور ہے۔ کٹورے کی طرح پڑا چھلک رہا تھا۔ ہم نے ایک نظر اسے بیشک دیکھا۔ لیکن زیادہ نہیں ٹھیرے۔ بلکہ خراماں خراماں جھرنے پر آئے

پانی نہیں پیا کرتی تھی - جو لوگ اس کو مسجد زینت الاسلام کا ماذنہ سمجھے ہوئے ہیں - وہ غلطی پر ہیں - مسجد کا ماذنہ ہوتا تو اُس کا دروازہ کبھی شمال رویہ نہ ہوتا - ساتھ ہی یہ بات بھی ہے - کہ مسلمانی عمارتیں ہمیشہ کرسی دے کر بنائی جاتی ہیں - اور یہ مینار کرسی دے کر نہیں بنایا گیا - ہاں ان عربی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے - کہ مسلمانوں نے اس میں بہت کچھ تغیّر وتبدل کیا ہے ؛

کہتے ہیں کہ یہ مینار پہلے سو گز بلند تھا - اور اس میں سات کھنڈ تھے اب صرف پانچ کھنڈ باقی ہیں - اور بلندی تقریباً اسّی گز ہے - اُس کے اندر چکّر دار زینہ ہے - اور روشنی کے واسطے جا بجا روشن دان بنے ہوئے ہیں - لیکن چمگادڑوں نے اتنے گھونسلے بنا رکھے ہیں - کہ بو کے باعث سے چڑھنے والے کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے - ہم ناک پر رومال رکھ کر داخل ہوئے - اور ہانپتے ہوئے درجۂ اوّل کے برآمدے پر پہنچے - یہاں سے ہم نے نیچے کی عمارتوں - جوگ مایا کے مندر اور ادھم خاں کے مقبرے کے دلکش نظارے دیکھے - یہ ادھم خاں وہی اکبر کا کوکہ ہے - جسے بادشاہ نے فصیل قلعہ سے پھنکوا کر ہلاک کیا تھا - مقبرے کا گنبد بہت بڑا ہے - اور تہ خانے میں بھول بھلیاں اس بلا کی ہیں - کہ اُن میں کئی آدمیوں کو راستہ نہیں ملا - اور جان سے گئے - چنانچہ اب اس کا بند کر دیا گیا ہے - اور کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے - مہرولی کے اور مکانات کا نظارہ بھی یہاں سے بہت خوبصورت نظر آتا ہے ؛

اسی طرح ہر ایک درجے کے اختتام پر برآمدے بنے ہوئے ہیں - اُن پر سے ہم طرح طرح کے نظاروں کا لطف اُٹھاتے اخیر کے درجے پر پہنچے - یہاں ایک چبوترہ ہے - اور اُس کے گرد لوہے کا جنگلا - کچھ نہ پوچھئے جو منظر دلفزا یہاں نظر سے گزرا - نیچے سڑک پر چلتے ہوئے آدمی ایسے نظر آتے تھے - جیسے بالشتئے آدمی ہوں - گاڑیاں اور گھوڑے بالکل

چڑھیں۔ چنانچہ ہم دونوں لاٹھ کی طرف چلے ؛

یہاں عمارتوں کا ایک مجمع کثیر ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک قابل دید ہے۔ سب سے پہلے ہم مہاراج پرتھوی راج کے مندر میں گئے۔ یہ ایک پُرانی عمارت پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ستونوں اور دیواروں پر جا بجا پتھر کی اُبھری ہوئی مورتیں ہیں۔ جو سب کھنڈت ہیں۔ صحن نہایت وسیع ہے۔ اور اس میں لوہے کا ایک مینار ہے۔ جسے کیلی کہتے ہیں یہ گول ہے اور اتنی موٹی کہ جوان آدمی بازوؤں کو پھیلا کر اس کے گرد لپیٹ سکتا ہے۔ آٹھ دس گز زمین کے اوپر ہے۔ اور اس سے کچھ زیادہ نیچے کئی دھاتوں کو ملا کر بنائی ہے۔ اور ہندوؤں کی پرانی صنعت کا نمونہ ہے۔ سڑک کی دوسری جانب ایک اور بھی عجیب عمارت ہندوؤں کی قدیم کاریگری کی یادگار ہے جسے چونسٹھ کھمبا کہتے ہیں۔ یہ محض پتھر کی عمارت ہے اور دیکھنے والے کو بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں چونا یا اور کسی قسم کا مصالح نہیں لگایا گیا۔ ستونوں پر گلکاری ہے۔ یہی عمارت کو سنبھالے کھڑے ہیں اور یہی کڑیوں کی بجائے چھت میں دئے گئے ہیں ؛

ان کے قریب ہی علاءالدین خلجی کے بنوائے ہوئے عالیشان دروازے ہیں۔ کچھ مقبرے ہیں۔ کچھ اور عمارتیں ہیں۔ جن میں پتھر کی گلکاری بڑی صنعت کی ہے۔ اور جالیاں ایسی کاٹی ہیں۔ کہ دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ لیکن جس عمارت پر بار بار نظر پڑتی ہے۔ وہ قطب کی لاٹھ ہے۔ یہ سنگ سرخ کا ایک مدوّر مینار ہے۔ جس میں باترتیب گول اور تکونی پخیں دی ہوئی ہیں۔ بیچ بیچ میں سنگ مرمر کی پٹیاں ہیں۔ گلکاری بھی ہے اور خط نسخ میں عبارتیں بھی کندہ ہیں۔ جو قرآن کی آیتیں ہیں۔ ان سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ عمارت مسلمانی ہے۔ لیکن حال کی تحقیق سے ثابت ہوا ہے۔ اور انہیں محققوں میں علیگڈھ والے سر سید احمد بھی ہیں۔ کہ یہ لاٹھ مہاراج پرتھوی راج نے اپنی بیٹی کے واسطے بنوائی تھی۔ جو بغیر جمنا جی کے درشن کئے

حقیقت میں ابر چھایا ہؤا تھا۔ اور کبھی کبھی پھوار بھی پڑتی تھی۔ جو سماں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ اسی کے مزے لوٹتا ہؤا چل کھڑا ہؤا۔ پانچ میل چیز ہی کیا ہوتے ہیں۔ اس پر میلے کا دن۔ جگہ جگہ پیاؤیں لگی ہوئیں۔ دکاندار بیٹھے ہوئے۔ کہیں مرہٹیاں ہو رہی ہیں۔ کہیں ناچ گانے کا سامان ہے۔ راستہ معلوم بھی نہیں ہؤا۔ اور مجھے قلیل زعرصے میں لاٹھ کا آسمان فرسا سر نظر آنے لگا۔ یہاں سے نظارہ بدلتا ہے۔ اب میدان کی بجائے پہاڑیاں بھی نظر آتی ہیں اور جگہ جگہ پرانی عمارات بھی دکھائی دیتی ہیں۔ کوئی آدھ گھنٹے میں میں دروازہ مہرولی میں داخل ہؤا۔ ایک دروازہ چوک کے ایک طرف ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ یہ بھی کوئی قدیم عمارت ہے لیکن اب اس میں سرکاری مسافر خانہ ہے۔ اور چونکہ اُس میں انگریز ٹھیرتے ہیں۔ اس لئے چوک کو ایک خوشنما باغیچہ بنا رکھا ہے *

میں دروازہ سے نکل کر بجائے اس کے کہ لاٹھ کی طرف جاؤں۔ جوگ مایا جی کے مندر میں پہنچا۔ یہ مندر تو چھوٹا سا ہے۔ لیکن اس کے گرداگرد رئیسوں اور بھگتوں نے عالیشان مکان بنوائے ہیں۔ جن میں ہر شخص کو بلا کرایہ ٹھیرنے کی اجازت ہے۔ چوک فراخ ہے۔ اور اس میں یہ مکان بہت ہی زیب دیتے ہیں۔ یہاں حلوائیوں اور دلی کے جٹخاروں کی ہر طرح کی دکانیں ہوتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ یہاں ٹھیرتے ہیں۔ انہیں کھانے پینے کا سامان خریدنے کے واسطے قصبے کے بازار میں نہیں جانا پڑتا ہیں مندر کے چوک میں داخل ہؤا ہی تھا۔ کہ ایک کھتری دوست مل گئے۔ مجھے پسینے میں تر دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور پوچھنے لگے۔ کیا پیدل آئے ہو۔ لڑکے بالے اور گاڑی کہاں ہے۔ میں نے کہا سب آتے ہیں۔ میں حقیقت میں پیدل ہی آیا ہوں۔ وہ مجھے اپنی فرودگاہ پر لے گئے۔ مُنہ دھلایا۔ ہاتھ پاؤں دھلائے۔ اور ہار بتاشے لے کر ہم مندر میں درشن کرنے گئے۔ چڑھاوا چڑھایا۔ پنڈوں کو پیسے بانٹے۔ پھر باہر آ کر کچھ ناشتہ خریدا اور کھا پی کر تازہ دم ہؤا۔ میرے دوست نے کہا۔ چلو لاٹھ پر

بڑی نہیں ہے جتنی یہ ہے۔ ہاں بنارس کی عمارت جوں کی توں قائم ہے اور یہ منہدم ہوگئی ہے۔ میں سڑک سے اتر کر اس کی سیر کرنے لگا۔ یہاں ایک پنڈت جی مجھے ملے جو جوتشی تھے۔ مکانوں کو منہدم دیکھ کر افسوس کرتے اور کہتے لگے۔ راجہ مان سنگھ کو جوتش میں بہت اچھا دخل تھا۔ دیکھو یہ دائرہ ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے اور دیکھو یہ نصف دائرہ ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہے اور اس مینار سے اس گرہ اور نکشتر کو یوں دیکھتے ہیں۔ اور خدا جانے وہ کیا کیا کہتے۔ مگر چونکہ مجھے جوتش میں دخل نہیں تھا۔ اس باعث سے زیادہ نہیں ٹھیرا۔ ہاں پنڈت جی کی اس رائے سے میں بھی متفق الرائے تھا۔ کہ یہ عجیب عمارات اس کس مپرسی کی حالت میں ہرگز نہیں رہنی چاہیئےتھیں +

یہاں سے دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر صفدر جنگ کا مقبرہ ہے جو ایک نہایت ہی شاندار اور خوش قطع عمارت ہے۔ تعمیر اکبری یعنی ہمایوں کا مقبرہ اس سے بڑا بے شک ہے۔ اور اس پر صرف بھی کثیر ہوا ہے۔ لیکن جو بات اس عمارت میں نکلتی ہے۔ وہ ہمایوں کے مقبرے میں نہیں نکلتی۔ عمارت کا بیان طویل ہوگا۔ اس وجہ سے میں اسے چھوڑتا ہوں۔ ہاں یہ مقبرہ دِلّی اور مہرولی کے عین بیچ میں واقع ہے۔ اس وجہ سے کیا پیدل اور کیا سوار دونوں یہاں دم لینے کو ٹھیرتے ہیں۔ دروازے کے باہر سڑک پر بجائے خود ایک میلا لگا رہتا ہے۔ حلوائیوں۔ نان بائیوں۔ میوہ فروشوں کی دکانیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ مقبرے کے سامنے ایک چھوٹا سا مندر ہے۔ میں یہاں جاکر بیٹھا۔ کچھ لوگ حقہ پی رہے تھے۔ اُنہوں نے چلم کی تواضع کی۔ بہت دیر تک آتے جاتے آدمیوں اور سواریوں کا تماشہ دیکھتا رہا۔ آخر طبیعت اُکتا گئی۔ کہ نہیں معلوم بچّے اور احباب کب تک پہنچیں۔ چلو ابر کا دن ہے۔ ٹہلتے ٹہلتے جوگ مایا جی کے مندر میں پہنچو اور درشن کرو +

اکثر کم درجے کے آدمیوں کے کندھوں پر گٹھڑیاں تھیں۔ اور میلے کپڑے پہنے ننگے پاؤں چلے جاتے تھے۔ ان کی حیثیت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ غریب آدمی ہیں۔ لیکن کندھوں پر جو گٹھڑیاں ہیں۔ اُن میں اُن کا سامان امارت بندھا ہوا ہے۔ شام کو پنکھے کے ساتھ انہیں لوگوں کو دیکھئے۔ تو اچھے خاصے نواب دوجانہ و لہارو معلوم ہونگے ۔

ایک اور تماشہ دیکھ کر مجھے کئی بار ہنسی آئی۔ دہلی میں قاعدہ ہے کہ جتنے آدمی کسی کارخانے میں کام کرتے ہیں۔ سب چندہ کر کے میلے میں جاتے ہیں اور اپنے ساتھ بال بچوں کو بھی لے جاتے ہیں۔ ایک بڑی سی بہلی جس میں آگے پیچھے ماچیاں بھی ہوتی ہیں۔ کرائے کر لیتے ہیں۔ بچوں کو اس میں بٹھا دیا۔ آپ ننگے پاؤں ننگے سر میلا کرتا پہنے ساتھ ہو لئے۔ اب ایک گاڑی ہے اور اس میں کھچا کھچ بچے اور بڑے سب بھرے ہوئے ہیں۔ کوئی بہیے پر کھڑا ہے۔ کسی نے کہیں اور پاؤں اڑا رکھا ہے۔ گاڑیبان غریب دیہاتی آدمی چلاتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔ کہ ابے تم میری گاڑی ہی مت توڑ دینا۔ لیکن میاں جی ہیں یا سنگھ جی ہیں۔ کون سنتا ہے۔ شستہ دِلّی کے روزمرّہ میں اسی غریب کو پھبتیاں اور صلواتیں سناتے چلے جاتے ہیں۔ جن کو وہ نہیں سمجھتا۔ اور راہ گیر ہیں کہ ہنسی کے مارے لوٹے جاتے ہیں ۔

دروازے سے دو ڈھائی میل کے فاصلے پر ہنومان جی کا عالیشان مندر ہے۔ یہاں آتا جاتا آدمی بالعموم ٹھہرتا ہے۔ مندر کی طرف سے پیاؤ لگی رہتی ہے اور دکاندار بھی دکانیں لگائے بیٹھے رہتے ہیں۔ پاس جنتر منتر کی عجیب و غریب عمارتیں ہیں۔ یہ ایک رصدگاہ ہے جو شاہنشاہ اکبر کے زمانے میں مہاراج مان سنگھ والئے جے پور نے بنوائی تھی۔ ان کی ایک رصدگاہ بنارس میں بھی ہے۔ لیکن وہ اتنی

دور کرنیکے لئے خاطر سے دوری کا سماں

میری طرح بہت سے میلے کے شیدائی علے الصباح ہی گھر سے چلے تھے۔ ان میں سے اکثر تو پا پیادہ جانے والے تھے۔ اور بہتیرے اس ارادے سے آئے تھے۔ کہ شہر کے باہر سے سواری میں بیٹھ جائیں گے۔ ہم سب بھجنوں اور راگوں کے میٹھے سُر اور ہنسی مذاق اور قہقہوں کی آوازیں سنتے اجمیری دروازے سے نکل کر شہر کے باہر آئے آسمان پر بادل سے چھائے ہوئے تھے۔ لیکن مشرق میں طلوعِ آفتاب کی سُرخی نمایاں تھی۔ اور بادلوں کے کنارے اس سے اس طرح رنگین نظر آتے تھے۔ جس طرح عروس فلک نے گوٹہ دار دوپٹہ اوڑھا ہو۔ یہاں دورویہ سڑک کے کنارے سینکڑوں بہلیاں۔ گاڑیاں جھولیاں بجے اور رتھ کھڑے ہوئے تھے۔ جو محض کرایہ کمانے کے واسطے باہر کے دیہات اور قصبات سے آئے تھے۔ چار آنہ سواری چھ آنہ سواری کی صدائیں بلند تھیں۔ آدمی آتے جاتے تھے۔ اور بیٹھ بیٹھ کر چلتے جاتے تھے۔ مجھ سے بھی لوگوں نے کہا کہ چار آنے کا مُنہ نہ دیکھو۔ عزّت دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔ آؤ گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ لیکن میں مسکرا کر چپکا ہو رہا۔ اور آگے چل دیا۔

پہاڑ گنج کی آبادی سے نکل کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ شہر ختم ہو گیا۔ اور اب ہم باہر ہیں۔ سڑک کھلی ہوئی اور فراخ ہے۔ کہیں کھیتی ہوتی ہے۔ کہیں باغات اپنی بہار دکھاتے ہیں۔ جگہ جگہ پُرانی عمارت بھی آتی جاتی ہیں۔ میں یہ تماشہ تو دیکھنا ہی تھا۔ لیکن زیادہ لطف میلے میں جانے والوں کا تھا۔ سواری گاڑیوں اور گھوڑوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ہٹو۔ بچو کی صدائیں ہر دم گوش زد ہوتی تھیں۔ دکاندار بہلیوں اور چھکڑوں پر دکان کا اسباب لادے جا رہے تھے۔ کہار بھاری بھاری بھنگیاں اٹھائے اور اپنی خاص بولیاں بولتے مزے سے دوڑے جاتے تھے۔ خلق خدا تھی کہ پا پیادہ رواں تھی۔

والوں کے دلوں میں گدگدی کیا کرتی ہے۔ اور امیر غریب سب کو کھینچ کر لے جاتی ہے ۔

ایک دو روز پہلے میں نے اور میرے دوستوں نے جو جو تیاری کرنی چاہیئے تھی سب کر لی تھی۔ بدھ کے روز میں علے الصباح اُٹھا۔ اس وقت ابر آسمان پر محیط تھا۔ اور نہایت سہانا سماں تھا۔ میں نے سوچا۔ سب کے جمع ہوتے ہوتے اور سواری گاڑیوں کا انتظام کرتے کرتے نو دس بجے سے پہلے چلنا مشکل ہوگا۔ ٹھنڈک کا وقت ہے آؤ ٹہلتے ٹہلتے مقبرہ صفدر جنگ تک جو نصف راہ میں واقع ہے۔ چلے چلیں۔ جاتے ہوئے خلق اللہ اور گاڑی سواری کی سیر دیکھیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنے بچوں کو چھوٹے بھائی کے سپرد کیا۔ کہ اور دوستوں کے ہمراہ آ جانا میں چلتا ہوں۔ تم سے مقبرے پر ملا تو ملا۔ ورنہ جو مکان مہرولی میں کرائے لیا ہے۔ وہیں ملوں گا۔ وہ ہنسنے لگا کہ ایسی بھی کیا بے تابی ہے۔ گاڑی گھر کی موجود ہے۔ میں ابھی کسوالاتا ہوں۔ پاپیادہ اتنی دور کہاں جاؤ گے۔ لیکن میں نے نہ سنی۔ اور فوراً چل کھڑا ہوا۔ اللہ اللہ کیا دلکش سماں تھا۔ گھر سے بازار میں آیا۔ تو حضرت مہر کے یہ اشعار یاد آئے ۔

اشعار

نور کا تڑکا ہو جب اور صبح صادق کا ظہور
آمد شاہنشہ خاور سے ہو مشرق میں نور

ہو ادھر مندر میں ناقوسِ برہمن کی صدا
اور مسجد میں ادھر بانگِ اذاں کچھ گھر سے دور

جا رہے ہوں آدمی کچھ خال خال اشنان کو
اور سُر اُنکے بھجن کے کان کو بخشیں سرور

چل رہی آہستہ آہستہ ہو بادِ صبح گاہ
ہولے ہولے لینے ہوں جھونکے شجر نزدیک و دور

ذکر اور تسبیح میں مشغول ہوں مردانِ حق
اور شاخوں پر ہوں مصروفِ نوا سنجی طیور

جو صدا ہو وہ صدا ہو قلب کو بخشے سکوں
جو سماں ہو وہ سماں ہو کے حضور ئیے حضور

وقتِ مستی ہے یہ وقت حق پرستی ہے یہی
وجد میں آ وجد میں آ گل بھی کر شمع شعور

یہ سماں ہے قرب کا یہ ہے حضوری کا سماں

پھولوں کا چھپر کھٹ چڑھاؤں گی۔ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی ایک صوفی بزرگ خاندان غلامان کے عہد میں ہوئے ہیں۔ ان سے لوگوں کو بہت کچھ عقیدت رہتی چلی آتی ہے۔ چنانچہ ان کی درگاہ ایک نہایت شاندار عمارت ہے۔ اور عہد بعہد اس میں شاہان و امرائے اسلام اضافے کرتے آئے ہیں۔ ولیعہد جب رہا ہو کر دہلی آیا۔ تو بیگم نے اپنی منّت پوری کرنی چاہی۔ چنانچہ بادشاہ اور رؤسا و امرا سب مہرولی پہنچے۔ بادشاہ کی خوشی میں اہل شہر بھی خوشی منانے جوق جوق گئے۔ چھپر کھٹ میں پھولوں کا ایک پنکھا بھی آویزاں تھا۔ شام کو جب جلوس کے ساتھ درگاہ کو چلے تو اچھے خاصے میلے کا مزا آتا تھا۔ بادشاہ ایسے خوش ہوئے کہ اس کو پنکھا چڑھانے کا دوامی میلا قرار دے دیا۔ اور تاریخ انعقاد ساون کی جمعرات مقرّر کی۔ یہاں چونکہ جوگ مایا جی کا مندر بھی بڑی رونق کا مکان ہے۔ ہندوؤں نے بدھ کو وہاں پنکھا چڑھانا شروع کر دیا۔

اس طرح ہندو مسلمان دونوں کا ہر سال۔ بڑا بھاری میلا ہونے لگا۔ شاہی زمانے میں بڑی دھوم دھام ہوا کرتی تھی۔ اکبر بادشاہ کو یہاں کا پانی بہت پسند تھا۔ برسات میں مہینوں یہیں رہا کرتے تھے۔ اور روز جھلیں اور جلسے رہتے تھے۔ کچھ مکان بادشاہ نے رہنے کو بنوائے۔ کچھ رؤسا نے۔ اس طرح روزمرّہ رونق بڑھتی چلی گئی۔ میلے کے دنوں میں تمام شاہزادے اور امیر رئیس گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار، پنکھے کے ساتھ ہوتے تھے۔ گھر گھر ناچ اور گانا ہوتا تھا۔ بازار میں آئینہ بندی ہوتی تھی۔ غرض بہت کچھ تزک و احتشام کیا جاتا تھا۔ اب وہ تکلّف تو باقی نہیں رہا۔ نہ پنکھوں کے ساتھ ہاتھی گھوڑے ہوتے ہیں۔ نہ فوج کی پلٹنیں۔ لیکن میلا اسی دھوم دھام کے ساتھ ہوتا ہے۔ پنکھوں کے ساتھ خلق خدا کا وہی ازدہام ہوتا ہے۔ اور بازار نہایت رونق کے ساتھ آراستہ کیا جاتا ہے۔ یہی رونق دلّی

دلّی یہی ہے۔ اب تک یہاں راجہ پرتھوی راج کے محل اور مندر کھڑے ہیں اور سب جانتے ہیں۔ کہ پرتھوی راج شہر دہلی کا اخیر ہندو راجہ ہے جس نے محمد غوری سے شکست کھائی۔ اور بعد میں ہندوؤں کی بجائے مسلمان ہندوستان کے فرمانروا ہوئے۔ پرتھوی راج کے مکانات ہندوؤں کے زمانے کی یاد دہانی کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی عمارتیں ہر ایک خاندان شاہان اسلام کی یادگار ہیں۔ غوری۔ غلام اور خلجیوں کی عمارات چپے چپے پر ملتی ہیں۔ تغلق۔ لودھی۔ اور مغلیہ تعمیرات کی بھی کمی نہیں ہے پہلے اس شہر کا پھیلاؤ کوسوں میں تھا۔ اب آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ لیکن میلوں تک جدھر نکل جائیے پرانی رفیع الشان عمارتیں جگہ جگہ ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض سلامت ہیں بعض منہدم ہوگئی ہیں یا ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن سب کے در و دیوار کیا ہیں۔ گویا تاریخ ہندوستان کے اوراق کہنہ ہیں۔ جنہیں لوگ شوق سے دیکھنے جاتے ہیں:

از نقش و نگارِ در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

اراولی پربت کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں میں شہر واقع ہے۔ اس وجہ سے یہاں کہسار۔ سبزہ زار اور آبِ رواں کا بھی لطف اکثر موقعوں میسر ہے۔ یہ نظارے بھی نہایت دلکش اور جانفزا ہیں۔ اور برسات میں دلّی والوں کو اکثر کھینچ کر لے جاتے ہیں:

گو مقام پرانا ہے۔ لیکن پھول والوں کی سیر اتنا پرانا میلا نہیں ہے۔ اس کی ابتدا اخیر شاہ مغلیہ کے باپ شاہ اکبر ثانی کے زمانے میں ہوئی ہے۔ ان کے بیٹے مرزا جہانگیر کو جو ولیعہد تھا۔ سرکار انگریزی نے ایک مرتبہ نظر بند کر کے الہ آباد بھیج دیا تھا۔ بادشاہ بیگم کو بیٹے سے بہت محبت تھی۔ اس نے منّت مانی کہ شہزادہ بخیر و عافیت دہلی میں واپس آئے تو میں قطب صاحب کی درگاہ پر

کون دلّی والا ہے۔ جو پھڑک نہ جائے۔ میرے دل میں بھی جوش اور شباب پیدا ہوئی۔ اور میں نے ایک شخص سے پوچھا۔ کون سی تاریخیں قرار پائی ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ دوسرے ہفتے کے بدھ جمعرات مقرر ہوئے ہیں۔ ہر طرف یہی چرچا تھا۔ کہ سیر ٹھیر گئی۔ اور اگلے ہفتے میں بدھ جمعرات کو ہوگی۔ میں شام کو گھر واپس آیا۔ تو محلّے کی نشستوں میں بھی یہی چرچا ہوتے سنا۔ احباب نے مجھ سے پوچھا۔ کہو لالہ شام بہاری امسلے کے دنوں ہی میں جاؤ گے یا کچھ پہلے۔ لیکن چونکہ اکثر دوست ملازمت پیشہ تھے۔ دو دن کی چھٹی ملنی مشکل تھی۔ اس وجہ سے یہی رائے قرار پائی۔ کہ بدھ کو علی الصبح چلیں گے۔

پھول والوں کی سیر دلّی کا سب سے بڑا اور ستھرا میلا ہے۔ اہل شہر کیا غریب کیا امیر۔ سب اس کے شیدائی ہیں۔ اور ہفتوں کیا مہینوں پہلے سے تیاری کیا کرتے ہیں۔ بھڑک دار جوتے۔ مکلّف جوڑے۔ بانکی ٹوپیاں بنوائی جاتی ہیں۔ جن کے پاس روپیہ نہیں ہوتا۔ وہ قرض دام کرتے ہیں۔ مگر میلے میں جاکر دل کی امنگیں ضرور نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ مثل چلی آتی ہے کہ اگر کسی دلّی والے کے پاس یہ دیکھنا چاہتے ہو۔ کہ سب سے اچھا جوڑا کون سا ہے۔ تو پھول والوں کی سیر میں جاکر دیکھیو۔ میں نے بھی اپنے لئے۔ اور بچوں کے لئے مکلّف جوڑے بنوائے۔ کپڑے وضعدار جوتے خریدے۔ مہرولی میں سرِ بازار مکان لینے کا بندوبست پہلے سے کیا۔ کیونکہ سیر بہت اچھی ہوتی نظر آتی تھی۔ میلے کے دنوں میں شاید دو سو روپے کو بھی کوٹھا نہ ملتا۔ ایک معقول مکان جس میں گنجائش بھی کافی تھی۔ اور بازار کے رُخ بھی تھا۔ ہمیں تقریباً سو روپے دے کر تین روز ٹھیرنے کو مل گیا۔ اور ہم تین چار دوستوں نے حصہ رسد روپیہ دے دیا۔

مہرولی جہاں یہ میلا ہوتا ہے۔ دلّی سے گیارہ میل کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے۔ آج کل یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ لیکن پرانی

واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ اُن سے سبق لیا جائے - تو بے ثباتئ دنیا نظر میں کھب جاتی ہے اور آدمی اپنے سدھار کا فکر کرنے لگتا ہے - میں اپنی زندگی کا ایک ایسا ہی واقعہ آپ کو سناتا ہوں - بادی النظر میں وہ معمولی سا واقعہ معلوم ہوگا - لیکن اسی نے میری آنکھیں کھول دیں - اور میں دنیا کو ترک کر کے فقیر بن گیا ۔

میں دہلی کا رہنے والا اور قوم کا کھتری ہوں - اس وقت میری عمر تقریباً ساٹھ برس کی ہے - اب نہ وہ زور و طاقت رہی - نہ وہ شکل و صورت رہی - لیکن عالم جوانی میں میں ایک قد کشیدہ جوان رعنا تھا - جامہ زیبی مجھ پر ختم تھی - چوڑی دار پاجامہ اور چست انگرکھا پہنے - بانکی دوپلڑی ٹوپی دھرے - پاؤں میں خوش وضع ڈیڑھ حاشیہ جوتا - اور ہاتھوں میں نہایت نفیس چھڑی - مونچھوں پر تاؤ دیتا شام کے وقت خراماں خراماں چاندنی چوک میں پھرا کرتا تھا - تو مرد مجھے نگاہ رشک و حسد سے دیکھا کرتے تھے - اور زنان بازاری تانگوں پر سے جھک جھک کر سلام کیا کرتی تھیں ۔

میں آسودہ حال اور فارغ بال آدمی تھا - اکثر دوستوں کے جلسے ہوتے - کھاتے پیتے - ہنستے بولتے - کبھی میلے تماشے دیکھنے - کبھی سیر سپاٹے کرتے اس مزے سے زندگی بسر ہوتی تھی - میں اکثر یہ قطعہ پڑھا کرتا تھا ۔

صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے ۔۔۔ شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے ۔۔۔ اب تو آرام سے گزرتی ہے

برسات کے موسم میں ایک روز میں حسب معمول چھڑی لئے چاندنی چوک میں گشت لگا رہا تھا - دور سے کچھ آدمی نفیری بجاتے آتے تھے - برسات بہت اچھی ہوئی تھی - اور اس موسم میں نفیری لطف دے رہی ہے - میں کانوں کا رسیا تھا - سُریلی صدا سُننے کو آگے بڑھا - بہت سے آدمی یہ کہتے چلے آتے تھے - لو صاحب سبز ٹھہر گئی - اس خبر کو سُن کر

اس بھاو نے اور بھی شانتی دی - ہیں اب سوتے جاگتے - چلتے پھرتے - کھاتے پیتے - یہی بھاو من میں رکھتا ہوں - اور بہت پرسنّ رہتا ہوں۔

اس کتھا کے پرسنگ سے میں نے آپ کو اپنا حال سنایا ہے تاکہ گرہست کی زندگی سے لوگ سبق حاصل کریں - اور میری اب کی زندگی سے اس کا مقابلہ کریں +

میرے گورو کی وفات کبھی کی ہو چکی ہے - ان دنوں ہردوار کے اشنان کو آیا تھا - وہاں مجھے آپ کے درشن ہوئے - اور آپ کی امرت بانی سن کر ایسا انند آیا - کہ میں آپ کے ساتھ بدری نارائن چلا آیا +

تیسرے سادھو کی کہانی

خاص واقعات سے دنیا کی بے ثباتی

دنیا بس چار دن کا میلا ہے مہر | میلے میں بھی تو یہاں اکیلا ہے مہر
تنہا جائے گا جیسے آیا تنہا | جو کچھ ہے بیچ میں جھمیلا ہے مہر

ایک اور سادھو بولے مہاراج انیانند کی زندگی خوشی کی زندگی تھی - اس میں کانگڑے کے زلزلے کا ایسا جانخراش اور عبرت ناک سانحہ پیش آیا - کہ اس کی آنکھیں کھل گئیں - ایسے سانحے ہر شخص کی زندگی میں پیش نہیں آیا کرتے - اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے - کہ ہر ایک شخص کالورام کی طرح رنج و تکلیف کی زندگی گزارتا ہوا بڑھاپے میں جوتیاں کھا کر گھر سے زبردستی باہر نکالا جائے - ممکن ہے کہ آدمی بوڑھا ہونے اور پٹنے سے پہلے ہی چل بسے - اس صورت میں گویا اس کا جنم ہی اکارت گیا - اور اس نے اس دار عبرت میں آنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا - اس لئے آدمی کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئیں - زندگی میں روزمرہ ایسے

ننگے سر ننگے پاؤں مندر میں آیا - یہاں صبح بھی کتھا ہوتی تھی - اور وہی کلی کا پرسنگ تھا - دو گھنٹے میں بیٹھا سنتا اور روتا رہا - آخر سب اُٹھ کر چلے گئے اور پانچ چار آدمی رہ گئے - جو وہاں کے مدار المہام تھے - میرا کالا رنگ - بھدی صورت - اور ہیئت کذائی سے وہ مجھے کہار سمجھے تھے - کہنے لگے - مہاراجی بڑے پریمی بھگت ہو - کہیں نوکر ہو یا خالی ہو - مہاراج سادھو جی کی خدمت کو ایک آدمی چاہیئے - مجھے بھگوان ملے - میں نے کہا میں خدمت کو حاضر ہوں - لیکن مجھے گیروے کپڑے پہنا کر اپنا چیلا کر لیجئے - تنخواہ وغیرہ مجھے نہیں چاہیئے - لوگوں نے میرا حال پوچھا - اور میں نے شروع سے اخیر تک اپنی مصیبت بھری کہانی سنائی - سادھو کو رحم آیا - اور اُس نے مجھے اپنا چیلا بنا لیا۔

انہیں آدمیوں میں سے جو یہاں بیٹھے تھے - ایک شخص میرے لڑکے کے دفتر میں ملازم تھا - اُس نے تمام حال دفتر میں جا کر کہا - اور میرا لڑکا سب کی نظر میں حقیر ہو گیا - وہ کئی بار خود بھی میرے پاس آیا - اور اور لوگوں کو بھی لایا - لیکن میں سنیاس لے چکا تھا - اس کے ساتھ نہیں گیا - مہاتما سادھو کی میں نے دل وجان سے خدمت کی اور اُنہوں نے مجھے ہندی کے گرنتھ سچار ساگر وغیرہ پڑھائے - ایک بھگت مجھے ہندی کی یوگ واسشٹ دے گئے تھے - وہ میں اکثر پڑھا کرتا تھا - میں نے سادھو سیوا میں سہن شیل بننے کی کوشش کی - میرا مزاج چڑچڑا تھا - جس سے مہاتما ناراض ہوتے تھے - ایک روز انہوں نے مجھ سے کہا - دیکھو کالو رام - مردانگی کی یہ بات نہیں ہے - کہ کوئی تمہیں ایک کہے اور تم پلٹ کر جواب میں اس کو چار سناؤ - مردانگی یہ ہے کہ سن کر من کو ضبط کرو - اور بات کو پی جاؤ - میں نے ایسا ہی کرنا شروع کیا - اس سے من میں شانتی کا سکھ پیدا ہونے لگا - اور گیان کتھا مجھے زیادہ میٹھی معلوم ہونے لگی - مہاتما کے اپدیش اور اپنے پڑھنے اور بچارنے سے جگت کا موہ طبیعت سے فرو ہونے لگا - اور مجھے یہ سمجھ آنے لگی - کہ سارا جگت میرا ہی آتما ہے - کوئی مجھ سے جدا نہیں ہے -

پھر شروع کیں۔ اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر مجھے کوسنے لگی۔ بیں دن رات کا بھوکا تھا اس پر بہینوں کا غم و غصّہ۔ مجھے بھی طیش آگیا۔ اور بولا۔ کمبختو! تمام عمر بیل کی طرح میں تمہارے لئے پلتا رہا۔ خود ہزار طرح کی تکلیف بھوگی اور تمہیں آرام پہنچایا۔ اس کا صلہ یہ ملتا ہے۔ کہ رات کو میں بھوکا سویا۔ اور تم نے میری بات بھی نہیں پوچھی۔ گھر کا ناس مل گیا۔ اور تم میں سے کسی نے ذرا بھی مدد نہیں دی۔ ہے پرماتما ایسی نالائق اولاد کسی کو نہ دیجیو۔ اور ایسی ڈاین بیوی کسی کو نہ دیجیو۔ بیوی ڈاین کا لفظ سُنتے ہی بولی۔ ڈاین تیری ماں۔ ڈاین تیری بہن۔ اور اُس نے کھڑے ہو کر اپنا سر پیٹنا شروع کیا۔ مجھے غصہ چڑھ ہی رہا تھا۔ میں نے کہا۔ پیٹ حرامزادی۔ تیری ساری عمر یوں ہی پیٹتے گزری اور گزرے گی۔ مہاراج یہ سُن کر وہ میری طرف جھپٹی اور اپنے سر کی بجائے اُس نے سخت دوہتڑوں سے میرا سر پیٹنا شروع کر دیا۔ میں بوڑھا اور کمزور آدمی وہ تن و توش والی عورت۔ سچ کہتا ہوں وہ دوہتڑ میری چاند پر اس طرح پڑتے تھے۔ جیسے کوئی اینٹیں مار رہا ہے۔

میں نے اُسے دھکّا دیا۔ صحن میں پانی پڑا ہوا تھا۔ وہ پھسل کر گری۔ اور اُس نے گھر سر پر اُٹھا لیا۔ ارے کمبخت بیٹے میں نے تجھے نو مہینے گربھ میں اس لئے رکھا تھا۔ میں نے برسوں تیرا گوموت اس لئے اٹھایا تھا۔ کہ تو مجھے پٹتا دیکھے اور کچھ نہ بولے۔ مہاراج بیٹا اور اُس کی بہو مکان اور اسباب کے قرق ہو جانے سے پہلے ہی جلے بھُنے ہوئے تھے۔ دونوں مجھ پر پل پڑے۔ ادھر سے بیوی اٹھی۔ میرے سر پر ان گنت جوتے پڑے۔ اور تھپڑ لگے۔ لاتوں کی کچھ گنتی نہ تھی۔ جوں توں میں دروازے سے نکل کر بھاگا۔ ٹوپی اور جوتا گھر میں رہا۔ کرتہ پھٹ گیا۔ ہانپتا ہُوا محلے سے باہر آیا۔ لڑکا کچھ دور تو جوتا لئے میرے پیچھے آیا۔ پھر اہل محلہ کی شرم سے واپس چلا گیا۔ میں بدحواس چلا جا رہا تھا۔ اور سوچتا تھا۔ کہ بھیک مانگ کر کھالوں گا۔ لیکن اس گھر میں کبھی قدم نہ رکھوں گا۔ چلتے چلتے خیال آیا۔ کسی سادھو کے پاس چلو۔ ایک آدمی کی روٹی کون سی بڑی بات ہے۔ کچھ نہ کچھ کام کر کے میسر ہو جائیگی۔

جی اپنے بیراگ کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس سادھو کا طرز کلام ایسا شیریں اور عام فہم تھا۔ کہ میں سننے کو ٹھیر گیا۔ اور کانوں میں وہ رس پڑا کہ دس بجے رات تک وہیں بیٹھا رہا۔ دولت ہیچ ہے۔ طاقت و اقتدار ہیچ ہے۔ عورتوں کی محبت ہیچ ہے۔ اوّل مرنا ہے۔ آخر مرنا ہے وغیرہ وغیرہ سب باتیں ایسی تھیں۔ کہ میرے دل پر سخت چوٹ لگی۔ میں نے دنیا میں تکلیفوں اور مصیبتوں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا تھا۔ بار بار خیال آیا۔ کہ کمبخت تیری زندگی کتّوں کی طرح گذری ہے۔ تو نے جنم اکارت کھو دیا۔ اب بھی وقت ہے۔ سمجھ کر۔ جب موت آگئی۔ تو پھر کیا ہوتا ہے۔ کتھا ختم ہونے پر میں اُٹھا۔ اور کوئی ساڑھے دس بجے لڑکے کے مکان پر پہنچا۔

وہاں سب سو رہے تھے۔ دیر تک دروازہ کھٹکھٹایا۔ تو لڑکے نے آکر کھولا۔ میری بیوی بھی جاگ اُٹھی۔ اور مجھے دیکھا تو سب نے مٹھائی کے دونے کے سوا اور کچھ میرے پاس نہ پایا۔ مکان اور اسباب کے قرق ہو جانے کا حال سب کو معلوم تھا۔ لڑکے نے پوچھا۔ کیا سب چیزیں برباد کر کے بالکل خالی ہاتھ آئے ہو۔ میں اس کا کیا جواب دیتا۔ لیکن میری بیوی نے حسب عادت نہایت کریہہ آواز سے بولنا شروع کیا۔ اس نے گھر کا ناس ملا دیا۔ مجھے کبھی اس کے گھر سکھ نصیب نہیں ہوا۔ ہائے میں اس سے کیوں بیاہی گئی۔ پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی۔ ساری عمر مجھ سے کیسے پاپڑ بلوائے ہیں۔ بیٹے اور بہو بھی اُس کے بالکل ہمراے اور ہمزبان تھے۔ لیکن اس وقت انہوں نے اُسے چپکا کیا اور مجھ سے پوچھا۔ لالہ کھانا نو ریل پر کھا آئے ہو گے۔ میں جانتا تھا۔ اس وقت میرے لئے کھانا کون بناتا ہے۔ میں نے کہا ہاں بھائی کھا آیا ہوں۔ رات زیادہ گئی ہے۔ سب سو رہو۔ میں بھوک سے تھا تو بیتاب لیکن تکان کے باعث پڑ کر سو رہا۔

صبح اُٹھ کر منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ کہ بیوی نے وہی رات کی باتیں

نے کچھ نہیں لیا تھا۔ میری بھولی کیا بیوقوفی کی باتوں سے حاکم کو یقین ہوگیا۔ کہ میں بے وقوف بے شک ہوں۔ لیکن مجرم نہیں۔ سر دفتر کو تین سال کی قید ہوئی۔ میں قید سے تو بچ گیا۔ لیکن محکمے نے مجھے یہ سزا دی۔ کہ موقوف کر دیا۔ اُس وقت میری ترپن سال کی عمر تھی، اور ستائیس سال کی ملازمت تھی۔ تمام عمر کی کارگزاری اور محنت شبا روزی کا صلہ یہ ملا۔ کہ بڑھاپے میں مَیں موقوف ہُوا۔ اور اس قصور پر کہ سر دفتر کی بددیانتی تمہیں معلوم تھی۔ تم نے شکایت کیوں نہیں کی۔ میں نے بہتیرے عرضی پرچے کئے۔ کہ میں محض بے قصور ہوں۔ بوڑھا ہوں۔ پرانا ملازم ہوں۔ غریب ہوں۔ لیکن کون سنتا تھا۔

ادھر میں موقوف ہُوا ادھر ساہوکار نے نالش کر کے مکان نیلام کرا لیا۔ بزاز اور سنار وغیرہ کے جو روپے دینے تھے۔ وہ اسباب لے گئے۔ میں نے بیٹے کو اپنا تمام حال کئی بار لکھا تھا۔ لیکن نہ تو اُس نے مجھے کچھ مدد دی۔ نہ وہ کچھ دے سکتا تھا۔ میری بیوی ان دنوں اسی کے پاس تھی۔ سب گھر بار کھو کر میرے پاس دو جوڑی کپڑے اور تین چار روپے بچے تھے۔ میں نے ریل پر جا کر لکھنؤ کا ٹکٹ لیا۔ راستے میں سوچتا جاتا تھا۔ کہ جب برسرِ کار تھا۔ اس وقت بھی لڑکا بات نہیں پوچھتا تھا۔ اب دیکھئے کیونکر گزرتی ہے۔ لکھنؤ پہنچا تو معلوم ہُوا۔ کہ سوتے میں میرے کپڑوں کی گٹھڑی کوئی صاحب لے کر چلتے بنے تھے۔ اب میرے پاس کچھ پیسے رہ گئے تھے۔ اور دھوتی کرتہ پہنے ہوئے تھا۔ سٹیشن کے باہر حلوائی کی دکان تھی۔ ان پیسوں کی میں نے مٹھائی خریدی کہ بھرے گھر میں خالی ہاتھ کیا جاؤں۔

شام کا وقت تھا۔ گھر فاصلے پر تھا۔ اور راستے میں غیر آباد زمین اور کھیت پڑتے تھے۔ کیونکہ لکھنؤ کی آبادی مسلسل نہیں ہے۔ ایک کھلی جگہ مندر میں ایک سادھو یوگ وسشٹ باںچتے تھے۔ میں پانی پینے کو وہاں ٹھیرا۔ سادھو وہ مقام بیان کر رہا تھا۔ جہاں مہاراج رامچندر

شکایت کرنے لگا۔ ہیڈ کلارک نے اُسے دم دلاسا دینا چاہا۔ لیکن وہ اس کے دم بس نہیں آیا۔ نوبت سخت و سست کہنے پر پہنچی اور آخر گالم گلوچ ہونے لگی۔ اور دکاندار دفتر سے چلا گیا +

اسی روز اس نے حاکم کو عرضی ٹھونک دی کہ میرا بل تین سو روپے کا تھا۔ رسید میں تین سو کی لی گئیں۔ لیکن دیا گیا دو سو روپیہ۔ سو روپیہ سر دفتر سے دلوایا جائے۔ ان بل اور رسیدوں کے تیار کرنے میں میرا بھی ہاتھ تھا۔ سر دفتر نے مجھ سے ذکر کیا اور کہا کچھ دے دلا کر دکاندار سے فیصلہ کرا دو۔ میں شام کو اس کے پاس گیا۔ لیکن بہت کچھ گالی گلوچ ہو چکی تھی اور دکاندار شکایت کر چکا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ دوسرے روز حاکم نے آکر تحقیقات شروع کی۔ بے ایمان سر دفتر کہنے لگا۔ کہ دکاندار کو پورا تین سو روپیہ دیا گیا ہے۔ اس کی رسید موجود ہے۔ وہ سو کیسے بتاتا ہے۔ حاکم نے سوچا ایسا شخص سزا کے لائق ہے۔ مقدمہ عدالت میں بھیجنا چاہیئے۔ اس پر سر دفتر صاحب سٹ پٹائے اور کہنے لگے۔ میں اُسے حضور کے پاس لاتا ہوں۔ ہمیں دھمکا دینگے۔ اور آئندہ شکایتیں نہیں کرے گا۔ حاکم کو اس سے شک پیدا ہوا۔ اور اُس نے مقدمہ عدالت میں بھیج ہی دیا +

عدالتی تحقیقات میں ثابت ہو گیا کہ روپیہ دو سو ہی دیا گیا ہے اور اُس کا باعث زیادہ تر میں تھا۔ دکاندار نے مجھے گواہی میں طلب کیا۔ سر دفتر نے بہت کچھ سمجھا بجھا دیا تھا۔ کہ یہ کہنا اور وہ کہنا۔ اور میرا بھی ارادہ جھوٹ بولنے ہی کا تھا۔ لیکن کچھ تو یہ باعث کہ میں عدالت میں پہلی ہی بار گیا تھا۔ اور میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اور کچھ وکیلوں نے اس قسم کے سوالات کرنے شروع کئے۔ کہ مجھے صاف صاف کہنا پڑا۔ کہ بے شک میں دکاندار سے فیصلہ کرنے گیا تھا۔ اور سو روپے سر دفتر نے اُڑا لئے ہیں۔ وکیلوں نے مجھے بھی لپیٹنا چاہا۔ کہ اس سو روپے میں ضرور تمہارا بھی حصہ ہوگا۔ لیکن میں

لیکن میں نے آپ کو اپنا حال اس غرض سے سنایا ہے۔ کہ عام گرہستی لوگوں کی زندگی کس طرح گزرتی ہے۔ ان کی جان کو کیا کیا عذاب رہتے ہیں۔ انہیں روزمرہ کن مصیبتوں اور تفکرات کا سامنا رہتا ہے۔ اور وہ کس طرح دنیا کے دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کی زندگی بعینہٖ اس شعر کی مصداق ہے:۔

دن کٹا فریاد سے اور رات زاری سے کٹی
عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری سے کٹی

نہ اُنہیں فکر مآل ہوتا ہے۔ نہ اپنے سدھار کے لئے تجاویز سوچنے کا وقت ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ جیسی میری زندگی تلخ گزری ہے۔ ایسی تلخی اوروں کی زندگی میں نہ ہو۔ لیکن اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کہ اسی قسم کے واقعات اور اسی قبیل کی تکلیفات سو میں سے ننانوے لوگوں کو پیش نہیں آتیں۔ وہ انہیں سہتے ہیں۔ شکائتیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن نہ اُنہیں اپنی موت کا خیال آتا ہے نہ اپنے سدھار کا۔ نیک بخت ہیں وہ لوگ جو فکر دنیا کے ساتھ کچھ فکرِ عقبےٰ بھی رکھتے ہیں۔ اور اپنی زندگی سپھل کرتے ہیں:۔

ایک واقعہ اپنی زندگی کا آپ کو اور سناتا ہوں۔ اور پھر میری مصیبت بھری کہانی کا خاتمہ ہے۔ ہمارے نیک نہاد سر دفتر بڈھے ہو کر پنشن پر چلے گئے اور ان کی جگہ ایک مسلمان باہر سے ترقی پاکر آیا۔ یہ شخص رشوت ستانی میں بہت بدنام تھا۔ یہاں آکر بھی اُس نے وہی ہتکھنڈے دکھانے شروع کئے۔ خیر رشوت ستانی تو نہ بھی گئی۔ یہ اور قسم کی چالبازیاں بھی کیا کرتا تھا۔ دفتر کے لئے کچھ اسباب خریدا گیا تھا۔ مال تو وہ دو سو روپے کا تھا۔ لیکن دکاندار سے مل ملا کر بل اور رسیدیں تین سو روپے کی بنوائی گئیں۔ چنانچہ تین سو روپیہ خزانہ سے نکلوایا اور سو روپے اُس میں سے خود اڑا گئے۔ دکاندار کو خیال تھا۔ کہ اُس بے ایمانی کے روپے میں سے مجھے بھی حصّہ ملے گا۔ لیکن جب نہ ملا تو وہ دفتر میں آیا۔ اور

ہوا ہوتا ہے۔ جو روپیہ لڑکے کی تعلیم میں صرف کرنا چاہئے۔ وہ اس کی شادی میں صرف کر دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اولاد ہمارے سامنے ہی جوتیاں چٹخاتی پھرتی ہے۔

میرے لڑکے کو خوش قسمتی سے پہلی نوکری بیس روپے ماہوار کی مل گئی تھی اور تھوڑے عرصہ بعد چالیس روپے ماہوار پر بنارس سے لکھنؤ تبدیل ہو گیا تھا۔ چھ مہینے تو وہ مجھے بیس روپے ماہوار بھیجتا رہا۔ اور میں نے اپنا قرضہ اتارنا شروع کیا۔ لیکن جب اس کی بیوی لکھنؤ پہنچ گئی۔ تو اُس نے مجھے روپیہ بھیجنا بند کر دیا۔ میں خط پر خط بھیجتا رہا۔ لیکن وہاں خبرے نباشد۔ آخر ایک خط میں اُس نے صاف لکھ دیا۔ کہ مجھے عزت کے ساتھ رہنا سہنا پڑتا ہے۔ اپنا خرچ ہے۔ بیوی کا خرچ ہے۔ میں تمہیں روپیہ نہیں بھیج سکتا۔ ایک دو بار اس کے لڑکا بالا ہوا تو میری بیوی لکھنؤ گئی اور ایک آدھ دفعہ میں بھی گیا۔ لیکن میرے جانے سے وہ میاں بیوی خوش نظر نہیں آئے۔ اس واسطے میں کچھ دن رہ کر بنارس ہی واپس چلا آیا۔

میں نے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کا حال آپ کو کچھ نہیں سنایا۔ اس کے سنانے کی بھی زیادہ ضرورت نہیں۔ کیونکہ بیوی کی بدمزاجی سے اکثر رشتہ داروں سے تکرار ہو گئی تھی۔ اور تقاریب کے موقع پر وہ اپنا رنگ دکھاتی تھی۔ لڑکی کی شادی میں میرے بعض رشتہ دار میری عزت اتارنے کے درپے ہو گئے تھے۔ اور لڑکے کے بیاہ میں مجھے کئی پُرغضب اصحاب کے پاؤں میں اپنی ٹوپی رکھنی پڑی تھی۔ ایک دوست نے ایک دفعہ ڈھائی سو روپیہ قرض لیا تھا۔ اور تمسک پر منت وسماجت کر کے ضمانت میں میرے دستخط بھی کرا دئے تھے۔ وہ یار عزیز منکر ہو گئے۔ اور روپیہ مجھے بھرنا پڑا۔ ایک مہربان ایک تقریب پر کچھ برتن اور دو دریاں مستعار لے گئے تھے۔ وہ اُنہوں نے واپس نہیں کیں۔

آپ سادھو لوگوں کو تعجب آتا ہوگا۔ کہ یہ شخص سادھو سنگ میں کہاں کے جھگڑے اور قصئے سنا رہا ہے۔ کوئی گیان دھیان کی کتھا وارتا سنائی ہوتی۔

گو میری تنخواہ اب چالیس روپلے ماہوار تھی۔ لیکن ویسے ہی اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ لڑکا پڑھتا بھی تھا۔ اور اس کا اور لڑکی کا الن چلن سب کچھ کرنا پڑتا تھا۔ غرض اب تک اس طرح زندگی گزرتی تھی۔ کہ جو آمدنی ہوتی تھی۔ وہ خرچ ہو جاتی تھی۔ اور قرض بدستور سابق جوں کا توں بنا رہتا تھا۔ میری معاش قلیل تھی۔ اور خرچ کثیر۔ شب و روز فکر میں بسر ہوتے تھے۔ لڑکی سولہ برس کی ہونے نہ پائی تھی۔ کہ اسے دق کی مرض نے آ گھیرا۔ اور اس کے خسرال والے بجائے اس کے کہ علاج معالجہ کرتے اسے میرے ہاں چھوڑ گئے۔ یہ پہلے ہی بہت بدمزاج تھی۔ بیماری اور کمزوری سے اور بھی جڑچڑی اور ضدّی ہو گئی۔ اِدھر وہ بیمار تھی۔ اُدھر ماں کا واقعہ ہو گیا۔ وہ تو خیریت ہوئی کہ اُس کا زیور اور روپیہ میرے ہاتھ پڑا۔ بیوی کے ہاتھ پڑتا تو وہ کوڑی نہیں دیتی اور مجھے اب مکان پر قرض نہیں مل سکتا تھا۔ چار سو روپیہ نقد اس کے پاس سے نکلا۔ وہ میں نے اس کے کریا کرم اور بیٹی کی بیماری میں صرف کیا۔ تھوڑے دنوں بعد بیٹی بھی مر گئی۔ یوں تو میرے کئی لڑکے بالے ہوئے۔ لیکن پیدا ہو ہو کر مر گئے۔ بیوی کا جنّاجاپا میرے واسطے سخت مصیبت کا سامنا تھا۔ خرچ اور سر دردی کے علاوہ یہ بدمزاج عورت دو تین مہینے جب تک کمزور رہتی تھی۔ میری زندگی تلخ رکھتی تھی۔ چنانچہ جب لڑکا بالا پیدا ہوتا تھا۔ مجھے اگلے تین مہینے کے واسطے سخت مصیبت برداشت کرنے کی پہلے سے تیاری کرنی پڑتی تھی۔

اس عرصے میں لڑکا انٹرینس پاس کر چکا تھا۔ کالج کی تعلیم میں کم از کم پچیس روپے ماہوار ایک ایک لڑکے پر خرچ ہوتا ہے۔ میری معاش کل چالیس روپے ماہوار کی تھی اور اس پر قرض کا بارِ عظیم سر پر تھا۔ میں اُسے کالج میں کیونکر پڑھا سکتا تھا۔ میری طرح اُسے بھی دفتروں میں نوکری تلاش کرنی پڑی اور بہت عرصہ ٹکریں مارتا پھرا۔ دیکھئے مہاراج کس طرح ہم بابو لوگ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مار مار کر افلاس کا بیج بوتے ہیں۔ اور اپنی تمام زندگی تلخ کر لیتے ہیں۔ ہمارا خرچ حد اعتدال سے بڑھا

کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ میں نے منظور نہیں کیا۔ اس وقت مجھے ایک بیوی کی مصیبت تھی۔ اس پر میں ان دونوں بدمزاج بوڑھوں کی مصیبت ایزاد نہیں کرنی چاہتا تھا۔

آخر ایک دن ماں روتی ہوئی آئی۔ میں نے جا کر دیکھا۔ تو باپ کا حال خراب ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا۔ دو چار روز علاج ہوتا رہا۔ لیکن سب بے سود ثابت ہوا اور وہ عالم بقا کو سدھارا۔ کریا کرم تمام میں نے کیا۔ ماں کے پاس روپے بھی تھے اور اپنا اور موسی کا زیور بھی تھا۔ لیکن وہ کب پیسہ نکالنے والی تھی۔ باپ کا ترکہ مجھے یہ ملا کہ جو اس کا قرضہ تھا وہ میرے سر منڈھا گیا۔ اور دو سو ڈھائی سو روپے کا میں اور قرض دار ہو گیا۔ میں نے ماں سے کہا تھا۔ کہ باپ کا مکان بیچ ڈالیں۔ اور کچھ زیور بیچ کر قرض اُتار دیں۔ مکان تو اس کے اختیار سے باہر تھا۔ لیکن زیور دینے سے اس نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ باپ کا مکان بیچ کر بھی مجھے پانسو روپے دینے رہے۔ اور اُن کے لئے میں نے موسی کا مکان گرو رکھا۔ اور اُس کا سود میرے سر پر چڑھنا شروع ہوا۔

اب ماں ہمارے ساتھ آ رہی تھی۔ اور ہماری زندگی وہی کتے اور بلیوں کی زندگی کی طرح گذرتی تھی۔ روز فساد ہوتے تھے۔ روز کوسم کوسا اور گالیوں کا بازار گرم رہتا تھا۔ میں دن بھر دفتر میں محنت میں مرتا تھا۔ اور شام کو گھر پر آ کر یہ آرام ملتا تھا۔ کہ بیوی کہتی ہے۔ میری جان کو اچھا عذاب لگایا۔ تیری ماں بھٹیاریوں کی طرح مجھ سے لڑتی رہتی ہے۔ ادھر ماں یہ شکایت کرتی تھی۔ کہ اپنے گھر بلا کر میری مٹی اچھی پلید کرا رکھی ہے۔ اس طرح پانچ برس گزر گئے۔ غور کیجئے جس شخص کی زندگی اس طرح سالہا سال تک گزرے اُس کا کیا حال ہو گا۔ بیٹی بھی بڑی ہو گئی تھی۔ اور اُس کی شادی کا فکر دامنگیر تھا۔ آخر ایک جگہ شادی قرار پائی اور میں اُس میں سات سو روپے کا قرضدار ہو گیا۔ دوسرے سال لڑکے کی شادی ہوئی اور نیا پُرانا قرضہ ملا کر تقریباً دو ہزار روپے ہو گیا۔ جو تقریباً میرے مکان کی قیمت تھی۔

ایک نیک نہاد کالیستھ صاحب تھے۔ انہیں میرا حال سُن کر رحم آیا۔ اور ہفتہ بھر میں انہوں نے تمام کام کرنا مجھے خود سکھا دیا۔ لیکن دفتر والے آفت تھے۔ جہاں موقع پاتے تھے۔ زک دینے سے نہیں چوکتے تھے۔

خیر، کچھ عرصے میں مجھے کام سے واقفیت ہو گئی اور تین سال بعد پندرہ روپے سے پچیس ملنے لگے۔ اب ذرا فارغ بالی نے صورت دکھائی۔ میں نے لڑکے کو مدرسے میں بٹھایا۔ اپنے بیوی اور بچوں کے کپڑے لتے بنوائے۔ کچھ گھر کا سامان خریدا۔ اس طرح پورا گرہستی بن کر رہنے لگا۔ جسے رات دن گھر کے دھندوں کا فکر رہتا ہے۔ اور اس فکر کو ہی وہ سعادت دارین سمجھتا ہے۔ آہ کتنی زندگیاں ہیں۔ جو بعینہٖ اس طرح گزرتی ہیں۔ میرا حال بالکل کولھو کے بیل کا سا تھا۔ جو رات بھر چلتا ہے۔ اور صبح وہیں ملتا ہے۔ جہاں سے چلا تھا۔

اس تین سال کے عرصے میں والد اور والدہ سے میرا وہی پرانا تعلق بدستور جاری رہا۔ میری ماں چاہے۔ جس روز سفید چادر اوڑھ کر ہمارے مکان پر آ جاتی تھی اور مجھے اور میری بیوی کو ہزاروں کوسنے اور گالیاں سنا جاتی تھی۔ میری بیوی خود سخت زبان دراز تھی۔ وہ کب چوکتی تھی۔ چنانچہ جب میں دفتر سے آتا تو یا تو ماں کو زار و قطار روتے ہوئے پاتا تھا یا بیوی کو۔ باپ اب ضعیف ہوتا جاتا تھا۔ اور دمے کے عارضے میں مبتلا تھا۔ کبھی کبھی میں اس کی خیر پوچھنے اس کے مکان پر چلا جایا کرتا تھا۔ اور وہ برملا مجھ سے کہا کرتا تھا۔ کہ تو بیوی کا غلام ہے۔ تو نے اُن ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ جنہوں نے تجھے جنم دیا اور پال پوس کر بڑا کیا۔ تیرا کیا تیرے آگے آئے گا۔ لیکن میں جتنا غور کرتا تھا۔ اتنا ہی مجھے ماں باپ کا قصور معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی بھی تلخ کی اور ساتھ ہی میری بھی۔ باپ یہ چاہتا تھا اور میری ماں کی بھی یہی مرضی تھی۔ کہ ہم پھر ساتھ رہنے لگیں۔ لیکن دودھ کا جلا چھاچھ

اور ایسی چیزیں بھی آتی رہتی تھیں - جن کی مطلق ضرورت نہیں تھی ۔
میں نے بیوی سے کئی مرتبہ کہا - کہ روپیہ بڑی محنت سے پیدا ہوتا ہے - سلیقے اور انتظام سے خرچ کرنا چاہیئے - لیکن نہ اسے سلیقے سے واسطہ تھا - نہ انتظام سے - آپ کہیں گے - میں جب ان سب باتوں کو سمجھتا تھا تو انتظام میں نے خود اپنے ہاتھ میں کیوں نہ رکھا - بیوی کو کیوں سپرد کیا - اس کا جواب صاف ہے کہ میں نے پٹ پٹ کر زندگی گزاری تھی - مجھ میں حوصلہ اور ہمّت نہیں رہی تھی - پہلے ماں باپ سے ڈرتا تھا - اور اب بیوی سے - ایک دو بار مجھ سے اور بیوی سے تکرار ہوئی - لیکن جب اُس نے مجھے کوسنا - اور اپا سرا اور چھاتی پیٹنی شروع کی - تو میں ڈر گیا اور دب گیا اور وہ شیر ہو گئی - جیسی بدمزاج یہ عورت خود تھی - ویسے ہی بدمزاج اس کے لڑکی اور لڑکا دونوں ہوتے چلے گئے - جس طرح یہ مجھے کچھ خاطر میں نہیں لاتی تھی ویسے ہی وہ بھی مجھے حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے ۔

اس طرح گھر میں میری جان سخت خلجان میں رہتی تھی - اب دفتر کی سنئے - میں جب اوّل اوّل ملازم ہُوا تھا - تو اَور کلارک مجھ سے جلتے تھے - ایک چاہتا تھا اس کا کوئی رشتہ دار اس جگہ آجائے - دوسرا چاہتا تھا اس کا - اس صورت میں مجھے کام کرنا کون سکھاتا تھا میں روز فاش غلطیاں کیا کرتا تھا - اور ایک ایک کاغذ مجھے تین تین بار لکھنا پڑتا تھا - ان لوگوں نے دفتر انجنری کے سر دفتر کو میری جانب سے یہ پٹی پڑھا دی تھی - کہ نیا کلارک سخت نالائق ہے - چنانچہ ایک دن وہ مجھ پر بڑے لال پیلے ہو کر آئے اور دھمکانے لگے کہ ہم تمہیں نکلوا دینگے - تم اپنا کام ہوشیاری سے کیوں نہیں کرتے - میں سمجھا کہ مصیبت آئی - میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور میں نے انہیں اپنا سارا حال سنایا - کہ میں تمام دن دفتر میں بھی کاغذ بٹیتا رہتا ہوں - اور گھر پر بھی لے جاتا ہوں - لیکن کیا کروں کوئی کام کرنا بتاتا نہیں ہے سر دفتر

ایک لڑکے اور لڑکی کا باپ تھا۔ اور بیوی کا خرچ علیحدہ رہا۔ انٹرینس پاس کر کے میں نے نوکری کی تلاش شروع کی۔ صبح سے شام تک دفتروں اور دکان داروں کے ہاں ٹکریں مارتا پھرا کرتا تھا۔ شام کو گھر آیا۔ اور باپ نے پوچھا۔ کہو کوئی سلسلہ نکلا۔ میں کہتا نہیں۔ وہ کہتا تو کوشش نہیں کرتا۔ سارا زمانہ نوکر ہے۔ تجھے ہی نوکری نہیں ملتی۔ ارے کمبخت اس کاہل وجودی کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تو ہمیشہ بھوکا مرے گا۔ ادھر باپ کا یہ درشت کلام ادھر ماں کا کہنا۔ سننا۔ پھر بیوی کی طعن و تشنیع۔ مہینہ بھر جس مصیبت سے میں نے کاٹا وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔

آخر ایک دفتر میں ایک کلارک رخصت پر گیا تھا۔ میں اس کا عوض خدمت مقرر ہوگیا۔ اور دو مہینے کے بعد مستقل نوکری پندرہ روپے ماہوار کی مل گئی۔ اس نوکری سے میری جان عذاب سے نہیں چھوٹی۔ بلکہ اور قسم کی مصیبت تازہ رونما ہوئی۔ میرے ماں باپ یہ چاہتے تھے۔ کہ تنخواہ لاکر میں اُن کے ہاتھ پر دھروں۔ اور بیوی یہ کہتی تھی۔ کہ تنخواہ مجھے دو۔ روز لڑائی جھگڑا رہتا تھا۔ بیوی کی زبان درازی اور بدخوئی کی اب کچھ انتہا نہیں رہی تھی۔ کیونکہ میں برسرِ کار ہو گیا تھا۔ اور اب وہ اپنے تئیں میرے ماں باپ کا دست نگر نہیں سمجھتی تھی۔ ان روز کی لڑائی جھگڑوں کا اثر یہ ہوا کہ ہم سب کی زندگی تلخ ہوگئی۔

آخر جب ماں باپ نے مجھے بہت ہی دق کر دیا۔ تو میں اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر ایک علیحدہ مکان میں جا رہا۔ اس وقت مجھے پندرہ روپے ماہوار تو تنخواہ ملتی تھی۔ اور دس روپے مکان کا کرایہ آتا تھا۔ گھر میں میری بیوی اور دو بچے تھے۔ غور کیا جائے تو یہ آمدنی ہمارے گزارے کو کافی تھی۔ لیکن میری بدسلیقہ بیوی جسے لڑنے بھڑنے اور سخت کلامی کے سوا کچھ نہ آتا تھا۔ تمام روپیہ اُڑا دیتی تھی۔ اور میں ہمیشہ تنگ حال رہتا تھا۔ یہ نالائق عورت آپ مٹھائیاں کھاتی تھی۔ اور مجھے دال اور خشک روٹیاں کھلایا کرتی تھی۔ کپڑا بھی ہر مہینے ہی خریدا جاتا تھا۔

میرے والد بزرگوار اس انتظام سے جل کر خاک ہی تو ہو گئے - وہ سمجھے بیٹھے تھے - کہ نقد روپے سے اپنا قرضہ اتار دینگے - اور مکان جو خریدا ہے اس میں خود چل کر رہینگے - وہاں مکان کرائے پر دیا گیا - اور روپیہ بنک میں رکھوا دئے گئے - ان کے ہاتھ کچھ نہیں پڑا - لیکن موسی سے کچھ کر نہیں سکتے تھے - کیونکہ اسے پندرہ بیس روپے ماہوار کی آمدنی ذاتی تھی - وہ ان کی دست نگر نہ تھی - بلکہ الٹی کچھ امداد پہنچا سکتی تھی - چنانچہ طوعاً وکرہاً زہر کا سا گھونٹ پی کر رہ گئے - موسی نے میری تعلیم کا خرچ اپنے ذمے لیا - اور اس طرح برائے چندے مجھے محصول سے رہائی ہوئی - اور میں نے دو سال اور اطمینان سے پڑھا - انہیں دو سال میں میرا مکلاوہ ہو گیا - اور میں انٹرینس پاس کرتے نہیں پایا تھا - کہ میرے گھر ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہو گئی +

میری بیوی میری ماں کی ظل عاطفت میں رہتی تھی - جب تک وہ چھوٹی رہی - ماں اس سے معمولی برتاؤ کرتی رہی - لیکن جب اس کے لڑکے بالے ہو گئے - تو ان دونوں میں اکثر تکرار رہنے لگی - دونوں انتہا درجے کی زبان دراز درشت گو اور لڑاکا نہیں - لیکن ابھی تک میں کچھ کھانے کمانے کے لائق نہیں ہؤا تھا - اس وجہ سے میری بیوی کو دب کر رہنا پڑتا تھا - موسی اس عرصے میں اکثر بیمار رہی تھی - اور اس کی دوا دارو میں کرائے اور سود کا روپیہ تقریباً سب صرف ہو جاتا تھا - آخر موسی کی بیماری زیادہ بڑھ گئی - اور ہمیں بنک سے روپیہ نکال نکال کر صرف کرنا پڑا - وہ رقم تمام اس کی بیماری میں صرف ہو گئی - اور دو سال تک جان کو علاج معالجے میں جو قلق رہا - اس کا کچھ حساب نہیں ہے - آخر ادھر میں نے انٹرینس پاس کیا - ادھر موسی نے وفات پائی +

میں سخت مصیبت میں مبتلا تھا - امتحان کی تیاری - موسی کی بیماری - ماں اور بیوی کی باہم خانہ جنگی - باپ کا قرض اور روزمرہ کی کھا کسی - یہ سب باتیں ایسی تھیں کہ جان عذاب میں رہتی تھی - آگے پڑھنا کیونکر ممکن تھا -

شروع کیا۔ اب تو کہیں نوکری چاکری کر۔ میرے پاس اتنا روپیہ کہاں ہے جو تجھے آگے پڑھاؤں۔ دکان پر بیٹھنا تو آج خاصہ کمانے لگتا۔ بابو صاحب کا کپڑے اور کتابوں کا خرچ مجھے دم نہیں لینے دیتا۔ پھر دو تین روپے مہینے کے مہینے فیس کے چاہئیں۔ اتنا روپیہ آئے تو کس کے گھر سے آئے۔ روز کی اس دانتا کل کل سے میری جان سخت عذاب میں آگئی تھی۔

میں نے جوں توں سنگ آمد و سخت آمد کچھ دن گھر پر کاٹے پھر گرمی کی تعطیل میں موسی کے پاس لکھنؤ چلا گیا۔ جانے سے پہلے میرے لالچ خورے ماں باپ نے مجھے سمجھایا تھا۔ کہ موسی سے بڑی محبت کے ساتھ ملنا۔ اس کے پاس روپیہ اور زیور بھی ہے۔ اور ایک مکان دو ڈھائی ہزار کا اس کے نام ہے۔ مجھے زیور اور مکان کا تو چنداں خیال نہ تھا۔ لیکن یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح دو تین سال میری آیندہ پڑھائی کا انتظام ہو جائے۔ تاکہ میری عمر ہی ضائع نہ جائے۔ موسی غریب حقیقت میں مجھ سے اُنس رکھتی تھی۔ اور مجھے اپنا بیٹا جانتی تھی۔ میں نے لکھنؤ جاکر اُسے تمام حال سنایا۔ کہ ماں باپ اس طرح میرا ناس مارا چاہتے ہیں۔ تم بنارس چلو اور للہ باللہ مجھے بچاؤ۔

وہاں لکھنؤ میں موسی کے گھر جھگڑا پڑ رہا تھا۔ باعثِ فساد زر۔ زمین۔ زن ہیں۔ ان میں سے موسی کے پاس زر بھی تھا۔ اور زمین یعنی مکان بھی۔ خاوند کے رشتہ دار چاہتے تھے۔ کہ مکان خود ہتیا لیں موسی نے میرا جانا غنیمت سمجھا۔ اس کے متوفی خاوند کا ایک دوست وکیل تھا۔ اس کی معرفت لکھنؤ کا مکان دو ہزار روپے کو انہیں رشتہ داروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور آئندہ تمام جھگڑوں کا تصفیہ ہوا۔ اسی دو ہزار روپے سے ایک مکان بنارس میں خرید کر میرے نام کرا دیا۔ لیکن تاحین حیات موسی کے مجھے اس پر کچھ استحقاق نہ تھا۔ روپیہ بھی اسی انتظام سے بنک میں جمع کرا دیا۔ یہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ صرف ایک ہزار تھا۔

بولی پاپن تیری ماں - پاپن تیری بہن - نمک دنک کیا یوں کہو - زبان کے مزے پڑے ہوئے ہیں - جارے کالو دہی لے آ - میں دوڑا دوڑا باہر گیا اس عرصے میں لڑائی کی آگ خوب تیز ہوگئی تھی - اور شاید تمام محلہ میری ماں اور باپ کی شیریں کلامی کو سن رہا تھا - دہی میں باپ نے نمک اور مرچیں خود ملائیں کہ میری پاپن ماں کہیں اسے بھی کھانے کے ناقابل نہ بنا دے ۔

میں مدرسے میں پڑھتا اور گھر پر چھوٹے موٹے قصوروں پر پٹتا رہا - اور اس طرح پانچویں جماعت میں پہنچا - اب میری عمر کوئی بارہ برس کی ہوگئی - میرے ماں باپ کو یہ فکر ہوا کہ اس کی شادی کا فکر کرنا چاہیئے - شنکر ناتھ جو مجھے انگریزی پڑھاتے تھے - وہ ہمارے ہی محلے میں رہتے تھے - اور ان کی میرے والد سے بھی ملاقات تھی - انہوں نے بھی شادی کا تذکرہ سنا - اور ایک روز میرے والد سے کہنے لگے - تم جو روپیہ اس کی شادی پر خرچنا چاہتے ہو - وہ اس کی تعلیم پر کیوں خرچ نہیں کرتے تاکہ یہ لائق و فائق آدمی بن جائے - اور آئندہ فارغ بالی سے زندگی بسر کر سکے - لیکن باپ نے ان کی ایک نہیں سنی - کہا تو یہی کہا - کہ برادری میں بھی ناک رکھنی ہے - لڑکا بڑا ہوگیا - تو اس کی شادی کون کریگا ۔

مہاراج! میری تعلیم کا تو یہ حال تھا - کہ جس روز فیس دینے کا وقت ہوتا تھا - یا جس روز کتابیں خریدنی پڑتی تھیں - ضرور ہی گھر میں کلیش ہوتا تھا - اور مجھے سخت و سست سننا یا اکثر پٹنا پڑتا تھا - لیکن انہیں ماں باپ نے میری شادی کے لئے کچھ تو روپیہ جمع کر رکھا تھا اور کچھ قرض لیا - اور شادی حیثیت سے بڑھ کر کی - خوب دھوم کی دعوت ہوئی - خوب دھوم کی برات چڑھی - کپڑے اور زیور بنے - غرض جو کام تھا - حیثیت سے بڑھ کر تھا - نتیجہ یہ ہوا کہ قرض کی ایک رقم کثیر ہمارے سر پر چڑھ گئی - اور اس کا خمیازہ آخر مجھے کھینچنا پڑا - میں مڈل کی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا - کہ باپ نے روز مجھ سے کہنا

بنی +

تھوڑی دیر میں باپ دکان سے آیا۔ مجھے دیکھ کر بولا - اوہو۔ آج کیا بڑا بنو ہا رہے۔ جو کالو آدمی بنے بیٹھے ہیں۔ موسی یہ سن کر ہنسنے لگی - اور بولی جیجا - کالو اب بڑا ہو گیا ہے - اسے مدرسے میں داخل کیوں نہیں کرا دیتے- باپ نے کہا۔ یار بنی کالو دکان کا کام سیکھے گا۔ مدرسوں میں امیروں کے لڑکے پڑھا کرتے ہیں - بھلا ہم غریب فیس - کتابوں کا خرچ اور اوپر کا خرچ کہاں برداشت کر سکتے ہیں - موسی نے کہا۔ جیجا پانچ چھ سال تو کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ تم اسے کل ہی مدرسے میں بٹھا دو - جب بڑی جماعتوں میں پہنچیگا۔ اُس وقت بیشک خرچ بڑھیگا۔ سو پرمیشور دینے والا ہے - جو کچھ ہو سکیگا میں بھی کرتی رہوں گی - کیونکہ اس کے سوا میرا اور کون ہے - موسی کے کچھ اولاد نہیں تھی - ہاں پڑھے لکھے گھرانے میں بیاہی گئی تھی - اور خاوند ایک مکان اس کے نام چھوڑ مرا تھا - اس کا دس بارہ روپیہ ماہوار کرایہ آتا تھا - خرچ کے کفیل گھر والے تھے - کچھ زیور پاس تھا - میرے ماں اور باپ دونوں کی اس زیور اور مکان پر نگاہ تھی اور وہ چاہتے تھے کہ میرے بہلانے سے دونوں چیزیں انہیں مل جائیں +

دوسرے روز موسی نے چار روپے میرے والد کو دئے - چنانچہ میرے لئے کپڑا بنوایا گیا اور کتابیں تختی اور سلیٹ خریدی گئی - اور میں مدرسے میں داخل ہوا - موسی پڑھی ہوئی تھی - کچھ اُس نے مجھے پڑھایا - کچھ میں نے مدرسے میں پڑھا - تین مہینے کے بعد مجھے دوسری جماعت میں ترقی مل گئی - اس عرصے میں موسی اپنے سسرال چلی گئی - جب تک وہ رہی - ہمارے گھر میں شانتی رہی - لیکن اس کے جاتے ہی وہی کلیش کی زندگی پھر شروع ہوگئی - ایک دن میں اور میرا باپ دونوں چوکے میں کھانا کھانے بیٹھے تھے - اتفاق سے دال میں نمک زیادہ تھا - باپ نے ایک مرتبہ ہی جھنجھلا کر کہا - آج پھر دال میں نمک زہر کر دیا - اری پاپن تو مجھے زہر دے کر مار ہی کیوں نہیں ڈالتی - ماں کو کہاں تاب تھی - وہ

مُنہ کے بل گر پڑا۔ بجائے اس کے کہ والد ماجد مجھے سنبھالتے اُٹھ کر وہ مُکّے اور لاتیں مجھے ماریں کہ میں رونا رونا دیوانہ ہو گیا۔ ایک روز ماں نے بازار میں ترکاری خریدنے کو بھیجا۔ آخر بازار میں آتے جاتے کچھ دیر لگتی ہے۔ گھر آیا تو ماں نے بیلن اٹھا کر اور مار مار کر مجھے سُجا دیا۔ یہ دو مثالیں میں نے تمثیلاً دی ہیں۔ تقریباً میں روزمرہ ہی پٹتا تھا۔ اور سخت کلامی اور گالیاں تو معمولی باتیں تھیں۔ ان باتوں سے کیا تعجب ہے۔ اگر میرا مزاج چڑچڑا اور ضدّی ہو گیا۔ اور مجھے نہ گالیوں کی پروا رہی۔ نہ مار پیٹ کی ❊

سات آٹھ سال کی عمر تک میں گلیوں میں آوارہ پھرا کرتا تھا۔ اپنے ہم عمروں سے میں نے کھیل بھی سیکھے اور جھوٹ بولنا اور مغلّظ گالیاں بھی۔ مجھے اخلاق اور علم کی تعلیم کون کرتا۔ ماں باپ کے پاس سوا بُرا بھلا کہنے اور مار پیٹ کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔ میں شاید باپ کی دکان پر بیٹھتا۔ اور اس سے کم تولنا اور لوگوں کو ٹھگنا سیکھتا۔ مگر ایک اتفاق پیش آیا۔ اور اس سے میری زندگی بدل گئی۔ آٹھ سال کی عمر میں ہمارے گھر ہماری بیوہ موسی مہمان آئی۔ اُس نے مجھے دیکھا۔ پُرانے میلے کپڑے۔ بدن پر میل جما ہُوا۔ چہرے پر پھٹکار برستی ہوئی۔ اپنی بہن سے بولی۔ جی جی کالو کو کبھی نہلاتی اور کپڑے نہیں بدلتی۔ ماں چوکے میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔ اس نے کہا بہن! پوچھ اسی سینچر سے۔ میں کپڑے بدلتی ہوں اور یہ گلیوں میں جا کر ایک دن میں کیچڑ کر لاتا ہے۔ کیوں رے کالو تو کب نہایا تھا۔ اور کپڑے بدلے تھے۔ حق یہ ہے مجھے یاد بھی نہیں تھا۔ کہ میں کس روز نہایا تھا۔ لیکن سچی بات کہتا۔ تو ماں کے پاس بیلن رکھا تھا۔ اور مجھے پہلی مار بخوبی یاد تھی۔ میں نے کہا موسی! ماں تو نہلاتی اور کپڑے بدلتی رہتی ہے۔ ہمارے محلّے میں خاک بہت اُڑتی ہے۔ میلے جلدی ہو جاتے ہیں۔ خیر موسی نے مجھے نہلایا۔ بالوں میں تیل ڈالا کرشانہ کیا۔ کپڑے بدلے۔ اور میری صورت حیوانوں سے انسانوں کی

بڑا دکھ ہے۔ مگر یہ دُنیا کے کتنے اُسی طرح لکڑیاں کھاتے ہیں۔ اور دُنیا کے ٹکڑے نہیں چھوڑتے۔ میرا بچپن تکلیف میں گزرا۔ جوانی تکلیف میں گزری بیری تکلیف میں گزری۔ لیکن پچپن برس کی عمر تک مجھے بھول کر بھی خیال نہیں آیا۔ کہ فکر دنیا کے سوا کچھ اور بھی کرنا ہے۔ میں نتیانند کی طرح اپنے ماں باپ۔ بیوی۔ بچوں۔ عزیز و اقارب اور دوست آشناؤں کو محبت کے ساتھ یاد نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں نے دنیا میں جہاں دیکھی ہے دغا دیکھی ہے۔ بیوفائی دیکھی ہے۔ رُکھائی دیکھی ہے۔ اور اگر زبردستی مار پیٹ کر مجھے گھر سے نہ نکالا جاتا تو میں شاید وہیں پڑا ہوا اسی طرح جوتیاں کھاتا رہتا۔ نہ میں نے شاستر پڑھا تھا نہ ست سنگ کیا تھا۔ غرض میری کہانی عام آدمیوں کی زندگی کی کہانی ہے۔ اس وجہ سے سننے کے لائق ہے۔

میرا نام کالورام ہے۔ اور بنارس کے ایک ٹھٹیرے کا بیٹا ہوں۔ میرا باپ ایک بہت ہی کم حیثیت دکان دار تھا۔ اور بڑا سخت بے ایمان۔ پرانے برتن خریدتا اور نئے کرکے بیچا کرتا تھا۔ اس کے پاس خریدنے کے بٹ اور تھے اور بیچنے کے اور۔ اس پر تماشا یہ کہ لوگوں کو ٹھگ کر فخر کیا کرتا تھا۔ اور گھر پر آکر نہایت فخر و ناز سے کہا کرتا تھا۔ آج اتنا روپیہ کمایا۔ اور آج اتنے آدمیوں کو دھوکا دیا۔ ایسی بے ایمانی کی دکان داری میں خیر و برکت کیا ہونی تھی۔ ہمارا گزارہ ہمیشہ تنگی سے ہوا کرتا تھا۔ ماں اور باپ کی اکثر تکرار کیا جوتی بیزار ہوا کرتی تھی۔ میں نے کئی دفعہ اپنی ماں کو پٹتے اور مار کھاتے دیکھا ہے۔ اور حقیقت میں وہ تھی بھی اسی لائق۔ ایسی زبان دراز تلخ مزاج عورت میں نے اپنی بیوی کے سوا اور کوئی نہیں دیکھی۔

ایسی بدمزاج ان پڑھ اور جاہل ماں باپ کے گھر بچوں کی بڑی شامت رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر بچپن میں کبھی ماں اور کبھی باپ مجھے اس بیدردی سے مارتے تھے۔ کہ میں بلبلا اُٹھتا تھا۔ ایک دن باپ نے پانی مانگا۔ میں دوڑ کر گلاس لایا۔ اتفاق سے پاؤں پھسلا۔ تو میں

دُوسرے سادھو کی کہانی

رنج کی زندگی میں دنیا کی بے ثباتی

گرس چلے تو آج ہی دنیا کو چھوڑ دوں | میں اس سے کب خیال میں منہ موڑتا نہیں
وہ ہی مثل ہے چھوڑ دوں کمبل کو میں ابھی | کمبل ہی کیا کروں کہ مجھے چھوڑتا نہیں

انہیں بڈھے سادھوؤں میں سے جو نتیانند کو جوش محبت سے آب دیدہ دیکھ کر خود بھی آب دیدہ ہو گئے تھے۔ ایک شخص کہنے لگا۔ مہاراج میری زندگی نتیانند کی زندگی کے بالکل برعکس گذری ہے۔ لیکن چونکہ اس کا سبق نتیجے سے خالی نہیں ہے۔ اس وجہ سے خود جرأت کر کے بیان کرتا ہوں نتیانند ایک مالدار ساہوکار کا بیٹا ہے۔ اس نے بڑے اللّے تللّے کے ساتھ پرورش پائی۔ ماں۔ باپ۔ گورو بیوی۔ بچے سب نیک ملے۔ مال و دولت۔ عزت و شہرت۔ سب نصیب تھی۔ ساتھ ہی اچھے کاموں میں شروع سے رغبت تھی۔ اور سچا شاستر پڑھا تھا۔ زلزلے کے جان خراش مناظر سے ایسی نیک طبائع والے آدمیوں کو اگر دنیا سے نفرت پیدا ہو جائے۔ تو کچھ حیرت کا مقام نہیں ہے کیونکہ انہوں نے دنیا میں سکھ اور بھلائی دیکھی ہے۔ دکھ اور بُرائی نہیں دیکھی۔ بُرائی دیکھ کر دنیا سے دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اور دنیا اور خیال دنیا کو چھوڑ کر فکر عقبےٰ کرنے لگتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ کانگڑے کا زلزلہ اور بھی ہزاروں آدمیوں نے دیکھا۔ بھلا ان میں سے کون کون دنیا کو چھوڑ کر فقیر ہو گئے۔ اُن کے لئے دنیا ویسی ہی سچی ہے۔ اور وہ اُسی طرح اس پر فدا ہیں *

میرا شمار بھی اسی قسم کے آدمیوں میں ہے۔ جو روز دنیا کی تکلیفیں سہتے ہیں۔ دکھ درد اُٹھاتے ہیں۔ لیکن جنہیں یہ خیال نہیں آتا کہ کچھ فکر عقبےٰ بھی کرنا چاہیئے۔ آئے دن شکایتیں کرتے رہتے ہیں۔ کہ ہمیں دنیا میں

کا صفایا کر کے گیروی چادر اوڑھنی اور فقیر بننا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر وہ سنار سہما سا گیا۔ اور اُس نے کہا چادر پانچ گزی میرے پاس نئی رکھی ہے میں اسے ابھی رنگ دیتا ہوں آپ بیٹھئے میں نائی کو بلاتا ہوں۔ اور یہ چھلّا بھی آپ رہنے دیجئے میں نے چھلّا نہیں لیا۔ اور کہا تمہیں مبارک ہو۔ مجھے نہیں چاہیئے۔ تھوڑی دیر میں نائی آیا اور میں نے رنڈ منڈ ہو کر اور نہا کر گیروی چادر اوڑھی۔ سنار نے مجھے کھانا کھلایا اور میں چونکہ شب بھر چلنے سے تھک کر چور ہو گیا تھا۔ غافل ہو کر سو رہا۔

شام کو میں پھر چلا اور صبح ہوتے ہوتے جالندھر جا پہنچا۔ یہاں آپ کے چیلے سدانند جی سے ملاقات ہوئی۔ جو میرے گانے کو آج بے سُرا بتاتے تھے۔ اُن کو میں نے دیکھا کہ ہر وقت خوش اور ہنستے رہتے ہیں۔ ہفتہ بھر میں اُن کے پاس رہا۔ اور اُن کی صحبت میں اور گیان چرچا میں میرا غم سب غلط ہو گیا۔ میں اُن کا چیلا بننا چاہتا تھا۔ لیکن یہ مجھے آپ کے چرنوں میں لے آئے۔ آپ نے جو آتم اپدیش مجھے دیا ہے۔ اس سے میں آزاد ہو گیا ہوں۔ مہاراج میری زندگی نہایت خوشی میں گزری تھی۔ ماں۔ باپ۔ بیوی۔ بچے۔ دولت و مال عزت و شہرت مجھے سب کچھ نصیب تھا۔ ایک دن میں سب خواب ہو گیا۔ میں اسے خواب ہی سمجھتا ہوں اور آپ کے اپدیش سے اُس میں لولین ہو کر رنج و غم نہیں کرتا۔ مجھے جب اپنے عزیز و اقارب کی یاد آتی ہے تو لطف و محبت کے ساتھ انہیں یاد کرتا ہوں اور سوچتا ہوں میں نے کیسا دلکش خواب دیکھا تھا۔ میں اس جاگرت کو بھی آپ کے اپدیش سے خواب ہی سمجھتا ہوں۔ اور یہ دنیا خواب کی طرح نظر آ کر مجھے کسی طرح کا دکھ نہیں دیتی۔ سب لوگ میری آتما ہیں۔ چھوٹے میرے بچے یا بھائی بہن ہیں۔ بڑے میرے ماتا اور پتا ہیں۔ آپ میرے پرم پتا ہیں۔ کیونکہ آپ نے مجھے دوسرا جنم دیا ہے۔ یعنی گیان کا جنم جس میں میں پرم سکھ کو پراپت ہوں۔ یہ کہکر نوجوان خوبصورت سادھو کی آنکھوں میں پریم جل بھر آیا۔ اور منہ سے گدگد بچن نکلنے لگے۔ اس کو اس طرح پریم ساگر میں مگن دیکھ کر سب بڈّھے بڈّھے سادھو آبدیدہ ہو گئے۔

آدمی ہو۔ ہم تمہارا بواہ پھر کرا دینگے اور ہر طرح سے تمہیں مدد دینگے۔ یہیں رہو اور نیک کام کرتے رہو۔ کرم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں۔ نیک کرم کرو۔ پرماتما تمہارا کلیان کرینگے۔ میں نے کہا مہاراج! کرم آپ جیسے دھرماتماؤں کے لئے ہیں۔ میں ویدانتی ہوں اور کرم جال کو چھوڑ کر ستیاس دھارن کرتا ہوں۔ یہ سب مجھے بہت سمجھاتے رہے۔ لیکن میں نے ایک نہ سنی۔ آخر ایک شخص کے پاس کوئی پاؤ بھر کھنے ہوئے چنے تھے۔ وہ اُس نے مجھے دئے اور میں سب کو نمسکار کر کے چل کھڑا ہوا +

ابھی کچھ روشنی تھی۔ شہر کے باہر ایک کوئیں پر بیٹھ کر وہ چنے میں نے کھا لئے اور پیٹ بھر کر پانی پیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے اُٹھا۔ اور رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے اُس گاؤں میں پہنچا۔ جہاں میری سسرال تھی۔ یہاں بھی تباہی اور بربادی کے آثار نمایاں تھے۔ کیونکہ زلزلے کا اثر دور دور پہنچا تھا۔ میں گاؤں میں یہ سوچ کر داخل نہیں ہؤا۔ کہ اگر سسرال والے مر گئے ہیں۔ تو خود مجھے رنج ہوگا۔ اور اگر جیتے ہیں تو مجھے اور انہیں دونوں کو ہوگا۔ باہر ہی باہر جاتا تھا۔ کہ دو آدمی پاس سے گزرے انہیں میں نے یہ کہتے سنا۔ یہ فقیر تو فلاں ساہوکار کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ جو ہمارے گاؤں میں بیاہا تھا۔ میں گردن نیچی کئے تیز تیز وہاں سے چلا کہ یہ لوگ مجھے روک نہ لیں اور ارادہ کیا کہ اگلے گاؤں میں پہنچکر داڑھی مونچھ کا صفایا کرنا چاہئے۔ اور گیروے کپڑے پہن لینے چاہئیں۔ تاکہ لوگ پہچانیں نہیں +

گیارہ بجے کے قریب میں ایک بڑے گاؤں میں پہنچا۔ یہاں ایک سنار کی دکان پر گیا۔ اور انگلی سے سونے کا چھلا اُتار کر اس کو دکھایا۔ کہ میں اس کو بیچنا چاہتا ہوں۔ یہ بیس روپے کا مال تھا۔ لیکن لالچ خورے سنار نے اس کے پانچ روپے کہے۔ اور مجھے دھمکیاں دینے لگا۔ کہ تو چور ہے۔ میں تجھے پکڑواتا ہوں۔ پانچ روپے لے اور چلتا بن۔ سنساری پرشوں کے لوبھ اور لالچ پر مجھے ہنسی آئی اور میں نے اس سنار سے کہا بابا چھلا تو رہنے دے۔ مجھے روپے نہیں چاہئیں۔ میں تو داڑھی مونچھ

ساہ جی شاید یہ تمہارا مکان تھا۔ بھائی صبر کرو۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب فکر سے کیا حاصل ہے۔ چلو ہمارے ڈیرے پر چلو۔ میں نے ان پُرجوش دھرماتماؤں کا شکریہ ادا کیا اور ہم سب ڈھیر پر سے اُتر کر نیچے آئے ⁂

مکان جگہ جگہ سے کھدا پڑا تھا۔ میرے ہمراہی کہنے لگے۔ لوگ تمہارا دھن دولت لوٹ کر لے گئے۔ کہو تو حاکموں کو خبر کر دیں۔ تحقیقات ہو کر شاید کچھ مل جائے۔ میں نے کہا۔ لے گئے سو لے گئے۔ اب کیا پتا لگتا ہے۔ لیکن مہاتماؤ! تم جو اس طرح کام کر رہے ہو۔ تمہیں بھی تو روپے کی بڑی ضرورت ہوگی۔ تمہارے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے۔ انہوں نے کہا چندہ کر کر کے سبھائیں بھیجتی ہیں۔ اور ہم یہاں خرچ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر مجھے اپنے والد کا ایک پُرانا ذخیرہ یاد آیا۔ میں نے کہا۔ سنو اس مکان میں ابھی روپیہ اور ہے اگر ہمت کرو تو مل سکتا ہے۔ اسے اپنے خیرات کے کام میں لگا دینا۔ یہ کہہ کر میں نے ایک شخص سے کدال لی۔ اور ایک دیوار کی بنیاد کے قریب کھودنا شروع کیا۔ دو چار آدمی اور میرے ساتھ شامل ہو گئے۔ ملبا ہٹایا تو ایک پتھر کا چوکا نظر آیا۔ جو دیوار میں نصب تھا۔ اسے ہم نے زور لگا کر دیوار سے ہٹایا تو ایک کھڑکی دکھائی دی۔ لیکن اس کھڑکی میں کچھ روپیہ پیسہ نہیں تھا۔ میرے دوست مایوس ہونے لگے۔ لیکن میں مسکرایا اور ایک شخص سے کنجی لیکر ایک طرف دیوار میں جو زور سے دبائی تو ایک کواڑ کھلا۔ اندر کی کھڑکی میں سے ایک تھیلی برآمد ہوئی۔ جس میں پانسو پُرانی اشرفیاں دس ہزار روپے کی مالیت کی تھیں ⁂

یہ تھیلی میں نے اُنہیں ادھیڑ مہاتما کو دی۔ جو سچے پریم سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے اس ہمدردی کے ساتھ پیش آئے تھے! اور کہا کہ اس روپے کو آپ میری طرف سے دھرم ارتھ لگا دیجئے اور مجھے اجازت دیجئے میں جاتا ہوں۔ وہ کہنے لگے۔ ساہ جی تم بڑے امیر کبیر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ زلزلے میں تباہ بینک ہو گئے۔ لیکن ہماری مانو تو اس میں سے آدھا یعنی پانچ ہزار روپے خود لے لو۔ اور اپنا پہلا کاروبار پھر جاری کر دو۔ ابھی جوان

میں اس ڈھیر پر بیٹھا تھا اور رہ رہ کر سوچتا تھا۔ کیا تھا اور دم کے دم میں کیا ہو گیا۔ مجھے اپنے گرو اور ماں باپ کی محبت یاد آتی تھی۔ اپنی بیوی اور بچوں کی پیاری صورتیں نگاہ میں پھرتی تھیں۔ نوکر چاکر اور عزیز واقارب کی باتیں کانوں میں گونجتی تھیں۔ آہ یہ وہی مکان ہے۔ جہاں میں پیدا ہو کر بڑا ہؤا۔ جہاں میری شادی ہوئی اور اپنی جان سے بھی پیاری نیک بخت بیوی اور پران سے بھی پیارے بچوں کے ساتھ کس خوشی کے ساتھ رہا سہا۔ میرا ہر روز روز عید تھا۔ اور ہر شب شب برات۔ کیسے آرام۔ طمانیت اور تسکین کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی کہ دن معلوم ہوتا تھا نہ رات۔ میرا گھر بہشت کا نمونہ تھا۔ اور باہر لوگ میری تعریفوں کے راگ گاتے تھے۔ گھر میں خانہ آبادی تھی۔ اور باہر شادی ہی شادی۔ لیکن آج یہی گھر کھنڈر پڑا ہے۔ اور رہنے والوں کی صورتیں خواب وخیال ہو گئیں۔ ویدانت میں سچ کہا ہے کہ یہ دنیا سپنا ہے۔ اور اس کی ساری صورتیں خواب کی طرح بدلتی ہیں لیکن اس خواب کا دیکھنے والا میں جوں کا توں بیٹھا ہوں۔ میں نے عشرت وآرام بھی دیکھا ہے اور مصیبت ورنج بھی۔ عشرت وآرام بھی ہیچ ثابت ہؤا اور یہ رنج وغم بھی اسی طرح ایک روز ہیچ ثابت ہو گا۔ بھائی نتیانند! اس سوپن سنسار کو چھوڑو۔ اور اپنے سروپ کا دھیان کرو۔ دنیا سے تمہارے تعلقات قطع ہو چکے۔ اب اس میں پھر پھنس کر کیا لوگے۔

مہاراج! میری تعلیم شروع سے شانتی کی ہوئی تھی۔ ان خیالات کا طبیعت میں آنا تھا۔ کہ حقیقت میں مجھے تمام دنیا خواب کی طرح جھوٹی نظر آنے لگی اور دل میں طمانیت اور تسکین جگہ پکڑنے لگی۔ میں نے ارادہ کیا کہ آج رات کو ہی کانگڑے سے روانہ ہو جاؤں۔ اور جالندھر پہنچ کر کسی سادھو منڈلی کے ساتھ رہنی کیش چل کر رہوں۔ ان خیالات میں شاید کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ کہ وہی آریہ سماجی منڈلی اُدھر سے گزری۔ لوگوں نے مجھے پہچان لیا۔ اور میری طرف آئے۔ ایک ادھیڑ سے مہاپرش جو بہت شانت معلوم ہوتے تھے۔ میرے کندھے پر ہاتھ رکھکر کہنے لگے۔

بے تنک لگے ہوئے تھے۔ منڈلی میں سے دو چار شخصوں نے کہا۔ چلو شہر چلیں۔ ہم کھدائی کا کام کرینگے۔ اور کھدائی کی پارٹی کو ذرا آرام کرنے کا موقع دینگے۔ چنانچہ ہم شہر کی جانب گام زن ہوئے۔ جگہ جگہ۔ وہی تباہی کے آثار عیاں تھے۔ بعض مکان بالکل مسمار ہو گئے تھے۔ اور بعض کے کچھ حصے گر پڑے تھے اور کچھ قائم تھے۔ یہ لوگ تو جہاں اُن کے ہمراہی اور دوست کام کر رہے تھے وہاں ٹھہر گئے اور میں اپنے مکان کی طرف بڑھا +

جگہ جگہ کھدائی ہو رہی تھی۔ کہیں دھرما تما پرش کام کر رہے تھے۔ کہیں سرکاری سپاہی کھودنے میں مصروف تھے۔ کہیں بدمعاش لٹیرے کھود رہے تھے۔ سڑی ہوئی لاشوں کی بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ اور ہوا میں ایسی عفونت تھی کہ دم لینا ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ مُردوں اور ادھ موؤں کو چارپائیوں پر ڈال کر لوگ لے جا رہے تھے۔ کہیں عورتیں اور بچّے گلے پھاڑ پھاڑ کر رو رہے تھے۔ کہیں غمزدے بیٹھے ہوئے بسور رہے تھے۔ میں یہ تمام ماجرا دیکھ دیکھ کر سخت تاسّف اور پریشانی کی حالت میں تھا۔ کچھ اپنے حافظے سے کام لیتا ہُوا کچھ لوگوں سے پوچھتا ہُوا آخر اپنے محلے کے قریب آیا۔ یہاں کے نشانات مجھے یاد تھے۔ اُن کی مدد سے آخر اُس ڈھیر پر پہنچا۔ جو چار روز پہلے خوشی کا گھر اور میرا مکان تھا اور اب خرابہ اور کھنڈر پڑا تھا +

اس پر میں بیٹھ گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میری بیوی کی لاش وہاں نہ تھی۔ شاید کسی دھرما تما منڈلی نے اٹھا کر دفن کرا دی یا جلوا دی ہوگی۔ اس مکان میں کھدائی ہو چکی تھی۔ اس باعث سے یہاں کوئی لاش نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن کھدائی کسی بھیدی کا کام معلوم ہوتا تھا۔ جن مقاموں پر روپیہ۔ پیسہ اور زیور رکھے جاتے تھے۔ وہ تمام کھدا پڑا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ٹوٹے ہوئے صندوقوں اور الماریوں میں سے مال و اسباب نکال کر لوگ لے گئے ہیں۔ لیکن وہ کون تھے۔ اور اب کہاں ہیں۔ اس کا جواب کون دے سکتا تھا +

لگائے - اچھی طرح چل پھر سکتا تھا - اُن پُرجوش دھرماتما آدمیوں سے میں نے کہا مجھے بھی کچھ کام بتاؤ - میں کمزور نہیں ہوں سب کچھ کر سکتا ہوں اُس وقت کچھ آدمی روٹیوں اور بھنے ہوئے چنوں کے ٹوکرے اٹھا کر مصیبت زدوں کو کھانا تقسیم کرنے جاتے تھے - پانی کا ایک کلسا انہوں نے مجھے دیا - اور ہم سب قیام گاہ سے نکل کر باہر کھیتوں میں آئے - یہ مقام آبادی سے کچھ فاصلے پر تھا - یہاں جگہ جگہ میں نے وہ حال دیکھا کہ یاد کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں - خوبصورت عورتیں اور بچے جن کے چہروں سے معلوم ہوتا تھا کہ شریف گھرانوں کے ہیں با حال زار و دل سوگوار کھیتوں میں پڑے پھرتے تھے - یا مینڈوں پر بیٹھے تھے - سب کے چہرے اترے ہوئے - رنگ زرد - اور اکثروں کی آنکھوں سے آنسو جاری - کوئی فقط ایک لنگوٹی کسے تھا - کوئی فقط ایک پھٹی ہوئی میلی چادر اوڑھے ہوئے ۔

ہم نے انہیں روٹیاں اور چنے تقسیم کئے - میں پانی پلاتا جاتا تھا - اور کلسا جب ختم ہو جاتا تھا تو اور لوگ بھر کر مجھے دیجاتے تھے - ان مصیبت زدوں میں کچھ آدمی ایسے بھی ملے - جو مجھ سے واقف تھے - وہ مجھے دعائیں دینے لگے - کہ واہ ساہ جی فارغ بالی کے زمانے میں رفاہ عام کے کام کیا کرتے تھے - اور مصیبت کے دنوں میں سب کو پانی پلاتے پھرتے ہو - اس اسار سنسار میں تمہارا جنم سپھل ہے - ایک شریف عورت کو دیکھا - کہ بہت ہی پھٹی ہوئی چادر آدھی ٹانگوں پر لپیٹے - اور آدھی اوڑھے ہوئے ہے - میں نے اپنی دھوتی اُسے دی - اور اس کی پھٹی ہوئی اور میلی چادر لے کر خود باندھ لی - اس غریب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں دینے لگی - کہ بھائی میری عزّت تو نے رکھی ہے پرمیشور تیری عزت رکھے ۔

روٹیاں تقسیم کر کے ہم فرودگاہ کو واپس پھرے - منہدم شہر دور سے نظر آتا تھا - لیکن جیسا میں پہلے بیان کر چکا ہوں - نہ مندر کا سنہری کلس چمکتا نظر آتا تھا نہ کوٹ کی سر بہ فلک فصیلیں - مسمار مکانوں کے ڈھیر

روز کیسے زور کا بخار چڑھا رہا ہے اور غفلت میں کیسی بے ٹھکانے باتیں کرتا رہا ہے۔ اب یہ بھلا چنگا ہے۔ اسے دودھ پلاؤ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد بدن صاف کر کے کپڑے بدل دو۔

مجھے اب ہوش تو آ گیا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ خواب دیکھ رہا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں ہوں اور کیا ہو رہا ہے۔ ایک شخص نے اپنے ہاتھ سے دودھ کا کٹورا میرے منہ سے لگایا۔ پی کر میری جان میں جان آئی۔ میرا کرتہ دھوتی اور بستر سب پسینے میں تر بتر تھا۔ ایک شخص نے خشک کپڑے سے میرا بدن پونچھا اور مجھے نئی دھوتی اور کرتہ پہنایا۔ میں پہنتا جاتا تھا اور حافظے کے پردے اٹھتے جاتے تھے وہ زلزلے کا دلخراش سین میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اپنے مکان کا گرنا۔ اور بیوی بچوں کا مرنا یاد آیا اور میں نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا۔ جو شخص مجھے کپڑے پہنا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ساہ جی رنج اور غم کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ پرماتما کی مرضی یوں ہی تھی۔ جو ہوا سو ہوا۔ کیا سوچتے ہو۔ تم ابھی کمزور ہو۔ فکر کے خیالات چھوڑ دو اور ابھی لیٹ کر آرام کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ پھر بخار چڑھ آئے اور تمہاری تکلیف بڑھ جائے۔

میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ اس نے بتایا۔ کہ ہم آریہ سماج کی منڈلی کے آدمی ہیں۔ لاہور سے آئے ہیں۔ اس طرح برہمو سماج۔ سناتن دھرم سبھا اور اور سوسائٹیوں کی منڈلیاں بھی۔ یہاں کام کر رہی ہیں سرکاری فوج اور پولیس بھی آئی ہوئی ہے۔ جو لوگ مدد کے محتاج ہیں۔ ان کو ہم کھانے پینے سے مدد دیتے ہیں۔ جن کے چوٹیں آئی ہیں۔ ان کا علاج کر رہے ہیں۔ کھود کھود کر آدمیوں کو نکالا ہے مردوں کو جلایا ہے۔ زندوں اور ادھ موؤں کا علاج کیا ہے۔ غرض جو کچھ ہو سکتا ہے۔ ہم نفع رسانئ خلائق کی غرض سے کر رہے ہیں۔ میں نے اسے دھنیباد کہا۔ اور پھر اپنی چارپائی پر غافل ہو کر سو رہا۔

سو کر اٹھا تو طبیعت تازہ تھی۔ میں نے جھونپڑی کے باہر دو چار چکر

گر کند قصدِ ایں شود بہ ازیں   ور کند میل آں شود بداز آں

ایک طرف کچھ زیادہ شور و غل کی صدا آئی۔ میں اُدھر گیا۔ تو ایک نشان جو میں نے گھر کے قریب ذہن میں قائم کیا تھا۔ مجھے نظر آیا۔ یہ غل تو کسی غریب لٹنے والے کا تھا۔ اور قلیل تر عرصے میں مجھ سے اُس کا فاصلہ زیادہ ہو گیا۔ لیکن نشان پا کر میں اپنے گھر کی طرف قدم بڑھاتا ہؤا چلا۔

تھوڑی دیر میں میں اپنے مسمار شدہ مکان کے ڈھیر پر چڑھ گیا۔ جہاں میری بیجان بیوی دبی ہوئی پڑی تھی۔ وہاں میں نے تین چار آدمی گرد میں اٹے ہوئے کھڑے ہوئے دیکھے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید یہ میری مدد کو آئے ہیں۔ اور میری بیوی کو ملبے میں سے نکال رہے ہیں۔ لیکن جو دلخراش سین راہ میں دیکھتا آتا تھا۔ اُن سے میرا ماتھا ٹھنکا اور میں دوڑتا ہؤا اُن کی طرف چلا۔ ایک شخص نے مجھے آتا ہؤا دیکھا اور جب تک میں وہاں پہنچوں۔ وہ سب فرار ہو گئے۔ ان آدمیوں نے حقیقت میں میری بیوی کو مکان کے خرابے میں سے نکالا تھا۔ لیکن اس کی جان بچانے کے واسطے نہیں بلکہ زیور ہتیا لینے کے واسطے کمبخت چھلا چھلا تک اُتار لے گئے تھے۔ میں نے بیوی کی ناک اور مُنہ پر ہاتھ رکھا۔ لیکن وہ شاید عرصہ ہؤا کہ مر چکی تھی۔ دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ اور جدھر یہ لٹیرے قزاق بھاگ کر گئے تھے۔ میں بے ساختہ ادھر دوڑ کر چلا۔ مگر ایک پتھر سے اس طرح ٹھوکر کھا کر گرا کہ مجھے ہوش نہیں رہا۔

بیہوشی سے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ سرکی کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک چارپائی پر دراز ہوں۔ اور ایک ڈاکٹر نبض پر ہاتھ رکھے کہہ رہا ہے۔ بخار اب نہیں ہے۔ میں نے غلط سمجھا تھا کہ اس نوجوان کو میعادی بخار ہے۔ بیشک اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بخار کا باعث زیادہ تر رنج و غم اور تھکان تھے۔ خدا جانے غریب کون ہے۔ اور اس مصیبت کے سمے میں اس نے کیا کیا مصیبتیں جھیلی ہیں۔ تین

ادھ موئے ہو رہے تھے وہ چلاتے تھے۔ ارے کوئی نکالنا۔ ارے کوئی بچانا۔ ارے کوئی پانی دینا۔ جو خود نہیں دبے تھے وہ میری طرح شور مچا رہے تھے کہ میرے باپ کو نکالنا۔ میرے بیٹے کو بچانا۔ ہائے میری ماں مری۔ ہائے میری بیوی مری +

اس نالہ وزاری کو سن سن کر دل پھٹا جاتا تھا۔ میں نے ایک دو کی مدد کرنی چاہی۔ لیکن بے سود ثابت ہوئی۔ آخر میں واپس پھرا اور جو نشان ذہن میں قائم کئے تھے۔ انہیں بغور دیکھتا بھالتا چلا۔ لیکن ایک نشان یاد رہے دو یاد رہیں۔ ہر طرف یکساں کھنڈر اور مکانوں کے ڈھیر پڑے تھے۔ خدا جانے کہاں کا کہاں نکل گیا۔ اور کتنی دیر تک ٹکریں مارتا پھرا۔ وہی جان خراش نالے اور جان فرسا آوازیں سنائی دیتی تھیں اور وہی تباہی و بربادی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ اس طرح میں گھنٹوں حیران و پریشاں پھرتا رہا۔ رہ رہ کر خیال آتا تھا۔ کہ کیا تھا اور دم کے دم میں کیا ہو گیا۔ کہاں میری نازو نعم کی زندگی کہ کبھی فکر اور رنج کا نام بھی نہیں جانا اور کہاں یہ مصیبت کہ نہ کوئی یار رہے نہ مددگار۔ بیوی بچے رشتہ دار مکان جائداد سب آناً فاناً خواب کا سا نقشہ ہو گیا +

میں اس طرح دریائے فکر میں غوطہ زن تھا کہ پاس سے شور اٹھا۔ لیجو لیجو لوٹ لے چلا۔ میرے پاس سے دو قد آور جوان بھاگے بھاگے گئے۔ اور ان کے پیچھے ایک عورت روتی پیٹتی آئی کہ ہائے میرا زیور چھین لے گئے۔ ایسے ایسے سین اور بھی میری نظر سے گزرے کہ بیکس مرد اور عورتوں اور بچوں کا مال و اسباب بعض انسان صورت دیو سیرت آدمی ہاتھوں میں سے زبردستی چھین کر لے گئے۔ الاماں الاماں وہ وقت کیسے غضب کا وقت تھا۔ کہ اس دم تک اس کے خیال سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اس پر لوگوں کے یہ اعمال۔ کسی نے سچ کہا ہے +

آدمی زادہ طرفہ معجون است　　　کز فرشتہ سرشتہ وز حیواں

سے جدھر دروازے کا خیال تھا - میں نے ادھر کا رُخ کیا - اور کچھ نشان ذہن میں رکھتا گیا کہ آتے ہوئے راستہ نہ بھول جاؤں ؛

تھوڑی دور پر ایک اونچا سا ڈھیر تھا - ہاتھ اور پاؤں کے بل میں اس پر چڑھا اور بھون یا دیوی کے مندر کی طرف نظر دوڑائی - وہ چمکتا ہُوا سونے کا کلس جو میلوں سے دکھائی دیا کرتا تھا - اور جسے دیکھ کر جاتری لوگ جے کارے بولا کرتے تھے - کہیں نظر نہیں آتا تھا - وہ کوٹ جو قدیم تاریخی زمانے میں بڑے بڑے راجاؤں کی راج دھانی رہا تھا - جسے محمود غزنوی نے لوٹا تھا - اور جس پر مسلمان بادشاہوں نے بار بار چڑھائی کی تھی - جس پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بھی قبضہ رہا تھا - اور اب سرکار انگریزی کے ماتحت تھا - غرض وہ کوٹ جس سے ہمارا شہر ہی نگر کوٹ کہلاتا تھا - اب کہیں نظر نہیں آتا تھا - میں نے آنکھیں ملیں کہ کہیں نگاہ کی تو غلطی نہیں ہے - ادھر دیکھا اُدھر دیکھا - لیکن دونوں عالیشان عمارتوں کا کہیں نشان نظر نہیں آیا ؛

اسی طرح گلی کوچے اور بازاروں کی جگہ ٹوٹے ہوئے مکانوں کے ڈھیر تھے - کوئی بالکل منہدم اور مسمار ہو گئے تھے اور کسی کے کچھ حصّے گر گئے تھے - اور کچھ قائم تھے - یہ اور بھی بھیانک معلوم ہوتے تھے - جس بازار میں کھوے سے کھوا چھلا کرتا تھا - اس کا اب پتا ہی نہیں لگتا تھا - کہ ادھر تھا یا اُدھر میں نے ڈھیر پر سے اپنی طرح کچھ آدمی گرد میں اٹے ہوئے دیکھے بعض کہیں کہیں بیٹھے تھے - بعض پھرتے چلتے تھے ؛

میں اتر کر اُن کی طرف چلا - لیکن جگہ جگہ ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے ڈھیروں پر اترنا چڑھنا سخت دقّت کا سامنا تھا - بڑی مشکل سے بہت دیر میں تھوڑی سی راہ طے ہوتی تھی - میں چلتا جاتا تھا - اور پکارتا جاتا تھا - لوگو میں فلاں شخص ہوں - خدا کے واسطے میری مدد کرو - میری بیوی دبی ہوئی پڑی ہے - اس کو جلد نکالو - لیکن چلتا کون اور نکالتا کون؟ جگہ جگہ سے ، دبنے اور چیخنے کی آوازیں آرہی تھیں - جو دب گئے تھے اور

جانور جن مکانوں میں بندھے ہوئے تھے۔ بندھے بندھے جان سے گئے۔ نوکر جہاں کھڑے یا بیٹھے تھے وہاں کھڑے یا بیٹھے دب کر مر گئے۔ بچّے جہاں کھیلتے تھے۔ کھیلتے کھیلتے جان سے گزر گئے۔ ہاں میری پیاری بیوی جو ابھی دوڑ کر دالان سے باہر نکلی تھی۔ اس کا کیا حال ہوا۔ کہیں اس مقابل کی دیوار اور چھت کے گرنے سے وہ تو دب کر نہیں مری میں یہ سوچ رہا تھا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ یکایک پاس ہی ایسی آواز آئی۔ جیسے نزع میں کوئی بڑے بڑے سانس لے کر دم توڑ رہا ہو۔

اب چونکہ گرد کا وہ پہلا سا حال نہیں رہا تھا۔ مجھے صاف نظر آیا۔ کہ حقیقت میں چھت اور دیوار کے گرنے سے میری بیوی دبی ہوئی پڑی ہے۔ اس کا تمام جسم بجز ایک ہاتھ اور سر کے اینٹ اور کاٹ کباڑ کے نیچے ہے۔ سر بیشک کھلا ہوا ہے۔ لیکن تمام چہرہ گرد میں اٹا ہوا ہے۔ اور سانس بمشکل آتا ہے۔ ملبے میں سے اس کو باہر نکالنا میرے احاطۂ امکان سے باہر تھا اور تن تنہا نکالنا بھی تو گھنٹوں کا کام تھا۔ اور وہاں دم شماری کی نوبت تھی۔ میں نے دھوتی سے اس کے منہ پر پنکھے کی طرح ہوا کرنی شروع کی۔ اس سے سانس ذرا آسانی کے ساتھ آنے لگا۔ میں نے اُس کے چہرے سے گرد بھی جھاڑی اور زور زور سے ہوا کرنے لگا۔ سانس لینے میں اسے ذرا اور بھی آسانی ہوئی۔ لیکن بہتیرا چیخ چیخ کر پکارا۔ وہ نہ بولی پر نہ بولی۔ کیونکہ غشی کا عالم طاری تھا۔ اور وہ بالکل بے ہوش تھی۔ اسے نہ دنیا و مافیہا کی خبر تھی۔ نہ اس بات کی کہ خود اس پر کیا تکلیف گزر رہی ہے۔ اور اُس کے خاوند یا بچّوں کا کیا حال ہے۔

مثل مشہور ہے کہ جب تک سانس ہے تب تک آس ہے۔ میں نے جو اپنی بیوی کو پہلے کی نسبت زیادہ آسانی سے سانس لیتے دیکھا خیال ہوا کہ کچھ آدمی مدد کو آجائیں تو اُس کی جان بچ جائیگی۔ چلو اور کسی کو لاؤں۔ مگر سوال یہ تھا کہ چلوں کدھر اور کہاں۔ ہر طرف ملبے کے ڈھیر ہی ڈھیر نظر آتے تھے۔ نہ مکانوں کا پتہ چلتا تھا۔ نہ بازاروں کا۔ پہلی روزنامہ مشق

شور و غل سے میرے گئے ہوئے حواس ٹھکانے آئے اور میں نے سوچا غضب ہوا۔ زلزلے میں میرا مکان گرا۔ پرماتما خبر کریں ؂

حقیقت میں زلزلہ نہایت ہی سخت آیا تھا۔ اُس کا دھچکا میرا مکان نہیں سہار سکا۔ جس کمرے میں مَیں بیٹھا ہوا اپنی نیک بخت بیوی سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس کی چھت اور سامنے کی دیوار اس طرح دھم سے صحن میں گری۔ جس طرح کسی نے ہاتھوں میں اٹھا کر پھینک دی ہو۔ پس پشت کی دیوار بھی اسی رُخ گرتی تو میرا کام تمام ہو گیا ہوتا اور اس وقت میں اپنی سرگزشت آپ کے سامنے بیان نہ کر رہا ہوتا۔ لیکن وہ سامنے کی دیوار کے مقابل یعنی میری پس پشت گری۔ اس طرح میری جان بچ گئی۔ غرض کی دیواریں بھی گریں۔ اور اس کی اچھلتی ہوئی اینٹیں میرے لگیں۔ لیکن کچھ زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ میں نے جوں توں دو چار قدم بڑھائے۔ تاکہ کمرے سے باہر نکلوں۔ لیکن یکے بعد دیگرے زلزلے کے اور دھچکے مجھے محسوس ہوئے اور میں پھر گرا ؂

اٹھا تو کچھ دیکھنا بھالنا تو درکنار۔ گرد میں سانس نہیں آتا تھا۔ وہ تو خیریت یہ تھی کہ میرے مکان کا صحن بہت فراخ تھا۔ وگرنہ اور بہتیرے غریبوں کی طرح دم گھٹ کر جان نکل گئی ہوتی۔ تھوڑی دیر میں گرد کچھ اوپر چڑھی کچھ نیچے بیٹھی تو مجھے سانس بھی ذرا آسانی سے آنے لگا۔ اور آنکھوں کو کچھ دکھائی بھی دینے لگا۔ کچھ نہ پوچھئے جو سانحۂ جاں خراش میری نظر سے گزرا۔ یہ پانچ سات لمحوں کا وقفہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سالہا سال گزر گئے۔ اور وقت کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتا۔ آہ یہ وقت ختم ہوا تو میں نے کیا دیکھا۔ کہ میرا مکان جس پر مجھے ہی نہیں تمام شہر کو ناز تھا۔ پتھر۔ اینٹ اور ملبے کا ڈھیر تھا۔ نہ کمروں کے نشان معلوم ہوتے تھے نہ صحن کی حدود نظر آتی تھیں۔ فقط ملبے کا ڈھیر تھا اور کچھ نہیں۔ اور منہدم مکانوں میں لوگ دبے ہوں۔ تو شاید انہوں نے چیخیں ماری ہوں۔ نالہ و فریاد کی ہو۔ لیکن میرے گھر میں کسی نے آواز تک نہیں دی ؂

ہوں بچپن میں میرے ماں باپ اور گوروں نے اس طرح مجھ پر سایۂ عاطفت رکھا کہ کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دی۔ آج تمام شہر میری خوش بختی سراہتا ہے۔ زر و مال۔ مکان و اسباب۔ نوکر چاکر۔ جانور سواری صحت و عزت۔ لڑکے لڑکیاں سب مجھے میسّر ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم ساکشات لکشمی کی صورت مجھے پتنی بن کر ملی ہو۔ تمہارا روپ چاند کو شرماتا ہے اور تمہارے گن کرم سبھا و دیویوں کے سے ہیں۔ شہر میں میری تعریف ہو رہی ہے لیکن سچ یوں ہے کہ مدرسے اور دھرم شالا تمہارے ذہن میں پہلے آئے تھے۔ اس تمام تعریف کی مستحق تم ہو۔ میں نہیں ہوں۔ میں ہنس رہا تھا۔ کہ تعریف ہونی کس کی چاہئے تھی اور ہو کس کی رہی ہے ؛

میری پیاری بیوی یہ سن کر خوشی سے کھل گئی اور کہنے لگی۔ پیارے ہم اور تم کیا دو ہیں۔ تمہاری تعریف میری ہی تعریف ہے۔ پرماتما نے جو تمہیں خوشی کے اسباب دئے ہیں۔ وہ تمہاری طبعی نیکی اور بھلائی کا نتیجہ ہیں۔ نوکر چاکر رشتہ دار اور اجنبی سب تمہارے حسنِ اخلاق کے مدّاح ہیں۔ اور تمہارے احسانات کے ممنون احسان۔ مجھے تو تم جان سے بھی پیارے ہو۔ میں تو پرمیشور سے یہی پرارتھنا کیا کرتی ہوں کہ دوسرے جنم میں بھی میرا تمہارا یہی سمبندھ بنا رہے اور ہم کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ یہ کہکر اُس نے مجھے پان بنا کر دیا ؛

پان کا دینا تھا کہ مجھے معلوم ہوا مکان ہلتا ہے۔ میری بیوی گھبرا کر اٹھی اور یہ کہتی ہوئی دوڑ کر کمرے کے باہر گئی۔ رام رام کیا سخت بھونچال ہے۔ ارے میرے بالک کہاں ہیں۔ میں بھی اُٹھا۔ لیکن مکان کی جنبش سے مجھے چکر آنے لگا۔ اور میں نے پلنگ کی پٹی پر سہارے کے لئے ہاتھ رکھا میرا بنجہ سنگین مکان اس طرح ہلتا تھا۔ جیسے کوئی پنکھا جھل رہا ہے۔ آناً فاناً جیسے ہزار توپوں کی باڑ ایک دم سے چھوٹے ایسا شور و غل میرے کان میں آیا اور میں پلنگ سے اچھل کر اس طرح زمین پر گرا جس طرح گیند گرتی ہے۔ گرد و غبار گرد و پیش چھایا ہوا تھا۔ اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔ اس

میرا غم غلط ہو گیا۔ اور میں پہلے کی طرح شاہی سے رہنے سہنے لگا۔ مکان بنکر تیار ہو گئے۔ تو میں نے ایک رقم کثیر اُن کے واسطے دنت کی تاکہ میں نہ رہوں تو بھی یہ کارخانہ اسی طرح جاری رہے۔ رسم افتتاح کے روز ایک بڑا بھاری یگیہ کیا گیا۔ اور اس میں غریب امیر سب کی پُر تکلف دعوت ہوئی اور محتاجین او مستحقین کو بہت کچھ خیرات دی گئی۔ اس سے شہر میں کیا دور دور میرا نام ہو گیا۔ اور لوگوں نے بہت کچھ تعریف کی۔ لیکن میں اس تعریف سے اتنا خوش نہیں ہوا۔ جیسا مین دھرم کے کام جاری ہونے سے خوش ہوا۔ مہاراج! اس طرح کے کام تعریف کے واسطے جو شخص کیا کرتے ہیں۔ وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ میں نے ویدانت شاستر میں پڑھا تھا کہ آدمی کرم کرے تو نشکام کرے۔ یعنی کسی غرض کو مدنظر رکھ کر نہ کرے۔ چنانچہ میں جو کام کیا کرتا تھا۔ ان میں اسی اصول طلائی پر میرا عملدرآمد تھا +

یگیہ کے دوسرے روز میں صبح ناشتہ کر کے گھر میں پلنگ پر لیٹا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد چت کی بری بڑی شانت ہوتی ہے۔ چنانچہ مثل ہے کہ کھانے کے بعد یا شمشان میں آدمی کے نفس کی جو کیفیت ہوتی ہے اگر ہمیشہ وہی رہے تو وہ آدمی سے دیوتا ہو جائے۔ میرے چہرے پر تبسم تھا۔ اور دل اندر سے مسکن اور مطمئن تھا۔ بیوی پاس بیٹھی ہوئی پان بنا رہی تھی۔ اُس نے مجھے یوں خوش دیکھا تو آپ بھی بہت خوش ہوئی۔ اور مسکرانے لگی۔ اِس وقت تک اس کا وہ حسین چہرہ میری نظر کے سامنے پھرتا ہے۔ رنگ کندن کی طرح دمکتا تھا۔ اور اس سے تمام گھر میں روشنی معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی مسکراہٹ میں سفید سفید دانت ایسے خوشنما معلوم ہوتے تھے۔ گویا گلاب کی پنکھڑیوں میں چمبیلی کی کلیاں لطف دکھا رہی ہیں۔ مسکراتے مسکراتے اس نے مجھ سے پوچھا۔ پیارے! کیا خوشی کی باتیں سوچ سوچ کر مسکرا رہے ہو +

میں نے کہا پیاری! ابھی یہ سوچ رہا ہوں کہ میں کیسا خوش نصیب آدمی

اور میں تہ دل سے ان کے ساتھ محبت کرتا اور احسان مانتا تھا۔ ایک مہینے میں تینوں کی مفارقت سے جو صدمہ میرے دل پر گزرا وہ دل ہی جانتا ہے۔ زبان بیان نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں نہایت مغموم اور متفکر رہنے لگا۔
میری نیک بخت اور پارسا بیوی یہ حال دیکھ کر بہت کڑھی اور ایک روز کہنے لگی۔ تم بھگت جن ہو۔ نیک کام کرنے والے ہو اور تم نے شاستر پڑھا ہے۔ ان سب باتوں پر اس طرح موہ جال میں پھنسنا ہرگز ہرگز شایاں نہیں ہے۔ پیارے پتی! جہان گزراں ہے۔ یہاں سدا کون رہا ہے اور کون رہ جائیگا۔ گیانی ہو یا یوگی ہو۔ سنت ہو یا مہاتما ہو۔ یہاں تک کہ اوتار بھی کیوں نہ ہو۔ جو اس دار ناپائدار میں پیدا ہوا ہے۔ ایک روز اُسے مرنا بھی لازمی اور لابدی ہے۔ موت ایک ناگزیر امر ہے۔ اس میں کیا فکر کرنا اور تو اور رہے ایک دن ہمیں خود یہاں سے چلا جانا ہے۔ تمہیں ان تینوں ست پرشوں سے سچا پریم ہے۔ اور احسان مانتے ہو۔ تو اُن کے نام پر کچھ دھرم کے ایسے کام کرو۔ جن سے اُن کا نام رہے۔ اور تمہاری طرح اور لوگ بھی اُنہیں ذکر خیر سے یاد کیا کریں +

یہ میٹھے بچن اس نیک عورت کے منہ سے یوں نکلے۔ جیسے پھول جھڑتے ہیں۔ اور مجھے سُن کر ایسی تسکین ہوئی۔ جیسے پیاسے کو پانی پیکر اور بھوکے کو روٹی کھا کر ہوتی ہے۔ میں نے کہا پیاری! تم نے بڑی اچھی بات کہی۔ بولو کیا دھرم کا کام کریں؟ ہم دونوں عرصے تک نیک نیک تجاویز سوچتے اور آپس میں اُن کے نفع و نقصان پر بحث کرتے رہے۔ آخر فیصلہ یہ کیا کہ ماں باپ کے نام پر ایک لڑکوں کا اور ایک لڑکیوں کا مدرسہ جاری کریں اور گورو کے نام سے ایک دھرم شالا بنوائیں۔ جس میں جاتری آکر ٹھیریں اور آرام پائیں۔ میرے مکان شہر میں بہت سے تھے اور ایک بڑا باغ تھا۔ اُن کو بینے نفع سے فروخت کر دیا۔ اور دو مکان مدرسوں کے لئے اور ایک عالیشان دھرم شالا بنوائی۔ عمارت کے کام میں دلچسپی بہت ہوتی ہے۔ چھ مہینے میں مکان بنکر تیار ہوئے۔ اس عرصے میں

مرہٹے اور گجراتی - غرض ان دنوں میں نگر کوٹ نصف جہان نظر آتا تھا۔ بازاروں میں چلنے کو راستہ نہیں ملتا تھا۔ دوکانداروں کو ہوش نہیں آتا تھا۔ کیا خرید و فروخت تھی۔ کیسی آرائش تھی۔ کس طرح کا ہجوم رہتا تھا۔ رات کے وقت اور بھی رونق ہوتی تھی۔ کہیں رت جگا ہو رہا ہے۔ اور دیوی کی بھینٹیں گائی جا رہی ہیں۔ کسی نے روشنی بولی ہے۔ اور رات کو دن بنا رکھا ہے۔ یہ رونق اور کیفیت اب تک میری نگاہ میں ہے۔ ہم تینوں جس وقت چاہتے تھے۔ سیر کو چلے جاتے تھے۔ اور دور و نزدیک تماشہ دیکھتے پھرتے تھے؛

میرے ماں باپ۔ جیسے سادھو سبھاؤ اور نیک سیب تھے۔ ویسے ہی پرماتما نے ہمیشہ انہیں خوش رکھا۔ میں جب بیس سال کا ہوا تو وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ لیکن سب قوے سالم تھے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ تھی۔ اسی سال میرے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ جیسی خوشی انہیں ہوئی شاید کسی کو نہیں ہوئی ہوگی۔ دونوں خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے تھے۔ کیا کیا بدھائیاں بانٹیں۔ کیسی کیسی خیرات کی۔ اور کس تکلف کے جلسے کیئے۔ کہ سب عش عش کرتے رہ گئے۔ جو آتا تھا یہی کہتا تھا۔ ساہ جی! یہ تمہارے پُنوں کا پھل ہے۔ تمہاری سی زندگی پرمیشور سب کی کرے۔ یہ سن سن کر وہ بچارے نیچے جاتے تھے۔ کہ واہ مہاراج! ہم کس لائق ہیں آپ کی بڑائی ہے کہ ہمیں بڑا بتاتے ہو۔ کیوں نہ ہو؛

منظور ہے دنیا میں اگر ہمتِ عالی ــــــ کر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ
لیتے ہیں ثمر شاخِ ثمر ور کو جھکا کر ــــــ جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ

اس نیک نہادی اور خوشی و خرمی کے ساتھ میرے ماں باپ اور گورو عرصۂ دراز تک لطف زندگی لیتے رہے۔ آخر یہ جہان فانی ہے۔ اُنہیں بھی ایک روز سفر آخرت پیش آیا۔ پہلے گورو نے قضا کی۔ پھر والدہ نے اور پھر والد نے۔ ایک مہینے کے اندر اندر سب عالم بقا کو سدھار گئے۔ مجھے تینوں سے بڑا ہی حسن عقیدت تھا۔ میں نے ان کے سایۂ عاطفت میں لطف و محبت۔ تسکین و طمانیت۔ اور خوشی و راحت کے سوا کچھ نہیں دیکھا تھا۔

اور نوکر چاکر سب کو دیں - اس سنّیاس کے عالم میں بھی جب مجھے ان میں سے کسی کا خیال آجاتا ہے - تو دل میں جوش محبت موجیں مارنے لگتا ہے - اور منہ سے بے اختیار دعائیں نکلتی ہیں ؎

قطعہ

نہ پوچھو مجھ سے لے دوستو اور لے بزرگو تم — جدائی میں تمہاری بات کیا منہ سے نکلتی ہے
تمہاری مہربانی کا خیال آتا ہے جب دل میں — امنڈتی ہے محبت اور دعا منہ سے نکلتی ہے

بچپن کے زمانے میں ماں باپ مجھے اور میری بیوی کو اکثر میلوں تماشوں میں لے جاتے تھے - چنانچہ گرد نواح کے سب دل کش مقامات اور مناظر میرے دیکھے ہوئے ہیں - ان کا بیان یہاں ضروری نہیں ہے - کیونکہ آپ اور یہ سب مہاتما ہفتوں سے پہاڑی مناظر کی سیر کرتے چلے آتے ہیں - نوراتروں یا دلوی پوجا کے ایام میں ہم سب نگر کوٹ میں قیام کیا کرتے تھے - کیونکہ ان دنوں میں ہمارے ہاں دکان کا کام بھی بہت ہو جاتا تھا - اور مہمان بھی بہت آجایا کرتے تھے - ان میلوں میں عجیب عجیب تماشے میری نظر سے گزرے ہیں - میں نے ایسے سادھو اور گرہستی بھی دیکھے ہیں - کہ سچّے دل سے درشنوں کو آتے تھے - اور آکر اور شبھ کرم کر کر کے اپنے جنم کو سپھل کرتے تھے اور ایسے بدمعاش فقیر اور گرہستی بھی دیکھے ہیں - جو عورتوں کو گھورنے - غریب راسخ الاعتقادوں کے ٹھگنے اور اپنی دکانداری جمانے کی غرض سے آتے تھے - یہ حال باہر ہی کے آنے والوں کا نہ تھا - بلکہ پنڈوں اور پجاریوں میں بھی انہیں دونوں قسم کے بہتیرے لوگ دیکھے - جن میں بعض میرے ملاقاتی بھی تھے ؎

میرے والد بزرگوار اور پنڈت جی نے خود یہ دونوں طرح کے آدمی مجھے دکھائے تھے اور ان کی طرف رغبت و نفرت دلائی تھی - ایک سال میلا بڑا ہی بھاری ہوا - بڈھے بڈھے آدمی کہتے تھے کہ ایسا ہجوم کبھی نہیں دیکھا - جہاں دیکھو دیس دیس کے آدمی پھرنے اور سیر کرتے نظر آتے تھے - ننگے سر والے بنگالی - بانکی ٹوپی دھرے لکھنوی اور دہلوی - خاص قسم کی پگڑیاں باندھے

لایا کرتے تھے - چنانچہ میرا کمرہ عجائب خانہ معلوم ہوا کرتا تھا - ماں باپ نے ان اللّے تللّوں کے ساتھ میری تعلیم و تربیت بھی نظر انداز نہیں کی تھی - گھر پر پنڈت ملازم تھا - میں نے پہلے مہاجنی حساب اور ہندی پڑھنا لکھنا سیکھا اور بعد میں سنسکرت پڑھی - اس زمانے میں انگریزی کا بھی رواج ہوتا چلا تھا - ایک بنگالی بابو کوئی چار مہینے نگرکوٹ میں آکر رہے تھے - انہوں نے مجھے انگریزی بھی پڑھائی - بعد میں اور اسباب پیدا ہوتے گئے - جن سے اس زبان میں بھی اور اردو میں بھی مجھے خاصی دسترس ہو گئی ۔

لیکن ہندی اور سنسکرت کی مٹھاس کو کون سی زبان پہنچتی ہے - ہندی میں میں نے تلسی داس جی مہاراج کی راماین پڑھی تھی - اور بھگتی رس میں خاص مزہ آتا تھا - سنسکرت میں یوں تو تھوڑا بہت ہر ایک شاستر دیکھا تھا - لیکن ہمارے بوڑھے پنڈت کو ویدانت سے خاص شوق تھا - اور اس نے مجھے گیتا - اپنشد - برہم سوتر - اور کھنڈگرنتھ بھی پڑھائے تھے - یوگ وسشٹ کو میں مزے لے لے کر پڑھا کرتا تھا - کچھ تو اس وجہ سے کہ اس کی زبان بڑی میٹھی اور گیان بہت اعلےٰ درجے کا ہے اور کچھ اس باعث سے کہ مجھے مہاراج رام چندر جی کے چرنوں میں بڑا اننت تھا اور یہ کتاب بھی اصل میں راماین ہی کا حصہ ہے ۔

بارہ برس کی عمر میں پاس ہی کے قصبے میں میری ایک اچھے گھرانے میں شادی ہو گئی تھی - بیوی نہایت حسین - خوش مزاج اور بڑی ہی نیک بخت عورت ثابت ہوئی - غرض سب سامان ایسے جمع تھے - کہ ہمارے گھر میں چھوٹے بڑے بڑی خوشی - اطمینان اور تسکین طبع کے ساتھ زندگی گذارتے تھے - میرے ماں باپ پرانے فیشن کے دھرماتما ہندو تھے - اور انہیں سے میں نے سادھو سیوا - محتاجین اور مستحقین کو خیرات دینی - بزرگوں کا نام ادب سے لینا - اور ہر طرح کے نیک کاموں میں ... ظاہر کرنا سیکھا تھا - پرمیشور ایسے محبت والے ماں باپ - گورو - سری

باب اوّل - ابتدائی مرحلے

پہلے سادھو کی کہانی

خوشی کی زندگی ہیں دنیا کی بے ثباتی

جھوٹی دنیا کی ہے کہانی ساری | اور نقش بر آب زندگانی ساری
یہ عالمِ تمثال ہے نیرنگِ خیال | اے طبع رواں تری روانی ساری

مہاراج! میں نے یہ گیروے کپڑے جنم سے نہیں پہنے ہیں یعنی میری پیدایش کسی سادھو کے گھر نہیں ہوئی - میں ایک ساہوکار کا لڑکا اور ذات کا کھتری ہوں - میرے باپ کی دوکان نگر کوٹ میں تھی - اور وہ مرصع زیورات خرید و فروخت کرنے کے علاوہ لین دین اور ہنڈی پرچے کا بیوہار بھی کرتے تھے - نگر کوٹ ایسا استھان ہے - جہاں شملے سے لگا کر سیت بندرامیشور اور پشاور سے لیکر رنگون تک کے آدمی بھون کی جاترا کو آیا کرتے ہیں - اور بڑے میلوں یا خاص تیوہاروں پر ہی نہیں - بلکہ تمام سال آنے جانے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے - یہ لوگ میرے باپ کے نام ہنڈیاں لایا کرتے تھے - اُن کا سود ہی اتنا بڑھ جاتا تھا - کہ ہمارا گزارہ نہایت فارغ البالی اور آسودہ حالی سے ہوتا تھا - گھر کا عالیشان سنگین مکان تھا - نوکر چاکر تھے گلے بھینس اور گھوڑے تھے - غرض امیرانہ ٹھاٹھ تھا -

میں نے بڑے ناز و نعمت سے پرورش پائی ہے - کیونکہ اکلوتا بیٹا تھا - اور ماں باپ نے بڑی عمر میں میری صورت دیکھی تھی - اچھے سے اچھے زیور اور کپڑے مجھے پہناتے تھے - اور اچھے سے اچھا کھانا مجھے کھلاتے تھے - ویس دیس سے باپ کے ملاقاتی بچپن میں میرے لئے کھلونے

پاس بستر کم ہے - اور اس مکان میں لیٹنے اور سونے کی جگہ بھی نہیں ہے - نہ بیٹھے بیٹھے نیند آئے گی - نہ سردی سونے دیگی - ہم آج رت جگا کیوں - کردیں جیسے آپ نے کہا ایک ایک بولو - ایک ایک ہی آپ کی آگیا سے ایک ایک دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانی گیان دھیان کی سنائیے - پڑھی بڑھائی سُنی سنائی آپ بیتی یا جگ بیتی - اس طرح آرام سے رات کٹ جائے گی - اور سادھو سنگ کا لابھ بھی ہم سب کو حاصل ہو جائیگا +

سب نے اس رائے پر صاد کیا - سوامی برہمانند نے کہا - بیٹا نتیانند تم نے بہت ہی اچھی بات کہی - حقیقت میں ہم سب کو آج بیٹھے بیٹھے رات کاٹنی پڑیگی - سونے کے واسطے نہ تو اس مکان میں جگہ ہے - نہ سردی سونے دیگی - بے شک رت جگا کرو اور سادھو سنگ کا فائدہ اٹھاؤ - گیان دھیان کی باتوں میں رس ہوتا ہے باتوں باتوں میں رات اس طرح گزر جائیگی کہ معلوم بھی نہ ہوگی - پھر یہ باتیں دلچسپ کہانیوں میں بیان ہوں تو سونے پر سہاگے کا کام دیگی - شاستر کا مضمون آسان نہیں - دقیق ہے - فلسفیانہ بحثیں اُٹھتی ہیں - پیچیدہ منطقی دلائل سے کام پڑتا ہے - جن میں طبیعت الجھتی ہے پر الجھتی ہے - ان پر سوچنے سمجھنے والی طبیعتیں ہی غور و خوض کر سکتی ہیں - لیکن ایسے آدمی سو میں سے پانچ بھی مشکل سے ملتے ہیں - ہاں دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانیوں کے ذریعے سے مشکل سے مشکل باتیں آسانی کیساتھ سمجھائی جا سکتی ہیں - اور سب کی سمجھ میں آسکتی ہیں + سادھوؤ! تم سب ایک ایک کہانی ایسی بیان کرو - کہ ویدانت شاستر کے اعلےٰ خیالات کی اُن سے تشریح ہوتی چلی جائے - گھیان دھیان کی سب باتیں آجائیں - عملی طریقے بتاؤ - پیچیدگیوں کو سلجھاؤ - اجمال کی تفصیل کرو - مشکل مضامین پر دلچسپی اور آسانی کی روشنی ڈالو - غرض شاستر کا مطلب آئینے کی طرح صاف کر کے دکھا دو - بیچ بیچ میں ہم بھی مطالب کی توضیح اور تشریح کرتے جائینگے - بیٹا نتیانند! چونکہ یہ خیال تمہارا ہے - اس وجہ سے پہلی کتھا تم ہی شروع کرو - نتیانند نے بسروچشم اس حکم کی تعمیل کی اور اپنی داستان اس طرح بیان کرنی شروع کی +

دم گھٹنے اور مرنے کی نوبت نہ پہنچے۔ تھوڑی دیر میں کمرہ گرم ہو گیا۔ اور جو لوگ سردی سے کانپ رہے تھے۔ اُن کی جان میں جان آئی۔

بڈھا پہاڑی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ مہاتماؤ! مجھے معاف کرنا۔ آپ سب بھوکے ہونگے۔ اور میں خود بھی بھوکا ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے لاچاری ہے۔ میں اسی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ جہاں آج آپ کا قیام کرنے کا ارادہ تھا۔ اور وہ یہاں سے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے۔ اس طوفان میں وہاں جانا بالکل ناممکن ہے۔

سوامی برہمانند جو بڑے شانت اور میٹھا بولنے والے آدمی تھے۔ کہنے لگے۔ ساہ جی تم ناحق فکر کرتے ہو۔ ہم میں سے بہت سے تو ایک آہاری یعنی ایک وقت کھانا کھانے والے آدمی ہیں۔ دوپہر کو کھانا کھا کر چلے تھے ہمیں کچھ بھوجن کی ضرورت نہیں۔ اور جو دونوں وقت کھاتے ہیں۔ وہ بھی تو آخر سادھو ہی ہیں۔ سادھو کو سہن شیل ہونا چاہیئے۔ ہمارے لئے ہر جگہ دعوت تیار نہیں ملا کرتی۔ بعض دفعہ دو دو تین تین دن کے فاقے ہو جاتے ہیں۔ پس تم ناحق ہمیں شرمندہ کرتے ہو۔

اس میں شک نہیں کہ بہت سے سادھو بھوکے تھے۔ کیونکہ اوّل تو پہاڑی ہوا اور دوسرے چار پانچ گھنٹے کا سفر۔ بھوک کا لگنا کچھ تعجب کی بات نہیں تھی۔ اور اگر اس وقت اُنہیں کھانا ملتا تو شوق سے کھاتے۔ لیکن اب چار و ناچار صبر کرتے ہی بنی۔ سوامی برہمانند کے بچن ایسے شانتی دایک تھے کہ سب یک زبان ہو کر بولے۔ مہاراج کھانا روز ہی کھاتے ہیں۔ آپ ان باتوں کا ذکر ہی موقوف کیجئے۔

چونکہ کئی آدمی ساتھ بولے تھے۔ کمرے میں غل ہو گیا۔ برہمانند نے کہا۔ سادھو ایک ایک بولو تاکہ بات سمجھ میں آئے۔ یہ سن کر سادھو نتیانند کو جو رستے میں گاتا آرہا تھا۔ ایک عجیب خیال سوجھا۔ اور اُس نے برہمانند سے کہا۔ مہاراج میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے آپ اجازت دیں تو گوش گزار کروں۔ برہمانند نے کہا ہاں کہو اور ضرور کہو۔ وہ بولا۔ مہاراج ہم لوگوں کے

یہ مکان میرا کوئلوں کا گودام ہے۔ جو لوگ بدری نارائن کے درشنوں کو آتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کوئلے بیچا کرتا ہوں۔ اور یوں میرا اور میرے کنبے کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ چھوٹا کوٹھا کوئلوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور بڑے میں بھی تھوڑے بہت کل ہی ڈالے ہیں۔ یہ مکاں کھولے دیتا ہوں۔ اس میں آپ سب بیٹھئے۔ میں کوئلے سلگاتا ہوں۔ آگ سیکئے۔ دم کے دم میں کیسی سردی ہو گئی ہے۔ اوہو آپ تو کانپ رہے ہیں۔ اور آپ کے تمام بستر بھیگے ہوئے ہیں۔

یہ کہکر بڈھے نے جیب میں سے کنجی نکالی اور مکان کا قفل کھولا۔ حقیقت میں اندر کا کوٹھا چھت تک کوئلوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور باہر کے کمرے میں بھی چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ پانچ چھ جوان جوان سادھو آئے اور اُنھوں نے مٹی کی دو کونڈیا انگیٹھیاں جو وہاں رکھی تھیں کوئلوں سے بھر کر اُٹھائیں۔ اور باہر برانڈے میں لائے۔ دو نے ٹوکریاں بھر بھر کر کوئلے باہر ڈالے اور کمرے کو صاف کر کے بیٹھنے کے لائق بنایا۔ بڈھے بڈھے سادھو سردی سے کانپ رہے تھے۔ اور جوان بھی تکلیف محسوس کر رہے تھے کیونکہ بلند مقامات پر جہاں تیز ہوا چلی اور بارش ہوئی مئی۔ جون کے مہینوں میں میدانوں کی دسمبر کی سی سردی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ان میں سے بہتوں کے کپڑے بھی تر و تر ہو گئے تھے۔ اور وہ اوروں سے زیادہ کانپ رہے تھے۔

بڈھے پہاڑی نے دیا سلائی نکالی اور اپنی چادر پھاڑ کر آگ روشن کی۔ کوئلے سوکھے ہوئے اور اچھے تھے۔ تھوڑی دیر میں دہک گئے۔ اور دو ہی سادھو انگیٹھیوں کو اٹھا کر اندر لے آئے۔ کمرہ خاصہ بڑا تھا۔ اگر بڑا نہ ہوتا تو بڑی دقت رو نکار آتی۔ کیونکہ سادھو تعداد میں چالیس تھے۔ اور بڈھا پہاڑی اکتالیسواں آدمی تھا۔ انگیٹھیاں بیچ میں رکھ کر دیواروں کے سہارے صفیں باندھ کر سب بیٹھ گئے۔ اس وقت بارش کا ایسا زور شور تھا اور بادل ایسے گرج رہے تھے۔ کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ بڈھے نے اُٹھ کر مکان کے دروازے بند کئے اور اوپر کے روشندان کھولے تاکہ سردی سے بھی پناہ ملے۔ اور تنفس اور دہکتے کوئلوں سے ہوا خراب ہو کر

دوڑ رہے تھے ؛

ہوا پہ دوڑتا تھا اس طرح سحابِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی پیلِ مست بے زنجیر

اس صورت میں منزل پر پہنچنا محض ناممکن تھا۔ بارش اب آئی کی آئی تھی۔ تھوڑے سے فاصلے پر ایک مکان نظر آتا تھا۔ سب نے ادھر کا رخ کیا اور تیز تیز قدم اُٹھائے۔ یہ بھاگے چلے جاتے تھے۔ کہ پہلے بہت بڑی بڑی چھدری چھدری بوندیں پڑنی شروع ہوئیں۔ انہوں نے اور قدم تیز کئے۔ اور جوں توں کرکے اس مکان کے برانڈے میں پہنچ گئے۔ بڈھے بڈھے سادھو جن کا قدم بہت تیز نہیں اُٹھتا تھا۔ ابھی ذرا پیچھے پیچھے ہانپتے ہوئے چلے آتے تھے۔ کہ موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا اور وہ بیس پچیس قدم کا فاصلہ طے کرنے میں ہی تربتر ہو گئے۔ بجلی کوند کوند کر آتی تھی۔ رعد کے شور سے کان پھٹے جاتے تھے۔ اور مینہ اس زور کا برس رہا تھا۔ کہ قلیل عرصے میں سب جگہ پانی ہی پانی ہو گیا ؛

جس مکان میں سادھو پناہ گزین ہوئے تھے۔ وہ ایک معمولی پہاڑی مکان تھا۔ ایک چھوٹا کوٹھا اور ایک ذرا بڑا کمرہ تھا۔ اور دونوں کے باہر کے رُخ برانڈہ تھا۔ یہاں ایک بڈھا پہاڑی کھڑا ہوا نگاہ حسرت سے مینہ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ یہ شخص مالک مکان تھا۔ اور شاید اس فکر میں غلطاں پیچاں تھا کہ آج گاؤں میں گھر پہنچ چکا۔ یہیں بھوکے پیاسے رات کاٹنی پڑیگی۔ سوامی برہمانند جو اس منڈلی میں سب سے بوڑھے سادھو تھے۔ اور جن کا ادب و عزت تمام منڈلی کرتی تھی۔ اس شخص کے پاس گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہو شاہ جی کس فکر میں کھڑے ہو۔ اور کیا دیکھ رہے ہو ؛

بڈھا پہاڑی سادھو کے قدم لینے کو جھکا اور کہنے لگا۔ مہاراج بارش خوب گھر کر آئی ہے۔ رات بھر تھمتی نظر نہیں آتی۔ میں یہ سوچ رہا تھا۔ کہ اتنے مہاتما سادھوؤں نے آج میرے گھر کو پوتر کیا ہے۔ لیکن کمبخت بدبخت ہوں کہ یہاں۔ کھانے کا سامان ہے نہ پینے کا۔ ان کی تواضع کروں تو کیا کروں۔

ترجمہ اے سہیلی کالے بادل گھر آئے۔ برق مضطر چمکتی ہے۔ اے سہیلی کالے بادل گھر آئے ہیں۔ بجلی چمکتی ہے بادل گرجتا ہے۔ درختوں کے پتوں اور ساخسار پر بوندیں پڑتی ہیں۔ کویل۔ مور۔ اور پپیہے بولتے ہیں اور ٹھنڈا پانی برستا ہے۔ اے سکھی۔ الخ ٭

ملار کے سُر نہایت میٹھے ہوتے ہیں۔ اس پرنٹ اور ملار دونوں کا میل سُن سُن کر دل لوٹا جاتا تھا۔ اب اسے راگ کی تاثیر کہئے۔ محض اتفاق سمجھئے۔ یا یوں مان لیجئے۔ کہ موسم ہی ابروباراں کا تھا۔ ہوا نہایت تیز ہوگئی۔ اور بادلوں نے ڈراونی شکل اختیار کی۔ بوڑھے سادھو نے حقیقت میں سچ کہا تھا۔ منزل ابھی ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ تھا۔ یہ منڈلی آج دیر کرکے چلی تھی اور اس کی وجہ یہ ہوئی تھی۔ کہ گذشتہ مقام پر ایک مالدار سیٹھ نے انہیں نیوتا دیا تھا۔ اور چونکہ کھانا تکلّف کا بنوایا تھا۔ اس باعث سے کچھ اس میں دیر ہوئی۔ کچھ کتھا بارتا میں دیر لگی۔ اس طرح وقت مقررہ سے دو گھنٹے بعد چلے تھے لیکن انہیں خیال تھا کہ شام ہونے ہوتے منزل جالینگے۔ اور بیشک ان کا خیال درست تھا۔ لیکن ابروباد کے سامنے کس کی پیش جاتی ہے ٭

راسخ الاعتقاد بھلے آدمی سادھوسیوا اور جاتریوں کی نفع رسانی کی غرض سے راستے کی مرمت کرتے اور کراتے رہتے تھے۔ لیکن باایں ہمہ اکثر جگہ سڑک ٹوٹی ہوئی ملتی تھی۔ اور بہتیری جگہ ایسی تنگ تھی۔ کہ ایک ہی آدمی اس پر چل سکتا تھا۔ دو چار پہلو بہ پہلو ہرگز نہیں گزر سکتے تھے۔ ایسے دشوارگزار راستوں پر تیز ہوا اور بارش میں چلنا احاطۂ امکان سے باہر تھا۔ اور اس وقت اسی مصیبت کا سامنا اس منڈلی کو تھا ٭

یہ لوگ ابھی منزل سے بہت دور تھے۔ اور ہوا ایسی تیز ہوگئی تھی۔ کہ پگ ڈنڈی پر قدم مشکل سے جمایا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر میں زمین و آسمان تیرہ و تاریک ہوگیا۔ آسمان پر کالے بادل دوڑتے پھرتے تھے۔ کھڈوں اور غاروں میں سے بخارات اُٹھ اُٹھ کر چاروں طرف چھانے جاتے تھے۔ غرض اوپر بادل تھے۔ نیچے بادل تھے۔ جہاں یہ چل رہے تھے وہاں بادل

خوبصورت سایہ دار درخت اور اُن میں بتے پھول اور پھل ہیں - کیا کیا دیکھوں اور کیا کیا دکھاؤں - پرند - چرند - انسان - جمادات اور حیوانات کس کس کی تعریف کروں

میرے پربھو سب تو ہے اور سب میں تو ہے - میں تجھے سر جھکاتا ہوں ٭

وہ دلکش سماں - اس پر پیلو کے میٹھے سُر اور پھر دو نوجوانوں کی ملی ہوئی سُریلی آوازیں - سب کو ایسا لطف آیا کہ بے اختیار تحسین اور آفرین کرنے لگے - اس وقت ہوا ذرا ذرا تیز ہو گئی تھی - اور وہ متفرق سفید سفید بادل جو آسمان پر کہیں کہیں نظر آتے تھے - اکٹھے ہو کر ابر کی صورت اختیار کرنے لگے تھے - ایک سادھو نے کہا بھائی نتیانند ستیانند اساڑھ کا ابر آیا ہے - اور شاید یہی پہلا ابر ہے - کوئی میٹھی سی ملار الاپو - ایک بڈھا سادھو بولا - ارے دیوانے ہو گئے ہو - ابھی منزل پر پہنچتے ڈیڑھ گھنٹہ چاہیئے - ملار ین گا کر کہیں مینہ برسانا ہے - منزل کیونکر لوگے - یہ سن کر سب ہنسنے لگے - ایک ٹھٹول سادھو بولا - مہاراج ملار گانے سے ست جگ میں مینہ برستا ہوگا - آج کل تو کلجگ ہے - راگ راگنی میں تاثیر ہی کہاں رہی ہے - اور پھر نتیانند ستیانند کا گانا کہ نہ تال ہے نہ سُر ہیں - ابر آیا بھی تو اُن کی ملار سُن کر اُڑ جائے گا - اس پر کئی سادھو بولے - ستیانند تم ان مہاتما کی باتوں پر نہ جانا - ان کا ایسی ہی باتیں بنانے کا سبھاؤ ہے - تمہارا گانا بہت ہی با اصول اور میٹھا ہے - ہاں کوئی ملار شروع کرو - دونوں گانے والے شاید اس قسم کے تمسخر کے خوگر تھے - وہ سُن سُن کر مسکراتے رہے - اور آخر نٹ ملار میں یہ پدالاپنے شروع کئے ٭

سکھی گھر آئی بدریا کاری

دیکھے دامنی ہو متواری   سکھی گھر آئی بدریا کاری



بجلی چمکے بدرا گرجے   بوند پڑے بیت ڈاری

کوئل مور پپیہا را بولے   برسے شبنم باری

سکھی گھر آئی بدریا کاری

بعض بڈھے ہیں۔ بعض ادھیڑ اور بعض نوجوان۔ آپس میں ہنستے بولتے یا باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ پہاڑ پر چلے جا رہے ہیں۔ چڑھائی بیشک بہت ہے۔ لیکن سر توڑ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مزے سے باتیں کرتے اور ہنستے بولتے چلے جا رہے ہیں +

اس وقت شام کے کوئی پانچ بجے ہونگے۔ آسمان پر کچھ بادل ہیں۔ کیونکہ پہاڑ پر اور خاص کر بدری ناراءن کے راستے میں بادل کس وقت نہیں ہوتے۔ لیکن ہلکی ہلکی دھوپ کھل رہی ہے۔ جو بدن کو ناگوار نہیں گزرتی۔ بلکہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دھوپ چوٹیوں پر ہے۔ ڈھلانوں پر ہے۔ درختوں پر ہے۔ ٹیلوں پر ہے۔ اور سادھوؤں کے بستروں پر ہے۔ غرض ہر شے پر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک چیز کو چاندی سے منڈھ دیا ہے۔ ہوا چل رہی ہے۔ لیکن زور کی نہیں ہے۔ مند مند سگندھ پھولوں اور پتوں میں سے اُٹھ رہی ہے۔ اور اس سے ہر شخص کا دل باغ باغ ہوا جاتا ہے۔ ایسے دلکش سمے میں بے اختیار راگ کی طرف دل دوڑتا ہے۔ چنانچہ دو خوش الحان سادھوؤں نے پیلو کے میٹھے سُروں میں الاپنا شروع کیا۔ یہ گاتے جاتے تھے اور دوسرے سادھو مل کر ٹیک بولتے جاتے تھے +

تیری مایا کے بل جاؤں

پربھو تیری مایا کے بل جاؤں

شیل بنائے اندر پوری سم — برنت شوبھا لجاؤں

بتر پھول پھل نرور سندر — کیا دیکھوں کیا دکھاؤں

پربھو تیری مایا کے بل جاؤں

پشو پکشی نر اچل اور چل — کس کس کے گُن گاؤں

سب تو ہے پربھو سب میں تو ہے — میں تجھ کو سر ناؤں

پربھو تیری مایا کے بل جاؤں

ترجمہ۔ اے قادر مطلق میں تیری قدرت کے قربان جاؤں۔ تو نے بہشت کی مانند پہاڑ بنائے ہیں۔ جن کی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ ان میں

جھاگ دار پانی بہتا ہوا لعبتہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ سوجی کی جٹاؤں میں گنگا چکر کھاتی چلی آتی ہے۔ پانی کی آب دیکھنے میں موتی کو شرماتی ہے۔ اور پیو تو کیسا ٹھنڈا میٹھا اور خوش ذائقہ ہے۔ کہ آبحیات کیا ہوگا۔ یہ نالے پہاڑی چوٹیوں اور ڈھلانوں سے انباخراج لیتے ہوئے نیچے ایک بڑے دریا میں جا ملتے ہیں۔ یہ گنگا کی دھار ہے۔ کہ ابھی پہاڑوں میں بہ رہی اور اُتر کر نیچے میدان تک نہیں پہنچی ہے۔ گنگا بہت نیچے کھڈوں میں بہتی ہے لیکن اس کی روانی کی صدا اوپر پہاڑوں تک پہنچتی ہے۔ اور کانوں میں وہ دلکش سُر آتے ہیں کہ لائق وفائق گانے والوں کے گانے میں وہ مزا نہیں آتا۔ جنہوں نے یہ قدرتی راگ سنے ہیں۔ وہ مصنوعی موسیقی پر کان نہیں دیا کرتے۔ یہاں ایک اور قسم کا نغمۂ خوش آہنگ بھی گوش زد ہوتا ہے۔ جس کو سن کر کانوں میں امرت رس ٹپکتا ہے۔ یہ خوش رنگ خوش نوا پرندوں کے زمزمے ہیں جو زبانِ حال سے اس طرح مترنم ہیں:

صوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در کہسار
وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

کوہ و صحرا و درختاں ہمہ در تسبیح اند
نہ کم از بلبلِ مستی تو بنال اے ہشیار

سبزہ و آب کی یہ کیفیت ہے کہ نظر اُٹھائے نہیں اُٹھتی۔ اس پر سماں وہ کہ دل لوٹا جاتا ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں یکے بعد دیگرے بلند ہوتی چلی جاتی ہیں جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے۔ برابر یہی سلسلے کے سلسلے ہیں۔ جو چوٹیاں دور ہیں وہ برف کی سفید چادر اوڑھے کھڑی ہیں۔ اور اُن پر دھوپ پڑتی ہے تو نگاہ کو چکا چوند آتی ہے۔ پہاڑی راستے جنہیں بٹیا سمجھنا چاہیئے کہیں کہیں اس طرح چکر کھاتے جاتے ہیں۔ جس طرح سانپ لہراتا ہوا چلتا ہے۔ انہیں بٹیوں میں سے ایک پر کچھ آدمی چل رہے ہیں:

راستہ تنگ ہے اس وجہ سے دو دو یا تین تین آدمیوں سے زیادہ کہیں پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی قطار لمبی ہے۔ یہ سب سادھو ہیں۔ گیروے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اور ہاتھوں میں لمبی لمبی جھڑیاں ہیں۔ پہاڑوں کے سبزے میں ان کے گیروے بستر کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض چار ابرو چٹ رنڈ منڈ ہیں۔ بعض جٹا دھاری ہیں۔

اوم تت ست

تمہیدی کہانی

سادھوؤں سے ناظرین کی پہلی ملاقات

منظر ہے عجیب دلفزا روح فزا — پانی ہے رواں اور کھلا ہے سبزہ
سیرِ کہسار قابلِ دید ہے مہر — یاں قدرتِ حق کا ہے مجسّم جلوہ

پہاڑ کا سُہانا اور دلفزا مقام ہے۔ جدھر نگاہ جاتی ہے۔ عروسِ قدرت ہر ہفت بنی دکھائی دیتی ہے۔ یہ خشک پہاڑ نہیں ہیں۔ کہ دیکھنے میں تو کالی یا بھوری سی بھبنسیں نظر آئیں اور پاس پہنچکر معلوم ہو کہ بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔ بلکہ سرسبز و شاداب کوہستان ہے۔ ایک بحر سبز ہے کہ آگے پیچھے اوپر نیچے۔ دائیں بائیں موجیں مار رہا ہے۔ جدھر دیکھو سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے۔ چیڑ دیودار اور چلغوزوں کے قدکشیدہ درخت بلندی میں آسماں سے سرگوشی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے سوئی سے سبز سبز پتّے آنکھوں میں کُھبے جاتے ہیں اور ان کی بلندی دیکھ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں بڑے بڑے جنات ہونگے۔ کسی عارف کی بد دعا سے شجر بن گئے ہیں۔ بے شمار اور درخت اور پودے۔ جھاڑیاں اور گھاس اپنا اپنا جوبن علیٰحدہ دکھا رہے ہیں۔ کسی کے پتّے سبز ہیں۔ کسی کے کاہی کوئی زردی لئے ہیں۔ کوئی سُرخی۔ کسی میں پھل آ رہے ہیں۔ کسی میں پھول کھل رہے ہیں۔ غرض چودہ لاکھ بناس پتی کھلی ہوئی ہے۔ اور رنگ و بو کا وہ عالم ہے کہ آنکھ میں نور اور دل میں سرور آتا ہے +

سبزے کی بہار کے ساتھ پانی کی بھی بہار ہے۔ جس چوٹی کی طرف نظر کیجئے یا جس ڈھلان کو دیکھئے۔ اس پر سے پہاڑی نالے شور و غل مچاتے نیچے اُترتے چلے آتے ہیں۔ کاہی رنگ کی گھنی نباتات میں یہ سفید سفید

کیونکہ سوا برس کے عرصے میں ان کتابوں کی سات آٹھ ہزار جلدیں دور و نزدیک ہندوستان بھر میں پھیل چکی ہیں۔ میری معذرت صرف اتنی ہے کہ یہ نظمیں نہایت ہی برمحل واقع ہوئی ہیں۔ خدا کرے قند مکرّر کا مزہ دیں ✤

اس کتاب کو کتب ویدانت کا دیباچہ سمجھنا چاہئے۔ ناظرین کو خیال رہے کہ فقیر مہر کوئی آچاریہ یا رشی نہیں ہے جو نیا پنتھ قائم کرتا ہے یا پرانے فلسفے میں اپنی نئی اُپج بیان کرتا ہے۔ میں آپ کی طرح گرہستی آدمی ہوں۔ ذمہ دار سرکاری افسر ہوں۔ غرض دنیا میں رہتا ہوں اور دنیا کے سب کاروبار کرتا ہوں۔ ہاں میں نے اپنے گھر کا شاستر پڑھا ہے اور چاہتا یہ ہوں کہ جو لطف خود اٹھایا ہے وہ سب اٹھائیں۔ اس کتاب سے مطلب صرف یہ ہے کہ پڑھنے والوں کے دلوں میں ویدانت پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ اسی غرض سے اُپنشد۔ شرمد بھگوت گیتا۔ یوگ واسشٹ۔ بچار ساگر۔ تلسی کرت رامائن وغیرہ کا خلاصہ مطلب یا کہیں کہیں اقتباسات دئے ہیں۔ یوگ اور سانکھیہ شاستر کا خلاصہ مطلب بھی اس میں آتا ہے اور اور کتابوں کا بھی ذکر خیر ہے۔ یہ ایک سلسلۂ کتب کی پہلی کتاب ہے جس میں اور کتابیں بھی نکلینگی۔ اور سب میں یہ التزام ہوگا کہ آسان عام فہم اور دلچسپ ہوں۔ ان میں سے یوگ واسشٹ۔ فلسفہ۔ گیتا۔ سوامی وویکانند کے لکچر وغیرہ سال آئندہ میں شائع کرنے کی کوشش کرونگا ✤

اگر اس کتاب کے مطالع سے کسی شانت من کو شانتی نصیب ہوئی۔ اگر کسی شاستر پڑھنے والے کا کوئی پیچیدہ عقدہ حل ہو گیا۔ اگر ناظرین میں سے کسی کو اسے پڑھ کر شاستر پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ یا اور کچھ نہیں تو اس کے مضامین کی شوق انگیزی سے سنسکرت یا ہندی ہی تحصیل کرنے کا ذوق ہو گیا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ ناظرین کے حق میں میری سچے دل سے آشیرباد ہے ✤

ویدانت پڑھیں جو مہر وہ شاد رہیں
بے فکر رہیں خوش رہیں آباد رہیں
ہو گیان کی برکت سے انہیں یہ توفیق
رہتے ہوئے بھی جہاں میں آزاد رہیں

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۱۰ء

خاکسار سورج نراین مہر

ان میں سے دس گیارہ کہانیاں رسالہ سادھو میں نکل چکی ہیں اور خوشی سے دیکھا گیا ہے کہ ناظرین نے انہیں پسند فرمایا ہے۔ انہیں کے تقاضے اور حوصلہ افزائی سے یہ کتاب طبع کرانے کی جرأت ہوئی ہے ؂

مہاتما سادھوؤں نے اپنی کہانیوں میں یہ التزام رکھا ہے کہ شروع کے دو تین پیرولں میں اس مضمون کی تمہید اٹھائی ہے جسکی توضیح میں کہانی ہے۔ اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ دلچسپ کہانی آگے آتی ہے۔ جس میں زیادہ تر عملی اور کام کی باتیں ہیں۔ دقیق بحثیں نہیں اٹھائی ہیں بلکہ عام فہم اور دلچسپ پیرائے میں شاستر کے رموز اور نکات سمجھا دئے ہیں۔ سوامی برہمانند نے بیچ بیچ میں کچھ واکھیائیں یعنی لکچر دئے ہیں۔ جن میں انہیں مضامین پر فلسفیانہ نظر ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ویدانت کے مسائل دلائل عقلی پر مبنی ہیں بے سرو پا باتیں نہیں ہیں۔ یہ مضامین خاص توجہ سے پڑھنے کے لائق ہیں ؂

مطالب فلسفہ بیان کرنے میں خاص اصطلاحات کا استعمال ایک ضروری امر ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں بھی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ ہاں اتنا خیال رکھا ہے کہ جہاں کہیں کوئی سنسکرت لفظ پہلی دفعہ آیا ہے وہیں یا تو اس کا اردو ترجمہ دیدیا ہے یا تشریح کر دی ہے۔ ناظرین ان الفاظ کو خیال میں رکھتے جائیں تو کہیں دقت روبکار نہیں ہوگی۔ مزید آسانی کے خیال سے اخیر میں ایک بسیط فرہنگ الفاظ بھی دیدی ہے۔ زبان کے بارے میں گزارش ہے کہ اس کتاب میں اکثر اردو نویسوں کی طرح جابجا عربی و فارسی الفاظ اور ترکیبوں کی بھرمار نہیں کی ہے۔ عبارت آرائی اور سخن سنجی سے پرہیز کیا ہے اور سیدھی سادی روزمرہ کی بولچال استعمال کی ہے۔ یہ وہ زبان ہے جو دہلی کے شریف ہندو گھرانوں میں بولی جاتی ہے تصنع اور تکلف کی کتابی اردو نہیں ہے۔ راقم چونکہ حقیقت کا دلدادہ ہے۔ اسواسطے تصنع تکلف اور تقلید سے ہمیشہ متنفر رہا ہے ؂

جگہ جگہ نظمیں بھی دی ہیں۔ کیونکہ نثر کی نسبت نظم زیادہ پُر تاثیر ہوتی ہے۔ معدودے چند فارسی اور اردو اشعار کے علاوہ تمام و کمال نظمیں اُسی فقیر کی ہیں۔ جو اپنے دیوان یعنی کلام مہر جلد اوّل و ثانی سے لی گئی ہیں۔ اس بارے میں میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں۔ کلام مہر کی جلدیں اکثر اصحاب کی نظر سے گزر چکی ہونگی

ہیں۔ لیکن یہ کام آسان نہیں ہے مشکل ہے ۔

دل نے کہا اگر کوئی شخص یہ کارِ اہم اٹھا سکتا ہے تو وہ مہاتما شوبرت لال ایڈیٹر رسالہ سادھو لاہور ہیں۔ جن کی شبیہ مبارک اس کتاب کے صفحۂ اول پر نمبر گا‌ؤ تیمنّاً دی گئی ہے۔ آپکا سینہ صافی گیان کا گنجینہ ہے اور زبان میں امرت رس بھرا ہؤا ہے ناظرین! مَیں اُن لوگوں میں سے ہوں جو رسالۂ سادھو کو نہایت شوق سے پڑھا کرتے ہیں اور جنہیں شو مہاراج سے بڑی شردّھا ہے۔ چنانچہ اپنا خیال اُن سے بیان کیا تو اُنہوں نے پسند فرمایا۔ مَیں کئی ماہ تک بار بار تقاضا کرتا رہا۔ آخر ایک روز کہنے لگے کہ گیان دھیان کی کہانیوں کا خیال تمہارا ہے تمہیں لکھنی شروع کرو۔ مَیں گھر آیا تو حیران تھا کہ کہانیاں کبھی لکھی نہیں ہیں۔ شروع کروں تو کیونکر شروع کروں۔ ہاں اگر کوئی شخص مجھے کچھ دلچسپ کہانیاں سُنائے تو اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کروں ۔

اسی خیال میں غلطاں پیچاں گھر میں آنکھ بند کئے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا کروں۔ یکایک چشم تصوّر سے شری بدری نارائن کے رستے کے پہاڑ اور اُن پر سادھوؤں کی ایک منڈلی جاتی ہوئی نظر آئی۔ مَیں نے قدم تصوّر اُٹھایا اور ان کے پیچھے دوڑا جس وقت بارش آئی ہے مَیں بھی سوامی رہانند کے پیچھے ہانپتا ہؤا چلا آتا تھا۔ اور جس وقت بڑھے پہاڑی کے مکان میں سادھو جا کر بیٹھے ہیں مَیں بھی کوئلوں کی کوٹھڑی کے دروازے میں جا بیٹھا تھا کیونکہ اور کہیں بیٹھنے کو جگہ نہیں تھی۔ میرا خیال تھا کہ سادھو مہاتما گیان کتھائیں کہینگے تو میری کتاب آسانی سے مرتب ہو جائیگی۔ چنانچہ میں نے ہی اپنے خیال کی دھار سے ننّیانند کے دل میں یہ تحریک پہنچائی تھی کہ وہ گیان دھیان کی کتھاؤں کا سلسلہ اٹھائیں۔ وہ تو اس تحریک کو میری طرف سے نہیں سمجھے ہاں سوامی رہانند جو بڑے مہاتما ہیں اور جن کی گیان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے ۔

سادھو اپنی کتھائیں کہتے رہے اور مَیں انہیں صفحۂ خاطر پر نقش کرتا رہا۔ یہی کہانیاں ہیں جو کتاب کی صورت میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

اوم تت ست

دیباچہ

اے مہر تمہاری ہے جو درخواست کہو ۔ جو کچھ کہنا ہے بے کم وکاست کہو
ہے وہی مثل کہ سانچ کو آنچ نہیں ۔ ہاں راست کہو راست کہو راست کہو

ناظرین بانمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ فقیر ہندو فلسفے کی کتابیں عموماً اور ویدانت شاستر کی خصوصاً برسوں مزے لے لے کر پڑھتا رہا ہے۔ بارہا ہمت کا تقاضا ہوتا تھا کہ تنہا لطف لینا مناسب نہیں۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

نیم نانے گر خورد مرد خدائے ۔ بذل درویشاں کند نیمے دگر

انہیں پاکیزہ مضامین پر اردو میں کوئی کتاب لکھو تاکہ سب لطف لے سکیں اور ہندو شاستر کی داد دے سکیں کہ ہمارے ہاں کیسے کیسے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ لیکن دقت یہ ہے کہ شاستر کا مضمون دقیق ہے۔ اوّل تو اردو سی مفلس زبان میں اُن کا مطالب کا ادا ہونا مشکل ہے۔ دوسرے طبع انسانی کا قاعدہ ہے کہ دقت واشکال سے بھاگتی ہے۔ کوئی ایسی سبیل نکالنی چاہیئے کہ دقیق مضامین دلچسپ اور عام فہم ہو جائیں اور لوگ انہیں شوق سے پڑھیں۔ سنسکرت اور ہندی میں یہ انتظام پایا جاتا ہے۔ ہماری اٹھارہ پرانین اور اُپ پرانین کیا ہیں۔ ہندو فلسفے کو دلچسپ بنانے کی کوششیں ہیں۔ ان میں یوگ واشسٹ کا درجہ سب سے اعلے ہے۔ کہانیاں بھی اچھوتی اور دلچسپ ہیں۔ زبان اور شاعری بھی بہت میٹھی ہے۔ اور گیان کا تو کیا کہنا ہے۔ اس کو پڑھ کر اور کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہ پرانی طرز کا لٹریچر ہے۔ آجکل کا مذاق سخن اس قسم کی کہانیوں کو قرین قیاس تسلیم نہیں کرتا اور مطالب کو زیادہ مسلسل مدلل اور عام فہم پیرائے میں چاہتا ہے۔ یہی مطالب اگر ایسی کہانیوں میں بیان ہوں جو موجودہ مذاق کے مطابق ہوں۔ تو شوق انگیز بھی بہت کام دے سکتی

صفحہ	مضمون
	باب پنجم ۔ ادّھیاس یا پندار
۵۱۹	چونتیسویں سادھو کی کہانی ۔ پرما یعنی علم تحقیقی کی ماہیت ✤
۵۳۱	پینتیسویں سادھو کی کہانی ۔ بھرم یعنی وہم کی ماہیت ✤
۵۳۸	سوامی برہمانند کی پانچویں ویاکھیا ۔ ادھیاس کے مسئلے پر فلسفیانہ نظر ✤
	باب ششم ۔ بندھ یا گرفتاری
۵۵۳	چھتیسویں سادھو کی کہانی ۔ آدمی اپنے ہاتھوں بندھا پڑا ہے ✤
۵۶۳	سینتیسویں سادھو کی کہانی ۔ وہمیہ گرفتاری کا وہمیہ علاج ✤
۵۷۳	سوامی برہمانند کی چھٹی ویاکھیا ۔ وہمیہ بندھ اور اسکے وہمیہ علاج پر فلسفیانہ نظر ✤
	باب ہفتم ۔ موکش یا نجات
۵۸۸	اڑتیسویں سادھو کی کہانی ۔ موکش اور پراپت پراپتی یعنی تحصیل حاصل ✤
۵۹۶	انتالیسویں سادھو کی کہانی ۔ کرم موکش یعنی نجات تدریجی ✤
۶۰۸	چالیسویں سادھو کی کہانی ۔ جیون موکش اور ودیہہ موکش ✤
۶۲۱	سوامی برہمانند کی ساتویں ویاکھیا ۔ فلسفۂ ویدانت کا مجملاً بیان ✤
	خاتمۂ کتاب
۶۷۷	خاتمۂ کتاب ۔ ناظرین کی سادھوؤں سے آخری ملاقات ✤
۶۸۳	فرہنگ ہندی و سنسکرت الفاظ ✤



فہرست مضامین

نذر

سب نہاکر ہیں اس میں تر جاتے — بہتی گنگا ہے یہ رس سادھو سنگ
کام رکھ تو بھی سادھو سیوا سے — کبھی تر جائیگا نہ ہو دلتنگ

گیان دھیان کی کہانیوں کا یہ مجموعہ صدق عقیدت و محبت کے ساتھ منشی شو برت لال جی اڈیٹر و اطرین ناظمین رسالہ

سادھو

کی خدمت بابرکت میں کمال ادب سے پیش کیا جاتا ہے
جن کی حوصلہ افزائی سے راقم نے اسے لکھا اور طبع کرایا ہے

شاہ خاور کی طرح مشہور ہے — آپ کی ذرہ نوازی ہر طرف
مہر کی بھی یہ مختصر پیشکش — گر قبول افتد زہے عزّ و شرف



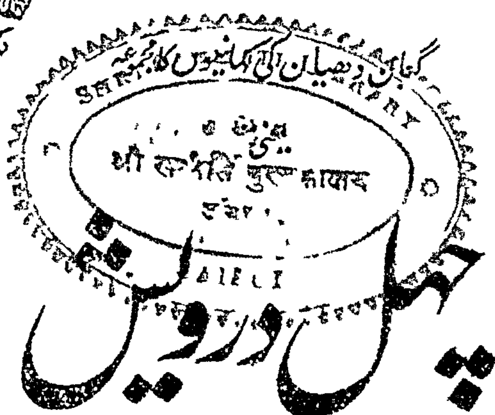
منشی سورج نراین مہر دہلوی



مہاتما شوبرت لال اڈیٹر سادھو

एकं सत्

विप्रा बहुधा वदन्ति



گیان دھیان کی کہانیوں کا مجموعہ

چہل درویش

از تصنیفات

منشی سورج نراین مہر دہلوی

سابق اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ دہلی و راولپنڈی

حال رپورٹر ادن بکس سررشتۂ تعلیم پنجاب لاہور

प्रज्ञानमानन्द ब्रह्म

तत्त्वमसि